وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے عالمیہ للبنین

سال دوم کے پاسٹ پیپرز

اہل سنت بورڈز پاکستان کا واٹس ایپ چینل جوائن کرنے کے لیے کلک کریں۔

اہل سنت بورڈز پاکستان

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾(سنن النسائی) ١٤٣٠ھ

الشق الاوّل.....عن میمونة قالت: کان رسول اللہ ﷺ یباشر المرأة من نسائه وهی حائض اذاکان علیها ازار یبلغ أنصاف الفخذین والرکبتین، فی حدیث اللیث محتجزة به۔(ص۷۷۔ج۱۔رحمانیہ)

اذکرحکم الاستمتاع بالحائض ومباشرتها بتفصیل ۔ ترجم الحدیث المذکور واشرحه ببسط ۔ اذکر ماهوحکم مستحل مباشرة الحائضة۔ ترجم للحارث بن مسکین۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حائضہ عورت سے استمتاع اور مباشرت کا حکم (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) حائضہ سے مباشرت کو حلال سمجھنے والے کا حکم (۵) حارث بن مسکین کا تعارف۔

جواب..... ① حائضہ عورت سے استمتاع اور مباشرت کا حکم:۔ حائضہ عورت سے استمتاع اور نفع حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔① استمتاع بالجماع یعنی جماع کرنا بالاجماع حرام ہے اور اگر اس کا مرتکب اسکو حلال سمجھ کر کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ ② استمتاع مافوق السرہ وماتحت الرکبه یعنی ناف کے اوپر اور گھٹنے کے نیچے سے نفع حاصل کرنا بالاجماع جائز اور مباح ہے۔③ استمتاع ماتحت السرہ ومافوق الرکبه بدون الجماع بلاحائل یعنی ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر رکاوٹ کے بغیر جماع کے علاوہ کوئی اور نفع حاصل کرنے میں اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ استمتاع ناجائز ہے۔

امام محمد، امام احمد، اسحٰق بن راہویہ ودیگر بعض تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک یہ استمتاع جائز ہے۔(شرح نسائی ودرسِ ترمذی ج۱ص۳۷۴)

جمہور کے دلائل:① حدیثِ میمونہ رضی اللہ عنہا ہے قالت ان النبی ﷺ کان یباشر المرأة وهی حائض اذاکان علیها ازارالی انصاف الفخذین اوالرکبتین۔② حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث الاتزار ہے قالت کان رسول اللہ یامر احدٰنا اذا کانت حائضا ان تتزرثم یضاجعها زوجها اویباشرها ۔③ حدیثِ حزام بن حکیم عن عمہ ہے سأل رسول اللہ ﷺ مایحل لی من امرأتی وهی حائض قال لك مافوق الازار ۔ان تمام روایاتِ کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ خاص حصہ پر ازار باندھنے کے بعد مباشرت کی جائے۔

امام محمد واحمد رحمہما اللہ کی دلیل:① حدیثِ انس رضی اللہ عنہ ہے اصنعوا کل شیئ غیر النکاح معلوم ہوا کہ وطی کے علاوہ سب کچھ جائز ہے۔

② حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کنانبیت فی الشعار الواحد کہ ہم ایک ہی کپڑے میں رات گزارتے تھے۔

جمہور کی طرف سے جواب① یہ احادیث مبیح ہیں اور ہماری احادیث محرم ہیں اور مبیح کے مقابلہ میں احادیثِ محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔② احادیثِ اباحت مقدم ہیں کیونکہ ان میں ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے اور وہ اس زمانہ کی ہے جب یہود عورتوں سے الگ رہتے تھے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تو آیت ویسئلونك عن المحیض نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اصنعوا کل شیئ غیر النکاح تو یہ احادیث مقدم ہیں اور احادیثِ حرمت مؤخر ہیں اور احادیثِ مؤخر ناسخ ہوتی ہیں۔

حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ اسمیں کل شیئ مافوق الازار کی قید کیساتھ مقید ہے اور اس پر قرینہ احادیثِ حرمت ہیں۔ نیز حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کا مدلول تعمیم افعال ہے، تعمیم اعضاء نہیں ہے۔ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب یہ ہے کہ شعار کا معنی ازار نہیں ہے بلکہ لحاف ورضائی ہے کہ ہم ایک ہی لحاف ورضائی میں آرام کرتے تھے اور ہر شخص اپنا اپنا ازار باندھے ہوئے ہوتا تھا۔(ایضاً)

② حدیث کا ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ مباشرت کرتے تھے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں

سے بعض کے ساتھ اس حال میں کہ وہ حائضہ ہوتی تھیں جبکہ ان کے اوپر تہہ بند ہوتا تھا جو نصف ران اور گھٹنے تک پہنچتا تھا۔

③ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ازواجِ مطہرات میں سے کسی زوجہ کے ایامِ حیض ہوتے تو اس وقت بھی آپ ﷺ اپنی زوجہ کے ساتھ مباشرت کرتے تھے مگر جسم کا خاص حصہ ناف سے لیکر گھٹنے تک تہہ بند میں ہوتا تھا یعنی خاص حصہ سے نفع حاصل نہ کرتے تھے اس کے علاوہ باقی جسم سے نفع حاصل کرتے تھے معلوم ہوا کہ خاص حصہ کے علاوہ سے ایامِ حیض میں مباشرت جائز ہے۔

④ حائضہ سے مباشرت کو حلال سمجھنے والے کا حکم:۔ اگر کوئی شخص حائضہ عورت سے مباشرتِ فاحشہ یعنی جماع کو حلال سمجھے تو وہ شخص کافر ہو جائیگا اور اگر حلال نہیں سمجھتا بلکہ ویسے ہی جماع کرتا ہے تو پھر ارتکابِ کبیرہ کی وجہ سے گنہگار ہے۔

⑤ حارث بن مسکین کا تعارف:۔ ان کا پورا نام ابوعمرو حارث بن مسکین بن محمد بن یوسف الاموی المصری ہے۔ آپ کی ولادت ۱۵۴ھ میں ہوئی، بنواُمیہ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں، ثقہ اور فقیہ تھے، ان کا شمار رواۃ کے دسویں طبقہ میں ہوتا ہے، ۹۶ سال کی عمر میں ۲۵۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ (تقریب التہذیب)

الشق الثانی.....**عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، فَأَيْنَمَا أَدْرَكَ الرَّجُلُ مِنْ أُمَّتِيْ الصَّلٰوةَ يُصَلِّيْ، وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَلَمْ يُعْطَ نَبِيٌّ قَبْلِيْ، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً۔**

شکل الحدیث ثم اشرحه۔ قدبعث آدم ونوح أیضا الی کافة الناس فکیف قال نبینا ﷺ: "بعثت الی الناس کافة وکان النبی یبعث الی قومه خاصة" ۔ اذکر الخصلة الخامسة التی لم تذکر ههنا ۔(ص۸۴۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کی تشریح (۳) **بعثت الی الناس کافة** کا جواب (۴) پانچویں خصوصیت کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث میں مذکورہ ارشاد غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جن انعامات سے نوازا ہے ان میں سے پانچ انعام ایسے ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو عطاء نہیں کئے گئے۔ ① ایک ماہ کی مسافت تک دشمن کے دل میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے یعنی دشمن میرے رعب کی وجہ سے گھبرا کر بھاگ جاتا ہے۔ ② پہلی امتوں کی عبادت کے لئے جگہ مخصوص ہوتی تھی اسی جگہ میں نماز پڑھتے تھے اور صرف پانی سے پاکی حاصل کرتے تھے جبکہ میری امت کے لوگ پوری زمین پر جہاں بھی بشرطِ طہارت نماز پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں اور اسی طرح پوری زمین کو ان کیلئے طہارت و پاکیزگی کا آلہ بنا دیا گیا ہے یعنی شرعی عذر میں اس سے تیمّم کرنا اور اس پر ہمہ صورت میں نماز پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ③ مجھے شفاعتِ عظمیٰ دی گئی ہے یعنی میدانِ حشر میں طولِ وقوف اور اس کی شدت وتکلیف سے نکالنے اور راحت دینے کے واسطے میری سفارش ہی قبول ہوگی۔ ④ مجھ سے پہلے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے وہ خاص اپنی قوم کی طرف آئے مگر مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ⑤ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا تھا کیونکہ بعض انبیاء علیہم السلام پر تو جہاد ہی فرض نہ تھا اور بعض پر جہاد فرض تھا مگر مالِ غنیمت استعمال نہ کر سکتے تھے، مگر میری امت کیلئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور اس میں سے پانچواں حصہ آپ ﷺ کیلئے مخصوص ہوا۔

③ **بعثت الی الناس کافة** کا جواب:۔ سوال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں جبکہ پہلے انبیاء علیہم السلام صرف اپنی اپنی امت اور قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے حالانکہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام بھی تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

0313 6257913 mailtakhzazaariyemultan@gmail.com

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ تمام خصلتیں کسی نبی کو اجتماعی طور پر نہیں دی گئیں لہٰذا کسی نبی میں ان میں سے کسی ایک خصلت کا پایا جانا اس کے منافی نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت نوح علیہ السلام تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ صرف اپنی قوم کی طرف ہی نبی بنا کر بھیجے گئے تھے البتہ اتفاقی طور پر ان کی نبوت تمام اہلِ زمین کیلئے ثابت ہوگئی کیونکہ آدم علیہ السلام کی نبوت کے وقت روئے زمین پر صرف انکی اولاد ہی تھی اور اسی طرح طوفانِ نوح کے بعد بھی صرف حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہی بچے تھے لہٰذا انکی نبوت تمام انسانوں کیلئے نہیں تھی بلکہ صرف انکی قوم کیلئے تھی اور اس وقت پوری انسانیت انکی قوم ہی تھی لہٰذا اب کوئی اشکال نہ رہا۔

④ پانچویں خصوصیت کی وضاحت:۔ اس حدیث میں پانچویں خصوصیت کو ذکر نہیں کیا گیا جبکہ بخاری و مسلم کی روایت میں اس کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے **احلت لی الغنائم ولم تحل لنبی قبلی**، جس کی تفصیل ابھی تشریح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ١٤٣٠ھ

الشق الاوّل.....**اکتب ترجمة جامعة حول الامام ابن ماجه بحيث تكون الترجمة حاوية على اسمه ونسبه وشهرته ومولده ووفاته وشيوخه وتلاميذه ومصنفاته وعرف "السنن" بحيث تتجلى محاسن الكتاب ومزاياه وخصائصه وما انتقد عليه واذكر ايضا اشهر رواته.**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات (۲) سنن ابنِ ماجہ کا تعارف (۳) ابنِ ماجہ کے مشہور رواۃ۔

جواب..... ① امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات:۔ امام ابن ماجہ کا پورا نام اس طرح ہے حافظ ابوعبداللہ بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی حافظ لقب ہے، ابوعبداللہ کنیت، محمد نام، یزید آپ کے والد کا نام ہے اور ربعی ربیعہ بن نزار کی طرف نسبت ہے۔ قبیلہ ربیعہ سے نسبتِ ولاء کی بناء پر ان کو ربعی کہا جاتا ہے جس طرح امام بخاری کو ولاء کی وجہ سے جعفی کہتے ہیں اور قزوینی قزوین کی طرف نسبت ہے جو عراق عجم کا مشہور شہر ہے یہ ایران کے صوبہ آذربائیجان میں واقع ہے جو امام ابن ماجہ کا وطن ہے۔

امام ابن ماجہ ۲۰۹ھ کو عراق عجم کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ عام دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد علمِ حدیث کی طرف رجوع کیا۔ وطن اور بیرونِ وطن ہر جگہ روایتِ حدیث کو تلاش کیا اور دور دراز علاقوں میں جا کر علمِ حدیث حاصل کیا اس سلسلہ میں انہوں نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے متعدد شہروں کا سفر کیا جن میں مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور ظہران کے نام قابل ذکر ہیں۔ امام ابن ماجہ کے اساتذہ اور شیوخ کے اوطان پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان اساتذہ سے حصولِ علم کی خاطر اور شہروں کا بھی سفر کیا ہوگا جن میں اصفہان، ہواز، ایلہ، بلخ، بیت المقدس، حران دمشق، فلسطین، مرو اور نیشاپور کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔ چونسٹھ سال زندگی گزار کر ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ پیر کے دن امام ابن ماجہ کا انتقال ہوا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔ حافظ ابوالفضل مقدسی شروط الائمہ الستہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور دو بھائیوں نے ملکر آپ کو قبر میں اتارا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

امام ابنِ ماجہ کے اساتذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے جن میں چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر، جبارہ بن المفلس، ابراہیم بن منذر الحزامی، عبداللہ بن معاویہ، ہشام بن عمارہ، محمد بن رمح اور داؤد رشید۔ ان کے علاوہ ابوبکر بن ابی شیبہ، نصر ابن علی الجہضمی، ابومروان محمد بن عثمان، محمد بن یحییٰ نیشاپوری، احمد بن ثابت الجحدری، ابوبکر بن خلاد باہلی، محمد بن بشار، علی بن منذر، محمد بن عبد بن آدم، عباس بن عبدالعظیم، احمد بن عبدہ، عبداللہ بن عامر بن زرارہ، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، عثمان بن ابی شیبہ، عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان دمشقی، اسماعیل بن بشر بن منصور اور یحییٰ بن حکیم بھی ابنِ ماجہ کے مشہور اساتذہ میں شامل ہیں۔

امام ابنِ ماجہ سے فیض حاصل کرنے والے اور ان سے احادیث کی روایت کرنے والے حضرات کی بھی ایک طویل فہرست ہے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔ علی بن سعید بن عبداللہ الفلانی، ابراہیم بن دینار الجرشی الصمدانی، احمد بن ابراہیم القزوینی،

ابوطیب احمد بن روح الشعرانی، اسحاق بن محمد القزوینی، جعفر بن ادریس، حصین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید القزوینی، محمد بن عیسیٰ الصغار، حافظ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سلمہ القزوینی، ابوعمر واحمد بن محمد حکیم المدنی الاصبہانی۔

امام ابنِ ماجہ کی تین کتابیں یادگار ہیں ① سنن ابن ماجہ ② تفسیر ابن ماجہ، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ **ولابن ماجه تفسير حافل**، امام سیوطی نے بھی الاتقان میں تیسرے طبقہ کی تفسیروں میں ابن ماجہ کی تفسیر کا شمار کیا ہے لیکن اب یہ کتاب نایاب ہوچکی ہے ③ التاریخ، یہ صحابہ سے لیکر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے حافظ ابن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں کہ میں نے قزوین میں اس کا ایک نسخہ دیکھا تھا لیکن اب یہ کتاب ناپید ہوچکی ہے۔ (تکمیل الحاجہ)

② سنن ابنِ ماجہ کا تعارف:۔ کتب صحاح ستہ میں جس کتاب کو سب سے آخر میں شمار کیا جاتا ہے وہ سنن ابن ماجہ ہے اس کتاب کو پانچویں صدی کے اخیر میں صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اسکے بعد ہر دور میں یہ کتاب اپنی اہمیت منواتی گئی، صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح ابن جان، سنن دارمی، دار قطنی اور دوسری کئی کتب ابن ماجہ سے برتر تھیں لیکن ان کتب کو وہ قبولِ عام اور فروغ حاصل نہ ہوسکا جو سنن ابن ماجہ کو نصیب ہوا۔ سنن نسائی کو قوت اور صحت اسناد کے لحاظ سے بعض مغاربہ نے بخاری ومسلم پر بھی ترجیح دی لیکن اسکے باوجود سنن نسائی پر حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں اس قدر کام نہیں ہوا جس قدر کام سنن ابن ماجہ کے حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں ہوا ہے۔

سنن ابن ماجہ کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ابن ماجہ نے یہ کتاب تصنیف کرکے حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہوکر رہ جائیں گی۔ حافظ ابوزرعہ کا یہ قول حرف بحرف صادق ہوا اور سنن ابن ماجہ کے فروغ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات کے چراغ دھندلا گئے۔

سنن ابن ماجہ کو جس چیز نے عوام وخواص میں پذیرائی اور قبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسن انتخاب ہے، ابواب کی فقہی رعایت سے ترتیب احادیث سے مسائل کے واضح استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور الجھن کے مطابقت نے بھی سنن ابن ماجہ کے حسن کو نکھارا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم سنن ابن ماجہ کے اسلوب کی چند خوبیاں اور خصوصیات پیش کررہے ہیں۔

① امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں زیادہ تر ان احادیث کو روایت کیا ہے جو کتب خمسہ میں موجود نہیں ہیں علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں کہ امام ابن ماجہ اپنے اس اسلوب میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے تابع ہیں کیونکہ وہ بھی انہی احادیث کی روایت کرتے ہیں جو دوسرے صحابہ کے پاس نہیں ہوتی تھیں اور جس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ کثرتِ افادہ کیلئے تھا اسی طرح امام ابن ماجہ نے بھی زیادتی افادہ کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اور اپنے اس اسلوب کو قائم رکھنے کیلئے انہوں نے اسانید کی صحت اور قوت کی طرف چنداں التفات نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف الاسناد روایات بکثرت موجود ہیں۔ ② سنن ابن ماجہ میں ایک اہم انفرادیت اور خصوصیت یہ ہے کہ امام ابن ماجہ اپنی سنن میں کوئی حدیث مکرر نہیں لائے اور یہ وہ خوبی ہے جو بقیہ کتب اصول میں سے کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے ③ سنن ابن ماجہ میں باقی کتبِ سنن کی بنسبت بہت زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے اسکے باوجود یہ کتاب تمام ضروری مسائل اور احکام کی جامع ہے ④ زیادہ تر اس کتاب میں مسائل اور احکام کے متعلق احادیث ہیں فضائل اور مناقب کے متعلق احادیث اس کتاب میں نہیں لائی گئیں ⑤ بعض مقامات پر امام ابن ماجہ حدیث کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کرتے ہیں ⑥ اگر کسی حدیث کے بارے میں لوگوں کو تشویش اور اضطراب رہا ہو تو امام ابن ماجہ اس حدیث کے ملنے کا ثبوت بھی ذکر کردیتے ہیں ⑦ بعض روایات بعض شہروں کے محدثین کے ساتھ خاص ہوتی تھیں اور دوسرے شہروں میں اسکے راوی نہیں ہوتے تھے۔ امام ابن ماجہ جب اس قسم کی روایت ذکر کرتے ہیں تو بتلادیتے ہیں کہ یہ فلاں شہر والوں کی روایت ہے۔ (تکمیل الحاجہ)

③ ابنِ ماجہ کے مشہور رواۃ:۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے سنن ابنِ ماجہ کے چھ راوی بیان کئے ہیں ① ابوالحسن القطان ② سلیمان بن یزید ③ ابوجعفر محمد بن عیسیٰ ④ ابوبکر حامد الابہری ⑤ سعود ن ⑥ ابراہیم بن دینار۔ (تکمیل الحاجہ)

0313-6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....حدثنا عبدالوهاب بن الضحاك ثنا اسماعيل بن عياش، عن صفوان بن عمروعن عبدالرحمن بن جبير بن نفير، عن كثيربن مرة الحضرمي عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ ان اللهاتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا، فمنزلي ومنزلة ابراهيم في الجنة يوم القيامة تجاهين والعباس بيننامؤمن بين خليلين ۔(ص۱۳۔قدیمی) ترجم الحديث ثم انكرمعناه بايضاح ۔ ان هذاالحديث قدعده ابن الجوزي في الموضوعات وعد غيره من الضعاف فاذكروجه كل ذلك ۔ اذكر كيف ادرج ابن ماجة في سننه"الاحاديث الموضوعة" مع ان رواية الموضوع بدون ذكروضعه حرام ۔ كيف يعد هذاالكتاب من الصحاح وفيه موضوعات واحاديث واهية۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے کی وضاحت (۴) امام ابن ماجہ کے موضوع احادیث کو ذکر کرنے کی وجہ (۵) موضوع احادیث کے باوجود سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کرنے کی وجہ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے پس قیامت کے دن میرا مقام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام جنت میں آمنے سامنے ہوگا اور حضرت عباس دو خلیلوں کے درمیان ایک مومن کی حیثیت سے ہونگے۔

② حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی آخر الزمان محمد عربی ﷺ جنت میں ایک ساتھ ہونگے اور دونوں کا جنتی ٹھکانہ آمنے سامنے ہوگا اور حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ دونوں نبیوں کے درمیان ہونگے یعنی میرے چچا حضرت عباس کا جنتی مقام ومرتبہ اور ٹھکانہ بھی بہت بلند وبالا ہے۔

③ حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے کی وضاحت:۔ اس حدیث کے متعلق ابن رجب زبیری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں اور یہ حدیث موضوع ہے اسلئے کہ اس کی سند میں عبدالوہاب راوی کے متعلق محدثین فرماتے ہیں **لااعتبار شیئ** اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا اسی لئے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو موضوع احادیث میں سے شمار کیا ہے جبکہ دیگر حضرات نے اسے ضعیف احادیث میں سے شمار کیا ہے الحاصل اس پر وضع کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ حدیث عبدالوہاب راوی کے ضعف کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے۔ (تکمیل الحاجہ۔ص۳۳۰)

④ امام ابن ماجہ کے موضوع احادیث کو ذکر کرنے کی وجہ:۔ امام ابن ماجہ نے رواۃ کے انتخاب میں حتی الامکان وسعت ظرفی سے کام لیا ہے اور ہر قسم کے راویوں کی روایات ذکر کی ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ امام ابن ماجہ اپنی سنن میں ایسی روایات ذکر کرنا چاہتے تھے جو دوسری کتب حدیث میں موجود نہ ہوں اور اسی شوق کی خاطر انہوں نے ہر طرح کی روایات ذکر کیں حتیٰ کہ ان میں راویوں کے ضعف یا روایت کی وضع کو بھی برداشت کرلیا۔ (مقدمہ تکمیل الحاجہ)

⑤ موضوع احادیث کے باوجود سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کرنے کی وجہ:۔ سنن ابن ماجہ کو دو وجہ امتیاز کی وجہ سے صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ① حسنِ ترتیب یعنی جس خوبی اور عمدگی سے احادیث کو بغیر تکرار امام ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اس طرح کسی اور نے نقل نہیں کیا ② زائد احادیث یعنی یہ کتاب بہت سی ایسی احادیث پر مشتمل ہے جس سے دیگر کتبِ احادیث خالی تھیں، یہی وہ امتیازِ خاص ہے جس کی وجہ سے حفاظِ وقت نے صحاح کی تعداد خمسہ سے بڑھا کر ستہ کردی اور ابن ماجہ کو بھی صحاح کی فہرست میں شمار کیا گیا۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾(الشمائل) ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل.....سمعت سعد بن ابی وقاص يقول: انی لاول رجل اهراق دما فی سبيل الله، وانی لاول رجل رمی بسهم فی سبيل الله، لقدرايتنی اغزوفی العصابة من اصحاب محمد عليه الصلوة

0313 6357913 maktabakariyamultan@gmail.com

والسلام مانا كل الاورق الشجر و الحبلة حتى تقرحت اشداقنا وان احدنا ليضع كما تضع الشاة والبعير، واصبحت بنو اسد يعزرونني فى الدين، لقد خبت وخسرت اذا وضل عملى۔ (ص۲۵۔قدیمی)

ترجم الحديث ۔ ترجم لسيدنا سعد بن ابى وقاص ترجمة موجزة ۔ اشرح الكلمات المعلمة لغة وصرفا۔ اشرح ما اشار اليه من القصص الثلاث فى هذا الحديث ۔ مامعنى قوله: واصبحت بنواسد يعزرونني فى الدين وما قصته؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعارف (۳) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۴) قصصِ مذکورہ کی تشریح (۵) بنواسد کے قصہ کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے کسی کافر کا خون بہایا ہو میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو میں ہوں۔ ہم لوگ (یعنی صحابہ کی جماعت ابتداء اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے منہ کے جبڑے زخمی ہوگئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں اسکے بعد بھی قبیلہ بنواسد کے لوگ اسلام کے بارہ میں مجھ کو دھمکاتے ہیں اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں تو **خسر الدنيا والاخرة** دنیا اس تنگی وعسرت میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔

② حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ نام ونسب: آپ کا اسم گرامی سعد، کنیت ابواسحاق، والد بزرگوار کا نام مالک کنیت ابووقاص، والدہ کا نام حمنہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے، سعد بن ابی وقاص مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زہری خاندان میں سے تھے اس لئے حضرت سعد بن وقاص رشتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس رشتہ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

قبولِ اسلام: آپ نے ابھی عمر مبارک کی انیسویں منزل طے کی تھی کہ آپ کے دل کی دنیا بدلنے لگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے توحید حضرت سعد کے قلب پر اثر انداز ہونے لگی چنانچہ فیصلہ خداوندی کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ والدہ محترمہ نے جب حضرت سعد کے ایمان کے متعلق سنا تو غم کے مارے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مسلسل تین روز تک آب ودانہ سے قطعاً دور رہیں لیکن جو دل ایمانی حلاوت اور توحید خداوندی سے آشنا ہو چکا تھا وہ کفر وشرک کی طرف دوبارہ کیوں کر عود کر سکتا تھا حضرت سعد نے ماں کی اس حالت زار کا مشاہدہ کیا مگر جبین استقلال پر ذرہ برابر شکن بھی نہ پڑی، قبول اسلام کے بعد ہجرت نبوی تک مکۃ المکرّمۃ ہی میں اقامت پذیر رہے اور عام مسلمانوں کی طرح حضرت سعد کے لئے مکہ کی زمین باوجود وسعت اور فراخی دامن کے تنگ ہوگئی۔ ان پر بھی مصائب وآلام، اور شدائد وتکالیف کے پہاڑ ٹوٹے، مگر عزم واستقلال میں ذرہ برابر بھی تزلزل نہیں آیا بلکہ اس سے مزید ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ راہ خداوندی میں سب سے پہلے تیر چلانے والے آپ ہی ہیں۔

0313 6357973 maktabazakariyamultan@gmail.com

حالات پر اچکتی نظر: حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے اور نہایت بہادری، جوانمردی اور شجاعت کے ساتھ کفار سے مقابلہ کیا۔ آپ کی شجاعت وبہادری اور دلیری وہوشیاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مسلم تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ آپ تدبر وتفکر، حلم وبردباری اور حکمرانی صلاحیت میں معروف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ایک عرصہ تک کوفہ کے والی بھی رہے ہیں۔ نکاح اور اولاد: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مختلف وقتوں میں متعدد شادیاں کی ہیں جن کی تعداد علماء کرام اور محدثین کرام نے نو بیان کی ہے اور تقریباً چونتیس اولادیں تھیں جن میں سے سترہ نرینہ اولاد اور باقی لڑکیاں تھیں۔

سانحۂ وفات: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو درویشی کی زندگی پسند تھی بوریا نشینی ہی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور اسی میں بھلائی جانتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعد نے اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے مدینہ منورہ سے دور دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں ایک محل تعمیر کروایا تھا اور وہیں زندگی کے بقیہ ایام بسر کرنے لگے تھے یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں

اسی جگہ وفات ہوئی، مروان بن الحکم نے جنازہ پڑھایا۔ (کشف الباری فضائل صحابہ ص ۶۵۴)

③ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "لیضع" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل مضارع معلوم از باب فتح بمعنی رکھنا۔

"عصابة" اس کی جمع عصائب ہے بمعنی انسان کی جماعت از باب سمع بمعنی اجتماع کرنا۔

"حبلة" اس کی جمع احبال ہے بمعنی انگور کی بیل یا اس کی شاخیں اور از باب سمع بمعنی بھر جانا۔

"تقرحت" صیغہ واحد مؤنث غائب بحث فعل ماضی معلوم از باب تفعل بمعنی زخمی ہونا۔

"اشداقنا" جمع ہے اور اس کا مفرد شدق ہے بمعنی منہ کا جبڑا۔ "اهراق" مصدر ہے از باب افعال بمعنی گرانا۔

"یعزروننی" صیغہ جمع مذکر غائب بحث فعل مضارع معلوم از باب تفعیل بمعنی ملامت کرنا، دھمکی دینا۔

④ قصصِ مذکورہ کی تشریح:۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے تیر چلانے کا واقعہ: یہ ہجرت کے بعد ۱ھ کا واقعہ ہے اور اسلام میں سب سے پہلا سریہ یعنی سب سے پہلی اسلامی مجاہدین کی فوج ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں رابغ بھیجا تھا اس میں کفار سے لڑائی ہوئی دونوں طرف سے تیر چلائے گئے، مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے خون بہانے کا واقعہ: میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے کسی کافر کا خون گرایا۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لوگ نہایت پریشان اور مصائب میں مبتلا تھے کفار سے چھپ کر نماز وغیرہ عبادات کیا کرتے تھے ایک مرتبہ چند حضرات جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی ان لوگوں کو برا بھلا کہا اور لڑائی پر اتر آئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کا ایک جباڑہ وہاں پڑا تھا اس کو اٹھا کر ایک کافر کے مارا جس سے اسکے خون جاری ہو گیا۔ اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے خون گرانے سے یہی مراد ہے۔

"شجر وحبلہ" کے کھانے کا واقعہ: یہ قصہ سریہ خبط کہلاتا ہے جو باختلاف اقوال ۵ھ یا رجب ۸ھ میں ہوا ہے اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مہاجرین اور انصار کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے پانچ روز کی منزل پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا۔ اس لشکر میں اوّلاً تین اونٹ یومیہ ذبح ہوتے تھے اور جب اونٹوں کی قلت کے خوف سے امیر نے ذبح کی ممانعت فرمادی تو کچھ مقدار کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں اور وہ بھی کم ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک کھجور یومیہ فی آدمی ملتی تھی کہ اس کو چوستے رہتے اور پانی پیتے رہتے لیکن جب وہ بھی ختم ہو گئیں تو درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔

خبط کے معنی پتے جھاڑنے کے ہیں اس لئے اس کا نام سریۃ الخبط مشہور ہو گیا۔ (خصائلِ نبوی۔ ص ۳۵۴)

حبلہ کا معنی کیکر کے درخت پر لگنے والا پھل جسے کیکر کی پھلی کہا جاتا ہے۔

⑤ بنو اسد کے قصہ کی وضاحت:۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا ہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی بہت سی شکایات کیں حتی کہ یہ بھی شکایت کی کہ یہ نماز تک بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں حتی کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں میں نے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا میں اس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہ وہاں گشت کر کے ان سے متعلقہ شکایات کی تحقیق کر کے آئیں۔ انہوں نے کوئی مسجد کوفہ کی ایسی نہیں چھوڑی جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو سب نے ان کی تعریف کی البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دیکر پوچھتے ہو تو سچ سچ بتاؤں کہ سعد جہاد کیلئے نہیں نکلتے گویا اپنی جان پیاری ہے دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے تین شکایات کی ہیں اسلئے ہر ایک کے مناسب تین بددعائیں

0323 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کرتا ہوں، اے اللہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے تو اسکی عمر بڑھادے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما، اسکے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقیر ہو گیا تھا۔ گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہو گیا تو کہتا کہ سعد کی بدعا لگ گئی (اللھم انانعوذبك من غضبك و غضب رسولك وغضب اولیاء ك)۔(ایضاً)

الشق الثانی.....عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلَى الْخَاتَمِ الَّذِیْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَاِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ وَ فِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ زَيْدٍ اَنَّهٗ شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ وَفِیْ رِوَايَةِ عَبْدِاللّٰهِ سَرَجِسٍ فَرَأَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلٰى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجَمْعِ حَوْلَهَا خَيْلَانٌ كَاَنَّهَا ثَآلِيْلُ ۔(ص۲،۳۔قدیمی)

شکل العبارة وترجمها۔ اذکر تحقیق الخاتم من لونه و مقداره و تعیین محله و ارفع التعارض بین الروایات۔ اضبط کلمة "الخاتم" بالشکل بعد ایضاحه لغةً ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مہرِ نبوت ﷺ کی کیفیت اور روایات میں تطبیق (۴) ''الخاتم'' کا ضبط ولغوی تحقیق۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں آپ ﷺ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا میں تو میں نے مہرِ نبوت کی طرف دیکھا جو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان تھی، پس وہ مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی، حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت کو دیکھا جو سرخ رَسولی کی طرح تھی اور (مقدار میں) کبوتری کے انڈے کی مثل تھی۔ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔ اور حضرت عبداللہ سرجس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے مہرِ نبوت کی جگہ کو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہم شکل دیکھا، اسکے گرد تِل تھے جو مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔

③ مہرِ نبوت ﷺ کی کیفیت اور روایات میں تطبیق:۔ آپ ﷺ کی مہرِ نبوت دونوں شانوں کے درمیان ذرا بائیں جانب سخت ہڈی کے قریب تھی۔ مسہ کی طرح خوبصورتی کے ساتھ گوشت مبارک ابھرا ہوا تھا جو بدن کی عام رنگت سے کسی قدر زیادہ سرخی مائل تھا، اس کی شکل بندھی مٹھی کے مشابہ تھی چاروں طرف بڑے بڑے تل تھے جو بڑائی کی وجہ سے مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے اور اردگرد بال تھے۔ وجود میں کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اور اس کا وجود پیدائشی تھا جو پیدائش کے وقت ہی آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر موجود تھی۔ اور وصال کے فوراً بعد جسم اطہر سے غائب ہو گئی تھی۔ مہرِ نبوت ﷺ کی مقدار، رنگ اور تشبیہ میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں جن میں امام قرطبی نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ کم وزیادہ بھی ہوتی تھی اور رنگ میں بھی مختلف ہوتی رہتی تھی اسلئے جس صحابی رضی اللہ عنہ نے جس طرح دیکھی اسی طرح روایت کر دی۔ نیز حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کے ذہن اور سوچ وسمجھ کے موافق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے ذکر میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے اسلئے اس پر اشکال نہیں ہو سکتا۔

نیز جن روایات میں بالوں کا ذکر ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ مہرِ نبوت کے اطراف میں بال تھے۔ (خصائلِ نبوی ص ۲۷)

④ ''الخاتم'' کا ضبط ولغوی تحقیق:۔ تاء کے فتحہ وکسرہ کے ساتھ۔ فتحہ کے ساتھ زیادہ مستعمل ہے۔ اس کی جمع خَوَاتِمُ وخُتُمٌ ہے بمعنی انگوٹھی، مہر وانجام۔

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾(سنن النسائی) ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ الْمَخْرَمِیُّ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَلَمَّا اسْتَنْجٰى دَلَكَ يَدَهٗ بِالْأَرْضِ۔
أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ يَعْنِيْ اِبْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبَانُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ جَرِيْرٍعَنْ أَبِيْهِ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺفَأَتَى الْخَلَاءَ فَقَضٰى الْحَاجَةَ، ثُمَّ قَالَ: يَا جَرِيْرُ! هَاتِ طَهُوْرًا، فَأَتَيْتُهٗ بِالْمَآءِ فَاسْتَنْجٰى بِالْمَآءِ وَقَالَ بِيَدِهٖ فَدَلَكَ بِهَا الْأَرْضَ قَالَ أَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ: هٰذَا أَشْبَهُ بِالصَّوَابِ مِنْ حَدِيْثِ شَرِيْكٍ

شكل الحديثين بالضبط وترجمهما الى الأردية ۔انكر حكم الاستنجاء بالماء وبالحجارة ۔ لما ذا كان رسول الله ﷺ يدلك يده بالأرض؟ اشرح ماقاله أبو عبدالرحمن بأيضاح وبسط۔(ص۲۹۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں(۱)احادیث پر اعراب(۲)احادیث کا ترجمہ(۳)پانی اور پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم(۴)آپ ﷺ کے زمین پر ہاتھ رگڑنے کی وجہ(۵)ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔**كما مرّ فى السوال آنفا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے بعد استنجاء سے فارغ ہوجاتے تو اپنا ہاتھ زمین پر مَل (رگڑ) لیتے تھے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، قضائے حاجت کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جریر! پانی لاؤ پس میں آپ ﷺ کی خدمت میں پانی لایا پس آپ ﷺ نے پانی سے استنجاء فرمایا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مل لیا (رگڑ لیا)۔

③ پانی اور پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم:۔ پانی اور پتھر دونوں چیزوں کے ساتھ استنجاء کرنا احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے(عن انس:**كان رسول الله ﷺاذا خرج لحاجته اجيئ انا و غلام معنا اداوة من ماء يعنى يستنجى به۔ عن عائشةقالت مُرن ازواجكنّ ان يغسلوا اثر البول والغائط فانّ النبىّ كان يفعله (بخارى وترمذى)**

(حاشیہ))اور دونوں عمل الگ الگ طور پر مسنون ہیں اور دونوں کو جمع کرنا یعنی اولاً استنجاء بالحجارہ کرنا ثانیاً استنجاء بالماء کرنا یہ بھی مسنون ہے اور احادیث سے ثابت ہے اور ان تینوں کے مسنون ہونے پر اجماع ہے۔

محقق عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور سلف وخلف کا مسلک اور تمام اہل فتویٰ کا متفقہ قول یہ ہے کہ سب سے افضل صورت پانی اور ڈھیلے کو جمع کرنے کی ہے مگر کسی ایک پر اکتفاء کرنے کی صورت میں کونسا عمل افضل ہے؟ اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ پانی نجاست کے عین اور اثر دونوں کو زائل کرتا ہے اور ڈھیلہ سے فقط عین نجاست کا ازالہ ہوتا ہے اس کا اثر باقی رہتا ہے۔اس لئے پانی کا استعمال انفرادی صورت میں افضل ہے۔(شرح نسائی ج۱ص۹۲)

④ آپ ﷺ کے زمین پر ہاتھ رگڑنے کی وجہ:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ استنجاء کے بعد ہاتھ زمین پر رگڑ کر دھوتے تاکہ بدبو ختم ہوجائے اور ہاتھ خوب اچھی طرح پاک وصاف ہوجائے۔

سوال: رائحہ کریہہ میں سے کوئی چیز آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو نہیں چھوتی تھی، نجاست سے آپ ﷺ کے ہاتھ ملوث نہیں ہوتے تھے پھر آپ ﷺ زمین پر ہاتھ کیوں رگڑتے تھے۔بذل المجہود میں جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل تعلیم امت کیلئے تھا کہ جب امت کے لوگ استنجاء کریں گے تو شاید انکا ہاتھ نجاست میں ملوث ہوجائے یا نجاست کا کچھ اثر ان کے ہاتھ میں باقی رہ جائے تو ایسی صورت میں استنجاء کے بعد ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر دھولیا جائے اس سے خوب اچھی طرح پاک وصاف ہوجائے گا۔(شرح نسائی ج۱ص۱۰۰)

⑤ ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح:۔ ابن الموافق اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ نسائی کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی اسناد سے بیان کی ہوئی حدیث اولیٰ ہے اس حدیث سے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کی گئی ہے جس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ابراہیم کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں اسی لئے ابوحاتم اور ابوداؤد نے کہا کہ ان کی حدیث جو اپنے والد سے منقول

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہے وہ مرسل ہے بہر حال امام نسائی باوجود اس کے کہ حضرات محدثین نے ابان میں کلام کیا ہے روایتِ ابان کو روایتِ شریک پر ان وجوہ کی بناء پر ترجیح دے رہے ہیں۔ اس کا جواب علامہ ماردینی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ حدیثِ ابان حدیثِ شریک سے اشبہ بالصواب ہے کیونکہ اس ابان کے بارے میں حافظ ابن حبان نے کہا **کان ممن فحش خطاء ہ وانفرد بالمناکیر** یعنی یہ انہی لوگوں میں سے تھے جو از حد غلطی کرتے تھے نیز منکر حدیثوں کی روایت میں وہ منفرد تھے بخلاف شریک قاضی کے کہ وہ روایتِ حدیث میں بہت بلند اور زیادہ قابل تھے اور حافظہ بھی بہت اچھا تھا۔ امام مسلم نے بطورِ استشہاد ان سے روایت تخریج کی ہے لیکن ابان سے کوئی حدیث نہیں لی آگے چل کر کہتے ہیں کہ صریفینی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب میری نظر سے گزری اس میں ہے **قال الحاکم احتج بہ مسلم وحدیثہ ھذا اخرجہ ابن حبان فی صحیحہ فلانسلم ان حدیث ابان اشبہ بالصواب منہ ای من حدیث شریك**، علاوہ اس کے یہ امر ممتنع نہیں کہ ابراہیم کو یہ حدیث دونوں طریق سے پہنچی ہو ایک تو ابوزرعہ کی سند سے دوسرے اپنے والد جریر کی سند سے۔ (ایضاً)

الشق الثانی..... **باب الوضوء من النوم..... عن أبي هريرة أن رسول الله** ﷺ **قال: إذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يدخل يده في الاناء حتى يفرغ عليها ثلاث مرات: فإنه لايدرى أين باتت يده.** (ص۴۸۔ج۱۔رحمانیہ)

ترجم الحديث المبارك ۔ اذكر مذاهب العلماء في انتقاض الوضوء من النوم ود لائلهم ۔ اذكر كيف ثبتت ترجمة الباب بهذا الحديث؟ واذكر سبب ورود هذا الحديث

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) نیند کی وجہ سے نقضِ وضوء کا حکم مع الدلائل (۳) حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات (۴) حدیث کا سببِ ورود۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو نہ داخل کرے اپنا ہاتھ برتن میں یہاں تک کے اس پر تین مرتبہ پانی انڈیل لے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔

② نیند کی وجہ سے نقضِ وضوء کا حکم مع الدلائل:۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نوم اپنی ذات کے اعتبار سے ناقضِ للوضوء نہیں ہے بلکہ خروجِ ریح کے احتمال کی وجہ سے ناقض ہے چونکہ خروجِ ریح امرِ باطنی ہے تو اس کے سبب یعنی نیند کو ہی اس کے قائمقام کر دیا گیا ہے۔ البتہ کونسی نیند ناقضِ وضو ہے اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ اس کا خلاصہ تین اقوال ہیں: ① نوم مطلقاً غیر ناقض ہے یہ مسلک حضرت ابن عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت شعبہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ② نوم مطلقاً ناقض ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر یہ قول حضرت حسن بصری، امام زہری اور امام اوزاعی سے منقول ہے۔ ③ نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب غیر ناقض ہے یہ مسلک ائمہ اربعہ اور جمہور کا ہے اور پھر ائمہ اربعہ کا آپس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے ہاں نماز کی ہیئت پر نوم ناقضِ وضو نہیں اور جس نوم میں استرخاء مفاصل ہو اور مقعد کا زمین پر تمکن نہ رہے وہ ناقضِ وضو ہے اور امام مالک کے ہاں نومِ ثقیل مطلقاً ناقض ہے اور نومِ خفیف ناقض نہیں اور امام احمد کے ہاں نومِ کثیر ناقض ہے اور نومِ قلیل ناقض نہیں اور امام شافعی کا مشہور مسلک یہ ہے کہ نوم جلوس کی حالت میں جب کہ تمکن علی الارض باقی ہو ناقض نہیں خواہ قلیل ہو یا کثیر اس کے ماسوا سب ناقض ہے۔

احناف کے دلائل: ① ترمذی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے کی حالت میں سو گئے خراٹے لینے لگے پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنی شروع کر دی تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ تو سو گئے تھے تو پھر آپ ﷺ نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی فرمایا **انما الوضوء علی من نام مضطجعًا**۔ احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے حصے سے پہلے جزء کا اثبات ہوا کہ جو نوم ہیئۃ صلاتیہ پر ہو وہ ناقض وضو نہیں اور دوسرے حصے سے دوسرے جزء کا اثبات ہوا کہ جو نوم مضطجعاً ہو وہ ناقضِ وضوء ہے کیونکہ وہ استرخاءِ مفاصل کا سبب ہے۔ ② **عن ابن عباسؓ**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

قال ﷺ ان الوضوء لایجب الاعلی من نام مضطجعا فاذا اضطجع استرخت مفاصله۔ (ابوداؤد) ③ **عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لیس علی من نام ساجد اوضوء حتی یضطجع فاذا اضطجع استرخت مفاصله۔** (مسند احمد) ④ **عن عمرؓ موقوفا انه قال اذا نام احدکم مضطجعا فلیتوضا۔** (موطا مالک)

باقی ائمہ کی دلیل: **عن انس کان اصحاب رسول اللہ ﷺ ینامون ثم یقومون فیصلون ولا یتوضؤن۔** (ترمذی)

مالکیہ کہیں گے کہ یہ نوم خفیف تھی اور حنابلہ کہیں گے کہ یہ نوم قلیل تھی اور شوافع کہیں گے کہ ایسی نوم تھی جسمیں مقعد کا تمکن علی الارض باقی تھا۔

جوابات: ① یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نیند نوم ہی نہیں تھی بلکہ نعاس تھی اس کا اثر آنکھوں اور سر پر ہوتا تھا دل ودماغ پر اثر نہیں ہوتا تھا جبکہ نوم کا اثر دل ودماغ پر بھی ہوتا ہے۔ ② یہ نوم ایسی نہیں تھی جو استرخاءِ مفاصل کا سبب ہو۔ ③ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما راجح ہے اس میں استرخاءِ مفاصل کو سبب قرار دینا اور معیار بنانا منصوص ہے اور نوم قلیل وکثیر کو معیار اور سبب بنانا منصوص نہیں تو اس کو سبب و معیار بنانا جو منصوص ہو اولیٰ ہے اس کو سبب بنانے سے جو منصوص نہ ہو۔

احادیث بظاہر مختلف ہیں بعض احادیث مطلقاً نقض وضوء پر دال ہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **من نام فلیتوضأ** اور بعض احادیث مطلقاً عدمِ نقض پر دال ہیں جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **کان اصحاب رسول اللہ ﷺ ینامون ثم یقومون ویصلون ولایتوضؤن** اور بعض احادیث میں تفصیل ہے اور ائمہ کرام مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہیں۔

الحمدللہ حنفی مسلک سب سے واضح، روایات اور مسئلہ نوم کے تمام گوشوں کو جامع ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مختلف احادیث کو ثقیل وخفیف پر محمول کرتے ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مختلف احادیث کو کثیر وقلیل پر محمول کرتے ہوئے تطبیق دیتے ہیں۔ (درسِ ترمذی ج۱ص۲۹۴، المسائل والدلائل ص۱۵۹)

③ حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات:۔ حدیث میں اناء سے مراد وہ برتن ہے جس میں وضوء کیلئے پانی بھرا ہوا ہو اسی لئے بعض روایات میں **فی الاناء** کی جگہ **فی الوضوء** (واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی وضوء کا پانی) کے الفاظ ہیں اب مطلب یہ ہوا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنی نیند سے بیدار ہو اور وضوء کرنا چاہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو وضوء کے پانی میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ اچھی طرح دھولے۔ پس ان الفاظ کے ساتھ روایت سے ترجمۃ الباب کا اثبات ہوگیا کہ نیند ناقضِ وضوء ہے اسی لئے تو بیداری کے بعد وضو کا پانی استعمال کرے گا کیونکہ وضو ٹوٹ چکا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت کی وضو من النوم پر دلالت ظاہر ہے اس لئے کہ حدیث میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم خروجِ نجاست کے وہم کی وجہ سے ہے اور یہی خروجِ نجاست ناقضِ وضو ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نوم کی وجہ سے وضو لازم ہے۔

④ حدیث کا سببِ ورود:۔ اہلِ عرب عموماً ازار یا تہبند پہنتے تھے اور ملک گرم تھا، پسینہ خوب آتا تھا اور عموماً پتھروں کے ساتھ استنجاء کا رواج تھا، اس لئے اس دور میں اس بات کا بڑا احتمال تھا کہ سوتے ہوئے انسان کا ہاتھ کسی نجس جگہ تک نہ پہنچ جائے اور آلودہ نہ ہوجائے اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھوکر تسلی کرلے پھر برتن میں ہاتھ ڈالے۔ علامہ ابوالولید باجی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اہلِ عراق (حنفیہ) کا قول زیادہ پسندیدہ ہے اسلئے کہ یہ حکم طہارت کی بجائے نظافت سے متعلق ہے یعنی اگرچہ ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال نہ ہو تب بھی سونے کے بعد ہاتھوں کو دھوئے بغیر پانی میں ڈالنا نظافت کے خلاف ہے اور شریعت میں طہارت کے ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے۔ (درسِ ترمذی ۱:۲۲۹)

0313 [redacted] 7913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل ..... **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَصْحَابِهٖ وَهُمْ يَخْتَصِمُوْنَ فِي الْقَدَرِ فَكَاَنَّمَا يُفْقَأُ فِيْ وَجْهِهٖ حَبُّ الرُّمَّانِ مِنَ الْغَضَبِ فَقَالَ: بِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَوْ لِهٰذَا خُلِقْتُمْ؟ تَضْرِبُوْنَ الْقُرْآنَ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ بِهٰذَا هَلَكَتِ الْاُمَمُ قَبْلَكُمْ قَالَ: فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو مَاغَبِطْتُ نَفْسِيْ بِمَجْلِسٍ تَخَلَّفْتُ فِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاغَبِطْتُ نَفْسِيْ بِذٰلِكَ الْمَجْلِسِ وَتَخَلُّفِيْ عَنْهُ** ۔(ص۹۔قدیمی)

اذکر الفرق بین القضاء والقدر ۔ ماحکم منکر القدر؟ اعرب الحدیث المبارک واشرحه واذکر لماذا غضب رسول اللّٰہ ﷺ ؟ مامعنی قول عبداللّٰہ بن عمروؓ ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) قضاء وقدر میں فرق (۲) منکرِ قدر کا حکم (۳) حدیث کی تشریح (۴) آپ ﷺ کے غصہ کی وجہ (۵) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی۔

جواب ..... ① قضاء وقدر میں فرق:۔ قدر کا لغوی معنی اندازہ کرنا اور قضاء کا لغوی معنی فیصلہ کرنا ہے اور اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے حکم کلی اجمالی ازلی کو قضاء کہتے ہیں اور اس حکم کی جزئیات وتفصیلات کو قدر کہتے ہیں اور بعض حضرات نے دونوں کو مترادف کہا ہے۔ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاملہ اسکے برعکس ہے احکام اجمالیہ کا علم قدر ہے اور احکام تفصیلیہ کا علم قضاء ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قضاء وقدر دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں اس لئے کہ قدر بمنزلِ بنیاد کے ہے اور قضاء بمنزلِ عمارت کے ہے اور امام راغب فرماتے ہیں کہ قضاء قدر سے خاص ہے اور قدر قضاء سے عام ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ قدر اس نقشے کا نام ہے جو مصور کے ذہن میں اولاً ہوتا ہے اور قضاء اس صورت خارجیہ کا نام ہے جو مصور خارج میں تیار کرتا ہے۔

قضاء وقدر کی مثال ایسی ہی ہے جس طرح ایک انجینئر یا معمار مکان بنانے سے پہلے اس کا ایک نقشہ اور خاکہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے پھر اس نقشہ کو کسی کاغذ پر بناتا ہے پھر اسی کے مطابق خارج میں مکان تیار کرتا ہے اسی طرح خالق کائنات نے اس کائنات کے وجود سے قبل اپنے علم ازلی میں اور پھر لوح محفوظ میں ایک نقشہ قائم فرمایا ہے پھر اسی کے مطابق کائنات میں مختلف انواع وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں تو تقدیر کی بنیاد علم باری اور قدرت باری پر ہے اور انکارِ تقدیر سے ان دونوں کا انکار لازم آئے گا اور اللہ کی طرف جہل وعجز کی نسبت لازم آئے گی۔ (تکمیل الحاجہ ص ۱۹۰)

② منکرِ قدر کا حکم:۔ تقدیر پر ایمان لانا اسلام کا بنیادی وقطعی عقیدہ ہے اور اسکے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا کیونکہ انکارِ تقدیر کی صورت میں علم باری اور قدرت باری کی نفی لازم آئیگی جو کہ اللہ تعالیٰ کے عجز وجہل کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جہل وعجز کی نسبت کرنا کفر ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ منکرِ قدر کافر ہے اور جو فرقے بتاویل تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۲۳۸)

③ حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

④ حدیث کی تشریح:۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ اگر سب کچھ نوشتۂ تقدیر کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے اور ساری چیزیں تقدیرِ الٰہی کے تابع ہیں تو پھر کسی عمل پر ثواب اور کسی عمل پر عقاب کیوں ہوتا ہے؟ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت سے کچھ لوگوں کو جنت کے لئے اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے لئے بنا رکھا ہے اس میں کیا راز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے بعض حضرات بولے کہ ثواب، عقاب، جنت وجہنم، نیک بختی وبدبختی کا معاملہ اگرچہ فیصلہ خداوندی اور تقدیرِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے مگر بندوں کو کچھ اختیارات بھی ملے ہیں جس سے وہ نیکی وبدی دونوں کرنے پر من وجہ قادر ہے اس پر دوسرے نے کہا اچھا بتاؤ وہ اختیارات کس نوعیت کے ہیں اس اختیار وکسب کو کس نے ایجاد کیا ہے اور کہاں سے آئے۔

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اسطرح کی گفتگو چل رہی تھی اور انداز گفتگو بحث ومباحثہ کا تھا کہ اسی دوران اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نہایت سخت ناراض اور شدید غضبناک ہوگئے اور رخ انور نہایت سرخ ہوگیا راوی کہتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انار آپ ﷺ کے چہرے پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے مقصود شدتِ غضب کو بتلانا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں کیا اللہ نے تمہیں اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تم لایعنی اور بے ضرورت چیزوں میں پڑو اور غیر متعلق چیزوں کی کھود کرید کرو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تمہیں اس پر مامور کیا ہے کہ تم اس میں پڑو اور نہ مجھے اس لئے مبعوث کیا ہے کہ تقدیر کے مسائل کی کھیتیوں کو سلجھاؤں بلکہ تمہاری تخلیق کا مقصد صرف اور صرف اوامر الٰہی کی بجا آوری اور منہیات خداوندی سے اجتناب ہے لہٰذا تم صرف اسی میں لگے رہو اور میری بعثت کا مقصد صرف اللہ کے احکام کو تم تک پہنچانا ہے قدر وقضاء

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کے مسئلے میں غور وفکر کرنا اور عقلی گھوڑے دوڑانا نہیں ہے تو پھر آخر تم اس مسئلہ میں الجھ کر عاقبت کو کیوں خراب کرتے ہو یا درکھو اسی میں بحث ومباحثہ کی وجہ سے سابقہ امتیں ہلاک ہوئی ہیں پھر بھی تم اس میں پڑتے ہو تقدیر تو ایک راز ہے جو کسی بھی مخلوق پر ظاہر نہیں کیا گیا لہٰذا تم تقدیر کے علم وحقائق کو اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرو اور جو سامنے آئے اس پر راضی ومطمئن رہو۔(تکمیل الحاجہ ص ۲۳۲)

⑤ آپ ﷺ کے غصہ کی وجہ:۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقدیر کے متعلق گفتگو اور بحث ومباحثہ کر رہے تھے اور یہ گفتگو ایسی تھی جس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ تھا اور نہ آخرت میں اس کے متعلق کوئی سوال وجواب ہونا تھا محض لایعنی اور غیر متعلق چیز کے متعلق بحث ومباحثہ کی وجہ سے آپ ﷺ غضبناک ہوئے۔

⑥ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ جن مجالس میں شرکت نہ کر سکا مجھے ان مجالس کے ترک پر شدید افسوس ہوا مگر اس مجلس میں شریک نہ ہونے پر مجھے کوئی افسوس نہ ہوا کیونکہ اس مجلس کے حاضرین پر آپ ﷺ نے شدید غصہ کا اظہار فرمایا تھا۔

الشق الثانی.....**عن عمرو بن دینار سمع طاؤسا یقول: سمعت ابا هریرة یخبر عن النبی ﷺ: احتج آدم و موسٰی، فقال له موسٰی: یا آدم أنت ابونا خیبتنا و اخرجتنا من الجنة بذنبك فقال له آدم: یا موسیٰ اصطفاك الله بكلامه و خط لك التوراة بیده أتلومنی علی امر قدره الله علیّ قبل أن یخلقنی باربعین سنة؟ فحج آدم موسٰی فحج آدم موسٰی فحج آدم موسٰی ثلاثا**۔(ص۹۔قدیمی)

ترجم الحدیث واشرحه ۔اذکر متی وقعت هٰذه المحاجة۔ وهل یجوز التمسك بالقدر؟ فلماذا تمسك به آدم

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)حدیث کی تشریح(۳)محاجہ کا وقت (۴)تقدیر سے استدلال کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن دینار سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت طاؤس سے فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے خبر دے رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین بحث ومباحثہ ہوا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا اے آدم! تم ہمارے باپ ہو تم نے ہی ہمیں ذلیل کیا اور جنت سے اپنے جرم کی پاداش میں ہمیں نکلوادیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ہم کلامی کے لئے منتخب کیا اور تمہارے لئے تورات کو اپنے دست مبارک سے لکھا تو کیا تم مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل مقدر فرمایا تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے جیت گئے، آپ ﷺ نے اس کلمہ کو تین مرتبہ فرمایا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک مکالمہ ومناظرہ ہوا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو اکلِ شجرہ ممنوعہ پر ملامت کرنی چاہی اور کہا کہ آپ ہی ہمارے جدِ امجد ہیں جنہوں نے درخت کھا کر ہمیں نقصان وخسارہ میں ڈالا اور ہمیں ذلیل ورسوا کیا اور اپنے جرم کی پاداش میں ہمیں جنت سے نکلوایا، تو اسکے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ کیا تم ہی وہ نبی ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی کا شرف عطا کیا، نبوت ورسالت عطا کی، تم پر تورات نازل کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جی ہاں، آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے چالیس سال قبل تقدیر میں لکھ دیا تھا **وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی** کہ آدم سے یہ غلطی سرزد ہوگی تو جب یہ سب کچھ لکھا جا چکا تھا تو تم اس پر مجھے ملامت کیوں کرتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس جواب کے ذریعہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

③ محاجہ کا وقت:۔ اس میں متعدد اقوال ہیں ① یہ مناظرہ عالمِ ارواح میں ہوا ② لیلۃ المعراج میں جب تمام انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں جمع ہوئے وہاں یہ مناظرہ ہوا۔ راجح یہی ہے ③ یہ مناظرہ عالمِ آخرت میں ہوگا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

پہلا اعتراض: حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کے درمیان طویل مدت کا فاصلہ ہے پھران کے درمیان مناظرہ کیسے ہوا؟

اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ ① حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ عالمِ ارواح میں ہوا جو عند ربھما سے معلوم ہوتا ہے۔ ② ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ان کی روح کھینچ دی گئی ہو اور وہاں مناظرہ ہوا ہو۔

دوسرا اعتراض: ماقبل والی حدیث میں تقدیر لکھے جانے کی مقدار پچاس ہزار سال پہلے ہے اور اس حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چالیس سال قبل تقدیر لکھی گئی تو دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب: اجمالاً تقدیر پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہے پھر اس کو دوبارہ نقل کیا گیا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چالیس سال پہلے۔ پھر ہر شخص کی تقدیر اس کی روح پھونکنے سے چالیس دن پہلے لکھ دی جاتی ہے۔

④ تقدیر سے استدلال کی وضاحت:۔ بظاہر اس حدیث سے جبریہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معاصی کے عذر میں تقدیر کو پیش کیا، اس طرح تو ہر عاصی وکافر اپنی معصیت وکفر پر ملامت سے بچنے کیلئے تقدیر کو بطورِ عذر پیش کرسکتا ہے؟

علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں: ① عالم کی دو قسمیں ہیں (۱) عالمِ تکلیف (۲) عالمِ ارواح۔ حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر پر سہارا عالمِ ارواح میں لیا اس دنیا میں تقدیر پر سہارا لینا جائز نہیں عالمِ ارواح میں جائز ہے۔ ② حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ معصیت عصمت کے منافی ہے۔ ③ معصیت پر تقدیر کا سہارا لینا یہ توبہ کی قبولیت کے بعد ہوا اور توبہ کی قبولیت کے بعد یہ جائز ہے۔ ④ حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت پر تقدیر پیش نہیں کی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو خاموش کرانے کیلئے الزامی طور پر تقدیر کو پیش کیا۔ ⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کرنا ان مصائب کی وجہ سے تھا جو ان کی اولاد پر آئے اور حضرت آدم علیہ السلام کا تقدیر پیش کرنا انہی مصائب پر تسلی دینے کیلئے تھا کہ بیٹا تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا، گویا تسلی علی المصائب ہے اعتذار عن المصائب نہیں۔ (تلخیص از انعامات المنعم ج۴ ص۵۸۴)

﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل ..... **عن انس بن مالك قال شهدنا ابنة لرسول الله ﷺ ورسول الله جالس على القبر فرأيت عينيه تدمعان فقال: افيكم رجل لم يقارف الليلة؟ قال ابو طلحة انا ۔ قال: انزل فنزل فى قبرها ۔**

ترجم الحديث الشريف الى الاردية ۔ من هى تلك البنت ؟ وماهى المعانى ذكرها الشارحون لقوله ﷺ افيكم رجل لم يقارف الليلة؟" وكيف نزل ابوطلحة فى قبرها مع انه ليس من المحارم؟ واذكر تحقيق مسالة : هل يجوز نزول الاجانب فى قبر المرأة مع وجود المحارم؟ (ص۲۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) بنتِ رسول ﷺ کی تعیین (۳) **افيكم رجل لم يقارف الليلة** کا معنی (۴) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (اجنبی) کے قبر میں اترنے کا مسئلہ۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کی تدفین میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ اس کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے پس میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میں ایسا شخص موجود ہے جس نے رات کو مباشرت نہ کی ہو؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں اتر وچنانچہ وہ صاحبزادی کی قبر میں اترے۔

② بنتِ رسول ﷺ کی تعیین:۔ بعض حضرات نے کہا کہ بنتِ رسول ﷺ سے مراد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں مگر یہ انکا وہم ہے اسلئے کہ ان کی تدفین اس وقت ہوئی تھی جب حضور ﷺ جنگِ بدر میں شریک تھے۔ صحیح وراجح قول کے مطابق اس سے مراد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، امام واقدی اور ابنِ سعدؒ کی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حافظ ابنِ حجرؒ نے جزم ویقین کے ساتھ اس کو متعین کیا ہے۔ (حاشیہ)

③ **افيكم رجل لم يقارف الليلة** کا معنی:۔ اس کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں: ① وہ آدمی جو آج رات بیوی کے قریب نہ گیا ہو یعنی مباشرت نہ کی ہو ② وہ آدمی جس نے آج رات کوئی گناہ نہ کیا ہو ③ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ **لم يقارف** تصحیف ہے اصل لفظ **لم يقاول** ہے

0313 6327912 maktabazakariyamultan@gmail.com

یعنی وہ آدمی جس نے آج رات بات نہ کی ہو کیونکہ عشاء کے بعد بات کرنا ناپسند تھا۔ان میں سے سب سے مشہور پہلا معنی ہے۔

④ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (اجنبی) کے قبر میں اترنے کا مسئلہ:۔ اشکال ہوتا ہے کہ محارم کی موجودگی میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ قبر میں کیوں اُترے جبکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اجنبی و نامحرم تھے۔ جواب ① اجنبی و نامحرم کا قبر میں اترنا بالکل ممنوع وحرام نہیں ہے بلکہ محرم کیلئے قبر میں اُترنے کا حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **لم یقارف اللیلة** سے مقصود شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تنبیہ تھی تو اس عذر کی وجہ سے ترکِ استحباب پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ② ممکن ہے کہ محارم میں کوئی اور عذر ہو جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی کو قبر میں اُترنے کا حکم دیا۔ ③ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض بیانِ جواز کیلئے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اترنے کا حکم دیا ہوتا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محرم کے قبر میں اُترنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔(حاشیہ)

الشق الثانی.....**کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم البشر، سهل الخلق، لین الجانب، لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخاب ولا فحاش، ولاعیاب، ولامشاح،یتغافل عمالا یشتهي ولایؤیس منه ولایجیب فیه قدترك نفسه من ثلاث، المراء والاکبار ومالایعنیه۔**(ص۲۴۔قدیمی)(خصائل نبوی ص۲۱۳)

اذکر تحقیق الکلمات المخطوطة لغةً وصرفًا۔ ترجم الحدیث ۔ مامعنی قوله "ولایؤیس منه"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں(۱)کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲)حدیث کا ترجمہ (۳)**ولایؤیس منه** کا مطلب۔

جواب..... ① کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "**البِشر**" صیغہ واحد بحث اسم بمعنی چہرہ کی رونق، مصدر از ضرب وسمع بمعنی خوش ہونا۔ "**لَیِّن**" صیغہ واحد بحث اسم اور اس کی جمع **لیّنون** اور **الینا** ء ہے بمعنی نرم۔

"**سَهْل**" صیغہ واحد بحث اسم بمعنی نرم، مصدر از کرم بمعنی نرم ہونا۔ "**بفَظٍ**" صیغہ واحد بحث مصدر بمعنی بدخلق اور سخت کلام۔

"**غلیظ**" صیغہ واحد بحث صفت مشبہ بمعنی سخت اور تند خو **غلظا** مصدر از باب نصر، ضرب، کرم بمعنی گاڑھا ہونا۔

"**صخاب**" صیغہ واحد بحث اسم مبالغہ بمعنی چلانے والا از باب سمع بمعنی چیخنا، شور مچانا۔

"**فحاش**" صیغہ واحد بحث اسم مبالغہ بمعنی قبیح، بدخلق از باب کرم بمعنی برا ہونا۔

"**مشاح**" صیغہ واحد بحث اسم فاعل بمعنی بخیل۔از باب نصر ومفاعلہ بمعنی بخل کرنا۔

"**لایؤیس**" صیغہ واحد بحث نفی مضارع معلوم از باب افعال مجرد از باب سمع بمعنی نا اُمید ہونا۔

"**المراء**" صیغہ واحد بحث اسم مبالغہ بمعنی جھگڑا کرنے والا از باب کرم بمعنی کڑوا ہونا، تلخ ہونا۔

"**الاکبار**" مصدر باب افعال بمعنی اپنے آپ کو بیٹھنے اور چلنے میں بڑا سمجھنا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی کے ساتھ متصف رہتے تھے۔یعنی چہرہ انور پر تبسم اور بشاشت کا اثر نمایاں ہوتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج تھے یعنی کسی بات میں لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہولت سے موافق ہو جاتے تھے۔نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گو تھے اور نہ سخت دل تھے۔نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلا کر بولتے تھے نہ فحش گوئی اور بد کلامی فرماتے تھے۔نہ عیب گیر تھے کہ دوسروں کے عیوب پکڑیں۔نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے نہ زیادہ مذاق کرنے والے، نہ بخیل۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند بات سے اعراض فرماتے تھے یعنی ادھر التفات نہ فرماتے گویا سنی ہی نہیں۔دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور اس کا وعدہ بھی نہ فرماتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا جھگڑے سے، تکبر سے اور بیکار بات سے۔

③ **ولایؤیس منه** کا مطلب:۔ اگر کسی شخص کی کوئی بات یا خواہش پسند نہ آتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے مایوس نہ کرتے تھے، یعنی اس کے سامنے اس کی ناپسندیدگی کو بیان کر کے اسے مایوس ورنجیدہ نہ کرتے تھے۔

0213357913 maktabazakariyakarachi@gmail.com

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾(سنن النسائی) ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل.....أخبرنا هناد بن السری عن وکیع عن الأعمش قال سمعت مجاهدًا یحدث عن طاوس عن ابن عباس قال: مررسول اللهﷺعلی قبرین، فقال انهما یعذبان وما یعذبان فی کبیر، أماهذا فکان لایستنزه من بوله، واماهذا فانه کان یمشی بالنمیمة ثم دعا بعسیب رطب فشقه باثنین فغرس علی هذاواحدًا وعلی هذا واحدًا ثم قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسا، خالفه منصور رواه عن مجاهد عن ابن عباس ولم یذکر طاؤسا۔(ص۲۴۔ج۱۔رحمانیہ) ترجم الحدیث و اشرح معنی قوله:"انهما یعذبان وما یعذبان فی کبیر" حسب أقوال الشارحین۔ هل غرس العسیب ینفع لجمیع أصحاب القبور وهل یمکن لنا ان ننتفع هذه السنة الیوم؟ماهو حکم وضع باقات الزهور علی القبور کما اعتاد الناس الیوم؟ اشرح غرض النسائی من قوله:خالفه منصورالخ، وهل لأحد الطریقین مزیة علی الآخر؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)مذکورہ جملہ کا مطلب(۳)درخت کی ٹہنی کی منفعت(۴)قبر پر پھولوں کی پتیاں پھینکنے کا حکم(۵) خالفه منصور سے غرضِ مصنف۔

جواب.....① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دوقبروں پر گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، پس یہ شخص اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا، اور یہ شخص چغل خوری کرتا تھا پھر آپ ﷺ نے تر ٹہنی منگوائی اور اسے دو حصوں میں پھاڑا پھر ایک ٹہنی کو اس قبر پر اور ایک ٹہنی کو اس (دوسری) قبر پر گاڑ دیا پھر فرمایا کہ شاید ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔

② ما یعذبان فی کبیر کا مطلب:۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ نمیمہ یعنی چغلی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور حرام ہے پھر آپ ﷺ نے کیسے ارشاد فرمایا کہ مایعذبان فی کبیر کہ یہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیئے جا رہے حالانکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کبیرہ گناہ نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اسے کبیرہ گناہ نہیں سمجھتے تھے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ کبیر بمعنی گراں شاق ومشکل ہے کہ وہ اسے اپنی طبیعت پر شاق اور گراں سمجھتے تھے اور اس سے بچنے کو گراں اور مشکل سمجھتے تھے حالانکہ اس سے بچنا کوئی مشکل اور گراں نہیں تھا۔

③ درخت کی ٹہنی کی منفعت:۔ ان دو قبروں کے تخفیفِ عذاب کا سبب کیا ہے اس میں شارحین کے متعدد اقوال ہیں ① علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ یہ بات بتلا دی گئی ہو کہ ان دونوں سے اس مدت تک عذاب کی تخفیف رہے گی ② امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کیلئے اتنی مدت تک کیلئے شفاعت کی ہوگی جو قبول ہوگئی ③ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تخفیفِ عذاب میں تر وتازہ شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ اس میں ایسی کوئی خاص صفت ہے جو خشک شاخ میں نہیں ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کی دعا کا اثر تھا جو آپ نے اسکے تر وتازہ رہنے تک فرمائی ہوگی ④ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاخ میں دفعِ عذاب کی خاصیت تھی مگر یہ خاصیت آپ ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے حاصل ہوئی تھی۔ (شرح نسائی ج۱ص۶۵)

الغرض تخفیفِ عذاب میں اس شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کے دستِ مبارک یا آپ کی سفارش ودعا کا اثر تھا لہٰذا آج کل اس عمل سے نفع حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

④ قبر پر پھولوں کی پتیاں پھینکنے کا حکم:۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بناء پر لوگوں نے قبر پر شاخ وغیرہ رکھ دینے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل ناپسندیدہ اور شریعت کی مرضی کے خلاف ہے کیونکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ بذاتہ شاخ میں تخفیفِ عذاب کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

0313 6467913 maktabazakariyamultan@gmail.com

لہٰذا قبروں پر شاخیں گاڑنا اور پھولوں کی پتیاں وغیرہ پھینکنا امر منکر و بدعت ہے۔(ایضاً)

⑤ **خالفه منصور** سے غرضِ مصنف:۔ اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس حدیث کی سند کے متعلق بحث کرنا ہے کہ مجاہد کے دو شاگرد ہیں، اعمش اور منصور۔ دونوں کی سند میں فرق ہے، اعمش اس حدیث کی سند میں مجاہد اور ابن عباس کے درمیان طاؤس کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور منصور اعمش کی مخالفت کرتے ہوئے مجاہد اور ابن عباس کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے گویا اعمش کی سند کے مطابق مجاہد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو واسطے ہیں اور منصور کی سند کے مطابق مجاہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف صحابی کا ایک واسطہ ہے مگر یہ کوئی ایسی مخالفت نہیں ہے جس سے صحتِ روایت میں نقصان ہو کیونکہ ممکن ہے کہ مجاہد نے یہ حدیث پہلے بواسطۂ طاؤس سنی ہو پھر بعد میں بلا واسطہ سنی ہو۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ابنِ حبان نے دونوں طریق کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔(ایضاً)

الشق الثانی.....**أخبرنا محمد بن المثنى بن يحيى بن سعيد عن سفيان، قال أخبرني أبوروق عن ابراهيم التيمي عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقبل بعض أزواجه ثم يصلي ولايتوضأ، قال أبوعبدالرحمن: ليس في هذاالباب حديث أحسن من هذاالحديث وان كان مرسلا،وقد روى هذاالحديث الأعمش عن حبيب بن أبي ثابت عن عروة عن عائشة، قال يحيى القطان، حديث حبيب عن عروة عن عائشة هذا وحديث حبيب عن عروة عن عائشة: تصلي وان قطر الدم على الحصير، لاشيئ۔**(۴۹:۱۔رحمانیہ)

اذكر حكم الوضوء من القبلة ومن مس النساء۔ ترجم الحديث واذكر اسم أبي روق، و اسم والد ابراهيم التيمي ۔ اشرح قول أبي عبدالرحمن وماهو الغرض منه؟ واكتب الرد عليه ان كان فيه مؤاخذات۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) عورت کے بوسہ اور چھونے کی وجہ سے وضو کا حکم (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) ابوروق اور ابراہیم تیمی کے والد کا نام (۴) ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح مع الرد۔

جواب.....① عورت کے بوسہ اور چھونے کی وجہ سے وضو کا حکم:۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک مسِ مرءۃ مطلقاً ناقض للوضوء نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مس مرءۃ ناقض للوضوء ہے۔ البتہ تفصیل میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً ناقضِ وضو ہے خواہ وہ عورت صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو، محرم ہو یا غیر محرم ہو، شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے ہو۔ البتہ مس بلا حائل شرط ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین شرائط ہیں، عورت کبیرہ ہو صغیرہ نہ ہو، اجنبیہ ہو محرمہ نہ ہو، مس شہوت کے ساتھ ہو بغیر شہوت نہ ہو۔(درس ترمذی ج ۱ ص ۳۰۹)

مذکورہ مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد آیت کریمہ میں واقع **لمستم النساء** کا لفظ اور اس کا معنٰی ہے کہ یہاں **لامستم** (باب مفاعلہ سے) ہے یا **لمستم** (مجرد سے) ہے اور اس کا معنٰی چھونا ہے یا جماع ہے۔ باقی اسکی تفصیل مابعد میں آرہی ہے۔

احناف کے دلائل:① حدیث الباب ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کا بوسہ لیا پھر نماز کیلئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ مسِ مرءۃ ناقض للوضوء نہیں ہے۔② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں وہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جانے لگتے تو میرے پیروں پر ہاتھ مارتے تو میں اپنے پاؤں کو اکٹھا کر لیتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کر لیتے تو پھر میں پیر پھیلا دیتی تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ مس مرءۃ ناقض للوضوء نہیں ہے۔ اس مضمون کی متعدد احادیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن کی آیت **اولمستم النساء فلم تجدوا ماءً الخ** میں **لمستم** والی قرأت ہے اور لمس سے حقیقی معنی (چھونا) مراد ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر مروی ہے لہٰذا مس مرءۃ ناقض للوضوء ہے۔

احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں ملامست کا معنی جماع ہے حضرت ابن عباس، حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نے یہی تفسیر کی ہے اور یہ تفسیر کئی وجوہ سے راجح ہے۔① اس تفسیر پر تیمّم للجنابۃ کا حکم آیت سے ثابت ہوگا اور آیت جامع

0315 6357933 maktabazakariyamultan@gmail.com

للا حکام ہوگی بخلاف پہلی تفسیر کے کہ اس سے یہ حکم ثابت نہیں ہوتا۔ ② ملامست باب مفاعلہ سے ہے جو کہ طرفین کی مشارکت چاہتا ہے جو جماع میں پائی جاتی ہے۔ ③ آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے فہم قرآن کی دعا فرمائی تھی لہٰذا ان کی تفسیر راجح ہے۔

نیز ان کا استدلال حضرت ابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم کے موقوف آثار سے بھی ہے **قال ابن مسعود القبلة من اللمس وفيها الوضو وقال ابن عمر من قبل امرأته او جسّها بيده فعليه الوضو۔**

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ مرفوع وصحیح احادیث کے مقابلہ میں یہ موقوف آثار مرجوح ہیں۔(المسائل والدلائل ص ۱۶۴)

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بوسہ لیتے تھے اپنی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

③ ابو روق اور ابراہیم تیمی کے والد کا نام:۔ ابو روق کا نام عطیہ اور ابراہیم تیمی کے والد کا نام یزید بن شریک تیمی ہے۔

④ ابو عبدالرحمٰن کے قول کی تشریح مع الرد:۔ چونکہ یہ حدیث اس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل ہے اسلئے ابو عبدالرحمٰن اس حدیث پر اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابراہیم تیمی کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے اور حدیثِ مرسل حجت نہیں ہے۔

نیز اس حدیث کے دوسرے طریق کو ضعیف قرار دینا ہے کیونکہ اس میں اگر عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہیں تو حبیب کا سماع ان سے ثابت نہیں ہے اور اگر عروہ سے مراد عروہ مزنی ہیں تو پھر عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے۔

احناف کی طرف سے جواب ① ہمارے اور جمہور کے نزدیک ثقہ راوی کی حدیثِ مرسل حجت ہے۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے طریق مرسل سے بھی روایت کی گئی ہے اور موصول سے بھی اور کبار تابعین کی حدیث مرسل تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حجت ہے جبکہ دوسرے طریق سے بھی بطریق مرفوع وارد ہوئی ہو یا کسی صحابی کا قول اس حدیث مرسل کے موافق ہو یا کسی فقیہ نے اس پر عمل کیا ہو اس کی تصریح علامہ ماردینی رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی سے نقل کرتے ہوئے کی ہے تو یہاں بھی حدیث باب کا معاملہ بالکل اسی طرح ہے۔ ③ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو معاویہ بن ہشام نے ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابو روق سے وہ ابراہیم تیمی سے وہ اپنے باپ یزید بن شریک تیمی سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور اسناد کو متصل کر دیا ہے اور سب راوی ثقہ ہیں۔ اب تو انقطاع کا اعتراض بھی دور ہو گیا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث سوائے ابراہیم تیمی کے اور بھی طرق متعددہ سے مروی ہے چنانچہ ابو بکر بزار نے اپنی مسند میں اسکی اسماعیل بن یعقوب بن صبیح سے وہ محمد بن موسیٰ بن اعین سے وہ انکے والد موسیٰ سے وہ عبدالکریم جزری سے وہ عطاء سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں **ان النبی ﷺ كان يقبل بعض نسائه ولا يتوضا** اس حدیث کے سب رجال ثقہ ہیں۔ حافظ عبدالحق اشبیلی نے اس کو بزار کے طریق سے روایت کرنے کے بعد فرمایا **لا اعلم له علة توجب تركه الخ** ،اس حدیث کے اور بھی طریق ہیں جن کا ذکر زیلعی اور الجواہر النقی میں ہے۔

الغرض جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث طرق متعددہ سے روایت کی گئی ہے تو اب بالاتفاق اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ نقضِ وضو کے قائلین کی طرف سے حدیث تقبیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف ہے نیز مرسل ہے مگر اس جواب کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اس حدیث کی کثرت روایات کی وجہ سے اس کا ضعف دور ہو گیا ہے اور یہ حدیثِ قُبلہ مرفوعاً وموقوفاً دونوں طریق سے ثابت ہے اور روایات مرفوعہ زیادہ ہیں لہٰذا انہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا جیسا کہ اہلِ اصول کا یہی مذہب ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہاں پر عروہ بن زبیر مراد ہیں چنانچہ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ابن الزبیر کی تصریح موجود ہے اسی طرح دارقطنی کی روایت میں بھی صراحۃً ابن الزبیر کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے حدیثِ قُبلہ کو ابن ابی شیبہ اور علی بن محمد سے اور ان دونوں نے وکیع سے اس نے اعمش سے اس نے حبیب بن ابی ثابت سے اس نے عروہ بن زبیر سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے **ان رسول الله ﷺ قبل بعض نسائه ثم خرج الى الصلوٰة ولم يتوضأ**، اس سند کے رجال سب کے سب ثقہ ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں عروہ بن زبیر مراد ہیں نیز متنِ حدیث میں اسکا قرینہ موجود ہے کہ یہاں عروہ بن زبیر مراد ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول

0313 6357918 maktabazakariyasultan@gmail.com

مذکور قبل بعض نسائہٖ کے بعد عروہ نے کہا فقلت من ھی الا انت فضحکت ۔یہ کلام صاف بتلا رہا ہے کہ اس کے قائل عروہ بن زبیر ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے وہ اپنی خالہ کے ساتھ اس طرز سے کلام کر سکتے ہیں انکے علاوہ کوئی اور شخص جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی قسم کی قرابت کا تعلق نہیں رکھتا ہے وہ انکے سامنے کلام مذکور پر ہرگز جرات نہیں کر سکتا نیز عروہ کا قولِ مذکور ان کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات پر اور انکے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع پر دلیل ہے اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ سند میں عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہیں (نہ کہ عروہ مزنی جو مجہول ہیں)۔

دوسری جرح کہ حبیب کا سماع عروہ سے ثابت نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ثوری کے اس کلام سے راضی نہیں جو انہوں نے کہا کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع ابن زبیر سے ثابت نہیں ہے کیونکہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ثوری کا کلام نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حمزۃ الزیات نے حبیب سے وہ عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث صحیح روایت کی ہے تو اس سے انہوں نے ثوری وغیرہ کے قول کو رد کر دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حبیب کا سماع عروہ سے نہیں ہے مگر وہ حدیث صحیح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان نہیں کی ۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جامع الدعاء کے ذیل میں نقل کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے **اللھم عافنی فی جسدی وعافنی فی بصری۔**

نیز امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اتصال کیلئے ثبوتِ سماع شرط نہیں بلکہ معاصرت اور امکانِ لقاء کافی ہے جو اس روایت مذکورہ فی الباب میں موجود ہے تو امام مسلم کے اصول کے مطابق حدیث حبیب بن ابی ثابت سماع پر محمول ہوگی اور حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ور جحان بھی حدیث قبلہ کی صحت کی طرف معلوم ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ اہلِ کوفہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور انہوں نے اس کو ائمہ حدیث میں سے ثقہ راویوں کی سند سے نقل کیا ہے اور چونکہ حبیب ابن ابی ثابت نے ایسے اشخاص سے روایت کی ہے جو عمر بن عروہ سے زیادہ بڑے ہیں اسلئے حبیب کی ملاقات کا عروہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حبیب کی ملاقات عروہ سے ہوئی ہے پھر بطور استشہاد امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔

علامہ ابن الترکمانی کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول مثبتِ سماع ہے یعنی صراحۃً اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حبیب کا سماع عروہ سے ثابت ہے اور ثوری کا قول جو بلا سند اپنے علم کے مطابق کہا وہ نافی ہے لہٰذا مثبت نافی پر مقدم ہوگا۔

غرض کہ حفاظِ حدیث کے یہ اقوالِ مذکورہ اس پر دال ہیں کہ حبیب نے عروہ بن زبیر سے سنا ہے اور جب سماع ثابت ہوا تو انقطاع کی علت دور ہوگئی اور حدیث متصل ہوگئی لہٰذا ابن قطان وغیرہ کا حدیثِ باب کے دوسرے طریق پر جرح کرنا قابلِ تسلیم نہیں ہے نیز اس حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے شواہد ہیں جن سے حدیثِ قُبلہ کی تائید ہوتی ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اس کا قائل ہونا کہ عورت کو چھونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ بعض شوافع نے ذکر کیا ہے تکلف سے خالی نہیں اسکو دلیل سے ثابت کرنا پڑے گا۔ بہر حال تقریر مذکور سے واضح ہو گیا کہ باعتبار دلائل حنفیہ کا مسلک قوی ہے شوافع وغیرہ کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے آخر میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آیت قرآنی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے **اولامستم النساء**۔شوافع ملامسۃ کو لمس بالید پر محمول کرتے ہیں یعنی اس کے معنٰی ہاتھ سے چھونے کے ہیں اس کیلئے مؤید کی دوسری قرأت ہے کیونکہ دوسری قرأت میں **اولمستم النساء** ہے،اس سے معلوم ہوا کہ مسِ مرأۃ ناقضِ وضو ہے۔

احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیرِ زائد معتبر ہے وہ حبر الامت ہیں اور فرماتے ہیں کہ لمس جماع سے کنایہ ہے اور آیت کو اسی پر حمل کرنا اولیٰ ہے تا کہ قرأت **اولامستم النساء** کے موافق ہو جائے کیونکہ جمہور کے نزدیک لامستم کنایہ عن الجماع ہے چونکہ اللہ تعالیٰ بہت حیادار اور باغیرت ہیں اس لئے امر قبیح یعنی لفظ جماع کو ایک اچھے لفظ یعنی لمس سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آیت طلاق **وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن** میں بالاجماع مس سے جماع مراد ہے مگر اللہ تعالیٰ نے **ان تمسوھن** استعمال فرمایا ہے جو کنایہ عن الجماع ہے لفظِ جماع استعمال نہیں فرمایا۔

نیز آیتِ وضو میں **اذا قمتم الی الصلوٰۃ** سے لیکر **وان کنتم جُنبًا** تک حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کا حکم بیان کیا گیا

ہے کہ جب پانی کے استعمال پر قدرت ہوتو وضواور غسل کرلو پھراس کے بعد پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے اس کو بیان کیا ہے **وان کنتم مرضی او علی سفر الخ** اور یہاں لفظ **لامستم** جماع کے معنٰی میں ہے اور اسکواسی پر حمل کرنا ضروری ہے تاکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی حالت میں دونوں قسم کے حدثوں کا بیان ہوجائے جیسا کہ وجود ماء کی حالت میں دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس توجیہ سے مقصدِ آیت پورا ہوجاتا ہے بخلاف **لامستم** سے لمس بالید مراد لینے کے جسکے حضرات شوافع قائل ہیں کیونکہ آیت کے سیاق وسباق کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس سے مقصدِ آیت تمام نہیں ہوتا ہے۔(شرح نسائی ۱:۳۶۰)

﴿السوال الثانی﴾(سنن ابن ماجه) ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل.....**حدثنا سهل بن أبی سهل ومحمد بن اسماعیل قالا: ثناعبدالسلام بن صالح أبو الصلت الهروی ثنا علی بن موسی الرضا عن أبیه عن جعفر بن محمد عن أبیه عن علی بن الحسین عن أبیه عن علی بن أبی طالب قال: قال رسول اللهﷺ: الایمان معرفة القلب، وقول باللسان، وعمل بالأرکان، قال أبوالصلت: لوقرئ هذاالاسناد علی مجنون لبرأ۔**(ص۸۔قدیمی)

اشرح الحدیث۔ هل هذاالحدیث یخالف ماذهب الیه أبوحنیفةؒ من أن الایمان بسیط؟ فکیف التطبیق بینهما؟عدّابن الجوزیؒ هذاالحدیث من الموضوعات من هو المتهم فیه؟ ترجم المتهم فیه بایجاز،وانکر هل اصاب ابن الجوزی فی الحکم بوضعه؟ ملاهی المزیة التی أشارالیها أبوالصلت فی هذاالاسناد؟ اکتب بایضاح۔(تکمیل ص۱۷۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں(۱)حدیث کی تشریح (۲)مذکورہ حدیث کی توجیہ (۳) حدیث کے موضوع یاعدمِ موضوع ہونے کی وضاحت(۴) **متهم فیه** کی تعیین اور تعارف(۵)**ابوالصلت** کے قول میں مذکور خوبی کی وضاحت۔

جواب.....① حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادگرامی کا حاصل یہ ہے کہ کامل ایمان دل کی معرفت، زبان سے اقرار اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کا نام ہے یعنی اولاً تصدیقِ قلبی ہو، ثانیاً زبان سے اقرار ہو ثالثاً اعمال کے ذریعہ اس میں زیادتی ہوگی۔

② مذکورہ حدیث کی توجیہ:۔ بظاہر یہ حدیث معتزلہ وخوارج کے لئے مؤید ہے اس لئے کہ انکے نزدیک ایمان اشیاءِ ثلاثہ سے مرکب ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک ایمان فقط تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ایمانِ کامل پر محمول ہے نفسِ ایمان تو تصدیقِ قلبی سے حاصل ہوجاتا ہے البتہ اجراءِ احکامِ دنیویہ کیلئے زبان کیساتھ اقرار کرنا شرط ہے اور اعمال کے ذریعہ اس میں زیادتی ہوتی ہے اور دیگر دلائل کی وجہ سے اس حدیث سے کمالِ ایمان ہی مراد ہے لہٰذا اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایمان اشیاءِ ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے۔

③ و ④ حدیث کے موضوع یاعدمِ موضوع ہونے کی وضاحت اور **متهم فیه** کی تعیین وتعارف:۔ اس حدیث کی سند متکلم فیہ ہے اور جرح وتعدیل کے ائمہ نے زبردست کلام کیا ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی **ابو الصلت** عبدالسلام بن صالح ہیں جو محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک غیر معتبر ہیں کوئی محدث بھی ان پر اعتماد کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہے۔ عقیل نے انکے بارے میں کہا کہ یہ شخص کذاب تھا۔ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے جس کی تائید محدثین کی بہت بڑی جماعت نے بھی کی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث موضوع تو نہیں ہے کیونکہ **ابو الصلت** کی توثیق ابن معین نے کی ہے اور اسمائے رجال کے بعض محدثین نے لکھا ہے کہ **ابو الصلت** نیک آدمی ہے مگر تشیع کی طرف مائل ہے اسلئے توثیق کے باوجود اسکی حیثیت مخدوش ہے حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابوصلت کے بارے میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ **انه رافضی خبیث متهم بوضع حدیث الایمان اقرار بالقول**۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں امام دارقطنی کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے **قال ابوالحسن وروی حدیث الایمان اقرار بالقول وهو متهم بوضعه لم یحدث به الامن سرق منه فهو الابتداء فی هذاالحدیث**۔ علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری لکھتے ہیں کہ **هذاالحدیث موضوع**۔ علامہ ابن

0333 6307913 maktabazakariyamultan@gmail.com

رجب زبیری نے شرح سنن ابن ماجہ میں ابن الجوزی کے قول سے اتفاق کیا ہے۔(تکمیل الحاجہ ص۱۷۴)

⑤ ابو الصلت کے قول میں مذکور خوبی کی وضاحت:۔ ابو الصلت کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ایک خوبی پر مشتمل ہے اس لئے اگر اس سند کو پڑھ کر کسی مجنون پر دم کیا جائے تو وہ تندرست ہوجائے گا اور وہ خوبی یہ ہے کہ یہ سند خیر العباد (بہترین لوگ) پر مشتمل ہے کیونکہ یہ پوری سند اہلِ بیتِ نبی ﷺ پر مشتمل ہے جو کہ نبوت کا حاصل اور خلاصہ ہیں۔

الشق الثانی.....حدثنا محمد بن اسمٰعیل الرازی ثناعبیداللّٰہ بن موسی انبانا العلاء بن صالح عن المنهال عن عباد بن عبداللّٰہ قال: قال علی انا عبداللّٰہ واخورسوله وانا الصدیق الاکبر لایقولها بعدی الاکذاب، صلیت قبل الناس بسبع سنین ۔(ص۱۲۔قدیمی) ترجم الحدیث واشرحه شرحًا وافیًا۔ قد عد ابن الجوزی هذاالحدیث من الموضوعات، فانکر من هوالمتهم فی هذاالحدیث؟وهل اصاب فی حکمه بالوضع انکر بتفصیل ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)حدیث کی تشریح(۳)حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عباد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول ﷺ کا بھائی ہوں اور میں صدیقِ اکبر ہوں میرے بعد اس جملہ کو کذّاب شخص ہی کہہ سکتا ہے، میں نے لوگوں سے پہلے سات سال نماز پڑھی ہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اسکے رسول کا (چچازاد) بھائی ہوں اور میں صدیقِ اکبر ہوں اور صدیق اس شخص کو کہتے ہیں جو بلا کسی چوں وچرا کے حق کی تصدیق کرے یہ جملہ جمہور کے استعمال کیخلاف ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ لقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیساتھ خاص ہے اسلئے علماء نے اس کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خود کو صدیق اکبر اسلئے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی حق گوئی وصدیق ہونے پر مکمل اعتماد تھا۔

بعض نے فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اسلئے آپ رضی اللہ عنہ نے خود کو صدیق اکبر کہا جو کہ اپنی جگہ درست ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے پہلے سات سال نماز پڑھی ہے اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ میں نے فرضیتِ نماز سے پہلے سات سال نماز پڑھی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل بچپن میں مسلمان ہوگئے تھے اور ان کے ہم عمروں میں سے اکثر کم وبیش سات سال بعد اسلام لائے اس اعتبار سے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہم عمروں سے پہلے تقریباً سات سال نماز پڑھی ہے۔(تکمیل الحاجہ ص۳۰۶)

③ حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت:۔ ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو منہال اور عباد بن عبداللہ کی وجہ سے موضوع قرار دیا ہے، ابن مدینی نے عباد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص میں شمار کیا ہے اور امام ذہبی کہتے ہیں کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جھوٹ بولا گیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ شیخین تو کیا یہ روایت کسی ایک کی شرائط کے موافق بھی نہیں ہے، حتی کہ یہ روایت باطل ہے۔ صاحب سنن المصطفیٰ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ بالکل ثقہ ہیں۔ یہ روایت صحیح علی شرط الشیخین ہے اس لئے جن حضرات نے اس کو موضوع گردانا ہے وہ سند کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنٰی کے ظاہر نہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔(ایضاً ورسالہ لاحقہ)

﴿السوال الثالث﴾(الشمائل) ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل.....حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی عن سفیان عن منصور عن سالم بن أبی الجعد عن أبی سلمة عن أم سلمة قالت: مارأیت النبی ﷺ یصوم شهرین متتابعین الاشعبان ورمضان ،قال أبوعیسی:هذاالاسناد صحیح، وهکذا قال عن أبی سلمة عن أم سلمة، وروی هذا الحدیث غیرواحد عن أبی سلمة عن عائشة عن النبی ﷺ: ویحتمل أن یکون أبوسلمة

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بن عبدالرحمن قد روی هذاالحدیث عن عائشة وأم سلمة جمیعا عن النبی ﷺ۔(ص۲۰۔قدیمی)

ترجم الحدیث۔ قد وردفی هذاالحدیث ان رسول اللّٰہ ﷺ کان یصوم شعبان کاملًا مع أنه قد ورد أنه ملکان یصوم کاملًا، فما هو التطبیق بینهما؟انکر هدی رسول اللّٰہ ﷺفی الصوم کما قرأت فی کتاب الشمائل هذا۔ اشرح ماقاله أبوعیسی ووضح الغرض منه۔من هو أبو سلمة المذکور فی هذا الطریق؟(خصائل ص۲۶۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث میں تطبیق (۳) رسول اللہ ﷺ کا روزہ رکھنے میں عمل (۴) ابوعیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح وغرض (۵) ابوسلمہ کا تعارف۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان ورمضان کے علاوہ دوماہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

② احادیث میں تطبیق:۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے اسلئے کہ اس باب کی بقیہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ کے مسلسل وکامل روزے نہیں رکھتے تھے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان کے مہینہ میں بھی مکمل روزے رکھتے تھے بظاہر ان میں تعارض ہے۔

تطبیق کی پہلی صورت یہ ہے کہ مکمل شعبان کا ذکر مبالغہ کے طور پر ہے آپ ﷺ کی عادت شعبان کے اکثر روزے رکھنے کی تھی اور بعض روایات میں اسکی تصریح بھی موجود ہے۔ نیز ممکن ہے کہ کبھی آپ ﷺ نے اتفاقاً مکمل شعبان کے روزے رکھے ہوں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور کو اسکی اطلاع اور خبر نہ ہوئی ہو۔ نیز بقیہ روایات میں عادت کی نفی ہے کہ آپ ﷺ کی رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں مکمل روزے رکھنے کی عادت نہ تھی اور اتفاقاً کبھی مکمل مہینہ کے روزے رکھ لینا اسکے منافی نہیں ہے اور اس روایت میں ممکن ہے کہ اسی اتفاقی مہینہ کے طور پر مکمل شعبان کے روزے رکھنے کا ذکر ہو لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

نیز تطبیق کی چوتھی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ابتداء میں شعبان کے مکمل روزے رکھتے تھے اور ممکن ہے کہ اخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے کم کردیئے ہوں چونکہ یہ ترک کرنا ضعف کی وجہ سے تھا اس لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مکمل شعبان کے روزے رکھنے کا ذکر کردیا اور آخری عمر میں یہ معمول نہ رہا تھا اس وجہ سے بقیہ احادیث میں صرف رمضان کے مکمل روزوں کا ذکر ہے پس اس لحاظ سے بھی کوئی تعارض نہ رہا۔(ایضاً)

③ رسول اللہ ﷺ کا روزہ رکھنے میں عمل:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی حضور کی یہ عادت شریفہ مروی ہے کہ کسی ماہ میں اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے جس سے ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس میں افطار کا ارادہ نہیں اور کسی ماہ میں ایسے ہی اکثر افطار فرماتے تھے لیکن کسی ماہ میں بجز رمضان المبارک کے تمام ماہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ معمول متعدد روایات میں گزر چکا ہے اس معمول کی دو وجہ ہیں اوّل تو یہ کہ باب کے شروع میں یہ گزر چکا ہے کہ روزہ حقیقۃ میں ایک تریاق ہے اور بسا اوقات روحانی ترقی اور دیگر وقتی مصالح کیلئے بطور دوا کے بھی رکھا جاتا ہے ایسی صورت میں دوا کے عام اصول کے موافق بسا اوقات اس کی مسلسل استعمال کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات خاص ضرورت نہیں ہوتی یا اگر معمولی ضرورت بھی ہوتی ہے تو دوسرے وقتی عوارض کی وجہ سے دوا کا ترک ضروری ہوتا ہے جو اطباء کے یہاں ایک معروف چیز ہے اور نبی کریم ﷺ کے برابر روحانیت کا طبیب کون ہوسکتا ہے اسلئے نبی کریم ﷺ وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے اور بسا اوقات مسلسل افطار فرماتے تھے امت کیلئے بھی جو حضرات خود روحانی طبیب ہیں وہ روحانی مصالح کے لحاظ سے روزے اور افطار کے اوقات متعین فرماسکتے ہیں اور جو شخص خود طبیب نہیں ہے وہ کسی روحانی طبیب کے زیر علاج رہ کر عمل کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کچھ خصوصی معمولات تھے مثلاً پیر وجمعرات کا روزہ رکھنا ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا، ایام بیض عشرہ محرم عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ معمولات بسا اوقات اسفار وغیرہ عوارض کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے اسلئے عوارض دور ہوجانے کے بعد بطور قضا اور تلافی کے جتنی روزے معمول میں ترک ہوجاتے

03136257042 maktabazakariyamultan@gmail.com

تھے ان کو پورا فرمالیا کرتے تھے کہ یہ بھی حضور ﷺ کی ایک خصوصی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے تو اس پر دوام اور نباہ فرمایا کرتے تھے اسلئے جتنے روزے معمول سے رہ جاتے تھے تو ان کو رکھتے اسلئے لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔(ایضاً)

④ ابوعیسیٰ رحمہ اللہ کے قول کی غرض:۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس قول سے مقصود ایک وہم کو دور کرنا ہے وہم یہ ہوتا ہے کہ اس روایت کی سند مختلف فیہ ہے اس لئے کہ سالم یہ حدیث **عن ابی سلمه عن ام سلمة** کی سند سے نقل کرتے ہیں اور دیگر رواۃ یہ حدیث **عن ابی سلمه عن عائشة** کی سند سے نقل کرتے ہیں تو یہ سند میں اختلاف ہے۔ امام ترمذی نے اس عبارت میں اس وہم کو ختم کردیا کہ ممکن ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں سے سنی ہو اس لئے کبھی **عن عائشة** سے نقل کرتے ہوں اور کبھی **عن ام سلمه** سے نقل کرتے ہوں۔

⑤ ابوسلمہ کا تعارف:۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک فقیہ اور مشہور تابعی محدث ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ کنیت ہی ان کا نام ہے جبکہ بعض حضرات نے انکا نام ''عبداللہ'' بتایا ہے اور کچھ دوسرے حضرات نے ان کا نام ''اسماعیل'' بتایا ہے، ۲۰ھ کے بعد آپ کی ولادت ہوئی۔

اپنے والد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے چند روایات نقل کی ہیں، کیونکہ ان کے بچپن میں ہی والد کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابو اسید، حضرت معاویہ بن الحکم، حضرت ربیعہ بن کعب، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام سے سماع حاصل ہے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں اعلام تابعین ہیں چنانچہ امام شعبی، عبدالرحمٰن الاعرج، عراک بن مالک، عمرو بن دینار، ابوحازم، زہری، یحییٰ الانصاری اور یحییٰ بن ابی کثیر رحمہم اللہ کے علاوہ بہت سے حضرات ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابن سعد، ابواسحاق، ابوزرعہ، ابراہیم بن عبداللہ، امام زہری، حافظ ذہبی جیسے ائمۂ وقت نے آپ کے بارے میں مدحیہ کلمات کہے ہیں۔

ابنِ سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۷۲ سال کی عمر میں ۹۴ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔(کشف الباری ج۲ص۳۲۳)

الشق الثانی.....**اِبْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِبْنَةً لَهٗ تَقْضِیْ فَاحْتَضَنَهَا فَوَضَعَهَا بَیْنَ یَدَیْهِ فَمَاتَتْ وَهِیَ بَیْنَ یَدَیْهِ وَصَاحَتْ اُمُّ اَیْمَنَ فَقَالَ یَغْنِی النَّبِیُّ ﷺ اَتَبْکِیْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ؟ فَقَالَتْ اَلَسْتُ اَرَاكَ تَبْکِیْ ؟ قَالَ اِنِّی لَسْتُ اَبْکِیْ اِنَّمَا هِیَ رَحْمَةٌ اِنَّ الْمُؤْمِنَ بِکُلِّ خَیْرٍ عَلٰی کُلِّ حَالٍ اِنَّ نَفْسَهٗ تُنْزَعُ مِنْ بَیْنَ جَنْبَیْهِ وَهُوَ یَحْمَدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ**۔(ص۲۱۔قدیمی)

شکل الحدیث الشریف بالضبط الکامل۔ ترجم الحدیث الی الاردیة واشرحه یایجاز واذکر فیه تحقیق العلماء فی تعیین البنت التی ذکرت فی هذا الحدیث۔اکتب نبذة من احوال ام ایمنؓ مع ذکر اسمها۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) بنتِ نبی ﷺ کی تعیین (۵) حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے احوال۔

جواب.....① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک لڑکی قریب الوفات تھی، آپ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں اٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا، پس اس کا انتقال ہوگیا اس حال میں کہ وہ حضور ﷺ کے سامنے ہی تھی، ام ایمن (حضور ﷺ کی باندی) نے رونا چلانا شروع کردیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے اللہ کے نبی کے سامنے ہی رونا شروع کردیا؟ پس اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ بھی تو رو رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں رو نہیں رہا (یہ ممنوع رونا نہیں ہے) یہ تو رحمت ہے، مؤمن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے (حتیٰ کہ) اس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کررہا ہوتا ہے۔

③ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بچی کو جو قریب الوفات تھی اپنی گود میں اٹھا کر اپنے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

سامنے رکھ لیا، اسی دوران اسکی روح پرواز کر گئی، رسول اللہ ﷺ کے صدمہ کی وجہ سے آنسو جاری ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کی باندی امِ ایمن رضی اللہ عنہا نے زور زور سے رونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے پیغمبر کے سامنے ہی یہ خلافِ شریعت چیخنا چلّانا شروع کر دیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کے آنسو بھی تو جاری ہیں آپ ﷺ بھی تو رو رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا رونا خلافِ شریعت نہیں ہے، یہ صدمہ کے آنسو ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کی علامت ہے اسلئے کہ بندوں کے قلوب کا نرم ہونا اور اولاد کیلئے شفیق ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطاء ہے، اولاد کے ساتھ فطری محبت نبوت کے منافی نہیں ہے۔

④ بنتِ نبی ﷺ کی تعیین:۔ یہ واقعہ قابلِ اشکال ہے اس لئے کہ اصحابِ سیر و مؤرخین متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی تمام بیٹیوں کا انتقال بڑی عمر میں ہی ہوا ہے، بعض نے کہا کہ یہاں نسبت مجازی ہے اور مراد کوئی نواسی ہے، اس لئے کہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا کی نزع کی حالت میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تھے مگر یہ بھی باعثِ اشکال ہے اسلئے کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے بعد بھی زندہ رہی حتیٰ کہ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا تھا۔ بعض حضرات نے جواب دیا کہ وہ قریب الوفات تھیں اور ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے آنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عافیت دے دی ہو، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ ممکن ہے کہ بنت کی جگہ حضور ﷺ کا کوئی ابن (بیٹا) ہو اس لئے کہ ان سب کا انتقال بچپن میں ہی حضور ﷺ کی زندگی میں ہی ہوا تھا۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد نواسہ ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال حضور ﷺ کی گود میں ہی ہوا تھا اور اس موقع پر حضور ﷺ روئے بھی تھے۔

بعض نے کہا کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کا واقعہ ہے جن کی وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا تھا کہ میرا بیٹا قریب الوفات ہے، آپ جلدی تشریف لائیں۔ الغرض یہاں حقیقی بیٹی مراد نہیں بلکہ نواسہ یا نواسی مراد ہے۔ (حاشیہ)

⑤ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے احوال:۔ آپ کا نام برکہ، کنیت اُم ایمن اور عرف ام الظباء ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان۔ یہ حبشہ کی رہنے والی تھیں اور آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں، جب اُن کا انتقال ہوا تو حضرت آمنہ علیہا السلام کے ساتھ رہنے لگیں اور اسکے بعد خود سرکار دو عالم ﷺ کے حلقہ غلامی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے تو اس دوران حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ کی خدمت گزاری اور خاطر داری میں دن رات مصروف رہتیں، آپ ﷺ کو کھانا کھلانا، کپڑے دھونا اور کپڑے پہنانا وغیرہ یہ سب کام سرانجام دیتیں۔ پہلا نکاح حارث بن خزرج سے ہوا، اُن کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے اِن کا نکاح اپنے محبوبِ خاص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے اس لئے اُم ایمن نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ہجرتِ حبشہ کے موقع پر انہوں نے بھی ہجرت کی، بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی، غزوۂ اُحد میں شرکت کی اور اس موقع پر مجاہدین اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں، آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بہت زیادہ غمگین رہتی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

0313-6357913 | maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن النسائی) ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل ..... عن أبی الزناد عن الأعرج عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال: لولا أن أشق على أمتی لأمرتهم بالسواك عند كل صلوة ۔ عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ لقد أكثرت عليكم فی السواك۔ (ص۱۸۔ج۱۔رحمانیہ)

ترجم الحديث الاوّل وانكر اسم الأعرج ۔ انكرحكم السواك عند العلماء، هل هو سنة للوضوء أم للصلوة و انكرأدلتهم مع ترجيح الحنفية۔ انكر تحقيق وضبط كلمة "أكثرت" واشرح الحديث الثانی فی ضوء أقوال العلماء ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اعرج کا تعارف (۳) مسواک کا حکم مع الاختلاف والدلائل (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح (۵) اکثرت کی تحقیق اور حدیث ثانی کی تشریح۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر شاق (مشکل) نہ سمجھتا تو البتہ میں انکو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

② اعرج کا تعارف:۔ اسکا نام عبدالرحمٰن بن ہرمز ہے اور یہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا مولیٰ تھا، انتہائی دیانتدار، ثقہ اور مستعد تھا اور اس کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ (درسِ ترمذی ج ا ص ۳۱)

③ مسواک کا حکم مع الاختلاف والدلائل:۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسواک کے سنت ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، صرف داؤد ظاہری سے وجوب کا قول منقول ہے۔ البتہ جمہور کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مسواک وضوء کی سنت ہے یا نماز کی سنت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مسواک وضوء کی سنت ہے۔ (درس ترمذی)

حنفیہ کے دلائل: ① **عن عائشة مرفوعا لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك مع الوضوء عند كل صلوة** ② **عن ابی هريرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا ان اشق علی امتی لفرضت عليهم السواك مع الوضوء** ③ کسی حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تکبیرِ تحریمہ سے متصل مسواک کرتے تھے۔

شوافع کے دلائل: ① حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل صلوة**۔ ② حضرت زید رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ جس وقت وہ نماز کے لئے تشریف لاتے تو مسواک ان کے کان پر کاتب کے قلم کی جگہ پر ہوتی تھی، پھر جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے مسواک کرتے اور پھر مسواک کو اپنی جگہ رکھنے کے بعد پھر نماز پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ مسواک نماز کی سنت ہے۔

پہلی حدیث کا جواب: ہماری دلیل والی احادیث کے قرینہ سے یہاں مضاف محذوف ہے، اصل عبارت **عندوضوءٍ كل صلوة** ہے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تفرد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

④ حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ ① صلوٰۃ کی روایات میں "عند" کا لفظ ہے جو حقیقی مقارنت پر دلالت نہیں کرتا جبکہ وضوء کی بعض روایات میں "مع" کا لفظ ہے جو حقیقی مقارنت پر دال ہے۔ ② ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے **السواك مطهرة للفم** جب یہ منہ کی طہارت کا ذریعہ ہے تو اس کو بھی دیگر اعضاء کی طہارت کی طرح وضوء میں ہی ہونا چاہیے۔ ③ بعض اوقات نماز کے وقت مسواک کی وجہ سے خون نکلنے کا احتمال ہے اسلئے مناسب یہ ہے کہ مسواک وضوء کی سنت ہی ہو، نہ کہ نماز کی۔ پس ان وجوہ سے حنفیہ کا مذہب راجح ہے۔ (درس ترمذی ۱:۲۲۴)

⑤ **اکثرت** کی تحقیق اور جملہ کی تشریح:۔ ① **اکثرت** یہ اکثار مصدر باب افعال سے واحد متکلم ماضی معروف کا صیغہ ہے۔

② یہ اکثار مصدر باب افعال سے واحد مؤنث غائب ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس جملہ کی تشریح ومطلب میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ① حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے بار بار دُھرا دُھرا کر مسواک کی طلب وترغیب کے سلسلہ میں تم سے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ ② جتنی احادیث مسواک کی ترغیب میں وارد ہوئی ہیں میں نے وہ سب تمہارے سامنے تفصیل سے بیان کردی ہیں۔ ③ ابن التین نے یہ بیان کیا کہ میں نے مسواک کے فضائل وفوائد کے بارے میں تم سے بہت کچھ بیان کیا ہے اب اسکا مقتضی یہ ہے کہ میں خود بھی اس کا اہتمام کروں اور تمہارے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ تم بھی اس کا اہتمام والتزام کرو۔ (شرح نسائی ج ا ص ۳۰)

الشق الثانی.....**باب فرث مايؤكل لحمه يصيب الثوب، كان رسول الله يصلی عند البيت وملأمن قريش جلوس، وقد نحروا جزورًا، فقال بعضهم أيكم يأخذ هذاالفرث بدمه ثم يمهله حتی يضع وجهه ساجدًا فيضعه يعنی علی ظهره، قال: عبدالله: فانبعث أشقاهافأخذ الفرث فذهب به ثم أمهله فلما خرساجدًا وضعه علی**

ظهره، فأخبرت فاطمة بنت رسول اللهﷺ وهی جارية فجائت تسعى فأخذته من ظهره، فلما فرغ من صلاته قال: اللهم عليك بقريش ثلاث مرات، اللهم عليك بأبی جهل بن هشام، وشيبة بن ربيعة، وعتبة بن ربيعة وعقبة بن أبی معيط، حتى عدّ سبعة من قريش قال عبدالله: فوالذی أنزل عليه الكتاب، لقدر أيتهم صرعى يوم بدرفی قليب واحد۔(ص ۶۷۔ج ۱۔رحمانیہ) ترجم الحديث ۔ ماالمراد بقوله: "بعضهم" و"أشقاها" ومن هم البقية من السبعة الذين ماذكروا فی هذه الرواية ۔ ماهوغرض المصنف بعقد هذالباب؟ واذكر حكم الفرث هل هو طاهر أم نجس، وماهو الجواب عن هذا الحديث ان كان نجسا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) بعضهم واشقی کی مراد (۳) بقیہ تین ناموں کا ذکر (۴) باب کی غرض (۵) فرث کا حکم اور حدیث کا جواب۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، قریش کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی اور انہوں نے ایک اونٹ ذبح کیا ہوا تھا، پس ان میں سے ایک نے کہا کہ تم میں سے کون اٹھائے گا اس گندگی (اوجھڑی) کو اس کے خون سمیت پھر ٹھہرا رہے اس کو لیکر یہاں تک کہ رکھیں یہ (آپ ﷺ) اپنا چہرہ سجدہ کرنے کیلئے تو رکھ دے یہ اس کو آپ ﷺ کی پیٹھ پر عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پس کھڑا ہوا ان میں سے بڑا بد بخت پس اس نے گندگی (اوجھڑی) لی پھر لے گیا اس کو پھر ٹھہرا رہا اس کو لیکر پس جب آپ ﷺ سجدہ کیلئے تشریف لے گئے تو اس نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر اس کو رکھ دیا پس فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی اور وہ چھوٹی بچی تھیں پس وہ آئیں دوڑتی ہوئی اور اس گندگی کو اٹھایا آپ ﷺ کی پیٹھ سے پس جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے بددعا کی اے اللہ! اپنی پکڑ میں لے لے تو قریش کو، تین مرتبہ پھر فرمایا اے اللہ! اپنی پکڑ میں لے لے تو ابوجہل بن ہشام اور شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ بن ابی معیط کو یہاں تک کہ آپ ﷺ نے گنے قریش کے سات آدمی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی البتہ تحقیق میں نے انکو دیکھا بدر کے دن ایک کنویں میں گرا ہوا (مردہ)

② بعضهم واشقی کی مراد:۔ اس سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔

③ بقیہ تین ناموں کا ذکر:۔ آپ ﷺ نے جن سات شخصوں کیلئے بددعاء فرمائی تھی ان میں سے بقیہ تین نام جو اس حدیث میں مذکور نہیں وہ یہ ہیں ولید بن عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن الولید۔ (شرح نسائی ج ۱ ص ۳۶۳)

④ باب کی غرض:۔ اس باب سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ماکول اللحم جانور کی پلیدی وغیرہ کی طہارت پر استدلال کرنا ہے۔

⑤ فرث کا حکم اور حدیث کا جواب:۔ جمہور علماء کے نزدیک تمام ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم جانوروں کا پاخانہ، گوبر اور لید نجاست غلیظہ و ناپاک ہے۔ امام مالک، داؤد ظاہری کے نزدیک ماکول اللحم جانور کا بول و براز پاک ہے اور مصنف کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ سوال ہوتا ہے کہ جب فرث نجاستِ غلیظہ ہے تو پھر آپ ﷺ کی پیٹھ پر پھینکنے کی صورت میں آپ ﷺ نے نماز کیسے مکمل کی حالانکہ کپڑے کا پاک ہونا نماز کے لئے فرض ہے۔ بظاہر حدیث الباب جمہور کے خلاف ہے۔

اس سوال وحدیث کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں: ① ابھی وہ رکن پورا نہیں ہوا تھا کہ اس فرث کو ہٹا دیا گیا تھا۔

② نماز میں آپ ﷺ کی استغراقی کیفیت تھی، آپ کو نجاست کا علم نہیں ہوا ہوگا پھر بعد میں شاید آپ ﷺ نے نماز کا اعادہ کیا ہو۔

③ اس حدیث سے حلال جانور کے گوبر ولید وغیرہ کے پاک ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں خون کا بھی پاک ہونا لازم آئیگا کیونکہ بعض روایات کے مطابق اوجھڑی کے ساتھ خون بھی لگا ہوا تھا حالانکہ خون ناپاک ہے۔

④ سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ تطہیرِ ثیاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے پیش آیا تھا۔ (شرح نسائی ۱:۳۶۲)

﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل .....عن أبی موسٰی قال: قام فينا رسول اللهﷺ بخمس كلمات، فقال: ان الله لاينام

ولا ینبغی له أن ینام، یخفض القسط ویرفعه و یرفع الیه عمل اللیل قبل عمل النهاروعمل النهار قبل عمل اللیل، حجابه النور، لوکشفه لأحرقت سبحات وجهه ماانتهی الیه بصره من خلقه۔(ص۱۸۔قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف ترجمة واضحة ۔ اشرح قوله "یخفض القسط ویرفعه"، وقوله: "حجابه النور لوکشفه.....الخ" ۔ ماهو الغرض من ایراد هذاالحدیث تحت "باب فیما أنکرت الجهمیة"۔(تکمیل الحاجہ ص۴۰۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ جملوں کی تشریح (۳) اس حدیث کو باب فیما انکرت الجہمیہ کے تحت ذکر کرنے کی وجہ۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کررہے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور پانچ باتیں بیان فرمائیں، اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور سونا اس کے لئے مناسب بھی نہیں ہے میزان کو پست و بلند کرتا ہے دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اور رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں، اس کا پردہ نور ہے اگر وہ اپنے پردہ کو ہٹادے تو تا حدِ نظر تمام مخلوقات کو اپنے چہرے کی روشنی سے جلاڈالے۔

② مذکورہ جملوں کی تشریح:۔ اللہ تعالیٰ ترازو کو جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ترازو کے جھکانے اور بلند کرنے سے مراد رزق تنگ کرنا اور فراخ کرنا، ذلیل کرنا اور عزت دینا ہے، مطلب یہ ہے کہ رزق کے اندر تنگی اور فراخی پیدا کرنا عزت دینا و ذلیل کرنا سب اسی ذات **وحده لاشریك** کے قبضہ وقدرت میں ہے جس کیلئے چاہے مال و دولت کا دریا بہادے اور جس کیلئے چاہے فقر و فاقہ اور رزق کے اندر تنگی پیدا کردے اور وہ افلاس و ناداری کی صعوبتوں میں گرفتار ہوجائے، اسی طرح وہ قادر مطلق ہے کہ جسکو چاہے اعمال خیر کی توفیق دے اور اسکے اعمال صالحہ سے خوش ہوکر عزت سے نوازے اور جسکو چاہے سرکشی و نافرمانی میں مبتلا کردے اور اسکی بدعملی اور معصیت سے ناراض ہوکر اس کو ذلت و رسوائی کے عمیق غار میں ڈال دے۔

حجابه النور، لوکشفه لأحرقت سبحات وجهه اللہ تعالیٰ کا پردہ نور ہے اگر اس کو ہٹادے تو ساری مخلوق اور کائنات کا ایک ایک ذرہ جل کر راکھ ہوجائے کیونکہ اس کی نگاہ تمام عالم اور اس کی تمام مخلوقات اور ایک ایک ذرہ تک کو محیط ہے اگر اللہ تعالیٰ کے نور و جلال جو اس نے اپنے بندوں سے حجاب میں رکھے ہیں کھل جائیں تو جن جن اشیاءِ عالم پر تجلیاتِ الٰہیہ کا عکس پڑے گا وہ تمام اشیاء جل کر بھسم ہوجائیں گی ان کا وجود تک باقی نہ رہے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ پر ذرا سی تجلی پہاڑ پر فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ **"سبحات" سبحة** کی جمع ہے بمعنی پاک ذات کا جلال اسکی عظمت، بعض حضرات نے کہا کہ **سبحات وجهه** کا لفظ جملہ معترضہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اور سبحان اللہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو تعجب کے وقت بولا جاتا ہے۔

③ اس حدیث کو **باب فیما انکرت الجهمیه** کے تحت ذکر کرنے کی وجہ:۔ اس حدیث کو مذکورہ باب کے تحت ذکر کرنے سے مقصود جہمیہ کی تردید ہے کیونکہ جہمیہ صفات باری تعالیٰ کے منکر ہیں خواہ وہ صفات ثبوتیہ ہوں یا سلبیہ ہوں اور اس حدیث میں باری تعالیٰ کی صفات کا اثبات ہے الغرض حدیث الباب سے باری تعالیٰ کی صفات کو ثابت فرما کر جہمیہ کی تردید کی گئی ہے۔

الشق الثانی .....**عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّمَا هُمَا اِثْنَتَانِ: اَلْکَلَامُ وَالْهُدٰی، فَأَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰهِ، وَأَحْسَنُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ، أَلَا وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَاِنَّ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَکُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ..... أَلَا اِنَّ قِتَالَ الْمُؤْمِنِ کُفْرٌ وَسِبَابَهُ فُسُوْقٌ وَلَایَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ**.....(ص۶۔قدیمی)

اذکر مرجع ضمیر فی قوله: "انما هما اثنتان" ۔ شکل الحدیث و اشرحه شرحاً وافیاً، واذکر کیف هجر رسول اللّٰه ﷺ نساءه شهراً؟ وکیف أمر الناس بهجران الثلاثة الذین تخلفوا خمسین لیلة؟ وکیف هجرابن عمرابنه طول الحیاة؟ مع أن هذا الحدیث لایجیز الهجران فوق ثلاث ۔(تکمیل الحاجہ۔ص۱۰۷)

0313 6342917 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) ھما ضمیر کا مرجع (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کی تشریح (۴) مذکورہ قطع کلامی کی توجیہات۔

جواب..... ① **ھما ضمیر کا مرجع:۔** اس جملہ میں **ھما** مفسر اور **الکلام و الھدی** تفسیر ہے، گویا ضمیر کا مرجع کلام وھدیٰ ہے۔

② **حدیث پر اعراب:۔** **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

③ **حدیث کی تشریح:۔** آپ ﷺ نے اس حدیث میں راہِ ہدایت اور بدعت وضلالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت صرف دو چیزوں میں ہے ① کلام ② سیرت۔ یعنی تمہارے لئے جو کلام اور کتاب مشعل راہ بن سکتی ہے اور دنیا وآخرت کی سعادت سے تمہارے دامن کو بھر سکتی ہے وہ کلامِ الٰہی اور کتابِ الٰہی ہے جو ایک آفاقی اور عالمگیر قانون ہے جس کے تمام قوانین وضوابط اپنی جگہ اٹل ہیں اور تمام اقوامِ عالم کے لئے ہدایت ہیں۔

دوسری چیز سیرت ہے یعنی تمام سیرتوں اور طریقوں میں سب سے جامع، مکمل اور بہترین وشاندار سیرت آپ ﷺ کی مبارک سیرت ہے جو تمام اقوامِ عالم کے لئے قابلِ عمل اور لائقِ تقلید نمونہ ہے جو ہر انسان کو خواہ امیر ہو یا غریب، گدا ہو یا روٴسا، رعایا ہو یا بادشاہ الغرض تمام انسانیت کو زندگی بسر کرنے کا پورا پورا سامان اور طریقہ فراہم کرتی ہے۔

نیز فرمایا کہ خبردار! دین میں نئی چیزیں شامل کرنے سے بچو کیونکہ تمام امور میں سے بدترین امر بدعت ہے اور دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، یہاں پر ضمناً بدعت کی اقسام ذہن نشین فرمالیں۔

بدعت کی اقسام: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے بدعت کی پانچ اقسام ذکر فرمائی ہیں:

① بدعت واجبہ: جیسے علم نحو صرف وغیرہ سیکھنا کتاب وسنت کو سمجھنے کے لئے، اسی طرح اصول فقہ اصول کلام کی تدوین اور تمام فرقِ باطلہ کی تردید کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ تمام باطل فرقوں سے شریعت کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔

② بدعت مندوبہ: تصنیف وتالیف، مدارس اسلامیہ کا اجراء، صلاۃِ تراویح مع الجماعۃ وغیرہ وغیرہ یہ سب بدعت مندوبہ ہیں۔

③ بدعت مباحہ: کھانے پینے، رہنے سہنے میں لذّت حاصل کرنا بلڈنگیں بنانا وغیرہ سب کے سب بدعت مباحہ ہیں۔

④ بدعت محرمہ: جیسے فرقہ جبریہ، قدریہ، خوارج مجسمہ، معطلہ کرامیہ جہمیہ وغیرہ کے عقائد وخیالات ہیں۔

⑤ بدعت مکروھہ: جیسے فخر ومباحات کیلئے مسجدوں کو سجانا اور انہیں مزین کرنا اور قرآن کریم کو آراستہ کرنا وغیرہ۔

پھر فرمایا کہ مسلمان کے قتل کو جائز سمجھتے ہوئے قتل کیا تو یہ کفر ہے اور مسلمان کو محض گالی دینا فسق ہے، کسی شرعی عذر کے بغیر محض دنیوی غرض سے کسی مسلمان سے قطع کلامی کرنا جائز وحلال نہیں ہے البتہ شرعی عذر کی وجہ سے زندگی بھر بھی قطع کلامی کرنا جائز ومباح ہے۔ (تکمیل الحاجہ:۹۸)

④ **مذکورہ قطع کلامی کی توجیہات:۔** ابھی ماقبل میں حدیث کی تشریح کے ضمن میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ دنیاوی مقصد کی وجہ سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی ممنوع ہے البتہ دینی امر کی وجہ سے قطع کلامی جائز ہے اور سوال میں مذکور صورتوں میں بھی قطع کلامی کی وجہ اور سبب امرِ دینی تھا اس لئے یہ جائز ومباح ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....عن عباد بن تميم عن عمه أنه رأى النبی ﷺ مستلقيافی المسجد واضعًا احدی رجليه علی الأخری۔ (ص۹۔قدیمی) ترجم الحديث۔ اذكر وجوه التوفيق بين هذاالحديث وبين حديث جابر أن النبی ﷺ قال: "لاتستلقين أحدكم ثم يضع احدی رجليه علی الأخری"۔ ماهی مناسبة الحديث المذكور "باب ماجاء فی جلسة رسول الله ﷺ" وليس فيه ذكرالجلسة؟ (خصائل نبوی ص۱۱۶)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث میں تطبیق (۳) حدیث کی باب سے مناسبت۔

جواب..... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عباد اپنے چچا عبداللہ بن زید سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹا ہوا دیکھا، اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے اوپر رکھا ہوا تھا۔

② احادیث میں تطبیق:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کے چت لیٹ کر ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھنے کا ذکر ہے جبکہ مسلم کی روایت میں آپ ﷺ نے اس طرح ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھنے سے منع فرمایا ہے تو بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح لیٹنے کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں پھیلا کر ایک قدم دوسرے قدم پر رکھ کر لیٹے اس طرح لیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور شمائل کی حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک پاؤں کا گھٹنا کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس پر رکھ کر لیٹے، یہ صورت ممنوع ہے اور مسلم کی روایت میں اسی کا ذکر ہے اور اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں لنگی باندھنے کا دستور تھا اور لنگی باندھ کر اس طرح لیٹنے سے ستر کھلنے کا قوی اندیشہ تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

③ حدیث کی باب سے مناسبت:۔ یہ باب آپ ﷺ کے جلسہ (نشست) کے متعلق ہے جبکہ اس حدیث میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس طرح سے مسجد میں چت لیٹنا جائز ہے تو ہر طرح سے بیٹھنے کا جواز خود بخود معلوم ہو گیا۔

نیز باب میں بیٹھنے کا لفظ عام ہے یہ بیٹھنے اور لیٹنے دونوں کو شامل ہے لہٰذا روایت کی باب سے مناسبت ہو گئی۔ (خصائلِ نبوی)

الشق الثانی.....عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ لَهٗ رَجُلٌ: اَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا عَمَّارَةَ؟ فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلٰكِنْ سُرْعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى بَغْلَتِهٖ وَاَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔ (ص۱۶۔قدیمی)

اعرب الحدیث ثم ترجمہ۔ اشرح لغویًا "سرعان" و"النبل"۔ السؤال ھھنا کان عن فرار الصحابۃ ولکن أجاب البراء بقولہ: "لا واللّٰہ ماولّی رسول اللّٰہ ﷺ..... الخ" انکر مطابقۃ الجواب للسؤال۔ لماذا نسب نفسہ الی عبدالمطلب؟ ولم ینسب نفسہ الی والدہ عبداللّٰہ؟ (خصائلِ نبوی ص۱۳۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) سرعان والنبل کی لغوی تحقیق (۴) سوال وجواب میں مطابقت (۵) انا ابن عبدالمطلب کہنے کی وجہ۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کیا تم سب لوگ حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر (جنگِ حنین) میں بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں حضور اقدس ﷺ نے پشت نہیں پھیری بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نومسلم نوجوان تھے) قبیلہ ہوازن کے سامنے کے تیروں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا، حضور اقدس ﷺ (جنکے ساتھ اکابر صحابہ کا ہونا ظاہر ہے اپنے) خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارث اسکی لگام کو پکڑے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ اس وقت یہ فرما رہے تھے انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب (میں بلاشک وشبہ نبی ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد (پوتہ) ہوں)

③ سرعان والنبل کی لغوی تحقیق:۔ سُرْعَان: اسم ہے بمعنی سب سے آگے کے لوگ یا گھوڑے، جلد باز لوگ، مصدر سُرْعَةً وسَرِعًا و سَرَاعَةً (سمع وکرم) بمعنی جلدی کرنا۔ نَبْل: اسم ہے بمعنی تیر مصدر نَبْلًا (نصر) بمعنی تیر مارنا یا تیر دینا۔

④ سوال وجواب میں مطابقت:۔ سائل نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرار (بھاگنے) کے متعلق سوال کیا تھا جبکہ حضرت ابوعمارہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ماولّی رسول اللّٰہ ﷺ یعنی رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے تھے تو بظاہر سوال وجواب میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: ① رسول اللہ ﷺ کے ثابت قدم رہنے سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عدمِ فرار لازم آتا ہے اسلئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھاگنے سے آپ ﷺ کے بھاگنے کا بھی وہم ہوتا ہے کیونکہ اکیلا آدمی کب تک ثابت قدم رہ سکتا ہے بالآخر اس نے بھاگنا ہے اور آپ ﷺ کا بھاگنا کسی بھی موقعہ پر کسی بھی روایت سے منقول نہیں ہے۔ ② خمیس (لشکر کے پانچ حصے) کے بھاگنے کا مدار قلب پر ہوتا ہے اور قلب میں رسول اللہ ﷺ تھے تو جب

0313 6357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ ثابت قدم رہے تو باقی لشکر بھی ثابت قدم رہا، صرف چند جلد باز جو لشکر کے اگلے حصہ میں تھے وہ تتر بتر ہوئے تھے اور دشمن کے چاروں اطراف سے یک لخت تیر اندازی سے جماعت کی پسپائی اور انتشار ایک فطری عمل تھا جو بعد میں ختم ہوگیا۔(خصائلِ نبوی ص ۱۳۴)

⑤ **انا ابن عبد المطلب** کہنے کی وجہ:۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو اپنے والد عبداللہ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے اپنے دادا عبدالمطلب کی طرف منسوب کرتے ہوئے **انا ابن عبد المطلب** کیوں کہا؟

① عبدالمطلب نے کفارِ قریش کو آپ ﷺ کے غلبہ کی اطلاع دی تھی اور یہ اس کی تصدیق کا وقت تھا اسلئے آنحضرت ﷺ نے خود کو عبدالمطلب کی طرف منسوب کیا ② آپ ﷺ کے والد کا انتقال زمانۂ حمل میں ہی ہوگیا تھا اور آپ ﷺ ابن عبدالمطلب کے ساتھ مشہور تھے اسلئے آپ ﷺ نے خود کو **ابن عبد المطلب** کہا ③ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ایک شخص سے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور وہ خاتم النبیین ہوگا اسلئے آپ ﷺ نے اس نسبت کے ساتھ لوگوں کو وہ مشہور بات یاد دلائی۔(ایضاً ص ۱۳۳)

﴿الورقة الاولیٰ: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾(سنن النسائی) ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....اخبرنا الحارث بن مسكين قراءة عليه وانا اسمع عن ابى وهب عن يونس عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة عن رسول اللهﷺ:الفطرة خمس:الاختتان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط. ترجم الحديث۔ ترجم للحارث بن مسكين وانكر لماذا يذكره الامام النسائى بهذا التعبير عندما يروى عنه؟ وبيّن اسم ابن شهاب ونسبه ونسبته۔ انكر تفسير الفطرة ومرادها هٰهنا۔ ورد فى هذا الحديث:الفطرة خمس وورد فى حديث آخر:عشر من الفطرة طبّق بينهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں:(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حارث بن مسکین وابن شہاب کا تعارف (۳) قراءۃ علیہ وانا اسمع کی تعبیر اختیار کرنے کی وجہ (۴) فطرت کی تفسیر ومراد (۵) امورِ فطرت کی تعداد میں تطبیق۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ امور مسنون ہیں، ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال مونڈنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا۔

② حارث بن مسکین وابن شہاب کا تعارف:۔ حارث کا پورا نام ابوعمرو حارث بن مسکین بن محمد بن یوسف الاموی ہے، بنوامیہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ ثقہ وفقیہ رواۃ میں سے ہیں۔ رواۃ کے درجات میں سے دسویں درجہ کے راوی ہیں، چھیانوے سال کی عمر میں ۲۵۰ھ میں وفات ہوئی، ابوداؤد ونسائی کے رواۃ میں سے ہیں۔

ابن شہاب کا پورا نام ونسب محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب قرشی ہے اور نسبت زہری ہے، ابن شہاب زہری کے نام سے معروف ہیں، طبقۂ رابعہ کے ابتدائی وجلیل رواۃ میں سے ہیں۔ انہوں نے سہل بن سعد، ابن عمر، جابر وانس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام سے روایت لی ہے۔ اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ تدوینِ حدیث میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔(تقریب التہذیب وغیرہ)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ **قراءۃ علیہ وانا اسمع** کی تعبیر اختیار کرنے کی وجہ:۔ امام نسائیؒ کے **قراءۃ علیہ وانا اسمع** کی تعبیر سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ محدث ''حارث'' کا بنیتِ شاگرد امام نسائیؒ کو حدیث بیان کرنا مقصود نہ ہوتا تھا بلکہ امام نسائیؒ شیخ کی مجلس میں چھپ کر بیٹھتے تھے، شیخ کے سامنے احادیث پڑھی جاتی تھیں تو وہ بھی سماع کرلیا کرتے تھے۔

④ فطرت کی تفسیر ومراد:۔ فطرت کا معنی خلقت عادت وجبلت ہے، مگر بقول علامہ خطابیؒ کہ اکثر علماء نے اس کی تفسیر سنت سے کی ہے اور امام نوویؒ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے کیونکہ ایک روایت میں صراحۃً من السنۃ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ تمام امور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں اور ان کے طریقہ میں داخل ہیں۔(شرح نسائی)

⑤ امورِفطرت کی تعداد میں تطبیق:۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے اسلئے کہ اس حدیث میں "خمس من الفطرة" کا لفظ ہے جبکہ دوسری جگہ امورِ فطرت کی تعداد دس بتلائی گئی ہے ① عددِ اقل عددِ اکثر کے منافی نہیں ہے ② امورِ فطرت کا علم تدریجا ہوا جتنے جتنے امور کا علم ہوتا گیا آپ ﷺ اتنے امور بیان کرتے گئے ③ امورِ فطرت دس ہی ہیں مگر حدیثِ ابو ہریرہ میں اہمیت کے پیشِ نظر پانچ کو ذکر کیا گیا ہے۔

الشق الثانی.....**حدثنی کثیر بن مرّة الحضرمی عن ابی الدرداء سمعه یقول: سئل رسول اللّٰه ﷺ: اَفِی کلّ صلاة قراءة؟ قال: نعم، قال رجل من الانصار: وجبت هٰذه، فالتفت الیّ وکنت اقرب القوم منه، فقال: ما اری الامام اذا امّ القوم الّا قد کفاهم۔ قال ابو عبدالرحمٰن: هذا عن رسول اللّٰه ﷺ خطأ، انّما هو قول ابی الدرداء۔**

ترجم الحدیث سلسةً۔ هل یقرء المؤتمّ الفاتحة خلف الامام فی الصلوات الجهریة والسریة؟ بیّن اختلاف العلماء فیها مدلّلًا۔ وضّح قول ابی عبدالرحمٰن بالتفصیل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② فاتحہ خلف الامام میں اختلاف مع الدلائل ③ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ مجھے کثیر بن مرہ حضرمی نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ہر نماز میں قراءت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، ایک انصاری نے کہا: یہ قراءت ہر نماز میں واجب ہوگئی، پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور میں قوم میں سے آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب تھا اور فرمایا: جب امام قوم کو امامت کروائے تو اس کی قراءت ان سے کفایت کر جائے گی۔ ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اس جملہ کا آپ ﷺ سے مروی (مرفوع) ہونا خطاء ہے، بے شک یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

② فاتحہ خلف الامام میں اختلاف مع الدلائل:۔ قراءت خلف الامام کے متعلق چار مذاہب ہیں۔ ① امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سِری نماز میں مستحب اور جہری نماز میں مباح ہے۔ ② امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سِری نماز میں مستحب اور جہری نماز میں مکروہِ تحریمی ہے۔ ③ امام شافعی، داؤد ظاہری، اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سِری و جہری دونوں نمازوں میں قراءت خلف الامام واجب ہے۔ الغرض یہ تینوں مذاہب فی الجملہ قراءت کے قائل ہیں۔ ④ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، حسن بن صالح، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبدالرحمٰن بن وہب، اشہب مالکی اور جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قراءت خلف الامام جائز نہیں ہے۔

فریقِ اوّل کے دلائل: ① حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی تو آپ پر قراءت دشوار ہوگئی، سلام کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے پیچھے قراءت کر رہے تھے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو بلکہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ کامل نہیں ہوتی بلکہ وہ ناقص ہوتی ہے۔ ③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص رہتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو سائب نے کہا کیا مقتدی کے لئے قراءت جائز ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ اپنے دل میں آہستہ آہستہ پڑھا کرو۔

جوابات: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اُن کی روایت کی سند میں تین راوی متکلم فیہ ہیں۔ محمد بن اسحاقؒ، امام مکحولؒ، محمود بن ربیعؒ، اس لئے ان کی روایت قابلِ استدلال نہیں ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے، کسی طریق میں مکحول عن محمود عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن محمود عن عبادہ، کسی میں مکحول عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن ابی نعیم عن عبادہ ہے۔ نیز متن میں بھی اضطراب ہے، چار قسم کے الفاظ کے ساتھ متن مروی ہے لہٰذا اتنے اضطرابات کی موجودگی میں یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں ہے۔ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز

0313 6357913 makkabazakariyamultan@gmail.com

کے کامل نہ ہونے میں دو احتمال ہیں۔ ① امام، مقتدی، منفرد سب کی نماز اس میں داخل ہے کہ کسی کی نماز بھی سورۃ فاتحہ کے بغیر کامل نہ ہوگی۔ ② امام ومنفرد کی نماز مراد ہے یعنی وہ شخص جس کا کوئی امام نہ ہو خواہ وہ منفرد ہو یا خود امام ہو۔ اسکی نماز بلا کراہت درست نہیں ہوسکتی اور مقتدی کا چونکہ امام ہوتا ہے اور امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے لہٰذا مقتدی کی نماز مراد نہیں ہے۔ پس جب اس حدیث میں دو احتمال پیدا ہوگئے تو شرعی دلیل کے بغیر کسی ایک احتمال کو ترجیح نہ ہوگی، چنانچہ ہم نے غور کیا تو ہمیں حدیث مل گئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا **من کان له امامٌ فقراءة الامام قراءة له**، لہٰذا اس حدیث سے بھی مقتدی کے لئے قراءت خلف الامام ثابت نہیں ہے۔

حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بھی اِسی مضمون کی روایت سنی مگر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جب امام کسی قوم کی امامت کرے تو اُس امام کی قراءت قوم کے لئے کافی ہوجاتی ہے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ نبوی میں مقتدی مستثنیٰ ہے۔ قراءت کرنا صرف امام ومنفرد پر لازم ہے۔ اب دونوں صحابہ رضی اللہ عنہ کی رائے و قیاس میں تعارض واقع ہوا، ترجیح کے لئے غور کیا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے قیاس کے لئے سابقہ **من کان لهٗ امامٌ الخ** والی دلیل مل گئی۔ پس اس دلیل کی وجہ سے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی رائے راجح ہوگی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے مرجوح ہوگی۔

فریقِ ثانی کے دلائل ① آیت کریمہ **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون**، اس آیت میں واضح طور پر حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خوب توجہ کے ساتھ سنو اور خاموشی اختیار کرو اسلئے امام کے پیچھے قراءت جائز نہیں۔ ② حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم مجھے خلجان میں ڈالتے ہو؟ معلوم ہوا کہ قراءت خلف الامام جائز نہیں۔ ③ آپ ﷺ نے فرمایا **من کان له امامٌ فقراءة الامام قراءة له**، اس حدیث میں واضح طور پر آپ ﷺ نے امام کی قراءت کو مقتدیوں کے لئے کافی قرار دیا۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱)

③ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وضاحت:۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ما أری الامام.....الخ'' حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے، گویا یہ حدیثِ مرفوع نہیں ہے بلکہ حدیثِ موقوف ہے۔ دار قطنی نے کہا کہ اس حدیث کو مرفوع نقل کرنے میں زید بن حباب سے وہم ہوا ہے کہ اس نے اس جملے کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کردیا ہے، اسی طرح بیہقی نے بھی اس کو موقوف قرار دیا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے کا مدار زید بن حباب پر ہے جو صحیح مسلم وسننِ اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور متعدد محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، مزید یہ کہ ابو صالح عبداللہ بن صالح المصری کاتب اللیث نے ان کی متابعت کی ہے جو کہ تعلیقات میں بخاری کے راوی ہیں۔ نیز اس جملہ کے غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع کے حکم میں ہے کہ "**فی کل صلوٰة قراءة**" کے بالکل خلاف ارشاد آپ ﷺ سے سنے بغیر کوئی صحابی از خود نہیں کہہ سکتا۔ (شرح نسائی)

﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....**حدثنا هشام بن عمار ثنا سفيان عن الحسن بن عمارة عن فراس عن الشعبی عن الحارث عن علی قال: قال رسول الله ﷺ: أبوبكر وعمر سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين الاالنبيين والمرسلين لاتخبرهما ياعلی ماداما حيين.** (ص ۱۰۔ قدیمی) **انکر ترجمة للامام الشعبی۔ عرّف من هو الحارث؟ وماهی درجة رواياته؟ انکر معنی قوله "سيداكهول أهل الجنة"۔** (تکمیل الحاجہ ص ۲۶۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) امام شعبی کا تعارف (۲) حارث کا تعارف اور روایات کا درجہ (۳) **سيدا كهول اهل الجنة** کا معنی۔

جواب..... ① امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف:۔ امام شعبی سے مراد حضرت عامر بن شراحیل الشعبی الحمیدی الکوفی ہیں آپ انتہائی بردبار، حوصلہ منداور پائے کے عالم تھے اور آپ نے اڑتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث کا سماع کیا۔

ایک مرتبہ آپ مغازی کا درسِ حدیث دے رہے تھے کہ اسی دوران حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا گزر ہوا تو فرمایا **لقد شهدت**

0313 635 9913 maktabazakariyamultan@gmail.com

القوم فلهواحفظ لها واعلم بها (میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص (شعبی) مغازی کا بہت بڑا حافظ اور اسکا علم رکھنے والا ہے)

② حارث کا تعارف اور روایات کا درجہ:۔ ابوزہیر حارث بن عبداللہ ہمدانی، خارفی، الاعور الکوفی (متوفی ۶۵ھ) کی ابن معین، نسائی، احمد ابن صالح، ابن ابی داؤد وغیرہ نے توثیق کی ہے اور ثوری، ابن المدینی، ابوزرعہ، رازی، ابن عدی، دارقطنی، ابن سعد، ابوحاتم، شعبی، ابراہیم نخعی وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں **كان غاليًا في التشيُّع واهيًا في الحديث**۔ ذہبی کہتے ہیں **والجمهور على توهينه مع روايتهم لحديثه في الابواب**۔ سنن اربعہ میں ان کی روایات ہیں البتہ نسائی میں ان کی صرف دو حدیثیں ہیں۔

③ **سيدا كهول اهل الجنة** کا معنی:۔ **كهول** لفظِ کہل کی جمع ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عمر تیس سال سے متجاوز ہو۔ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اُدھیڑ عمر جنتی لوگوں کے سردار ہونگے۔

سوال ہوتا ہے کہ جنت میں تو صرف نوجوان ہونگے پھر یہ کیسے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اُدھیڑ عمر جنتی لوگوں کے سردار ہونگے؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جنت میں واقعتاً اُدھیڑ عمر نہ ہونگے یہاں مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کے سردار ہونگے جن کا دنیا میں کہل (اُدھیڑ عمر) ہونے کی حالت میں انتقال ہوا ہوگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کہل سے مراد حلیم و عاقل ہے یعنی جنت میں داخل ہونے والے حلیم و عاقل لوگوں کے سردار حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہوں گے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۲۶۳)

الشق الثانی..... **حدثنا محمد بن موسى الواسطي، ثنا المعلى بن عبدالرحمن ثنا ابن أبي ذئب، عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله: الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة وأبوهما خير منهما۔** (ص ۱۲۔ قدیمی)

اشرح الحديث واذكر المعاني المختلفة التي ذكرها العلماء في شرح هذاالحديث۔ من هو المعلى بن عبدالرحمن؟ وهل هذاالحديث صحيح أم موضوع، اذكر بتفصيل وبسط۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) معلیٰ بن عبدالرحمٰن کا تعارف (۳) حدیث الباب کی صحت وعدمِ صحت کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کی تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما اہلِ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہونگے اور ان کے والدان سے بہتر ہونگے۔

اس حدیث میں ''شباب'' کی اضافت **اهل جنة** کی طرف اضافتِ بیانیہ ہے اسلئے کہ تمام اہلِ جنت شاب (نوجوان) ہونگے، البتہ اس صورت میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کو اس سے خاص کر دیا جائیگا کہ انکے علاوہ بقیہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہونگے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کا شباب (نوجوان) ہونے کی حالت میں انتقال ہوا اور وہ جنت میں داخل ہوگا اس کے سردار حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہونگے، اس تشریح سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ خود تو شیخ ہونے کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو پھر وہ شباب کے سردار کس طرح ہونگے اسلئے کہ شباب کا سردار ہونے کیلئے خود شاب ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے والد گرامی خلیفۃ المسلمین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ان دونوں سے افضل و بہتر ہیں۔ (تکمیل الحاجہ ص ۳۰۴)

② معلیٰ بن عبدالرحمٰن کا تعارف:۔ یہ معلیٰ بن عبدالرحمٰن واسطی کے نام سے مشہور ہے، دارِقطنی نے اس کی تکذیب کی ہے۔ بعض ناقدینِ حدیث نے اس کو روافض میں سے شمار کیا ہے اور بعض نے واضعِ حدیث کہا ہے۔ جب یحییٰ بن معین سے معلیٰ بن عبدالرحمٰن کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب معلیٰ بن عبدالرحمٰن کی موت کے وقت استغفار و مغفرت کے متعلق گفتگو ہوئی تو اس نے کہا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی امید نہ رکھوں حالانکہ میں نے حضرت علیؓ کی فضیلت میں ساٹھ یا ستر احادیث گھڑی ہیں۔

③ حدیث الباب کی صحت وعدمِ صحت کی وضاحت:۔ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے امام ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کو حضرت حذیفہ سے معلیٰ کے واسطہ کے بغیر نقل کیا ہے اور اس میں **ابوهما خير منهما** کا اضافہ بھی نہیں ہے۔

پس یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ مترجم ج ۱ ص ۷۳)

0313-6357911 maktabahazkariyan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾(الشمائل) ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....عن عیاد بن لقیط قال: أخبرنی أبورمثة قال: أتیت رسول اللہ ﷺ مع ابن لی فقال ابنک ھذا؟ فقلت نعم اشھد به قال لایجنی علیك ولاتجنی علیه، قال ورأیت الشیب أحمرقال أبوعیسی ھذا أحسن شیئ روی فی ھذا الباب وأفسره لأن الروایات الصحیحة أن النبی ﷺ لم یبلغ الشیب. (ص۴۔قدیمی)

ماھوحکم الخضاب عندالعلماء؟ھل خضب رسول اللہ ﷺ؟اذکروجه التوفیق بین الروایات المختلفة اشرح الحدیث واذکر معنی قول أبی رمثة "نعم اشھد به" واشرح قوله ﷺ "لایجنی علیك ولاتجنی علیه".

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) خضاب کا حکم (۲) رسول اللہ ﷺ کے خضاب لگانے کی وضاحت (۳) حدیث کی تشریح (۴) ابورمثہ اور آپ ﷺ کے قول کی تشریح۔ (خصائل نبوی ص۳۲)

جواب.....① خضاب کا حکم:۔ داڑھی وسر کے بالوں کو مہندی وسرخ رنگ کا خضاب لگانا بالاتفاق مستحب ہے، سیاہ خضاب میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ضرورتِ شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانا جائز ہے، مثلاً جہاد میں دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے بوڑھا مجاہد خضاب لگائے یا بوڑھا شوہر جوان بیوی کے اطمینان کیلئے سیاہ خضاب لگائے تو بلاکراہت جائز ہے، البتہ عام حالات میں ضرورتِ شرعیہ کے بغیر سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ حنفیہ میں سے بعض علماء نے مطلقاً خضاب لگانے کو جائز کہا ہے، چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ شافعیہ کے ہاں دو قول ہیں ① تحریم کا ② کراہت تنزیہی کا۔ امام نوویؒ نے تحریم والے قول کو اصح کہا ہے۔ حنابلہ کے بھی شافعیہ والے دو قول ہیں مگر ان کی مشہور روایت کراہت والی ہے۔ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ میں نے سیاہ خضاب سے نہی کے متعلق نہیں سنا۔

الحاصل جہاد وغیرہ ضرورتِ شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانا بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور دھوکہ دینے کیلئے بالاتفاق ممنوع ہے اور عام زینت کے لئے عندالجمہور مکروہ اور عندالبعض جائز ہے۔ (کشف الباری کتاب اللباس:۲۵۷)

② رسول اللہ ﷺ کے خضاب لگانے کی وضاحت:۔ آپ ﷺ نے خضاب لگایا یا نہیں لگایا، اس بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور بعض روایات سے عدمِ ثبوت ملتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب نہیں لگایا اور امام ترمذی کا میلان اور رجحان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ درِمختار میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ کا خضاب نہ لگانا زیادہ صحیح ہے، علامہ شامی اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ بخاری کی روایت کے موافق آپ ﷺ کے صرف سترہ بال سفید تھے اس لئے خضاب کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں تھی۔

شارحِ شمائل بیجوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی خضاب لگایا اور اکثر نہیں لگایا۔ (خصائل نبوی)

③ حدیث کی تشریح:۔ حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک بیٹے کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تیرا بیٹا یہ ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جی ہاں، یہ میرا بیٹا ہے آپ ﷺ اس پر گواہ ہوجائیں، زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ بیٹا باپ کے جرم میں اور باپ بیٹے کے جرم میں پکڑا جاتا تھا اسی دستور کی بناء پر حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ کہا کہ اگر کبھی اس امر کی ضرورت پیش آئے تو آپ ﷺ اس کے گواہ بن جائیں کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس دستور اور رسم کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تیرے جرم وجنایت کی وجہ سے تیرے بیٹے کی گرفت نہ ہوگی اور تیرے بیٹے کی وجہ سے تیری گرفت نہ ہوگی۔ اسلام میں یہ قاعدہ نہیں ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی یعنی ایک کے بدلہ میں دوسرے کی گرفت نہ ہوگی **لاتزروازرة وزراخری** کہ روزِ محشر کوئی ایک بھی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ابورمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعض بالوں کو سرخ دیکھا تھا۔

④ ابورمثہ اور آپ ﷺ کے قول کی تشریح:۔ دونوں اقوال کی تشریح ابھی حدیث کی تشریح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

الشق الثانی.....عن أبی ذر قال: قال رسول اللہ ﷺ: انی لأعلم أول رجل یدخل الجنة وآخر رجل یخرج من النار یؤتی بالرجل یوم القیامة، فیقال اعرضوا علیه صغار ذنوبه وتخبأ عنه کبارھا فیقال له عملت

یوم کذاکذاکذا، وھو مقر لاینکر، وھو مشفق من کبارھا فیقال: أعطوہ مکان کل سیئة عملھا حسنة، فیقول ان لی ذنوبا ماأراھا ھھنا، قال أبوذر فلقد رأیت رسول اللہ ﷺ ضحك حتی بدت نواجذہ۔ (ص۱۵۔قدیمی)

ترجم الحدیث واشرح قولہ "انی لأعلم أول رجل یدخل الجنة وآخر رجل یخرج من النار" ھل ھما واحدأم اثنان؟وقولہ "یؤتی بالرجل....." ھل ھذا بیان لما سبق أم استیناف، اذکر بایضاح؟ان أول من یدخل الجنة ھوسیدنامحمد ﷺ، فکیف قال ھنا "انی لأعلم أول رجل یدخل الجنة..... الخ"؟(خصائل نبوی ص۱۲۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ دوامر ہیں(۱) حدیث کا ترجمہ(۲) رسول اللہ ﷺ کے قول کی تشریح اور مصداق۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کو جانتا ہوں اور سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جانے والے شخص کو بھی جانتا ہوں، ایک شخص کو قیامت کے دن (بارگاہِ الٰہی میں) لایا جائے گا، پس کہا جائے گا کہ اسکے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں اور چھپائے جائیں گے اس سے اسکے بڑے گناہ اور اسے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن میں فلاں فلاں عمل (گناہ) کیا تھا وہ اقرار کرے گا، انکار نہیں کرسکے گا، اور وہ خوف کرے گا اپنے گناہوں سے، پس کہا جائے گا کہ اس کی ہر برائی کے بدلہ میں اس کو نیکی دی جائے پس وہ کہے گا کہ بے شک میرے اور بھی بہت سے گناہ تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہنستے ہوئے دیکھا حتی کہ آپ ﷺ کے سامنے والے دانت ظاہر ہوگئے۔

② رسول اللہ ﷺ کے قول کی تشریح اور مصداق:۔ ملاعلی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں پر درست لفظ آخر رجل ہے، اول رجل کا لفظ یہاں پر وہم ہے اور اس کی تصریح مسلم وغیرہ کی روایت میں موجود ہے عن ابی ذر..... انی لاعلم آخر اھل الجنة دخولا الجنة وآخر اھل النار خروجامنھا الحدیث، اس صورت میں دونوں شخصوں کا مصداق ایک ہی شخص ہوگا اور اس روایت کے مطابق جو ترمذی میں ہے دونوں شخصوں کا مصداق علیحدہ علیحدہ شخص ہیں اول رجل یدخل الجنة کا مصداق علی الاطلاق رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں پر گنہگار مؤمنین میں سے اول رجل یدخل الجنة مراد لیا جائے، اس صورت میں اس کے مصداق کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے اور اس صورت میں یؤتی بالرجل جملہ استینافیہ ہوگا اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس مطلب کو منادی نے یقین کے ساتھ اور ملاعلی قاری نے احتمال اور امکان کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مسلم کی روایت کے مطابق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ استینافیہ ہو اور ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ماقبل کی عبارت الرجل الذی ھوآخرھم خروجا من النار ودخولا الجنة کا بیان ہو۔(حاشیہ)

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾(سنن النسائی) ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل .....حدثنی مالك عن عمرو بن یحیی المازنی عن أبیه أنه قال لعبد اللہ بن زید بن عاصم، وکان من أصحاب النبی ﷺ وھو جد عمرو بن یحیی ھل تستطیع أن ترینی کیف کان رسول اللہ ﷺ یتوضأ، قال عبداللہ بن زید: نعم، فدعا بوضوء، فأفرغ علی یدیه، فغسل یدیه مرتین مرتین، ثم تمضمض واستنشق ثلاثًا.....۔(ص۳۸۔ج۱۔رحمانیہ) من الذی سأل کیفیة الوضوء عن عبداللہ بن زید اذکر فی ضوء الروایات۔ اذکر مراجع الضمائر فی قوله انه قال وفی قوله وکان من اصحاب النبی ﷺ وفی قوله وھوجد عمرو بن یحیٰی ۔ اذکر جمیع ذلك بتحقیق و تفصیل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ دوامور ہیں(۱) سائل کی تعیین روایات کی روشنی میں (۲) ضمائر کے مرجع کی تعیین۔

جواب ..... ① سائل کی تعیین روایات کی روشنی میں:۔ امام مالک رحمہ اللہ کی اس روایت سے (جس کو امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنے

استاد محمد بن مسلمہ اور حارث بن مسکین سے بواسطہ ابن قاسم روایت کیا ہے) معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کرنیوالے یحییٰ بن عمارہ ہیں اور اس میں عتبہ بن عبداللہ نے بھی ابن قاسم کی موافقت کی ہے۔ نیز ابو داؤد میں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے عبداللہ بن مسلمہ نے طحاوی میں امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے ابن وہب نے بھی ابن قاسم کی موافقت کی ہے کہ سائل یحییٰ بن عمارہ ہیں۔ مؤطا کے اکثر راویوں نے سائل کو مبہم طور پر یعنی **ان رجلاً قال لعبداللہ بن زید** ذکر کیا ہے اور جہاں تعیین کی گئی ہے وہاں یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں سوال کی نسبت یحییٰ بن عمارہ کی طرف کی گئی ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کی روایت میں سائل ابوحسن کو قرار دیا گیا ہے اسی طرح معن بن عیسیٰ کی روایت میں بھی سائل انہی کو بتلایا گیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وہیب کی روایت میں یہ سوال عمرو بن ابی حسن کی طرف منسوب ہے اسی طرح دارقطنی کی روایت میں بھی جو بواسطہ محمد بن فلیح بن سلیمان مروی ہے سائل عمرو بن ابی حسن کو قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اختلاف کے جمع کی صورت یہ بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کی مجلس میں تین آدمی تھے ایک ابوحسن انصاری دوسرے انکے بیٹے عمرو بن ابی حسن تیسرے انکے پوتے یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن۔ ان حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن زید سے سوال کیا لیکن درحقیقت سوال ان میں سے عمرو بن ابی حسن نے کیا اب جہاں سوال کی نسبت عمرو بن ابی حسن کی طرف ہے تو وہ بطور حقیقت کے کی گئی ہے اور جہاں ان کے والد ابوحسن کی طرف سوال کی نسبت ہوئی ہے وہاں بطور مجاز کے ہے کیونکہ وہ بڑے تھے اور وہاں موجود تھے اور چونکہ یحییٰ بن عمارہ اس حدیث کے راوی ہیں اور سوال کے وقت موجود تھے اس لئے سوال کی نسبت بطور مجاز کے انکی طرف بھی کردی گئی ہے۔ تطبیق کی یہ صورت بہت ہی اچھی ہے اس سے اختلاف دفع ہوجاتا ہے اور اتفاق حاصل ہوجاتا ہے۔ (شرح نسائی ج ۱ ص ۱۷۵)

② ضمائر کے مرجع کی تعیین:۔ ضمائر کے مرجع کو سمجھنے سے قبل نسب سمجھ لیں عمرو بن یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن انصاری، عمارہ، عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں اور عمارہ کے دوسرے بھائی عمرو بن ابی حسن ہیں اب سوال میں موجود پہلی ضمیر (**انہ قال**) کا مرجع بظاہر یحییٰ بن عمارہ ہیں لیکن یہ مجاز ہے اور حقیقت میں اس کا مرجع یحییٰ کے چچا عمرو بن ابی حسن ہیں۔ کمامرّ آنفا۔

دوسری ضمیر (**کان من اصحاب النبی** صلی اللہ علیہ وسلم) کا مرجع وہی عمرو بن ابی حسن ہیں جو یحییٰ بن عمارہ کے چچا ہیں۔

تیسری ضمیر (**ھو جد عمرو بن یحییٰ**) کا مرجع بھی عمرو بن ابی حسن ہیں۔ مگر اس صورت میں اشکال ہے کہ عمرو بن یحییٰ کے دادا کا نام عمارہ بن ابی حسن ہے جبکہ یہاں عمرو بن ابی حسن کو ان کا دادا کہا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ عمرو بن ابی حسن ان کے دادا عمارہ بن ابی حسن کے بھائی ہیں تو مجازاً دادا کے بھائی کو دادا سے تعبیر کردیا گیا ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**عن ھشام بن عروۃ قال: أخبرنی أبی عن بسرۃ بنت صفوان أن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **قال: من مس ذکرہ فلا یصلی حتی یتوضاء قال أبوعبدالرحمن: ھشام بن عروۃ لم یسمع من أبیہ ھذا الحدیث۔**

اذکر اختلاف العلماء وادلتھم علی انتقاض الوضوء بمس الذکر۔ اذکر وجوہ ترجیح الحنفیۃ۔ اشرح قول أبی عبدالرحمن ووضح مرادہ۔ واذکر کیف أنکر النسائی سماع ھشام من أبیہ وھو أشر من أن ینکر؟ وان کان انکارہ مقیداً بھذا الحدیث فقط فکیف قال: "أخبرنی أبی" وھو یدل علی السماع؟ (ص ۸۶۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) مسِ ذکر سے وضو ٹوٹنے میں اختلاف مع الدلائل (۲) حنفیہ کی وجوہِ ترجیح (۳) ابوعبدالرحمٰن کے قول **ھشام لم یسمع من ابیہ** کی تشریح (۴) امام نسائی رحمہ اللہ کے انکار اور **اخبرنی ابی** میں مطابقت۔

جواب..... ① مسِ ذکر سے وضو ٹوٹنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، امام اوزاعی، سعید بن مسیّب، امام زہری اور عطاء بن رباح رحمہم اللہ کے نزدیک مسِ ذکر کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر باطنِ کف سے بلا حائل چھوئے اور لذت بھی حاصل ہو تو پھر ناقضِ وضو ہے وگرنہ نہیں۔

0313 6357913 makkabazakariyamultan@gmail.com

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، حسن بصری، حسن بن حی، ربیعۃ الرے، امام نخعی، سعید بن جبیر رحمہم اللہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسِ ذکر ناقضِ وضو نہیں ہے۔ قائلینِ نقضِ وضو کی دلیل ① حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت ہے جو ابھی ترجمہ میں گزری ہے۔ ② امام قتادہ کے طریق سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بھی نقضِ وضو کا ہے۔ ③ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بھی نقضِ وضوء کا ہے۔

قائلین عدمِ وجوبِ وضو کی دلیل ① حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسِ ذکر ناقضِ وضو نہیں ہے۔ ② اجلۂ تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیّب اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ ③ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کا فتویٰ بھی عدمِ وجوبِ وضو کا ہے۔ ④ قیاس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اسلئے کہ بول و براز جو کہ نجس العین ہیں انکا مس کسی کے نزدیک بھی ناقض نہیں ہے لہٰذا اعضاءِ مخصوصہ جن کا طاہر ہونا متفق علیہ ہے ان کا مس بطریقِ اولیٰ ناقضِ وضو نہیں ہونا چاہیے۔

حنفیہ کی طرف سے پہلی دلیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ کے مقابلہ میں حضرت بسرہ کم درجہ کی راویہ ہیں اس وجہ سے ان کی حدیث ساقط الاعتبار ہے اور حضرت بسرہ کی روایت کو دو وجہوں سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکی صحبت بہت کم رہی ہے۔ ② پورے ذخیرۂ احادیث میں حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی صرف یہی ایک روایت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ بسرہ رضی اللہ عنہا جیسوں کی حدیث سے تم لوگ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے کیونکہ اگر خون اور حیض میں انگلی ڈال دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو ایک پاک عضو پکڑنے سے وضو کیسے ٹوٹے گا۔ اللہ کی قسم اگر مجھے بسرہ رضی اللہ عنہا آ کر اس جوتے کے بارے میں شہادت دیدے تو بھی میں ان کی شہادت کو قبول نہیں کرونگا کیونکہ دین اسلام کا اہم رکن نماز ہے اور نماز کا مدار طہارت پر ہے تو کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس دین کو قائم کرنے والا بسرہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ مسِ ذکر کی وجہ سے اگر مذی خارج ہوجاتی ہے تو وضو واجب ہوگا ورنہ نہیں، لہٰذا حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا نے قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہیں سمجھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ کا سر نہ اٹھانا اس وجہ سے تھا کہ مروان ان کے نزدیک مقبول راوی نہ تھا۔ نیز وہ شرطی جس کو بھیجا گیا تھا وہ مروان کے مقابلہ میں بھی زیادہ کمزور تھا اس کا نام ونسب کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ نیز یہ استحباب پر محمول ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کا جواب یہ ہے کہ انکا اپنا عمل اس فتویٰ کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کا جواب یہ ہے کہ اسکے مقابلہ میں اجلۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتویٰ ماقبل میں گزر چکا ہے اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کی مخالفت کی ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۲۲۲، درسِ ترمذی ۱:۳۰۱، المسائل والدلائل:۱۶۲)

② حنفیہ کی وجوہِ ترجیح:۔ نظر وفکر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ فریق اوّل بھی یہ کہتے ہیں کہ باطن کف سے پکڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ظاہر کف اور کلائی سے پکڑنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ظاہر کف اور باطن کف دونوں کا حکم برابر ہو اور جب ظاہر کف سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو باطن کف سے بھی وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے۔

نیز ران ستر اور عیب کی چیز ہے اس کا چھپانا بھی ضروری ہے تو اگر یہ عیب کی چیز ذکر کو لگ جائے تو بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹتا تو ہتھیلی جو عیب کی چیز نہیں ہے اسکے لگنے سے وضو بطریقِ اولیٰ نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ (ایضاح الطحاوی ص ۲۳۶) لہٰذا عقلی، نقلی دلائل کی روشنی میں حنفی مذہب راجح ہوا۔

③ ابوعبدالرحمٰن کے قول **هشام لم يسمع من ابيه** کی تشریح:۔ ہشام بن عروہ کا سماع اپنے والد سے معروف ومتفق علیہ ہے۔ ابوعبدالرحمٰن امام نسائی رحمہ اللہ کے قول **هشام لم يسمع من ابيه** کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں ہشام کا سماع اپنے والد سے ثابت نہیں ہے۔ امام طحاوی وشعبہ رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے **اخبرني** اور طبرانی وحاکم کی روایت **حدثني** سے استدلال کرتے ہوئے یقینی سماع کا قول اختیار کیا ہے۔

④ امام نسائی رحمہ اللہ کے انکار اور **اخبرني ابي** میں مطابقت:۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ہشام کا سماع اپنے والد سے ثابت نہیں ہے۔ یہ حدیث منقطع ہے اور **اخبرني** و **حدثني** کا لفظ وہم راوی ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہ ہوا۔ (حل)

﴿السوال الثانی﴾(سنن ابن ماجه) ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....حدثنا علی بن محمد ومحمد بن اسماعیل قالا: ثناعبدالرحمن بن محمد المحاربی ثنا عمار بن سیف عن أبی معاذ البصری ح وحدثنا علی بن محمد ثنا اسحاق بن منصور عن عمار بن یوسف عن أبی معاذ عن ابن سیرین عن أبی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ :تعوذوا بالله من جب الحزن، قالوا: یارسول الله! وماجب الحزن قال: واد فی جهنم، یتعوذمنه جهنم کل یوم أربعمائة مرة، قالوا: یا رسول الله ! ومن یدخله؟ قال: أعد للقراء المرائین بأعمالهم، وان من أبغض القراء الی الله الذین یزورون الأمراء۔

عن عبدالله بن مسعود قال لو ان اهل العلم صانوا العلم ووضعوه عند اهله لسادوا به اهل زمانهم ولٰکن بذلوه لاهل الدنیا لینالوا به من دنیاهم فهانوا علیهم سمعت نبیکم ﷺ یقول من جعل الهموم هما واحدا هم آخرته کفاه الله هم دنیاه و من تشبعت به الهموم فی احوال الدنیا لم یبال الله فی ایّ اودیتها هلك ۔(ص۲۳۔قدیمی)

ترجم الحدیثین المبارکین ترجمة واضحة ۔ تکلم علی الحدیث الاوّل ابن الجوزی رحمه الله، فعلی من تکلم؟ وهل کلامه علی هذاالحدیث مقبول أم لا، اذکربایضاح وبیان۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) متکلم علیہ راوی کی تعیین (۳) ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کے مقبول یا مردود ہونے کی وضاحت۔

جواب ..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب الحزن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے خود جہنم بھی اس سے ایک دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس میں کون شخص داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وادی اپنے اعمال کے ذریعہ ریاء کاری کرنے والے قراء کے لئے تیاری کی گئی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک قراء میں سے سب سے زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو امراء کی زیارت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اگر اہلِ علم اپنے علم کی حفاظت کرتے اور اس کو اسکے اہل پر پیش کرتے تو اسکے ساتھ زمانہ والوں کے سردار بن جاتے لیکن انہوں نے اس کو اہلِ دنیا کیلئے خرچ کیا تا کہ اسکے سبب اس کی دنیا حاصل کریں تو وہ دنیاداروں کی نظر میں ذلیل ہوئے، میں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے مقاصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی مقصد کو پورا کر دیتا ہے اور جس شخص کے مقاصد پراگندہ ہوں، دنیا کے حالات کی طرح تو اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا کہ وہ دنیا کے کس جنگل میں ہلاک ہو۔

② متکلم علیہ راوی کی تعیین:۔ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اس لئے کہ حدیث کی سند میں عمار بن سیف راوی متروک الحدیث ہے۔ اسی طرح اس کے شیخ ابو معاذ کا صحیح تلفظ ابو معان ہے اور یہ مجہول راوی ہے۔

③ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کے مقبول یا مردود ہونے کی وضاحت:۔ جمہور کہتے ہیں کہ عمار مختلف فیہ راوی ہے جیسے بعض محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے اسی طرح اکثر محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ جہاں تک ابو معان کی جہالت کا تعلق ہے تو اس کے دو شاہد موجود ہیں ① حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما طبرانی میں ② حدیثِ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، ابن عدی میں۔ پس ان وجوہات کے پیشِ نظر یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں ہے۔ (حل)

الشق الثانی.....وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَضَّرَاللّٰهُ اِمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ، زَادَ فِيْهِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَلَاثٌ لَايُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ اِمْرَأٍ مُسْلِمٍ: اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنُّصْحُ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ ۔(ص۲۱۔قدیمی)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

شكل الحديث وترجمه ـ اشرح قوله: "فرب حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه الى من هو أفقه منه" وقوله: "ثلاث لايغل عليهن....." وانكر مناسبة قوله: "نضرالله الخ" بقوله: "ثلاث لايغل عليهن" بحيث يتضح المراد

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) **فرب حامل فقه غير فقيه، رب حامل فقه الى من هوا فقه منه، ثلاث لايغل عليهن** کی تشریح (۴) حدیث کے دونوں حصوں کی باہمی مناسبت۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تروتازہ رکھے اللہ اس شخص کو جس نے میری بات کو سنا اور دوسروں تک پہنچایا پس بسا اوقات بہت سے فقہ کو اٹھانے والے خود فقیہ نہیں ہوتے جتنا کہ وہ شخص ہوتا ہے جسکے پاس فقہ پہنچایا جارہا ہے اور علی بن محمد نے اس پر یہ زیادتی کی کہ تین باتوں میں کسی مسلمان کے دل کو خیانت نہیں کرنی چاہیے ① اخلاص نیت کے ساتھ اللہ کے واسطے عمل کرنا ② مسلمانوں کے حکّام کے ساتھ خیر خواہی کرنا ③ اور مسلمان کی جماعت کو لازم پکڑ لینا۔

③ **فرب حامل فقه غير فقيه، رب حامل فقه الى من هو افقه منه، ثلاث لايغل عليهن** کی تشریح:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی حدیث کو سنے اور اسے بلفظ یاد کرے مگر اس کے اندر اس حدیث کے رموز واسرار اور اس سے مستنبط ہونے والے احکام ومسائل کے استخراج واستنباط کی صلاحیت ولیاقت نہ ہو، حدیث پاک کی تہہ تک پہنچنا اور اس سے احکام ومسائل کے لعل وجواہر نکالنا، اس کے نکات اور باریکیاں سمجھنا اور حدیث کی پوری موشگافیوں کی گرہ کشی کرنا اس کے بس میں نہ ہو لیکن جب یہ شخص اس حدیث کو کسی ایسے آدمی کے پاس پہنچائے گا جو علم وفہم رکھنے کی وجہ سے حدیث پاک کی جملہ نوک وپلک سے واقف ہے اور اس سے احکام ومسائل نکالنے پر قادر ہے کہ وہ حدیث پاک کے معنی ومفہوم اور مراد کو پالے گا تو اس شخص کو بھی تبلیغ حدیث کا ثواب ملے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اس کو بھی شامل ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نے کوئی حدیث سنی اور اس کے الفاظ کو اس نے اپنے ذہن ودماغ میں پوری طرح محفوظ رکھا اور اسکے معانی ومفاہیم کو بھی سمجھا پھر اس نے اس حدیث کو ایسے شخص کے پاس پہنچایا جو اس سے زیادہ علم وفہم کا مالک ہے تو چونکہ اس حدیث کی منفعت بڑھ گئی ہے اس لئے اب اس شخص کو حدیث پہنچانے اور پھیلانے دونوں کا ثواب ملے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مبارکہ کے فیض میں بھی شامل ہوگا۔ (تکمیل الحاجہ ص ۴۵۲)

لَايَغَلُّ وَلَا يَغُلُّ کی صورت میں اس کا معنی خیانت ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص مؤمن ومسلمان ہے اس کا دل ان تین باتوں میں خیانت نہیں کرسکتا یعنی وہ ان تین باتوں کو اپنے دل کی صفائی وستھرائی کے لئے ضرور اپنے اندر پیدا کرے گا اور ان کو اختیار کرنا اپنے لئے لازم تصور کرے گا۔ **لَايَغِلُّ** کی صورت میں اس کا معنی حسد وکینہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص مؤمن ومسلمان ہے جب وہ ان باتوں کو اپنے اندر پیدا کرے گا تو اس کے قلب وجگر بغض وحسد اور کینہ سے بالکل پاک ہوجاتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ بنیادی واصل تقاضوں سے بالکل تجاوز نہیں کرتا بلکہ مطلوب ومقصود پر ہی گامزن رہتا ہے۔ (ایضاً)

④ حدیث کے دونوں حصوں کی باہمی مناسبت:۔ دونوں جملوں کے درمیان مناسبت کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سنت اور علم دین کی ترویج پر اُبھارا کہ کچھ خصلتیں ایسی ہیں جن سے متصف ہونا ہر مؤمن ومبلغ دین کیلئے ضروری ہے تو سوال ہوا کہ وہ خصلتیں کیا ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین خصلتوں کو واضح کردیا۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ١٤٣٥ھ

الشق الاوّل..... **حدثنا ابن أبى عمر ثنا سفيان بن عينية عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد أن رسول الله ﷺ كان عليه يوم أحد درعان قدظاهر بينهما۔** (ص ۸۔ قدیمی)

انكر ترجمة للسائب بن يزيد وانكر هل هذا الحديث مرسل أم مسند؟ مامعنى "ظاهر بينهما" انكر تحقيقه لغويّا۔ كيف لبس درعين، أليس ذلك ينافي كمال التوكل على الله؟ مع أنه ﷺ أكمل الخلق توكلّا عليه۔

0213 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) سائب بن یزید کا تعارف (۲) حدیث کے مرسل یا مسند ہونے کی وضاحت (۳) **ظاهر بينهما** کا لغوی معنی (۴) کمالِ توکل کے باوجود آپ ﷺ کے دو زرہیں پہننے کی وجہ۔

جواب ..... ① سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ ان کا پورا نام سائب بن یزید بن سعید بن ثمامہ کندی ہے، ابنِ اُخت النمر سے معروف ہیں، چھوٹے درجے کے صحابی ہیں اور آپ سے انتہائی کم احادیث مروی ہیں۔ آپ سات سال کی عمر میں حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو سوقِ مدینہ کا والی بنایا تھا، آپ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی اور مدینہ کے اندر وفات پانے والوں میں سے آپ آخری صحابی ہیں۔ (تقریب التہذیب)

② حدیث کے مرسل یا مسند ہونے کی وضاحت:۔ یہ حدیث مرسلِ صحابی ہے اسلئے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد کے موقع پر لڑائی میں شریک نہ تھے بلکہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر سات سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے تھے۔ (حاشیہ)

③ **ظاهر بينهما** کا لغوی معنی:۔ **"ظاهر بينهما اى لبس احدٰها فوق الاخر** (ایک زرہ دوسری زرہ کے اوپر پہن رکھی تھی)

④ کمالِ توکل کے باوجود آپ ﷺ کے دو زرہیں پہننے کی وجہ:۔ آپ ﷺ کا جنگِ اُحد میں دو زرہیں پہننا توکل کے منافی نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود آیت کریمہ **يٰايها الذين آمنوا خذوا حذركم** میں دشمن کے مقابلہ کیلئے کمالِ احتیاط اور کمالِ حفاظت کا حکم دیا ہے اور پیغمبر ﷺ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنیوالا کون ہوسکتا ہے؟

نیز آپ ﷺ کے معمولات میں اس قسم کے امور امت کو تعلیم دینے کے لئے ہوتے تھے۔ (خصائلِ نبوی ص ۶۵)

الشق الثانی.....**عن أبى موسٰى عن النبى ﷺ قال: فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام**

ترجم الحديث و اشرحه۔اذكر مصداق "النساء" هل هو عام أم خاص ۔ من هى أفضل النساء عائشة أم خديجة أم فاطمة؟ اذكر وجه تشبيه فضل عائشة بفضل الثريد۔ (ص ۱۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) **النساء** کا مصداق عام یا خاص ہونے کی وضاحت (۴) حضرت عائشہ صدیقہ، خدیجۃ الکبریٰ، فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن میں سے افضل کی تعیین (۵) فضیلتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ثرید کے ساتھ وجہ تشبیہ۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے کہ جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے کہ اس میں متعدد فوائد مثلاً غذائیت، لذت، قوت وغیرہ جمع ہیں اسی طرح ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی متعدد فضائل مثلاً علم وفقہ، فصاحت وبلاغت، ذہانت وفطانت، شرافت وپاکدامنی، حسب ونسب وغیرہ کے جامع ہونے کی وجہ سے تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

③ و ④ **النساء** کا مصداق اور حضرت عائشہ صدیقہ، خدیجۃ الکبریٰ، فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن میں سے افضل کی تعیین:۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل حدیث کے بعد یہ کہا ہے کہ اس سے دو باتیں حاصل ہوتی ہیں ① یہ جہان میں من حیث المجموع (مجموعی طور پر) باقی مستورات سے افضل ہیں ② جہان کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں لیکن باہم ان کے درجات متفاوت ہیں۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل فاطمہ ہیں، پھر خدیجہ پھر عائشہ رضی اللہ عنہن۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (نقلاً عن بعض اساتذۃ) کہتے ہیں **فاطمة افضل فى الدنيا وعائشة افضل فى الاٰخرة**۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے مابین فضائل قریب قریب ہیں، گویا انہوں نے توقف کو ترجیح دی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ **افضل النساء مريم وفاطمة** اور **افضل امهات المؤمنين خديجة وعائشة**۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں توقف اولیٰ ہے کیونکہ اس میں کوئی دلیل قطعی (حرف آخر) نہیں۔

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دن سیدہ عائشہ صدیقہ اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے درمیان مکالمہ ہوا سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرا درجہ زیادہ ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرا.....سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آخری بات یہ فرمائی کہ جب سب لوگ جنت میں جائینگے تو زوجۂ علی رضی اللہ عنہا انکے ساتھ انکے محل میں جائیگی اور میں (ام المومنین، حبیبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکے محل میں جاؤں گی اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور یہی قرینِ قیاس ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دراصل فضل ومرتبہ کی بناء الگ الگ ہے جس سے باآسانی تطبیق حاصل ہوتی ہے۔

ان میں سے ہر ایک کو ایسی فضیلت حاصل ہے جس کا کوئی دوسرا سہیم نہیں، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تقدم فی الاسلام میں افضل ہیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علم، فضل وکمال کے اعتبار سے افضل ہیں (کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اکثر مسئلہ کی تحقیق انہی سے کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے) سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اصل ونسب اور شرافت کے اعتبار سے افضل ہیں۔ (انعاماتِ منعم ص ۳۲۳)

⑤ فضیلتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تردید کے ساتھ وجہِ تشبیہ:۔ کمامرّ فی التشریح آنفا۔

﴿الورقة الاولٰی: السنن والشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن النسائی) ١٤٣٦ھ

الشق الاوّل.....باب الذی یحتلم ولایری الماء۔ عن أبی أیوب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الماء من الماء (ص ۵۳۔ج ۱۔رحمانیہ)

اذکر غرض الامام النسائی من هذه الترجمة ، واذکر وجه مناسبة هذاالحدیث بهذا الباب ، هل أصاب یایراده تحت هذاالباب؟ اذکر معنی الحدیث۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۳) کیا اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کرنا درست ہے؟ (۴) حدیث کا ترجمہ۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس شخص کے حکم کو بیان کرنا ہے جو خواب دیکھتا ہے مگر بیداری کے بعد کپڑے پر کوئی منی وغیرہ کا اثر نہیں دیکھتا، تو حدیث لاکر بتلادیا کہ وجوبِ غسل کا دارومدار خروجِ منی پر ہے اگر منی کا خروج ہوگا تو غسل لازم ہے، محض خواب دیکھنے سے غسل لازم نہیں ہے۔

② حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تشریح کے مطابق مناسبت واضح ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حدیث الماء من الماء احتلام والے شخص کے متعلق ہے یعنی جو شخص خواب دیکھے مگر اسے انزال نہ ہو تو اس پر غسل لازم نہیں ہے، غسل اُسی صورت میں لازم ہے جب اسے خواب کے ساتھ انزال بھی ہو اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

③ کیا اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کرنا درست ہے:۔ جمہور کے نزدیک یہ حدیث جماع (مسئلہ اکسال) وبیداری کے متعلق ہے اسلئے اس حدیث کو اس ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کرنا درست نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس حدیث کا تعلق احتلام کے ساتھ ہے لہٰذا اس کو یہاں ذکر کرنا درست ہے۔

④ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غسل انزال (خروجِ منی) کی وجہ سے لازم ہے (اس حدیث میں "الماء" اوّل سے مراد غسل اور "الماء" ثانی سے مراد منی ہے)۔

الشق الثانی..... **عن انس قال اقبل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجهه حین قام الی الصلوٰة قبل ان یکبر فقال اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظهری ۔ وفی روایة راصوا صفوفکم وقاربوا بینهما وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیده انی لاری الشیاطین تدخل من خلل الصف کانها الحذف۔**

ترجم الحدیثین المبارکین ۔ حقق الکلمات التی تلی صرفا ولغة : تراصوا ،خلل، الحذف۔ اشرح

قوله عليه السلام فانى اراكم من وراء ظهرى حسب رأى شراح الحديث بكل بسط وتفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں(۱)احادیث کا ترجمہ(۲)**تراصوا ، راصوا، خلل، الحذف** کی تحقیق(۳)**فانى اراكم من وراء ظهرى** کی تشریح۔

جواب ..... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے جس وقت کہ آپ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تکبیر کہنے سے پہلے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور مِل مِل کر کھڑے ہوں، پس بے شک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ایک روایت میں فرمایا کہ صفوں میں گھس گھس کر کھڑے ہو اور صفوں میں فاصلہ نہ چھوڑو اور گردنیں برابر رکھو پس قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک مَیں البتہ دیکھتا ہوں شیاطین کو کہ وہ صفوں کے درمیان داخل ہو رہے ہیں گویا کہ وہ بکری کے سیاہ بچے ہیں۔

❷ **تراصوا ، راصوا، خلل، الحذف** کی تحقیق:۔ "تَرَاصُّوْ" صیغہ جمع مذکر امر حاضر معلوم از مصدر تَرَاصٌّ (تفاعل) بمعنی باہم ملنا و چمٹنا۔ "خَلَلٌ" یہ جمع ہے اسکا مفرد خَلَّةٌ ہے بمعنی سوراخ۔ "اَلْحَذْفُ" یہ اسم ہے بمعنی چھوٹی بھیڑ، بکری کا بچہ۔

❸ **فانى اراكم من وراء ظهرى** کی تشریح:۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بحالتِ نماز پیچھے کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا یا تو مشاہدہ کے ساتھ تھا اور یا مکاشفہ کے ساتھ تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام ظاہر پر محمول ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خرقِ عادت پیچھے کی طرف سے بھی مقتدیوں کے احوال کو دیکھتے اِسی کو علماءِ محققین نے قولِ حق اور راجح قرار دیا ہے۔ علامہ سندھیؒ نے اس کی حکمت یہ بیان کی کہ کمزور لوگ یا بعض منافقین جو اقامتِ صفوف کا اہتمام نہیں کرتے تھے وہ اقامتِ صفوف کے معاملہ میں بے اعتدالی کو چھوڑ دیں اور صفوں کی درستگی کے حکم کے ساتھ صفیں درست کر لیا کریں۔(شرح نسائی ۲:۲۳۰)

﴿السوال الثانى﴾(سنن ابن ماجه) ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل .....حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ حَمَّادٍ سَجَادَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْاُمَوِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنَمٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ: لَمَّا بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَا تَقْضِيَنَّ اَوْلَاتَفْصِلَنَّ اِلَّا بِمَا تَعْلَمُ وَاِنْ اَشْكَلَ عَلَيْكَ اَمْرٌ فَقِفْ حَتّٰى تُبَيِّنَهٗ اَوْ تَكْتُبَ اِلَيَّ فِيْهِ.(ص۶)

شكل الحديث مع سنده بالضبط الكامل ـ ترجم الحديث المبارك واشرحه شرحا واضحا ـ وانه بظاهره معارض الحديث معاذ المشهور الذى أذن صلى الله عليه وسلم له فيه بالاجتهاد ان لم يجد فى كتاب الله وسنة رسوله. فما هوالمخلص من هذا التعارض؟ هذا الحديث حكم عليه بعض العلماء بالوضع، فما هوسبب ذلك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں(۱) عبارت پر اعراب(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)حدیث کی تشریح (۴)اجتہاد کے متعلق رفعِ تعارض(۵)حدیث کے موضوع ہونے کا سبب۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ❶ عبارت پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا۔**

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن کے لئے روانہ کیا تو فرمایا کہ تم ہرگز فیصلہ مت کرنا مگر ان ہی چیزوں کے بارے میں جن کو تم جانتے ہو اور اگر تم پر کوئی معاملہ مشتبہ ہو جائے تو ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ تم اس کو واضح کر لو یا اس کے متعلق مجھے لکھو۔

❸ حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارشاد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت ایک وصیت فرما رہے ہیں کہ ہمیشہ انہی معاملات کا فیصلہ کرنا جن کے متعلق تمہیں اچھی طرح معلومات حاصل ہوں اور جن معاملات کے متعلق تمہیں مکمل معلومات نہ ہوں تو ان کے متعلق اپنی رائے و قیاس آرائی سے فیصلہ مت کرنا بلکہ توقف کرنا یہاں تک کہ وہ معاملہ مکمل طور پر تم پر واضح ہو جائے، پھر بھی اگر واضح نہ ہو تو میری طرف خط لکھ کر مجھ سے معلوم کر لینا مگر قیاس آرائی اور عقل کی بنیاد پر کوئی بھی فیصلہ ہرگز نہ کرنا۔

④ اجتہاد کے متعلق رفع تعارض:۔ یہ حدیث موضوع ہونے کی وجہ سے حدیثِ معاذ مشہور بالاجتہاد کے معارض نہیں بن سکتی۔اور اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کیا جائے تو پھر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک تُو اُس میں اجتہاد نہ کرلے اُس وقت تک توقف کر اور جب تُو اجتہاد کرلے اور کسی فیصلے تک پہنچ جائے تو اُس کے ساتھ فیصلہ کردے اور اگر تُو اجتہاد کے ذریعے کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکے تو پھر میری طرف لکھ دینا۔اس مفہوم کے اعتبار سے یہ حدیث حدیثِ اجتہاد کے منافی نہیں ہے۔(حل)

⑤ حدیث کے موضوع ہونے کا سبب:۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن سعید بن حسان راوی ہے جو انتہائی جھوٹا ہونے کی وجہ سے ضعیف راوی ہے، احمد بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس نے چار ہزار احادیث وضع کی تھیں اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اُسے منصور نے زندیق ہونے کی وجہ سے قتل کیا تھا اور اُسے سولی پر چڑھایا تھا۔(تقریب التہذیب)

الشق الثانی.....**حدثنا سهل بن أبی سهل ومحمد بن إسماعيل قالا: حدثنا عبدالسلام بن صالح أبو الصلت الهروی حدثنا علی بن موسی الرضا، عن أبيه عن جعفر بن محمد عن أبيه عن علی بن الحسين عن أبيه عن علی بن أبی طالب قال: قال رسول الله ﷺ: الإيمان معرفة بالقلب وقول باللسان وعمل بالأركان. قال أبو الصلت: لو قرئ هذا الإسناد علی مجنون لبرأ.**(ص۸۔قدیمی)

انكر مذاهب العلماء فی حقيقة الإيمان بإيجاز. وبيّن كيف التطبيق بين أقول طوائف أهل السنة والجماعة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں(۱) حقیقتِ ایمان میں علماء کے مذاہب(۲) اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال میں تطبیق۔

جواب..... ① حقیقتِ ایمان میں علماء کے مذاہب:۔ اس میں متعدد اقوال ومذاہب ہیں:

پہلا قول: جمہور فقہاء ومتکلمین اور احناف کے نزدیک ایمان بسیط ہے صرف تصدیق قلبی کا نام ہے بشرطیکہ اس کا متعلق خاص یعنی امورِ شرعیہ ہوں اور تصدیق بالاختیار ہو اور علی وجہ التسلیم ہو، البتہ اقرارِ لسانی احکامِ دنیوی کیلئے شرط ہے اور اعمالِ ارکانی مکملاتِ ایمان اور دخولِ جنت بدخول اولی کا ذریعہ ہیں اور اعمال کا نہ ہونا نقصان وضرر کا باعث ہے۔

دلائل:①وہ تمام آیات ونصوص ہیں جن میں اعمالِ صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے مثلاً **ان الذين امنوا وعملوا الصالحات الخ** اور عطف مغایرت کی دلیل ہے معلوم ہوا کہ ایمان الگ چیز ہے اور اعمالِ صالحہ الگ چیز ہیں پس ایمان فقط تصدیق قلبی ہوا۔② تارکینِ اعمال صالحہ کے ساتھ مؤمنین جیسا معاملہ کرنا مثلاً نماز جنازہ ادا کرنا، مؤمنین کے قبرستان میں دفن کرنا، معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔

دوسرا قول: مرجیہ کے نزدیک ایمان فقط تصدیقِ قلبی کا نام ہے اقرار لسانی اور اعمال ارکانی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ حقیقتِ ایمان کا جزء بھی نہیں ہیں۔دلیل وہ نصوص ہیں جن میں محض تصدیقِ قلبی پر دخولِ جنت کو مرتب کیا گیا ہے مثلاً حدیثِ عثمان رضی اللہ عنہ ہے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔

جواب: دخولِ جنت کی دو قسمیں ہیں۔① مطلق دخولِ جنت ② دخولِ جنت بدخولِ اوّلی، حدیثِ عثمان رضی اللہ عنہ میں مطلق انتہاء دخولِ جنت مراد ہے اور ابتداءً دخولِ جنت بدخول اولی اعمالِ صالحہ کے ذریعہ ہی ہوگا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تیسرا قول: کرامیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت فقط اقرار لسانی ہے، تصدیقِ قلبی اور اعمالِ صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

دلیل یہ کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں امان کیلئے فقط اقرار لسانی کو کافی سمجھا جاتا تھا مثلاً ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کسی منافق کو قتل کردیا حالانکہ وہ منافق ڈر کی وجہ سے کلمۂ توحید پڑھنے لگ گیا تھا، جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو نے اسکے دل کو پھاڑ لیا تھا یعنی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ مؤمن نہیں ہے، معلوم ہوا کہ فقط اقرارِ لسانی سے وہ مؤمن ہوگیا تھا، اسلئے اسکو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔

جواب: یہ ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔①**منجی عن السيف** ②**منجی عن العذاب الابدی** تو آپ ﷺ کے زمانہ میں اقرار لسانی فقط **منجی عن السيف** کے حق میں کافی سمجھا جاتا تھا اور محلِ نزاع **منجی عن السيف** نہیں بلکہ **منجی عن العذاب الابدی** ہے اور اس کیلئے اقرار لسانی کافی نہیں بلکہ تصدیق قلبی ضروری ہے۔

چوتھا قول: اشاعرہ کا مذہب اور احناف کا قولِ ثانی یہ ہے کہ ایمان مرکب ہے یعنی ایمان تصدیقِ قلبی اور اقرار لسانی کے مجموعہ کا نام ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ تصدیقِ قلبی رکنِ لازم ہے کہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا ہے اور اقرارِ لسانی حالتِ عجز میں ساقط ہوجاتا ہے، بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ دلیل ارشادِ نبوی ﷺ ہے **امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالٰہ الا اللّٰہ** اور قول اقرارِ لسانی سے ہوگا معلوم ہوا کہ تصدیقِ قلبی کیساتھ اقرارِ لسانی بھی ضروری ہے۔

جواب یہ ہے کہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ احکامِ دنیوی کے اجراء کیلئے اقرارِ لسانی کا پایا جانا ضروری ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہاں اقرارِ لسانی پر انتہاءِ جنگ وقتال وجہاد کو مرتب کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ اقرارِ لسانی دنیوی احکام کے اجراء کیلئے ہے۔

پانچواں قول: جمہور محدثین اور شوافع ومالکیہ کے نزدیک ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے تصدیقِ قلبی، اقرارِ لسانی، اعمالِ جوارح تو گویا کہ ان تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ دلیل وہ تمام نصوص جن میں اعمالِ صالحہ پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے جیسے **وماکان اللّٰہ لیضیع ایمانکم ای صلاتکم** اسی طرح حدیثِ وفدِ عبدالقیس میں بھی ایمان کا اطلاق اعمالِ صالحہ پر کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ ایمان تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جواب یہ ہے کہ آپ کا استدلال اس وقت تام ہو جب یہ ثابت ہوجائے کہ ان نصوص میں اطلاق الجزء علی الکل ہے حالانکہ اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ **اطلاق الاصل علی الفرع** یا **اطلاق الاثر علی الموثر** کی قبیل سے ہو۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**۔

چھٹا قول: خوارج ومعتزلہ کے نزدیک بھی ایمان امورِ ثلاثہ یعنی تصدیقِ قلبی، اقرارِ لسانی اور اعمالِ جوارح کے مجموعہ کا نام ہے، البتہ جمہور محدثین کے نزدیک اعمالِ صالحہ ایمان کے اجزائے عرضیہ ہیں یعنی ان کے انتفاء سے ایمان منتفی نہ ہوگا اور خوارج ومعتزلہ کے نزدیک تارکِ اعمالِ صالحہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔ دلیل وہ نصوص ہیں جن میں تارکِ اعمال صالحہ سے ایمان کی نفی کی گئی ہے جیسے **لاایمان لمن لا امانۃ لہ** اور **من غشّ فلیس منّا**۔ جواب یہ ہے کہ یہ زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے نیز کمالِ ایمان کی نفی ہے نفسِ ایمان کی نہیں، نیز وہ شخص مراد ہے جو یہ کام حلال سمجھ کر کرے۔

② اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال میں تطبیق:۔ حقیقت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ متکلمین اور محدثین کے درمیان یہ اختلاف محض تعبیر کا ہے اور حقیقت میں ان کے درمیان ماہیتِ ایمان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ مخلد فی النار نہیں اور متکلمین کے نزدیک اعمالِ صالحہ یا سیئہ غیر مؤثر نہیں، دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اعمالِ سیئہ سببِ عقاب ہیں اور اعمالِ صالحہ موجبِ ثواب ہیں۔ نفسِ تصدیق **منجی من الخلود فی النار** ہے اور **تصدیق مع العمل الصالح ومع اجتناب الکبائر منجی من الدخول فی النار** ہے، چنانچہ امام رازی، امام غزلی، ملا علی قاری اور حافظ ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے فریقین کے اس اختلاف کو نزاعِ لفظی قرار دیا ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایسے اکابر علماء محققین کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ نزاعِ لفظی میں اُلجھے ہیں جبکہ نزاعِ لفظی کوئی معقول کام نہیں۔ جواب یہ ہے کہ درحقیقت تعبیر کا یہ اختلاف اپنے اپنے مخاطبین کے مختلف حالات سے پیدا ہوا کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور متقدمین متکلمین کے پیشِ نظر معتزلہ اور خوارج کا رَدّ تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو خوارج اور معتزلہ سے مناظروں کی بھی نوبت آئی جو اعمال کو ایمان کا جزء وماہیت قرار دیتے تھے، ان پر رَدّ کرنے کیلئے سدِ ذریعہ کے طور پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کو ایسی تعبیر اختیار کرنی پڑی کہ جس میں معتزلہ اور خوارج کے مذہب کے ساتھ کسی قسم کا التباس پیدا نہ ہو (چنانچہ جس طرح کی جزئیت کے مدعی معتزلہ اور خوارج تھے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور متکلمین نے اس کا انکار کیا) اور محدثین امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کے پیشِ نظر مرجئہ کا جو فتنہ پھیلا ہوا تھا اس کا رَدّ کرنا تھا، ان کو ایسی تعبیر اختیار کرنی پڑی جس میں مرجئہ کے ساتھ کسی قسم کا التباس پیدا نہ ہو (چنانچہ مرجئہ جس طرح کی بساطتِ ایمان (ایمان کے بسیط ہونے) کے مدعی تھے، محدثین نے اس کا انکار کیا)۔

محدثین نے اعمال کی اہمیت کو مرجئہ کے مقابلہ میں واضح کرنے کے لئے اعمال کو جزءِ ایمان کہا مگر ان کی مراد یہ تھی کہ اعمال

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ایمان کے لئے ایسے جزء ہیں کہ ان کے بغیر پورا مقصد حاصل نہیں ہوتا جیسے پتوں، پھول، پھل اور شاخ کے بغیر درخت کا مقصود پورا حاصل نہیں ہوتا لیکن ان کے انتفاء سے درخت معدوم نہیں ہوجاتا، برخلاف اس کے کہ اگر جڑ ہی نہ رہے تو درخت معدوم ہوجاتا ہے پس محدثین کے نزدیک تصدیق بمنزلِ جڑ کے ہے اور اس کے انعدام سے ایمان بالکلیہ ختم ہوجاتا ہے اور اعمالِ صالحہ شاخوں کی طرح ہیں کہ ان کے معدوم ہوجانے سے درخت بالکلیہ معدوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ محدثین و متکلمین کی تعریفوں میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ اس طرح با آسانی رفع کیا جاسکتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ متکلمین نے ایمان کی مجرد ماہیت کی تعریف کی ہے اور محدثین نے مجرد ماہیت کی نہیں بلکہ ایمان اور اس کے مقتضیات وآثار وثمرات کے مجموعے کی تعریف کی ہے، دوسرے لفظوں میں متکلمین نے **ایمان منجی من الخلود فی النار** کی تعریف کی ہے اور محدثین نے **ایمان منجی من الدخول فی النار** کی۔ (درسِ مسلم ص۱۹۵)

﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل.....كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخِمًا مُفَخَّمًا يَتَلَالَؤُ وَجْهُهٗ تَلَالُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلُ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرُ مِنَ الْمُشَذَّبِ ..... اَزَجُّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يَدُرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَى الْعِرْنِيْنِ لَهٗ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ يَحْسِبُهٗ مَنْ لَمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمُّ ۔ (ص۲۔قدیمی)

اشرح الكلمات المعلمة بالخط لغة وصرفا ۔ شكل الحديث بالضبط ۔ ترجم الحديث بالاردية۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) کلماتِ معلّمہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ۔

جواب..... ① کلماتِ معلّمہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "فَخِمٌ" یہ باب کرم سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی عظیم المرتبہ۔

"مُفَخَّمٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تَفْخِيْمٌ (تفعیل) بمعنی تعظیم کرنا۔

"مُشَذَّبٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تَشْذِيْبٌ (تفعیل) بمعنی صاف کرنا، چھیلنا۔

"اَزَجُّ" صیغہ واحد بحث صفت از مصدر زَجَجٌ ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک ونور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ ﷺ کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا۔ زَجًّا (ضرب) بمعنی لمبی وباریک اَبرو والا ہونا۔

"حَوَاجِبُ" یہ حَاجِبٌ کی جمع ہے بمعنی اَبرو، مصدر حِجَابًا (نصر) بمعنی چھپانا، حائل ہونا۔

"سَوَابِغُ" یہ سَابِغٌ اسم فاعل کی جمع ہے از مصدر سُبُوْغًا (نصر) بمعنی لمبا ہونا، پورا ہونا۔

"عِرْقٌ" یہ مفرد ہے اس کی جمع عِرَاقٌ، عُرُوْقٌ، اَعْرَاقٌ ہے بمعنی رگ۔

"يَدُرُّ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث مضارع معلوم از مصدر دَرًّا (نصر وضرب) بمعنی بھرنا، جوش مارنا۔

"اَقْنٰى" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از مصدر قَنْوًا (سمع) بمعنی نتھنوں کا تنگ اور درمیان سے اونچا ہونا۔

"عِرْنِيْن" یہ مفرد ہے اس کی جمع عَرَانِيْن ہے بمعنی ناک، ناک کا سخت حصہ، سردار۔

"اَشَمُّ" صیغہ واحد بحث صفت از مصدر شَمٌّ (نصر وسمع) بمعنی سونگھنا۔

② حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فی السوال آنفا۔**

③ حدیث کا ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنی ذات میں بھی شاندار تھے اور لوگوں کی نظروں میں بھی بڑے رُتبہ والے تھے، آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، آپ ﷺ کا قد مبارک متوسط قد والے آدمی سے کچھ طویل تھا اور طویل قد والے سے کچھ پست تھا، آپ ﷺ کے اَبرو خمدار باریک وگنجان تھے، دونوں اَبرو جدا جدا تھے، ان دونوں اَبرو کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت بھڑکتی تھی۔ آپ ﷺ کی

الشق الثانی.....عَنْ هِنْدَ بْنِ اَبِيْ هَالَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخِمًا مُفَخَّمًا يَتَلَالَؤُ وَجْهُهٗ تَلَالُؤَ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اَلْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلُ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرُ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِيْمُ الْهَامَةِ رَجَلُ الشَّعَرَانِ اِنْفَرَقَتْ عَقِيْقَتُهٗ فَرَّقَ وَاِلَّا فَلَا، يُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ اِذَا هُوَ وَفَرَهٗ اَزْهَرُ اللَّوْنِ وَاسِعُ الْجَبِيْنِ اَزَجُّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَى الْعِرْنِيْنِ لَهٗ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ يَحْسِبُهٗ مَنْ لَمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمُّ كَثُّ اللِّحْيَةِ سَهْلُ الْخَدَّيْنِ ضَلِيْعُ الْفَمِ مُفَلَّجُ الْاَسْنَانِ دَقِيْقُ الْمَسْرُبَةِ كَاَنَّ عُنُقَهٗ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِيْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ

شكل الحديث المبارك بالضبط وترجمه الى الاردية ، حقق الكلمات المعلمة لغةً وصرفًا (ص۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱)حدیث پر اعراب(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)کلماتِ معلّمہ کی لغوی وصرفی تحقیق۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ خود اپنی ذات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر کی طرح چمکتا تھا، آپ ﷺ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن زیادہ لانبے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے، اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی تو نہ نکالتے اور بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے، آپ ﷺ کا رنگ نہایت چمکدار تھا اور پیشانی کشادہ اور آپ کے اَبرو خمدار باریک اور گنجان تھے دونوں اَبرو جدا جدا تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر جاتی تھی، آپ ﷺ کی ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا، آپ ﷺ کی داڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی، رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے، آپ ﷺ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (یعنی تنگ منہ نہ تھا) آپ ﷺ کے دندان مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپ ﷺ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی۔(خصائلِ نبوی ص۱۷)

③ کلماتِ معلّمہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "مُفَخَّمًا" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تفخیم (تفعیل) بمعنی تعظیم کرنا۔

"مَرْبُوْعٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر اَلرَّبْعُ بمعنی میانہ قد ہونا۔

"مُشَذَّبٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تشذیب (تفعیل) بمعنی چھیلنا، چھانٹنا۔

"رَجَلٌ" یہ مفرد ہے اس کی جمع اَرْجَالٌ، رَجَالٰی ہے بمعنی گھنگریالے۔

"فَرَّقَ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل ماضی معلوم از مصدر تفریق (تفعیل) بمعنی جدا کرنا۔

"اَزَجُّ" صیغہ صفت از مصدر زَجًّا (ضرب) بمعنی لمبی و باریک اَبرو والا ہونا۔

"اَشَمُّ" صیغہ صفت اس کی جمع شُمٌّ ہے بمعنی مغرور سردار، اونچی ناک والا ہونا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن النسائی) ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....عن يعلى ان رسول الله ﷺ رأى رجلا يغسل بالبراز فصعد المنبر فحمد الله واثنى عليه وقال: ان الله عزوجل حليم حيي ستير يحب الحياء والستر فاذا اغتسل احدكم فليستتر۔(ص۷۰۔قدیمی)

عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ بينما ايوب عليه السلام يغتسل عرياناخر عليه جراد من ذهب فجعل يحثى فى ثوبه قال فناداه ربه عزوجل: يااايوب الم اكن اغنيتك؟ قال بلى يارب ولكن لاغنى بى عن بركاتك

ترجم الحديثين ۔ كيف اغتسل ايوب عليه السلام عريانا من غير تسترمع ان الاغتسال بلاتسترخلاف الحياء والمروة؟۔ وردفي الحديث الثاني: خرعليه جرادمن ذهب. هل كان هذاالجراد الساقط عليه جراد حقيقة؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں:(۱)احادیث کا ترجمہ(۲)حضرت ایوبؑ کے بغیر ستر غسل کرنے کی توجیہ(۳)جراد کی حقیقت۔

جواب.....① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کھلے میدان میں (ننگے) غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بردبار وحیاء والے ہیں، پردہ پوش ہیں، حیاء وپردہ پوشی کو پسند کرتے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرے تو وہ اپنے ستر کو چھپایا کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے عریاناً غسل کرنے کی حالت میں ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں تو حضرت ایوب علیہ السلام نے انکو کپڑے میں سمیٹنا شروع کردیا، اللہ تعالیٰ نے انکو آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا؟ تو ایوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے پروردگار! آپ نے مجھے غنی کیا ہے مگر میں آپ کی برکات سے غنی اور بے پرواہ نہیں ہوں۔

② حضرت ایوب علیہ السلام کے بغیر ستر غسل کرنے کی توجیہ:۔ کھلی جگہ ومیدان میں غسل کے وقت ستر چھپا کر غسل کرنا افضل ہے لیکن اگر کسی نے کپڑے وغیرہ سے پردہ نہیں کیا اور اس طرف لوگوں کی آمد ورفت کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں کوئی گناہ نہیں ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بھی لامحالہ ان دوصورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی کیونکہ پیغمبرؑ کی شان سے خلافِ شریعت وطبیعت کام بعید ہے اور علیحدگی وتنہائی میں غسل کرنا جیسا کہ آج کل حمام وغیرہ ہیں یہ بھی جائز ہے۔(شرح نسائی)

نیز ممکن ہے کہ انکی شریعت میں بغیر ستر غسل جائز ہو۔

③ جراد کی حقیقت:۔ غالب یہ ہے کہ یہ حقیقۃً جراد نہ تھی بلکہ جراد کی شکل میں بلا روح سونے کی کوئی چیز تھی۔(حاشیہ)

الشق الثانی.....عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: جاء أعرابي إلى النبي ﷺ يسأله عن الوضوء، فأراه الوضوء ثلاثا، ثم قال: هكذا الوضوء، فمن زاد على هذا أساء وتعدى وظلم.

اذكر أقول العلماء في إسناد "عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده": من الذي يحتج به ومن يرده؟ وما هي أدلتهم؟ ترجم الحديث. وقد وردت هذه الرواية عند أبي داود، وفيها: "هكذا الوضوء فمن زاد على هذا أو نقص فقد أساء وظلم" اذكر التوجيهات التي ذكرها العلماء لهٰذه العبارة.(ص۴۴۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں(۱)عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند پر بحث (۲)حدیث کا ترجمہ(۳) فمن زاد علیٰ ھٰذا او نقص فقد اساء وظلم کی توجیہات۔

جواب.....① عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند پر بحث:۔ عمروبن شعیب کی جو روایت عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے اس پر طویل کلام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین کی ایک جماعت ایسی سند سے مروی روایت کو قابلِ استدلال نہیں سمجھتی ان حضرات محدثین کا کہنا ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے چنانچہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں وقد روى عبيدالله بن عمر العمري وهو من الائمة العدول عن عمرو بن شعيب عن ابيه قال كنت جالسا عندعبدالله بن عمروبن العاص فجاء رجل فاستفتاه في مسئلة فقال يا شعيب امض معه الى ابن عباس فقد صح بهذا سماع شعيب من جده عبدالله وقد اثبت سماعه منه احمد بن حنبل وغيره نیز مستدرک حاکم کی ایک روایت سے بھی شعیب کا سماع عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے عن عمرو بن شعيب عن ابيه أن رجلا اتى عبدالله بن عمرو ويساله عن محرم الخ، امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں هذاحديث ثقات رواته حفاظ وهو كاخذبالید في صحة سماع شعيب ابن محمد عن جده عبدالله بن عمرو۔یہی وجہ ہے کہ عمروبن شعیب الخ کی سند سے مروی روایات کو اکثر محدثین نے صحیح اور قابلِ استدلال قرار دیا ہے چنانچہ حافظ عبدالغنی مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں انه سئل أيحتج به؟فقال رايت احمد بن حنبل وعلي بن المديني

0313 3357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

والحمیدی واسحاق بن راھویه یحتجون بعمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ماترکه احدمن المسلمین، اس کے بعدامام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایامن **الناس بعد هم،** نیز حسن ابن سفیان اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں **قال عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کأیوب عن نافع عن ابن عمر (وهذاالتشبیه فی نهایة الجلالة من مثل اسحاق رحمه الله)**

بہرحال جمہور محدثین کے نزدیک ایسی تمام روایات صحیح اور مقبول ہیں اگرچہ بعض حضرات نے ان کی روایات کو وجادۃ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا عبداللہ سے ثابت نہیں ہے ان کے پاس اپنے دادا کا صحیفہ صادقہ موجود تھا اور وہ اس سے روایات بیان کرتے تھے بہرحال جو بھی صورت ہو یہ روایات مقبول ہیں چنانچہ صحیفہ صادقہ کی روایات بھی بیشتر کتب احادیث میں مروی ہیں۔(درسِ ترمذی ۲:۴۶۱)

② حدیث کا ترجمہ:۔ **عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده** کی سند سے مروی ہے کہ ایک اعرابی دیہاتی آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے وضو کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے اسے تین مرتبہ (اعضاء دھوکر) وضوء کر کے دکھایا، پھر ارشاد فرمایا کہ یہ وضو کا طریقہ ہے پس جو شخص اس پر زیادتی کرے گا اس نے بُرا کیا، حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔

③ **فمن زاد علی هٰذا او نقص فقد اساء وظلم** کی توجیہات:۔ اس حدیث میں مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ نقص عن الثلاث متعدد احادیث میں حضور ﷺ سے ثابت ہے، ہاں! البتہ زیادۃ علی الثلاث ثابت نہیں، تو جو چیز آپ سے ثابت ہے اس کو اساءۃ اور ظلم کیوں کہا جارہا ہے۔ نیز اس حدیث کی بناء پر ابوحامد اسفرائنی رحمہ اللہ نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نقص عن الثلاث ناجائز ہے اور ایسے ہی دارمی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک وضوء کے اندر زیادۃ علی الثلاث مبطلِ وضوء ہے جیسا کہ زیادۃ فی الصلوٰۃ مفسدِ صلوٰۃ ہے علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اس اختلاف کو غرائب میں شمار کیا ہے۔

بہرحال اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ نقص ثابت نہیں وہم راوی ہے، چنانچہ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور مسندِ احمد میں ہے۔ان تمام کتب میں اس حدیث میں لفظ نقص مذکور نہیں صرف لفظ زاد ہے۔

لیکن اگر اس لفظ کو ثابت مان لیا جائے تو اسکی تاویل یہ کی جائے گی کہ نقص سے مراد نقص عن مرۃٍ واحدۃٍ ہے یعنی ایک مرتبہ بھی تمام اعضاء کو اچھی طرح نہیں دھویا اس صورت میں نقص کا اساءۃ اور ظلم ہونا ظاہر ہے۔ دوسری تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں **زاد** اور **نقص** اسی طرح جانبِ جزاء میں دو چیزیں مذکور ہیں **اساء** اور **ظلم** تو اساءۃ کا تعلق **نقص** سے اور ظلم کا تعلق **زاد** سے ہے۔اس صورت میں اشکال واقع نہ ہوگا اسلئے کہ نقصان کو اساءت اور زیادتی کو ظلم کہا جارہا ہے، یا یوں کہا جائے کہ مجموعہ مجموعہ پر مرتب ہورہا ہے، ہر ایک کو الگ الگ ظلم و اساءۃ نہیں کہا جارہا ہے۔(الدر المنضود ج ا ص ۲۷۷)

﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ قال: لا یمشین أحدکم فی نعل واحد، لینعلهما جمیعا أو لیحفهما جمیعا.** (ص۶۔قدیمی) **انکر ما نکر الامام الترمذی فی صفة نعل رسول الله ﷺ وتنعله. ترجم الحدیث وانکر وجه التطبیق بین هذا الحدیث و بین الحدیث الذی ورد فیه أنه کان یمشی بنعل واحد.**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) رسول اللہ ﷺ کے نعل و تنعّل کی وضاحت (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) تنعل کی روایات میں تطبیق۔

جواب..... ① رسول اللہ ﷺ کے نعل و تنعّل کی وضاحت:۔ شمائل ترمذی میں مذکور روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نعلین کے دو تسمے تھے اور بعض روایات کے مطابق ہر تسمہ میں دو تسمے تھے۔آپ ﷺ کے نعلین کے نیچے دو چمڑے لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ ایک جوتا نہیں پہنتے تھے یا دونوں پہن کر چلتے تھے یا ننگے پاؤں چلتے تھے اور دوسروں کو بھی ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع کرتے تھے، جوتا پہنتے وقت پہلے دایاں پاؤں پہنتے تھے پھر بایاں پاؤں پہنتے تھے اور جوتا اتارتے وقت پہلے بایاں پاؤں اتارتے تھے پھر دایاں پاؤں اتارتے تھے۔

0315 6357515 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ایک جوتے میں نہ چلے، چاہیے کہ دونوں جوتے پہن لے یا دونوں جوتے اتار دے۔

③ تنعل کی روایات میں تطبیق:۔ بظاہر روایات میں تعارض ہے اسلئے کہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع کیا ہے کہ یا دونوں جوتے پہنو یا دونوں جوتے اتار دو جبکہ بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جوتا پہن کر چلنا ثابت ہے۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائمی طور پر اس طرح عادت بنانے سے منع فرمایا ہے، پس مجبوری کے درجہ میں مثلاً جوتا ٹوٹنے کی صورت میں یا ایک پاؤں میں کسی تکلیف کی صورت میں یا دوسرا جوتا کچھ فاصلہ پر ہونے کی صورت میں دو چار قدم چلنے میں کوئی قباحت وممانعت نہیں ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں بلکہ ارشادی ہے اور فعل بیانِ جواز کے لئے ہے۔

﴿الورقة الاولٰی: السنن والشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن النسائی) ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل..... أخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا ابو عاصم قال حدثنا ایمن بن نابل قال حدثنا ابوالزبیر عن جابر بن عبداللّٰہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ یعلمنا التشھد کما یعلمنا السورۃ من القرآن: بسم اللّٰہ و باللّٰہ التحیات للّٰہ و الصلوات والطیبات، السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ، السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین، أشھد ان لا الہ الااللّٰہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ، واسال اللّٰہ الجنۃ واعوذ بہ من النار، قال ابوعبدالرحمن: لانعلم احدا تابع ایمن بن نابل علی ھٰذہ الروایۃ، و ایمن عندنا لا بأس بہ، والحدیث خطأ وباللّٰہ التوفیق۔ (ص۲۰۵۔ج۱۔رحمانیہ)

انکر اختلاف العلماء فی کلمات التشھد ایھا افضل؟ انکر وجوہ ترجیح الحنفیۃ واشرح قول ابی عبدالرحمن۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) افضل کلماتِ تشہد میں اختلاف (۲) حنفیہ کی وجہ ترجیح (۳) ابوعبدالرحمٰن کے قول لانعلم احدا تابع ایمن الخ کی تشریح۔

جواب..... ① افضل کلماتِ تشہد میں اختلاف:۔ تشہد کے الفاظ چوبیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان سب کے الفاظ میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے جو صیغہ بھی پڑھ لیا جائے جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

حنفیہ وحنابلہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معروف تشہد کو ترجیح دی ہے عن عبداللّٰہ بن مسعود قال: علمنا رسول اللّٰہ ﷺ اذا قعد نافی الرکعتین ان نقول "التحیاتُ لِلّٰہ والصلوات والطیبات الخ۔

امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی ہے التحیات لِلّٰہ الزاکیات لِلّٰہ الطیبات الصلوات للّٰہ السلام علیک الخ۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو ترجیح دی ہے قال کان رسول اللّٰہ ﷺ یعلمنا التشھد کما یعلمنا القرآن فکان یقول التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لِلّٰہ سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ سلام علینا الخ۔ (درسِ ترمذی ج۲ص۵۸)

② حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ ① حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اصح مافی الباب ہے کما صرح بہ الترمذی۔ ② یہ ان چند روایات میں سے ہے جو تمام صحاح ستہ میں مروی ہیں اور کمال یہ ہے کہ اس تشہد کے الفاظ میں کہیں معمولی اختلاف نہیں ہے جبکہ دوسرے تمام تشہد کے الفاظ میں اختلاف موجود ہے وذٰلک نادر جدًا ③ اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس تشہد کی تعلیم میرا ہاتھ پکڑ کر دی تھی جو شدّتِ اہتمام پر دال ہے بلکہ یہ روایت مسلسل باخذ الید بھی ہے۔ ④ امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ کان عبداللّٰہ بن مسعود یکرہ ان یزداد فیہ حرف او ینقص منہ حرف، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس تشہد کو کتنے اہتمام سے یاد کیا تھا اور ان کی نظروں میں اسکی کتنی اہمیت تھی۔ ⑤ اس کا ثبوت صیغۂ امر کے ساتھ ہوا ہے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

چنانچہ احادیث میں اس کیلئے **فلیقل، قولوا** اور **فقولوا** کے الفاظ آئے ہیں جبکہ دیگر روایات محض حکایتِ واقعہ ہیں۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی وجوہ ترجیح موجود ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ (ایضاً)

③ ابوعبدالرحمٰن کے قول **لانعلم احدا تابع ایمن الخ** کی تشریح:۔ اس حدیث کے بارے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ اس روایت میں ایمن بن نابل کی کسی نے متابعت کی ہو اور ہمارے نزدیک ایمن بن نابل میں کوئی برائی نہیں البتہ ان کی یہ حدیث صحیح نہیں۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے راوی حدیث ایمن بن نابل کی جس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی شارحینِ حدیث کے کلام سے دو وجہ معلوم ہوتی ہیں: ① **بسم اللہ وباللہ** کی زیادتی کو خطاء قرار دے رہے ہیں جو صرف ایمان بن نابل نے اس تشہد کے شروع میں بیان کی ہے اس پر کسی محدث نے ان کی متابعت نہیں کی اور جتنے تشہدات احادیث صحیحہ ومرفوعہ سے ثابت ہیں ان میں سے کسی کے شروع میں اس زیادتی کا ذکر نہیں لہٰذا یہ زیادتی جو اس تشہد کے شروع میں نقل کی ہے درست نہیں ہے اور اس کے عدم اعتبار پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع **فاذا قعد احدکم فلیکن اول قولہ التحیات للہ** ہے جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تشہد کے شروع میں تسمیہ کی زیادتی صحیح نہیں اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے انکار سے ہوتی ہے کہ جو شخص **التحیات للہ** پر زیادتی کرتا اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انکار فرماتے تھے۔ بہرحال جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اوّل تشہد میں تسمیہ سنت تشہد میں سے نہیں چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے الاذکار میں لکھا ہے کہ ائمہ حدیث میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تشہد کے شروع میں زیادتیِ تسمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لہٰذا ہمارے جمہور اصحاب کہتے ہیں کہ تشہد کے شروع میں تسمیہ مستحب نہیں ہے۔

② ایمن بن نابل رحمۃ اللہ علیہ نے اسناد میں بھی خطاء کی ہے کہ صرف انہوں نے حدیث کو بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حالانکہ بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا **انہ اخطأ فی اسنادہ وان الصواب روایتہ ابی الزبیر عن طاؤس وغیرہ عن ابن عباس قالہ الحافظ فی الفتح۔**

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقات ہیں مگر ایمن بن نابل نے اس کی اسناد میں خطا کی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ لیث نے اس کی مخالفت کی ہے اور لیث ابوالزبیر سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور وہ **عن جابر** نہیں کہتے بلکہ وہ **عن ابی الزبیر عن طاؤس وسعید عن ابن عباس** کہتے ہیں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **عن ابی الزبیر عن جابر** میں ایمن بن نابل منفرد ہیں اور صحیح اسناد وہ ہے جو لیث نے **عن ابی الزبیر عن سعید بن جبیر وطاؤس عن ابی عباس** نقل کی ہے اور اسی طرح اس کو عبدالرحمٰن بن حمید الرواسی نے ابوالزبیر سے لیث کی مثل نقل کیا ہے۔ (شرح نسائی ج۲ ص۵۷۷)

الشق الثانی.....**عن قتادۃ عن الحسن عن سمرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من توضأ یوم الجمعۃ فبہا و نعمت ومن اغتسل فالغسل افضل۔ قال ابوعبدالرحمن: الحسن عن سمرۃ کتاب، ولم یسمع الحسن من سمرۃ الا حدیث العقیقۃ۔** (ص۲۲۱۔ج۱۔رحمانیہ) **اذکر اختلاف العلماء فی حکم غسل الجمعۃ مع ادلتہم۔ اشرح قول ابی عبدالرحمن و اذکر اقوال العلماء فی سماع الحسن عن سمرۃ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) غسلِ جمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل (۲) امام نسائی کے قول **الحسن عن سمرۃ کتاب الخ** کی تشریح (۳) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سماع میں اقوال۔

جواب..... ① غسلِ جمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب ہے، حنابلہ و مالکیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

جمہور کے دلائل: ① حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث **من توضأ یوم الجمعۃ فبہا ونعمت ومن اغتسل فہو افضل** اور یہ حدیث سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعۃ فدنا واستمع وانصت غفرلہ،** اس حدیث میں غسل کا ذکر ہی نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی مشہور حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیر سے جمعہ میں تشریف لائے اور غسل بھی نہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آئے دیر سے ہیں اور پھر آئے بھی بغیر غسل کے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں غسل یوم الجمعہ کا حکم دیا ہے الحاصل اگر غسل واجب ہوتا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ از خود غسل کیلئے تشریف لے جاتے ورنہ کم از کم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ان کو غسل کیلئے واپس جانے کا حکم فرماتے ان دونوں امور میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے اور پھر اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی بھی ہوگیا کہ کسی نے اس موقعہ پر وجوب کی بات نہ کی، ان تین وجوہ سے معلوم ہوا کہ غسل یوم الجمعہ واجب نہیں ہے۔

اہل ظاہر کی پہلی دلیل: یہ حدیث ہے **من اتی الجمعة فلیغتسل** اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ان رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم **قال غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم**، اس میں صراحت کے ساتھ وجوبِ غسل کا ذکر ہے۔

جمہور کی طرف سے ان دلائل کا پہلا جواب یہ ہے کہ غسل کا حکم عارض کی وجہ سے تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت مزدوری کرتے تھے، اون وغیرہ کے کپڑے پہنتے تھے جو پسینہ سے شرابور ہوتے تھے اور مسجد انتہائی تنگ تھی اور چھت بھی نیچی تھی تو پسینہ کی بدبو کی وجہ سے آپس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنگی ہوتی تھی اسلئے غسل کا حکم دیا گیا تھا، پھر وسعت ہوئی محنت مزدوری ختم ہوگئی مسجدیں وسیع ہوگئیں، اچھا کھانا پینا اور پہننا ہوگیا تو وہ عارض بدبو والا ختم ہوگیا، جب عارض ختم ہوگیا تو غسل والا حکم بھی ختم ہوگیا۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۳۳۴)

② امام نسائی رحمہ اللہ کے قول **الحسن عن سمرة کتاب الخ** کی تشریح:۔ امام نسائی رحمہ اللہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے صرف حدیثِ عقیقہ سنی ہے اُس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں سنی البتہ اُن کے پاس اپنے والد کا ایک صحیفہ تھا، اُس میں سے احادیث بیان کیا کرتے تھے۔

③ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سماع میں اقوال:۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن کے سماع کے متعلق تین مذہب ہیں: ① پہلا مذہب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ کا سماع سمرہ رضی اللہ عنہ سے مطلقاً ثابت ہے۔ امام ترمذی، امام بخاری اور ابنِ مدینی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ ② دوسرا مذہب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ کا سماع سمرہ رضی اللہ عنہ سے بالکل ثابت نہیں ہے، ابن حبان، ابن معین اور شعبہ رحمہم اللہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ ③ تیسرا مذہب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے صرف حدیثِ عقیقہ سنی ہے، امام نسائی اور دارِ قطنی رحمہما اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۴۲۳، تحفۃ الالمعی ج ۱ ص ۴۸۵)

﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....**حدثنا اسماعیل بن محمد الطلحی، انبانا داؤد بن عطاء المدینی عن صالح بن کیسان عن ابن شهاب عن سعید بن المسیب عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم **اول من یصافحه الحق عمر و اول من یسلم علیه، واول من یاخذ بیده فید خله الجنة۔** (ص ۱۱۔ قدیمی)

ترجم الحدیث، ماهو المراد بقوله "الحق"؟ وماهو المراد بمصافحته والتسلیم علیه؟ هل سیدنا عمر یدخل الجنة قبل النبیین والمرسلین؟ وهل هو افضل من ابی بکر الصدیقؓ؟ فکیف قال: واول من یاخذ بیده فیدخله الجنة ۔ تکلم علی هذا الحدیث الحافظ ابن کثیرؒ، فماهو ذاك الکلام؟ ولماذا تکلم فیه بذلك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حق کی مراد اور اسکے مصافحہ وسلام کی وضاحت (۳) **اول من یاخذ بیده فیدخله الجنة** کی وضاحت (۴) حافظ ابنِ کثیر کے کلام کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے پہلا انسان جس سے حق تعالیٰ مصافحہ کریں گے اور سلام کریں گے اور جس کے ہاتھ کو پکڑ کر اسے جنت میں داخل کریں گے وہ عمر ہے۔

0312 6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حق کی مراد اور اسکے مصافحہ وسلام کی وضاحت:۔ اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جزئی فضیلت کا تذکرہ ہے کہ سب سے پہلا وہ انسان جس سے حق تعالیٰ مصافحہ کریگا اور سلام کریگا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کی ذات ہے۔

حق سے کیا مراد ہے اسکے متعلق علماء کرام کی متعدد آراء ہیں ① حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ② حق سے مراد وہ فرشتہ ہے جو حق پر معاونت کرنے پر مامور ہے اور حق کے اندر مدد کرنے والا ہے حافظ ابن حجر کی یہی رائے ہے ③ حق سے مراد حق والا ہے یعنی جو شخص حق سے مربوط ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ وسلام کرے گا ④ بعض حضرات نے کہا کہ حق سے یہاں باطل کی ضد مراد ہے اور سلام ومصافحہ سے حضرت عمر اور حق کے درمیان باہمی مقاربت وتعلق کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی حق گویا ان کے رگ وریشہ میں پیوست ہوگیا ہے علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے۔

یہاں حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی لیا جاسکتا ہے اور وہ اپنی شان کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ سے سلام ومصافحہ کریگا نیز حضرت مولانا رحمت اللہ لکھنویؒ نے جامع المناقب میں حق کا ترجمہ اللہ ہی سے کیا ہے اور حق خود ذات باری کا صفاتی نام بھی ہے۔ (تکمیل الحاجہ:۲۷۶)

③ **اوّل من یاخذ بیدہ فیدخلہ الجنۃ** کی وضاحت:۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اکرام ہے اسلئے کہ کسی کو فرشتے جنت میں داخل ہونے کا کہیں گے اور کسی کو خود حق تعالیٰ شانہٗ ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں داخل کریں گے۔ جیسے سابقہ حدیث **الّا النبیین والمرسلین** کی وجہ سے حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح اجماعِ امت کی وجہ سے افضل البشر بعد الانبیاء خلیفۂ بلافصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث سے مستثنیٰ وخارج ہیں وہ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل واولیٰ ہیں۔

④ حافظ ابن کثیر کے کلام کی وضاحت:۔ حافظ ابن کثیرؒ اس حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ **ھٰذا الحدیث منکر جدًا** (یہ حدیث انتہائی منکر ہے) اس حدیث کی سند میں داؤد بن عطاء راوی موجود ہے جسکے متعلق ضعیف ہونے کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

الشق الثانی.....**حدثنا علی بن محمد ثنا محمد بن فضیل ثنا علی بن نزار عن ابیہ عن عکرمۃ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنفان من ھذہ الامۃ لیس لھما فی الاسلام نصیب،المرجئۃ والقدریۃ.** (ص۷۔قدیمی)

عرف "المرجئۃ" و"القدریۃ" مع ذکر بعض عقائدھما۔ اشرح الحدیث۔ ما معنی قولہ "لیس لھما فی الاسلام نصیب" ھما خارجان عن الاسلام؟ وضحہ ببسط۔ عد الحافظ سراج الدین القزوینی ھذا الحدیث موضوعا فلما ذا حکم علیہ بکونہ موضوعا؟ ومن المتکلم فیہ؟ وھل اصاب فی الحکم بذلک ام لا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) مرجئہ وقدریہ کا تعارف وعقائد (۲) حدیث کی تشریح (۳) **لیس لھما فی الاسلام نصیب** کا معنی (۴) حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت۔

جواب..... ① مرجئہ وقدریہ کا تعارف وعقائد:۔ ''مرجئہ'' ایک گمراہ فرقہ ہے مگر یہ کون لوگ ہیں اس کا مصداق کون ہیں؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ ملا علی قاری شارحِ مشکوٰۃ نے ابن الملک کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مرجئہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام افعالِ عباد من جانب اللہ متعین ہے بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہے بندہ تو مجبورِ محض ہے اور جس طرح کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ہے اسی طرح ایمان کیساتھ معصیت بھی کوئی نقصان نہیں دیتی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرجئہ وہ فرقہ ہے جو ایمان کو قول بلا عمل بتلاتا ہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل کا کوئی دخل ہی نہیں ہے یہی قول علامہ محمود البشیتی نے الفرق الاسلامیہ میں لکھا ہے اور اس پر ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ **ھم الذین یقولون الایمان کلام** مرجئہ وہ جماعت ہے جو محض کلام کے ذریعے ایمان کی تعریف کرتے ہیں اور عمل کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ علامہ طیبی کے قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرجئہ درحقیقت جبریہ ہی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ مجبورِ محض ہے بندے کو نہ خلقِ افعال کا اختیار ہے نہ کسبِ افعال کا اختیار ہے اور بندے کی طرف جو افعال منسوب ہیں وہ ایسا ہی ہے جس طرح افعال کی اضافت جمادات کی طرف۔

0313 6357933 maktabahazakariyamultan@gmail.com

''قدریہ'' بھی اسلامی فرقوں میں سے ایک گمراہ فرقہ ہے جو تقدیرِ الٰہی کا منکر ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے سے جو افعال صادر ہوتے ہیں اس میں قضاء وقدر کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ ہی افعال کا خالق بھی ہے اور کاسب بھی، تقدیرِ الٰہی کا کوئی دخل نہیں۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ قدریہ معتزلہ ہی کا لقب ہے اور یہ لوگ قدریہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ہم تقدیر کی اچھی بری باتوں پر ایمان لاتے ہیں اس وجہ سے ہم قدریہ ہیں۔ (تکمیل الحاجہ ص ۱۵۰)

② و ③ حدیث کی تشریح اور **لیس لهما فی الاسلام نصیب** کا معنی:۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری امت میں سے دو جماعتیں ایسی ہونگی جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور وہ مرجئہ اور قدریہ ہیں۔ بعض علماءِ امت نے ظاہرِ حدیث پر نظر کرتے ہوئے ان دونوں فرقوں کی تکفیر کی ہے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے مگر امت کے سوادِ اعظم اور جمہور محدثین نے تکفیر نہیں کی ہے اور فرمایا کہ **لیس لهما فی الاسلام نصیب** سے مقصود نفس نصیب کی نفی نہیں ہے بلکہ حظِ کامل اور نصیبِ وافر کی نفی مقصود ہے اور اس قول کی تائید ترمذی کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ترمذی میں **هذه الامة** کے بجائے **من امتی** کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کی امت میں داخل ہوتے ہوئے یہ دونوں فرقے وجود میں آئینگے اور اسلام میں ان فرقوں کا حصہ کامل نہ ہوگا اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے **لیس للبخیل من ماله نصیب** کہ بخالت پسند کیلئے خود اس کے مال میں کوئی حصہ نہیں ہے اسی طرح مرجئہ اور قدریہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے ان کا اسلام میں معتد بہ حصہ نہیں ہے۔ نیز یہ حدیث زجر وتوبیخ پر محمول ہے۔ نیز یہاں کفر سے کفر تاویلی مراد ہے، نہ کہ کفر ارتدادی۔ نیز اس حدیث کی صحت پر علماء محدثین کا کلام ہے لہٰذا متکلم فیہ حدیث سے کسی کا کفر ثابت نہیں ہوسکتا۔ حدیث شریف کی یہ تاویل اسلئے کرنی پڑی کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے خواہ بدعتی اور مرتکب کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ اہل حق کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کی اس کے گناہ کے سبب ہم تکفیر نہیں کرینگے۔ حافظ ابن حجر نے اس قول کی تصویب فرمائی ہے **واعلم ان مذهب الحق انه لایکفر احد من اهل القبلة بذنب ولایکفر اهل الاهواء والبدع الخ۔**

④ حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت:۔ اس حدیث کی سند میں علی بن نزار راوی ضعیف ہے اسلئے حافظ سراج الدین قزوینی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے مگر حافظ صلاح الدین اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے۔ البتہ علی بن نزار کی وجہ سے ضعیف ضرور ہے۔ الحاصل یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....**عن جعفر بن محمد عن ابیه قال کان الحسن والحسین یتختمان فی یسارهما۔**

اذکر مناسبة الأثر بترجمة الباب "باب ما جاء ان النبی ﷺ کان یتختم فی یمینه۔ اذکر فی أی الیدین کان یتختم رسول الله ﷺ وما هو الأفضل عند العلماء فی هٰذه المسألة۔ (ص ۷۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۲) رسول اللہ ﷺ کے انگوٹھی والے ہاتھ کی تعیین (۳) انگوٹھی پہننے کا افضل طریقہ۔

جواب.....① اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ سوال ہوتا ہے کہ یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے باب کی سرخی کے خلاف ہوگئی اس لئے کہ باب داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا منعقد فرمایا تھا۔ اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ اس قسم کی روایات سے مقصود جبکہ اس باب میں بہت سی روایات اس کے خلاف ہیں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک باب میں داہنے ہاتھ کی قید بیان افضلیت کے لئے ہے اور اس نوع کی روایات بیانِ جواز کے واسطے ہیں۔ بعض اکابر نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ترجمہ میں حسب عادت محدثین کلمہ (ام فی یسارہ) محذوف ہے یعنی حضور ﷺ انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے یا بائیں میں۔ اس توجیہ پر کوئی روایت ترجمہ کے غیر مطابق نہ ہوگی۔ (خصائلِ نبوی ص ۶۱)

0343 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② رسول اللہ ﷺ کے انگوٹھی والے ہاتھ کی تعیین:۔ اس بارے میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے یا بائیں میں۔ بعض علمائے محدثین اس میں ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری وامام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہننے کی روایات راجح ہیں۔ بعض علماء نے اس طرح جمع کیا ہے کہ اکثر داہنے دست مبارک میں پہنتے تھے اور گاہے گاہے بائیں میں بھی پہن لیتے تھے۔

③ انگوٹھی پہننے کا افضل طریقہ:۔ علماء کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ انگوٹھی کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے۔ خود علمائے حنفیہ میں بھی اختلاف ہے بعض نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے اور بعض نے دونوں کو مساوی بتایا ہے۔ شامی نے یہی دو قول لکھے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا ایک قول دائیں کے افضل ہونے کا لکھا ہے لیکن مذہب کے لحاظ سے راجح وہی قول ہے جو علامہ شامی کی تحقیق ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں بلا کراہت جائز ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ مالکیہ نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے۔

الغرض احادیث سے بھی دونوں فعل ثابت ہیں اور علماء بھی ترجیح کے اعتبار سے دونوں طرف گئے ہیں۔ درمختار میں قہستانی سے منقول ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا روافض کا شعار ہو گیا ہے اسلئے اُس سے احتراز واجب ہے، صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس زمانہ میں روافض کا شعار ہو اب نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے کوکب دری میں نقل کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی چونکہ روافض کا شعار ہے اسلئے مکروہ ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بذل المجہود میں یہی تحریر فرمایا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ روافض کے کفر میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن انکے فاسق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور فساق کے ساتھ بھی تشبہ سے احتراز ضروری ہے۔ (خصائلِ نبوی ص ۵۸)

الشق الثانی.....**عن جرير بن عبدالله قال: عرضت بين يدى عمر بن الخطاب ، فألقىٰ جرير ردائه ومشى فى ازار فقال له: خذ رداءك، فقال عمر للقوم: ما رأيت رجلا أحسن صورة من جرير الا ما بلغنا من صورة يوسف عليه السلام ۔** (ص ۱۴۔قدیمی) **اذكر مناسبة الاثر بترجمة الباب باب ما جاء فى تعطر رسول الله ﷺ ۔ اشرح الحديث واذكر فيه: لما ذا كان هٰذا العرض؟ وهل كان جرير احسن صورة من رسول الله ﷺ؟ وهل كان اجمل من دحية ؟ لما ذا لم يستثنيا ههنا؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۲) حدیث کی تشریح اور عرض کی وجہ (۳) حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے احسن واجمل ہونے کی وضاحت (۴) استثناء نہ کرنے کی وجہ۔

جواب..... ① اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ ① بعض حضرات نے فرمایا کہ اس اثر کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور یہ اثر اہلِ نسخہ کے ملحقات میں سے ہے مگر یہ قول مرجوح ہے۔ ② بعض حضرات نے فرمایا کہ حسنِ صورت کو عموماً وغالباً خوشبو لازم ہوا کرتی ہے اور اس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کا ذکر ہے کہ وہ انتہائی حسین وجمیل تھے اور آپ ﷺ کا اجمل المخلوقات ہونا مسلّم ہے اسلئے اس کو طبعی خوشبو لازم ہے۔ ③ بعض حضرات نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں عبارت محذوف ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہے **باب ماجاء في تعطر رسول الله ﷺ وحسن صورت الاصحاب وعرضهم على عمر بن الخطاب**۔ اس صورت میں مناسبت واضح ہے۔ ان تینوں اقوال میں سے دوسرا قول راجح وپسندیدہ ہے۔ (حاشیہ)

② حدیث کی تشریح اور عرض کی وجہ:۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی لڑائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے معائنہ کیلئے پیش کیا گیا اور میں نے چادر اُتار کر صرف لنگی وغیرہ میں چل کر اپنا معائنہ وامتحان کروایا، میرا معائنہ کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنی چادر لے لو، تمہارا معائنہ ہو گیا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قوم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک جریر سے بڑھ کر کوئی حسین وجمیل نہیں دیکھا سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے، اسلئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ہم تک جو روایات انکے حسن وجمال کے متعلق پہنچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جریر سے بھی زیادہ حسین وجمیل وخوبصورت ہونگے۔ جیسے آج کل کسی لڑائی وغیرہ میں شرکت سے قبل فوجیوں اور مجاہدین کا معائنہ کیا جاتا ہے اور ان کا جسمانی چیک اَپ کیا جاتا

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون کون لڑائی میں شرکت کرسکتا ہے اسی طرح کسی جنگ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کا معائنہ کیا تھا اس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اسی معائنہ کا اس حدیث میں تذکرہ ہے۔

③ و ④ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے احسن واجمل ہونے کی وضاحت اور استثناء نہ کرنے کی وجہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سے احسن واجمل وخوبصورت تھے، حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی زیادہ خوبصورت تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں اگر وہ میرے محبوب کو دیکھتیں تو اپنے دل وجگر کاٹ ڈالتیں۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ حسین وجمیل تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے استثناء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استثناء ازخود ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ حسین وجمیل ہونا تو سب کے علم میں ہے۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا حسن وجمال بھی مسلّم ہے مگر حضرت جریر اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہما کے حسن وجمال میں فرق یہ ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ چہرہ وصورت کے اعتبار سے حسین وجمیل تھے جیسا کہ مشہور ہے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ جسم وبدن کے اعتبار سے حسین وجمیل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے بدن سے چادر اُتارنے کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا بدن دیکھا تو اس وقت ارشاد فرمایا کہ میں نے جریر سے بڑھ کر کوئی خوبصورت نہیں دیکھا۔

﴿الورقة الاولیٰ: السنن و الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن نسائی) ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل..... "عن ابن المسیب وابی سلمة عن ابی هریرة قال: نعی رسول الله صلی الله علیه وسلم النجاشی لاصحابه بالمدینة فصفّوا خلفه فصلّی علیه وکبّر اربعًا۔ قال ابو عبدالرحمٰن: ابن المسیب انی لم أفهمه کما أردت۔ عن ابن ابی لیلی ان زید بن أرقم صلّی علی جنازة فکبّر علیها خمسا وقال: کبّرها رسول الله صلی الله علیه وسلم"۔

ترجم الحدیثین سلسةً۔ کم تکبیرةً فی صلاة الجنازة؟ هل وقع فی عددها اختلاف بین العلماء؟ کیف یمکن الجمع بین الحدیثین المذکورین؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② تکبیراتِ جنازہ کی تعداد میں اختلاف ③ جمع بین الحدیثین کی صورت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نجاشی کے انتقال کی خبر دی، پس انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صفیں باندھیں اور اس کی نمازِ جنازہ ادا کی اور اس میں چار تکبیریں کہیں۔ ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کسی کی نمازِ جنازہ پڑھائی تو اس میں پانچ تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پانچ تکبیریں کہی تھیں۔

② تکبیراتِ جنازہ کی تعداد میں اختلاف:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے البتہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے کہ نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیرات ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

③ جمع بین الحدیثین کی صورت:۔ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں چار سے لیکر نو تک تکبیریں ثابت ہیں لیکن جمہور نے چار تکبیرات والی روایات کو ترجیح دی ہے۔

مذہبِ جمہور کی وجہِ ترجیح: ① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات کہیں، اس اجتماع میں حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت عباس، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی موجود تھے ② حافظ ابن البر رحمہ اللہ نے "الاستذکار" میں "ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن

ابیہ" کے طریق سے روایت نقل کی ہے قال کان النبی ﷺ یکبر علی الجنائز اربعًا وخمسًا وسبعًا وثمانیًا حتی جاء موت النجاشی فخرج الی المصلی وصف الناس وراء ہ وکبر علیه اربعًا ثم ثبت النبی ﷺ علی اربع حتی توفاه الله عزوجل ③ بیہقی میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کانوا یکبرون علی عهد رسول الله ﷺ سبعًا وخمسًا وستًا او قال اربعًا فجمع عمر بن الخطاب اصحاب رسول الله ﷺ فاخبر کل رجل بما رای فجمعهم عمر علی اربع تکبیرات کاطول الصلاة۔ یہ روایت سنداً حسن ہے۔ (درسِ ترمذی ج۳ص۳۰۲)

﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....عن عمرو بن میمون قال: ما اخطانی ابن مسعود عشیة خمیس الّا اتیته فیه، قال: فما سمعته یقول بشیئٍ قط "قال رسول الله ﷺ فلمّا کان ذات عشیة، قال : قال رسول الله ﷺ، قال: فنکس قال: فنظرت الیه، فهو قائم محللة أزرار قمیصه قد اغرورقت عیناه وانتفخت اوداجه قال: او دون ذلك او فوق ذلك او قریبًا من ذلك او شبیهًا بذلك۔ ترجم الحدیث و اشرحه۔ قد کان بعض الصحابة یکثرون من روایة الحدیث فکیف یکون ذلك منهم مع أن بعضهم کان فی غایة من الاحتیاط فی الحدیث؟ اذکر بحیث یشفی الصدور۔ حقّق الکلمات المعلمة لغةً وصرفًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احتیاط فی الحدیث کے باوجود کثرتِ روایات کی وجہ ④ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہاں ہر جمعرات کی شام کو حاضر ہوتا، اس میں کبھی ناغہ نہ ہوا، میں نے ان کو کبھی یہ کہتے نہ سنا کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کہنے لگے "قال رسول الله ﷺ (یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر سر جھکا لیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان کو دیکھا کہ کھڑے تھے، ان کے کُرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں، ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئیں اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور کہہ رہے تھے کہ یا اس سے کم یا اس سے زائد یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ فرمایا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے، کبھی غیر حاضری نہ کرتے اور ان سے مسائل شرعیہ معلوم فرماتے تھے، مگر حضرت عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے میں نے اس دوران کبھی یہ نہیں سنا انہوں نے کہا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا، حضور کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں اس درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے، اس درجہ خوف کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب ہو جائے، اسی غایت درجہ کی احتیاط کی بنیاد پر کبھی انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، لیکن عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ ایک دن کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا قال رسول الله ﷺ یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا، پھر تو ان پر خوف و ہراس کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور انہوں نے سر جھکا لیا، عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور ان کے کُرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں، آنکھیں اشکبار اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی ہیں اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی ہیں، اس حالت میں فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس سے کم بیان کیا یا اس سے زیادہ بیان کیا، یا قریب قریب اسی طرح بیان کیا یا اسی کے مشابہ بیان کیا۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایتِ حدیث کے سلسلے میں نہایت محتاط تھے، اس شدتِ احتیاط کی وجہ سے حدیث بیان کرنے والوں سے شہادتیں طلب کرتے تھے، قسمیں لیا کرتے تھے تب کہیں جا کر تصدیق کیا کرتے تھے۔

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احتیاط فی الحدیث کے باوجود کثرتِ روایات کی وجہ:۔ روایتِ حدیث کا میدان تنگ اور احتیاط ونزاکت کا طالب ہونے کے باوجود متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سینکڑوں ہزاروں روایات کے منقول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کو نہایت

0311 6357913 makkabakariyamultan@gmail.com

بیدار مغزی کے ساتھ روایت کو چھان پھٹک کر کے غایت درجہ کی تفتیش وتلاش کی بنا پر اپنے اوپر اعتماد تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مشغلہ ہی صرف روایتوں کا یاد کرنا تھا، نیز بہت زیادہ روایات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن کی عمریں بہت زیادہ لمبی ہوئیں اور بوقت ضرورت لوگ ان سے معلوم کرتے تھے تو یہ حضرات کتمانِ علم کی وعید سے بچنے کے لیے بیان فرمادیا کرتے تھے، اس طرح رفتہ رفتہ ان حضرات کی مرویات بہت زیادہ ہوگئیں جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ یہ کثرتِ تحدیث سے بہت زیادہ گریز کرتے تھے مگر اس کے باوجود ان کا شمار کثیر الروایات صحابہ میں ہوتا ہے۔ (تکمیل الحاجۃ)

④ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ عَشِيَّةٌ: مفرد ہے، اس کی جمع عَشِيٌّ، عَشَايَا، عَشِيَّاتٌ ہے بمعنی شام۔

نَكَسَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر نَكْسًا (نصر) بمعنی سر جھکانا، اوندھا کر دینا۔

اَزْرَارٌ: یہ جمع ہے، اس کا مفرد زِرٌّ ہے بمعنی گھنڈی، بٹن۔

اِغْرَوْرَقَتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِغْرِيْرَاقًا (افعیعال) بمعنی ڈبڈبانا۔

اَوْدَاجٌ: یہ جمع ہے، اس کا مفرد وَدَجٌ ہے بمعنی گردن کی رگ جو غصہ کے وقت پھول جاتی ہے۔

الشق الثانی..... "عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ دَاعٍ يَدْعُوْ اِلٰى شَيْئٍ اِلَّا وُقِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَازِمًا لِدَعْوَتِهٖ مَا دَعَا اِلَيْهِ وَ اِنْ دَعَا رَجُلٌ رَجُلًا۔ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِیْ فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَ مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ اَوْزَارُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ مَنْ عَمِلَ بِهَا شَيْئًا"۔

شکل الحدیثین ثم ترجمهما اشرح الحدیثین شرحا یکشف به مرام المصنف۔ حقق الکلمات المعلمة لغةً و صرفًا

﴿ خلاصۂ سوال ﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ احادیث کی تشریح ④ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔ **کما مر فی السوال آنفًا**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں ہے کوئی بلانے والا کسی شیئ کی طرف مگر قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اسی دعوت کے ساتھ جس کی طرف اس نے بلایا خواہ ایک ہی آدمی کو دعوت دی ہو۔ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا، اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اس کے لیے عمل کرنے والے کی مثل اجر ہوگا اور ان کے اجر سے کچھ کمی بھی نہ ہوگی، اور جس نے کوئی بدعت ایجاد کی اور لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو اس پر عمل کرنے والے کی مثل گناہ ہوگا اور عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی بھی واقع نہ ہوگی۔

0313 6357913, maktabazakariyamultan@gmail.com

③ احادیث کی تشریح:۔ پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں جس چیز کا داعی ہوگا، قیامت کے دن اسی دعوت کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اگر کوئی خیر وبھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے گا تو قیامت کے دن اسی دعوت والے کام اور ان لوگوں کے ساتھ پکارا جائے گا جنہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حق کو قبول کیا تھا اور اگر کوئی شخص بدعت وخرافات، رسم ورواج، کفر وشرک، معصیت ومنکرات کی طرف دعوت دے گا تو قیامت کے دن اسی دعوت کے ساتھ پکارا جائے گا اور اس کے تمام متبعین وفرمان بردار بھی اس کے ساتھ ہوں گے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "**احشروا الذین ظلموا و ازواجهم و ما کانوا یعبدون**" .....**الخ** (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان کے معبودوں کو جن کی وہ پوجا کرتے تھے سب کو جمع کرو اور جہنم کی طرف لے جاؤ)۔

دوسری حدیث کے متعلق امام مظہری فرماتے ہیں کہ اس میں سنت سے مراد وہ دینی احکام ہیں جو آپ ﷺ نے متعین کیے، خواہ وہ

احکام فرائض وواجبات کی قبیل سے ہوں یا سنت ومستحب ہوں۔احیاءِ سنت میں تحصیلِ علم،قراءتِ قرآن،اعفاءِ لحیہ وغیرہ سب داخل ہیں اوراحیاء سے مرادلوگوں کواس پرعمل کے لیے ابھارنا اورلوگوں کے سامنے اس عمل کے فضائلِ ماثورہ کو بیان کرنا ہے۔(تکمیل الحاجۃ)

④ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ وُقِّفَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول ازمصدر تَوْقِیْفًا (تفعیل۔مثال) بمعنی کھڑا کرنا۔مجرد وَقْفًا وُقُوْفًا (ضرب۔مثال) بمعنی ٹھہرنا وکھڑا ہونا۔ اُجُوْرٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد اَجْرٌ ہے بمعنی ثواب وبدلہ۔

لَا یُنْقَصُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول ازمصدر اِنْقَاصًا (افعال) بمعنی گھٹانا وکم کرنا۔

اِبْتَدَعَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ازمصدر اِبْتِدَاعًا (افتعال) بمعنی ایجاد کرنا وشروع کرنا۔

اَوْزَارٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد وِزْرٌ ہے بمعنی گناہ، بھاری بوجھ۔

﴿السوال الثالث﴾ (شمائل ترمذی) ١٤٣٩ھ

الشق الاوّل.....قَالَتِ الْحَادِیَةُ عَشْرَةَ: زَوْجِیْ اَبُوْزُرْعٍ، وَمَااَبُوْزُرْعٍ! اَنَاسَ مِنْ حُلِیٍّ اُذُنَیَّ، وَمَلَّأَمِنْ شَحْمٍ عَضُدَیَّ، وَبَجَّحَنِیْ فَبَجَّحَتْ اِلٰی نَفْسِیْ وَجَدَنِیْ فِیْ اَهْلِ غُنَیْمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِیْ فِیْ اَهْلِ صَهِیْلٍ وَاَطِیْطٍ، وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ، فَعِنْدَهٗ اَقُوْلُ فَلَا اُقَبَّحُ، وَاَرْقُدُ فَاَتَصَبَّحُ، وَاَشْرَبُ فَاَتَقَمَّحُ، اُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَااُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ! عُکُوْمُهَا رِدَاحٌ، وَبَیْتُهَا فُسَاحٌ، اِبْنُ اَبِیْ زَرْعٍ، وَمَا ابْنُ اَبِیْ زَرْعٍ! مَضْجَعُهٗ کَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَتُشْبِعُهٗ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ. (ص۱۷۔قدیمی)

اشرح الکلمات المخطوطه لغةً وصرفًا. شکل العبارة وترجمها ترجمة رائعة. ماالذی قصده المؤلف من ایراد حدیث ام زرع فی کتابه الشمائل. لماذا لم تکن القصة داخلة فی الغیبة المحرّمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) حدیثِ ام زرع کو ذکر کرنے کا مقصد (۵) مذکورہ قصہ کے غیبت نہ ہونے کی وجہ۔

جواب.....① کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "شَحْمٌ" بمعنی چربی مصدر شحامةً ازباب کرم بمعنی بہت چربی والا ہونا۔

"بَجَّحَنِیْ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل ماضی معلوم ازباب تفعیل بمعنی خوش کرنا۔

"غُنَیْمَةٍ" صیغہ تصغیر ازباب سمع بمعنی مفت پانا۔ "اَطِیْطٍ" مصدر ازباب ضرب بمعنی کڑکنا، آواز نکالنا مراد اونٹ کا بولنا۔

"صَهِیْلٍ" مصدر ازباب فتح وضرب بمعنی گھوڑے کا ہنہنانا، گھوڑے کی آواز۔

"لَااُقَبَّحُ" صیغہ واحد متکلم بحث نفی مضارع مجہول ازباب تفعیل بمعنی برا بھلا کہنا۔

"اَتَصَبَّحُ" صیغہ واحد متکلم بحث فعل مضارع معلوم ازباب تفعل بمعنی دن چڑھے تک سونا۔

"اَتَقَمَّحُ" صیغہ واحد متکلم بحث فعل مضارع معلوم ازباب تفعل بمعنی سیر ہوکر چھوڑ دینا۔

"عُکُوْمُهَا" یہ جمع ہے اس کا مفرد عِکَمٌ ہے بمعنی گٹھڑی جس میں سامان ہو۔ عَکَمَ ازباب ضرب بمعنی باندھنا۔

"فُسَاحٌ" بمعنی کشادگی ازباب کرم بمعنی وسیع وکشادہ ہونا۔ "مَضْجَعٌ" صیغہ واحد بحث اسم ظرف بمعنی لیٹنے کی جگہ۔

"مَسَلٌّ" مصدر میمی بمعنی اسم مفعول ازباب سمع بمعنی لاغر ہونا، سوتنا۔ "شَطْبَةٌ" مفرد ہے اسکی جمع شَطَبَاتٌ ہے بمعنی سُتی ہوئی تلوار۔

② عبارت پر اعراب:۔کما مرّ فی السوال آنفا۔

③ عبارت کا ترجمہ:۔ گیارہویں عورت ام زرع نے کہا میرا خاوند ابوزرعہ تھا۔ابوزرعہ کی کیا تعریف کروں زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پُر کردیئے مجھے ایسا خوش وخرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانہ میں پایا تھا جو بڑی تنگی کیساتھ چند بکریوں پر گزارہ کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا تھا جن کے یہاں گھوڑے اونٹ کھیتی کے بیل اور کسان تھے (ہر قسم کی ثروت موجود تھی) (اس سب کے باوجود اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا، میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا، کھانے پینے میں ایسی وسعت کہ میں سیر ہوکر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ

0313 6257913 makkabazakariyan@gmail.com

ہوتا تھا) ابوزرع کی ماں (میری خوشدامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں اسکے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے۔اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی اسلئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابوزرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ بھی نور علیٰ نور ایسا پتلا دُبلا چھریرے بدن کا کہ اسکے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) سُتی ہوئی ٹہنی یا سُتی ہوئی تلوار کی طرح باریک، بکری کے بچہ کی ایک دستی اس کا پیٹ بھرنے کیلئے کافی (یعنی ایسا بہادر کہ سونے کیلئے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی سپاہیانہ زندگی، ذرا سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی)۔

④ حدیثِ ام زرع کو ذکر کرنے کا مقصد:۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبل از اسلام مالیت اور تونگری کا ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! خاموشی اختیار کر، میں تو تیرے لئے ابوزرع کی مثل ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوزرع کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا واقعہ سنایا تو آخر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اے میرے آقا! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ابوزرع سے کئی ہزار ھا درجے بہتر ہیں ابوزرع تو آپ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حدیثِ ام زرع سنائی۔

چونکہ اس حدیث سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور منقبت معلوم ہوتی ہے اسلئے امام ترمذی نے اس حدیث کو شمائل میں ذکر کیا ہے۔

⑤ مذکورہ قصہ کے غیبت نہ ہونے کی وجہ:۔ کسی غیر معروف شخص کا حال بیان کرنا جسے حاضرینِ مجلس نہ جانتے ہوں یہ غیبت نہیں ہے۔

الشق الثانی.....لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، ضَخْمُ الرَّأْسِ، ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ طَوِيْلُ الْمَسْرُبَةِ إِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَلِيْعَ الْفَمِ أَشْكَلَ الْعَيْنِ مَنْهُوْسَ الْعَقِبِ۔ (ص ا۔قدیمی) **اشرح الکلمات المعلمة لغةً وصرفًا۔ شکل العبارة وترجمها۔ اذکرماورد فی صفة شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاحادیث**۔ (خصائلِ نبوی ص ۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی وصف۔

جواب..... ① کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "شَثْنٌ" موٹا اور پُر گوشت شَثْنٌ مصدر از باب سمع بمعنی موٹا اور سخت ہونا۔

"اَلْمَسْرُبَةُ" مفرد ہے اس کی جمع مسارب ہے بمعنی سینے کے درمیان میں پیٹ تک کے بال۔

"تکفأ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل ماضی معلوم از باب "تفعل" بمعنی لڑکھڑانا اور مراد جھک کر چلنا۔

"صَبَبٌ" مفرد ہے اسکی جمع "اصباب" ہے بمعنی نشیب، نشیبی جگہ۔ "منهوس" اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی کم گوشت والا، دُبلا پتلا۔

"ضلیع" مفرد ہے اس کی جمع ضُلُعٌ ہے بمعنی مضبوط پسلیوں والا، قوی یہاں مراد بڑے منہ والا ہے۔

"اشکل" مفرد ہے اس کی جمع شُكُلٌ ہے بمعنی سفید بُرخی مائل ، شَكِلَ از باب سمع بمعنی سرخ سفید ہونا۔

"العقب" مفرد ہے اس کی جمع اعقاب ہے بمعنی ایڑی، بیٹا اور پوتا، انجام۔

② عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا**۔

③ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ طویل تھے نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لیکر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ منہ والے، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈوروں والے اور دُبلے پتلے قدم مبارک والے تھے۔

④ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی وصف:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے متعلق متعدد احادیث منقول ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

آپ ﷺ نے صرف چند مرتبہ ہی سر کے بال منڈائے تھے اور اکثر زلفیں ہوتی تھیں اور زلفوں کے متعلق وفرہ، لمہ، جمہ تینوں طرح کے الفاظ ذکر کئے گئے ہیں یعنی کبھی کانوں کی لُو تک، کبھی کانوں اور کندھوں کے درمیان تک اور کبھی کندھوں تک بال ہوتے تھے یہ مختلف اوقات اور زمانہ کے لحاظ سے ہے اور آپ ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے اور نہ بالکل پیچیدہ بلکہ ان میں معمولی پیچیدگی اور گھنگھریالہ پن تھا اور آپ ﷺ بالوں پر اکثر تیل استعمال فرماتے تھے اور داڑھی مبارک میں بکثرت کنگھی کرتے تھے اور سر مبارک میں کبھی کبھار کنگھی کرتے تھے اور سر مبارک میں مانگ بھی نکالتے تھے اور خضاب بھی لگانا مروی ہے اور چند بال چودہ سے بیس تک سفید تھے۔

﴿الورقة الاولٰی: السنن و الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن نسائی) ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل ..... **اکتب ترجمة حول الامام النسائی بحیث تکون الترجمة حاویة علی اسمه ونسبه ونسبته وشهرته ومولده ووفاته وشیوخه وتلامیذه و مصنفاته ومزایا کتابه و خصائصه و درجته بین الصحاح .**

جواب .....امام نسائیؒ کا مکمل تعارف:۔ نسب: امام نسائی کا نام احمد بن شعیب، کنیت ابوعبدالرحمٰن، لقب حافظ الحدیث اور نسبت نسائی خراسانی ہے، مکمل سلسلۂ نسب و نام حافظ الحدیث ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار نسائی خراسانی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ سیوطی ؒ نے راجح وصحیح قول کے مطابق لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۲۱۴ھ یا ۲۱۵ھ میں ہے۔ وفات: امام نسائی نے فلسطین میں ۱۳ صفر المظفر ۳۰۳ھ کو بروز پیر اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

اسفار: امام نسائی ؒ غیر معمولی ذہین تھے، ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد طلبِ حدیث کے شوق میں دور دراز شہروں کا سفر کیا، جن میں حجاز، عراق، شام، جزائر اور خراسان شامل ہیں۔

شیوخ: امام نسائی ؒ نے اسحٰق بن راہویہ، اسحٰق بن حبیب، سلیمان بن اشعث، اسحٰق بن شاہین، حارث بن مسکین، اسحٰق بن منصور، محمود بن غیلان، قتیبہ بن سعید، اسحٰق بن موسیٰ انصاری، ابراہیم بن سعید جوہری، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، محمد بن بشار، علی بن حجر، ابوداؤد سجستانی، علی بن خشرم، مجاہد بن موسیٰ، احمد بن بکار، حسن بن محمد زعفرانی، احمد بن عبدہ ؒ وغیرھم جیسے جبالِ علم سے کسبِ فیض کیا۔

تلامذہ: ویسے تو گوشہ گوشہ سے آکر طالبانِ علم نے امام نسائی ؒ کے حلقۂ درس سے اپنی پیاس بجھائی مگران میں سے چند مشہور یہ ہیں ابوالقاسم طبرانی، ابوعلی حسین بن علی الحافظ نیاموزی طبرانی، احمد بن عمیر، محمد بن جعفر، ابوالقاسم بن ابی العقب، ابوالمیمون بن راشد، ابوالحسن بن خزلم، ابوسعید الاعرابی، امام ابوجعفر طحاوی، محمد بن ہارون بن شعیب، ابراہیم بن محمد بن صالح بن سنان، ابوبکر احمد بن اسحٰق السنی، ابوبکر بن حداد ؒ۔ ازواج واولاد: امام نسائی ؒ کی چار بیویاں او رمتعدد لونڈیاں تھیں مگر مؤرخین نے اولاد کا ذکر نہیں کیا، البتہ حافظ ابن حجر ؒ نے آپ کے شاگردوں میں آپ کے ایک بیٹے عبدالکریم کا نام ذکر کیا ہے۔

تصانیف: خصائصِ علی، فضائلِ صحابہ، مسند علی، مسند مالک، کتاب التمیز، کتاب المدلسین، کتاب الضعفاء والمشرکین، کتاب الاخوۃ، مسند منصور بن ذازان، مشیخۃ النسائی، ما اغرب شعبۃ علی سفیان وسفیان علی شعبہ، اسماء الرواۃ، مناسک حج، کتاب الجرح والتعدیل، السنن الکبریٰ، السنن الصغریٰ (المجتبیٰ)۔

مسلک: علامہ سبکی ؒ نے آپ کے شافعی المسلک ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور حافظ ابنِ تیمیہ ؒ نے آپ کو حنبلی بتایا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ آپ اہلِ حدیث تھے کسی خاص امام کے مقلد نہیں تھے، البتہ کثرتِ موافقت کی وجہ سے امام شافعی ؒ کی طرف منسوب تھے۔

سنن نسائی: امام نسائی ؒ نے **السنن الکبریٰ** کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جو بیانِ مخرج اور طرقِ حدیث کے جمع کرنے میں بے نظیر تھی اس کی اکثر احادیث صحیح اور بعض احادیث معلول بھی تھیں پھر امام نسائی ؒ نے بعض حضرات کی درخواست پر تمام صحیح احادیث پر مشتمل ایک مختصر کتاب لکھی جس کا نام المجتبیٰ ہے اور اسی کتاب کو سنن صغریٰ اور سنن نسائی کہتے ہیں۔

اس کتاب میں کل (۵۷۶۱) احادیث ہیں، اس کے رواۃ میں عبدالکریم بن نسائی، ابوبکر احمد بن محمد، ابوعلی حسن بن خضر سیوطی،

0313 6357913 murtabazakariyamultan@gmail.com

حسن بن رشیق عسکری، ابوالقاسم حمزہ بن محمد علی کنانی، ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن زکریا، محمد بن معاویہ بن احمر، محمد بن قاسم اندلسی، علی بن ابوجعفر طحاوی، ابوبکر احمد بن مہندس ہیں۔ جن کتب کو اصول میں شمار کیا گیا ہے ان میں سنن نسائی کی بڑی اہمیت ہے چنانچہ بعض علماءِ مغارب نے حسنِ ترتیب وجامعیت اور تقسیمِ ابواب کی کثرت ودقتِ نظر کی وجہ سے سنن نسائی کو بخاری پر ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حافظ ابوعلی نیشاپوری، ابواحمد بن عدی، ابوالحسن دارقطنی، ابوعبداللہ الحاکم، ابن مندہ، عبدالغنی بن سعید، ابویعلی خلیلی، ابوعلی بن سکن اور خطیب وغیرہ نے نسائی پر صحت کا اطلاق کیا ہے۔ ابنِ مندہ نے کہا کہ صحیح احادیث کی کتابیں چار ہیں، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ علامہ سلفی نے کہا کہ مشرق ومغرب کے علماء نے کتبِ خمسہ کی صحت پر اتفاق کیا ہے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔

امام نسائی رحمہ اللہ کی شرائط بڑی اہمیت کی حامل ہیں چنانچہ حافظ ابوعلی، حاکم اور خطیب رحمہم اللہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تخریجِ حدیث کے سلسلہ میں امام نسائی کی شرائط امام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

سنن نسائی کی خصوصیات: سنن نسائی کی خصوصیات میں جو چیزیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① حسن ترتیب: سنن نسائی ترتیب کے لحاظ سے ایک بہترین اور عمدہ کتاب ہے۔

② مسائلِ متعددہ کو ثابت کرنے کیلئے ایک روایت کو کئی جگہوں میں ذکر کرتے ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ ہے۔

③ طرقِ احادیث کو خوب وضاحت کرتے ہیں اور اختلافِ الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ کا انداز ہے۔

④ بسا اوقات عللِ حدیث پر بھی گفتگو کرتے ہیں اور آپ کو عللِ حدیث میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو اس فن میں امام بخاری رحمہ اللہ اور ابوزرعہ رحمہ اللہ کا ہمسر قرار دیا۔

⑤ گاہ بگاہ رواۃ کے اسماء والقاب اور کنیتوں کے ابہام کی وضاحت، راویوں کے تفرد واختلاف، متابعت وعدمِ متابعت کا بیان، سماع وعدمِ سماع کا ذکر، حدیث کے مرسل، متصل، ضعیف اور منکر کی نشاندہی اور الفاظِ غریبہ کی توضیح بھی بیان کرتے ہیں۔ (شرح نسائی)

الشق الثانی.....**اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت الحسن یحدث عن ابی رافع عن ابی هریرة ان رسول الله قال اذا جلس بین شعبها الاربع ثم اجتهد فقد وجب الغسل، اخبرنا ابراهیم بن یعقوب بن اسحاق الجوزجانی قال، حدثنی عبدالله بن یوسف قال: حدثنا عیسٰی بن یونس قال: حدثنا اشعث بن عبدالملك عن ابن سیرین عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذاقعدبین شعبها الاربع ثم اجتهد فقد وجب الغسل،قال ابو عبدالرحمن هذاخطأ والصواب اشعث عن الحسن عن ابی هریرة، وقدروی الحدیث عن شعبة النضربن شمیل وغیره کما رواه خالد۔** (ص۵۱۔ج۱۔رحمانیہ) **اشرح المسئلة المذکورة۔ فسرالمراد بالشعب الاربع۔ کیف الجمع بین هذه الروایة وروایة "الماء من الماء" عند العلماء۔ ما هوالطریق الذی اختاره النسائی للجمع بینهما؟ اشرح قول ابی عبدالرحمن شرحا مبسوطًا، ووضح مراده بذلك ،وانکر کیف قال ان الصواب اشعث عن الحسن عن ابی هریرة مع ان الحسن لم یسمع من ابی هریرة۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) مسئلۂ اکسال کی تشریح (۲) شعبِ اربع کی مراد (۳) روایات میں تطبیق (۴) امام نسائی رحمہ اللہ کا طریقِ مختار (۵) ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح۔

جواب.....① مسئلۂ اکسال کی تشریح:۔ **جلوس بین شعبها الاربع** سے مراد جماع کرنا ہے یعنی غسل کا وجوب انزالِ منی پر موقوف نہیں ہے بلکہ جب مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے تو غسل واجب ہوجائے گا۔

اس مسئلہ میں اگرچہ ابتداءً بعض مہاجرین وانصار میں اختلاف رہا ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کی طرف رجوع کرنے کے نتیجہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امرِ مذکور پر اجماع ہوگیا تھا کہ اکسال (جماع بدون الانزال) کی صورت میں غسل لازم ہے اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (درسِ ترمذی ج ا ص ۳۴۰)

② شعبِ اربع کی مراد:۔ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبِ اربع کی مراد میں دو احتمال ہیں۔

① دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں مراد ہیں ② شرمگاہ کی چار اطراف اور چار کنارے مراد ہیں۔

③ روایات میں تطبیق:۔ بظاہر روایات میں تعارض ہے اس لئے کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محض دخول سے غسل لازم ہے اور حدیث **الماء من الماء** سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انزال نہ ہو اس وقت تک غسل واجب نہیں ہے۔

تطبیق کی پہلی صورت یہ ہے کہ حدیث **الماء من الماء** کا حکم منسوخ ہے اور منسوخ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **الماء من الماء** کی تخفیف شروع اسلام میں تھی بعد میں اسے ترک کر دیا گیا اور ہمیں صرف دخول کی وجہ سے غسل کا حکم دیا گیا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ جمہور نے اسی صورت کو اختیار کیا۔

تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **الماء من الماء** والی حدیث جماع کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ احتلام کے بارے میں ہے، یعنی کسی شخص نے خواب میں جماع کیا مگر بیدار ہونے کے بعد کپڑے یا جسم پر منی کے آثار نہیں ہیں تو اس پر غسل واجب نہیں ہے اور اگر جسم یا کپڑے پر منی کے آثار ہیں تو پھر غسل واجب ہے گویا **الماء من الماء** کا حکم بالکل منسوخ نہیں ہے بلکہ بعض خاص صورت (احتلام) پر اب بھی باقی ہے اگرچہ اس کا عموم باعتبار مجامعت کے منسوخ ہو چکا ہے اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں تطبیق کی اسی صورتِ مخصوصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

④ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقِ مختار:۔ سوال ہوتا ہے کہ محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے تو پھر کیسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اسی طریقِ حسن کو دوسرے طریق پر ترجیح دے رہے ہیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اشعث بن عبدالملک نے مذکورہ روایت کو ابن سیرین سے نہیں سنا بلکہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے اور اس سے پچھلی روایت سے یہ معلوم ہو چکا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابورافع رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ براہِ راست ان کا سماع واقعی ثابت نہیں ہے۔

⑤ ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح:۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **اشعث عن ابن سیرین عن ابی هريرة** غلط اور خطاء ہے، صحیح اسطرح ہے **اشعث عن الحسن عن ابی هريرة** گویا امام نسائی طریق حسن کو طریقِ ابن سیرین پر ترجیح دے رہے ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو شعبہ سے نضر بن شمیل نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ خالد نے شعبہ سے روایت کیا ہے۔ (شرح نسائی ۱:۲۷۳)

﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....**حدثنا ابو بشر بكر بن خلف ثنايحيى بن محمد بن قيس المدنى ثنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ كلوا البلح بالتمر، كلوا الخلق بالجديد فانّ الشيطان يغضب و يقول: بقى ابن آدم حتى اكل الخلق بالجديد.** (ابواب الاطعمة۔ باب اكل البلح بالتمر)

ترجم الحديث المبارك۔ قدح ابن حبان فى ابى ركيز و قد اخرج عنه مسلم فى الصحيح ۔ من هو ابو ركيز؟ انكر اقوال علماء الجرح و التعديل فيه ۔ وضّح ماقال الذهبى فى الحديث المذكور انه حديث منكر و المنكر من نوع آخر غير الموضوع ۔ وضّح ما قال العراقى "هٰذا الحديث معناه ركيك لا يطابق على محاسن الشريعة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② ابورکیز کا تعارف اور اس کے متعلق علماءِ جرح وتعدیل کے اقوال ③ امام ذہبیؒ کے قول کی وضاحت ④ امام عراقیؒ کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تر کھجور خشک کھجور کے ساتھ ملا کر

کھاؤ اور پرانی کھجور نئی کھجور کے ساتھ ملا کر کھاؤ کیونکہ شیطان غصہ ہوتا ہے اور کہتا ہے آدم کا بیٹا زندہ رہا، یہاں تک کہ پرانا میوہ نئے میوہ کے ساتھ ملا کر کھا رہا ہے۔

② ابو رکیز کا تعارف اور اس کے متعلق علماءِ جرح وتعدیل کے اقوال:۔ ابو رکیز کا نام یحیی بن محمد بن قیس المدنی ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ اسانید میں ہیر پھیر کرتا تھا، مرسل احادیث کو مرفوعا نقل کرتا تھا۔ ابن معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ چار احادیث کے علاوہ اسکی تمام احادیث صحیح ہیں۔ (رسالہ لاحقہ فی الکتاب)

③ امام ذہبیؒ کے قول کی وضاحت:۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، مگر یہ منکر موضوع ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ منکر کی دوسری قسم ہے جو ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

④ امام عراقیؒ کے قول کی تشریح:۔ امام عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی رکیک وکمزور ہے، اس کا مفہوم واضح نہیں ہے اور محاسنِ شریعۃ کے موافق نہیں ہے، اسلئے کہ شیطان محض ابنِ آدم کے زندہ رہنے سے غضبناک نہیں ہوتا، بلکہ وہ ابنِ آدم کی ایمان و اطاعت والی زندگی سے غضبناک ہوتا ہے۔

الشق الثانی.....**حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن معاوِية بنِ قرة عن اَبِيهِ قال قال رسول اللّٰهِ ﷺ لا تزال طائِفة مِن امتِي منصورِين لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة.**

ترجم الحديث۔ اشرح لفظة "طائفة" وعين نوع تنوينها۔ الحديث بظاهره يعارض قوله ﷺ لاتقوم الساعة الا على شرار الخلق" طبّق بينهما تطبيقًا مناسبًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② طائفہ کی تشریح وتنوین کی تعیین ③ طائفہ کا مصداق ④ احادیث میں تطبیق۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ قرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کی مدد میں رہے گا، نہیں نقصان پہنچا سکے گا ان کو وہ شخص جو انہیں رسوا کرنے کی کوشش کریگا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

② طائفہ کی تشریح وتنوین کی تعیین:۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ طائفہ کا اطلاق انسانوں کی جماعت پر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ طائفہ کا اطلاق ایک اور ایک سے زائد پر ہوتا ہے۔ مجاہد کے نزدیک اس کا مصداق ایک ہزار ہے اور امام اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک اس کا اطلاق ہزار سے کم پر ہوتا ہے۔ اس طائفہ کی تین خصوصیات ہوں گی: ① دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرے گا اور علوم اسلامیہ ومسائل شرعیہ میں گہرائی حاصل کرے گا ② اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے دشمنِ اسلام سے قتال کرے گا ③ تسلسلِ تاریخ یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لیکر آخر تک اس کی مکمل تاریخ ونسب نامہ موجود ہوگا۔

طائفۃٌ کی تنوین میں تین احتمال ہیں: ① تنوین برائے تقلیل: مطلب یہ کہ نصرتِ خداوندی سے مؤید لوگ بہت کم ہوں گے۔ ② تنوین برائے تعظیم: مطلب یہ کہ یہ جماعت نہایت عظیم المرتبت، عالی ہمت اور انتہائی اعلی وارفع مراتب پر متمکن ہوگی ③ تنوین برائے تکثیر: مطلب یہ کہ یہ جماعت عدد کے اعتبار سے اگرچہ کم نظر آئے گی مگر کیفیت میں بہت زیادہ ہوں گے، بڑی بڑی قومیں وطاقتیں بھی اس کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گی۔ اب بیک وقت ان تینوں احتمالات کو مراد لینا زیادہ قرینِ قیاس ہے، مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ تعداد میں انتہائی قلیل ہونے کے باوجود دنیاوی واُخروی اعتبار سے ایسے باعظمت وعالی مرتبت ہوں گے کہ ہزاروں انسان بھی ان کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ (تکمیل الحاجۃ:۲۴۰)

③ احادیث میں تطبیق:۔ سوال میں موجود پہلی حدیث میں طائفہ منصورہ کا دوام قیامت تک نہیں ہوگا بلکہ اس میں قربِ قیامت مراد ہے، یعنی قربِ قیامت تک یہ طائفہ منصورہ باقی رہے گا اور قیامت سے تقریبا ایک صدی قبل تمام مسلمان ختم ہو جائیں گے، اور دوسری حدیث اپنی حقیقت پر ہے اور اس کے مطابق قیامت کا وقوع شرار الخلق وشرار الناس یعنی صرف کافروں پر ہوگا۔ قیامت کی ہولناکی کا وقوع صرف کافروں پر ہوگا اس وقت دھرتی پر کوئی مسلمان نہ ہوگا (حاشیۂ مسلم)

0316 6267913 makkabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ (شمائل الترمذی) ١٤٤٠ھ

الشق الاوّل.....قَالَتِ السَّابِعَةُ: زَوْجِيْ عَيَايَاءُ اَوْ غَيَايَا طَبَاقَاءُ كُلُّ دَاءٍ لَهٗ دَاءٍ شَجَّكِ اَوْ فَلَّكِ اَوْ جَمَعَ كُلًّا لَكِ، قَالَتِ الثَّامِنَةُ:زَوْجِيْ اَلْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ وَالرِّيْحُ رَرْنَبٍ، قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِيْ رَفِيْعُ الْعِمَادِ ، عَظِيْمُ الرَّمَادِ، طَوِيْلُ النِّجَادِ، قَرِيْبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ،قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ؟مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ لَهٗ اِبِلٌ كَثِيْرَاتُ الْمَبَارِكِ قَلِيْلَاتُ الْمَسَارِحِ، اِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ أَيْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِكُ ۔(ص١٧۔قدیمی)

شکل العبارة ۔ ترجم العبارة کلها ترجمة رائقة سلسة۔اشرح الکلمات المعلمة بالخط لغة وصرفًا ۔ میّز المادحات من النسوة الذامّات فی هذه العبارة ۔ ما معنی "السمر"؟ بیّنه مع بیان حکمه۔ ماذا تعرف عن "خرافة"؟ اذکر قصته۔(خصائلِ نبوی۔ص٢١٩)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور توجہ طلب ہیں(١)عبارت پر اعراب (١)عبارت کا ترجمہ(٣)کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (٢)(٤)مدح وذم کرنے والی عورتوں کی وضاحت(٥)سمر کا معنی وحکم(٦)خرافہ کا تعارف وقصہ۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔**کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ ساتویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز (نامرد) ہے اور اتنا بیوقوف ہے کہ بات بھی نہیں کرسکتا، دنیا کی ہر بیماری اس میں موجود ہے(ایسا بداخلاق ہے کہ) تیرا سر پھوڑ دے یا جسم زخمی کردے یا دونوں ہی کر گزرے۔آٹھویں عورت نے کہا کہ میرے خاوند کا چھونا خرگوش کی طرح (نرم) ہے اور میرے خاوند کی خوشبو زعفران کی طرح ہے۔نویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند بلند شان والا ہے، دراز قد والا بڑا مہمان نواز ہے دارالمشورہ کے قریبی گھر والا ہے، دسویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے اور مالک کی تو کیا ہی شان ہے، مالک تو ان سب سے بہتر ہے اسکے اونٹ اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ گھر کے قریب بٹھائے جاتے ہیں چراگاہ میں بہت کم چرتے ہیں، جب وہ اونٹ باجے کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ ہلاکت کا وقت قریب ہے۔

③ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "عَيَايَاءُ" یہ عِيٌّ سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی عنین، نامرد، مباشرت سے عاجز۔

"شَجَّكِ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف از مصدر شَجًّا (نصر، ضرب) بمعنی سر کو زخمی کرنا وتوڑنا۔

"فَلَّكِ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف از مصدر فَلًّا (نصر) بمعنی جسم کو زخمی کرنا۔

"رَفِيْع" صفت کا صیغہ ہے از مصدر رِفْعَةً، رَفَاعَةً (فتح) بمعنی بلند ہونا، عالی مرتبہ ہونا۔

"عِمَاد" اسم ہے بمعنی ستون اور وہ چیز جس کا سہارا لیا جائے اور رفیع العماد بمعنی شریف آدمی۔

"طَوِيْل" صفت کا صیغہ ہے از مصدر طُوْل (نَصَرَ) بمعنی طویل اور لمبا ہونا۔

"اَلنِّجَاد" اسم ہے بمعنی پرتلہ اور طویل النجاد بمعنی لمبے پرتلے والا یعنی لمبے قد کاٹھ والا۔

"عَظِيْم" صفت کا صیغہ ہے از مصدر عِظَمًا، عَظَامَةً (کَرُمَ) بمعنی بڑا ہونا۔ "اَلرَّمَاد" یہ مفرد ہے اسکی جمع اَرْمِدَہ ہے بمعنی راکھ

"اَلْمَبَارِك" اسم ظرف جمع کا صیغہ ہے اور اس کا مفرد اَلْمَبْرَك آتا ہے بمعنی اونٹ بیٹھنے کی جگہ۔

"اَلْمَسَارِح" اسم ظرف جمع کا صیغہ ہے اور اس کا مفرد اَلْمَسْرَح آتا ہے بمعنی جانور چرنے کی جگہ، چراگاہ۔

④ مدح وذم کرنے والی عورتوں کی وضاحت:۔ ان عورتوں میں سے پہلی (سابعہ) عورت نے اپنے خاوند کی مذمت کی ہے اور اس کے علاوہ بقیہ تینوں عورتوں نے اپنے خاوندوں کی مدح کی ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔

⑤ سمر کا معنی وحکم:۔ سمر کا معنی رات کو سونے سے قبل قصہ گوئی کرنا وکہانیاں سنانا ہے۔عشاء کے بعد سونے سے قبل بے فائدہ و فضول قصہ گوئی ممنوع ہے۔البتہ وعظ وتذکیر، تعلیم وتبلیغ اور اس سے ملتے جلتے قصے سننا سنانا جائز ہے۔(کشف الباری)

باقی قصہ خرافہ کی سند پر کلام ہے، حافظؒ نے لکھا ہے کہ خرافہ کا کسی صحابیؓ نے تذکرہ نہیں کیا، پس یہ ایک گپ ہی ہے کہ خرافہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے یہ واقعہ بیان کیا۔ (تحفۃ الالمعی)

⑥ خرافہ کا تعارف وقصہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خرافہ قبیلہ عذرہ کا آدمی تھا، اسے جنات اٹھا کر لے گئے تھے اور اسے طویل عرصہ اپنی قید میں رکھا پھر اس کو واپس انسانوں میں چھوڑ گئے تھے، یہ جنات کی قید سے آنے کے بعد جنات میں دیکھے گئے عجیب وغریب واقعات بیان کرتا تھا۔ پھر کوئی بھی عجیب وغریب بات یا واقعہ ہوتا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ خرافہ کی بات ہے، آج کل ہمارے معاشرے میں بھی فضول قصہ وواقعہ کو خرافات کہا جاتا ہے۔

الشق الثانی.....لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَّغِطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ، كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَبِالْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِيْ وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ اَبْيَضُ مُشْرَبٌ، اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ، جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتِدِ اَجْرَدُ، ذُوْمَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ۔

اشرح الكلمات المعلمة بالخط لغة وصرفا۔ شكل العبارة وترجمها ترجمة سلسة۔ (ص ا۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) عبارت پر اعراب۔ (۳) عبارت کا ترجمہ۔

جواب..... ① کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "رَبْعَةٌ" مفرد ہے اس کی جمع رَبْعَاتٌ ہے بمعنی میانہ قد۔

"اَلْمُمَّغِطِ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب افتعال بمعنی کھینچنا وطویل ہونا۔

"المتردد" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب تفعل بمعنی متردد ہونا، شک وشبہ میں پڑ جانا۔

"اَلْجَعْدُ" صیغہ صفت از مصدر جَعَادَةً جُعُوْدَة (کرم) بمعنی گھنگھریالے ہونا۔

"اَلسَّبْطُ" صیغہ صفت از مصدر سَبْطًا وسُبُوْطًا (سمع) سُبُوْطَةً (نصر) بمعنی سیدھا ہونا۔

"رَجِلًا" صیغہ صفت از مصدر رَجَلًا (سمع) بمعنی بال کچھ گھنگھریالے ہونا۔

"اَلْمُطَهَّمُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از باب تفعل بمعنی موٹا، کمزور، مکمل وخوشنما۔

"اَلْمُكَلْثَمُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از باب فعللہ بمعنی بلاتر شوئی کے چہرے کا گوشت سمٹنا۔

"مُشْرَبٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از باب افعال بمعنی سفید سرخی مائل ہونا۔

"اَدْعَجٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از باب سمع بمعنی سیاہ آنکھوں والا ہونا۔

"اَلْاَشْفَارُ" یہ جمع ہے اس کا مفرد الشفر ہے بمعنی پلک کی جڑ۔ مصدر شَفَارَةً (سمع) بمعنی گھٹنا، کم ہونا۔

"اَلْمُشَاشُ" یہ جمع ہے اس کا مفرد مُشَاشَةٌ ہے بمعنی نرم ہڈی کا سرا۔ "اَلْكَتِدُ" مفرد ہے اس کی جمع اَكْتَادٌ ہے بمعنی دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ۔ "شَثِنٌ" موٹا اور پُر گوشت از باب سمع بمعنی موٹا اور سخت ہونا۔

"اَجْرَدُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از مصدر جَرَدًا (سمع) بمعنی چٹیل ہونا اور ننگا ہونا اجرد کا معنی ہے بغیر بالوں والا۔

"مَسْرَبَةٌ" مفرد ہے اس کی جمع مسارب ہے بمعنی سینے کے درمیان میں پیٹ تک کے بال، چراگاہ۔

"اَهْدَبُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از باب سمع بمعنی لمبی پلکوں والا ہونا۔

② عبارت پر اعراب:۔ كمامرّ فی السوال آنفا۔

③ عبارت کا ترجمہ:۔ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ طویل تھے نہ زیادہ پست قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں سے تھے۔ حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے، نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ تھا البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ میں تھی (یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا نہ لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً

0313 6357913 makkahbazakariyamultan@gmail.com

کہنیاں اور گھٹنے) ایسے ہی دونوں کندھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہوجاتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کے بدن پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے) آپ ﷺ کے سینے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی، آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے۔

﴿الورقة الاولٰی: السنن و الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن نسائی) ١٤٤١ھ

الشق الاوّل.....اخبرنا احمد بن سلیمان قال:حدثنا ابونعیم عن زهیر عن ابی اسحاق قال: لیس ابوعبیدة ذکره ولکن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه انه سمع عبدالله یقول: اتی النبی ﷺ الغائط وامرنی ان آتیه ثلاثة احجار فوجدت حجرین والتمست الثالث فلم اجده فاخذت روثة فاتیت بهن النبی ﷺ، فاخذ الحجرین والقی الروثة، وقال:هٰذه رکس قال ابوعبدالرحمن: الرکس طعام الجن۔

اذکراختلاف العلماء فی حکم الاستنجاء بالاحجار بدلائلهم ۔ اذکرحکم عدد الاحجار للاستنجاء عندالعلماء مع دلائلهم ۔ اشرح قول ابی اسحاق "لیس ابوعبیدة ذکره....." شرحًا مبسوطا ۔ اذکر معنی الرکس عند اهل اللغة واشرح قول ابی عبدالرحمن "الرکس طعام الجن" واکتب هل یوافق تفسیر النسائی تفسیراهل اللغة؟وان لم یوافق تفسیره تفسیرهافماهو الجواب عن الامام النسائی۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (١) استنجاء بالاحجار کے حکم میں اختلافِ ائمہ (٢) استنجاء کے لئے تعدادِ احجار میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل (٣) ابواسحٰق کے قول کی تشریح (٤) رکس کا معنی اور ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① استنجاء بالاحجار کے حکم میں اختلافِ ائمہ:۔ استنجاء بالاحجار کی کیا کیفیت ہے سنت ہے یا واجب ہے؟

احناف کے نزدیک اس میں تفصیل ہے اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہو تو اس صورت میں استنجاء بالاحجار سنت مؤکدہ ہے اور اگر مخرج سے متجاوز ہوکر درہم یا مادون الدرھم ہو تو اس صورت میں بھی فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے اور اگر مخرج سے متجاوز ہوکر مافوق الدرھم ہو تو پھر پانی سے دھونا فرض ہے استنجاء بالاحجار کفایت نہیں کرے گا۔

باقی مافوق الدرھم کا جو اعتبار ہے یہ مخرجِ نجاست سمیت ہے یا مخرجِ نجاست کے ماسوا ہے اس میں امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ مخرجِ نجاست اور مازاد علی المخرج دونوں کا مجموعہ اگر مافوق الدرھم ہو تو پانی سے دھونا فرض ہے اور شیخینؒ کی رائے یہ ہے کہ مخرجِ نجاست کے علاوہ مافوق الدرھم ہو تو پانی سے دھونا فرض ہے۔ شوافعؒ کے نزدیک مطلقاً استنجاء بالاحجار واجب ہے۔

اس اختلاف کا مدار اس پر ہے کہ اقلِ مقدارِ نجاست معاف ہے یا نہیں احناف کے نزدیک اقلِ مقدارِ نجاست معاف ہے اور شوافع کے نزدیک نجاست کی کوئی مقدار معاف نہیں اس لئے ان کے نزدیک مطلقاً استنجاء بالاحجار واجب ہے۔

احناف کی دلیل: مسئلہ اجماعیہ ہے کہ استنجاء بالاحجار جائز ہے اور ظاہر ہے کہ استنجاء بالاحجار مزیل نجاست نہیں بلکہ مقللِ نجاست ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ اجزاءِ نجاست باقی ہیں تو معلوم ہوا کہ نجاست کی کچھ مقدار معاف ہے۔

② استنجاء کیلئے تعدادِ احجار میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل:۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابن شعبان، ابوالفرج، ابن حزم ظاہری اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کے نزدیک تثلیث واجب ہے بغیر تثلیث کے استنجاء جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک تثلیث واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

ائمہ کے دلائل: قائلینِ تثلیث کی دلیل وہ احادیث شریفہ ہیں جن کے اندر حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ **من استجمر فلیوتر** یا اس طرح روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اذاخرج احدکم الی الغائط فلیذهب بثلٰثة احجار**، اس

مضمون کی روایت کو امام طحاویؒ نے ملے جلے طور پر چار صحابہ رضی اللہ عنہم سے پیش کیا ہے ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ③ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ ④ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ یا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے دس سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

فریقِ ثانی کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ جو روایات تم نے پیش کی ہیں انکے اندر دو احتمال ہیں۔ ① وِتر اور تثلیث جو حدیث شریف میں مذکور ہے وہ استحباب پر محمول ہے ② استحباب پر محمول نہیں ہے بلکہ تمہارے دعویٰ کے موافق وجوب پر محمول ہے کہ اسکے بغیر طہارت حاصل نہیں ہوسکتی ہے جب مذکورہ روایات میں دو احتمال ہیں تو بلا کسی وجہ ترجیح کے ان پر عمل کرنا درست نہیں ہوسکتا لہٰذا وجہ ترجیح کے تلاش کرنے میں غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم کسی ایک جہت کو ترجیح دے سکیں۔

فریقِ ثانی کی دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو مجھ سے کہا کہ تین پتھر تلاش کرکے لاؤ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسی جگہ تھی جہاں ڈھیلا پتھر وغیرہ موجود نہ تھے اور میں نے بہت تلاش کرکے دو پتھر اور ایک گوبر کا ڈھیلا لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پتھروں کو لے لیا اور گوبر کو یوں کہہ کر پھینک دیا کہ یہ نجس ہے، تو اس حدیث شریف سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے وہاں کوئی ڈھیلا اور پتھر وغیرہ نہ تھا اگر ہوتے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منگوانے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی شدت تلاش کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دو ہی پتھر ملتے اور مجبوراً گوبر کا ڈھیلا نہ لاتے۔ پس معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو ہی پتھروں سے استنجاء فرمایا ہے۔ ② نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین سے کم ڈھیلوں سے استنجاء کرنا اور اس پر اکتفاء کرنا ثابت ہوتا ہے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا واجب نہیں ہے بلکہ تین سے کم پر استنجاء کرنا بھی جائز ہے جبکہ اس سے صفائی حاصل ہوجاتی ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص۳۵۳)

③ ابواسحٰق کے قول کی تشریح:۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ چونکہ ابوعبیدہؒ کا سماع اپنے والد محترم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہے اس وجہ سے وہ روایت منقطع تھی تو ابواسحٰق نے انکی روایت کو اسکے اعلیٰ ہونے کے باوجود چھوڑ دیا اور اس کی جگہ عبدالرحمٰن بن اسود کی روایت موصولہ کو اختیار کیا گویا ابواسحٰق اس کلام مذکور کو نقل کرکے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں اس وقت ابوعبیدہ کے طریق سے جس میں انقطاع ہے روایت نہیں کرتا بلکہ عبدالرحمٰن بن اسود کے طریق سے جو متصل ہے اس کو ذکر کررہا ہوں۔

بہرحال اس حدیث کی روایت متعدد طرق سے ہوئی ہے لیکن امام نسائی نے یہ روایت بطریق زہیر **عن ابی اسحق عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه عن عبدالله بن مسعود** ذکر کی ہے اور ساتھ ہی ابواسحٰق کا وہ قول مذکور بھی نقل کردیا اس سے معلوم ہوا کہ انکے نزدیک ابواسحٰق کے شاگرد زہیر کا طریق راجح ہے جس سے اسناد متصل ہوجاتی ہیں۔ نہ کہ اسرائیل کا طریق جو ابواسحٰق کے دوسرے شاگرد ہیں جس سے اسناد منقطع ہوجاتی ہے کیونکہ بقول حافظ ابن حجرؒ کے ابوعبیدہ کا سماع اپنے والد محترم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس روایت کو ترجیح دی ہے جو زہیر کے طریق سے ہے اور اپنی جامع صحیح میں اسی کو جگہ دی ہے لیکن ان کے شاگرد امام ترمذی نے یہ روایت بطریق اسرائیل عن ابی اسحٰق عن ابی عبیدہ نقل کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ان کی روایت کا طریق امام بخاری کے طریقِ روایت سے زیادہ صحیح ہے اور پھر اوّل تو انہوں نے اپنے استاد امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ کی زہیر سے کی ہوئی روایت پر کلام کیا ہے اور آخر میں اپنی اسرائیل والی روایت پر بھی انقطاع کا اعتراض کیا ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے معلوم ہوا کہ اس روایت میں انقطاع ہے۔ (شرح نسائی ج۱ ص۸۶)

④ رکس کا معنی اور ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح:۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ رکس کا معنی ''پلٹا ہوا'' ہے یعنی یہ اپنی اصلی حالت چھوڑ کر دوسری حالت میں آگیا ہے یعنی یہ طہارت کی حالت سے نجاست کی طرف آگیا ہے گویا اس کے استعمال سے ممانعت اس کے نجاست ہونے کی وجہ سے ہے۔ (شرح نسائی ج۱ ص۸۹)

بعض شارحین نے کہا کہ یہ رجس (جیم کے ساتھ) ہے جسکا معنی ناپاک اور پلید ہے اور اس کی تائید ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور

031-2533723 maktababakariyamultan@gmail.com

ترمذی کی روایات سے بھی ہوتی ہے، گویا اس صورت میں بھی اسکے استعمال سے ممانعت اس کے نجاست ہونے کی وجہ سے ہے۔

امام نسائیؒ نے لغت کی کتابوں سے ہٹ کر اس کا معنی **طعام الجن** یعنی جنوں کی خوراک بیان کیا ہے، گویا اس صورت میں اس کے استعمال سے ممانعت نجاست ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ غذائیت کی وجہ سے ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ امام نسائیؒ نے رکس کا ایسا معنی کیوں بیان کیا ہے جو لغت سے ثابت ہی نہیں ہے؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ امام نسائیؒ نے لغت کی مخالفت کرتے ہوئے رکس کا کوئی نیا معنی بیان نہیں کیا بلکہ رکس کو پھینکنے کی ایک وجہ اور علت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو طعام الجن ہونے کی وجہ سے پھینکا تھا۔

الشق الثانی.....**عن ابی هريرة قال قال ابو القاسم ﷺ انّ فی الجمعة ساعة لا يوافقها عبد مسلم قائم يصلّی يسئل اللّٰه عز و جل شيئا الّا اعطاه ايّاه ، قلنا يقللها يزهدها . قال ابو عبد الرحمٰن لا نعلم احدا حدّث بهٰذا الحديث غير رباح عن معمر عن الزهری الّا ايوب بن سويد فانه حدث به عن يونس عن الزهری عن سعيد و ابی سلمة، و ايوب بن سويد متروك الحديث .**

ترجم الحديث المبارك . ما هی الساعة المستجابة يوم الجمعة؟ بيّن اقوال العلماء فيها . وضّح ما قال ابو عبد الرحمٰن . اشرح العبارة المعلمة . (باب ذكر الساعة التی يستجاب فيها الدعاء يوم الجمعة)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② جمعہ کے دن ساعتِ مستجابہ کے متعلق علماء کے اقوال ③ ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح ④ عبارت مخطوطہ کی تشریح۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ابوقاسم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت (گھڑی) ہے کہ اگر کوئی مسلمان دورانِ نماز اس ساعت کو پالے اور پھر اس میں اللہ جل جلالہ سے کوئی چیز طلب کرے تو اللہ تعالی اسے ضرور وہ چیز عطا فرماتے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم نے اس اشارے سے یہ سمجھا کہ آپ اس وقت وگھڑی کے مختصر ہونے کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

② جمعہ کے دن ساعتِ مستجابہ کے متعلق علماء کے اقوال:۔ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ شبِ قدر کی ساعتِ قبولیت اور اسم اعظم کی طرح جمعہ کے روز کی ساعتِ قبولیت بھی مبہم یعنی غیر معلوم ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ ساعت ہر جمعے کو بدلتی رہتی ہے کسی جمعہ کو دن کے ابتدائی حصہ میں آتی ہے، کسی جمعہ کو درمیانی حصہ میں اور اسی طرح کسی جمعہ کو دن کے آخری حصہ میں آتی ہے لیکن اکثر علماء کا کہنا ہے کہ وہ ساعت متعین اور معلوم ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ ساعت متعین اور معلوم ہے تو کونسی ساعت اور کونسا وقت ہے جس میں یہ عظیم ومقدس ساعت پوشیدہ ہے۔ اس بارے میں پینتیس اقوال منقول ہیں:

① جمعہ کے روز فجر کی نماز کیلئے مؤذن کے اذان دینے کا وقت۔ ② فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک کا وقت۔ ③ عصر سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت۔ ④ خطبہ کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے تکبیر تحریمہ کہے جانے تک کا وقت۔ ⑤ آفتاب نکلنے کے فورا بعد کا وقت۔ ⑥ طلوعِ آفتاب کا وقت۔ ⑦ ایک پہر باقی دن کی آخری ساعت۔ ⑧ زوال شروع ہونے سے آدھا سایہ ہوجانے تک کا وقت۔ ⑨ زوال شروع ہونے سے ایک ہاتھ سایہ آجانے تک کا وقت۔ ⑩ ایک بالشت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے ایک ہاتھ آفتاب ڈھل جانے تک کا وقت۔ ⑪ عین زوال کا وقت۔ ⑫ جمعہ کی نماز کیلئے مؤذن جب اذان کہے وہ وقت۔ ⑬ زوال شروع ہونے سے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔ ⑭ زوالِ آفتاب تک کا وقت۔ ⑮ خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز جمعہ شروع ہونے تک کا وقت۔ ⑯ امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔ ⑰ خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے اور ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔ ⑱ اذان سے ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔ ⑲ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پوری ہوجانے تک کا وقت۔ ⑳ خرید وفروخت کے حرام ہونے اور ان کے حلال ہونے کے درمیان کا

0313 6527913 maktabazakariyamultan@gmail.com

وقت یعنی اذان کے وقت سے نماز جمعہ ختم ہوجانے تک۔ ㉑ اذان کے قریب کا وقت۔ ㉒ امام کے خطبہ شروع کرنے سے خطبہ ختم کرنے تک کا وقت۔ ㉓ خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے اور خطبہ شروع کرنے کا درمیانی وقت۔ ㉔ دونوں خطبوں کے درمیان سے امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔ ㉕ نماز کیلئے تکبیر شروع ہونے سے امام کے مصلے پر کھڑے ہونے تک کا وقت۔
(خطبہ سے فراغت کے بعد امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔تکبیر شروع ہونے سے اختتامِ نماز تک کا وقت۔جمعہ کی نماز سے فراغت کے فورا بعد کا وقت۔نمازِ عصر کے درمیان کا وقت۔عصر کی نماز سے غروب آفتاب سے پہلے نماز کا آخری وقتِ مستحب رہنے تک کا وقت۔مطلقا نماز عصر کے بعد کا وقت۔نمازِ عصر کے بعد کی آخری ساعت۔جب آفتاب ڈوبنے لگے۔)

منقول ہے کہ حضرت علی وحضرت فاطمۃ الزہراء اور تمام اہلِ بیتِ نبوت رضی اللہ عنہم اپنے خادموں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ ہر جمعہ کے روز آخری گھڑی کا خیال رکھیں اور اس وقت سب کو یاد دلائیں تاکہ وہ سب اس گھڑی میں پروردگار کی عبادت اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہوجائیں۔(توضیحات)

③ ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح:۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ رباح کے علاوہ کسی بھی راوی نے اس حدیث کو معمر عن الزہری کی سند سے نقل نہیں کیا، البتہ ایوب بن سوید نے اس حدیث کو یونس عن الزہری عن سعید وابی سلمہ کی سند سے روایت کیا ہے اور ایوب بن سوید متروک الحدیث راوی قرار دیا گیا ہے۔

④ عبارت مخطوطہ کی تشریح:۔ اس عبارت میں **یزھدھا** جملہ **یقللھا** کی تفسیر ہے۔جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم نے آپ کے اشارے سے یہی اندازہ لگایا کہ آپ اس ساعتِ اجابہ (قبولیت کی گھڑی) کو قلیل ومختصر قرار دے رہے ہیں۔

﴿السوال الثانی﴾(سنن ابن ماجه) ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**عن عبدالله بن عمروقال قال رسول الله ﷺ: العلم ثلاثة، فماوراء ذلك فهو فضل: آية محكمة او سنة قائمة اوفريضة عادلة.**(ص۶-قدیمی) **ترجم الحديث واشرحه ـ هل النحو والصرف وعلوم العربية كلها من فضول العلم ام من اصوله، اذكر فى ضوء هذاالحديث ؟ من هو عبدالله بن عمرو؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) علم صرف ونحو وعلوم عربیہ کی وضاحت (۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تعارف۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصل علم تین ہیں اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ زائد ہیں (اور وہ تین یہ ہیں)۔آیت محکمہ اور سنت متناولہ اور فریضہ عادلہ۔

② حدیث کی تشریح:۔ **العلم** پر الف لام عہد ذہنی کے لئے ہے اس سے مراد اصل علوم دین ہیں یعنی وہ علوم جن پر دینِ اسلام کی بنیاد ہے وہ تین ہیں اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں مثلاً علم نحو، علم صرف، علم منطق، علم کلام، علم طب، علم بیان، علم معانی، علم بلاغت، علم بدیع، علم عروض، علم قوافی، علم ہندسہ، علم فلسفہ، علم ہیئت، علم میقات اور اس جیسے دیگر علوم سب زائد از ضرورت ہیں ان کا حصول ضروری نہیں ہے اور نہ مقصود ہے بلکہ مقصود تو صرف علم قرآن وحدیث اور اس کے متعلقات ہیں ان کے علاوہ دیگر علوم محض قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لئے آلہ اور ذریعہ ہیں، مقصود نہیں ہیں۔

"**اٰية محكمة**" سے مراد وہ آیات ہیں جو نہ منسوخ ہیں اور نہ ان کی مراد میں کسی قسم کا اشتباہ ہے اور نہ ہی اس میں چند معانی کے احتمالات ہیں، بلکہ اس کے معنیٰ بالکل واضح اور متعین ہیں قیاس اور رائے زنی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

"**سنة قائمة**" اَوْ۔ برائے تنویع ہے سنت قائمہ سے مراد وہ معمول بہا احکام ومسائل ہیں جو آپ علیہ السلام سے بسند صحیح ثابت اور منقول ہیں بعض لوگوں نے سنت قائمہ سے مراد قائم العمل بتلایا ہے یعنی وہ احکام جن پر ہمیشہ عمل ہوتا ہو۔

"فریضة عادلة" اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے چار اقوال نقل کئے ہیں۔

① فریضہ عادلہ سے وہ تمام احکام ومسائل مراد ہیں جو کتاب وسنت اور ایسے اجماع وقیاس سے مستنبط اور مستخرج ہوں جو وجوب عمل اور صدق وصواب ہونے میں منصوص کے حکم کے مساوی ہیں۔ ② فریضہ عادلہ سے مراد وہ احکام ہیں جن کی تعدیل و تصدیق قرآن وسنت کرے۔ ③ فریضہ عادلہ سے مراد وہ تمام مسائل شریعہ مستنبطہ ہیں جن پر مسلمانوں نے اتفاق کرلیا ہو۔ ④ فریضہ عادلہ سے مراد علم فرائض کے وہ احکام ہیں جن سے ترکہ کو ورثہ کے درمیان عدل وانصاف سے تقسیم کیا جائے، خلاصہ یہ ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ اجماع اور قیاس کو فریضہ عادلہ کہا جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم تین ہیں ① **علم الکتاب، آیة محکمة** سے اسی کی جانب اشارہ ہے اور آیات محکمات ہی اصل کتاب اور دین کی اصل اصیل ہیں ② **علم السنه، سنة قائمة** سے اسی کی جانب اشارہ ہے اسکے اندر حفاظت حدیث کے تمام ذرائع مثلاً رواۃ جرح وتعدیل، اسانید حدیث کی صحت وضعف، اقسام حدیث کی معرفت اور متون حدیث کی حفاظت وغیرہ بھی علم السنۃ کے تحت آتے ہیں ③ **علم الاجماع والقیاس**، فریضہ عادلہ سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۱۲۷)

③ علم صرف ونحو وعلوم عربیہ کے اصول یا فضول ہونے کی وضاحت:۔ **کمامرّ آنفا۔**

④ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید (بالتصغیر) السہمی ہیں، انکی کنیت ابومحمد، ابوعبدالرحمٰن یا ابونصیر ہے، عبادلۂ اربعہ میں سے ایک ہیں۔

ان کا شمار فی الحقیقت حضرات صحابۂ مکثرین میں ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ ان کی روایات ہم تک کم پہنچی ہیں اس لئے ان کو مکثرین فی الحدیث میں شمار نہیں کیا گیا۔ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابتِ حدیث کی اجازت مانگی تھی اور احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جس کا نام انہوں نے "الصحیفۃ الصادقۃ" رکھا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **مامن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثا عنه منی، الا ماکان من عبداللّٰه بن عمرو، کان یکتب ولااکتب۔**

ان کی روایات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ کل سات سو ہیں جن میں سے متفق علیہ سترہ احادیث ہیں پھر آٹھ احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں اور بیس حدیثوں میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

یہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے، ان کے اور ان کے والد کی عمر میں گیارہ یا بارہ سال کا فرق بتایا جاتا ہے۔ صحابہ کرام میں بڑے عابد وزاہد صحابی مشہور ہیں۔ اسی طرح کتبِ سابقہ کے مطالعہ میں بھی دوسروں سے ممتاز تھے۔ اصح قول کے مطابق ایامِ حرّہ میں طائف کے مقام پر ان کی وفات ہوئی۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۶۷۹)

الشق الثانی..... **حدثنا محمد بن عبدالملك ثنا ابوعاصم العبادانی ثنا الفضل الرقاشی عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبداللّٰه قال قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم بینا اهل الجنة فی نعیمهم اذسطع لهم نور فرفعوارؤسهم، فاذاالرب قداشرف علیهم من فوقهم فقال:السلام علیکم یااهل الجنة. قال وذلك قول اللّٰه:سلام قولا من رب رحیم. قال فینظرالیهم وینظرون الیه ولایلتفتون الی شیئ من النعیم ماداموا ینظرون الیه حتی یحتجب عنهم ویبقی نوره وبرکته علیهم فی دیارهم.** (ص ۱۶۔ قدیمی)

ترجم الحدیث. یظهر من ظاهرالحدیث نظرا الی قوله "قداشرف علیهم من فوقهم" ان النساء لایرین ربهنّ فماهوالمخلص منه؟ قال بعض المحدثین هذاالحدیث موضوع. اذکر من هوالمتهم فی سندالحدیث وحرراقوال المحدثین فی جرحه وتوثیقه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں: (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) عورتوں کے رؤیتِ باری تعالیٰ کرنے کی

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

وضاحت (۳) متہم فیہ راوی کی تعیین ومحدثین کے اقوال۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان کہ جنت والے اپنی اپنی نعمتوں میں (مست ومگن) ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہوگا چنانچہ اہلِ جنت اپنے اپنے سروں کو اٹھائیں گے تو رب تعالیٰ ہونگے جو ان پر اوپر سے جلوہ افروز ہونگے اور کہیں گے سلامتی ہو تم لوگوں پر اے اہلِ جنت اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول **سلام قولا من رب رحیم** کا، اہلِ جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور کسی بھی نعمت کی طرف متوجہ نہیں ہونگے وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ ان سے چھپ جائے گا اور اس کا نور اور اس کی برکت ان کے دیار پر باقی رہ جائیگی۔

② عورتوں کے رؤیتِ باری تعالیٰ کرنے کی وضاحت:۔ حق تعالیٰ کا یہ جلوہ افروز ہونا مردوں وعورتوں دونوں کے لئے ہوگا یا صرف مردوں کے لئے ہوگا؟ تو اس بارے میں شدید اختلاف ہے۔ شاہ عبدالغنی مجددی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ جلوہ افروز ہونا تمام جنتیوں کے لئے ہوگا خواہ مرد ہو یا عورتیں ہوں۔ اہلِ جنت کے عموم لفظ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ نعمتِ عظمیٰ تمام جنت والوں کے لئے ہو۔ (تکمیل الحاجہ وحاشیہ)

③ متہم فیہ راوی کی تعیین ومحدثین کے اقوال:۔ علامہ ابنِ جوزی نے عبداللہ بن عبیداللہ ابوعاصم العبادانی کے طریق سے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے نیز الفضل رقاشی بھی کوئی اچھا راوی نہیں ہے، ائمہ جرح وتعدیل نے اس کیلئے **رجلٌ سوءٌ** کا لفظ استعمال کیا ہے۔ امام عقیلی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صرف عبداللہ بن عبیداللہ کے طریق سے مروی ہے، اس کا کوئی متابع بھی موجود نہیں ہے اور انہوں نے عبداللہ بن عبیداللہ کو منکر الحدیث قرار دیا ہے اور لکھتے ہیں کہ مذکورہ امور کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہوسکتی ہے البتہ اس کو موضوع قرار نہیں دے سکتے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ (حاشیہ)

﴿السوال الثالث﴾ (شمائل الترمذی) ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل .....عن محمد بن سیرین قال کنا عِند ابِی هریرة وعلیهِ ثوبانِ ممشقانِ مِن کتان فتمخط فی احدهما فقال ابو هریرة بخ بخ یتمخط ابو هریرة فِی الکتانِ لقد رأیتنِی وانِّی لاخِر فِیما بین مِنبرِ رسولِ اللّٰهِ ﷺ وحجرة عائِشة مغشِیا علیّ فیجِیئ الجائِی فیضع رِجله علی عنقِی یری ان بِی جنونا وما بِی جنون وما هو اِلا الجوع ۔ (باب ما جاء فی عیش رسول اللّٰه ﷺ)

ترجم الحدیث و اشرحه ۔ اذکر ما تَعلم عن معیشة رسول اللّٰه ﷺ ۔ اشرح ماقال مالك بن دینار: ما شبع رسول اللّٰه ﷺ من خبز قط و لا لحم الّا علیٰ ضعف ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ .....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ آپ ﷺ کے معاش کی وضاحت ④ مالک بن دینارؒ کے قول کی تشریح۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس تھے، ان پر کتان کے دو کپڑے تھے، ابوہریرہؓ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ واہ واہ! آج ابوہریرہ کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبوی اور حضرت عائشہ کے حجرہ کے درمیان شدت بھوک کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھے مجنوں سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقتاً مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا بلکہ شدت بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہوجاتی تھی۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مشہور تابعی محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کی مجلس میں تھے، ان پر کتان کے قیمتی قسم کے دو کپڑے تھے، ابوہریرہؓ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ واہ واہ ابوہریرہ! تیری کیا شان ہے؟ آج مال کی فراوانی کی وجہ سے کتان جیسے عمدہ کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ بھی تھا

کہ لوگ گردن پر پاؤں رکھ کر چیک کرتے تھے کہ شاید مرگی کے دورے ہیں، حالانکہ میں مرگی کی وجہ سے نہیں بلکہ بھوک و فاقہ کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔

③ آپ ﷺ کے معاش (گزر بسر) کی وضاحت:۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تنگی کا یہ حال ہے تو خود آپ ﷺ کے حالات کیسے ہوں گے، کیوں کہ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ آتا تھا وہ سب اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم پر خرچ کر دیا جاتا تھا، اپنے پاس کچھ بھی بچا کر یا ذخیرہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، اسی کی وضاحت کرتے ہوئے مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دعوت کے علاوہ عمومی حالات میں کبھی پیٹ بھر کر روٹی و گوشت نہیں کھایا۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق کئی کئی دن گھر میں آگ نہ جلتی تھی، کھجور و پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ بھوک و فاقہ کشی کا مشہور واقعہ ہے کہ جنگ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھایا تو آپ ﷺ نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ روایات میں آپ ﷺ کے کثرت سے نفلی روزے رکھنے کی وجہ بھی یہی بیان کی گئی ہے کہ گھر میں کھانے کیلئے کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔

④ مالک بن دینارؒ کے قول کی تشریح:۔ مالک بن دینارؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت کے علاوہ عمومی حالات میں کبھی پیٹ بھر کر روٹی و گوشت نہیں کھایا۔ صرف دعوت کے موقع پر پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔

الشق الثانی.....**عن عبدِ اللّٰہِ بنِ مسعود قال قال لِی رسول اللّٰہِ ﷺ اقرأ علیّ فقلت یا رسول اللّٰہِ اقرأ علیك وعلیك أُنزل؟ قال إنّی أُحِب ان اسمعه مِن غیرِی فقرأت سورة النِساءِ حتی بلغت (وجِئنا بِك علی هٰؤلاءِ شهِیدا) قال فرأیت عینی رسولِ اللّٰہِ تهمِلانِ۔ (باب ما جاء فی بکاء رسول اللّٰہ ﷺ)**

ترجم الحدیث و اشرح الجمل المعلمة۔ اذکر ما تعلم عن بکاء رسول اللّٰہ ﷺ۔ اشرح ما قال عبد اللّٰہ بن الشخیر: اتیت رسول اللّٰہ ﷺ وهو یصلّی و لجوفه ازیز کازیز المرجل من البکاء۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② مخطوطہ جملوں کی تشریح ③ آپ ﷺ کے رونے کی وضاحت ④ عبداللہ بن شخیرؓ کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سنا میں نے عرض کیا کہ حضور آپ ہی پر تو قرآن نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ میں نے (امتثالِ حکم میں) سنانا شروع کیا اور سورت نساء پڑھنا شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا **فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هٰؤلآء شهید** (پس اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کیلئے حاضر کریں گے)۔ تو میں نے حضور اکرم ﷺ کی آنکھوں کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں رونے کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

0312 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② مخطوطہ جملوں کی تشریح:۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کردہ پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ میرے آقا! قرآن کریم تو آپ ہی پر نازل ہوا ہے، اسکے پڑھنے کو آپ یقیناً ہم سے بہتر اور زیادہ جانتے ہیں، پس آپ میرے سے کیوں سننا چاہتے ہیں؟

دوسرے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب میں سورۂ نساء کی اس آیت پر پہنچا تو میں نے حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھیں رونے کی وجہ سے بہہ رہی تھیں، یعنی رونے کی وجہ سے چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

③ آپ ﷺ کے رونے کی وضاحت:۔ آپ ﷺ کے رونے کی وجہ اور سبب کیا تھا؟ اسکی وجہ کے متعلق مختلف کلام کئے گئے ہیں:
① آپ ﷺ کلام اللہ کی عظمت و جلالِ شان کی وجہ سے روئے۔ ② قیامت اور محشر کے سخت حالات کے تصور کی وجہ سے روئے۔
③ آیت کو سن کر قیامت کا منظر سامنے آیا اور امت کے گناہ گاروں کے حال پر شفقت کی وجہ سے روئے۔ (خصائلِ نبوی)

④ عبداللہ بن شخیرؓ کے قول کی تشریح:۔ عبداللہ بن شخیرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ

کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے یعنی جب ہنڈیا میں کوئی چیز پکائی جارہی ہو تو جوش اور اُبال کے وقت اس میں سے جیسی آواز آتی ہے کمالِ خشوع وخضوع کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ سے ایسی ہی آواز آرہی تھی۔

﴿الورقة الاولٰی: السنن مع الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾(سنن النسائی) ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل.....ان ثمامة بن اثال الحنفی انطلق الی نخل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال: اشهد ان لااله الّاالله وحده لاشریك له وان محمدا عبده ورسوله یامحمد والله ماکان علی الارض وجه ابغض الی من وجهك، فقد اصبح وجهك احب الوجوه کلها الی، وان خیلك اخذتنی وانا ارید العمرة فماذا تری؟ فبشره رسول الله ﷺ وامره ان یعتمر۔(ص۵۱۔ج۱۔رحمانیہ)

من هو ثمامة بن اثال الحنفی؟عرفه ۔ ترجم الامام النسائی علی هذاالحدیث "تقدیم غسل الکافر اذا ارادان یسلم"انکر حکم اغتسال من یرید الاسلام عندالائمة، هل یقدم علی الاسلام ام یؤخرعنه ۔ انکرقصة الحدیث۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل تین امور ہیں(۱)ثمامہ بن اثال حنفی کا تعارف (۲)اسلام لانے والے شخص کے غسل کا حکم(۳)قصۂ حدیث کی وضاحت۔

جواب..... ① ثمامہ بن اثال حنفی کا تعارف:۔ ثمامہ بن اثال الحنفی اہلِ یمامہ کے سردار تھے،قید ہوکر آئے نبی کریم ﷺ نے ان کو رہا کردیا یہ گئے اور اپنے کپڑے دھوئے اور غسل کیا اور پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آکر اسلام قبول کیا اور بہت اچھا اسلام لے آئے۔ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کی ہے۔

② اسلام لانے والے شخص کے غسل کا حکم:۔ جمہور کے نزدیک اسلام لانے کے بعد غسل کرنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے اسلئے کہ آپ ﷺ نے ہر نئے مسلمان ہونے والے شخص کو غسل کا حکم نہیں دیا، اگر یہ غسل لازم ہوتا تو آپ ﷺ ہر نئے مسلمان کو یہ غسل کرنے کا حکم دیتے اور اگر مسلمان ہونے والا شخص جنبی ہو تو پھر قولِ صحیح کے مطابق اس پر غسل واجب ہے کیونکہ جنابت ایسی چیز ہے جو اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے والے شخص پر غسل کرنا واجب ہے۔

البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ پہلے اسلام قبول کرے گا یا پہلے غسل کرے گا اور بعد میں اسلام قبول کرے گا۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعظیم کی وجہ سے پہلے غسل کیا اور بعد میں کلمۂ طیبہ کا اقرار کیا مگر اسلام کو غسل پر مقدم کرنا بہتر واولیٰ ہے اسلئے کہ سب سے پہلے اسلام ہے باقی تمام احکام بعد میں ہیں۔(شرح نسائی ۱:۲۷۱)

③ قصۂ حدیث کی وضاحت:۔ حضرت ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ اہلِ یمامہ کے سردار تھے،ایک دفعہ یہ جارہے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو پکڑ لیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں لے آئے چنانچہ یہ مسجد کے قریب ایک پانی کے چشمے پر تشریف لائے پھر غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوئے،اسکے بعد انہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے، پھر کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ! اسلام لانے سے پہلے روئے زمین پر میرے سامنے کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں تھا لیکن آج میرے اسلام لانے کے بعد روئے زمین پر میرے سامنے کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔اور آپ ﷺ کے شہسواروں نے مجھے قید کرلیا حالانکہ میرا عمرے کا ارادہ تھا،پس اب آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ ﷺ نے ان کو خوشخبری دی کہ اسلام لانے کی وجہ سے تمہارے سابقہ تمام گناہ معاف کردیئے گئے ہیں اور حکم دیا کہ وہ عمرہ کرلیں۔

الشق الثانی.....عن انس ان اعرابیا بال فی المسجد فقام علیه بعض القوم فقال رسول الله ﷺ دعوه لاتزرموه فلمافرغ دعا بدلو فصبه علیه۔(ص۳۰۔ج۱) ترجم الحدیث ۔ من هوالاعرابی ۔ هل الارض النجسة تطهر بالجفاف ام لابد من صب الماء علیها وعلی الاوّل لم اختار النبی ﷺ صب الماء ولم یکتف بالجفاف۔

0313 6[illegible]913 nadirbhaizakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اعرابی کا نام (۳) زمین کی تطہیر کا طریقہ۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی شخص) نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کردیا بعض لوگ اس کو پکڑنے یا مارنے کے لئے اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس کو مت جھڑکو، پس جب وہ پیشاب سے فارغ ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور اسکو پیشاب پر بہادیا۔

② اعرابی کا نام:۔ مسجد میں پیشاب کرنے والا شخص کون تھا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اقرع بن حابس، بعض نے عیینہ بن حصین اور بعض نے ذوالخویصرہ یمانی یا تمیمی کا نام ذکر کیا ہے اور یہی قول راجح ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۸۱)

③ زمین کی تطہیر کا طریقہ:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر زمین پیشاب وغیرہ سے ناپاک ہوجائے تو اس پر بکثرت پانی ڈالنے سے وہ پاک ہوجاتی ہے اس کے علاوہ زمین کی تطہیر کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ناپاک زمین کی تطہیر کے تین طریقے ہیں: ① زمین کو کھرچ کر ناپاک مٹی کو پھینک دینے سے زمین پاک ہوجاتی ہے ② ناپاکی پر بکثرت پانی بہادینے سے بھی زمین پاک ہوجاتی ہے ③ زمین کے ازخود خشک ہونے سے بھی زمین پاک ہوجاتی ہے خواہ دھوپ سے خشک ہویا ہوا وغیرہ سے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مکلّف کو تینوں طریقوں میں اختیار ہے کہ جو طریقہ مرضی اختیار کرے اور حدیث الباب میں حصولِ طہارت کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ کو اختیار کیا گیا، جو حنفیہ کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔

لہٰذا حدیث الباب حنفیہ کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ لوگوں نے سمجھا ہے کیونکہ حنفیہ کا اصول ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں متعدد روایات مروی ہوں تو حتی الامکان انکو جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر جمع کرنا مشکل ہو تو پھر ترجیح کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی حنفیہ نے تمام روایات کو قابل عمل سمجھا ہے۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے کہ انہوں نے زمین کی تطہیر کو صرف پانی بہانے تک محدود رکھا ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پانی کیوں بہایا؟ خشک ہونے پر اکتفاء کیوں نہ کیا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ زمین کے خشک ہونے کیلئے وقت درکار ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ نماز کا وقت قریب ہو اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر پانی کا ڈول منگوا کر اسکے اوپر بہایا تاکہ فی الفور وہ جگہ نماز کیلئے قابلِ استعمال ہوسکے۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ (شمائل ترمذی) ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل.....قال أبوعيسى: سمعت ابا جعفر محمد بن الحسين يقول: سمعت الاصمعى يقول فى تفسير صفة النبى صلى الله عليه وسلم: الممغط: الذاهب طولًا، قال: و سمعت اعرابيًا يقول فى كلامه: تمغط فى نشابته: اى مدّها مدًّا شديدًا والمتردّد: الداخل بعضه فى بعض قصرًا وامّا القطط: فالشديد الجعودة والرجل: الذى فى شعره حجونة: اى تثنّ قليلا وأمّا المطهم: فالبادن الكثير اللحم. والمكلثم: المدوّر الوجه والمشرب: الذى فى بياضه حمرة والأدعج: الشديد سواد العين والاهدب: الطويل الاشفار والكتد: مجتمعة الكتفين وهو الكاهل.

اشرح العبارة بحيث تتّضح به معانى الكلمات المذكورة فيها. قد وصف هند بن ابى هالة رسول الله صلى الله عليه وسلم بأنه كان "أزجّ الحواجب سوابغ من غير قرن بينهما" و "أقنى العرنين له نور يعلوه" وضّح قوله.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں: ① عبارت کی تشریح ② حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وضاحت۔

جواب ..... ① عبارت کی تشریح:۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن حسین کو سنا وہ امام لغت اصمعی کے حوالہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں کہ "**ممغط**" بہت لمبے کو کہتے ہیں چنانچہ امام اصمعی نے ایک دیہاتی کا کلام سنا جس میں اس نے **تمغط** کا لفظ استعمال کیا **تمغط فی نشابته** (اس نے کمان میں تیر ڈال کر بہت کھینچا) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف **ممغط** کا بھی یہی معنی ہے۔ "**متردد**" اتنا ٹھگنا و چھوٹا قد کہ بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں۔ "**قطط**" بہت ہی چھوٹے و گھنگریالے بال۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

"الرجل" بالوں کا کچھ گھنگریالا ہونا۔ "المطهم" بہت موٹا و بھاری بھرکم ہونا۔ "المكلثم" گول چہرے والا۔ "المشرب" ایسی سفیدی جس میں معمولی سرخی بھی ہو۔ "ادعج" آنکھ کی پتلی کا انتہائی سیاہ ہونا۔ "اهدب" پلکوں کا طویل ہونا۔ "الكتد" کندھوں کا درمیانی حصہ جسے کاہل بھی کہتے ہیں۔ (انہی الفاظ کی مزید تحقیق.....کما مر فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۶ھ)

② حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وضاحت:۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو خمدار باریک و گنجان تھے اور دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے اور أزج کے لفظ سے اشارہ کیا کہ یہ قدرتی باریکی و فاصلہ تھا بناوٹی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک بلندی مائل تھی، اس پر چمک و نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی ناک والا سمجھتا، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے ناک بلند معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں زیادہ بلند نہیں ہے۔

﴿السوال الاوّل﴾ (سنن نسائی) ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....اخبرنا علی بن حجر اخبرنا علی بن مسهر عن الاعمش عن ابی رزین و ابی صالح عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الكلب فی اناء احدكم فليرقه ثم يغسله سبع مرات ۔ قال ابو عبدالرحمن لا اعلم احدا تابع علی بن مسهر علی قوله فليرقه ۔ (ص۴۷۔ج۱۔رحمانیہ)

اذكر اختلاف العلماء فی طهارة سؤر الكلب ونجاسته و فی طريق تطهيره بالتثليث والتسبيع بجميع تفاصيله فی ذلك و ادلتهم۔ ترجم الحديث المبارك و اذكر قول ابی عبدالرحمن النسائی بايضاح و تفصيل۔ ما الغرض بامر بقتل الكلاب ثم الترخيص فی احياء بعضها؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں ① سورِ کلب کی طہارت و نجاست میں اختلاف ② سورِ کلب کی تطہیر میں اختلاف مع الدلائل ③ حدیث کا ترجمہ ④ امام نسائی کے قول کی وضاحت ⑤ پہلے کتوں کو مارنے اور پھر بعض کو چھوڑنے کے حکم کی وجہ۔

جواب..... ① سورِ کلب کی طہارت و نجاست میں اختلاف مع الدلائل:۔ جمہور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں سور کلب ناپاک ہے امام مالک رحمہ اللہ کے مشہور قول میں ولوغِ کلب سے برتن ناپاک نہیں ہوتا البتہ سات مرتبہ دھونے کا حکم تعبدی ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو کہ ان الفاظ سے مروی ہے قال رسول الله ﷺ طهور اناء احدكم اذا ولغ فيه الكلب ان يغسله سبع مرات، یہ حدیث معمولی لفظی اختلاف سے صحاح ستہ میں مذکور ہے اور دوسری دلیل بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان رسول الله ﷺ قال اذا شرب الكلب فی اناء احدكم فليغسله سبع مرات او سبعًا (بخاری) مسلم کے الفاظ یہ ہیں فليهرقه ثم ليغسله سبع مرات اگر پانی پاک ہوتا تو گرانے اور ضائع کرنے کا حکم نہ ہوتا کیونکہ یہ اسراف ہے جو کہ ممنوع ہے بالخصوص عرب میں اس وقت پانی کی قلت تھی۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل عن ابن عمر قال كانت الكلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول الله ﷺ فلم يكونوا يرشون شيئًا من ذلك ظاہر ہے کتا منہ کھول کر چلتا ہے تو اس کے آنے جانے میں لعاب گرتا ہوگا اگر لعاب ناپاک ہوتا تو مسجد کو دھونے کا حکم ہوتا جب لعاب ناپاک نہیں تو اس کا جھوٹا بھی ناپاک نہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے غیر مرئی نجاست کے خشک ہونے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

نیز ایک روایت میں تقبل وتدبر کیساتھ تبول (بول کلب) کا اضافہ بھی ہے جو کہ خود مالکیہ کے نزدیک بھی ناپاک ہے۔

② سورِ کلب کی تطہیر میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول امام شافعی، امام محمد ابن سیرین، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابوعبید رحمہم اللہ، عروہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نزدیک سؤر کلب سے برتن سات مرتبہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہوسکتا۔ نیز امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان ساتویں میں سے پہلی مرتبہ رگڑنا بھی واجب ہے۔

حضرت حسن بصری اور امام احمد ابن حنبل رحمہما اللہ کا مشہور قول جس پر انکا فتویٰ ہے یہ ہے کہ سؤرِ کلب سے آٹھ مرتبہ دھونا واجب

0315 6337913 maktabamakkariyamultan@gmail.com

ہے ان میں سے آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھنا بھی واجب ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور جمہور احناف رحمہم اللہ کے نزدیک کتے کے جھوٹے سے عام نجاستوں کی طرح تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے۔ نہ سات مرتبہ واجب ہے اور نہ مٹی سے رگڑنا واجب ہے۔

شوافع و مالکیہ کے دلائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں کتے کے جھوٹے سے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور پہلی مرتبہ یا ساتویں مرتبہ مٹی سے رگڑنے (مانجھنے) کا بھی حکم ہے۔ ② یہ قاعدہ اور ضابطہ ہے **الزائد اولی من الناقص** یعنی ناقص کے مقابلہ میں زائد اولیٰ ہوتا ہے، لہٰذا جن دلائل سے تین مرتبہ دھونا ثابت ہے ان کے مقابلہ میں وہ دلائل اولیٰ ہونگے جن سے سات مرتبہ دھونا ثابت ہے۔ مذہب ثانی کی دلیل: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں آٹھ مرتبہ دھونے کا ذکر ہے اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھنے ورگڑنے کا حکم ہے۔

مذہب ثالث یعنی حنفیہ کی پہلی دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی سونے سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، اسلئے کہ ممکن ہے اس کا ہاتھ ناپاکی پر لگا ہو۔

طریقِ استدلال یہ ہے کہ اس زمانہ میں پانی کی قلت کی بناء پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پیشاب و پاخانہ کرنے کے بعد استنجاء بالماء نہیں کرتے تھے بلکہ استنجاء بالاحجار کرتے تھے اور استنجاء بالاحجار کی صورت میں لازمی طور پر نجاست کا کچھ حصہ مخرج میں باقی رہ جاتا ہے جو پسینہ کی وجہ سے سڑ جاتا ہے تو اب سونے کی حالت میں اگر ہاتھ اس سڑے ہوئے مقام پر پہنچ جائے تو لازمی طور پر ہاتھ ناپاک ہوجائے گا اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ پاخانہ و پیشاب کتے کے لعاب کے مقابلہ میں غلیظ ترین نجاست ہے تو جب یہ پاخانہ و پیشاب (غلیظ ترین نجاست) سے ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے تو سورِ کلب جو اخفِ نجاست ہے اس سے برتن کا تین مرتبہ دھونے سے پاک نہ ہونا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ لہٰذا آپ کو کہنا پڑے گا کہ سورِ کلب سے تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے۔

حنفیہ کی دوسری دلیل: نظرِ طحاوی رحمہ اللہ کے عنوان سے مابعد میں آرہی ہے۔

حنفیہ کی طرف سے پہلے دونوں مذاہب کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کی روایت کے متن میں شدید اختلاف واضطراب ہے بعض جگہ **سبع مرات** بعض جگہ **ثلاث مرات** بعض جگہ **خمسا** اور بعض جگہ **سبعا** کے الفاظ ہیں۔

نیز اسی طرح کسی جگہ **اولٰھن بالتراب** کسی جگہ **السابعة بالتراب** کسی جگہ **الثامنة بالتراب** اور کسی جگہ **اخراھن بالتراب** کے الفاظ ہیں اور جس حدیث کے متن میں اس قدر اضطراب واختلاف ہو اس سے کسی حکم وجوبی کے ثبوت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔

نیز ان تمام روایات سے تین مرتبہ دھونا تو یقینی طور پر ثابت ہے اور زائد کے بارے میں احتمال ہے اس لئے تین مرتبہ دھونا واجب ہوگا اور زائد دھونا استحباب کے مرتبہ ودرجہ میں ہوگا۔ نیز شوافع کی پہلی دلیل کا ایک اور جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ان کی روایت کے خلاف ہے اور جب راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت کے منسوخ ہونے کی علامت ہے لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سات مرتبہ دھونا واجب نہیں ہوسکتا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

شوافع کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر ناقص کے مقابلہ میں زائد اولیٰ ہے تو پھر تم بھی سات مرتبہ والی روایت کو چھوڑ کر آٹھ مرتبہ والی روایت پر عمل کرو اور ساتویں و آٹھویں مرتبہ مٹی سے رگڑو، جب تمہارے نزدیک یہ روایت واجب العمل نہیں ہے تو پھر ہمارے نزدیک بھی آپ کی روایت واجب العمل نہیں ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۱۰۶)

③ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو بہادو پھر اس کو سات مرتبہ دھوڈالو، امام نسائی کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی ایک نے **فلیرقہ** میں علی بن مسہر کی اتباع کی ہو۔

④ امام نسائی کے قول کی وضاحت:۔ اس حدیث میں **فلیرقہ** کے الفاظ موجود ہیں کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن میں موجود چیز کو گرادو اور بہادو، پس معلوم ہوا کہ سورِ کلب نجس ہے، اسی لئے تو اس کو گرانے کا حکم ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک سورِ

کلب پاک ہے البتہ دھونے کا حکم امرِ تعبدی ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق **فلیرقہ** کا لفظ اعمش کے شاگردوں میں سے صرف علی بن مسہر نے نقل کیا ہے، کسی اور نے اس کی اتباع نہیں کی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوائے علی بن مسہر کے ابومعاویہ اور شعبہ جیسے حفاظِ حدیث نے یہ لفظ ذکر نہیں کیا اور حمزہ کنانی نے کہا کہ یہ لفظ غیر محفوظ ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں فرمایا کہ دارِ قطنی نے حدیث الباب کی اسناد کی تحسین کی ہے اور ابنِ خزیمہ نے بھی اس کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

نیز حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ اراقہ (پانی وغیرہ بہانا) کا حکم بطریقِ عطاء عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ثابت ہے اسی طرح جہاد بن زید نے بھی بواسطہ ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ اراقہ کا حکم موقوفاً ذکر کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

لہٰذا امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ علی بن مسہر کی کسی اور نے متابعت نہیں کی، یہ درست نہیں ہے۔ (شرح نسائی ج ۱ ص ۱۲۷)

⑤ پہلے کتوں کو مارنے اور پھر بعض کو چھوڑنے کے حکم کی وجہ:۔ عربوں کے مزاج میں کتا حد سے زیادہ داخل تھا جیسا کہ آج کل انگریزوں اور اہلِ یورپ کے مزاج میں داخل ہے۔ اسلام نے لوگوں کے دلوں سے کتے کی محبت نکالنے کے لیے بتدریج احکام دیے، ان میں سے پہلا حکم یہ دیا کہ شوقیہ کتا پالنے سے روزانہ ثواب میں سے ایک قیراط کم ہو جائے گا محتاط لوگوں نے اسی وقت کتے کو رخصت کر دیا، دوسرا حکم اس کے منہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا دیا، صبح سے شام تک کتے متعدد برتنوں میں منہ ڈالتے، لوگ برتن دھونے سے تنگ آئے تو کچھ نے اس وقت کتے کو رخصت کر دیا، تیسرا حکم کتوں کو مارنے کا دیا چنانچہ اس حد تک کتے مارے گئے کہ مدینہ کتوں سے صاف ہو گیا، پھر قبائل سے کوئی عورت کتے کے ساتھ مدینہ آتی تو لوگ فوراً کتے کو مار ڈالتے، جب اس درجہ نفرت پیدا ہو گئی تو رفتہ رفتہ کالے کتے کے علاوہ بقیہ کو چھوڑنے کی اجازت مل گئی۔ (تحفۃ الالمعی)

الشق الثانی.....**اذکروا قصة العرنيين واذكروا مذاهب العلماء في شرب بول ما يؤكل لحمه والتداوى به مع أدلتهم على ذلك.**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں ① قصۂ عرنیین کی وضاحت ② ماکول اللحم جانور کے بول پینے اور اس سے علاج کرنے کا حکم مع الدلائل۔

جواب..... ① قصۂ عرنیین کی وضاحت:۔ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ نئے نئے مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے، انہیں مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی، بیمار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیماری کے علاج کیلئے اونٹنی کا دودھ اور پیشاب تجویز کیا تھا، یہ لوگ صدقات یعنی بیت المال کے اونٹوں کے پاس چراگاہ میں چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو شہید کر کے اونٹ ہنکا کر لے گئے، ان کا تعاقب کیا گیا، پکڑنے کے بعد ہاتھ پیر بھی کاٹے گئے اور سزا میں قتل بھی کیا گیا۔

② ماکول اللحم جانور کے بول پینے اور اس سے علاج کرنے کا حکم مع الدلائل:۔ تداوی بالمحرم جائز ہے یا نہیں؟ اگر حرام چیز استعمال کئے بغیر جان خطرے میں پڑ جانے کا ظن غالب ہو، اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو تو بالاتفاق حرام چیز کو استعمال کر کے جان کی حفاظت کر لینا لازم ہے اور اگر ایسے خطرے کی بات نہیں بلکہ حرام چیز کے استعمال کرنے سے شفا یاب بھی ہو سکتا ہے اور استعمال نہ کرنے سے جان کا خطرہ بھی نہیں تو اس صورت میں حرام چیز کے استعمال کرنے میں پانچ مذاہب ہیں:

① امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں حرام چیز کا استعمال کرنا علی الاطلاق ناجائز ہے ② امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علی الاطلاق جائز ہے ③ امام ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نشہ آور چیزوں سے تداوی جائز نہیں ہے اور باقی حرام چیزوں سے جائز ہے ④ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نشہ آور چیزوں میں سے شراب سے تداوی جائز نہیں، شراب کے علاوہ باقی نشہ آور اور حرام چیزوں سے جائز ہے ⑤ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماہر فن طبیب وڈاکٹر اگر یہ مشورہ دیدے، فلاں حرام چیز کے استعمال سے شفا یاب ہو سکتا ہو تو جائز ورنہ جائز نہیں ہے۔ یہی قول حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۳۲۵، درسِ ترمذی ۱:۲۹۱)

0213 6357 513 maktabazakariyamultan@gmail.com

قائلینِ جواز کی پہلی دلیل حدیثِ عرنیین ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو بیمار ہونے کی وجہ سے اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ نیز دوسری دلیل حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے دودھ اور پیشاب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ پیٹ کی بیماری کے لئے شفاء ہے۔ قائلین عدمِ جواز کی طرف سے حدیث **استنزھوا عن البول** وغیرہ پیش کی جاتی ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اختلاف دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اختلاف کا نتیجہ اور ثمر ہے اور تابعین کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اونٹ گائے اور بکریوں کے پیشاب سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ ان کے نزدیک ان کے پاک ہونے کی وجہ سے علاج جائز ہے جو کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان جانوروں کا پیشاب پاک ہونے کیوجہ سے علاج جائز نہیں ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے علاج جائز ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اونٹوں کے پیشاب سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، تو حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دو احتمال رکھتا ہے۔

حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ ہر **ماکول اللحم** کے پیشاب سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، انکا قول بالکل واضح المعنی ہے انکے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ **ماکول اللحم** کا پیشاب پاک ہونے کی وجہ سے علاج جائز ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ وہ اونٹ، گائے، بکری کے پیشاب کو مکروہ سمجھتے تھے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کے یہ اقوال ذکر کرنے کے بعد ان میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اسی طرح چھوڑ دیا ہے مگر اتنا دعویٰ ضرور ہے کہ تابعین کے مذکورہ اقوال کے ذریعہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کی بناء پر بھی مطلقاً تداوی بالمحرم پر استدلال درست نہیں ہوسکتا کیونکہ پاک ہونے کی صورت میں بھی عند الضرورۃ برائے علاج استعمال جائز ہے۔ (ایضاً)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کی ہے البتہ ماکول اللحم جانور کے پیشاب کے ناپاک ہونے کے بارے میں عقلی دلیل پیش کی ہے کہ ہم نظر وفکر کے ذریعہ سے غور کرتے ہیں کہ اونٹوں کے پیشاب کا حکم کیا ہے چنانچہ ہم نے غور وخوض کرکے دیکھا کہ جس طرح اونٹ کا گوشت پاک ہے اسی طرح بنی آدم کا گوشت بھی پاک ہے لیکن سب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ بنی آدم کا پیشاب بنی آدم کے خون کی طرح ناپاک ہے، اسی طرح اونٹوں کا پیشاب بھی اونٹوں کے خون کی طرح ناپاک ہونا چاہیے اور جس طرح بنی آدم کا پیشاب بنی آدم کے گوشت کی طرح پاک نہیں ہے اسی طرح اونٹوں کا پیشاب اونٹوں کے گوشت کی طرح پاک نہیں ہوسکتا ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل..... عَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ضَحِکَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبَادِہٖ وَقُرْبِ غِیَرِہٖ، قُلْتُ ، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ،أَوَیَضْحَکُ الرَّبُّ ؟قَالَ:نَعَمْ،قُلْتُ:لَنْ نَّعْدِمَ مِنْ رَّبٍ یَّضْحَکُ خَیْرًا۔ (ص۱۶۔قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف مع تشکیله ۔ ردّالامام ابن ماجة بهذا الحدیث علی الجهمیة، فمن هم الجهمیة؟ وکیف الردعلیهم؟اشرح معنی "الضحک" ههنا عنداهل السنة والجماعة۔ حقق لغویا کلمة "غیرہ"، وأعرب نحویا (نحوی ترکیب) لن نعدم من رب یضحک خیرًا۔ (ص۱۶۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل سات امور ہیں ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح ④ جہمیہ کا تعارف اور ان پر رد ⑤ ضحک کے معنی کی وضاحت ⑥ **غیرہ** کی لغوی تحقیق ⑦ **لن نعدم من رب یضحک خیرًا** کی ترکیب۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہنستا ہے جو اس سے بے نیازی اور غیر اللہ سے قرب کے خواہش مند ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ بھی ہنستا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں، میں نے عرض کیا پھر تو ہم نیکی بھی نہ چھوڑا کریں گے تاکہ وہ نیکی پر بھی ہنستا رہے۔

0313 6557513 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ حدیث کی تشریح:۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہنستا ہے جو خدا تعالیٰ کے دربار کو چھوڑ کر دوسروں کے دربار پر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو کر غیر اللہ سے قرب اختیار کرتے ہیں ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا ہنسنا تہکم اور ازراہِ مذاق ہے نہ کہ بر بناء رضاء وخوشنودی، تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم نیکی کو بھی نہیں چھوڑیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیکی کو دیکھ کر خوش اور راضی ہو اور اس پر ہنسے، یہاں اللہ تعالیٰ کا نیکی پر ہنسنا بر بنائے رضامندی اور خوشنودی ہے۔اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات بندہ کسی کام سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے کہ وہ ہونے والا نہیں ہے اس سوچ میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے حالانکہ وہ کام ابھی چند منٹ بعد ہونے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بندے کی اس حالت کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ دیکھو میرا بندہ مایوس ہو گیا ہے حالانکہ وہ کام ابھی ہونے والا ہے۔

④ جہمیہ کا تعارف اور ان پر رد:۔ یہ فرقہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے یہ شخص خلافتِ بنوامیہ میں ترمذ میں پیدا ہوا جو حقیقتاً یہودی تھا اور خلافتِ بنوامیہ کے آخری دور میں تقریباً ۱۲۸ھ میں خراسان کے شہر مرو میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

انکا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان صرف معرفتِ قلبی کا نام ہے خواہ وہ معرفت اختیاری ہو یا غیر اختیاری، انکے نزدیک ایمان کے لئے تصدیق، انقیادِ قلبی اور التزامِ شریعت ضروری نہیں ہے۔

فرقۂ جہمیہ کے چند اصولی اور بنیادی عقائد یہ ہیں: ① ایمان صرف معرفتِ قلب کا نام ہے اگر وہ حاصل ہے تو انکار لسان کے باوجود بندہ کامل الایمان ہے ② ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور افعال سیئہ سے بھی ایمان متاثر نہیں ہوتا ③ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے کسی چیز کے وجود اور اسکی خلقت سے پہلے اللہ کو اس کا علم نہیں ہوتا ④ تمام افعال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے ⑤ بندہ مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں ⑥ کلام اللہ حادث اور مخلوق ہے ⑦ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں ⑧ رؤیت باری تعالیٰ محال اور قطعاً ناممکن ہے ⑨ انبیاء اور ان کے امتیوں کا ایمان یکساں اور ایک درجہ کا ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں ⑩ جنت اور جہنم کو انکے مستحقین کے داخل ہونے کے بعد فنا کر دیا جائیگا قرآن کریم وحدیث میں **خالدین** وغیرہ الفاظ کثرت کے معنٰی میں وارد ہوئے ہیں ⑪ اللہ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں جو بندوں میں پائی جاتی ہو یہی وجہ ہے کہ جہمیہ نے اللہ کے حی اور عالم ہونے کا انکار کر دیا کیونکہ یہ بندوں کے بھی اوصاف ہیں اور اللہ کو صرف فاعل خالق وقادر قرار دیا کیونکہ یہ بندوں کے اوصاف نہیں ہیں ⑫ جہمیہ اللہ کی تمام صفات کا صراحتاً انکار کرتے ہیں ⑬ معتزلہ کی طرح یہ بھی ہر اس غیبی خارق عادت ثابت شدہ امر کا انکار کرتے ہیں جو ان کی عقلوں سے باہر ہو ⑭ باری تعالیٰ کے تحیز بالمکان کے قائل ہیں۔

چونکہ جہمیہ نے صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کیا ہے تو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے صفتِ ضحک کو ثابت کر کے جہمیہ پر رد کر دیا کہ باری تعالیٰ صفتِ ضحک سے متصف ہے۔(تکمیل الحاجہ ص ۳۷۷)

⑤ ضحک کے معنی کی وضاحت:۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ضحک کا اسناد مجازی ہے اور **بنی المدینہ** کی طرح ہے اور اس سے فرشتوں کا ضحک مراد ہے۔علامہ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں فعل ضحک کا اسناد آمر کی طرف ہے اور **ضحك الله** کا معنی **اضحك الله ملائكته** ہے۔صاحبِ تکمیل الحاجہ لکھتے ہیں کہ یہاں پر ضحک کا اسناد باری تعالیٰ کی طرف مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ ترجمۃ الباب کے عین مطابق جہمیہ پر رد کرتے ہوئے صفتِ ضحک کا اثبات باری تعالیٰ کیلئے ہے، البتہ ضحک سے مخلوق کی طرح ضحک مراد نہیں ہے بلکہ جو اس کے شایانِ شان ہے ہم اس پر اجمالاً ایمان لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو اس کیفیت کے ساتھ متصف جانتے ہیں جو اس کے مناسب، لائق وشایانِ شان ہے۔(تکمیل الحاجہ ص ۳۸۵)

⑥ غیرہ کی لغوی تحقیق:۔ یہ **غِيَرْ** غین کے کسرہ اور یاء کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی تغییر وتحویل اور واؤ بمعنی مع ہے، مطلب یہ ہے کہ جب بندہ کو معمولی تکلیف وشر پہنچتا ہے تو وہ خیر سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے حالانکہ اسکی حالت میں تکلیف سے راحت اور شر سے خیر کی طرف تبدیلی انتہائی قریب ہوتی ہے تو اسکی اس مایوسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔

0313 6337013 maktabazakariyamultan@gmail.com

⑦ لن نعدم من رب یضحك خیرًا کی ترکیب:۔ لن نعدم فعل وفاعل من جارہ رب موصوف یضحك فعل وفاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صفت، موصوف وصفت ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوا فعل کے، خیـــــرا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق ومفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

الشق الثانی ..... وعن المقدام بن معدیکرب الکندی انّ رسول اللّٰہ ﷺ قال: یوشك الرجل متکئا علی اریکتہ یحدّث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللّٰہ عز وجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرّمناہ، اَلَا وانّ ما حرّم رسول اللّٰہ ﷺ مثل ما حرّم اللّٰہ۔

ترجم الحدیث۔اذکر معنی السنة لغة و اصطلاحا و هل هناك فرق بین السنة و الحدیث ام لا؟ اذکر ادلة حجیّة الحدیث و السنة ۔ من هم الذین اشار الیهم رسول اللّٰہ ﷺ فی قوله المذکور؟ وهل یوجدون فی عصرنا؟ اذکر نبیذة من تلبیساتهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② سنت کا لغوی واصطلاحی معنی ③ سنت وحدیث میں فرق ④ حجیتِ حدیث وسنت کے دلائل ⑤ مشار الیہ گروہ کی تعیین وموجودگی اور نظریات۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ مقدام بن معدیکرب کندیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ ایک شخص اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے ہوئے ہوگا، اس کے سامنے میری باتوں میں سے کوئی بات بیان کی جائے گی تو وہ کہے گا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، ہم جو کچھ اس میں حلال پائیں گے اسی کو حلال جانیں گے اور جو کچھ ہم اس میں حرام پائیں گے اسی کو ہم حرام جانیں گے۔ خبردار جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کیا وہ اسی طرح حرام ہے جیسے اللہ نے حرام کیا۔

② سنت کا لغوی واصطلاحی معنی:۔ لغوی معنی: طریقہ، خصلت وطبیعت۔

اصطلاحی معنی: **الطریقة المسلوکة فی الدین** (دینی راستہ وطریقہ)۔

③ سنت وحدیث میں فرق:۔ ① حدیث کا اطلاق فقط آپ ﷺ کے اقوال پر ہی ہوتا ہے اور سنت کا اطلاق آپ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریر (کسی عمل کو دیکھ کر سکوت کرنا) اور صفات پر ہوتا ہے۔ (الخیر الساری ۱:۲۵)

② مشہور تعریف کے مطابق حدیث مطلقا آپ ﷺ کے اقوال وافعال وسکوت کا نام ہے اور سنت وہ عمل ہے جس پر آپ ﷺ نے آخر زندگی میں دوام کے ساتھ عمل کیا ہو یعنی سنت دائمی غیر منسوخ عمل کا نام ہے۔

③ حدیث چار چیزوں کا نام ہے نبی ﷺ کے ارشادات، آپ کے کئے ہوئے کام، آپ کی تقریرات وتائیدات اور آپ کے ذاتی اوصاف۔ اور سنت کا معنی دینی راستہ وطریقہ ہے۔ پس حدیث اور سنت میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے اور جہاں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہو وہاں تین مادے ہوتے ہیں: دو افتراقی اور ایک اجتماعی۔ جو حدیثیں نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، جیسے صوم وصال اور چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کا جواز، یا وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں، یہ سب حدیثیں تو ہیں مگر سنت نہیں، کیونکہ یہ احکام امت کیلئے نہیں ہیں اور خلفاء راشدین نے ملک وملت کی تنظیم کے سلسلہ میں جو کام کئے ہیں وہ سنت ہیں حدیث نہیں ہیں۔ جیسے عہدِ فاروقی میں باجماعت بیس رکعت تراویح کا نظام بنا اور عہدِ عثمانی میں جمعہ کی پہلی اذان بڑھائی گئی یہ سنت ہیں، حدیث نہیں۔ جو حدیثیں معمول بہا ہیں، منسوخ یا خاص نہیں ہیں وہ سنت بھی ہیں اور حدیثیں بھی ہیں، پس ہم اہل حدیث نہیں ہیں کہ کسی بھی حدیث پر عمل کرنے لگیں۔ جیسے غیر مقلدین کے یہاں نکاح کی تحدید نہیں جتنی چاہیں بیویاں کر سکتے ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کے نکاح میں ایک ساتھ نو بیویاں رہی ہیں۔ بلکہ ہم اہل السنہ ہیں یعنی جو حدیثیں معمول بہا ہیں انہی پر ہم عمل کرتے ہیں اور خلفا راشدین کی سنتوں کو بھی مانتے ہیں۔ اور احادیث میں سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی ایک حدیث میں بھی حدیث کو مضبوط پکڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ارشاد ہے: **علیکم بسنّتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیّین، تمسکوا بها وعضّوا علیها**

0333 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بالنواجذ (میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو جو راہ یاب وہدایت مآب ہیں ان خلفاء کی سنت کو مضبوط پکڑو اور ان کو داڑھوں سے تھام لو۔ (تحفۃ الالمعی)

④ حجیتِ حدیث وسنت کے دلائل:۔ حدیث کے حجت اور دلیل شرعی ہونے میں تمام ائمہ ومجتہدین کا اتفاق ہے اسکے متعدد دلائل ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا مستقل حکم دیا ہے جیسے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا۔**

② **ما آتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا۔**

③ **وما ینطق عن الھوٰی اِن ھو الّا وحی یوحٰی** (نجم) سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش ومرضی سے کوئی گفتگو وکلام نہیں کرتے بلکہ وحی کی روشنی میں ہی کلام کرتے ہیں۔ چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کوئی باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیں اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام احادیثِ بخاری سے ثابت ہیں، ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی والفاظ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اس کا نام قرآن ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں صرف معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں آپ ﷺ ان معانی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں اس کا نام حدیث وسنت ہے۔ پھر حدیث میں جو مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ وحکم ہوتا ہے اور کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس سے اپنے اجتہاد سے احکام نکالتے وبیان کرتے ہیں۔ (معارف القرآن ۸:۱۹۴)

④ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وائمہ فقہاء کا حدیث کے حجت ہونے پر اتفاق ہے۔

⑤ مشارالیہ گروہ کی تعیین وموجودگی اور نظریات:۔ مذکورہ حدیث میں کسی خاص فرد یا گروہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلقاً منکرینِ حدیث کا ذکر ہے جو کسی بھی زمانہ میں کسی بھی نام سے ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ پاکستان میں قریب زمانہ کا فتنہ پرویزیت ہے جس کا بانی غلام احمد پرویز ہے۔ جن کے چند نظریات یہ ہیں: ① قرآن کریم میں جہاں اللہ ورسول کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔ ② رسول کو قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ رسول کی اطاعت نہیں کیونکہ وہ زندہ نہیں۔ ③ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں، بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا۔ سلسلۂ نبوت ختم ہونے کا معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے خود کرنے ہوں گے۔ الخ۔ ④ صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکز ملت اور اس کی مجلس شوری کا حق ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف ان جزئیات کو مرتب کرے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی، پھر یہ جزئیات ہر زمانہ میں ضرورت پر تبدیل کی جاسکتی ہیں، یہی اپنے زمانہ کے لئے شریعت ہیں۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....**عن أنس بن مالك أن رسول اللّٰہ ﷺ دخل مكة عام الفتح، وعلٰی رأسه المغفر قال فلما نزعه جاء ه رجل، فقال: ابن خطل متعلق بأستار الكعبة، فقال اقتلوه، قال ابن شهاب وبلغنی أن رسول اللّٰہ ﷺ لم يكن يومئذ محرمًا۔** (ص۸۔قدیمی) **ترجم الحديث۔ ورد فی الحديث ان النبی ﷺ لمادخل مكة كان عليه عمامة سوداء فكيف التوفيق بينه وبين هذاالحديث؟۔ من هوابن خطل وماجريمته؟ حتی انه قتل فی المسجد ۔ ماهوحكم من ارتكب جناية ثم التجاء بالحرم۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث میں تطبیق (۳) ابن خطل کا تعارف اور جرم (۴) حرم میں حد جاری کرنے کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے دن شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا، راوی کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے خود اتار دیا تو کسی آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ

0313 6357613 maktabazakariyamultan@gmail.com

کے رسول ﷺ! یہ ابن خطل کعبہ کا غلاف پکڑے ہوئے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کردو۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دن محرم نہیں تھے۔

② احادیث میں تطبیق:۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ کے خود پہن کر مکہ میں داخل ہونے کا ذکر ہے، دوسری جگہ عمامہ پہن کر مکہ میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔

① ان میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ داخلہ کے وقت آپ ﷺ کے سر پر خود تھا اسکے بعد متصلا ہی عمامہ باندھ لیا تھا اور یہ تقریباً وہی وقت تھا اسلئے راوی نے داخلہ کا وقت ذکر کردیا۔ ② ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے خود کی اذیت کی وجہ سے اس کے نیچے عمامہ باندھ رکھا ہو۔

③ ابن خطل کا تعارف اور جرم:۔ حضور اقدس ﷺ فتح کیلئے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ پر ایک ایسی دہشت اور گھبراہٹ سوار تھی جس کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ حضور اکرم ﷺ نے غایت شفقت اور مہربانی کی وجہ سے یہ فرمادیا تھا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوجائے وہ مامون ہے اور جو اپنے گھر میں داخل ہوجائے وہ مامون ہے، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے وغیرہ وغیرہ۔ البتہ گیارہ مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے خون ہدر کردیئے تھے اس وجہ سے کہ ان کے جرائم ناقابل معافی تھے اور اس معافی کے عام اعلان سے ان کو مستثنیٰ کردیا تھا اور ارشاد فرمادیا تھا کہ ان لوگوں کو امن نہیں ہے۔ ان میں سے بھی سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہوکر معافی میں آگئے تھے۔ باقی چار مرد اور چار عورتیں قتل کئے گئے۔ منجملہ ان آٹھ میں سے ابن خطل بھی تھا۔ یہ شخص مدینہ منورہ حاضر ہوکر مسلمان ہوا اور عبداللہ نام رکھا گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ لینے کیلئے اس کو بھیجا اس نے اپنے ایک مسلمان غلام کو اس جرم میں جان سے مار ڈالا کہ اس نے کھانا پکانے میں کچھ دیر کردی تھی اور خود اس خوف سے کہ مدینہ منورہ لوٹا تو قصاص میں قتل کردیا جاؤں گا، مرتد ہوکر مکہ مکرمہ چلا آیا تھا، وہاں پہنچ کر حضور اقدس ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور دو باندیاں گانے والیاں خریدیں جو حضور ﷺ کی ہجو کے اشعار سے اس کو خوش کیا کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا بھی خون ہدر کردیا تھا اسی لئے حرم میں داخل ہونے کے باوجود اسکو قتل کردیا گیا۔ (خصائل نبوی۔ ص ۱۰۰)

④ حرم میں حد جاری کرنے کا حکم:۔ فتح مکہ کے موقع پر طلوع شمس سے لیکر عصر تک مسلمانوں کو حرم مکہ میں قتال کی اجازت دی گئی تھی اور خونریزی کی حرمت اٹھالی گئی تھی اسکے بعد اس پر اجماع ہے کہ وہ حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے اور کسی کیلئے وہاں خونریزی کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث میں **وقد عادت حرمتها اليوم** کا جملہ بھی اس پر دلالت کررہا ہے۔

ان الحرم لايعيذعاصيًا ولافارًّا بدمٍ ولافارًّا بخربة اگر کوئی شخص کوئی جنایت کرکے حرم میں پناہ لے لے تو اگر اسکی جنایت مادون النفس ہو تو بالاتفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جاسکتا ہے اور اگر جنایت قتل کی ہو تو یہ دیکھا جائیگا کہ اس نے جنایت کس جگہ کی ہے؟ اگر جنایت حرم میں کی ہے تو بھی اتفاق ہے کہ اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جاسکتا ہے اور اگر حرم سے باہر کی ہے تو امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ اسکے بارے میں بھی جوازِ قتل کے قائل ہیں لیکن امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کا کھانا پینا بند کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔

حدیث بابِ احناف کی تائید کرتی ہے جبکہ امام شافعی وامام مالکؒ **ان الحرم لايعيذعاصيًا ولافارًّا بدم الخ** سے استدلال کرتے ہیں۔ جواب: یہ کوئی حدیث نہیں، بلکہ عمرو بن سعید کا قول ہے جو صحابی نہیں بلکہ یزید کا گورنر تھا اور اس کی شہرت بھی اچھی نہیں تھی اسکے مقابلے میں حضرت ابوشریح بدر جہا بہتر و برتر ہیں کہ صحابی بھی ہیں اور فقیہ بھی۔ پھر خود شافعیہ کے مسلک کے مطابق بھی عمرو بن سعید کا یہ جملہ **كلمة حقٍّ أريد بها الباطل** کی قبیل سے ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ "عاصی" تھے، نہ **فاربدم** اور نہ **فاربخربة** بلکہ وہ خلیفۂ برحق تھے، مکہ مکرمہ میں مسلمان ان کے ہاتھوں پر پہلے ہی بیعت کرچکے تھے۔ (درسِ ترمذی ۳:۴۷)

الشق الثانی.....قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ يَصْنَعُ فِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَخْزُنُ لِسَانَهُ إِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ وَيُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيهِ عَلَيهِم وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ بِشْرَهُ وَ خُلُقَهُ وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ وَيَسْئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ

اَلْحَسَنَ وَيُقَوِّيْهِ وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِفٍ وَ لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَغْفُلُوْا اَوْ يَمِيْلُوْا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهٗ عَتَادٌ۔(باب ما جاء فی تواضع رسول اللّٰہ ﷺ)

شکّل الحدیث بالحرکات ثم ترجمه ۔ اذکر الآداب التی تدلّ علیها الحدیث من حسن المعاشرة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث سے ماخوذ آداب۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ امام حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد سے) باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ آپ ﷺ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے (ان کو مانوس فرماتے) متوحش نہیں فرماتے تھے (تنبیہ وغیرہ میں ایسا طرز اختیار نہ فرماتے جس سے ان کو حاضری میں وحشت ہونے لگے یا ایسے امور ارشاد نہ فرماتے تھے جن کی وجہ سے دین سے نفرت ہونے لگے) ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام واعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولی وسردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے (یا مضر امور سے بچنے کی تاکید فرماتے یا لوگوں کو دوسروں سے احتیاط رکھنے کی تاکید فرماتے) اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے لیکن باوجود خود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے اور لوگوں کے حالات آپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بری بات کی برائی فرما کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے نہ کہ تلون اور گڑبڑ (کہ کبھی کچھ فرما دیا اور کبھی کچھ)۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادہ وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اکتا جائیں (اسلئے حضور اکرم ﷺ ان کے حالات سے غفلت نہ فرماتے تھے) ہر کام کیلئے آپ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔

③ حدیث سے ماخوذ آداب:۔ ① ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کی حفاظت کی جائے فضول گپ شپ اور خواہمخواہ کی باتوں میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ بوقتِ ضرورت وبقدرِ ضرورت بات چیت کی جائے۔ ② گھر میں آنے والے مہمانوں کی دل جوئی کی جائے، ان کو مانوس کیا جائے۔ ③ گھر دفتر فیکٹری میں خواہ مخواہ ایسا طرز اختیار نہ کیا جائے جس سے حاضرین پر وحشت طاری ہونے لگے۔ ④ واعظ وخطیب ایسے امور بیان نہ کرے جن کی وجہ سے لوگ دین واسلام سے متنفر ہوں۔ ⑤ کسی بھی قوم یا خاندان کا کوئی سردار یا کوئی معزز آدمی آجائے تو اس کا اعزاز واکرام کیا جائے۔ ⑥ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اور لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے اپنی بھی حفاظتکی جائے، خود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید کے باوجود کوئی تکلیف پہنچ جائے تو درگزر کیا جائے۔ ⑦ اپنے دوستوں کی خبر گیری کی جائے اور ان کے حالات وآپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر ان کی اصلاح کی جائے۔ ⑧ اچھی بات کی تحسین فرما کر تائید کی جائے اور بری بات کی برائی فرما کر اس کو زائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ⑨ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کی جائے، رنگ برنگی ومنافقانہ روش نہ اپنائی جائے۔ اپنے ماتحتوں کی خبر گیری کی جائے، ان کی اصلاح سے غفلت نہ برتی جائے کہ مبادہ وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اکتا جائیں۔ الغرض ہر کام خاص انتظام وطریقۂ کار کے مطابق کیا جائے۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

0313 6262013 maktabazakariyamultan@gmail.com

وصَلَّى اللّٰه عَلَى النَّبِيِّ الاُمِّيِّ

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الورقة الثانية:صحيح الامام مسلم﴾

﴿الورقة الثانية:صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۷ھ

الشق الاوّل.....حدثنا احمد بن الحسن بن خراش قال نا عمر بن عبدالوهاب قال نا زيد يعنى ابن زريع قال نا روح عن سهيل عن القعقاع عن ابى صالح عن ابى هريرة عن رسول اللهﷺ اذا جلس احدكم على حاجته فلا يستقبلن القبلة ولايستدبرها ۔(ص۱۳۱۔ج۱۔قدیمی)

اذكرمذاهب الفقهاء فى استقبال القبلة واستدبارهاعندالحاجة مع ادلتهم ۔ اذكر وجوه ترجيح ماذهب اليه الحنفية ۔ قال الدارقطنى عن هذاالحديث: هذاغير محفوظ عن سهيل وانما هوحديث ابن عجلان، فماهومراده بهذاالكلام؟اليست احاديث مسلم كلها صحيحة؟اجب عن هذا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں(۱)استقبال واستدبارِقبلہ میں اختلاف (۲)ائمہ کے دلائل (۳)حنفیہ کی وجوہِ ترجیح (۴)دارِقطنی کے کلام اور جواب کی وضاحت (۵)مسلم شریف کی روایات کے صحیح ہونے کی وضاحت۔

جواب.....① استقبال واستدبارِقبلہ میں اختلاف:۔ قضائے حاجت کے وقت استقبال واستدبارِقبلہ میں اختلاف ہے۔

حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود، ابوایوب انصاری، سراقہ بن مالک، مجاہد، ابراہیم نخعی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، ابن حزم ظاہری، ابن قیم، امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہم اللہ کا مذہب اور حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ استقبال واستدبار دونوں مطلقاً ناجائز ہیں۔خواہ کھلی فضا میں ہو یا آبادی وعمارت میں ہو۔ حضرت ابن عباس، ابن عمر، عامر شعبی رضی اللہ عنہم، امام شافعی، امام مالک اور اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ کے نزدیک صحراء ومیدان میں دونوں منع ہیں اور آبادی (بیت الخلاء وچاردیواری) میں دونوں جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ ربیعہ الرائی رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ کے نزدیک استقبال واستدبار مطلقاً دونوں جائز ہیں خواہ آبادی میں ہو یا صحرا میں ہو۔دیگر اقوال بھی ہیں مگر مشہور یہی تین مذاہب ہیں۔(درسِ ترمذی ج۱ص۱۸۵)

② ائمہ کے دلائل:۔ حنفیہ کے دلائل:① حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **قال قال رسول اللهﷺ اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولاتستدبروها ولكن شرّقوا اوغرّبوا** ۔(صحاح ستہ)

② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **لقد نهانارسول اللهﷺ ان نستقبل القبلة بغائط او بول** ۔(مسلم ابوداؤد،نسائی وابن ماجہ)③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **اذا اتى احدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولايستدبرها** ۔ (مسلم ابوداؤد،نسائی وابن ماجہ) ان تمام احادیث میں مطلق ممانعت ہے،میدان وعمارت یا استقبال واستدبار کا کوئی فرق نہیں ہے۔نیز ممانعت کی علت احترامِ قبلہ ہے جو میدان وعمارت سب کو شامل ہے لہٰذا حکم بھی عام ہونا چاہیے۔

امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل:① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے **قال رقيت يوماعلى بيت حفصة فرأيت النبىﷺ على حاجته مستقبل الشام مستدبر الكعبه** ۔(بخاری،مسلم وترمذی)② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **قال نهى النبىﷺ عن ان نستقبل القبلة ببول فرأيته قبل ان يقبض بعام يستقبلها** ۔(ترمذی وابوداؤد)

حنفیہ کی طرف سے روایاتِ اباحت کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قصداً نہیں دیکھا تھا اور نہ ایسی حالت میں کوئی کسی کو دیکھتا ہے تو ایسی سرسری رؤیت کو مسئلہ کی بنیاد بنانا صحیح نہیں ہے۔

داؤد ظاہری وغیرہ کی دلیل بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث ہے۔

روایاتِ اباحت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے کیونکہ علماء کی

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ایک جماعت کے نزدیک آپ ﷺ کے فضلات پاک تھے لہٰذا بعید نہیں کہ آپ ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہوں۔(تلخیص از درسِ ترمذی ج ا ص ۱۸۹)

③ حنفیہ کی وجوہِ ترجیح:۔ حنفیہ کا مسلک اور روایات متعدد وجوہ سے راجح ہیں۔ ① روایتِ ابوایوب رضی اللہ عنہ باتفاق محدثین سنداً اصح مافی الباب ہے ② روایاتِ محرم قانون وقاعدہ کلیہ ہیں اور روایاتِ مبیح واقعہ جزئیہ ہیں اور قاعدہ کلیہ کو واقعہ جزئیہ پر ترجیح ہوتی ہے ③ روایاتِ محرم قولی وفعلی دونوں ہیں جبکہ روایاتِ مبیح صرف فعلی ہیں اور بوقتِ تعارض قولی روایات کو ترجیح ہوتی ہے ④ جب روایاتِ محرم ومبیح میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے ⑤ منع کی روایات مؤید بالقیاس ہیں کہ جب قبلہ کی طرف تھوکنا ممنوع ہے تو استقبال بطریق اولیٰ منع ہوگا۔(درسِ ترمذی ج ا ص ۱۸۸)

④ دارِ قطنی کے کلام اور جواب کی وضاحت:۔ دارِ قطنی کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ محفوظ نہیں ہے اسلئے کہ اس حدیث کی سند میں سہیل عن القعقاع ہے جو کہ صحیح نہیں اور اصل سند میں محمد بن عجلان عن القعقاع ہے، تو سہیل عن القعقاع والی سند غیر محفوظ ہے۔علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ سہیل عن القعقاع اور ابن عجلان عن القعقاع، کیونکہ سہیل اور ابن عجلان دونوں نے قعقاع سے یہ حدیث سنی تھی لیکن ابن عجلان کی روایت مشہور ہوگئی جبکہ سہیل کی روایت مشہور نہیں ہوئی۔اسی بناء پر دارِ قطنی نے اس سند پر غیر محفوظ ہونے کا حکم لگا دیا جو کہ صحیح نہیں۔(حاشیہ)

⑤ مسلم شریف کی روایات کے صحیح ہونے کی وضاحت:۔ صحیح بخاری ومسلم کو اصح الصحیح المجرد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اصح الصحیح المجرد وہ کتاب ہوتی ہے جسمیں اصالۃً صرف صحیح حدیثیں ہوں اگرچہ متابعت واستشہاد کے طور پر قدرے کم درجہ کی حدیثیں بھی ہوں۔(درس مسلم ص ۸۰)

الشق الثانی.....عن عائشة ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یارسول الله ان امی افتلتت نفسها ولم توص واظنها لوتکلمت تصدقت افلهااجران تصدقت عنها؟قال نعم.(ص ۳۲۴۔ج ا۔قدیمی)

ترجم الحدیث۔ ماهوحکم العبادات هل یصل ثوابها الی المیت ام لا؟۔انکر أقوال العلماء فی ایصال ثواب قراءة القرآن والصلاة والصوم والصدقة وغیرها۔ انکر معنی قول الله تعالی :"وأن لیس للانسان الّاماسعی"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ایصالِ ثواب کا مسئلہ (۳) **وان لیس للانسان الا ماسعٰی** کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ! بیشک میری والدہ بغیر وصیت کئے اچانک انتقال کرگئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کی مہلت ملتی تو وہ صدقہ کی وصیت کرتی کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (اس کو اجر ملے گا)۔

② ایصالِ ثواب کا مسئلہ:۔ ایک شخص کی دعا وصدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت اور تمام امت کا اجماعی مسئلہ ہے، تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچنے کا امام شافعی رحمہ اللہ انکار کرتے ہیں اور انکی دلیل ① آیت کریمہ **وان لیس للانسان الّا ماسعی** کا مفہوم عام ہے۔ جمہور ائمہ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک دعا وصدقہ کی طرح ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے۔تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ احادیثِ کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مؤمن کو دوسرے شخص کی طرف سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے۔تفسیر مظہری میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں۔(معارف القرآن ج ۸ ص ۲۱۹) ② امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ صدقہ، دعا اور حج کے علاوہ دیگر عبادتوں کا ایصالِ ثواب آنحضور ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔ابن المبارک رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ثبوت کی ضرورت بھی کیا ہے؟ جب صدقہ کا ایصالِ ثواب بالاجماع ثابت ہے تو اسی پر باقی عبادتوں کو قیاس کیا جائیگا۔کسی مسئلہ کے ہر ہر جزء کا ثبوت ضروری نہیں ہے ورنہ پھر قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی؟۔

③ **وان لیس للانسان الا ماسعٰی** کی وضاحت:۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کوئی آدمی دوسرے کا عذاب اپنے سر

0313 6357973 maktaboazakariyamultan@gmail.com

نہیں لے سکتا، اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ کسی دوسرے کے عمل کے بدلے خود عمل کرلے اور وہ اس عمل سے سبکدوش ہوجائے مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے نماز فرض ادا کردے یا دوسرے کی طرف سے فرض روزہ رکھ لے اور وہ دوسرا اپنے فرض نماز وروزے سے سبکدوش ہوجائے یا یہ کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے ایمان قبول کرلے اور اس سے اس کو مؤمن قرار دیا جائے۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر پر کوئی فقہی اشکال اور شبہ عائد نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ سے زیادہ شبہ حج اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں یہ ہوسکتا ہے کہ ضرورت کے وقت شرعاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے یا دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے ادا کرسکتا ہے مگر غور کیا جائے تو یہ اشکال اسلئے صحیح نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ حج بدل کیلئے بھیج دینا اور اس کے مصارف خود ادا کرنا، یا کسی شخص کو اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کردینے کیلئے مامور کردینا بھی درحقیقت اسی شخص کے اپنے عمل اور سعی کا جز ہے، اس لئے **لیس للانسان الاماسعیٰ** کے منافی نہیں۔ (معارف القرآن ج۸ ص۲۱۹)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۷ھ

الشق الاوّل ..... **عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ، فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِمَا اَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا فَلَايَاْخُذْهُ، فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ بِهٖ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔** (ص۲۴۔ج۲۔قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه ترجمة واضحة ۔ اذکرمذاهب العلماء فی قضاء القاضی فی العقود والفسوخ هل ینفذظاهرا وباطنا معاء ام ظاهرا فقط ۔ انکر مایرجح به مذهب الامام ابی حنیفة فی هذه المسألة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ .....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عقود وفسوخ میں قضاءِ قاضی کے ظاہراً وباطناً نافذ ہونے میں اختلاف (۴) حنفیہ کی وجہِ ترجیح۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لیکر آتے ہو اور شاید تم میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ چرب لسانی سے اپنی بات کو ثابت کردے اور میں اس کے بیان کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کردوں، پس جس شخص کے لئے بھی میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو وہ اس کو نہ لے، اس لئے کہ میں اس کو جہنم کی آگ کا ایک حصہ اور ٹکڑا دے رہا ہوں۔

③ عقود وفسوخ میں قضاءِ قاضی کے ظاہراً وباطناً نافذ ہونے میں اختلاف:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی اور جج کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوتا ہے باطناً نافذ نہیں ہوتا لہٰذا اگر کسی نے جھوٹی شہادت اور گواہی پیش کرکے کسی مقدمہ میں فیصلہ اپنے حق میں کروالیا تو قاضی عدالت کے فیصلہ کے باوجود وہ چیز اس کے لئے جائز نہ ہوگی۔

حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک قضاءِ قاضی کے ظاہراً وباطناً نافذ ہونے کے لئے پانچ شرائط ہیں، اگر وہ تمام شرائط موجود ہوں گی تو پھر قضاءِ قاضی ظاہراً وباطناً نافذ ہے، وگرنہ صرف ظاہراً نافذ ہے، باطناً نافذ نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

① قاضی کا وہ فیصلہ عقود یا فسوخ کے متعلق ہو مثلاً میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تھا، یا عورت کہے کہ مجھے خاوند نے طلاق دیدی تھی ② وہ دعویٰ املاکِ مرسلہ کے متعلق نہ ہو، املاکِ مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ملکیت کا دعویٰ کرے، مگر ملکیت میں آنے کا سبب بیان نہ کرے، مثلاً ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ کتاب جو مدعیٰ علیہ کے پاس ہے یہ میری ہے اور گواہ پیش کردے، مگر ملکیت میں آنے کی وجہ بیان نہ کرے تو مدعی کے حق میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا ③ وہ معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو یعنی اس بات کا احتمال رکھتا ہو کہ وہ عقد اب قائم کردیا جائے مثلاً نکاح وطلاق، اگر وہ معاملہ انشاء کا احتمال نہ رکھتا ہو مثلاً میراث کا دعویٰ، میراث ایک مرتبہ ہی ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اسکے بعد اس میں انشاء کا احتمال نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بھی قضاءِ قاضی باطناً نافذ نہیں ہے ④ وہ محل قابل للعقد بھی ہو مثلاً کوئی آدمی اپنی محرم عورت کے متعلق منکوحہ ہونے کا دعویٰ کرے اور بینہ سے نکاح ثابت

بھی کردے تو قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا ⑤ قاضی نے بینہ کی بنیاد پر یا مدعیٰ علیہ کے قسم سے انکار کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو، اگر قاضی نے مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا تو پھر بھی یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا۔ (تقریر ترمذی ۱:۲۷۱)

④ حنفیہ کی وجہِ ترجیح:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بڑی حکمت پر مبنی ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مذہب سے راجح ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قاضی کو ولایتِ عامہ اور تامہ عطاء فرمائی ہے اور قاضی کی مجلس وضع ہی اسلئے کی گئی ہے تاکہ وہ خصومات کو ختم کرے۔ کسی ایک جانب کو متعین کرے تاکہ اسکے فیصلہ کے بعد کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔ لہٰذا اگر آپ یہ کہیں کہ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہیں ہوگا تو اس صورت میں صرف یہ کہ نزاع ختم نہیں ہوگا بلکہ اس میں لامتناہی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوجائینگی۔ مثلاً مدعی کے بینہ سے قاضی نے عورت کیخلاف منکوحہ ہونے کا فیصلہ کردیا تو تمہارے نزدیک یہ عورت ظاہراً مدعی کی منکوحہ ہے مگر باطناً نہیں اب اگر عورت مدعی کو وطی پر قدرت دیتی ہے تو یہ زناء کی وجہ سے گناہگار ہوتی ہے اور اگر قدرت نہیں دیتی تو وہ مدعی دوبارہ قاضی کی عدالت میں جائیگا الخ۔

نیز شوہر نے زبردستی وطی کرلی اور بچہ پیدا ہوگیا تو تمہارے نزدیک ظاہراً یہ بچہ ثابت النسب ہے اور حقیقتاً ثابت النسب نہیں ہے۔

نیز عورت نے بھاگ کر دوسری جگہ نکاح کرلیا تو ظاہراً یہ درست نہیں ہوگا اور باطناً وحقیقتاً یہ نکاح درست ہوگا۔ اس طرح عورت کے ساتھ غیر یقینی صورتحال کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجائے گا جس میں ظاہر و باطن کے الگ الگ احکام ہوں گے اور اس طرح نزاع کھڑا ہوجائے گا اور قاضی کی مجلس کا مقصد (رفعِ منازعت) ختم ہوجائے گا اس لئے قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ مانا جائے گا اور یہی راجح ہے۔ (ایضاً ۱:۲۷۵)

الشق الثانی.....**عن ابن عمران رسول اللہ ﷺ نهى عن بيع النخل حتى تزهو وعن السنبل حتى يبيض ويامن العاهة ونهى البائع والمشترى.** (ص۷۔ج۲۔قدیمی) **اشرح كلمة "تزهو" و"العاهة". هل يجوز البيع قبل بدو الصلاح؟ ماهى الصور المتفق عليها والمختلف فيها؟ رجح مذهب الحنفية فى ضوء الادلة.**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) **تزهو، العاهة** کی تشریح (۲) بدوِ صلاح سے قبل بیع کا حکم (۳) حنفیہ کی وجہِ ترجیح۔

جواب..... ① **تزهو، العاهة** کی تشریح:۔ **زَهَا، يزهو، زهوًا** بمعنی خوشنما اور دیکھنے میں اچھا معلوم ہونا اور مراد یہ ہے کہ وہ پھل پکنے لگے۔ **العاهة** بمعنی آفت اور **يامن العاهة** کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھل آفت سے محفوظ ہوجائے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب پھل پکنے کے قریب ہوجائے کیونکہ جب پھل کچا ہوتا ہے اس وقت اس کے آندھی سے گرنے اور بیماری سے خراب ہونے کا اندیشہ اور خطرہ ہوتا ہے اور جب وہ پکنے لگتا ہے تو وہ آفات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

② بدوِ صلاح سے قبل بیع کا حکم:۔ بدوِ صلاح کے بارے میں احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ **ان النبى ﷺ نهى عن بيع النخل حتى يزهو، نهى عن بيع السنبل حتى يبيض ويامن العاهة، نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها**۔ ان تمام الفاظ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بیع سے پہلے پھل کا پکنا ضروری ہے پکنے سے پہلے ان کے نزدیک بیع درست نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس پھل کا آفات اور بیماری سے محفوظ ہونا کافی ہے پورا پکنا اور اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا ضروری نہیں بہرحال دونوں اقوال قریب قریب ہیں اس لئے کہ پھل بیماری اور آفات سے اسی وقت محفوظ ہوتا ہے جب اس میں پکنے کے آثار شروع ہوجاتے ہیں لہٰذا ان دونوں اقوال میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔

اگر پھل ابھی درخت پر ظاہر ہی نہیں ہوا تو اس کی بیع بالاتفاق حرام ہے۔ جیسا کہ آج کل پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دیدیا جاتا ہے اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آئے گا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں یہ صورت ناجائز ہے۔ اسلئے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہورہی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی۔ اسلئے اسکے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں۔

اس کی ایک اور بدتر صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ باغ کئی سال کے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں مثلاً تین سال، پانچ سال، یا دس سال

کے لئے وہ باغ ٹھیکے پر دیدیا اور بائع نے مشتری سے آئندہ آنے والے پھلوں کی قیمت آج ہی وصول کرلی یہ صورت بالکل ناجائز اور نص صریح کے خلاف ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ **نهى رسول الله** ﷺ **عن بيع السنين** یعنی حضور اقدس ﷺ نے کئی سال تک کی بیع کرنے سے منع فرمادیا۔لہٰذا یہ صورت کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

بیع بشرط القطع: اور اگر پھل درخت پر ظاہر ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کے بیع کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں پہلی صورت کو **بیع بشرط القطع** کہتے ہیں یعنی پھل کی بیع ہوجانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل ابھی توڑ کر لے جاؤ اور پھل فی الحال توڑ کر لے جانا بیع کے اندر مشروط ہو۔بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ امام ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس صورت کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔

بیع بشرط الترک: دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری بیع تو ابھی کرلیں لیکن عقد بیع کے اندر ہی یہ شرط لگادیں کہ یہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا، پکنے کے بعد مشتری یہ پھل کاٹ کر لے جائے گا ایسی بیع کو **بیع بشرط الترک** کہتے ہیں۔یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔البتہ امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ اس صورت کو بھی جائز کہتے ہیں۔

مطلق عن الشرط: تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کرلیں اور ترک یا قطع کی کوئی شرط عقد بیع کے اندر نہ لگائیں۔ ایسی بیع کو **مطلق عن شرط القطع والترك** کہتے ہیں۔اس صورت میں جواز اور عدم جواز کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے ''بدوصلاح'' سے پہلے پھل کی بیع سے منع فرمایا۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کے مذہب پر آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ **من باع نخلا بعد ان توبر فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع**۔اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے مشتری کے شرط لگادینے کی صورت میں پھل کو بیع میں داخل قرار دیا حالانکہ جس وقت نخل کی تابیر ہوتی ہے اس وقت تک ثمرہ میں بدوصلاح نہیں ہوتا اور اس وقت آپ نے اس کی بیع کو جائز قرار دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر درخت پر چھوڑنے کی شرط نہ لگائی جائے تو ثمرہ کی بیع بدوصلاح سے پہلے جائز ہے۔(تقریر ترمذی ۱:۸۸)

③ حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ حدیث کے ظاہر پر شافعیہ کا مکمل عمل نہیں ہے کیونکہ انہوں نے قبل از بدوصلاح والی صورتوں میں سے شرطِ قطع والی صورت کو عقلاً مستثنیٰ قرار دیا ہے جبکہ احناف نے دوسری صریح حدیثوں کی وجہ سے حدیث کے ظاہر کو چھوڑا ہے، ہمارا مکمل حدیث پر عمل ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۷ھ

الشق الاوّل ..... **عن ابى رافع ان رسول الله** ﷺ **استسلف من رجل بكرا فقدمت عليه ابل من الصدقة فامر ابا رابع ان يقضى الرجل بكره فرجع اليه ابو رافع فقال لم اجد فيها الا خيارا رباعيا فقال اعطه اياه ان خيار الناس احسنهم قضاء.**

ترجم الحديث. اذكر مذاهب علماء الامة فى جواز اقتراض الحيوان و اكتب ادلتهم.

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حیوان بطورِ قرض لینے میں علماء کے مذاہب مع الدلائل۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی آدمی سے بطور قرض اونٹ لیا پس جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے ابورافع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آدمی کو اس کا اونٹ ادا کردو، پس حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف لوٹے اور عرض کیا کہ مَیں اُس میں عمدہ ورباعی (وہ اونٹ جس کے سامنے والے چار دانت گر گئے ہوں اور عمر کے ساتویں سال میں داخل ہو چکا ہو) اونٹوں کے علاوہ نہیں پاتا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی اُس کو دے دو، بیشک لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو اُن میں سے ادائیگی کے اعتبار سے اچھا ہے۔

② حیوان بطورِ قرض لینے میں علماء کے مذاہب مع الدلائل:۔ **سلف فى الحيوان** کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے اور عندالاحنافؒ جائز نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ حنفیہؒ کے نزدیک بیع سلم کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ چیز کیلی ہو یا وزنی ہو عددیات متقاربہ میں سے ہو لہٰذا اگر کوئی چیز عددیات متفاوتہ میں سے ہو (جس کے افراد اور آحاد میں بہت زیادہ تفاوت ہو) تو اس میں بیع سلم جائز نہیں اس لئے کہ ان میں جھگڑے کا امکان ہے کیونکہ جب ادائیگی کا وقت آئے گا تو بائع کہے گا کہ میں نے تو ادنیٰ چیز میں سلم کیا تھا اور مشتری کہے گا کہ نہیں بلکہ اعلیٰ اور عمدہ چیز میں سلم ہوا تھا تو چونکہ یہ **مفضی الی النزاع** ہے اس لئے یہ جائز نہیں۔ احنافؒ کی نقلی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حیوان کی بیع حیوان کے ساتھ ادھار کرنے سے منع فرمایا (ترمذی، **باب جاء فی کراهية بيع الحيوان بالحيوان**) مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ حیوان کی بیع میں تفاضل تو جائز ہے کہ ایک حیوان کے بدلے میں دو حیوان فروخت کرنا، لیکن ادھار جائز نہیں بلکہ یداً بیدٍ ہونا شرط ہے۔

امام شافعیؒ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں اونٹوں کی ضرورت پیش آئی اور اونٹ مل نہیں رہے تھے تو ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جا کر اونٹ وصول کرو تو میں ایک اونٹ، دو اونٹوں کے بدلے ادھار لیتا تھا ظاہر ہے کہ یہ معاملہ آپ ﷺ کے سامنے ہوا تو معلوم ہوا کہ حیوان کی بیع حیوان کے ساتھ ادھار جائز ہے۔

حنفیہؒ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ربوا کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ ربوا کی حرمت بالکل آپ ﷺ کے آخری زمانہ میں آئی ہے اور آپ ﷺ نے اس کا اعلان حجۃ الوداع میں کیا تھا اور اس کے بعد کوئی غزوہ پیش نہیں آیا لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حرمتِ ربوا سے پہلے کا ہے، اس لئے حجت نہیں۔

الشق الثانی..... **عن مفضل عن مغيرة قال سمعت الشعبي يقول حدثني الحارث الاعور وهو يشهد انه احد الكاذبين قال علقمة قرأت القرآن في سنتين فقال الحارث القرآن هين ، الوحي اشد ۔ عن ابراهيم ان الحارث قال تعلمت القرآن في ثلث سنين والوحي في سنتين اوقال الوحي في ثلاث سنين والقرآن في سنتين ۔** (ص۱۴ ج۱۔قدیمی)

الی من یعود ضمیر وهو یشهد؟ ورد فی الاثر الاول القرآن هین، الوحی اشد وورد فی الاثر الثانی تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنتین فتعارض الاثران فارفع التعارض بینهما ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) **هو يشهد** کی ضمیر کا مرجع (۲) آثار سے رفع تعارض۔

جواب..... ① **هو يشهد** کی ضمیر کا مرجع:۔ ھو ضمیر کا مرجع امام شعبیؒ ہیں۔

② آثار سے رفع تعارض:۔ اثرِ ثانی میں قرآن سے مراد وحیِ متلو اور غیر متلو دونوں کا مجموعہ ہے خواہ وہ غیر متلو سنت ہو یا منسوخ ہو۔ اور وحی سے مراد وحیِ متلو ہے جو کہ قرآن کریم ہے۔ لہٰذا اثرِ اوّل اور اثرِ ثانی میں کوئی تعارض نہ رہا کیونکہ اثرِ اوّل میں قرآن سے مراد وحیِ متلو ہے اور وحی سے مراد وحیِ متلو اور غیر متلو دونوں ہیں۔ (الحل المفہم ص۱۶)

0313 6357913, maktabahazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل.....**عن عامر بن عبدة قال قال عبدالله: ان الشيطان ليتمثل في صورة الرجل فيأتي القوم، فيحدثهم بالحديث من الكذب فيتفرقون فيقول الرجل منهم: سمعت رجلا أعرف وجهه ولاأدري مااسمه يحدث ۔** (ص۱۰۔ج۱۔قدیمی) **ترجم الأثر واذكر غرضه ۔ عرف المجهول بأقسامه واذكر حكمها۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) اثر کا ترجمہ (۲) اثر کی غرض (۳) مجہول کی تعریف، اقسام اور حکم۔

جواب..... ① اثر کا ترجمہ:۔ حضرت عامر بن عبدہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان کسی آدمی کی صورت میں لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان سے جھوٹی احادیث بیان کرتا ہے جب لوگ منتشر ہو جاتے ہیں تو ایک شخص

دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے جس کی شکل وصورت کو میں پہچانتا ہوں اور اس کے نام ونسب سے واقف نہیں ہوں۔

② اثر کی غرض:۔ اس اثر سے امام مسلم رحمہ اللہ کی غرض تحمل حدیث میں احتیاط کو بیان کرنا ہے کہ شیطان لوگوں کی شکل وصورت میں آ کر اپنی طرف سے من گھڑت جھوٹی اور غلط احادیث بیان کرتا ہے اور سننے والا شخص پھر وہ حدیث آگے بیان کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں راوی کی شکل وصورت سے واقف ہوں مگر اس کے حسب ونسب سے واقف نہیں ہوں حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو لوگوں کی شکل میں غلط احادیث پھیلانے کے لئے آتا ہے۔ اس لئے تحمل حدیث میں خوب احتیاط سے کام لو، جس شخص کے حسب ونسب سے مکمل طور پر واقف نہیں ہو اس کی حدیث آگے بیان نہ کرو۔

③ مجہول کی تعریف، اقسام اور حکم:۔ راوی کا مجہول ہونا بھی فنِ حدیث میں ایک عیب ہے اور راوی کا مجہول ہونا تین وجہ سے ہوتا ہے۔

پہلی وجہ: یہ کہ نام کے علاوہ اس کی کنیت، لقب، نسب وغیرہ اوصاف بھی ہوں، مگر ان میں سے ایک مشہور اور باقی مشہور نہ ہوں پس اگر اس راوی کا ذکر کسی وجہ سے غیر مشہور کے ساتھ کیا جائے گا تو ذہن کے منتقل نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجہول رہے گا، چنانچہ محمد بن السائب بن بشر الکلبی بعض اسکو محمد بن بشر کے نام سے پکارتے ہیں اور بعض حماد بن سائب کے نام سے اور بعض ابو النضر کے نام سے اور بعض ابو سعید وابو ہشام کے نام سے بھی پکارتے ہیں جو شخص حقیقت حال سے ناواقف ہوگا وہ یہی سمجھے گا کہ ان سب ناموں سے موسوم متعدد لوگ ہیں، حالانکہ ان سب کا مسمی ایک ہی شخص ہے اس بناء پر جو شخص ان امور کو نہ جانے گا وہ کیا راوی کو پہنچانے گا؟ الحاصل محمد بن السائب ان میں کسی غیر مشہور نام سے ذکر کیا جائے گا تو وہ مجہول ہی ہوگا۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ اختصار کرتے ہوئے راوی کا نام ہی ذکر نہ کیا ہو بلکہ **اخبر نی فلان** یا **اخبرنی شیخ** یا **اخبر نی رجل** وغیرہ کہہ دے اس مبہم راوی کا نام اگر کسی دوسری سند میں مذکور ہو تو اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے اس فن میں بھی علماء نے کتب لکھی ہیں المبہمات کے نام سے۔ مبہم راوی کا جب تک نام ذکر نہ کیا جائے اس کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ حدیث کی قبولیت کے لئے راوی کی عدالت شرط ہے، جب نام ہی ذکر نہیں تو ذات معلوم نہ ہوئی جب ذات معلوم نہ ہوئی تو اس کی عدالت کیسے ہوگی اور اگر راوی کا نام ذکر کرنے کی بجائے اس کی تعدیل ذکر کرتا ہے مثلاً کہتا ہے **اخبرنی الثقة** تب بھی قول اصح کے مطابق اس کی روایت معتبر نہیں ہوگی اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کے نزدیک وہ ثقہ ہو لیکن دوسروں کے نزدیک مجروح ہو، یہ احتمال چونکہ حدیث مرسل میں بھی ہوتا ہے اسلئے وہ قبول نہیں کی جاتی اگرچہ بعض کہتے ہیں کہ قبول کر لی جائے گی اسلئے کہ اصل عدالت ہے جرح خلاف اصل ہے اور بعض کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اگر ابہام کرنے والا صاحبِ علم ہے تو اس کی تقلید کرنے والا اس کو قبول کر سکتا ہے مگر یہ علم اصولِ حدیث میں سے نہیں ہے۔

تیسری وجہ: اگر راوی قلیل الحدیث ہو، یعنی اس سے بہت کم روایت کی گئی ہو، وحدان وہ راوی ہے جس سے صرف ایک نے روایت کی ہو۔ اس کا نام اگر مذکور ہو تو وہ مجہول العین ہے۔ اور اگر مذکور نہ ہو تو وہ مبہم ہے۔ اس کی روایت بھی قابل قبول نہ ہوگی اصح یہ ہے کہ اگر راوی جو اس سے روایت کر رہا ہے یا غیر راوی جس میں توثیق کی صلاحیت ہے اس نے توثیق کر دی تو حدیث مقبول ہوگی اور اگر دو نے روایت کی لیکن توثیق کسی سے منقول نہیں تو وہ مجہول ہے ایسے کو مستور کہا جاتا ہے، اگرچہ ایک جماعت مستور کی روایت کو جائز قرار دیتی ہے لیکن جمہور اس کو نہیں لیتے۔ تحقیق یہ ہے کہ ایسے کی روایت میں توقف کیا جائیگا۔ الّا یہ کہ حال معلوم ہو جائے۔ امام الحرمین نے اسی پر اعتماد ظاہر کیا ہے بلکہ جس راوی پر جرح غیر مفسر ہو اس کے متعلق بھی ابن صلاح کا اسی طرح کا قول ہے۔

یہاں پر حافظ صاحب نے راوی کے مجہول ہونے یا اس کے قلیل الحدیث ہونے کی بحث کو چھیڑا ہے۔

صحابی رضی اللہ عنہ کی جہالت حدیث کی صحت کے لئے مضر نہیں ہے، اس لئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

غیر صحابی کی جہالت دو قسموں پر ہے یا مبہم ہوگی یا غیر مبہم ہمارے نزدیک اگر خیر القرون کا مبہم راوی ہے خواہ اس کو لفظ تعدیل کے ساتھ مثلاً **اخبرنی ثقة** کہہ کر مبہم کہا گیا ہے، یا لفظ تعدیل کے بغیر جیسے **اخبرنی شیخ** وغیرہ۔ دونوں صورتوں میں خیر

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

القرون کے مبہم راوی کی روایت قبول ہوگی۔اوراگر راوی مجہول الحال ہوذات معلوم ہولیعنی ظاہر اچھا ہولیکن باطن کی خبر نہ ہوتو اس کو مستور کہتے ہیں خیر القرون کا مستور الحال ہونا ہمارے احناف کے نزدیک کوئی سبب جرح نہیں اس کی روایت قبول ہوگی اگر راوی سے روایت کرنے والا فقط ایک ہی ہوخیر القرون کی جہالت ہمارے ہاں سبب جرح نہیں ہے، بلکہ بعد میں بھی سبب جرح نہیں ہے ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے التحریر میں یہی لکھا ہے **ووحدة الراوی لیست بجرح عندنا** مسلم الثبوت اوراس کی شرح فواتح الرحموت میں بھی اسی طرح ہے۔یہ بات یادرہے کہ راوی کے ایک ہونے پر جہالت کا مدار دوسرے محدثین کے نزدیک ہے،اورانکے نزدیک اگر دو روایت کرنے والے ہوں تو جہالت عینی مرتفع ہوجائے گی۔ہمارے نزدیک مجہول العین وہ ہے جس سے ایک یا دو حدیثیں مروی ہوں اوراس کی عدالت بھی معلوم نہ ہوعام ہے کہ اس سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زائد ہوں۔اس قسم کی جہالت اگر صحابی میں ہے تو مضر نہیں اوراگر غیر میں ہے تو پھر اگر اسکی حدیث قرن ثانی یا قرن ثالث میں ظاہر ہوجائے تو اس پر عمل جائز ہوگا اور اگر ظاہر ہو اور سلف اس کی صحت کی گواہی دیں یا طعن سے خاموش رہیں تو قبول کرلی جائے گی اوراگر رد کردیں تو رد کردی جائے گی اوراگر اختلاف کریں تو اگر موافق قیاس ہوگی تو قبول ورنہ رد کردی جائے گی۔

الشق الثانی.....**حدثنا علی بن مسهر قال سمعت أنا وحمزة الزيات من أبان بن أبي عياش نحوًا من ألف حديث قال علي: فلقيت حمزة فأخبرني أنه رأى النبي ﷺ في المنام فعرض عليه ماسمع من أبان فماعرف منها الاشيئا يسيرًا خمسة أوستة.** (ص۱۸۔ج۱۔قدیمی)

ترجم لابان بن أبي عياش؟ ۔ انكر معنى هذا المقال واكتب هل تُردّ الأحاديث بأمر المنام؟ اشرح معنى قوله "من رآني في المنام فقد رآني" وانكر هل تثبت حجية ماسمعه من الرسول ﷺ في المنام ولماذا؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) ابان بن ابی عیاش کا تعارف (۲) عبارت کی تشریح (۳) **من رآنی فی المنام فقد رآنی** کا مفہوم (۴) خواب میں ارشادِ نبوی ﷺ کی حجیت۔

جواب..... ① ابان بن ابی عیاش کا تعارف:۔ ابواسماعیل ابان بن ابی عیاش بصری چھوٹے درجہ کا تابعی ہے اور یہ انتہائی ضعیف اور متروک الحدیث راوی ہے۔اس کی وفات تقریباً ۱۴۰ھ میں ہے۔(فیض المنعم ص ۱۱۷)

② عبارت کی تشریح:۔ علی بن مسہر کہتے ہیں کہ میں نے اور حمزہ زیات نے ابان سے تقریباً ایک ہزار احادیث سنی ہوئی تھیں پھر کچھ عرصہ کے بعد میری حمزہ زیات سے ملاقات ہوئی تو پھر حمزہ زیات نے مجھے بتلایا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور میں نے ابان کی تمام احادیث آپ ﷺ کے سامنے پیش کیں تو آپ ﷺ نے ان تمام احادیث میں سے صرف چند احادیث کو پہچانا،حمزہ زیات کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ابان نے تمام احادیث ازخود اِدھر اُدھر سے لی ہیں اور خود گھڑی ہیں۔ان تمام احادیث میں سے صرف چند احادیث صحیح ہیں اوراس کلام سے غرض ابان کے ضعف کی تائید ہے۔

③ **من رآنی فی المنام فقد رآنی** کا مفہوم:۔ متقدمین میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو آخری زندگی والے حلیہ میں دیکھا اس نے بالیقین آپ ﷺ کو دیکھا چنانچہ وہ حضرات خواب دیکھنے والے سے حلیہ دریافت کرلیا کرتے تھے اگر خواب دیکھنے والا وہ حلیہ بیان کرتا جو آپ ﷺ کا آخری زندگی میں تھا تو وہ اس خواب کی تصدیق کرتے تھے ورنہ کہتے کہ آپ نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں نہیں دیکھا۔

متقدمین کی دوسری رائے یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کو آپ کے حلیہ میں دیکھا خواہ وہ آخری زندگی کا حلیہ ہو یا پہلے کا اس نے آپ ﷺ کو دیکھا اوراگر ایسی حالت میں دیکھا جو آپ ﷺ کا حلیہ کبھی نہیں رہا تو اس نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

متأخرین کی رائے یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ ﷺ کو جس حلیہ میں بھی دیکھا ہو اگرچہ نامناسب حلیہ میں دیکھا ہو اور خواب میں قرائن سے جانا ہو کہ یہ نبی کریم ﷺ ہیں تو وہ آپ ﷺ ہی ہوتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا خواہ روایات میں منقول حلیہ

0313 6357913 maktabazakariyamulton@gmail.com

میں دیکھا ہو یا کسی اور حلیہ میں دیکھا ہو۔ حضرت گنگوہی قدسرہ فرماتے ہیں کہ یہی رائے برحق ہے کیونکہ خواب دیکھنے والے کو جس شخص سے مناسبت ہوتی ہے اس کی شکل میں آپ ﷺ نظر آتے ہیں نیز خواب دیکھنے والے کی ایمانی حالت، نیت اور امور باطنہ کے اختلاف سے بھی آپ ﷺ کی زیارت مختلف صورتوں میں ہوتی ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج۶ ص۴۱)

④ خواب میں ارشادِ نبوی ﷺ کی حجیت:۔ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ خواب شریعت میں کوئی قطعی حجت نہیں ہے اگرچہ آپ ﷺ کا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ جس نے خواب میں میری زیارت کی اس نے میری ہی زیارت کی، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا، مگر چونکہ خواب کی حالت اختلال ضبط اور غفلتِ عقل وہوش کی حالت ہوتی ہے اس لئے صرف خواب کی بنیاد پر کسی ناجائز کو جائز اور کسی جائز کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اگر وہ ارشاد کسی حکم شرعی سے مصادم نہ ہو تو آپ ﷺ کی صورتِ ذاتیہ یا صورتِ مثالیہ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور یہ مستحسن ہے۔ (کشف الباری ج۱ ص۱۹۹)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل ..... **عن طارق بن شهاب ..... قال أوّل من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان، فقام اليه رجل، فقال: الصلاة قبل الخطبة فقال قدترك ما هنالك فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله ﷺ يقول من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فأن لم يستطع فبلسانه: فأن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الايمان .** (ص۵۰۔ج۱۔قدیمی) **من هو أول من بدأ بالخطبة يوم العيد؟ وقد وردت فيه روايات اذكر وجه الجمع بينها. من هذا الرجل الذى أنكر على مروان؟ ولما ذا تأخر أبو سعيد عن الانكار عليه؟ وفى رواية: أن الذي أنكر عليه هو أبو سعيد فكيف الجمع بين هذين؟ اشرح الحديث واذكر الأحوال التى يسقط واجب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) یوم العید میں خطبہ کی ابتداء کرنیوالے شخص کی نشاندہی اور تطبیق (۲) مروان پر رد کرنے والے شخص کی نشاندہی (۳) ابوسعید رضی اللہ عنہ کے رد کرنے میں تاخیر کی وجہ (۴) حدیث کی تشریح اور سقوطِ واجب۔

جواب ..... ① یوم العید میں خطبہ کی ابتداء کرنیوالے شخص کی نشاندہی اور تطبیق:۔ یوم العید میں نماز عید کے بعد خطبہ دینا مسنون عمل ہے۔ نماز عید سے قبل خطبہ دینے والا سب سے پہلا شخص کون ہے؟ اس میں متعدد روایات ہیں۔

کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ہے، کہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور کہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اور کہیں مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

الغرض اس سلسلہ میں متعدد نام منقول ہیں۔ ان روایات پر اعتراض ہوتا ہے کہ بظاہر روایات متعارض ہیں۔

محدثین نے ان سب میں سے مسلم کی روایت کو ترجیح دی ہے اس میں صراحت ہے کہ یہ کام سب سے پہلے مروان نے کیا تھا، اگر مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف یہ نسبت درست بھی ہو تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا اور نو مسلموں میں کچھ تساہل محسوس کیا گیا تو تمام مسلمانوں کو نمازِ عید میں شامل کرنے کیلئے احیاناً نماز پر خطبہ کو مقدم کردیا جبکہ مروان نے شاید اپنی ذاتی مصلحت کی وجہ سے اسے احیاناً مقدم کرنے کی بجائے اسے معمول بنالیا تھا اسلئے اسکے عمل پر نکیر کی گئی۔ (درسِ مسلم ص۳۲۸)

② مروان پر رد کرنیوالے شخص کی نشاندہی:۔ نمازِ عید سے پہلے خطبہ دینے کی وجہ سے مروان پر ردّ کرنے والے شخص مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔

③ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے رد کرنے میں تاخیر کی وجہ:۔ ممکن ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بوقتِ ابتداء وہاں موجود نہ ہوں اور جب دونوں میں گفتگو شروع ہو رہی ہو اس وقت تشریف لائے ہوں۔

نیز ممکن ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو اپنے منع کرنے کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہو اسلئے ان سے نہی عن المنکر کا فریضہ ہی ساقط ہوگیا ہو۔

نیز ممکن ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے نہی عن المنکر کا قصد وارادہ کیا ہو مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سبقت لے گئے ہوں۔

0312 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ حدیث کی تشریح اور سقوطِ واجب:۔ حدیث الباب میں رسول اللہ ﷺ نے نہی عن المنکر کی اہمیت و وجوب اور اس کے درجات کو بتلایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین متین کے عظیم ترین احکامات میں سے ایک اہم حکم ہے۔ اسی عظیم امر کیلئے اللہ نے بعثتِ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اگر اسے ہی موقوف کر دیا جائے تو کارِ نبوت بے کار ہو کر رہ جائے گا۔ گمراہی اور جہالت پھیلتی چلی جائے گی۔ امت میں فساد عام ہو جائے گا اور سوءِ قسمتی سے دور حاضر میں یہ مرض عام ہو چکا ہے۔ کلمہ حق کہنے میں ملامت کرنے والوں کی پروانہ کرنے والے لوگ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ لوگ شہوت پرستی، نفس کی اتباع میں برائیوں کے اندر بہے چلے جا رہے ہیں لیکن انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

نہی عن المنکر ہر مسلمان پر، امت کے ہر طبقہ پر واجب ہے لیکن اس کے تین درجات ہیں۔ ① پہلا درجہ تغییر بالید ہے یعنی برائی کو طاقت کے ذریعہ روک دینا یا ختم کر دینا یہ حقیقتاً حاکم اور حکومت کی ذمہ داری ہے کیونکہ طاقت وقدرت اسی کے پاس ہوتی ہے لہٰذا برائی کو بذریعہ طاقت اور بزورِ بازو ختم کرنا حاکم اور حکومت کی ذمہ داری ہے ② دوسرا درجہ تغییر باللّسان ہے۔ زبان سے برائی روکنا، یہ منصب علماء کرام کا ہے کیونکہ انکے پاس طاقت نہیں ہوتی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا واقعہ بھی شہادت دیتا ہے کہ علماء کا کام برائی کو زبان سے روکنا ہے اور کلمۂ حق کہنے میں لومۃ لائم کی پروانہ کرنی چاہیے۔ البتہ جان کا خوف یا فتنہ کا اندیشہ ہو تو وہاں یہ بھی واجب نہیں، امت مرحومہ کی تاریخ میں ایسے سینکڑوں نہیں ہزاروں علماء سلف کے ایمان افروز واقعات ملتے ہیں کہ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق اور نہی عن المنکر میں انہوں نے جان کی پروانہ کی اور جان بھی راہ حق میں قربان کر دی۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر بالید و باللّسان کیلئے استطاعت اور عدمِ فتنہ وفساد شرط ہے۔ اگر کسی کے پاس استطاعت نہیں یا استطاعت تو ہے مگر فتنہ وفساد اور خون ریزی وقتل وغارت کا خوف ہے تو اس صورت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بالید اور باللّسان کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ ③ تیسرا درجہ **فلیغیرہ بقلبہ** ہے یعنی اس کو دل سے برا جاننا، اس کا حکم بہر صورت باقی رہے گا اس سے کم کوئی درجہ نہیں ہے یعنی یہ حکم کسی بھی صورت میں ساقط نہ ہوگا۔ (تفصیل معارف القرآن ۱۳۶:۱، درسِ مسلم ص ۳۳۹)

الشق الثانی..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِي فَأَسْتَجِيْبَ لَهٗ؟ وَمَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهٗ؟ وَمَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَلَهٗ؟ (ص ۲۷۸۔ ج ۱۔ قدیمی) شکّل الحدیث ثم ترجمہ۔ اشرح مذاهب العلماء في الصفات المتشابهة ۔ مامعنى نزول الرب تعالى؟ استدل بهذا الحديث بعض العلماء على اثبات صفة العلوللّٰه سبحانه وتعالٰى ، أليس هذا اثبات جهةٍ له عزوجل؟ اشرح ذلك بحيث لاتبقى شبهة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) صفاتِ متشابہ کے بارے میں علماء کے اقوال (۴) نزولِ باری تعالیٰ کا معنی۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر رات کی اخیر تہائی میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اسکی پکار کو سنوں اور کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو عطاء کروں اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں۔

③ صفاتِ متشابہ کے بارے میں علماء کے اقوال:۔ ان احادیث سے یہ بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت وتوجہ رات کے دوسرے اور تیسرے حصہ میں نازل ہوتی ہے اس وقت میں کثرت سے دعا وعبادات کے اہتمام کی کوشش کرنا چاہیے، یہی حدیث کا عملی پیغام ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزول سے کیا مراد ہے کیونکہ نزول تو حوادث اور جسم کی صفت ہے جبکہ حق تعالیٰ نہ حادث ہیں نہ جسم رکھتے ہیں **تعالٰی عن الجسم** پھر یہ جو فرمایا کہ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں تو اس کی کیا حقیقت ہے؟

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسئلہ ہمیشہ سے بڑا پیچیدہ اور مشکل رہا ہے اور اس جیسی احادیث کی وجہ سے بڑے بڑے علمِ کلام سے متعلق مسائل اور فرقے پیدا ہو گئے، لہٰذا اس بات کو اصلاحِ اعتقاد اور خلجانِ ذہنی کو دور کرنے کیلئے مختصراً سمجھ لینا ضروری ہے۔

پہلا مذہب: مشبہہ ان الفاظ کو اپنے ظاہری وحقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جیسے حوادث کے لئے نزول وغیرہ ثابت ہیں اسی طرح حق تعالیٰ کے لئے بھی ثابت ہیں لیکن یہ مذہب بالکل باطل ہے۔

دوسرا مذہب: معتزلہ وخوارج کا ہے جو صفاتِ باری تعالیٰ کے منکر ہیں وہ اس عقیدۂ بالا کی خرابی سے بچنے کے لئے ان احادیثِ صحیحہ ہی کا انکار کرتے ہیں جن میں حق تعالیٰ کے لئے اس قسم کی صفات بیان کی گئی ہیں، یہ مذہب بھی محض باطل ہے۔

تیسرا مذہب: جمہور محدثین اور سلف صالحین کا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اور اس جیسی دوسری احادیث جن میں حق تعالیٰ کیلئے نزول، ضحک، ید، رجل وغیرہ کا ذکر ہے وہ سب احادیث متشابہات میں سے ہیں ان احادیث کو تو صحیح مانا جائیگا لیکن ان صفات کی کیفیات کے بارے میں توقف اور سکوت کیا جائیگا، مثلاً نزول ہے تو یہ بات تو ہر ایک کیلئے ماننا ضروری ہے کہ نزول کی صفت حق تعالیٰ کی ہے لیکن وہ نزول کیسے ہوتا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے؟ ان سوالوں میں پڑنا اور تحقیق کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان پر صرف ایمان لانا ضروری ہے ان کی حقیقت کو جاننا باعتبار آخرت عمل کیلئے ضروری نہیں۔ لہٰذا ایسی تمام صفات میں جمہور سلف کا طریقہ یہی ہے کہ ان کو تسلیم کرتے ہوئے اسکے معنی ومفہوم کو واضح کرنے کے بجائے یہی کہا جاتا ہے کہ کما یلیق بشانہ، جیسا کہ حق تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے۔

چوتھا مذہب: متکلمین کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا ظاہری معنی ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تشبیہ کو مستلزم ہے البتہ وہ مجازی معنی مراد لیتے ہیں اور ان صفات کی تاویل کرتے ہیں کہ مثلاً نزول سے مراد نزول رحمت وغیرہ ہے لیکن شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الیواقیت والجواہر میں یہی فرمایا کہ تفویض (تیسرا مذہب) ہی بہتر ہے کہ حق تعالیٰ ہی انکے معنی ومفہوم سے واقف ہیں۔ ہم اگر انکی تاویل کرینگے تو وہ تاویل ہماری ذہنی اختراع ہی ہوگی جس میں غلطی کا امکان ہے لہٰذا تفویض پر عمل کرنا چاہیے۔ (درسِ ترمذی ۲:۲۰۰)

④ نزولِ باری تعالیٰ کا معنی:۔ نزولِ باری تعالیٰ سے مراد نزولِ رحمت ہے یا نزولِ احکام یا نزولِ ملائکہ یا دعا کرنے والوں کی طرف لطف واجابۃ کے ساتھ خصوصی طور پر متوجہ ہونا ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قيل: يا رسول الله و ماهن؟ قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التی حرم الله الا بالحق واكل مال اليتيم واكل الربا والتولی يوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات۔** (ص۶۴۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث۔ ماهی حقيقة السحر عندالمحققين مع تعيين محل الخلاف۔ ماهوالفرق بين السحر والمعجزة والكرامة۔ انكراختلاف العلماء فی حكم السحر والساحر۔ ماهوحكم قذف الكافرة۔ والامة المسلمة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سحر کی حقیقت (۳) سحر، معجزہ اور کرامت میں فرق (۴) سحر وساحر کا حکم (۵) کافرہ عورت اور مسلمان باندی پر تہمت کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ سات چیزیں کونسی ہیں؟ (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی نفس کو قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا، شریف پاکدامن مؤمن عورتوں پر تہمت لگانا۔

② سحر کی حقیقت:۔ سحر بالکسر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے جس کا سبب ظاہر نہ ہو (قاموس) خواہ وہ سبب معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر یا غیر محسوس چیزوں کا ہو، جیسے جنات وشیاطین کا اثر یا مسمریزم میں قوت خیالیہ کا اثر، یا محسوسات کا ہو مگر وہ محسوسات مخفی ہوں، جیسے مقناطیس کی کشش لوہے کیلئے جبکہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو، یا دواؤں کا اثر جبکہ وہ دوائیں مخفی ہوں، یا نجوم وسیارات کا اثر۔

0313-6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اسی لئے جادو کی اقسام بہت ہیں، مگر عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات وشیاطین کے عمل کا دخل ہو یا قوت خیالیہ مسمریزم کا یا کچھ الفاظ وکلمات کا کیونکہ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے اور تجربہ ومشاہدہ سے بھی اور قدیم وجدید فلاسفہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حروف وکلمات میں بھی بالخاصہ کچھ تاثیرات ہوتی ہیں، کسی خاص حرف یا کلمہ کو کسی خاص تعداد میں پڑھنے یا لکھنے وغیرہ سے خاص خاص تاثرات کا مشاہدہ ہوتا ہے یا ایسی تاثیرات جو کسی انسانی بالوں یا ناخنوں وغیرہ اعضاء یا اسکے استعمالی کپڑوں کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں شامل کر کے پیدا کی جاتی ہیں جن کو عرف عام میں ٹونہ ٹوٹکا کہا جاتا ہے اور جادو میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کی اصطلاح میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو، پھر شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی ایسے منتر اختیار کئے جاتے ہیں جن میں کفر وشرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو یا کواکب ونجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں، مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا، یا جنابت ونجاست کی حالت میں رہنا، طہارت سے اجتناب کرنا وغیرہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے پاس فرشتوں کی مدد، ان اقوال وافعال سے حاصل کی جاتی ہے جن کو فرشتے پسند کرتے ہیں مثلاً تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی، بدبو اور نجاست سے اجتناب، ذکر اللہ اور اعمال خیر۔ اسی طرح شیاطین کی امداد ایسے اقوال وافعال سے حاصل ہوتی ہے جو شیطان کو پسند ہیں، اسی لئے سحر صرف ایسے ہی لوگوں کا کامیاب ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہیں، پاکی اور اللہ کے نام سے دور رہیں، خبیث کاموں کے عادی ہوں، عورتیں بھی ایام حیض میں یہ کام کرتی ہیں تو موثر ہوتا ہے، باقی شعبدے اور ٹوٹکے یا ہاتھ چالاکی کے کام یا مسمریزم وغیرہ ان کو مجازاً سحر کہہ دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۷۴)

③ سحر، معجزہ اور کرامت میں فرق:۔ معجزہ وکرامت بلاواسطہ اسبابِ طبعیہ کے براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور جادو وسحر اسبابِ طبعیہ مخفیہ کا اثر ہوتا ہے۔ نیز معجزہ وکرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتے ہیں جن کا تقویٰ وطہارت، پاکیزگی اخلاق واعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں اور جادو کا اثر ایسے لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے جو گندے، ناپاک، اللہ کے نام اور اسکی عبادت سے دور رہتے ہیں۔ (ایضاً)

معجزہ وکرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ اس امرِ خارق للعادۃ کو کہتے ہیں جس کا ظہور کسی نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور یہ نبوت کے ثبوت کی حجت اور دلیل ہوتا ہے جبکہ کرامت کا ظہور ولی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور اس سے اس ولی کی تائید مقصود ہوتی ہے۔

④ سحر وساحر کا حکم:۔ جس سحر میں کوئی کفریہ عمل یا کلمات کو اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے مدد طلب کرنا وغیرہ تو یہ سحر کفر اور مرتکب کافر وزندیق ہے۔ اگر اس میں کفریہ افعال واقوال نہ ہوں مگر معاصی کا ارتکاب ہو مثلاً نجس رہنا، نماز نہ پڑھنا تو وہ ساحر فسق اور اس کا مرتکب فاسق ہے اور یہ سیکھنا وسکھانا ناجائز وحرام ہے۔ (کشف الباری کتاب الطب ص ۹۹)

اگر سحر میں صرف جائز اور مباح امور سے کام لیا جائے اور کسی ناجائز مقصد کیلئے اسکو استعمال نہ کیا جائے تو پھر جائز ہے اور اگر قرآنی آیات وغیرہ سے کام لیا جائے مگر کوئی ناجائز مقصد کیلئے ہو تب بھی یہ ناجائز ہے۔

0313 6357013 maktabahazkariyamultan@gmail.com

⑤ کافرہ عورت اور مسلمان باندی پر تہمت کا حکم:۔ جس پر زنا کی تہمت لگی ہے اس کا عاقل، بالغ، آزاد مسلمان اور عفیف (اِس سے پہلے کبھی اُس پر زنا ثابت نہ ہوا ہو) ہونا ضروری ہے۔ (معارف القرآن ج ۶ ص ۳۵۴)

لہٰذا اگر کسی شخص نے مؤمنہ عورت کی بجائے کسی مشرکہ وکافرہ عورت پر تہمت لگائی خواہ وہ حربیہ ہو یا ذمیہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے اور مؤمنات (مؤنث کا صیغہ) کے لفظ سے مؤمن مرد کو خارج کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ متابعت قرآن کی وجہ سے ہے، پس مؤمن مرد پر تہمت لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح کسی نے مسلمان باندی پر تہمت لگائی تو یہ بھی کبیرہ گناہ نہیں ہے۔

الشق الثانی.....عن عبدالرحمن بن عثمان التیمی أن رسول اللّٰہ ﷺ نھی عن لقطة الحاج۔

اشرح معنی اللقطة لغة واصطلاحًا۔ اذکر حکم اللقطة عند العلماء بتفصیل مشبع۔ اشرح ھذا الحدیث شرحًا واضحا مع ذکر اختلاف الأئمة فی لقطة الحرم۔ (ص ۸۰۔ ج ۲۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) لقطہ کا لغوی واصطلاحی معنی (۲) لقطہ کا حکم (۳) لقطۂ حرم میں اختلاف۔

جواب ..... ① لقطہ کا لغوی واصطلاحی معنی:۔ یہ التقاط سے مشتق ہے جس کے معنی اٹھانے کے ہیں اور اصطلاح میں لقطہ اس چیز کا نام ہے جو گری پڑی ہو اس کو کوئی اٹھالے۔

② لقطہ کا حکم:۔ لقطہ کا پہلا حکم تعریف وتشہیر ہے، بعض فقہاء کے نزدیک جو چیز بھی ملے خواہ قیمتی ہو یا گھٹیا ہو حدیث **عرفها سنة** کی وجہ سے ایک سال تک تعریف وتشہیر واجب ہے۔ حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ شرعاً تعریف وتشہیر کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے بلکہ ہر چیز کی تشہیر کی مدت الگ ہوگی۔ اگر کوئی قیمتی چیز ہے تو اس کی تشہیر دو تین سال تک کرنی ہوگی اور اگر معمولی چیز ہے تو اسکی تشہیر ایک دن کرنا بھی کافی ہے اور احادیث میں تشہیر کے متعلق متعدد روایات ہیں، ہر روایت میں الگ الگ مدت کا ذکر ہے اور یہ مدت چیز کی مالیت پر موقوف ہے۔

الحاصل حنفیہ کے نزدیک مبتلی بہ (ملتقط) کو جب تک یہ اندازہ ہو کہ مالک اسکو تلاش کر رہا ہوگا اس وقت تک وہ تشہیر کرتا رہے اور جب اس کا خیال یہ ہو کہ اب مالک تلاش نہیں کر رہا ہوگا تو پھر تشہیر ترک کردے خواہ ایک دن ہو یا چار پانچ سال کی مدت ہو۔

دوسرا مسئلہ لقطہ مالک کے سپرد کرنے کے متعلق ہے کہ جب مالک آکر اس لقطہ کی تمام علامات بیان کردے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لقطہ اس کے سپرد کرنا واجب ہے۔ مگر جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اگر چہ طالب تمام علامات بیان کردے پھر بھی اگر اطمینان نہ ہو تو لقطہ اسکے سپرد نہ کیا جائے۔ الّا یہ کہ وہ اپنی مِلک پر بینہ قائم کردے کہ یہ چیز واقعتاً اس کی مِلک ہے تو پھر لقطہ اس کے سپرد کردے۔

تیسرا مسئلہ لقطہ کے مصرف اور استعمال کے متعلق ہے۔ اگر مدتِ تشہیر تک مالک نہ آئے تو پھر لقطہ کا کیا کیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ملتقط خواہ غنی ہو یا فقیر وہ لقطہ اس کے لئے حلال ہے اور وہ خود اسے استعمال کرسکتا ہے۔ البتہ استعمال کے بعد اگر مالک آگیا تو پھر مالک کو اس کی ضمان ادا کرنا لازم ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ملتقط فقیر اور مستحقِ زکوٰۃ ہے تو پھر اس کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور اگر وہ غنی ہے تو پھر اسے اختیار ہے چاہے امانت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے اور اگر چاہے تو صدقہ کردے۔ البتہ اگر صدقہ کے بعد مالک آگیا تو پھر اس کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو نافذ کردے اور اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا اور اگر چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے۔ اس صورت میں ملتقط کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔ (تلخیص از تقریر ترمذی ج۱ ص۳۱۹) (کشف الباری ج۳ ص۵۴۷)

③ لقطۂ حرم میں اختلاف:۔ حرم میں اگر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو آیا اس کا حکم بھی عام لقطہ کی طرح ہے یا اس کے حکم میں دوسری جگہوں کے لقطوں کے مقابلہ میں کوئی فرق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطۂ حل وحرم میں فرق ہے: عام لقطہ کا حکم تو یہ ہے کہ التقاطِ لقطہ واجب یا مستحب ہے اس کے بعد ایک مخصوص مدت تک تعریف ہوگی، اگر تعریف کے بعد مالک نہ آئے تو اس کو ملتقط اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، خواہ ملتقط غنی ہو یا فقیر۔ جبکہ حرم کے لقطہ کا التقاط صرف حفاظت کی غرض سے ہی جائز ہے، تملک کی نیت سے بالکل جائز نہیں ہے پھر اس کی ہمیشہ تعریف کی جائے گی گویا اس کا تملک ممکن نہیں ہوگا۔

0312 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جمہور ائمہ امام ابوحنیفہ وامام مالک کا مذہب اور امام احمد رحمہم اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ لقطۂ حل اور لقطۂ حرم میں کوئی فرق نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: ① بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسمیں **ولا تلتقط ساقطتها الا لمنشد** کے الفاظ ہیں۔ ② مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی کی روایت ہے **ان رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **نهى عن لقطة الحاج** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کے لقطہ سے منع فرمایا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام لقطہ کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **عرفها سنة** فرمایا جبکہ لقطۂ حرم کے بارے میں کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس کی دائماً تعریف ضروری ہے۔

جمہور کا استدلال: لقطہ کے بارے میں وارد اُن عام احادیث سے ہے جن میں لقطۂ حل وحرم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ نیز لقطہ ایک امانت ہے، عام ودیعتوں کی طرح اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں خواہ حل کی امانت ہو یا حرم کی۔

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے سو اس کے بارے میں علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **الالمنشد** کا مطلب **الالمن عرفها عامًا** ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لقطہ اٹھانے کی اجازت اسے حاصل ہے جو تعریف کا ارادہ رکھتا ہو تملک کی نیت سے اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں۔

جہاں تک حدیث **نهى عن لقطة الحاج** کا تعلق ہے سو یہ نہی بالکل صریح ہے اور بظاہر اسکا حکم دوسرے لقطہ کے حکم سے مختلف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نہی کا مآل بھی یہی نکلتا ہے کہ **لقطة الحاج** اور **لقطة غیرالحاج** میں کوئی فرق نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ لقطۃ الحاج سے نہی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ حاجی اپنے ساتھ ضروری ضروری اشیاء ہی لے جاتا ہے اور جو چیز وہ لے جاتا ہے اس سے وہ عموماً مستغنی نہیں ہوتا گویا اس چیز کی ضرورت اسے شدید ہوتی ہے ایسی صورت میں جب وہ کوئی چیز گم کرے گا تو اسے ڈھونڈے گا اور عام طور پر وہیں ڈھونڈے گا جہاں اس نے وہ چیز گم کی ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص اس چیز کو نہ اٹھائے تو مالک اسے آسانی سے پا لے گا۔ برخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص اسے اٹھالے اور تعریف کرے تو یہ عین ممکن ہے کہ چیز ایک جگہ گم ہوئی ہو اور وہ شخص تعریف کسی اور جگہ کر رہا ہو مثلاً چیز مکہ میں گم ہوئی وہ منیٰ میں اعلان کر رہا ہے ایسی صورت میں تعریف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (کشف الباری ۴:۲۸۳)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل..... وَزَعَمَ الْقَائِلُ الَّذِي افْتَتَحْنَا الْكَلَامَ عَلَى الْحِكَايَةِ عَنْ قَوْلِهِ وَالْإِخْبَارِ عَنْ سُوءِ رَوِيَّتِهِ أَنَّ كُلَّ إِسْنَادٍ لِحَدِيثٍ فِيهِ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ، وَقَدْ أَحَاطَ الْعِلْمُ بِأَنَّهُمَا قَدْ كَانَا فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَجَائِزٌ أَنْ يَكُونَ الْحَدِيثُ الَّذِي رَوَى الرَّاوِي عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ قَدْ سَمِعَهُ مِنْهُ وَشَافَهَهُ بِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَعْلَمُ لَهُ مِنْهُ سِمَاعًا وَلَمْ نَجِدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُمَا الْتَقَيَا قَطُّ أَوْ تَشَافَهَا بِحَدِيثٍ أَنَّ الْحُجَّةَ لَا تَقُومُ عِنْدَهُ بِكُلِّ خَرِجَاءَ هَذَا الْمَجِيءُ حَتَّى يَكُونَ عِنْدَهُ الْعِلْمُ بِأَنَّهُمَا قَدِ اجْتَمَعَا مِنْ دَهْرِهِمَا مَرَّةً فَصَاعِدًا أَوْ تَشَافَهَا بِالْحَدِيثِ بَيْنَهُمَا أَوْ يَرِدَ خَبَرٌ فِيهِ بَيَانُ اجْتِمَاعِهِمَا وَتَلَاقِيهِمَا مَرَّةً مِنْ دَهْرِهِمَا فَوْقَهَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ عِلْمُ ذَلِكَ وَلَمْ تَأْتِ رِوَايَةٌ تُخْبِرُ أَنَّ هَذَا الرَّاوِيَ عَنْ صَاحِبِهِ قَدْ لَقِيَهُ مَرَّةً وَسَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ فِي نَقْلِهِ الْخَبَرَ عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ عِلْمُ ذَلِكَ وَالْأَمْرُ كَمَا وَصَفْنَا حُجَّةٌ وَكَانَ الْخَبَرُ عِنْدَهُ مَوْقُوفًا حَتَّى يَرِدَ عَلَيْهِ سِمَاعُهُ مِنْهُ لِشَيْءٍ مِنَ الْحَدِيثِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ فِي رِوَايَةٍ مِثْلِ مَا وَرَدَ..... (ص۲۱۔ج۱۔قدیمی)

شكل العبارة كاملاً بالضبط ثم ترجمها ترجمة واضحة. (فیض المنعم ص۱۴۴)

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كمامرّ في السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور جس شخص کے قول کو بیان کرتے ہوئے ہم نے کلام کا آغاز کیا تھا اور اس کے غلط خیال کو بتلایا تھا اس کا خیال یہ ہے کہ ہر وہ سندِ حدیث جو فلان عن فلان کے طرز پر ہو (معنعن ہو) اور اس کے بارے میں یہ علم ثابت ہو چکا ہو کہ دونوں (راوی اور مروی عنہ) ہمعصر تھے (ایک ہی زمانہ میں تھے) اور یہ بھی ممکن ہو کہ وہ حدیث جو راوی نے مروی عنہ سے روایت کی ہے وہ اس سے سنی ہو (یعنی راوی کا مروی عنہ سے سماع بھی ممکن ہو) اور اس سے لقاء بھی ممکن ہو لیکن ہمیں ان کے سماع کے بارے میں علم یقینی حاصل نہ ہو اور نہ روایات میں ہم ایسی کوئی تصریح پائیں کہ وہ دونوں کبھی عمر بھر میں ملے تھے اور انکے درمیان مشافہۃً گفتگو ہوئی تھی تو ایسی سند سے مروی حدیث اس شخص کے نزدیک قابل حجت نہیں ہوگی جب تک کہ یہ علم یقینی حاصل نہ ہو جائے کہ وہ دونوں عمر بھر میں کم از کم ایک بار یا اس سے زائد بار ایک جگہ جمع ہوئے یا ملاقات کی۔ پس اگر اس بات کا علم (یقینی) حاصل نہ ہو اور نہ ہی اس بارے میں کوئی خبر یا روایت ملے جو یہ بتلائے کہ یہ راوی اپنے ساتھی (مروی عنہ) سے کم از کم ایک بار ملا ہے اور اس سے سماع کیا ہے تو اس حدیث کو نقل کرنا ایسی حالت میں کہ مروی عنہ کے بارے میں صرف یہ علم ہو کہ دونوں ہمعصر تھے اور باقی حالت

0313 630 7913 maktabazakariyamultan@gmail.com

وہی ہو جو ہم نے بیان کی (کہ لقاء وسماع کا علم یقینی حاصل نہ ہو) حجت نہ ہوگی اور ایسی حدیث موقوف ہوگی۔ یہاں تک کہ راوی کا مروی عنہ سے سماع حدیث ثابت ہو جائے تھوڑا یا بہت (تو پھر وہ قابل استدلال ہوگی)۔

الشق الثانی.....**حدثنا سفیان قال: کان الناس یحملون عن جابر قبل أن یظهر ماأظهر ،فلما أظهرما اظهر اتهمه الناس فی حدیثه وترکه بعض الناس،فقیل له: وما أظهر، قال: الایمان بالرجعة۔**(ص۱۵۔ج۱۔قدیمی)

ترجم العبارة المذکورة ۔ عرّف "جابرًا" من هو؟ ومامعنی الایمان بالرجعة؟

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ لوگ جابر جعفی سے احادیث لیا کرتے تھے جب تک کہ اس نے اپنی بداعتقادی ظاہر نہ کی تھی، پھر جب اس نے اپنی بداعتقادی ظاہر کی تو لوگوں نے اس کے بارے میں بدگمانی کی اور بعض لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پھر سفیان سے پوچھا گیا کہ اس نے کیا بداعتقادی ظاہر کی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رجعت کا عقیدہ۔

② جابر کا تعارف:۔ ابوعبداللہ جابر بن یزید جعفی کوفی مشہور ضعیف راوی ہے اور اس کی وفات ۱۲۷ھ میں واقع ہوئی ہے۔ پہلے یہ شخص ٹھیک تھا پھر بعد میں سبائی شیعہ ہو گیا تھا اور بعض ائمہ نے اس کے سابق احوال کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی توثیق کی ہے اور اس سے روایت لی ہے چنانچہ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی اس کی روایات موجود ہیں۔ اور دیگر ائمہ نے آخری احوال کے اعتبار سے اس پر شدید جرح کی ہے اور اس کی روایات ترک کر دی ہیں۔ ابن معین نے کذاب کہا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ جو جابر کے ہم وطن تھے انہوں نے بھی اس پر سخت جرح کی ہے اور فرمایا کہ میں اب تک جن کاذب رواۃ سے ملا ہوں ان میں سے سب سے زیادہ کاذب اور جھوٹا جابر جعفی ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ سبائی تھا اور عبداللہ بن سباء کا ساتھی تھا۔ آخری روایت میں سفیان بن عیینہ کا کہنا ہے کہ جابر جعفی کی تیس ہزار من گھڑت روایات ہیں، میں ان میں سے ایک حدیث کو بھی بیان کرنا حلال نہیں سمجھتا۔ ان تمام روایات سے جابر جعفی کا کذاب ہونا، خوفِ خدا سے عاری ہونا اور تقیہ باز ہونا بھی ثابت ہوا جو شیعہ کا مکروہ ترین عقیدہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جابر جعفی ایک تقیہ باز، کذاب، واضع حدیث ورافضی راوی تھا۔ (فیض المنعم، تحفۃ المنعم)

③ ایمان بالرجعۃ کا معنی:۔ ① روافض اور اہلِ تشیع کا خود ساختہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آسمانوں میں زندہ چھپے ہوئے ہیں اور جب ان کی اولاد میں سے امام مہدی علیہ السلام پیدا ہونگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعوں کو آسمان سے پکار کر اس امام برحق کی مدد اور معاونت کا حکم دیں گے۔ ② آخر زمانہ میں غار سرمن رأی سے امام غائب مہدی کا ظہور ہوگا، ان کے خروج پر حضرت علی آسمان سے آواز دیں گے کہ یہ خلیفہ مہدی ہے اس کی اتباع کرو۔ اس معنی کے مطابق امام غائب کا ظہور غار سے ہوگا۔ (اہل سنت کے نزدیک امام مہدی غار میں نہیں ہیں بلکہ وہ قربِ قیامت میں پیدا ہوں گے اور اہلِ سنت میں سے ہونگے)۔ ③ عقیدۂ رجعۃ کی ایک قدیم تفسیر یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی قبر سے دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ (ایضا)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل.....**عن عبداللّٰه بن بحینة قال: صلّی لنا رسول اللّٰه ﷺ رکعتین من بعض الصلوات ثم قام فلم یجلس فقام الناس معه فلما قضی صلاته ونظرنا تسلیمه کبرفسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم ۔**

ترجم الحدیث ۔ ثم احك أقوال العلماء فی مسألة الباب، هل السجود یکون قبل السلام أم بعد السلام ۔ اذکر أدلة العلماء علی ماذهبوا الیه مع ترجیح ماهوالراجح فی ضوء الأدلة۔۔(ص۲۱۱:۱۔قدیمی)

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز میں ہمیں دو رکعات پڑھائیں پھر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں (قعدۂ اولیٰ میں) اور سب لوگ آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے پھر جب آپ ﷺ نے نماز مکمل کر لی اور ہم آپ ﷺ کے سلام کے منتظر تھے تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور بیٹھنے کی حالت میں ہی دو سجدے کئے سلام سے پہلے، پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا۔

② و ③ سجدۂ سہو قبل السلام و بعد السلام میں اختلاف، ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہونا چاہیے یا بعد میں ہونا چاہیے، حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو مطلقاً سلام کے بعد ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً سلام سے پہلے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر سجدۂ سہو نماز میں کسی نقصان کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو سجدۂ سہو قبل از سلام ہوگا اور اگر کسی زیادتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو بعد السلام ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جن صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدۂ سہو قبل السلام ثابت ہے وہاں قبل السلام پر عمل کیا جائے گا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد السلام ثابت ہے وہاں بعد السلام پر عمل کیا جائیگا۔

الحاصل ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کسی نہ کسی طرح سجدۂ سہو قبل السلام کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ بہر صورت بعد السلام پر عمل کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: حدیث الباب سے ہے جسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ اولیٰ چھوٹ جانے کی وجہ سے قبل السلام سجدہ فرمایا۔

حنفیہ کے دلائل: ① **باب ماجاء فی سجدتی السهو بعدالسلام والكلام** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعتیں پڑھیں اور آخر میں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے۔ ② حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من شك فی صلوٰته فليسجد سجدتين بعد مايسلم** (کہ سلام کے بعد سجدۂ سہو ہے)۔ ③ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ سہو بعد السلام کیا۔

حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ قبل السلام سے مراد آخری سلام ہے کہ آخری سلام سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کئے۔ مذہبِ حنفیہ راجح ہے اسلئے کہ حنفیہ کے دلائل میں قولی و فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے پاس صرف فعلی احادیث ہیں جو کہ جواز پر محمول ہیں۔ (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۱۴۳)

الشق الثانی.....**عن جابر بن عبدالله قال جاء سليك الغطفانی يوم الجمعة ورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يخطب فجلس فقال له ياسليك قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما ثم قال اذاجاء أحدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما** ۔(ص ۱۸۷:۱۔قدیمی) **ترجم الحديث ۔ اذكرحكم الركعتين عند الخطبة عندالأئمة المجتهد ين سق أدلة العلماء ورجح الراجح من حيث قوة الدليل ۔**

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے جمعہ کے دن (مسجد میں) اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے پس وہ بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے سلیک! اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو اور ان میں مختصر قرأت کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کو چاہیے کہ دو رکعت نماز پڑھے اور اس میں مختصر قرأت کرے۔

② خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کا حکم:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خطبہ جمعہ کے دوران تحیۃ المسجد وغیرہ جائز نہیں ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خطبۂ جمعہ کے دوران آنے والا شخص تحیۃ المسجد پڑھ لے تو یہ مستحب ہے۔

③ ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین:۔ حنفیہ و مالکیہ کے دلائل: ① آیت کریمہ **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا** ہے کہ یہ استماع و انصات والا حکم خطبہ جمعہ کیلئے بھی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو اس آیت کو خطبۂ جمعہ کیساتھ ہی مخصوص مانتے ہیں۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **من قال يوم الجمعة والامام يخطب "انصت" فقد لغا** (ترمذی)۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ امر بالمعروف جو کہ فرض ہے اس سے بھی منع فرمایا اور تحیۃ المسجد تو مستحب ہے یہ بطریقِ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے **اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوة ولا كلام حتى يفرغ الامام** ۔ (طبرانی) ④ صحاح ستہ و دیگر کتبِ حدیث میں موجود وہ تمام احادیث اور روایات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

خطبہ کے دوران اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبہ کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لاتے تھے (بالخصوص واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) اور بغیر تحیۃ المسجد پڑھے بیٹھ جاتے تھے۔ آپ ﷺ اور خلفاء راشدین ان کو تحیۃ المسجد کا حکم نہ فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ و امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے کا ہے، اسکے متعدد قرائن و دلائل کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔

مذہبِ حنفیہ (روایاتِ نہی) متعدد وجوہ سے راجح ہے۔ ① یہ کہ محرم و مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ ② یہ کہ روایاتِ نہی مؤید بالقرآن ہیں۔ ③ یہ کہ روایاتِ نہی مؤید بالاصول الکلیہ ہیں۔ ④ یہ کہ روایاتِ نہی مؤید بتعامل الصحابہ والتابعین ہیں۔ ⑤ یہ ہے کہ روایاتِ نہی پر عمل کرنے میں احتیاط ہے کیونکہ تحیۃ المسجد کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے۔ (درسِ ترمذی ۲:۲۸۴)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل.....**عن عائشة أنها قالت أختصم سعد بن أبي وقاص وعبدبن زمعة في غلام فقال سعد:هذايارسول الله ابن أخي عتبة بن أبي وقاص عهدالي أنه ابنه انظر الى شبهه وقال عبد بن زمعة هذاأخي يارسول الله ولدعلى فراش أبي من وليدته،فنظر رسول الله ﷺ الى شبهه فرأى شبها بينا بعتبة، فقال هولك ياعبدالولد للفراش وللعاهر الحجر، واحتجبي منه يا سودة بنت زمعة،قالت: فلم يرسودة قط۔**

ترجم الحديث و اشرحه شرحًا مبسوطًا ۔انكر مايستفاد من هذا الحديث الجامع من أحكام: كاثبات النسب من الأمة ومسألة استلحاق الأخ لأخيه، فاذكر المسألتين مع اختلاف العلماء (ص۴۷۰۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) حدیث سے مستفاد حکم میں اختلاف۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ کے درمیان ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔ انہوں نے (قبل الموت) مجھ سے کہا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے، آپ ﷺ اس کی شکل وشباہت بھی دیکھ لیں (کس کے مشابہ ہے) حضرت عبد بن زمعہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا بھائی ہے یہ میرے والد کی باندی سے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی شکل وشباہت کی طرف دیکھا تو وہ واضح طور پر عتبہ کے مشابہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد! یہ تمہارا بھائی ہے، لڑکا اسی کا ہے جسکے فراش پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں اور اے سودہ! تم اس سے پردہ کرو، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر کبھی اس کو نہیں دیکھا۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس واقعہ کا پسِ منظر یہ ہے کہ جاہلیت میں باندیوں کا رواج تھا، وہ باندیاں بعض اوقات زناء بھی کرتی تھیں بلکہ بعض اوقات ان کے مالکان ان سے کمائی کیلئے زناء کرواتے تھے پھر جب وہ باندیاں بچے پیدا کرتی تھیں تو بسا اوقات مالک بچے کا خود دعویٰ کر دیتا تھا اور بعض اوقات زانی بچہ کے بارے میں دعویٰ کیا کرتا تھا۔ اگر مالک مرجائے اور بچہ کے بارے میں اس نے نہ دعویٰ کیا ہو نہ انکار کیا ہو تو اس کے ورثاء اس سے ملحق کر دیتے تھے لیکن وہ بچہ میراث میں شریک نہ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا قصہ میں زمعہ بن قیس ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے جن کی ایک باندی تھی اور وہ اس سے وطی کیا کرتے تھے جب کہ عتبہ بن ابی وقاص (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی) کے بھی اس باندی سے تعلقات تھے۔ اس باندی کو حمل ہو گیا اور عتبہ کا یہی خیال تھا کہ یہ حمل اس سے ہے۔ عتبہ کفر کی حالت میں مرگیا اور موت سے قبل اس نے اپنے بھائی حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ وہ اس حمل کو جو زمعہ کی باندی کو ہے ولادت کے بعد عتبہ کے ورثاء سے ملحق کر دیں گے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب مکہ گئے تو اس لڑکے کو دیکھا اور انہیں بھائی کا قول یاد آ گیا اور انہیں اس لڑکے میں اپنے بھائی کی مشابہت بھی نظر آئی چنانچہ انہوں نے اس کے لئے دعویٰ کر دیا۔ زمعہ کے بیٹے عبداللہ بن زمعہ نے کہا کہ یہ تو میرے والد کے فراش پر پیدا ہوا ہے لہٰذا یہ میرے والد کا لڑکا ہے۔ چنانچہ یہ جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے عبد بن زمعہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کے حق میں فیصلہ دے دیا تا کہ جاہلیت کا یہ رواج ختم ہو کیونکہ اس صورت میں نسب مشتبہ ہوتا تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے فرمایا کہ! لڑکا فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے، فراش سے مراد وہ عورت جس سے صحبت کی جائے خواہ وہ منکوحہ ہو یا باندی، لہٰذا وہ جس کی منکوحہ یا مملوکہ ہے اسی کا ولد شمار ہوگا خواہ اس نے زناء کیا ہو کیونکہ اصالتاً وہ ناکح یا مالک کا فراش ہے نسب کے اشتباہ سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے جاہلیت کے رواج کو ختم کر دیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس لڑکے سے پردہ کا حکم فرمایا تو کیوں؟ جب کہ نسب تو زمعہ سے ثابت ہوا تھا اس لحاظ سے وہ لڑکا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہو گیا تھا۔ علماء نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ شباہت تو عتبہ کی موجود تھی اس لئے احتیاطاً آپ ﷺ نے پردہ کا حکم فرمایا۔ (کشف الباری ۲:۶۸۴)

③ حدیث سے مستفاد احکام میں اختلاف:۔ اس روایت میں ''حجر'' سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے حجر سے خیبت کے معنی مراد لئے ہیں یعنی **حرمان الولد الذی یدعیه** اور بعض نے حجر سے رجم کے معنی مراد لئے ہیں، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے پہلے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ اگرچہ سیاقِ حدیث سے پہلا معنی راجح معلوم ہوتا ہے لیکن رجم کے معنی کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے **ومثل ذلك كثير فی كلام البلغاء**۔

پھر احناف کے نزدیک فراش کی تین قسمیں ہیں: ① فراش قوی، جو منکوحہ کا فراش ہے جس میں نسب بغیر دعویٰ نسب ثابت ہو جاتا ہے اور انکار سے منتفی نہیں ہوتا الّا یہ کہ شوہر لعان کرے ② فراش متوسط، جو امّ ولد کا فراش ہے اسکے دوسرے بچہ سے نسب بغیر دعوی ثابت ہو جاتا ہے یعنی مولیٰ کا سکوت ثبوتِ نسب کیلئے کافی ہے البتہ نسب کی نفی سے نسب منتفی ہو جاتا ہے لعان کی حاجت نہیں ہوتی۔ ③ فراش ضعیف، جو عام باندیوں کا فراش ہے جسمیں ثبوتِ نسب کیلئے دعویٰ ضروری ہے البتہ مولیٰ پر دیانۃً نسب کا دعویٰ لازم ہے۔

حدیث باب کی بناء پر کتبِ حنفیہ میں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے کہ اگر شوہر مشرق میں ہو اور بیوی مغرب میں اور بیوی کی اولاد ہو جائے تب بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے خواہ کئی سالوں سے ملاقات ثابت نہ ہو کیونکہ یہ فراش قوی ہے **والولد للفراش**۔

اس پر شافعیہ وغیرہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ مسئلہ بالکل غیر معقول ہے اور الفاظِ حدیث پر غیر معمولی جمود ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ جواب میں فرماتے ہیں کہ مسئلہ معقول ہے اس لئے کہ اگر بچہ فی الواقع شوہر کا نہ ہو تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے اور ترکِ لعان حرام ہے، جب خود شوہر اس واجب پر عمل نہیں کر رہا تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی ملاقات ہوئی ہے اور وہ ملاقات ممکن بھی ہے خواہ کرامۃً ہی کیوں نہ ہو اور پھر ہمارے زمانہ میں جبکہ تیز رفتار سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں اس میں زیادہ استبعاد بھی باقی نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ اگر حدیثِ باب کے الفاظ کو دقّتِ نظر سے دیکھا جائے تو مسلک احناف کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے کہ **الولدللفراش** کے بعد **وللعاهر الحجر** کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ حدیث اس صورت میں بحث کر رہی ہے جب ظاہری حالات سے زناء کا ارتکاب نظر آتا ہو کہ اس صورت میں بھی ولد کی نسبت فراش ہی کی طرف ہوگی۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے ثبوتِ نسب کے معاملہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور حتی الامکان انساب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ غیر ثابت النسب ہونے سے ایک شخص کی زندگی اس کے کسی جرم کے بغیر برباد ہو جاتی ہے، اگرچہ شریعت نے اپنے احکام میں ولد الزنا کے ساتھ کوئی خاص امتیاز نہیں برتا لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ولد الزنا کو معاشرہ میں وہ مقام دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا جو ایک ثابت النسب شخص کو حاصل ہوتا ہے۔

دوسری طرف نفس الامری طور پر نسب کا ثبوت ایک ایسا معاملہ ہے جس کی تحقیق سوائے ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ باپ کو بھی نہیں، اسلئے اس مسئلہ کا مدار اسکی ظاہری علامت یعنی فراش کو بنا لیا گیا ہے۔ اب جہاں فراش پایا جائیگا وہاں ثبوتِ نسب ہو جائیگا بشرطیکہ کوئی عقلی استحالہ یا شرعی محظور لازم نہ آئے اور زیر بحث صورت میں نہ عقلی استحالہ ہے نہ شرعی محظور اسلئے بچہ کی زندگی درست کرنے کیلئے اسے ثابت النسب قرار دینا ضروری ہے اور لعان کی صورت میں شوہر کے حق کی رعایت بھی موجود ہے۔ (درسِ ترمذی ۳:۴۵۵)

الشق الثانی.....عن زید بن ثابت عن رسول اللہ ﷺ انه رخص بعدذلك فی بیع العریة بالرطب او بالتمر ولم یرخص فی غیرذلك۔(ص۸۔ج۲۔قدیمی) عرف العرایا واذکرحکمها ۔ اذکر اختلاف العلماء فی تفسیرها ۔ اذکر دلائل العلماء علی ماذهبوا الیه ۔ رجح ماذهب الیه الامام ابو حنیفة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عرایا کی تعریف وحکم (۲) علماء کے دلائل (۳) حنفیہ کی وجوہِ ترجیح۔

جواب..... ① عرایا کی تعریف وحکم:۔ عرایا کی تفسیر میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کی بیع کٹی ہوئی کھجور کے عوض کرنا بیع مزابنہ ہے اور اگر یہ بیع پانچ وسق سے کم ہو تو یہ عرایا ہے اور یہ جائز ہے گویا بیع مزابنہ میں عقد پانچ وسق سے زائد میں ہوتا ہے اور عرایا میں عقد پانچ وسق سے کم میں ہوتا ہے اور بیع مزابنہ حرام ہے اور عرایا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عرایا، عریة" کی جمع ہے بمعنی عطیہ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ کھجور کا پھل پکنے سے پہلے یا کاٹنے سے پہلے کسی فقیر کو ہدیہ کر دیتے تھے اور اسے کہتے تھے کہ اس درخت کا پھل تمہارا ہے۔ وہ فقیر حاجتمند ہوتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس پھل کا نفع یا اس کے عوض کوئی چیز مجھے ابھی مل جائے۔ چنانچہ وہ اس درخت کا پھل کسی تیسرے آدمی کو فروخت کر دیتا تھا اور اس کے عوض کٹی ہوئی کھجور یا ان کی قیمت لیکر اپنے اہل پر خرچ کرتا تھا تو اس تیسرے آدمی کو کھجور فروخت کرنے کا نام عرایا ہے اور اصل میں یہ بیع مزابنہ ہی ہے۔ یہ حرام ہونی چاہیے تھی مگر آپ ﷺ نے لوگوں کی ضروریات وحاجات کو سامنے رکھتے ہوئے پانچ وسق سے کم میں اسے جائز قرار دیا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی باغ کا مالک اپنے باغ کے ایک درخت کا پھل کسی فقیر اور محتاج کو ہبہ کر دیتا تھا اور پھر پھل کاٹنے کے زمانہ میں مالک اپنے بیوی بچوں سمیت باغ میں قیام کرتا تھا تا کہ پھل بھی کھائیں اور تفریح بھی کریں اور وہ فقیر اپنے درخت کا پھل توڑنے کے لئے بار بار صبح وشام باغ میں آتا جس کی وجہ سے مالک اور اس کے بیوی بچوں کو پریشانی ہوتی اس لئے مالک اس فقیر سے کہتا کہ تم اس درخت کا پھل مجھے فروخت کر دو اور اس کے عوض مجھ سے کٹی ہوئی کھجور لے لو، چنانچہ وہ فقیر کٹی ہوئی کھجور لیکر چلا جاتا، اس کو بیع العرایا کہتے ہیں اور یہ جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر تو وہی ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بیع ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بیع نہیں بلکہ شیٔ موہوب کی تبدیلی ہے، گویا مالک نے پہلے درخت پر لگی ہوئی کھجور ہبہ کی تھی اور قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ابھی وہ ہبہ تام نہیں ہوا تھا کہ اسکے عوض دوسری کھجور ہبہ کر دی گئی لہٰذا یہ بیع نہیں بلکہ استبدالِ ہبہ ہے اور یہ جائز ہے۔ (تقریر ترمذی ج۱ ص۲۲۸)

② ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک عرایا جائز ہے اور تمام ائمہ کی دلیل یہی حدیث ہے۔ نیز ترمذی شریف میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ان النبی ﷺ نهی عن المحاقلة والمزابنة الّا انه قد اذن لاهل العرایا ان یبیعوها بمثل خرصها۔** البتہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر وتشریح میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی گزرا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تشریح لغۃً، درایۃً وروایۃً ہر لحاظ سے راجح ہے۔

③ حنفیہ کی وجوہِ ترجیح:۔ حنفیہ کی ذکر کردہ تشریح لغۃً، درایۃً وروایۃً راجح ہے۔ لغۃً اس لئے راجح ہے کہ عرایا کا لفظ عریة کی جمع ہے بمعنی عطیہ اور لغتِ عرب میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کے ہبہ کو عریہ کہتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تشریح کے مطابق یہ بیع ہے، عطیہ نہیں ہے۔

روایۃً اس لئے راجح ہے کہ ترمذی کی حدیث اور دیگر متعدد احادیث میں **قد اذن لاهل العرایا ان یبیعوها بمثل خرصها** کے الفاظ مستعمل ہیں اور اس میں **اهل العرایا** کا لفظ ہے جو اس بارے میں صریح ہے کہ اہل عریہ خود اس پھل کو فروخت کرتا تھا جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق **معرٰی له** اس پھل کو فروخت کرتا تھا، معری (اہلِ عریہ) نہیں کرتا تھا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک عرایا کی اگرچہ ایک ہی تفسیر ہے مگر فقہی توجیہ میں اختلاف ہے۔عندالمالکیہ یہ بیع ہے اور عندالحنفیہ یہ استبدالِ ہبہ ہے۔ حنفیہ بیع اس لئے مراد نہیں لیتے کہ بیع کے لئے مبیع کا مشتری کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں ابھی تک قبضہ کے ذریعہ ہبہ والا سابقہ معاملہ (عریہ) تام ہی نہیں ہوا کیونکہ معری لہٗ نے ابھی تک اس کو اپنے قبضہ میں نہیں لیا وہ ابھی تک درخت پر موجود ہے اس لئے آگے اس کی بیع نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ بیع نہیں بلکہ استبدالِ ہبہ ہے۔

حنفیہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث میں بیع کے الفاظ مستعمل ہیں لہٰذا یہ بیع ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ صورتاً یہ بیع تھی اس لئے حدیث میں بیع کا لفظ ہی استعمال کردیا گیا۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ متعدد احادیث میں بیع کا لفظ نہیں ہے، ممکن ہے کہ راوی نے اسے صورتاً بیع سمجھتے ہوئے بیع کا لفظ روایت میں بھی داخل کردیا ہو۔

درایۃً اسلئے راجح ہے کہ مزابنہ، ربا کا ایک شعبہ ہے اور ربا کے اندر قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ قلیل میں جائز ہو اور کثیر میں ناجائز ہو اور حنفیہ کی تفسیر مراد لینے کی صورت میں ربا کا احتمال باقی نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں یہ بیع نہیں بلکہ استبدالِ ہبہ ہے۔

الحاصل حنفیہ کا مسلک ومذہب ہر لحاظ سے راجح ہے "فللّٰہ الحمد"۔(ایضاً)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل.....**سمعت النضر يقول سئل ابن عون عن حديث لشهر وهو قائم على أسكفة الباب فقال: ان شهرا نزكوه ، ان شهرا نزكوه.**(ص۱۳-ج۱-قدیمی) **ترجم العبارة واشرح مرادها ۔ ترجم موجزًا لشهر من هو؟ وماالذى نقدواعليه؟ وهل أصابوا فى هذا النقد؟ وماهى منزلته ورتبته فى الرواة؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت کی تشریح (۳) شہر کا تعارف، اس پر نقد اور اس کا رتبہ۔

جواب ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ (عبیداللہ بن سعید کہتے ہیں کہ) میں نے نضر بن شمیل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن عون سے شہر بن حوشب کی حدیثوں کے متعلق سوال کیا گیا اس حال میں کہ ابن عون دروازے کی دہلیز پر کھڑے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں۔ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں۔

② عبارت کی تشریح:۔ ترجمہ سے تشریح واضح ہوگئی کہ جب ابن عون سے شہر کی احادیث کے متعلق سوال کیا گیا کہ ان کی احادیث کا کیا مقام ودرجہ ہے تو ابن عون نے جواب دیا کہ لوگوں نے اسے نیزے مارے ہیں، مطلب یہ کہ لوگوں نے اس پر جرح اور کلام کیا ہے، اسکی روایات کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ بعض حضرات نے **نزكوه** کی جگہ لفظ **تركوه** نقل کیا ہے یعنی لوگوں نے شہر کی روایات کو ترک کردیا ہے۔

③ شہر کا تعارف، اس پر نقد اور اسکا رتبہ:۔ شہر سے مراد شہر بن حوشب اشعری شامی ہیں اور یہ معمولی درجہ کے راوی ہیں یہ کثیر الارسال والاوھام تھے اور انکی وفات ۱۱۲ھ میں ہوئی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے **ما احسن حديثه** یحییٰ بن معین نے **ثقة** ابوزرعہ نے **لا بأس به**، امام بخاری رحمہ اللہ نے **شهر حسن الحديث وقوى امره** کہا ہے۔ سنن اربعہ میں ان کی روایات لی گئی ہیں۔

محدثِ جلیل ابوعون عبداللہ بن عون بن ارطبان بصری نے ان پر کلام کیا ہے اور فرمایا کہ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں۔

باقی امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کو ضعیف رواۃ کی فہرست میں ذکر کرکے ان کے ضعیف ہونے کو بیان کیا ہے، اور امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری شہر بن حوشب سے ملاقات ہوئی ہے اور میں نے انکا اعتبار نہیں کیا ہے اور انکی طرف التفات نہیں کیا ہے۔(فیض المنعم ص۸۷)

الشق الثانی.....**وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ قَدْ أَكْثَرَتْ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ فَمَالَكَ لَمْ تَسْمَعْ مِنْهُ حَدِيثَ الْعَطَّارَةِ الَّذِي رَوَى لَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ فَقَالَ لِي أَسْكُتْ فَأَنَا لَقِيتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِيٍّ فَسَأَلْنَاهُ فَقُلْنَا لَهٗ هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ الَّتِي تَرْوِيهَا عَنْ أَنَسٍ فَقَالَ:**

أَرَأَيْتُمَا رَجُلًا يُذْنِبُ فَيَتُوبُ أَلَيْسَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ؟ قَالَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ: مَاسَمِعْتُ مِنْ أَنَسٍ لَا قَلِيلًا وَلَا كَثِيرًا، إِنْ كَانَ لَايَعْلَمُ النَّاسِ فَأَنْتُمَا لَاتَعْلَمَانِ أَنِّيْ لَمْ أَلْقَ أَنَسًا، قَالَ أَبُوْدَاوُدَ: فَبَلَغَنَا بَعْدُ أَنَّهُ يُرْوِيْ فَأَتَيْنَاهُ أَنَا وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ فَقَالَ أَتُوبُ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ يُحَدِّثُ فَتَرَكْنَاهُ۔ (ص۱۸۔ج۱۔قدیمی)

شكل العبارة ثم ترجمه ۔ ماهو "حديث العطارة"۔ من هو زياد بن ميمون؟ ترجم له موجزًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) حدیثِ عطارہ کی وضاحت (۴) زیاد بن میمون کا تعارف۔

جواب ..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ محمود بن غیلان کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد طیالسی سے کہا کہ آپ نے عباد بن منصور سے بہت کثرت سے روایات لی ہیں۔ آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے ان سے حدیث عطارہ نہیں سنی جسے ہم سے نضر بن شمیل نے روایت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ خاموش رہو، میں اور عبدالرحمٰن بن مہدی، زیاد بن میمون سے ملے اور اس سے پوچھا کہ یہ احادیث جو تم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہو (اسکے بارے میں تم کیا کہتے ہو) اس نے کہا کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول نہیں کرینگے؟ ہم نے کہا کہ بالکل قبول کرینگے۔ زیاد نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کوئی بھی حدیث نہیں سنی ہے، نہ کم اور نہ زیادہ۔ اگرچہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے مگر تم دونوں تو جانتے ہو کہ میری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں پھر یہ اطلاع پہنچی کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے میں اور عبدالرحمٰن پھر اس کے پاس پہنچے (تاکہ معلوم کریں) اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں (آئندہ روایت نہیں کرونگا) اسکے بعد پھر اس نے روایت کرنا شروع کردی تو ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔

③ حدیثِ عطارہ کی وضاحت:۔ حدیثِ عطارہ سے مراد وہ حدیث ہے جسے زیاد بن میمون نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں ایک عورت حولاء عطارہ رہتی تھی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اپنے شوہر کے متعلق باتیں بیان کرنے لگی الخ۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

④ زیاد بن میمون کا تعارف:۔ اس کا نام ابوعمار زیاد بن میمون ثقفی فاکہانی بصری ہے یہ واضعِ حدیث اور بڑا جھوٹا راوی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات نہ ہوئی تھی مگر ان سے مَن گھڑت احادیث بیان کرتا تھا۔ یہ دانستہ جھوٹ بولتا تھا، اپنے جرم کا اعتراف بھی کرتا تھا مگر اس کے باوجود جھوٹی روایات کو ترک نہ کرتا تھا۔ علماء نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے اور یہ حدیثِ عطارہ بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے۔ (فیض المنعم ص۱۱۳)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل .....عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَامِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّاقَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَامِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ أُوْتِيْتُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ص۸۶۔ج۱۔قدیمی) **شكل الحديث بالضبط وترجمه۔**

اذكر أقوال العلماء فی معنی هذا الحديث بحيث يرتبط كل جملة بالأخرى بدون تكلف وتعسف ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی ایسا نہیں مگر تحقیق اسے ایسا معجزہ عطاء کیا گیا کہ اس پر لوگ ایمان لائے اور بیشک مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحیِ الٰہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ

پر وحی کے ذریعہ القاء فرمایا اور مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام میں سے سب سے زیادہ متبعین والا ہونگا۔

③ حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال:۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تین مطلب بیان فرماتے ہیں۔

① ایک یہ کہ ہر نبی کو جو معجزہ عطاء کیا گیا اس جیسا معجزہ ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی عطاء کیا جاتا رہا لیکن میرا عظیم معجزہ قرآن کریم ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا اسلئے قیامت کے دن میری امت کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے ہیں ان میں سحر اور جادو کیلئے گمان کا راستہ کھلا ہے کہ لوگ انہیں جادو اور سحر کی قبیل سے سمجھنے لگیں لیکن جو معجزہ مجھے عطا کیا گیا اس میں اس طرح کا گمان نہیں کیا جاسکتا ③ تیسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے جانے کے ساتھ ختم ہوگئے ان کا مشاہدہ صرف وہی لوگ کرسکے جو ان کے زمانہ میں اس وقت حاضر تھے لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جس کا مشاہدہ قیامت تک ہر شخص کرسکتا ہے۔

ان تینوں مطالب میں کوئی تضاد نہیں سب مراد ہوسکتے ہیں، دراصل حدیث کا سیاق دوسرے انبیاءؑ کے معجزات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ میں فرق کی وضاحت کے لئے ہے اور مذکورہ تینوں مطالب سے فرق واضح ہوجاتا ہے۔

محشی بخاری علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مطلب بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ **آمن علیه البشر** سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ظاہر وباہر بتانا مقصود ہے کہ وہ معجزات ایسے تھے کہ ان کا مشاہدہ کرکے دل خود بخود ایمان لانے پر مجبور ہوجاتا تھا جیسے مُردوں کو زندہ کرنا، پتھر سے اونٹنی کا نکلنا وغیرہ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ قرآن کا ادراک کمالِ عقل کے بغیر نہیں کیا جاسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۂ قرآن کا عطا کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت کی بنیاد کمال عقل پر رکھی گئی ہے اور کمال عقل کا وصف انہیں عطا کیا گیا ہے اسلئے اس امت سے امید یہی ہے کہ اسکی اکثریت ایمان لائے گی کیونکہ کمال عقل کا یہی تقاضہ ہے۔ (کشف الباری فضائل قرآن ص ۳۴)

الشق الثانی..... حَدَّثَنِیْ عِمْرَانُ قَالَ قَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ أُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ قَالُوْا وَمَنْ هُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ؟قَالَ هُمُ الَّذِیْنَ لَایَکْتَوُوْنَ وَلَایَسْتَرْقُوْنَ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ فَقَامَ عُکَّاشَۃُ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰہَ أَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْهُمْ قَالَ أَنْتَ مِنْهُمْ قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ اُدْعُ اللّٰہَ أَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَکَ بِهَا عُکَّاشَۃُ۔ (ص ۱۱۶۔ج ۱۔قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط ثم ترجم ترجمة واضحة۔ اذکر معنی هذا الحدیث فی ضوء أقوال العلماء۔ احتج بعض الناس بهذا الحدیث علی أن التداوی مکروه، فهل أصابوا فی هذا الاحتجاج؟ وکیف الردّ علیهم؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) تداوی کے مکروہ ہونے پر استدلال اور اسکا جواب (۴) حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں سے ستر ہزار افراد جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہوں گے؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں دیتے، نہ ہی منتر وغیرہ کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں'' حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کردے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان میں سے ہو، راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کردے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں عکاشہ تجھ پر سبقت کرگیا ہے۔

③ تداوی کے مکروہ ہونے پر استدلال اور اسکا جواب:۔ مذکورہ حدیث سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ تداوی اور علاج معالجہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس حدیث میں بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل ہونے والوں کی وصف یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اکتواء وتداوی

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

وغیرہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اکتواء کی دو قسمیں ہیں ① وہ اکتواء جسے محض علاج یعنی سبب کے درجہ میں اختیار کیا جاتا ہے یہ اکتواء رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اکتواء فرمایا ② وہ اکتواء جو غلط عقائد پر مبنی ہو مثلاً زمانۂ جاہلیت میں اکتواء کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا کہ اکتواء آخری علاج ہے اگر اسمیں بھی شفاء نہیں ہے تو پھر کسی چیز سے شفاء حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس معلوم ہوا کہ اکتواء اور تداوی مکروہ نہیں ہے بلکہ اسکو مؤثر بالذات سمجھنا منع ہے۔

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد صرف ستر ہزار ہوگی۔ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے اور امورِ ثلاثہ سے اجتناب کرنے والے تو بے شمار لوگ ہیں۔

علماء نے اسکا پہلا حل یہ ذکر فرمایا ہے کہ دوسری جگہ **فاستزدت ربی فزاد نی مع کل الف سبعین الفا** کے الفاظ ہیں کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کی زیادتی بھی اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہے۔ اسی طرح کل تعداد انچاس لاکھ ہوگئی۔

نیز ترمذی میں اس کے بعد **وثلاث حثیات من حثیات ربی** کے الفاظ بھی ہیں یعنی ان انچاس لاکھ کے بعد اللہ تعالیٰ تین چلّو اور لپ خود بلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ نیز بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے کی اصل علت اور سبب **وعلی ربھم یتوکلون** ہے کہ تمام حالات اور مواقع میں صرف اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔ ناجائز تدابیر و اسباب سے اجتناب ہو اور جائز اسباب کو غیر مؤثر بالذات اور باری تعالیٰ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے تو کل کا یہ درجہ اور مقام ہر مسلمان کو حاصل نہیں صرف خاص خاص بندوں کو حاصل ہے۔ (درسِ مسلم ص ۴۶۶)

④ حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال:۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ یہ فضیلت ان لوگوں کیلئے ہے جو جائز رقیہ و اکتواء بھی نہیں کرتے (یعنی حدیث میں بالکل رقیہ و اکتواء کی نفی کی گئی ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے رقیہ وغیرہ کو بطور بیانِ جواز کے اختیار فرمایا تھا، نہ کہ بطورِ افضیلت کے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ نفی علی الاطلاق نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جاہلیت کے طریقہ پر وہ یہ تین کام نہیں کرتے ہوں گے یعنی ان میں مشرکانہ عقائد شامل نہ کرتے ہونگے اور ان کو مؤثر بالذات نہ سمجھتے ہونگے۔ مزید وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل.....**عن عبادة بن الصامت قال: أخذ علينا رسول الله كما أخذ على النساء أن لانشرك بالله شيئا ولانسرق ولانزنى ولانقتل أو لادنا ولايعضه بعضنا بعضاء فمن وفى منكم فأجره على الله ومن أتى منكم حدًا فأقيم عليه فهو كفارته، ومن ستره الله فأمره الى الله، ان شاء عذبه وان شاء غفرله.** (ص ۲:۷۳۔ قدیمی)

اشرح كلمة "يعضه" لغويًا۔ اذكر اختلاف العلماء فى كون الحدود كفارة وعدمه۔ اذكر أدلتهم على ذلك۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) **یعضہ** کی لغوی تحقیق (۲) حدود کے کفارات ہونے میں اختلاف (۳) ائمہ رحمہم اللہ کے دلائل۔

جواب..... ① **یعضہ** کی لغوی تحقیق:۔ صیغہ واحد مذکر غائب مضارع معروف از مصدر **عَضْهًا، عَضَهًا، عِضَهَةً** (فتح) بمعنی جھوٹ بولنا، چغل خوری کرنا اور جادو کرنا۔

② و ③ حدود کے کفارات ہونے میں اختلاف اور ائمہ رحمہم اللہ کے دلائل:۔ حضرت سعید بن مسیّب، صفوان بن سلیم، ابو محمد بغوی، ابو عبداللہ بن تیمیہ اور حنفیہ رحمہم اللہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ حدود کفارہ نہیں بلکہ زاجر ہیں تاکہ مجرم آئندہ ارتکابِ جرم نہ کرے اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو باقی گناہ اور اخروی مواخذہ توبہ سے معاف ہوتا ہے اور حضرت مجاہد، زید بن اسلم، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری اور محدثین رحمہم اللہ کے ہاں حدود کفارہ سیأت ہیں ان سے مجرم دونوں جہان میں سرخرو ہوجاتا ہے۔

قائلینِ زواجر کی دلیل: قرآن و حدیث کی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود جاری کرنے کے باوجود توبہ کی ضرورت ہے اگر حدود کفارۂ سیأت ہوتیں تو توبہ کی ضرورت نہیں رہتی، مثلاً اللہ کا ارشاد ہے **والسارق والسارقة فاقطعوا ايهما الخ..... فمن**

0213 6357913 maktabazakariyamulta@gmail.com

تاب من بعد ظلمه، اس آیت سے واضح ہوا کہ حدِ سرقہ سزا اور نکال وعبرت ہے اس کے باوجود توبہ کی ضرورت ہے اسی طرح دوسری آیت **انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ و رسوله..... ذالك لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم**، یہ آیت قطاع الطریق کے بارے میں ہے اس میں قطع یدوغیرہ کے بعد بھی سزائے اخروی اور توبہ کا ذکر ہے وغیرہ ذالک۔

قائلینِ کفارۂ سیآت کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث الباب ہے جس کا مضمون ترجمہ میں مذکور ہوا۔

پہلا جواب: علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عبادہ وغیرہ کی حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس شخص نے عقوبت اور سزا کے ساتھ ساتھ توبہ کر لی ہوگی اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ آدمی کو جب سزا دی جارہی ہو تو اس وقت توبہ کر ہی لے گا اور یہ توبہ کفارہ ہو جائے گی یہ مسلمان سے بعید ہے کہ وہ پٹ رہا ہو اس کی جان جانے والی ہو اور وہ اپنے گناہ سے توبہ نہ کرے۔

دوسرا جواب: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک کلام سے ماخوذ ہوتا ہے کہ بعض جرائم کی دو سزائیں ہوتی ہیں ''دنیوی واخروی'' تو ہوسکتا ہے کہ دنیا میں حدود قائم کرنے کی وجہ سے سزائے دنیوی تو ختم ہو جائے لیکن سزائے اُخروی باقی رہے، توبہ کی وجہ سے اسکا ازالہ ہوتا ہے۔

تیسرا جواب: بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اصل میں یہ سزائیں **من باب المصائب** ہیں اور مصائب کا کفارہ ہونا احادیث میں مصرّح ہے لہٰذا ان جرائم کی سزاؤں کو جو کفارہ بتایا گیا ہے وہ اسی لحاظ سے ہے کہ ایک مصیبت مسلمان پر آرہی ہے اور مصیبت مکفر سیئات ہے لہٰذا یہ کوڑے اسکے گناہوں کیلئے مکفر ہوں گے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ جس گناہ کا اس نے ارتکاب کیا ہے اس کی تکفیر ہو جائے بلکہ ممکن ہے اس گناہ کی تکفیر ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اور گناہوں کی تکفیر ہو جائے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں **ومن أصاب من ذلك شیئًا ثم ستره اللّٰہ** کے الفاظ ہیں، مصائب کا ''ستر'' کے ساتھ تو کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا **ثم ستره اللّٰہ** کے کیا معنی ہوں گے؟

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مصائب ایسے ہوتے ہیں جن کا ستر مطلوب ہوتا ہے جیسے قبائح کا مشتہر ہونا، سو ایسی صورت میں **ثم ستره اللّٰہ** کے معنی درست ہو جائیں گے لیکن پیچھے ہم حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں ہے **من أصاب ذنبًا أقیم علیه حد ذلك الذنب فهو کفارته**، اس میں حد کی تصریح موجود ہے لہٰذا مصائب مراد لینا درست معلوم نہیں ہوتا **کما صرّح بذلك العلامة الکشمیری**۔

حدود کے کفارہ ہونے میں حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ فیصل: حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حد کے جاری کر دینے کے بعد تین حالات ہو سکتے ہیں۔ حد کے جاری کر دینے کے بعد یا تو محدود توبہ کر لے گا یا نہیں، اگر توبہ نہ کرے تو دوبارہ اس گناہ سے بچے گا یا نہیں، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو پھر تو بالاتفاق یہ حد اس کے لئے کفارہ ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا لیکن اسے عبرت حاصل ہو گئی اور دوبارہ ایسے گناہ کا وہ اعادہ نہیں کرتا تو بھی یہ حد کفارہ بن جائے گی اور اگر اس نے توبہ بھی نہیں کی اور جرائم کے ارتکاب سے باز بھی نہیں آیا تو ایسے شخص کے لئے حدود کفارہ نہیں بنیں گی۔ (کشف الباری ج۲ ص۶۶)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....**سمعت معاویة علی المنبر یقول: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: لاتزال طائفة من امتی قائمة بأمر اللّٰہ، لایضرهم من خذلهم أو خالفهم، حتی یأتی أمر اللّٰہ وهم ظاهرون علی الناس.**

ترجم الحدیث المبارك۔ ماالمراد بقوله: "حتی یأتی أمر اللّٰہ"۔ اذکر مصداق هذه الطائفة القائمة بأمر اللّٰہ، فی ضوء أقوال العلماء۔ (ص۱۴۳۔ ج۲۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) **أمر اللّٰہ** کی مراد (۳) **طائفة قائمة بأمر اللّٰہ** کا مصداق۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرتی رہے گی۔ نہیں نقصان پہنچا سکے گا انکو وہ شخص جو انکو رسوا کرنا چاہے یا انکی مخالفت کرنا چاہے، یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔

② أمر الله کی مراد:۔ أمر الله سے مراد بظاہر قیامت ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ وہ ریح اور ہوا جو قربِ قیامت میں یمن سے چلے گی وہ مراد ہے اور بعض احادیث میں حتی تقوم الساعة کے الفاظ سے مراد تقرب الساعة ہے یعنی جب قیامت بالکل قریب ہوگی۔(حاشیہ)

③ طائفة قائمة بأمر الله کا مصداق:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق اہلِ علم یعنی علماء ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق محدثین نہیں ہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ اس کا مصداق کون ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہدین فقہاء، محدثین، عابدین وزہاد، آمرون بالمعروف والناھون عن المنکر اور دیگر تمام اہلِ خیر اس کا مصداق ہیں اور ان کا ایک جگہ مجتمع ہونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ یہ زمین کے مختلف حصوں میں متفرق لوگ ہیں۔(حاشیہ)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....إِنَّ ضَبْطَ الْقَلِيْلِ مِنْ هٰذَا الشَّأْنِ وَاتْقَانَهٗ أَيْسَرُ عَلَى الْمَرْءِ مِنْ مُعَالَجَةِ الْكَثِيْرِ مِنْهُ، وَلَا سِيَّمَا عِنْدَمَنْ لَاتَمْيِيْزَ عِنْدَهٗ مِنَ الْعَوَامِّ إِلَّا بِأَنْ يُوْقِفَهٗ عَلَى التَّمْيِيْزِ غَيْرُهٗ، فَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ فِيْ هٰذَا كَمَا وَصَفْنَا فَالْقَصْدُ مِنْهُ إِلَى الصَّحِيْحِ الْقَلِيْلِ أَوْلٰى بِهِمْ مِنْ إِزْدِيَادِ السَّقِيْمِ، وَإِنَّمَا يُرْجٰى بَعْضُ الْمَنْفَعَةِ فِيْ الْإِسْتِكْثَارِ مِنْ هٰذَا الشَّأْنِ وَجَمْعِ الْمُكَرَّرَاتِ مِنْهُ لِخَاصَّةٍ مِنَ النَّاسِ مِمَّنْ رُزِقَ فِيْهِ بَعْضَ التَّيَقُّظِ وَالْمَعْرِفَةِ بِأَسْبَابِهٖ وَعِلَلِهٖ، فَذٰلِكَ إِنْ شَاءَ اللهُ يَهْجُمُ بِمَأْوُتِيَ مِنْ ذٰلِكَ عَلَى الْفَائِدَةِ فِيْ الْإِسْتِكْثَارِ مِنْ جَمْعِهٖ فَأَمَّا عَوَامُّ النَّاسِ الَّذِيْنَ هُمْ بِخِلَافِ مَعَانِي الْخَاصِّ مِنْ أَهْلِ التَّيَقُّظِ وَالْمَعْرِفَةِ، فَلَا مَعْنٰى لَهُمْ فِيْ طَلَبِ الْحَدِيْثِ الْكَثِيْرِ وَقَدْ عَجَزُوْا عَنْ مَعْرِفَةِ الْقَلِيْلِ۔(ص۳۔ج۱۔قدیمی)

شكل العبارة بالضبط ثم ترجمها ترجمة واضحة ۔ اشرح العبارة واذكر مقصد الامام مسلم بها ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) عبارت کی تشریح اور غرضِ مصنف۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ كما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ بے شک تھوڑی روایات کا ضبط کرنا اور پختہ کرنا آدمی کیلئے آسان ہوتا ہے بہت زیادہ روایات کے علاج معالجہ کرنے سے، خاص طور پر وہ شخص جو خود تمیز نہیں کرسکتا عوام میں سے مگر یہ کہ خبردار کرے اسکو کوئی دوسرا شخص تمیز پر، پس جب صورتحال اس طرح ہے جو ہم نے بیان کی ہے تو ان کیلئے تھوڑی صحیح روایات کا ارادہ کرنا بہت زیادہ سقیم وضعیف روایات طلب کرنے سے بہتر ہے۔ اور بیشک سقیم احادیث کی کثرت اور مکررات کے ساتھ احادیث کو جمع کرنے میں بھی بعض منافع وفوائد کی امید کی جاسکتی ہے بالخصوص ان لوگوں کیلئے جنہیں قدرت کی طرف سے ان احادیث کے اسباب وعلل کے بارے میں خاص بیدارئ مغز اور معرفت عطاء کی گئی ہے۔ باقی عوام الناس جو کہ ان خواص لوگوں کے برعکس ہیں جو بیدارئ مغز اور اہلِ معرفت میں سے ہیں ان کے لئے کثرت سے احادیث کے طلب کرنے میں کوئی فائدہ ہی نہیں ہے کیونکہ وہ تو قلیل احادیث کی معرفت سے بھی عاجز ہیں۔

③ عبارت کی تشریح اور غرضِ مصنف رحمۃ اللہ علیہ:۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے کسی شاگرد نے درخواست کی کہ میں ان تمام روایات کو جاننا چاہتا ہوں اور ان کی تحقیق وجستجو کرنا چاہتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام ومسائل اور ترغیب وترہیب کے سلسلہ میں مروی ہیں اور وہ روایات اسناد کے ساتھ کسی کتاب میں مرتب ومجتمع ہوجائیں تاکہ مجھے زیادہ ورق گردانی بھی نہ کرنی پڑے اور مقصد بھی حاصل ہوجائے اور اس میں غیر معمولی تکرار بھی نہ ہو وغیرہ ذالك۔

اس عبارت میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شاگرد کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے کتاب کے فوائد کو بیان کیا ہے کہ اگر واقعتاً ایسی کتاب تیار ہوگئی تو لوگوں سے پہلے مجھے ہی اس کا فائدہ ہوگا اسلئے کہ آدمی کیلئے تھوڑی روایات کو پختہ ومضبوط کرنا آسان ہوتا ہے اور زیادہ روایات کو یاد رکھنا، ان کی صحت وضعف سے بحث کرنا اور ہر وقت ان مباحث وغیرہ کو ذہن نشین رکھنا مشکل ہوتا ہے اسلئے اگر

0313 6357913 maktabazaljariyamultan@gmail.com

ایک ہی مرتبہ روایات کی چھان بین کر کے ایک ایسا مجموعہ تیار کرلیا جائے تو یہ میرے لئے بھی مفید ہوگا۔اور جو لوگ صحیح وغیر صحیح روایات میں بغیر کسی رہنمائی کے امتیاز نہیں کر سکتے ان کے سامنے ہر طرح کی حدیثوں کا مجموعہ پیش کرنا کسی طرح بھی مفید نہیں ہے ان کیلئے تو صحیح احادیث ہی مفید ہیں تا کہ وہ صحیح احادیث سے استفادہ کر سکیں اور دوسری غیر متعلقہ ابحاث میں ہی گم نہ ہو جائیں۔(فیض المنعم ص ۱۸)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ''تھوڑی صحیح حدیثوں پر اکتفاء کرنا بہتر ہے''۔اکابر محدثین کے واقعات تو اس کے خلاف ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو غیر معتبر حدیثوں کے علاوہ جو قابل اعتماد حدیثیں یاد تھیں انکی تعداد سات لاکھ تھی، یہی تعداد محدّث ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے محفوظات کی تھی۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں دو لاکھ کے قریب تو غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں ازبر تھیں۔خود امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ وہ اپنی کتاب صحیح مسلم شریف کے بارے میں خود فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے اپنے کان سے سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں میں سے یہ مجموعہ منتخب کیا ہے''۔اسی طرح اور محدثین کی طرف بھی بڑے بڑے عدد منسوب ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ یہ معاملہ فنِ حدیث کے شہسواروں کا ہے۔ان خوش نصیب حضرات کیلئے بہت زیادہ حدیثوں کا جمع کرنا مفید تھا کیونکہ ان کو بیدار مغزی کی دولت نصیب تھی وہ احادیث کے علل واسباب سے واقف تھے۔اس لئے ان کے لئے احادیث کی کثرت اور مکررات کا ذخیرہ مفید تھا مگر عام لوگوں کیلئے، جن کو خواص کی مذکورہ بالا صلاحیتیں میسر نہیں ہیں، بہت زیادہ حدیثیں جمع کرنا مفید نہیں ہے کیونکہ وہ تو تھوڑی روایات کے ضبط سے بھی عاجز ہیں۔ان کیلئے تو یہی مفید ہے کہ ان کی استطاعت کے بقدر صحیح احادیث منتخب کر کے انکو دی جائیں تا کہ وہ ان سے استفادہ کریں اور انتشار ذہنی سے محفوظ رہیں۔(ایضاً ص ۶۵)

الشق الثانی.....فَإِذَا نَحْنُ تَقَصَّيْنَا أَخْبَارَ هٰذَا الصِّنْفِ مِنَ النَّاسِ أَتْبَعْنَاهَا أَخْبَارًا يَقَعُ فِيْ أَسَانِيْدِهَا بَعْضُ مَنْ لَيْسَ بِالْمَوْصُوْفِ بِالْحِفْظِ وَالْإِتْقَانِ كَالصِّنْفِ الْمُقَدَّمِ قَبْلَهُمْ، عَلٰى أَنَّهُمْ وَإِنْ كَانُوْا فِيْمَا وَصَفْنَا دُوْنَهُمْ فَإِنَّ اِسْمَ السَّتْرِ وَالصِّدْقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ كَعَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَيَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ زِيَادٍ وَلَيْثِ بْنِ أَبِيْ سُلَيْمٍ وَأَضْرَابِهِمْ مِنْ حُمَّالِ الْآثَارِ وَنُقَّالِ الْأَخْبَارِ۔(ص۳۔ج۱۔قدیمی) شکل العبارۃ وترجمها۔ انکر تراجم موجزة لكل من عطاء بن السائب ويزيد بن أبي زياد وليث بن أبي سليم وانكر مرتبتهم في رواة الحديث۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مذکورہ راویوں کا تعارف اور روایتِ حدیث میں انکا مرتبہ۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ پھر جب ہم طبقۂ اولیٰ کی روایات کو جمع کرلیں گے تو اس کے بعد ہم (طبقۂ ثانیہ کی) ایسی احادیث ذکر کرینگے جن کی اسانید میں ایسے رواۃ بھی موجود ہیں جو حفظ واتقان میں پہلے طبقہ کے رواۃ جیسے نہیں ہیں۔باوجود اس بات کے کہ یہ رواۃ ضبط واتقان میں پہلے طبقہ کے رواۃ سے کم درجہ کے ہیں مگر بیانِ حدیث میں صدق وعدالت اور علمِ حدیث کے ساتھ اشتغال والی وصف کے ساتھ متصف ہیں جیسے عطاء بن سائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم اور ان جیسے دوسرے حاملینِ حدیث وناقلینِ روایات۔

③ مذکورہ راویوں کا تعارف اور روایتِ حدیث میں انکا مرتبہ:۔ عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ: یہ مشہور عالم اور تابعی حضرت عطاء بن سائب بن زید ثقفی کوفی ہیں، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے جید واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کی ہیں۔بڑے بڑے علماء مثلاً سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید رحمہم اللہ وغیرہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔آپ انتہائی دیندار، متقی وپرہیزگار تھے اور آخر عمر میں حافظہ خراب ہوگیا تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ثقة رجل صالح، من سمع منه قديما كان صحيحا۔

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محله الصدق قبل ان يختلط۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ثقة في حديثه القديم لكنه تغير۔

0313 6357913 maktabazakariyanultan@gmail.com

الحاصل آخر عمر میں حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ائمہ نے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور حضرت سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید رحمہم اللہ نے ان سے جو احادیث روایات کی ہیں وہ صحیح ہیں اور جو حضرات انکے علاوہ ہیں انکی روایات کے بارے میں توقف کیا گیا ہے۔

یزید بن ابی زیاد: انکو یزید بن زیاد بھی کہا جاتا ہے اور یہ قرشی دمشقی ہیں۔ علماءِ اسماء الرجال نے انکی تضعیف کی ہے۔

قال الحافظ وابوحاتم :هو ضعيف۔ قال ابن نمير ويحيىٰ بن معين:ليس بشيئ۔

قال النسائي : هومتروك الحديث۔ قال الترمذي: ضعيف الحديث۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد یزید بن ابی زیاد قرشی دمشقی نہیں ہے بلکہ یزید بن ابی زیاد کوفی ہے جو کہ کوفہ کے علماء میں سے ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی بھی تضعیف کی ہے۔ **قال ابن المبارك: ارم به۔**

قال يحيىٰ:ليس بالقوى ولايحتج به۔ قال ابن فضيل: كان من ائمة الشيعة الكبار۔

لیث بن ابی سلیم: یہ لیث بن ابی سلیم کوفی ہیں اور علماءِ کوفہ میں سے ہیں اور ان سے متعدد حضرات نے احادیث روایت کی ہیں۔

قال احمد: مضطرب الحديث ولكن حدث عنه الناس۔ قال يحيىٰ والنسائي: هوضعيف۔

قال ابن معين:ايضا لابأس به۔ قال ابن حبان اختلط فى آخر عمره۔ قال الدارقطني: صاحب سنة۔

الغرض ان تینوں حضرات میں صدق وعدالت اور تقویٰ کے منافی کوئی بات نہیں تھی البتہ ضبط واتقان میں طبقۂ اولیٰ کے مساوی اور برابر نہ تھے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....**عن زيد بن خالد الجهنى قال: صلى بنا رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية فى اثر سماء كانت من الليل فلما انصرف أقبل على الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربكم؟ قالوا الله ورسوله أعلم قال قال أصبح من عبادى مؤمن بى وكافر فأمامن قال مطرنا بفضل الله ورحمته، فذلك مؤمن بى كافر بالكواكب وأما من قال مطرنابنوء كذا وكذا فذلك كافر بى ومؤمن بالكواكب**۔(ص۵۹۔ج۱۔قدیمی)

اذكر معنى "النوء" لغة وترجم الحديث الشريف واضحا۔ ماهوالمراد بالكفر فى هذا الحديث، عيّن نوع الكفر من أنواعه۔ ماهوعلم النجوم، عرّفه ثم اذكر حكمه بتفصيل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) نوء کا معنیٰ (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) کفر کے معنیٰ کی تعیین (۴) علم نجوم کی تعریف وحکم۔

جواب..... ① نوء کا معنیٰ:۔ نوء کا لفظ طلوع وغروب دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ کل اٹھائیس ستارے ہیں جو منازلِ قمر قرار دیئے جاتے ہیں، جب ان میں سے ایک ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اسی وقت مغرب میں ایک ستارہ غروب ہوتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بارش ان ستاروں کے طلوع وغروب سے ہوتی ہے اسے وہ بارش کے لئے علت اور مؤثر حقیقی سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص علت اور مؤثرِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ کو سمجھے مگر بطورِ علامت کسی ظاہری علامت کی طرف نسبت کردے تو یہ کفر نہیں ہے۔ (درسِ مسلم ص ۳۷۰)

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر فجر کی نماز پڑھائی، رات میں بارش کی وجہ سے آسمان ابر آلود تھا پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں نے صبح کی مجھ پر ایمان کے ساتھ اور کفر کے ساتھ، پس جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے ہم پر بارش برسائی ہے تو یہ شخص مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا منکر ہے اور جس شخص نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی گردش کی وجہ سے ہم پر بارش برسی ہے تو یہ شخص میرا منکر اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔

0313 635 913 | mohammadnazkariyamadni@gmail.com

③ کفر کے معنیٰ کی تعیین:۔ یہاں پر کفر کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ کفر الشرک اور کفر النعمۃ۔ بعض اہل علم نے یہاں پر ایمان کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے کفر الشرک مراد لیا ہے اور بعض اہلِ علم نے اس سے کفرانِ نعمت یعنی ناشکری مراد لیا ہے کیونکہ دیگر احادیث میں **اصبح من الناس شاکروکافر** کے الفاظ آئے ہیں جو کہ کفرانِ نعمت پر دال ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی مذکورہ حدیث کی وجہ سے کفرانِ نعمت ہی مراد ہے۔

④ علم نجوم کی تعریف وحکم:۔ علمِ نجوم کا مطلب یہ ہے کہ ستاروں کی چال چلن اور منزل کو دیکھ کر اپنے کاموں کا تعین کرنا اور کاموں کے انجام کے صحیح غلط ہونے کا نتیجہ اخذ کرنا۔ یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کرسکتا ہے مثلاً سورج کے قُرب وبُعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مدّ وجزر وغیرہ، اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں ایک انسان کیلئے کسی ستارے کے کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے اور کسی کیلئے غموں اور ناکامیوں کا، پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو کامیابیوں اور ناکامیوں کے معاملہ میں موثر حقیقی مانتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کردیئے ہیں اسلئے دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو موثر حقیقی مانتے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے رہین منت ہیں، ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں۔ تو بلاشبہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے نوء کہا جاتا تھا) بارش لیکر آتا ہے اور وہ بارش کیلئے موثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔

رہے وہ لوگ جو دنیوی واقعات میں موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو سبب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں۔ اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے لیکن یہ ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں سو یہ خیال شرک نہیں ہے اور قرآن وحدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے اور نہ تردید لیکن یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع وغروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کے لئے علمِ نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بناء پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہرحال ممنوع اور ناجائز ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۴۴۹)

0313 6357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....**عن أبی سعید الخدری أن رسول اللہ ﷺ ذکرعندہ أبوطالب فقال لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیامۃ فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیہ یغلی منہ دماغہ۔** (ص ۱۱۵۔ ج ۱۔ قدیمی)

ترجم الحدیث۔ ھذاالحدیث یخالف قول اللہ تعالیٰ "فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین" ظاھرًا فکیف التخلص من ھذا الاشکال؟ انکر أقوال العلماء بصددذلك۔ کیف یشفع لہ النبی ﷺ مع أن الشفاعۃ للکفار لایجوز۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) آیت کریمہ وحدیث میں تطبیق (۳) آپ ﷺ کے کافر کی سفارش کرنے کی وجہ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعیدی خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شاید قیامت کے دن میری شفاعت اسے نفع دے اور انہیں جہنم کے سب

سے ہلکے عذاب میں رکھا جائے جوان کے ٹخنوں تک پہنچے جس کی وجہ سے انکا دماغ کھولنے (اُبلنے) لگے۔

② آیت کریمہ وحدیث میں تطبیق:۔ سوال ہوتا ہے کہ بظاہر آیت کریمہ اور حدیث میں تعارض ہے اس لئے کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کافروں کو کسی کی سفارش بھی نفع نہ دے گی جبکہ آپ ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ شاید میری سفارش ابوطالب کو فائدہ پہنچائے تو بظاہر کافر کو سفارش کا نفع ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے تعارض ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس کو خصائصِ نبوی ﷺ میں سے شمار کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ آیت وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ دونوں جگہ منفعت کا الگ الگ معنی مراد ہے کیونکہ آیت میں منفعت سے مراد اخراج من النار ہے کہ کسی کافر کو کسی کی سفارش کی وجہ سے جہنم سے نہیں نکالا جائیگا اور حدیث میں تخفیفِ عذاب کی منفعت مراد ہے اور یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں کہ کافر کو جہنم سے تو نہ نکالا جائے مگر اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگی مگر چونکہ ابوطالب کو اس کا اثر نہیں پہنچے گا بایں طور کہ معمولی عذاب کے باوجود دماغ تک اس کا اثر ہوگا اور دماغ اُبل رہا ہوگا اسلئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ گویا انکو سفارش نے نفع نہیں پہنچایا۔

③ آپ ﷺ کے کافر کی سفارش کرنے کی وجہ:۔ کفار کیلئے سفارش کرنا جائز نہیں، اسکے باوجود آپ ﷺ نے ابوطالب کی سفارش کیسے فرمائی۔ جواب: ① یہ آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ② آپ ﷺ نے قول کے ذریعہ ابوطالب کی سفارش نہ کی تھی بلکہ یہ زبانِ حال سے آپ ﷺ کی طرف سے سفارش تھی کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہونی چاہیے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....**عن عبدالله بن دينار أنه سمع ابن عمر قال: أمر رسول الله ﷺ أهل المدينة أن يهلوا من ذى الحليفة، وأهل الشام من الجحفة وأهل نجد من قرن، وقال عبدالله بن عمر: وأخبرت أنه قال: ويهل أهل اليمن من يلملم۔** (ص۳۷۵۔ج۱۔قدیمی)

اذكر المواقيت كلها۔ ماهوحكم المتردد الى مكة بغير قصد الحج والعمرة هل يلزمه الاحرام أم لا۔ اذكر أقوال العلماء فيمن جاوز الميقات مريدًا لنسك بغير احرام۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) مواقیت کی وضاحت (۲) حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر مکہ میں داخل ہونے والے کا حکم (۳) حاجی یا معتمر کا بغیر احرام میقات سے گزرنے کا حکم۔

جواب..... ① مواقیت کی وضاحت:۔ احرام کیلئے پانچ میقات ہیں اور میقات اس مقام اور جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سے حج یا عمرہ کا قصد کرنے والے شخص کا بغیر احرام گزرنا جائز نہیں ہے اور ان مواقیت کی تفصیل یہ ہے۔

① اہلِ مدینہ وغیرہ کے لئے میقات ذوالحلیفہ ہے۔ (اب اس کا نام بیرِ علی رضی اللہ عنہ ہے)

② اہلِ شام وغیرہ کے لئے میقات جحفہ ہے۔ ③ اہلِ نجد وغیرہ کے لئے میقات قرن ہے۔

④ اہلِ یمن وغیرہ کے لئے میقات یلملم ہے۔ ⑤ اہلِ عراق وغیرہ کے لئے میقات ذات عرق ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

پہلے چار مواقیت کی تعیین بالاتفاق آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور پانچویں میقات میں اختلاف ہے۔ حنفیہ، حنابلہ اور جمہور شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی تعیین بھی آپ ﷺ نے فرمائی ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض اہلِ علم کے نزدیک اس کی تعیین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔ (المسائل والدلائل ص۱۷۴)

② حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر مکہ میں داخل ہونے والے کا حکم:۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا راجح قول یہ ہے کہ حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر اپنی کسی ضرورت کے لئے اگر کوئی شخص احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خواہ وہ ضرورت متکررہ ہو یا غیر متکررہ ہو۔

البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول اور مالکیہ وحنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر حاجت متکررہ ہے تو احرام ضروری نہیں ہے بغیر احرام گزرنا جائز ہے اور اگر حاجت متکررہ نہیں ہے تو پھر یہ بغیر احرام گزرنا جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جو شخص بھی مکہ سے باہر کسی دوسرے شہر میں رہتا ہے اس کیلئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا صحیح نہیں ہے خواہ حاجت متکررہ ہو یا غیر متکررہ۔ (الدرالمنضود ۳:۱۶۷)

③ حاجی یا معتمر کا بغیر احرام میقات سے گزرنے کا حکم:۔ اگر حج یا عمرہ کے ارادہ سے جانے والا شخص احرام کے بغیر میقات سے گزر گیا تو عندالجمہور یہ شخص گنہگار ہے اور اس پر دم واجب ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ عمرہ یا حج کا فعل شروع کرنے سے پہلے ہی تلبیہ کہتے ہوئے واپس میقات کی طرف لوٹ آیا تو دم ساقط ہوجائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تلبیہ کے ساتھ لوٹنا ضروری نہیں ہے بغیر تلبیہ بھی میقات کی طرف لوٹ آیا تو دم ساقط ہوجائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام زفر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دم کسی صورت بھی ساقط نہ ہوگا اور اگر وہ احرام کے بغیر ہی واپس لوٹ آیا تو پھر بالاتفاق دم ساقط ہوجائیگا اور اگر اس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر کوئی فعلِ حج یا عمرہ بھی کرلیا تو پھر بالاتفاق دم واجب ہوجائے گا۔ (اشرف الہدایہ ج۳ص۵۳۳)

الشق الثانی.....**عن عائشة أن أزواج رسول الله ﷺ كن يخرجن بالليل اذا تبرزن الى المناصع وهو صعيد أفيح وكان عمر بن الخطاب يقول لرسول الله ﷺ احجب نساءك فلم يكن رسول الله ﷺ يفعل فخرجت سودة بنت زمعة زوج النبى ﷺ ليلة من الليالى عشاء وكانت امرأة طويلة فناداها عمر ألاقد عرفناك ياسودة حرصًا على أن ينزل الحجاب قالت عائشة فأنزل الله عزوجل الحجاب.**

ترجم الحديث المبارك الى الأردية . اذكرحكم كشف وجه المرأة أمام الأجانب،عند العلماء مع ذكر النصوص التى ذكروهااستدلالًا واحتجاجًا. (ص۲۱۵۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امر توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) عورت کا چہرہ کھولنے کا حکم مع الدلائل۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن قضائے حاجت کیلئے مناصع (قضائے حاجت کیلئے معروف مقامات) کی طرف نکلتی تھیں اور وہ ہموار وسیع زمین تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو پردہ کا حکم کریں۔ رسول اللہ ﷺ نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ایک رات عشاء کے وقت نکلیں اور وہ لمبی خاتون تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ اے سودہ! ہم تمہیں پہچان چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ پردہ کا حکم نازل ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پس (اس موقع پر) اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرمادیا۔

② عورت کا چہرہ کھولنے کا حکم مع الدلائل:۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹ تک ستر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول نقل کیا ہے کہ **لایبدین زینتهن الا ماظهر منها** سے مراد چہرہ ودونوں ہتھیلیاں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے۔ صاحب بیضاوی نے لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں جس ستر کا حکم ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے پردہ سے نہیں، کیونکہ آزاد عورت کا پورا جسم واجب الستر ہے۔ سوائے شوہر ومحرم کے عورت کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کیلئے جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ۔ حنفی فقہ کی کتابوں میں چہرہ کو ستر سے مستثنیٰ کہا گیا ہے اور یہ استثناء صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے **الا ماظهر منها** میں چہرہ وہتھیلی کا استثناء کیا ہے نیز چہرہ وہتھیلی کو چھپائے رکھنے میں سخت دشواری بھی ہے ان کا ضرورت کے وقت کھلا رہنا ضروری ہے۔ مردوں سے لین دین میں ان کا کھلنا لازم ہے۔ البتہ اگر نفسانی میلان کے ابھار کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں سوائے خالص مجبوری کے چہرہ کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے اور ہر اجنبی عورت کا چہرہ ہر نامحرم جوان کیلئے نفسانیت میں ابھار کا احتمال رکھتا ہے جو مرد اپنے اندر عورتوں کی طرف میلان کی صلاحیت رکھتا ہے اجنبی عورت کا چہرہ دیکھ کر اسکے نفسانی میلان میں بیداری نہ ہونا ناقابل تصور ہے اسلئے ہمیں کہنا پڑے گا کہ آزاد جوان عورت کیلئے اجنبی مرد سے چہرہ کا پردہ رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ

0343 6377913 maktabazahidsultan@gmail.com

حسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت سرتا پاؤں مکمل عورت یعنی قابل ستر ہی ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسکی تاک وجھانک میں رہتا ہے البتہ ضرورتیں باجماع امت اس حکم سے مستثنیٰ ہیں نیز چہرہ کھلا رکھنے کا عدم جواز اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے **قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن**، اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس وابوعبیدہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مسلمان عورتوں کو اپنے سر و چہرے ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج۸ ص۲۲۰)

نیز پردہ کا حکم فتنہ وفساد کی روک تھام کے لئے ہے اور اس کا سب سے خطرناک اور موجبِ شہوت سبب چہرہ ہی ہے لہٰذا اگر چہرہ پردہ میں داخل نہ ہو تو پھر پردہ کا حکم دینے کا مقصد پورا نہ ہوگا۔

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل..... **عن علقمة والأسود أن رجلاً نزل بعائشة فأصبح يغسل ثوبه، فقالت عائشة انما كان يجزئك ان رأيته أن تغسل مكانه فانه لم ترنضحت حوله ولقد رأيتني أفركه من ثوب رسول الله ﷺ فركًا فيصلي فيه.** (ص۱۴۰۔ج۱۔قدیمی) **ترجم الحديث المبارك. اذكر حكم المنى عند العلماء هل هو نجس أم لا؟ اذكر سبب اختلافهم فيه واضحًا مع ايراد أدلتهم على ماذهبوا اليه.**

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) منی کے نجس ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) منی کی نجاست میں اختلاف کا سبب۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علقمہ واسود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہرا (رات کو احتلام ہوگیا) تو صبح کے وقت اس شخص نے اپنے کپڑے دھونے شروع کئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تجھے کفایت کرجائے گی اگر تو دیکھے اسے کہ تو دھوڈالے اس جگہ کو اور اگر تو نہ دیکھے تو چھینٹے مار دے اس کے اردگرد اور البتہ تحقیق میں دیکھ رہی ہوں خود کو کھرچ رہی ہوں میں اس کو آپ ﷺ کے کپڑوں سے اور آپ ﷺ اس میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

② منی کے نجس ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ مذہب اوّل: شافعیہ، حنابلہ، اسحٰق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے، یہی لوگ طحاوی میں **فذهب ذاهبون الى ان المنى طاهر** کے مصداق ہیں۔ نیز ان کے نزدیک منی ناک کے رینٹ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا ماء قلیل میں منی گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

مذہبِ ثانی: حنفیہ، مالکیہ، امام اوزاعی، لیث بن سعد اور حسن بن صالح رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک منی ناپاک ہے۔ یہی لوگ طحاوی میں **وخالفهم فى ذلك آخرون** کے مصداق ہیں۔ لیکن ان کے درمیان تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تر منی کا دھونا واجب ہے اور خشک منی کا کھرچ دینا کافی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خشک وتر ہر طرح کی منی کو پانی سے دھونا واجب ہے البتہ چھینٹا مارنا بھی کافی ہے اور امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے نزدیک منی ناپاک تو ہے لیکن اگر اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور امام حسن ابن صالح رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کپڑے میں منی لگی ہے تو اعادۂ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بدن میں لگی ہے تو اعادۂ صلوٰۃ ضروری ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کی دلیل: ہمام بن حارث رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہر گئے تو اتفاق سے ان کو احتلام ہوگیا تو انہوں نے صبح اٹھ کر اپنے کپڑے سے منی کے اثرات کو دھونا شروع کردیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو سمجھتی ہوں یعنی مجھے یاد ہے کہ میں حضور ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔ تو اس مضمون سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ منی کو کھرچ دینے کی صورت میں کپڑے کے ریشوں کے اندر لازمی طور پر منی کا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اگر منی ناپاک ہوتی تو حضرت

0313 6351913 makkabazakariyamultan@gmail.com

عائشہ رضی اللہ عنہا کپڑے کو کھرچنے کی بجائے ضرور دھو دیتیں اور کھرچنا کافی نہ سمجھتیں۔لہٰذا کہنا پڑے گا کہ منی پاک ہے، ناپاک نہیں ہے اور کپڑے کے اوپر سے منی کے ظاہری اثرات کو طبعی نفرت کی بناء پر کھرچ دیا جاتا ہے نہ کہ ناپاک ہونے کی بناء پر۔

حنفیہ کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شافعیہ کی دلیل نہیں بلکہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تطہیرِ نجاست کے متعدد طریقے ہیں، دھونا، رگڑنا، مَل ڈالنا، خشک ہو جانا اور کھرچنا، معلوم ہوا کہ کھرچنا بھی طہارت کا ایک طریقہ ہے پس جب منی خشک ہو جائے تو اس میں رگڑنا اور کھرچنا کافی ہے لہٰذا یہ کھرچنا منی کی نجاست پر دال ہے جیسا کہ دھونا منی کی نجاست پر دال ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۱۷۷)

حنفیہ ومالکیہ کے دلائل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر حضور ﷺ وہ کپڑے پہن کر نماز کیلئے تشریف لے جاتے تھے، معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے اسی لئے تو اس کو کپڑے سے دھویا جاتا تھا۔ ② یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا کہ کیا آپ ﷺ اپنے نیند والے کپڑوں میں نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت ان میں نماز پڑھتے تھے جب ان پر نجاست نہ لگی ہوتی تھی، معلوم ہوا کہ منی نجاست ہے کیونکہ انہوں نے منی کو اذی (نجاست) سے تعبیر کیا ہے۔ ③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لحافوں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ایسے لحافوں میں عام طور پر منی کا دھبہ لگ جایا کرتا ہے اور منی چونکہ ناپاک ہے اسلئے آپ ﷺ ایسے کپڑوں میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے۔

③ منی کی نجاست میں اختلاف کا سبب:۔ منی کی نجاست وطہارت میں اختلاف کا سبب دو چیزیں ہیں:

① روایات کا اختلاف، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعض احادیث میں یہ بات ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے اس کو دھو دیتی تھی اور آپ ﷺ نماز کے لئے جاتے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے کپڑوں پر پانی کا اثر ہوتا تھا جب کہ دوسری احادیث میں ہے کہ میں منی کو آپ ﷺ کے کپڑوں سے محض کھرچتی تھی ② جسم سے خارج ہونے والی کچھ اشیاء نجس ہیں مثلاً بول وبراز وغیرہ اور کچھ اشیاء طاہر وپاک ہیں مثلاً دودھ، ناک کی رینٹھ وغیرہ۔اب یہ معلوم نہیں کہ منی کن اشیاء میں سے ہے۔

الشق الثانی.....**عن عبدالله بن مغفل قال: قال رسول الله ﷺ: بين كل أذانين صلاة، قالها ثلاثًا، قال فی الثالثة: لمن شاء، عن عبدالله بن مغفل عن النبی ﷺ مثله الا أنه قال فی الرابعة: لمن شاء۔ اذكر معنى الحديث وادفع التعارض الواقع بين الحديثين۔ ماهو حكم الركعتين قبل المغرب عند الفقهاء۔ اذكر أدلتهم على ماذهبوا اليه۔** (ص ۲۷۸۔ج ۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث سے رفعِ تعارض (۳) مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز ہے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا اور تیسری مرتبہ میں ارشاد فرمایا کہ (یہ نماز) اس شخص کے لئے ہے جو پڑھنا چاہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں مگر انہوں نے نقل کیا کہ چوتھی مرتبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نماز اس شخص کے لئے ہے جو پڑھنا چاہے۔

② احادیث سے رفعِ تعارض:۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ اوّل (**قال فی الثالثة**) اپنی حقیقت پر ہے اور حدیثِ ثانی (**قال فی الرابعة**) میں تاویل کی جائے گی کہ یہاں مطلق قول مراد ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ **بين كل اذانين صلوٰة** کہنے کے بعد چوتھا قول صرف **لمن شاء** کہا، لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔

③ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے میں اختلاف:۔ صلوٰۃ قبل المغرب میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول مروی ہیں۔علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے استحباب کا قول جبکہ شارح مسلم نے جواز کا قول نقل کیا ہے۔اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دو روایتیں ہیں۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے استحباب جبکہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا قول نقل کیا ہے۔

03132357773 maktabazakariamultan@gmail.com

حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک رکعتین قبل المغرب مکروہ ہے۔

④ ائمہ کے دلائل:۔ حنفیہ ومالکیہ کے دلائل ① سنن دارقطنی، بیہقی اور مسند بزار کی روایت ہے جس میں حدیث الباب (**بین کل اذانین صلوٰۃ لم شاء**) کے ساتھ **ماخلا صلوٰۃ المغرب** کے الفاظ سے استثناء موجود ہے۔ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ شوافع وحنابلہ کی دلیل کا جواب بھی ہے۔ ② ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال مارأیت احدًا علی عھد رسول اللّٰہ ﷺ یصلیھا ورخص فی الرکعتین بعدالعصر**۔ ③ بیہقی میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی روایت ہے **قال لم یصل ابوبکر ولاعمر ولاعثمان قبل المغرب رکعتین**۔

شوافع وحنابلہ کے دلائل: ① حدیث الباب **بین کل اذانین صلوٰۃ لم شاء** ہے۔ ② بخاری میں حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **عن النبی ﷺ قال صلوا قبل صلوٰۃ المغرب قال فی الثالثۃ لمن شاء کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ**۔ ③ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال کان المؤذن اذا اذّن قام ناس من اصحاب النبی ﷺ یبتدرون السواری حتّٰی یخرج النبی ﷺ وھم کذلک یصلون رکعتین قبل المغرب ولم یکن بین الاذان والاقامۃ شیئ**۔ ④ ابوداؤد میں روایت ہے **عن انس بن مالک قال صلیت الرکعتین قبل المغرب علی عھد رسول اللّٰہ ﷺ قال قلت لانس اراکم رسول اللّٰہ ﷺ قال نعم رانا فلم یامرنا ولم ینھنا**

اس مجموعہ سے رکعتین قبل المغرب کا جواز ثابت ہوتا ہے، اسی بناء پر متاخرین حنفیہ میں سے شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے جواز کے قول کو ترجیح دی ہے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ روایات کے ذریعہ رکعتین قبل المغرب کے استحباب کی نفی تو ثابت ہوتی ہے لیکن ان کو مکروہ یا بدعت کہنے کا کوئی جواز نہیں۔

بہرحال رکعتین قبل المغرب روایات کی رُو سے جائز ہیں مگر ان کا ترک افضل معلوم ہوتا ہے جس کی دو وجوہ ہیں: ① احادیث میں تعجیلِ مغرب کی تاکید بڑی اہمیت کے ساتھ وارد ہوئی ہے اور یہ رکعتین اس کے منافی ہیں۔ ② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت یہ رکعتیں نہیں پڑھتی تھی اور احادیث کا صحیح مفہوم تعاملِ صحابہ ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام طور سے ان کو ترک کیا ہے اس لئے اُن کا ترک ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ البتہ کوئی پڑھے تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں۔ واللہ اعلم (درسِ ترمذی ۱:۴۳۰)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل..... **عن قبیصۃ بن مخارق الھلالی قال: تحملت حمالۃ، فأتیت رسول اللّٰہ ﷺ أسالہ فیھا فقال أقم حتی تأتینا الصدقۃ فنأمر لک بھا قال: ثم قال: یاقبیصۃ ان المسألۃ لاتحل الا لأحد ثلاثۃ رجل تحمل حمالۃ فحلت لہ المسألۃ حتی یصیبھا ثم یمسک، ورجل أصابتہ جائحۃ اجتاحت مالہ فحلت لہ المسألۃ حتی یصیب قوامًا من عیش أو قال سدادًا من عیش ورجل أصابتہ فاقۃ حتی یقول ثلاثۃ من ذوی الحجی من قومہ: لقد أصابت فلانا فاقۃ فحلت لہ المسألۃ حتی یصیب قوامًا من عیش أو قال سدادًا من عیش فما سواھن من المسألۃ یا قبیصۃ سحتا یأ کلھا صاحبھا سحتًا**۔ (ص۳۳۴۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث واشرحہ موجزًا۔ لماذا نصب قولہ "سحتا"۔ انکر أقوال العلماء فیمن تحل لہ الزکاۃ والمسألۃ بتفصیل

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) **سحتا** کے نصب کی وجہ (۴) **من تحل لہ الزکوٰۃ والسوال** کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے (کسی امر کیلئے) چندہ جمع کرنے کا بار اپنے اوپر ڈال لیا تھا تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھنے کیلئے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ کہ ہمارے پاس صدقہ

0313 6357915 maktabazakariyamultan@gmail.com

کا مال آجائے تو ہم تم کو دینے کا حکم دے دیں گے، پھر آپ نے فرمایا: اے قبیصہ! تین آدمیوں کے علاوہ کسی کیلئے مانگنا جائز نہیں ایک وہ آدمی جس نے اپنے اوپر چندہ کا بوجھ ڈالا ہو تو اس کیلئے اتنی رقم پوری کرنے تک مانگنا جائز ہے پھر وہ رُک جائے۔ دوسرا وہ آدمی جس کے مال کو کسی آفت نے ختم کر دیا ہو تو اس کیلئے اپنے گزر بسر تک یا گزر اوقات کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے۔ تیسرا وہ آدمی ہے جس کے تین دن فاقہ میں گزر جائیں اور اس کی قوم میں سے تین کامل العقل آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں آدمی کو فاقہ پہنچا ہے تو اس کیلئے گزر بسر کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے۔ اے قبیصہ! ان تین کے علاوہ مانگنا حرام ہے اور مانگ کر کھانے والا حرام کھاتا ہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ حاصلِ حدیث یہ ہے کہ صرف تین آدمیوں کے لئے مانگنا اور سوال کرنا جائز ہے۔

① جس نے اپنے ذمہ کوئی بھاری ذمہ داری لی ہو یا اس پر بھاری ذمہ داری آن پڑی ہو مثلاً کسی کے درمیان مصالحت کے لئے کوئی رقم اپنے ذمہ لازم کر لی یا دیت اس کے سر لازم ہوگئی تو اس مقررہ رقم تک مانگنا جائز ہے ② کسی مصیبت و آفت مثلاً کوئی سیلاب زلزلہ وغیرہ میں جس کا مال ہلاک ہوگیا تو گزر اوقات کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے ③ جو انتہاء درجہ کا غریب و خاک نشین ہو کہ اس کے گھر میں فاقوں تک نوبت پہنچ چکی ہے تو اس کے لئے بھی اپنے گزر بسر کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے۔

③ **سحتا** کے نصب کی وجہ:۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلم کے علاوہ بقیہ کتب میں **سحت** ہے جو کہ واضح ہے اور مسلم کی عبارت **سحتا** کے مطابق یہاں عبارت پوشیدہ ماننی پڑے گی۔ اصل عبارت **اعتقدہ سحتا یوکل سحتا** ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

④ **من تحل له الزکوٰۃ والسوال** کی وضاحت:۔ جس شخص کے پاس بقدرِ نصاب مال موجود ہو اور وہ مال نامی بھی ہو تو اس پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے اور ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ اور جس شخص کے پاس مال تو بقدرِ نصاب ہو لیکن وہ نامی نہ ہو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں لیکن اس کیلئے زکوٰۃ لینا بھی جائز نہیں اور اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے۔

جس شخص کے پاس مال غیر نامی بھی بقدرِ نصاب نہ ہو اس کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے لیکن سوال کرنا اس کے لئے بھی جائز نہیں جب تک کہ اس کے پاس **قوت یوم و لیلۃ** موجود ہو، البتہ جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی غذا کا بھی انتظام نہ ہو تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم سے کم ہوں اس کے لئے سوال جائز ہے۔ وہ ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **ومایغنیه** کی تفسیر **خمسون درهمًا** سے کی ہے اور ہماری دلیل ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جس میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا **ومالغنی الذی لاینبغی معه المسألة قال: قدر ما یغدیه ویعشیه** نیز **باب ماجاء من لاتحل له الصدقة** ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع مروی ہے **لاتحل الصدقة لغنی ولالذی مرة سوی**، اس حدیث میں **ذی مرّة** کے معنی صاحب قوت اور "**سوی**" کے معنی سلیم الاعضاء کے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ تندرست اور توانا شخص کے لئے کسی حال میں بھی سوال جائز نہیں لیکن ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث نے اس میں تخصیص پیدا کر دی اور سوال صرف اس شخص کے لئے جائز ہوگیا جس کے پاس **قوت یوم ولیلۃ** بھی موجود نہ ہو۔

جہاں تک ترمذی کی حدیث کا تعلق ہے اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم ہوں اسکے لئے سوال جائز نہیں لیکن جس شخص کے پاس اس سے کم ہو اس کے لئے سوال کی اجازت اور عدمِ اجازت سے اس حدیث میں سکوت ہے جبکہ ابوداؤد کی حدیث نے اس کی پوری حد مقرر کر دی۔ (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۴۷۵)

الشق الثانی ..... **والخبر وان فارق معناه معنی الشهادة فی بعض الوجوه فقد یجتمعان فی اعظم معانیهما اکتب بعض مایوجب الروایة عن الثقات وترك الکاذبین من السنة ۔ اذکرالفروق بین الروایة والشهادة ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) ثقہ کی روایت کے قبول اور کاذب کی روایت کے ترک کی دلیل (۲) روایت

0313 6377913 mujtabazakariyamultani@gmail.com

اورشہادت میں فرق۔ (ص۶۔ج۱۔قدیمی)

جواب..... ① ثقہ کی روایت کے قبول اور کاذب کی روایت کے ترک کی دلیل:۔ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے **یٰایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأٍ فتبینوا**، معلوم ہوا کہ فاسق وکاذب کی روایت بلاتحقیق معتبر نہیں ہے اور ثقہ وعادل کی روایت بلاتحقیق معتبر ہے۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے **واشھدوا ذوی عدل منکم** کہ صرف عادل لوگوں کو ہی گواہ بنایا جائے جب عام معاملات میں روایت وشہادت کے لئے عادل وثقہ ہونا ضروری ہے تو حدیث کی روایت میں بطریقِ اولیٰ عادل وثقہ ہونا ضروری ہے۔(عمدۃ المفہم) حضرت سعر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ کے قاضی حضرت سعد بن ابراہیم کو کہتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صرف ثقہ اور معتبر حضرات ہی بیان کریں۔

نیز حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسناد بھی دین کا حصہ ہیں اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو مرضی چاہتا وہ کہہ دیتا۔ یعنی علم حدیث میں اسناد کو ذکر کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ثقہ اور معتمد راوی کی روایت لی جائے اور ضعیف وکاذب کی روایت ترک کردی جائے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن ثابت کی روایت کو چھوڑ دو کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہتا ہے، معلوم ہوا کہ راوی کا عادل ثقہ اور معتمد ہونا ضروری ہے، غیر عادل ضعیف، مجروح اور کاذب کی روایت ذکر نہ کی جائے۔

② روایت اور شہادت میں فرق:۔ خبر وشہادت میں متعدد وجوہ سے فرق ہے: ① شہادت میں بعض جگہ مذکر ہونا شرط ہے خبر و روایت میں مذکر ہونا شرط نہیں ہے۔ ② شہادت میں حریت (آزادی) شرط ہے ۔خبر وروایت میں حریت شرط نہیں ہے۔ ③ شہادت میں عدد شرط ہے، خبر وروایت میں عدد شرط نہیں ہے۔ ④ اہلِ بدعت کی شہادت معتبر ہے مگر روایتِ حدیث میں تفصیل ہے۔**کما سیجئی**۔ ⑤ تہمت یعنی شہادت میں شاہد کا اپنا نفع یا دفعِ مضرت ہو تو شہادت معتبر نہیں جبکہ خبر وروایت میں یہ قید نہیں ہے۔ ⑥ شہادت میں مخصوص تعلق وقرابت مانع ہے۔ خبر وروایت میں تعلق وقرابت مانع نہیں ہے۔ ⑦ روایتِ حدیث میں اجرت لینا جائز ہے جبکہ شہادت میں جائز نہیں۔ ⑧ شہادت میں کذب ثابت ہوجائے تو صرف وہی شہادت مردود ہوگی جبکہ روایت میں جھوٹ ثابت ہوجائے تو سابقہ تمام روایات مردود ہوں گی۔ ⑨ شہادت کے معتبر ہونے کیلئے دعویٰ ومطالبہ اور حاکم کے پاس حاضری شرط ہے لیکن خبر وروایت میں ان میں سے کوئی شرط نہیں ہے۔ ⑩ اصول کی موجودگی میں فروع کی شہادت معتبر نہیں ہے مگر خبر وروایت میں اصل کی موجودگی میں فرع کی خبر وروایت معتبر ہے۔(عمدۃ المفہم ص۳۱)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل..... **أن عبدالله بن عمر قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: انطلق ثلاثة رهط ممن كان قبلكم حتى آواهم المبيت الى غار، واقتص الحديث بمعنى حديث نافع عن ابن عمر، غير أنه قال: قال رجل منهم اللهم كان لي أبوان شيخان كبير ان فكنت لاأغبق قبلها أهلاً ولا مالاً**.....(ص۳۵۳۔ج۲۔قدیمی)

ترجم العبارة وانكر قصة الحديث۔ انكر أنواع التوسل الجائز منه وغير الجائز معأدلة العلماء على ماذهبوا اليه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) قصۂ حدیث کی وضاحت (۳) توسل کی جائز وناجائز انواع مع الدلائل۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم سے پہلے لوگوں میں سے تین آدمی چلے، یہاں تک کہ انہوں نے رات گزارنے کے لئے ایک غار میں پناہ لی۔ باقی حدیث کو انہوں نے حدیثِ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح بیان کیا۔ علاوہ اس بات کے کہ فرمایا ان میں سے ایک آدمی نے کہا اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میں ان سے پہلے اپنے اہل وعیال وغلاموں کو دودھ نہ پلاتا تھا۔

② قصۂ حدیث کی وضاحت:۔ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ ہے کہ تین آدمی کسی راستے پر جارہے تھے کہ اچانک بارش آگئی تو انہوں نے پہاڑ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کے ایک غار میں پناہ لی اتفاقاً پہاڑ کے ایک پتھر کے گرنے سے غار کا منہ بند ہو گیا انہوں نے مل کر پتھر کو ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اتنا وزنی تھا کہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔ان میں سے ایک نے کہا کہ اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو اور خالص اللہ کی رضا کیلئے کئے ہوئے اپنے کسی نیک عمل کے ذریعے دعا مانگو، شاید اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو ٹال دے۔ایک نے کہا اے پروردگار! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میں جنگل میں بکریاں چراتا تھا جب میں شام کو واپس آتا تو ان کا دودھ نکالتا اور سب سے پہلے اپنے والدین کو دودھ پلاتا۔ایک دن تاخیر ہو گئی اور میرے والدین سو چکے تھے میں نے پہلے کی طرح دودھ نکالا اور دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور میں نے نیند کی وجہ سے اُن کو اٹھانا پسند نہ کیا اور بچے میرے پاؤں میں روتے رہے مگر میں نے والدین سے پہلے ان کو پلانا گوارا نہ کیا۔اگر یہ عمل صرف تیری رضا کے لئے تھا تو اس مصیبت کو ٹال دے۔تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو تھوڑا ہٹا دیا۔پھر دوسرے نے کہا اے پروردگار! میری ایک چچازاد بہن تھی اور میں اس سے محبت کرتا تھا، ایک دن میں نے اس سے بدکاری کی خواہش ظاہر کی تو اس نے ایک سو دینار لانے کا مطالبہ کیا میں نے بڑی محنت سے سو دینار جمع کئے، جب اُس کے پاس گیا اور جماع کا ارادہ کیا تو اُس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو اس کے حقِ نکاح کے بغیر نہ کھول، میں یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ یہ عمل صرف تیری رضا کے لئے تھا تو اس مصیبت کو ٹال دے تو اللہ تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔پھر تیسرے آدمی نے کہا اے پروردگار! میں نے ایک مزدور کو مزدوری پر رکھا جب اُس نے کام پورا کیا تو اُس نے اپنے حق کا مطالبہ کیا، میں نے اُسے حق دینا چاہا تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا پس میں اُس کے پیسے سے زراعت کرتا رہتا، یہاں تک کہ اُس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے میرے پاس گائے اور ان کے چرواہے جمع ہو گئے۔پس وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر، میں نے کہا وہ گائے اور ان کے چرواہے لے جاؤ تو اُس مزدور نے کہا کہ مجھ سے مذاق نہ کرو۔میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا تو وہ گائے اور چرواہے لے کر چلا گیا۔اے پروردگار! اگر یہ عمل تیری رضا کے لئے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے۔تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو ہٹا دیا اور وہ تینوں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اپنے راستے چل دیئے۔

③ توسل کی جائز وناجائز انواع مع الدلائل:۔ وسیلہ کی دو قسمیں ہیں: وسیلہ بالاعمال: یہ بالاتفاق جائز و مستحسن ہے جیسے حدیث باب سے واضح ہے کہ تینوں نے اپنے اپنے اعمال کے وسیلے سے دعا کی جو قبول ہوئی اور نجات پائی۔

وسیلہ بالذات: اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں: ① کوئی شخص کسی نبی یا ولی کے وسیلہ سے اس نظریہ سے دعا کرے کہ یہ میری حاجت برآوری کرینگے اور ان کو اس بات پر قوت وقدرت ہے، مطلقاً اس پر یہ قادر ہیں، یہ صریح کفر ہے ② دعا کرنے والا کسی پیغمبر یا بزرگ کے وسیلہ سے اس نظریہ سے دعا کرے کہ یہ قادر مطلق تو نہیں لیکن اللہ نے ان کو کچھ امور سپرد کئے ہیں اب یہ اس میں متصرف ہے، یہ شرک ہے **ھذا شرك بالاجماع** ۔مشرکینِ مکہ کا یہی عقیدہ وعمل تھا **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفٰی** ③ آدمی کسی رسول وولی کے وسیلہ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ تک میرا معاملہ وحاجت پہنچائیں گے **ھذا ایضًا شرك** ④ دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کا وسیلہ اس نظریہ وعقیدہ سے اپنائے کہ یا اللہ یہ تیرے محبوب بندے چنے ہوئے اور پسندیدہ ہیں انکی محبت اور قربت جو آپ سے ہے اسکے وسیلہ سے میری دعا قبول فرمایہ درست ہے، یہ مردوں اور زندہ دونوں سے جائز ہے۔یہ بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، بندے کے اس قرب کے ذریعے سے جو اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے ⑤ کسی بزرگ اور صالح آدمی کو یہ کہے کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے اور نظریہ یہ ہو کہ یہ اللہ کے مطیع ومقرب ہیں اللہ ان کی دعا قبول فرمائیں گے اور میرا کام ہو جائے گا یہ درست ہے اور یہ زندوں کے ساتھ خاص ہے۔

توسل کے جواز کی دلیل: ① بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب قحط سالی آتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے اور کہتے کہ اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے نبی اور اسکے چچا کے واسطہ ووسیلہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں سیراب فرما تو ان پر بارش برس پڑتی۔② ترمذی شریف میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک بینائی سے محروم شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنکھوں کی عافیت کے لئے دعا کی

9313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی طرح سے وضو کر نماز پڑھ پھر ان الفاظ سے دعا مانگ، اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور نبی رحمت ﷺ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی اس حاجت میں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ! میرے نبی ﷺ کو میری شفاعت کرنیوالا بنا دے۔ ③ معجم صغیر و مجمع الزوائد میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک آدمی کسی ضرورت کی وجہ سے بار بار انکے پاس آیا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عدم فرصت کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اس کی ضرورت پر غور نہ کیا تو اتفاقاً اس کی ملاقات راوی حدیث حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہوگئی اس آدمی نے اپنا دکھ سنایا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فکر نہ کرو، جاؤ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھو اور پھر یہ دعا کرو اے اللہ! میں آپ سے اپنی حاجت کے پورا ہونے کا سوال کرتا ہوں، اور نبی رحمت ﷺ کے وسیلہ سے آپکی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے توسل سے دعا مانگتے تھے۔ (انعامات منعم ۲:۶۹۳)

الشق الثانی..... "عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيْحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَ تَعْدِلُهَا أُخْرٰى، حَتّٰى تَهِيْجَ ـــ فِيْ رِوَايَةٍ: حَتّٰى يَأْتِيَهَ أَجَلُهٗ ـ، وَ مَثَلُ الْكَافِرِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِبَةِ عَلٰى أَصْلِهَا لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً".

شكّل الحديث ثمّ ترجمه ۔ حقق الكلمات المعلمة لغةً و صرفًا۔ شبّه فی الحدیث المؤمن بالخامة و الكافر بالارزة اوضح التشبيه ووجه التشبيه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق ④ حدیث میں مذکور تشبیہ اور وجہ تشبیہ کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مر فی السوال آنفًا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کی مثال کمزور و نرم گھاس (یا تازہ اُگے ہوئے پودے) کی طرح ہے، ہوا اسے جھونکے دیتی رہتی ہے، کبھی اس کو گرا دیتی ہے اور کبھی سیدھا کر دیتی ہے حتی کہ وہ خشک ہو جاتا ہے (ایک روایت میں ہے حتی کہ اس کا وقتِ مقرر آ جاتا ہے)۔ اور کافر کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو اپنے تنے پر سیدھا کھڑا رہتا ہے کوئی آفت و ہوا اس کو نہیں گراتی، یہاں تک کہ وہ ایک ہی دفعہ جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔

③ خط کشیدہ کلمات کی تحقیق:۔ **اَلْخَامَةُ**: یہ مفرد ہے، اسکی جمع **خَامٌ، خَامَاتٌ** ہے بمعنی تر و تازہ گھاس۔

تُفَيِّئُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر **تَفْيِئَةٌ** (تفعیل۔ اجوف و مہموز) بمعنی ہوا کا ٹہنیاں ہلانا۔

تَصْرَعُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر **صَرْعًا** (فتح) بمعنی پچھاڑنا و زمین پر گرانا۔

تَهِيْجُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر **هَيْجًا، هِيَاجًا** (ضرب۔ اجوف) بمعنی خشک ہونا۔

اَلْأَرْزَةُ: اسم ہے بمعنی قد آور و قوی درخت، بعض نے کہا کہ صنوبر کا درخت۔ (انعامات)

اَلْمُجْذِبَةُ: صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از مصدر **اِجْذَابًا** (افعال) بمعنی کھینچنا۔

اِنْجِعَافٌ: باب انفعال کا مصدر ہے بمعنی جڑ سے اکھڑنا۔

④ تشبیہ اور وجہ تشبیہ کی وضاحت:۔ مؤمن کو نرم کھیتی و تازہ گھاس کے ساتھ تشبیہ دی کہ ہوا اسے کبھی دائیں بائیں جھکا دیتی ہے اور کبھی بالکل زمین پر سلا دیتی ہے اور کبھی بالکل سیدھا کھڑا کر دیتی ہے، یہی حال مسلمان کا ہے کہ وہ مصائب و آلام، امراض و اعراض، مشقت و ملامت میں گھرا رہتا ہے مگر آخرت کی راحت و نعمت کی امید پر صبر و شکر سے کام لیتا ہے اور کافر و منافق کی مثال اس طویل درخت کی طرح ہے جو مضرت و منفعت سے بے نیاز سیدھا صحت مند کھڑا رہتا ہے، جب گرتا ہے تو ایک ہی دفعہ میں ختم، اسی طرح کافر مصائب و آلام سے بے پرواہ زندگی گزارتا ہے، نہ گناہوں کی معافی تلافی اور نہ درجات کی بلندی وغیرہ۔ مہلبؒ نے اس تمثیل کی تشریح کی کہ مؤمن کے پاس جب حکم

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

باری تعالیٰ آتا ہے تو وہ جھک جاتا ہے اور اطاعت کرتا ہے، پھر اگر بھلائی پہنچے تو خوش ہوتا ہے اور مشقت ومصیبت پہنچے تو اجر کی امید پر سہتا و صبر کرتا ہے اور جب تکلیف چلی جائے تو شکر میں سیدھا ہو جاتا ہے۔ اور کافر پر ان میں سے کوئی حالت بھی نہیں آتی، بس دنیا میں سہولت اور آخرت میں صعوبت۔ وہ مضبوط کھڑا رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ ہلاکت کا ارادہ کریں تو یک لخت دھڑام سے گرتا ہے۔ (انعامات المنعم)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....عن عبدالله بن عمر عن رسول الله ﷺ أنه قال: يا معشر النساء تصدقن وأكثرن الاستغفار، فانى رأيتكن أكثر أهل النار،فقالت امرأة منهن جزلة: وما لنا يا رسول الله أكثر أهل النار؟ قال: تكثرن اللعن وتكفرن العشير وما رأيت من ناقصات عقل و دين أغلب لذى لب منكن، قالت: يا رسول الله ومانقصان العقل والدين؟ قال: أما نقصان العقل فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل فهذا نقصان العقل وتمكث الليالى ماتصلى وتفطر فى رمضان فهذا نقصان الدين۔

حقق كلمة "جزلة" لغة۔ وأعرب (ترکیب کریں) جملة "مارأيت من ناقصات عقل ودين اغلب لذى لب منكن"۔ ترجم الحديث واذكر أنواع الكفر مع تعريفها بايضاح۔ هذا بعمومه يدل على أن جميع النساء ناقصات، وقد يعارضه قوله :".....ولم يكمل من النساء الا....." فما هو وجه التوفيق بينهما؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں: (۱) جزلة کی لغوی تحقیق (۲) مارأيت من ناقصات عقل ودين الخ کی ترکیب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) کفر کی انواع مع تعریفات (۵) احادیث میں تطبیق۔

جواب.....① جزلة کی لغوی تحقیق:۔ "جزلة" ای ذات عقل ورأی، ابن درید کہتے ہیں کہ جزالہ عقل ووقار کو کہتے ہیں۔

② مارأيت من ناقصات عقل ودين الخ کی ترکیب:۔ مارأيت فعل وفاعل من زائدہ ناقصات مضاف عقل ودين معطوف علیہ ومعطوف ملکر مضاف الیہ، مضاف ومضاف الیہ ملکر مفعولِ اوّل اغلب اسم تفضیل مع فاعل لذى لب مضاف ومضاف الیہ ملکر جار ومجرور ہو کر متعلق اوّل منكن جار ومجرور ملکر متعلق ثانی، اسم تفضیل اپنے فاعل ودونوں متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر مفعولِ ثانی، فعل اپنے فاعل ودونوں مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

③ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت صدقہ کیا کرو اور استغفار کی کثرت کیا کرو اس لئے کہ میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ اہلِ جہنم کی اکثریت عورتوں کی تھی، پس ان میں سے ایک عقلمند عورت نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! عورتوں کے جہنم کی اکثریت ہونے کی وجہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لعن طعن کی کثرت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری ونافرمانی کرتی ہو اور نہیں دیکھا میں نے عقل ودین کے اعتبار سے ناقص کو جو تم عورتوں سے زیادہ کسی عقلمند پر غلبہ پانے والا ہو، اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری عقل ودین ناقص کیسے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقل کا نقصان! پس دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور یہی عقل کا نقصان ہے اور رُکی رہتی تم کئی راتوں تک کہ نماز نہیں پڑھتی ہو اور روزے نہیں رکھتی ہو اور یہی دین کا نقصان ہے۔

④ کفر کی انواع مع تعریفات:۔ علماء نے کفر کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ① کفرِ انکار: اس کو کہا جاتا ہے کہ دل میں بھی انکار ہو اور زبان پر بھی انکار ہو، نہ دل میں تصدیق موجود ہو اور نہ زبان سے تسلیم واقرار پایا جائے جیسے عام کافروں کا کفر ہوتا ہے ② کفرِ جحود: اس کو کہتے ہیں کہ دل سے وہ پہچانتا ہے، ایمان کی حقانیت سمجھتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے جیسے ابلیس کا کفر، دل سے تو وہ سب کچھ جانتا ہے اور پہچانتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے ③ کفرِ عناد: یہ ہے کہ دل سے بھی جانتا ہو اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہو لیکن التزام طاعت وشریعت نہیں کرتا، استسلام وانقیاد باطنی کو قبول نہیں کرتا، اپنی باگ ڈور رسول کے حوالے کرنے کے لئے تیار

0313 6257973 makabazakariyamultan@gmail.com

نہیں، جس طرف وہ چلائیں اس طرف چلنے کے لئے آمادہ نہیں، جس طرح وہ کہیں اس طرح کرنے کے لئے راضی نہیں جیسے ابوطالب اور ہرقل کا کفر ④ کفرِ نفاق: یہ ہے کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے، التزامِ طاعت کا بھی اظہار کرتا ہے لیکن دل میں انکار موجود ہے، دل سے قبول کرنے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہے جیسے عام منافقین کا کفر۔ (کشف الباری)

⑤ احادیث میں تطبیق:۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ یہاں پر تمام عورتوں کو ناقص العقل والدین کہا گیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے چند مخصوص عورتوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ کامل ہیں۔

ان احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ کامل عورتیں انتہائی قلیل ونادر ہیں اور ضابطہ ہے کہ **القلیل کالمعدوم** کہ قلیل ونادر چیز بمنزلِ معدوم ہوا کرتی ہیں۔ دوسری تطبیق یہ ہے کہ کسی چیز پر کسی حکم کے لگانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم اس چیز کے افراد میں سے ہر ہر فرد کو لازم ہے، بعض افراد اس سے خارج ومستثنیٰ بھی ہوسکتے ہیں، چند افراد کے خارج ہونے سے حکم کلی ختم نہیں ہوتا مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں علاقہ والے بڑے مہمان نواز ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس علاقہ والوں میں سے کوئی بھی بخیل نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کی اکثریت سخی ومہمان نواز ہے، چند افراد کے بخیل ہونے سے حکم باطل نہیں ہوتا۔

الشق الثانی.....**عن ابی سفیان قال سمعت جابرا یقول: سمعت النبی ﷺ یقول: ان بین الرجل وبین الشرك والكفر ترك الصلاة.** (ص۶۱۔ج۱۔قدیمی) **ماھوحکم تارك الصلاة عمدًا؟ اذكر اختلاف العلماء بأدلتهم ۔ اذكر بعض الأحاديث التی تدل علی أهمية الصلاة مع الجماعة.**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) تارکِ صلوٰۃ عمداً کا حکم مع الدلائل (۲) نماز باجماعت کی اہمیت پر دال احادیث۔

جواب..... ① تارکِ صلوٰۃ عمدًا کا حکم مع الدلائل:۔ اگر تارکِ صلوٰۃ نماز کو اس بناء پر ترک کرے کہ وہ اس کی فرضیت کا بھی قائل نہ ہو تو وہ بالاتفاق کافر مباح الدم ہے۔ لیکن اگر وہ سستی وکاہلی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا تو اسکے بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں۔

① امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر شوافع فرماتے ہیں کہ یہ شخص مرتد ہوگیا ہے اور ارتداد کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا۔

پہلی دلیل: یہ حدیث ہے **ان بین الرجل وبین الشرك والكفر ترك الصلوٰة۔**

دوسری دلیل: یہ حدیث ہے **ان العهد الذی بيننا وبينهم الصلوٰة فمن تركها فقد كفر۔**

② امام مالک وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ تارکِ صلوٰۃ مرتد تو نہیں ہوا البتہ ترکِ صلوٰۃ کے جرم کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائیگا۔

پہلی دلیل: یہ آیت کریمہ ہے **اقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوالهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة فخلّواسبيلهم** ۔اس آیت میں تخلیۂ سبیل کے لئے توبہ عن الشرک والکفر اور اقامتِ صلوٰۃ وایتاءِ زکوٰۃ کو لازم قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی نماز قائم نہیں کرے گا تو وہ قتل سے نہیں بچ سکے گا۔

دوسری دلیل: **امرت ان اقاتل الناس حتی يشهدوا ان لا اله الا الله الخ** ہے۔اس حدیث میں بھی قتال سے بچنے کیلئے شہادت، اقامتِ صلوٰۃ وایتاءِ زکوٰۃ کو لازم قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اگر کوئی اقامتِ صلوٰۃ نہیں کریگا وہ قتل سے نہیں بچ سکے گا۔

③ ابنِ شہاب زہری، امام ابوحنیفہ اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ **قال رسول الله ﷺ لايحل دم امرئ مسلم يشهد ان لااله الّا الله وانی رسول الله الّا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثيب الزانی والمفارق لدينه التارك للجماعة** یعنی تین صورتوں کے علاوہ کسی کی جان لینا جائز نہیں ہے۔

۱.....کوئی شخص دوسرے شخص کو قتل کردے تو اسے قصاصاً قتل کیا جائیگا۔ ۲.....کوئی محصن ہوکر زناء کرے تو اسے رجم کیا جائیگا۔

۳.....کوئی دینِ اسلام سے پھر جائے تو ارتداداً قتل کیا جائے گا۔ بے نمازی نے مذکورہ امور میں سے کوئی امر نہیں کیا لہٰذا اسے قتل نہیں کیا جائے گا البتہ قید کیا جائے گا تاوقتیکہ ترکِ صلوٰۃ سے توبہ نہ کرلے یا پھر قید میں ہی ختم ہوجائے۔

④ ابومحمد ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز نہ پڑھنا ایک امرِ منکر ہے اور منکر کا ازالہ **من رای منكم منكرًا**

021-63591791 maktabazzakariyamultan@gmail.com

فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه کی وجہ سے واجب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ مرتکبِ منکر کو تادیبی سزا دی جائے اور ہر ترکِ صلوٰۃ پر دس کوڑے لگائے جائیں۔

جواب: حنفیہ کی طرف سے مذکورہ دلائلِ قتل کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں قتل سے مراد قتال ہے اور اس پر پہلا قرینہ احادیثِ قتال ہیں کہ قتال کا حکم ہے اور قتال کے جواز سے قتل جائز نہیں ہوتا، کیونکہ قتال کا معنی لڑائی کرنا ہے اور قتل کا معنی جان سے مار ڈالنا ہے گویا لڑائی کی اجازت ہے قتل کی نہیں۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ تارکِ زکوٰۃ کے قتل کا کوئی بھی قائل نہیں ہے حالانکہ اس آیت کی روشنی میں اسے بھی قتل کرنا چاہیے پس معلوم ہوا کہ آیت اور حدیث میں قتال کا حکم ہے۔ (کشف الباری ج۲ص۱۴۳)

② نمازِ باجماعت کی اہمیت پر دال احادیث:۔ ①**عن ابن عمر قال رسول الله ﷺ: صلوٰة الجماعة تفضل على صلوٰة الرجل وحده بسبع وعشرين درجة** (ترمذی) ②**عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال: ان صلوٰة الرجل فى الجماعة تزيد على صلوته وحده بخمس وعشرين جزءً** (ترمذی) ③**عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال لقد هممت ان آمر فتيتى ان يجموا حزم الحطب ثم آمر بالصلوٰة فتقام ثم احرّق على اقوام لايشهدون الصلوٰة.** (ترمذی)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....**عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ اِمْرَأَةً أَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِنَّ أُمِّیْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، فَقَالَ :أَرَأَيْتَ لَوْكَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِيْنَهٗ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: فَدَيْنُ اللّٰهِ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ.** (ص۳۶۲۔ج۱۔قدیمی)

شكل الحديث بالضبط وترجمه الى الأردية ۔ هل يجوز الصيام عن الميت أم لا؟ اذكر اختلاف العلماء بدلائلهم

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) میت کی طرف سے روزہ رکھنے میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میری والدہ وفات پا گئی ہے اور اسکے ذمہ ایک مہینہ کے روزے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا خیال ہے تیرا کہ اگر اسکے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو تُو اس کو ادا کرتی؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دَین وقرض ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔

③ میت کی طرف سے روزہ رکھنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک نیابت کے متعلق اصول یہ ہے کہ جو عبادات محض مالی ہیں ان میں نیابت درست ہے، اور جو عبادات محض بدنی ہیں ان میں نیابت درست نہیں ہے اور جو عبادات مالی وبدنی کا مجموعہ ہیں مثلاً حج بیت اللہ ان میں عندالعجز نیابت درست ہے بلا عجز نیابت درست نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabahakariyamurtaza@gmail.com

عبادتِ بدنی محض میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام احمد واسحاق رحمہما اللہ کے نزدیک عباداتِ بدنیہ مثلاً صوم وصلوۃ میں بھی نیابت جاری ہوتی ہے اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک خالص بدنی عبادات میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے **قال لا يصلى احد عن احد و لا يصوم احد عن احد۔** نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں ہے کہ اس نے کسی میت کی طرف سے نماز پڑھی ہو یا روزہ رکھا ہو۔

امام احمد وامام اسحاق رحمہما اللہ کی دلیل وہ طویل حدیث ہے جس میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا **قالت يا رسول الله ﷺ كان عليها صوم شهرا فاصوم عنها ؟ قال صومى عنها ، قالت يا رسول الله ! انها لم تحج قط ، افاحج عنها؟ قال نعم حجى عنها،** اس سے استدلال کرتے ہوئے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عباداتِ بدنیہ میں بھی نیابت درست ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اوپر والی حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذریعہ یہ حدیث منسوخ ہے یا اس صحابیہ رضی اللہ عنہا کی

خصوصیت ہے، یا مطلب یہ ہے کہ روزے اپنی طرف سے رکھو اور اس کا ثواب اپنی والدہ کو پہنچادو۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۴۹۱)

الشق الثانی.....عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ: قُلْتُ لَهَا: إِنِّي لَأَظُنُّ رَجُلًا لَوْ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مَا ضَرَّهُ، قَالَتْ: لِمَ؟ قُلْتُ: لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ..... إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، فَقَالَتْ: مَا أَتَمَّ اللّٰهُ حَجَّ امْرِئٍ وَلَا عُمْرَتَهُ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَلَوْكَانَ كَمَا تَقُوْلُ لَكَانَ: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَهَلْ تَدْرِيْ فِيْمَا كَانَ ذَاكَ؟ إِنَّمَا كَانَ ذَاكَ أَنَّ الْأَنْصَارَ كَانُوْا يُهِلُّوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لِصَنَمَيْنِ عَلٰى شَطِّ الْبَحْرِ، يُقَالُ لَهُمَا: إِسَافٌ وَنَائِلَةُ، ثُمَّ يَجِيْئُوْنَ فَيَطُوْفُوْنَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يَحْلِقُوْنَ، فَلَمَّا جَآءَ الْإِسْلَامُ كَرِهُوْا أَنْ يَّطُوْفُوْا بَيْنَهُمَا لِلَّذِيْ كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَتْ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ إِلٰى آخِرِهَا۔ قَالَتْ: فَطَافُوْا۔

ترجم الحديث بعد الشكل۔ اذكر حكم السعي بين الصفا والمروة هل هو ركن أم لا؟ اذكر أدلتهم وترجيح ماهوالراجح لديك۔ اشرح الحديث بحيث يظهر اشكال عروة واجابة سيدتنا عائشة[۳]۔ (ص ۴۱۳۔ ج ۱۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) سعی کے رکن ہونے میں اختلاف مع الدلائل والترجیح (۴) حدیث کی تشریح۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ في السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ کوئی آدمی اگر صفاء مروہ کے درمیان طواف (سعی) نہ کرے تو کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ (قرآن مجید) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صفاء اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں تو جو آدمی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو کوئی حرج نہیں کہ صفاء و مروہ کے درمیان طواف (سعی) کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کسی آدمی کا حج اور نہ ہی عمرہ پورا ہوگا جب تک کہ وہ صفاء و مروہ کے درمیان طواف (سعی) نہ کرے اور اگر اس طرح سے ہے جیسا کہ تو کہتا ہے تو (اللہ اس طرح فرماتے) **فلا جناح عليه ان لايطوف بهما** (ترجمہ) کوئی حرج نہیں جو صفاء و مروہ کے درمیان طواف (سعی) نہ کرے اور کیا تجھے معلوم ہے کہ اس کا شانِ نزول کیا ہے؟ اسکا شانِ نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں سمندر کے ساحل پر انصار دو بتوں کے نام کا احرام باندھتے تھے ان بتوں کو اساف اور نائلہ کہا جاتا ہے پھر وہ آتے اور صفاء و مروہ کے درمیان طواف (سعی) کرتے پھر حلق کراتے (یعنی سر امنڈاتے) تو جب اسلام آیا تو انہوں نے ناپسند کیا کہ صفاء و مروہ کے درمیان طواف (سعی) کریں اس وجہ سے کہ جاہلیت کے زمانہ میں وہ اس طرح کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی **ان الصفا والمروة من شعائر الله** (ترجمہ) صفاء مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر انہوں نے سعی کی۔

③ سعی کے رکن ہونے میں اختلاف مع الدلائل والترجیح:۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے یا رکن ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک رکن نہیں ہے بلکہ واجب ہے اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رکن ہے۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے **ان الله تعالٰى كتب عليكم السعي فاسعوا** یعنی اللہ نے تم پر سعی کرنا لکھ دیا ہے سو تم سعی کرو اور لکھ دینا فرض اور رکن میں مستعمل ہے اس لئے سعی کرنا رکن ہوگا۔

ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول **فلا جناح عليه ان يطوف بهما** ہے۔ اس آیت سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ لفظ **لاجناح** کا استعمال اباحت کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول **لاجناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء** میں **لاجناح** اباحت پر دلالت کرتا ہے اور جو لفظ اباحت کیلئے مستعمل ہو وہ رکن اور ایجاب کی نفی کر دیتا ہے تو بظاہر آیت سے یہ ثابت ہوا کہ سعی بین الصفا والمروہ نہ رکن ہے اور نہ واجب ہے لیکن ایجاب کے حق میں ہم نے ظاہرِ آیت سے عدول کر لیا۔ یعنی ظاہر

0313 6357915 maktabazakariyamultan@gmail.com

آیت تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ سعی بین الصفا والمروۃ واجب بھی نہ ہو مگر ہم نے اس پر عمل کرنے کو ترک کر دیا ہے۔ اسلئے کہ حدیث **ان اللہ کتب علیکم السعی فاسعوا** خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد زیادہ سے زیادہ وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اس آیت کا اوّل **ان الصفا والمروۃ من شعآئر اللہ** ہے اور شعائر، شعیرۃ کی جمع ہے اور شعیرۃ علامت کو کہتے ہیں اور علامتِ دین فرض ہوتی ہے اسلئے آیت کا یہ حصہ سعی کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اسی آیت کا آخری حصہ **فلا جناح علیہ ان یطوف بھما** سعی کے مباح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس ہم نے دونوں پر عمل کیا اور وجوب کے قائل ہو گئے۔ اسلئے کہ واجب علماً اور اعتقاداً تو فرض نہیں ہوتا البتہ عملاً فرض ہوتا ہے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ ایجاب کی نفی پر عمل کرنے کو اجماع کی وجہ سے ترک کیا ہے کیونکہ سعی بین الصفا والمروۃ کے مباح ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔

سعی کے واجب ہونے اور رکن نہ ہونے پر ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ رکن ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور دلیل قطعی نہیں پائی گئی۔ اس لئے سعی کا رکن ہونا ثابت نہ ہو سکے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ حدیث **ان اللہ کتب علیکم السعی فاسعوا** کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعی کا مستحب ہونا لکھ دیا ہے جیسا کہ دوسری آیت **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت** میں ہے کہ موت کے وقت وصیت کرنا مستحب ہے نہ کہ فرض۔ پس جس طرح یہاں لفظ **کتب علیکم** استحباب کیلئے ہے اسی طرح مسئلہ سعی میں بھی لفظ **کتب** استحباب یعنی غیر فرض کیلئے ہوگا۔ (اشرف الہدایہ ۳:۳۵۹)

④ حدیث کی تشریح:۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اشکال و جواب کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے سعی کے عدمِ وجوب اور محض اباحت پر قرآن کریم کی آیتِ سعی **ان الصفا والمروۃ الخ** سے استدلال کیا کہ اس میں **لا جناح** کا لفظ مستعمل ہے جو کہ اباحت کی علامت ہے اگر سعی لازم ہوتی تو اسکے ترک پر وعید ذکر کی جاتی تو ترک پر عدمِ وعید اسکے مباح ہونے کی علامت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیت وجوب اور عدمِ وجوبِ سعی کے متعلق خاموش ہے، آیت نے صرف فاعلِ سعی سے رفعِ اثم کی صراحت کی ہے جبکہ مباح ہونے کیلئے تارکِ سعی سے رفعِ اثم کی صراحت ضروری ہے۔

باقی اس تعبیر سے مقصود سائلین کے جواب کی مطابقت ہے اس لئے کہ مسلمان سائلین کا اشکال اور وہم یہ تھا کہ یہ سعی مشرک و کافر لوگ صفا و مروہ پر رکھے ہوئے بتوں کی وجہ سے کرتے تھے یہ کافروں کا عمل ہے، یہ ہمارے لئے مباح و جائز نہیں ہے بلکہ باعثِ گناہ ہے، تو قرآن کریم نے اسی تعبیر کے ذریعہ واضح کر دیا کہ صفا و مروہ کی سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الغرض اس آیت میں فاعلِ سعی سے گناہ کی نفی مقصود ہے، تارکِ سعی سے گناہ کی نفی مقصود نہیں ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل..... عَنْ يَزِيْدَ بْنِ هُرْمُزَ: اَنَّ نَجْدَةَ كَتَبَ اِلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْاَلُهٗ عَنْ خَمْسِ خِلَالٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْلَا اَنْ اَكْتُمَ عِلْمًا مَاكَتَبْتُ اِلَيْهِ، كَتَبَ اِلَيْهِ نَجْدَةُ: اَمَّا بَعْدُ: فَاَخْبِرْنِيْ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْزُوْ بِالنِّسَاءِ؟ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ؟ وَهَلْ كَانَ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ؟ وَمَتٰى يَنْقَضِيْ يُتْمُ الْيَتِيْمِ؟ وَعَنِ الْخُمُسِ لِمَنْ هُوَ؟ فَكَتَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَتَبْتَ تَسْاَلُنِيْ: هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْزُوْ بِالنِّسَاءِ؟ وَقَدْ كَانَ يَغْزُوْ بِهِنَّ فَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَاَمَّا بِسَهْمٍ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ، فَلَا تَقْتُلِ الصِّبْيَانَ وَكَتَبْتَ تَسْاَلُنِيْ: مَتٰى يَنْقَضِيْ يُتْمُ الْيَتِيْمِ؟ فَلَعَمْرِيْ اِنَّ الرَّجُلَ لَتَنْبُتُ لِحْيَتُهٗ وَاِنَّهٗ لَضَعِيْفُ الْاَخْذِ لِنَفْسِهٖ ضَعِيْفُ الْعَطَاءِ مِنْهَا، فَاِذَا اَخَذَ لِنَفْسِهٖ مِنْ صَالِحٍ مَا يَاْخُذُ النَّاسُ : فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ الْيُتْمُ وَكَتَبْتَ تَسْاَلُنِيْ عَنِ الْخُمُسِ لِمَنْ هُوَ؟ وَاِنَّا كُنَّا نَقُوْلُ: هُوَ لَنَا، فَاَبٰى عَلَيْنَا قَوْمُنَا ذَاكَ۔ (ص ۱۱۶۔ ج ۲۔ قدیمی) شکل الحدیث وترجمه الی الأردیة ۔ اذکر مصارف الخمس واختلاف العلماء فیها ۔ ما معنی قوله: "فأبی علیناقومنا ذاك" اشرحه شرحا واضحا ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں(۱)حدیث پر اعراب(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)خمس کے مصارف میں اختلاف(۴) **فابی علینا قومنا ذاك** کی تشریح۔

جواب.....① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت یزید بن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچ باتوں کے بارے میں پوچھنے کیلئے (خط) لکھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اگر مجھے علم چھپانے (پر عذاب) کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہ لکھتا۔ اُنکی طرف نجدہ نے لکھا کہ آپ مجھے خبر دیں کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد میں شریک کرتے تھے اور کیا آپ اُن کیلئے (غنیمت میں) حصہ مقرر فرماتے تھے؟ اور کیا آپ بچوں کو قتل کرتے تھے؟ اور یتیم کی یتیمی کب ختم ہوتی ہے؟ اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ کس کا حق ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُسکی طرف (جواباً) تحریر فرمایا: تو نے مجھ سے پوچھنے کیلئے لکھا، کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد میں ساتھ لے جاتے تھے؟ تو تحقیق رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد میں ساتھ لیکر جاتے تھے اور وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور انہیں مالِ غنیمت میں سے کچھ عطا بھی کیا جاتا تھا۔ بہر حال مالِ غنیمت میں سے ان کیلئے حصہ مقرر نہ کیا جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ بچوں کو قتل نہ کرتے تھے پس تو بھی بچوں کو قتل نہ کرنا اور تو نے مجھ سے پوچھنے کیلئے لکھا ہے کہ یتیم کی یتیمی کب ختم ہوجاتی ہے؟ تو میری عمر کی قسم بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی داڑھی نکل آتی ہے لیکن وہ اپنے لینے اور دینے میں کمزور ہوتے ہیں۔ پس جب وہ باسلیقہ لوگوں کی طرح اپنا فائدہ حاصل کرنے کے قابل ہوجائیں تو ان کی مدتِ یتیمی ختم ہوجائے گی اور تو نے مجھ سے مالِ غنیمت میں پانچویں حصہ کے بارے میں پوچھنے کیلئے لکھا ہے کہ اُس کا حقدار کون ہے؟ ہم کہا کرتے تھے کہ وہ ہمارا حق ہے لیکن قوم نے ہمیں یہ حق دینے سے انکار کردیا۔

③ خمس کے مصارف میں اختلاف:۔ ① حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے تین حصے کئے جائینگے، ایک حصہ یتامیٰ کا ہوگا، ایک حصہ مساکین کا اور ایک ابن السبیل کا۔ البتہ ابن السبیل کے تحت فقرائے ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں اور اس معاملہ میں ان کو ترجیح دی جائے گی اور ذوی القربیٰ میں سے جو اغنیاء ہونگے ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ امامِ وقت اس تقسیم میں خود مختار ہوگا کہ کسی کو دے یا نہ دے۔

ذوی القربیٰ میں قرابت سے مراد قرابتِ رسول ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کے رشتہ دار وغیرہ۔ یہ خلفائے راشدین کا مذہب بھی ہے۔

② شوافع وحنابلہ رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے پانچ حصے ہونگے جو اِن لوگوں پر تقسیم ہونگے یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل، ذوی القربیٰ اور رسول اللہ ﷺ اب چونکہ نبی اکرم ﷺ وفات پاچکے تو ان کا حصہ مصالحِ مسلمین اور اسلحہ وغیرہ کی خریداری پر صَرف ہوگا۔

پھر ان حضرات کے ہاں ذوی القربیٰ میں فقراء کی کوئی تخصیص نہیں، اغنیائے ذوی القربیٰ بھی اس سہم کے مستحق ہونگے۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی مذہب عطا، مجاہد، شعبی، نخعی، قتادہ اور ابن جریج رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

③ مالکیہ کے نزدیک خمس، جزیہ، فئی، عشور اور خراج وغیرہ سب کا محل بیت المال ہے۔ امامِ وقت اپنی صوابدید کے مطابق اس کو مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرے گا لیکن اس میں نبی اکرم ﷺ کے خاندان یعنی بنو ہاشم کو ترجیح دی جائے گی اور ان کو بہت وافر مقدار میں اس سے عطا کیا جائیگا کہ وہ زکوٰۃ کا مال نہیں لے سکتے پھر عام مسلمانوں کے مختلف مصالح میں اس کو صَرف کیا جائے گا جیسے مساجد، پلوں کی تعمیر اور غزوات وغیرہ۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج۳ ص۱۸۹)

④ **فابی علینا قومنا ذاك** کی تشریح:۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قوم نے خمس کو ہماری طرف پھیرنے سے انکار کردیا اور انہوں نے خمس کو مصالح عامہ پر خرچ کرنا شروع کردیا اور اس قوم سے مراد امراءِ بنوامیہ ہیں اسلئے کہ ابوداؤد کی روایت میں یہ موجود ہے کہ نجدہ نے یہ سوالات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے موقع پر کئے تھے اور ان کا فتنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ۶۱ھ میں پیش آیا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اس قوم سے مراد یزید بن معاویہ ہو۔ (حاشیہ)

الشق الثانی.....**حدثنا بشر بن الحكم وابراهيم بن دينار وعبدالجبار بن العلاء ..... واللفظ لبشر.....**

قالوا: حدثنا سفيان بن عيينة عن حميد الأعراج عن سليمان بن عتيق عن جابر: أن النبي ﷺ أمر

0213 6359913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بوضع الجوائح ۔ قال أبو اسحاق .....وهو صاحب مسلم ..... حدثنا عبدالرحمن بن بشر عن سفيان بهذا۔
حقق كلمة :"الجوائح" لغةً ۔ اذكر صور بيع الثمر على رؤوس الأشجار وقد أصابته آفة، وعيّن موضع الخلاف بين العلماء، واذكر اختلافهم وأدلتهم بأيضاح ۔(ص۱۶۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) جوائح کی لغوی تحقیق (۲) درختوں پر پھلوں کی بیع کے بعد آفت پہنچنے کی صورتیں (۳) اختلافی صورت کی تعیین (۴) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① جوائح کی لغوی تحقیق:۔ **جوائح جائحة** کی جمع ہے بمعنی آفت، **وضع الجوائح** سے مراد یہ ہے کہ مشتری کے مبیع پر قبضہ کر لینے کے بعد اس پر کوئی آفت آجائے تو بائع ثمن کم کر دے اس صورت میں وضع الجوائح کا امر حنفیہ اور جمہور کے نزدیک استحبابی ہے وجوبی نہیں کیونکہ مشتری کے قبضہ کر لینے کے بعد وہ چیز مشتری کے ضمان میں چلی گئی ہے اور بائع کی ضمان سے نکل چکی ہے۔

② درختوں پر پھلوں کی بیع کے بعد آفت پہنچنے کی صورتیں:۔ متعاقدین نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی اور اتفاقاً کوئی آفت پہنچ گئی اور نقصان ہو گیا تو اس صورت میں ضمان کے متعلق مختلف صورتیں ہیں۔ ① یہ بیع قبل از بدوِ صلاح ہوئی اور درختوں پر پھل کے ترک کی شرط کے ساتھ ہوئی تو اس صورت میں بالاتفاق بائع ضامن ہوگا اس لئے کہ یہ بیع بالاجماع فاسد ہے اور بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا ② یہ بیع قبل از بدوِ صلاح ہوئی یا بعد از بدوِ صلاح ہوئی مگر قطع کی شرط کے ساتھ ہوئی اور ابھی بائع و مشتری میں تخلیہ نہیں ہوا تھا کہ آفت پہنچ گئی تو اس صورت میں بھی بالاتفاق بائع پر ضمان لازم ہے ③ اسی مذکورہ صورت میں بائع و مشتری میں تخلیہ ہو گیا اور مشتری نے پھل نہیں توڑا تھا کہ آفت پہنچی تو بالاتفاق مشتری پر ضمان لازم ہے ④ بدوِ صلاح سے پہلے یا بعد میں بیع ہوئی اور پھل کاٹنے کے لئے وقت مقرر ہوا اور پھل کاٹنے سے قبل آفت پہنچ گئی تو بالاتفاق مشتری پر ضمان لازم ہے۔

③ اختلافی صورت کی تعیین:۔ بدوِ صلاح کے بعد بیع ہوئی مگر ترک و قطع میں سے کوئی شرط نہیں لگائی اور بائع و مشتری میں تخلیہ ہو گیا پھر کوئی آفت پہنچ گئی تو نقصان ہو گیا تو اس صورت میں اختلاف ہے۔

④ ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لیث بن سعد و دیگر کا مذہب اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید یہ ہے کہ اس کی ضمان مشتری پر لازم ہے اور وضع جوائح کا حکم استحبابی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ قدیم اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس کی ضمان بائع پر لازم ہے اور یہ وضعِ جوائح کا حکم وجوبی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ نقصان ثلث سے کم ہو تو وضعِ جوائح واجب نہیں ہے اور اگر نقصان ثلث یا ثلث سے زائد ہو تو پھر وضعِ جوائح واجب ہے اور یہ ضمان بائع پر لازم ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی صحابی نے اسی طرح پھل خریدے تھے اور نقصان ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اس کیلئے چندہ کیا اور دَین کی ادائیگی کی اور فرمایا کہ جو تمہیں مل رہا ہے وہ لے لو اور فی الحال یہی ہے۔ اگر وضعِ جوائح لازم ہوتا اور ضمان بائع پر لازم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر یہ حکم جاری کرتے اور چندہ نہ کرتے۔

0313 635 7913 maktabazakariyamultan@gmail.com

دیگر دونوں فریق کی دلیل حدیث الباب ہے۔ حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ حکم ندب و استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں، نیز یہ قبل از تخلیہ پر محمول ہے۔ جبکہ اس صورت میں ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے، نیز قبل از بدوِ صلاح پر محمول ہے۔

﴿الورقة الثانية:صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل..... عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ اَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ ۔

شكّل الحديثين وترجمهما الى الاردية السلسة ۔ اذكر المراد بالفرائض هٰهنا مع ذكر اصحاب الفروض۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) فرائض کی مراد اور اصحابِ فروض کی نشاندہی۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مقرر کردہ حصوں کو اُن کے اہل کے ساتھ ملاؤ پھر جو فرائض سے بچ جائے وہ قریب ترین مَرد کے لئے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مال اہلِ فرائض کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کرو پھر جو فرائض سے بچ جائے وہ قریب ترین مَرد کے لئے ہے۔

③ فرائض کی مراد اور اصحاب فروض کی نشاندہی:۔ فرائض **فریضة** کی جمع ہے اس کے متعدد معانی ہیں: ① بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل اور قانون یعنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی وہ حد جس کا بندوں کو پابند کیا گیا ہے یا اُس سے منع کیا گیا ہے یعنی اوامر و نواہی۔ ② کسی انسان کے ذمے لازم کیا ہوا کام یا حصۂ مال۔ ③ ڈیوٹی اور فرض۔ ④ میراث۔ یہاں پر فرائض سے مراد وہ حصے ہیں جو ورثاء کیلئے قرآن کریم اور احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور کتاب اللہ میں ذکر کردہ فروضِ مقدرہ چھ ہیں، نصف، رُبع و ثمن اور ثلثان، ثلث وسدس۔ اصحاب الفروض بارہ افراد ہیں جن میں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں، چار مرد یہ ہیں: اب، جد صحیح، اخ حقیقی، زوج۔ آٹھ عورتیں یہ ہیں: زوجہ، بنت صلبیہ، بنت الابن، اخت عینیہ، اخت علاتیہ، اخت خقیفیہ، ام، جدہ صحیحہ۔

الشق الثانی.....**عن یحیٰی بن أبی کثیر أن أبا قلابة أخبره أن ثابت بن الضحاك أخبره أنه بایع رسول اللّٰه ﷺ تحت الشجرة وأن رسول اللّٰه ﷺ قال: "من حلف علی یمین بملة غیر الإسلام کاذبا فهو کما قال ومن قتل نفسه بشیئ عذب به یوم القیامة ولیس علی رجل نذر فی شیئ لایملکه".**

ترجم الحدیث الشریف إلی الأردیة ۔ اذکر حکم الحالف ملة غیر الإسلام، واذکر أیضا لماذا قید بقوله: "کاذبا"۔ واذکر حکم النذر فیما لایملکه الرجل عند الفقهاء ۔ (ص۴۷۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ملتِ غیر اسلام پر حلف اُٹھانے والے کا حکم (۳) **کاذبا** کی قید کا فائدہ (۴) غیر مملوک چیز کی نذر کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت (بیعتِ رضوان) کی تھی اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور ملت کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اس نے کہا اور جس شخص نے اپنے نفس کو کسی چیز کے ذریعہ قتل کیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اُسی کے ذریعہ عذاب دیں گے اور آدمی پر اس چیز کی نذر لازم نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے۔

② ملتِ غیر اسلام پر حلف اُٹھانے والے کا حکم:۔ دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی قسم کھائی تو اس قسم کی دو صورتیں ہیں ① اداۃِ قسم داخل کر کے قسم کھائی جائے جیسے **واللّٰه لافعلن کذا یا واللّٰه مافعلت کذا** ② تعلیق کی صورت میں قسم کھائی جائے جیسے **ان فعلت کذا فعبدی حرٌّ یا إن کنت قد فعلت کذا فعبدی حرٌّ**۔ یہاں قسم کی دونوں صورتیں مراد ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت کی مثال **احلف بالدین الیهودی انی لست سارقًا**۔ دوسری صورت کی مثال **ان سرقت فانا یهودی** ۔ پہلی قسم (اداۃِ قسم داخل کر کے قسم کھائی) کا حکم یہ ہے کہ اگر دل سے انکی تعظیم کرتا ہے مثلاً دینِ یہودی کی اس وجہ سے قسم کھائی کہ اس دین کو معظم سمجھتا ہے، اس صورت میں تو بلاشبہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس دین کو اچھا نہیں سمجھتا مگر غفلت یا جہالت کی بناء پر دینِ یہودی کی قسم کھائی ہے تو کافر تو نہیں ہوگا مگر کلمۂ کفر بولنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوگا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **فهو کما قال** پہلی صورت پر محمول ہے یعنی جبکہ دل سے وہ دینِ یہودی کو معظم سمجھتا ہو۔ دوسری قسم میں (یمین بطریق التعلیق) کی تو دیکھا جائیگا کہ جھوٹی قسم کھاتے وقت اُس کا ارادہ یہودی بن جانے کا تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کافر ہو جائیگا کیونکہ ارادۂ کفر بھی کفر ہے اور اگر ارادہ

نہیں کیا تو کافر نہ ہوگا۔ پس آنحضرت ﷺ کا ارشاد **فهو كماقال** ارادے کی صورت پر محمول ہے۔ (درسِ مسلم ص ۳۹۶)

③ **كاذبا** کی قید کا فائدہ:۔ یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے جبکہ یمین اداۃِ قسم کے ساتھ ہو کیونکہ یہودی مذہب کو عظیم کہنا کذب ہی ہے، خواہ عقیدہ تعظیم کا ہو یا نہ ہو۔ اور جب یمین بصورتِ تعلیق ہو تو **كاذبا** کی قید احترازی ہوگی کیونکہ جب جھوٹی قسم کھائے اور ارادہ یہودی ہونے کا ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر قسم جھوٹی نہیں تو کافر نہیں ہوتا۔ (ایضاً)

④ غیر مملوک چیز کی نذر کا حکم:۔ آدمی بوقتِ نذر جس چیز کا مالک نہیں ہے بالاتفاق اس کی نذر و منت ماننا صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر نذر کے بعد وہ چیز ملک میں آ گئی پھر بھی اس نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے البتہ اگر عتق کو ملک کے ساتھ معلق کر دیا تو پھر یہ نذر ہمارے نزدیک درست ہے، دیگر کے نزدیک یہ بھی درست نہیں ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....عن أبی هريرة أن رسول اللّٰه ﷺ قال: نحن أحق بالشك من إبراهيم ﷺ إذ قال: "رب أرنی كيف تحی الموتی قال أولم تؤمن بلی ولكن ليطمئن قلبی" قال: ويرحم اللّٰه لوطا لقد كان يأوی إلی ركن شديد، ولو لبثت فی السجن طول لبث يوسف لأجبت الداعی ۔ (ص ۸۵۔ج ۱۔قدیمی)

ترجم الحديث و اشرحه ۔ اذكر أقوال العلماء فی شرح قوله: نحن أحق بالشك من إبراهيم ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) **نحن احق بالشك من ابراهيم** کی تشریح میں علماء کے اقوال۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنسبت شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں جب انہوں نے کہا تھا **رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى الخ** (اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو کیسے مُردوں کو زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تجھے یقین نہیں ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یقین تو ہے مگر قلبی اطمینان چاہتا ہوں)، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت لوط علیہ السلام پر کہ وہ ایک مضبوط پایہ کی پناہ چاہتے تھے اور اگر میں اتنے عرصہ تک قید رہتا جتنے عرصہ تک حضرت یوسف علیہ السلام قید رہے تو میں بلانے والے کے بلانے پر فوراً چلا جاتا۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت یوسف علیہم السلام کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔

نحن احق بالشك من ابراهيم کہ اگر حضرت ابراہیم کو احیاءِ موتٰی کے متعلق شک ہوتا تو ہم شک کرنے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں جب ہمیں شک نہیں ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے شک ہو سکتا ہے۔

اس جملہ کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ احیاءِ موتٰی میں بالکل شک نہیں ہوا مگر اس میں آپ ﷺ کی افضلیت کی طرف لطیف اشارہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا جس سے شک یا تردد کا وہم ہوتا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال سے صورۃً یہ شک کا وہم پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ** کے ذریعہ سوال کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دینا پڑا کہ میں نے اطمینانِ قلب کے لئے کیفیتِ احیاء کے متعلق سوال کیا ہے۔

يرحم اللّٰه لوطا لقد كان يأوی الٰی ركن شديد، اس جملہ کے دو مطلب ہیں:

① رسول اللہ ﷺ نے حضرت لوط علیہ السلام کے صبر اور شدائد کے برداشت کرنے پر اُن پر رحم کا اظہار فرمایا اور تعریف فرمائی کہ دیگر انبیاء تو اپنی قوم میں مبعوث ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشکلات کے وقت قوم کے بعض افراد نے ساتھ بھی دیا لیکن لوط علیہ السلام غیر قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے جس کی وجہ سے اُن پر اس تنہائی کا اتنا سخت ابتلاء گزرا کہ بے اختیار کہہ اُٹھے **لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِيْدٍ** مگر **ركن شديد** سے مراد اپنی قوم ہے۔ لہٰذا حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قوم کی مدد کی تمنا کرنا

0313 6357913 maktabazafaryamultan@gmail.com

حضرت لوط علیہ السلام کے رتبہ سے کم درجے کی بات تھی، اگرچہ غیر اختیاری تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے ان کیلئے رحمت کی دعا فرمائی اور بعض روایاتِ صحیحہ میں **یغفر اللّٰہ للوط** کے الفاظ ہیں ② اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ لوط علیہ السلام قلبی طور پر اللہ رب العزت ہی کی طرف متوجہ تھے اور اللہ رب العزت ہی سے پناہ طلب کررہے تھے اور یہ معنی **لقد کان یاوی** کے جملہ سے ظاہر ہے۔ البتہ اپنے مہمانوں کے سامنے اپنا عذر ظاہر کرنے کے لئے ایسا فرمایا کہ میں تمہارا کماحقہٗ تحفظ نہیں کرسکتا اس لئے کہ میرا قبیلہ اور کنبہ یہاں آباد نہیں۔

لولبثت فی السجن طول لبث یوسف لاجبت الداعی، اس جملہ کی بھی دو توجیہات ہوسکتی ہیں:

① آپ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر واستقامت کی تعریف کی کہ انہوں نے اتنا طویل عرصہ (سات سال سات ماہ سات دن اور سات گھنٹے، علامہ عینی) جیل میں رہنے کے باوجود رہائی کے پیغام کو فوراً قبول نہیں کیا بلکہ پہلے اپنی صفائی کا مسئلہ حل کروایا پھر باہر تشریف لائے، اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو میں فوراً باہر آجاتا ② اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ میں ہوتا تو مکمل طور پر رضاء وتسلیم الی اللہ سے کام لیتا کہ جب غیر اختیاری طور پر من جانب اللہ رہائی کا انتظام ہوا تھا تو اپنی براءت کے اظہار کی بجائے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر فوراً قبول کرلیتا اور یہ بات تسلیم وتفویض وعبدیت کے زیادہ قریب ہے۔

یہاں پر پہلے اور تیسرے جملے کی پہلی توجیہ ومطلب پر سوال ہوتا ہے کہ ان میں آپ ﷺ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ پہلا جواب: یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تواضعاً یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے جس سے فضیلتِ کلی میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ ارشاد آپ ﷺ نے اس زمانہ میں ارشاد فرمایا تھا جب آپ ﷺ کو ''افضل الانبیاء علیہم السلام'' ہونے کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ (درسِ مسلم ص ۴۲۱)

③ **نحن احق بالشك من ابراهيم** کی تشریح میں علماء کے اقوال:۔ **کمامرّ تفصیلہ آنفا۔**

الشق الثانی.....**عن أنس بن مالك أن يهوديا قتل جارية على أوضاح لها فقتلها بحجر قال: فجيئ بها إلى النبي ﷺ وبها رمق فقال لها أقتلك فلان؟ فأشارت برأسها أن لا، ثم قال لها الثانية فأشارت برأسها أن لا، ثم سألها الثالثة فقالت نعم. وأشارت برأسها فقتله رسول الله ﷺ بين حجرين.**

ترجم الحديث الشريف إلى الأردية. اذكر اختلاف الأئمة من أدلتهم فی القتل بالمثقل عمدا هل يوجب القصاص أم لا. وفی استيفاء القصاص بشيئ غير السيف هل يجوز أم. (ص ۵۸۔ج ۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قتل بالمثقل عمداً میں قصاص لازم ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) تلوار کے بغیر قصاص لینے کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو قتل کردیا اس حال میں کہ اس پر زیور تھے پس اس نے پتھر کے ذریعہ اس کو قتل کردیا، راوی کہتے ہیں کہ اس عورت کو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا اس حال میں کہ اس میں کچھ زندگی کی رمق باقی تھی، پس آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ کیا تجھے فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ اُسے کہا تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے اس سے تیسری مرتبہ پوچھا تو اس نے کہا کہ جی ہاں اور اپنے سر سے اشارہ کیا، پس آپ ﷺ نے اس کو (قاتل کو) دو پتھروں کے درمیان رکھ کر قتل کردیا (کچل دیا)۔

② قتل بالمثقل عمداً میں قصاص لازم ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ جمہور فقہاء کے نزدیک قتل موجبِ قصاص کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسے ذریعہ سے دوسرے کو ہلاک کرنا جو ذریعہ عام طور سے موت واقع کرنے کیلئے کافی سمجھا جاتا ہو، چاہے وہ تلوار، چاقو، خنجر، کوئی بڑا پتھر یا بڑا ڈنڈا اور عصا ہو، جس کو دیکھ کر ہر آدمی یہ کہے گا کہ عام طور سے اس کے مارنے سے آدمی کی موت واقع ہوجائے گی، اس قتل کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ یہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قتل قتلِ عمد میں شمار ہوگا جس میں قتل کرنے کا آلہ دھاردار ہو، کوئی ہتھیار ہو مثلاً تلوار، چاقو، خنجر

0313 5357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

وغیرہ۔لیکن اگر کسی وزنی چیز سے کسی کو قتل کر دیا گیا مثلاً بڑا پتھر یا بڑا عصا، تو یہ قتلِ عمد نہیں ہوگا بلکہ قتل شبہ عمد ہوگا۔لہٰذا اس میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت واجب ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لاقود الا بالسیف**۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں **لاقود الا بالحدیدۃ** یعنی قصاص نہیں ہوتا مگر تلوار سے، یا فرمایا کہ قصاص نہیں ہوتا مگر دھاردار آلے سے، اس سے استدلال کرتے ہوئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلوار اور دھاردار آلے کے ذریعہ قتل موجبِ قصاص ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **الا ان قتیل قتل العمد قتیل الحجر والعصا او کما قال** صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قتلِ عمد کا مقتول وہ ہے جو پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو۔

جمہور فقہاء حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی نے بچی کو پتھر سے اس کا سر کچل کر قتل کیا اور یہ پتھر دھاردار آلہ نہیں تھا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قتل کو عمد قرار دے کر موجب قصاص قرار دیا اور اس یہودی سے قصاص لیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے پتھر سے کسی کو قتل کیا تو وہ بھی قتلِ عمد اور موجبِ قصاص ہوتا ہے۔

دوسری دلیل قرآنی آیت پیش کرتے ہیں **ان النفس بالنفس** یعنی جان کے بدلے جان اور اس آیت میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ آلہ دھاردار ہوگا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے تو یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دو وجہ سے حجت نہیں بن سکتی۔ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں اس یہودی نے خود اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے اور اعتراف کرنے کے بعد تعمد ثابت ہو گیا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک اس صورت میں ہے کہ جب قاتل تعمد کا اعتراف نہ کرے، لیکن اگر قاتل اعتراف کر لے تو اس کو قتلِ عمد ہی سمجھا جائے گا لہٰذا یہ معاملہ متنازعہ امر سے خارج ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا ہوا قتلِ عمد نہیں ہے اور شرعاً موجبِ قصاص نہیں ہے لیکن اگر امام اور حاکم یہ محسوس کرے کہ اس کا جرم بڑا سنگین ہے اور اس سے دوسرے مجرموں کی ہمت افزائی ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں فتنے کو ختم کرنے کے لئے تعزیراً قتل کا حکم دے دے تو ان کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، اس صورت میں وہ قتل قصاصاً نہیں سمجھا جائے گا بلکہ تعزیراً اور سیاستاً سمجھا جائے گا۔لہٰذا حدیثِ باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو جو قتل کرایا وہ تعزیراً تھا، قصاصاً نہیں تھا۔

متأخرین حنفیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے اور زہر پلانے والے آدمی سے بھی قصاص لیا جائے۔لہٰذا جس طرح زہر کے مسئلہ میں متأخرین حنفیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اسی طرح اگر ہمارے دور میں مطلقاً انہی کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص جب بھی کوئی ایسا آلہ استعمال کرے گا جس سے ہلاکت غالب ہو تو اس کو قتلِ عمد ہی سمجھا جائے گا تو ایسا کرنا مناسب ہوگا تاکہ صحیح معنوں میں مجرموں کی سرکوبی ہو سکے۔(تقریرِ ترمذی ج۲ص۳۸)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ تلوار کے بغیر قصاص لینے کی وضاحت:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قاتل کو بھی اسی طریقے سے قتل کیا جائے گا جس طریقہ سے اس نے مقتول کو قتل کیا تھا مثلاً اگر کسی قاتل نے خنجر سے قتل کیا تھا تو قاتل کو بھی خنجر ہی سے قتل کیا جائے گا اور اگر قاتل نے گولی ماری تھی تو قاتل کو بھی گولی ماری جائے گی اور اگر قاتل نے پتھر سے ہلاک کیا تھا تو قاتل کو بھی پتھر سے ہلاک کیا جائے گا۔گویا کہ ان کے نزدیک **قصاص بمثل ذلك الفعل** ہوگا۔الّا یہ کہ وہ فی نفسہٖ حرام ہو، تو اس صورت میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا بلکہ تلوار سے لیا جائیگا مثلاً کوئی شخص دوسرے کو لواطت کے ذریعے یا زنا کر کے قتل کر دے تو چونکہ یہ دونوں فعل بذاتِ خود حرام ہیں اسلئے ان میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائیگا اور حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر کچل کر قصاص لیا، اس لئے کہ اس نے سر کچل کر قتل کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصاص لیتے وقت قتل کے طریقے میں تماثل کا لحاظ نہیں کیا جائیگا۔ قاتل نے مقتول کو کسی بھی طریقہ سے قتل کیا ہو قاتل کو قصاصاً ہمیشہ تلوار ہی سے قتل کیا جائیگا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ **لاقود الا بالسیف** والی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں۔

حدیثِ باب کا جواب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دیتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی کا سر کچل کر قتل کیا گیا، یہ اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ قصاص بالمثل واجب تھا بلکہ تعزیراً اور سیاستاً آپ ﷺ نے اسی طرح قتل کرنے کو مناسب سمجھا۔ چنانچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اصلاً قصاص تلوار سے ہی لیا جائے گا لیکن اگر حاکم کسی خاص واقعہ میں یہ محسوس کرے کہ جس سنگدلانہ طریقہ سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا تھا وہ بھی اس بات کا مستحق ہے کہ اُس کو بھی اُسی طرح قتل کیا جائے تو حاکم اس طریقہ سے قتل کرنے کا حکم دے سکتا ہے، چونکہ زیرِ بحث واقعہ میں اس بچی کے ساتھ بڑی سخت زیادتی ہوئی تھی اسلئے حضور ﷺ نے لوگوں کو عبرت دلانے کیلئے تعزیراً اُس کا سر کچلنے کا حکم دیا۔ ورنہ اصل حکم یہ نہیں تھا، اصل حکم وہی تھا جو آپ نے **لاقود الا بالسیف** والی حدیث میں بیان کیا۔ (تقریرِ ترمذی ۲:۴۱)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....**عن عدی بن حاتم قال قلت یا رسول اللّٰہ إنی أرسل الکلاب المعلمة فیمسکن علی وأذکر اسم اللّٰہ علیه فقال: إذا أرسلت کلبك المعلم وذکرت اسم اللّٰہ علیه: فکل قلت وإن قتلن؟ قال وإن قتلن ما لم یشرکها کلب لیس معها قلت له فإنی أرمی بالمعراض الصید فأصیب؟ فقال إذا رمیت بالمعراض فخزق فکله وإن أصابه بعرضه فلا تأکله۔** (ص۱۴۵۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحدیث۔ ماحکم ترك التسمیة عند إرسال الصید؟ وما حکم الصید ببندقة الرصاص؟ اذکر اختلاف العلماء وأدلتهم۔ ترجم لعدی بن حاتم ترجمة وجیزة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شکار کو چھوڑتے وقت تسمیہ چھوڑنے کا حکم (۳) بندوق وغیرہ کے ذریعہ شکار میں اختلاف مع الدلائل (۴) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا تعارف۔

جواب.....① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں سکھلائے ہوئے کتوں کو بھیجتا ہوں اور وہ میرے لئے شکار کو روکے رکھتے ہیں اور میں اس پر اللہ کا نام بھی پڑھ لیتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو اپنے سکھلائے ہوئے کتے کو بھیجے اور اس پر اللہ کا نام لے تو اس کو کھالے، میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ اس کو مار ڈالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ اس کو مار بھی ڈالے بشرطیکہ اس کے ساتھ دوسرا کتا شریک نہ ہوا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں بغیر پر کا تیر شکار کو مارتا ہوں اور وہ مرجاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو بغیر پر کا تیر مارے اور وہ اس میں سے پار ہوجائے تو تو اسکو کھالے اور اگر وہ اس کو عرض و چوڑائی میں لگنے سے مرجائے تو پھر تو اس کو مت کھا۔

② شکار کو چھوڑتے وقت تسمیہ چھوڑنے کا حکم:۔ جانور کو ذبح کرتے وقت اور شکار کو چھوڑتے وقت تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) چھوڑنے میں اختلاف ہے: احناف و مالکیہ کے نزدیک عمداً بسم اللہ چھوڑنے سے ذبیحہ اور شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر نسیاناً تسمیہ ترک ہوگیا تو ذبیحہ اور شکار حلال ہوگا۔ امام احمد کا یہی مذہب ہے البتہ انکے نزدیک شکار میں عمد و نسیان دونوں حالتوں میں تسمیہ شرط ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذبیحہ اور شکار دونوں پر تسمیہ مسنون ہے۔ واجب نہیں ہے لہٰذا ترکِ تسمیہ کی وجہ سے شکار اور ذبیحہ حرام نہ ہوگا۔ البتہ اگر تسمیہ کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا یا ترکِ تسمیہ کا معمول بنالیا تو پھر ان کے نزدیک بھی ذبیحہ حرام ہے۔

جمہور کی دلیل: ① آیتِ کریمہ **ولا تاکلوا ممّا لم یذکر اسم اللّٰہ علیه** ہے۔ ② آیت کریمہ **واذکروا اسم اللّٰہ علیه** ہے۔ ③ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **وما صدت بقوسك فذکرت اسم اللّٰہ فکل وما صدت بکلبك المعلم فذکرت اسم اللّٰہ فکل**۔ اور ترکِ تسمیہ نسیاناً میں ان احادیث کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہ ہوگا **ذبیحة المسلم حلال سمی اولم یسم مالم یتعمد والصیدکذلك نیز المسلم یکفیه اسمه فان نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم**

0313 6357913 maktabazakariyaultan@gmail.com

ولیذکر اسم اللّٰہ علیہ ثم لیأکل۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل: آیت کریمہ **حرمت علیکم المیتۃ الخ الّا ماذکیتم** ہے اس میں تذکیہ کا ذکر ہے اور تسمیہ کی شرط نہیں ہے اور تذکیہ لغت میں فتح وشق کو کہتے ہیں معلوم ہوا کہ تسمیہ شرط نہیں ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ تذکیہ سے شرعی تذکیہ مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے لغوی تذکیہ مراد نہیں کیونکہ درندہ کا مارا ہوا شکار ذبح کرنے سے بالاتفاق حلال نہیں ہے حالانکہ تذکیہ لغوی پایا گیا ہے معلوم ہوا کہ **الا ماذکیتم** میں تذکیہ شرعی مراد ہے جسمیں تسمیہ شرط ہے۔

دوسری دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **ان قوما قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قوما یاتوننا بلحم لاندری أذکر اسم اللّٰہ علیہ ام لا؟ فقال سمّوا علیہ انتم وکلوہ، قالت وکانوا حدیثی عھد بالکفر،** یعنی ہمارے پاس کچھ نومسلم گوشت لاتے ہیں، معلوم نہیں کہ ان پر بوقتِ ذبح بسم اللہ پڑھی گئی ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ، معلوم ہوا کہ بوقتِ ذبح وشکار تسمیہ شرط نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل ہونے میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو مقصد یہ کہ جب مسلمان گوشت لایا ہے تو اس کے بارے میں خواہ مخواہ بدگمانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے، جب تک صراحتاً ترکِ تسمیہ عمداً کا علم نہ ہو جائے بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداءِ اسلام کا واقعہ ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے آخر میں **وذلك فی اول الاسلام** کا اضافہ نقل کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۲۱۹)

③ بندوق وغیرہ کے ذریعہ شکار میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کوئی شخص بسم اللہ پڑھ کر بندوق یا رائفل وغیرہ کی گولی چلائے اور وہ شکار ہلاک ہو جائے تو وہ حلال ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ فقہاء متقدمین کی کتابوں میں موجود نہیں ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں بندوق وغیرہ کا رواج نہیں تھا اور علماءِ عصر کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ علماء عصر کی ایک جماعت اس جانور کو حلال قرار دیتی ہے جبکہ دوسری جماعت اس کو حلال قرار نہیں دیتی۔ جو حضرات علماء اس جانور کو حلال قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت جس وقت گولی جا کر لگتی ہے تو وہ گولی آر پار ہو جاتی ہے اور پھر اس گولی کے پار ہونے کی وجہ سے اتنا خون نکلتا ہے کہ بسا اوقات چھری سے ذبح کے وقت بھی اتنا خون نہیں نکلتا، لہٰذا ذبح کا جو اصل مقصد ہے کہ خون جانور کے اندر نہ رہ جائے بلکہ باہر نکل جائے، یہ مقصد اس سے حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا گولی سے کیا گیا شکار حلال ہے۔

جو حضرات علماء اس جانور کو حرام قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بندوق کی گولی بذاتِ خود محدّد نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ دھار دار نہیں ہوتی اور جب وہ شکار کو جا کر لگتی ہے تو اس کے نتیجے میں شکار کو چوٹ لگتی ہے، البتہ چونکہ وہ گولی دور سے اور تیز رفتاری سے آتی ہے اسلئے وہ جسم کو پھاڑ کا اندر گھس جاتی ہے ورنہ اس گولی کے اندر بذاتِ خود جارح اور محدّد ہونے اور جسم پھاڑنے کی صلاحیت نہیں ہے، اسلئے وہ گولی محدّد کے حکم میں داخل نہیں بلکہ مثقل کے حکم میں داخل ہے، اسلئے گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے علماءِ دیوبند کے بیشتر حضرات کا یہی فتویٰ ہے کہ گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو باقاعدہ ذبح نہ کر لیا جائے۔ علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اصول لکھا ہے کہ جہاں اس بات کا شبہ پیدا ہو جائے کہ آیا اس جانور کی موت چوٹ سے واقع ہوئی ہے یا زخم لگنے سے واقع ہوئی ہے، اس صورت میں شبہ پر عمل کیا جائے گا اور شبہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس جانور کو حرام کہا جائے حلال نہ کہا جائے۔ اگر اس اصول کو مدِ نظر رکھا جائے تو جانبِ حرمت راجح معلوم ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا اختلاف اس وقت ہے کہ جب گولی نوکدار نہ ہو لیکن اگر گولی ایسی بنائی گئی ہے جو نوکدار ہے تو اس صورت میں وہ جانور بالاتفاق حلال ہو جائے گا۔ (تقریر ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲)

④ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ آپ کا پورا نام عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طی کے سردار تھے۔ شعبان ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، اُس کے بعد کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ جنگِ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں آنکھ ضائع ہوگئی تھی اُس کے بعد جنگِ صفین اور نہروان میں بھی شریک ہوئے۔ ۶۷ھ میں ۱۲۰ سال کی عمر میں کوفہ میں انتقال ہوا۔ اور بعضوں نے کہا کہ فرسیسا میں انتقال ہوا۔ (خیر التوضیح ۵:۳۵)

جنگِ یرموک میں ساٹھ ہزار رومی لشکر کے مقابلہ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے منتخب کردہ ساٹھ افراد جنہوں نے رومی لشکر کو شکست دی تھی ان میں آپ بھی شامل تھے۔ (گوگل)

الشق الثانی.....**اخبرنا زکریا بن عدی قال: قال لی أبو اسحق الفزاری: اکتب عن بقیة ما روی عن المعروفین ولاتکتب عنه ما روی عن غیر المعروفین، ولاتکتب عن اسماعیل بن عیاش ما روی عن المعروفین ولاعن غیرهم** .(ص۱۸۔ج۱۔قدیمی) **اشرح ما قاله الفزاری فی حق الراویین . انکر موجز أحوال کل من بقیة و اسماعیل بن عیاش، ووضح درجتهما بین الرواة عند أئمة الجرح والتعدیل .**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ابواسحاق فزاری کے قول کی تشریح (۲) بقیہ اور اسماعیل بن عیاش کے حالات (۳) ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ان کا مرتبہ۔

جواب..... ① ابواسحاق فزاری کے قول کی تشریح:۔ ابواسحاق فزاری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ بقیہ بن ولید جو معروف اساتذہ سے روایات نقل کرتے ہیں تم ان کو لکھو یعنی وہ روایات مقبول ہیں اور جو غیر معروف اساتذہ سے وہ روایات نقل کرتے ہیں تم ان کو نہ لکھو یعنی وہ روایات مقبول نہیں ہیں البتہ اسماعیل بن عیاش کی روایات خواہ معروف اساتذہ سے ہوں یا غیر معروف اساتذہ سے ہوں کوئی بھی نہ لکھو یعنی ان کی سب روایات غیر مقبول ہیں۔

② بقیہ اور اسماعیل بن عیاش کے حالات:۔ بقیہ: کا پورا نام ابو یُحمد بقیہ بن ولید بن صائد کلاعی حمصی ہے، ان کی ولادت ۱۱۰ھ میں اور وفات ۱۹۷ھ میں ہے اور یہ اچھے رواۃ میں سے ہیں، بخاری شریف میں ان کی روایات تعلیقاً ذکر کی گئی ہیں اور صحاح کی بقیہ کتب میں بھی ان کی روایات ہیں۔ (فیض المنعم ص۹۴)

اسماعیل بن عیاش: کا پورا نام ابوعتبہ اسماعیل بن عیاش بن سُلیم عنسی حمصی ہے، ان کی ولادت ۱۰۶ھ میں اور وفات ۱۸۲ھ میں ہے اور یہ بڑے آدمی تھے، سنن اربعہ میں ان کی روایات ذکر کی گئی ہیں، آٹھویں طبقہ کے راوی ہیں۔ (فیض المنعم ص۱۱۹)

③ ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ان کا مرتبہ:۔ بقیہ بن ولید کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ابواسحاق فزاری رحمہ اللہ والا قول اختیار کیا ہے کہ معروف اساتذہ سے ان کی روایات قبول کی جائیں اور غیر معروف اساتذہ سے ان کی روایات قبول نہ کی جائیں ابومسہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **احادیث بقیة لیست بِنَقِیَّةٍ ، فَکُنْ منها علی نَقِیَّةٍ** (بقیہ کی احادیث صاف ستھری نہیں ہیں اسلئے ان سے بچو)۔ عقیلی کہتے ہیں کہ **یروی عن قوم متروکین ومجهولین** (بقیہ متروک ومجہول راویوں سے بھی روایات نقل کرتے ہیں)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں **صدوق کثیر التدلیس عن الضعفاء** (بقیہ سچے راوی ہیں مگر ضعیف راویوں کے معاملہ میں بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں)۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **بقیة صدوق اللسان ولکنه یأخذ عمّن اقبل وادبر** (بقیہ زبان کے سچے ہیں مگر ہر آنے جانے والے سے روایت لیتے ہیں) یعنی ثقہ وغیر ثقہ سب راویوں سے روایت کرتے ہیں اسلئے انکی روایات کی تحقیق وچھان بین ہونی چاہیے۔ نیز ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بقیہ اچھے آدمی تھے اگر وہ ناموں کو کنیت سے اور کنیت کو ناموں سے تبدیل نہ کرتے، وہ ایک عرصہ تک ہمیں ابوسعید دحاظی کی احادیث سناتے رہے مگر بعد میں جب ہم نے غور کیا تو وہ عبدالقدوس شامی نکلا، اس کے علاوہ متعدد ائمہ نے بقیہ پر تدلیس الشیوخ وتدلیس الاسناد کا اعتراض بھی کیا ہے۔

اسماعیل بن عیاش کے متعلق ابواسحٰق فزاری کا قول گزر چکا ہے کہ اس کی معروف وغیر معروف اساتذہ میں سے کسی سے بھی روایات قبول نہ کی جائیں۔ ابواسحاق فزاری کی اس رائے کو دیگر محدثین نے قبول نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ شامی اساتذہ سے اس کی روایات ٹھیک ہیں البتہ دیگر اساتذہ سے روایت میں یہ خلط ملط کرتے ہیں، اسی طرح صاحبِ فیض

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

المنعم دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش کی اپنے ہم وطن شامی اساتذہ سے مروی روایات کو سب ائمہ نے صحیح تسلیم کیا ہے البتہ ان کی حجازی وعراقی اساتذہ سے مروی روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے۔(فیض المنعم ص۹۴و۱۱۹)

﴿الورقة الثانية:صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....قال ابوهريرة: ان رسول اللّٰه ﷺ قال: لايزنى الزانى حين يزنى وهو مؤمن ولايسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن ولايشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن وكان ابوهريرة يلحق معهنّ ولا ينتهب نهبة ذات شرف يرفع الناس اليه فيها ابصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن وفى رواية ولايغل احدكم حين يغل وهو مؤمن فاياكم واياكم.(ص۵۵۔ج۱۔قدیمی) اذكر معنى الحديث. هٰذا الحديث يؤيد بظاهره من ذهب الى ان ارتكاب الكبيرة مخرج عن الملة، اكتب لما ذا لم يقل بذلك اهل السنة والجماعة؟ وما هى التأويلات التى ذكرها اهل السنة والجماعة فى جواب الحديث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے حدیث الباب کی تاویلات۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں زنا کرتا کوئی زانی اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو۔اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان چیزوں کے ساتھ یہ بھی شامل کرتے تھے کہ نہیں لوٹتا کوئی لوٹنے والا کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اُٹھا کر دیکھ رہے ہوں اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو اور ایک روایت میں ہے کہ اور نہیں مالِ غنیمت میں خیانت کرتا تم میں سے کوئی اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو، پس اس سے بچو اور اس سے بچو۔

② اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے حدیث الباب کی تاویلات:۔ متعدد نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کا ایمان باقی رہتا ہے وہ کافر نہیں ہوتا مثلاً **ان اللّٰه لايغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء** ۔ **عن ابى ذ ر ..... من قال لا اله الا اللّٰه دخل الجنة وان زنى و ان سرق۔ عن عبادة بن الصامت ..... انهم بايعوه ﷺ على ان لايسرقوا و لايزنوا ولايعصوا الخ ثم قال فمن وفى منكم فاجره على اللّٰه ومن فعل شيئا من ذلك فعوقب فى الدنيا فهو كفارته و من فعل ولم يعاقب فهو الى اللّٰه ان شاء عفا عنه وان شاء عذبه۔**

اسی طرح وہ تمام نصوص جن میں مرتکبِ کبیرہ پر مؤمن کا لفظ مستعمل ہے مثلاً **وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما۔** ان مذکورہ نصوص کی وجہ سے اہلِ حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ مؤمن آدمی چوری زنا وقتل کے باوجود بھی کافر نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرے۔ بظاہر یہ حدیث اہلِ حق کے اس اجماع کے خلاف تھی اور معتزلہ وخوارج کی دلیل بن رہی تھی اس لئے اس میں تاویلات کی ضرورت پیش آئی اور اس حدیث کی متعدد تاویلات کی گئی ہیں۔①اس حدیث میں کمالِ ایمان کی نفی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کامل مؤمن نہیں رہتا البتہ نفسِ ایمان اس میں موجود رہتا ہے ②ایمان کے متعلق دو چیزیں ہیں نفسِ ایمان ونورِ ایمان۔مرتکبِ کبیرہ میں نفسِ ایمان موجود رہتا ہے البتہ نورِ ایمان ختم ہوجاتا ہے۔حدیث میں اسی نورِ ایمان کا ذکر ہے ③اس حدیث میں ایمانِ لغوی مراد ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے وقت مؤمن آدمی امن والا نہیں رہتا خطرہ ہوتا ہے کہ یہ ابھی عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں نہ آجائے ④اس سے مراد مستحلِ کبائر ہے کہ جو شخص ان کبیرہ گناہوں کو حلال سمجھتے ہوئے کرے وہ مؤمن نہیں رہتا۔

الشق الثانى.....عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰه ﷺ : من ابتاع طعامًا فلايبعه حتى يكتاله، فقلت لابن عباس: لم؟ ألا تراهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجا.(ص۵۔ج۲۔قدیمی)

اذكر مذاهب العلماء فى حكم البيع قبل القبض. اشرح الحديث المبارك واذكر: ما معنى قوله: "الا

تراهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجا"

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) بیع قبل القبض کا حکم (۲) حدیث کی تشریح (۳) **الاتراهم يتبايعون بالذهب الخ** کا معنی۔

جواب..... ① بیع قبل القبض کا حکم:۔ جمہور فقہاء جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں وہ حدیث (**لا بيع ما ليس عندك**) سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض ہر صورت میں ناجائز ہے چاہے مبیع مکیلات وموزونات میں سے ہو یا عددیات میں سے ہو منقولیات میں سے ہو یا قیمیات میں سے ہو البتہ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض صرف طعام میں ناجائز ہے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف مکیلات اور موزونات میں ناجائز ہے عددیات میں جائز ہے، یہ حضرات فقہاء اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسمیں طعام کا ذکر ہے کہ **نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفيه** یعنی حضور اقدس ﷺ نے طعام کو آگے بیچنے سے منع فرمادیا جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے اور بعض طرق میں **وكذلك كل مايكال ويوزن** کا اضافہ ہے اس سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو مکیلی اور موزونی چیزوں کے علاوہ میں بیع قبل القبض کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جمہور فقہاء حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ **لاربح مالم يضمن** اس جملے سے معلوم ہورہا ہے کہ غیر مقبوض کی بیع کے عدمِ جواز کی علت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو ابھی اسکے ضمان میں نہیں آئی اور یہ علت جس طرح مکیلات اور موزونات میں پائی جاتی ہے اسی طرح عددیات میں بھی پائی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں میں غیر مقبوض کی بیع جائز نہیں چاہے وہ کیلی اور وزنی ہو یا عددی ہو چاہے وہ طعام ہو یا غیر طعام ہو۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک زمین اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس میں بیع قبل القبض بھی جائز ہے کیونکہ اس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے اور قبضہ وہاں ضروری ہے جہاں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ (تقریر ترمذی ۱:۱۰۶)

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی غلہ اناج وغیرہ خریدا ہے اور کیل کے ذریعہ ہی خریدا ہے تو کیل کئے بغیر مشتری کیلئے اس کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے اور اگر اندازے کے ساتھ کوئی چیز خریدی ہے تو پھر کیل کرنا ضروری نہیں ہے البتہ مشارالیہ مبیع پر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اگر بائع نے بیع کے بعد مشتری کی موجودگی میں اس کو کیل کیا ہے تو پھر یہ مشتری کے کیل کرنے سے کفایت کر جائیگا لہٰذا مشتری کیلئے قبضہ کے بعد اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔ (اگلے جملہ کی تشریح اگلے امر میں آرہی ہے)

③ **الاتراهم يتبايعون بالذهب الخ** کا معنی:۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ بیع سلم کی صورت میں ثمن نقد ادا کرتے تھے اور غلہ اُدھار ہوتا تھا اور بوقتِ ضرورت اُس غلہ کو دوسرے کے ہاں بیچ دیتے تھے تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

نوٹ: اگرچہ شانِ ورود اس حدیث کا یہی ہے لیکن عمومِ الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اسلئے غیرِ سلم کی صورت میں بھی بیع قبل القبض ناجائز ہوگی)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: من كذب على متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار۔ اذكر معنى الكذب عند اهل السنة والجماعة وعند المعتزلة ۔ ما هو حكم الكذب على رسول الله ﷺ عمدًا هل تقبل توبته؟ وهل تقبل رواياته بعد التوبة؟ هل يجوز وضع الحديث وبيانه فى باب الترغيب و الترهيب؟ و ما هى ادلة القائلين بذلك؟ وكيف الرد عليهم؟** (ص ۷۔ ج ۱۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور توجہ طلب ہیں (۱) اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کے نزدیک کذب کا معنی (۲) کذب علی الرسول ﷺ عمدًا کا حکم (۳) کاذب علی الرسول ﷺ کی توبہ کا حکم (۴) توبہ کے بعد روایت کی قبولیت کا حکم (۵) ترغیب وترہیب کے لئے احادیث گھڑنے کا حکم مع الدلائل (۶) قائلینِ جواز کا رد۔

جواب..... ① اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کے نزدیک کذب کا معنی:۔ اہل السنۃ والجماعۃ و متکلمین کے نزدیک کذب کا معنی **اخبار الشيئ على خلاف ماهولهٗ** ہے یعنی خلافِ واقعہ وخلافِ حقیقت خبر دینا خواہ عمدًا ہو یا سہوًا ہو، ارادی طور پر ہو یا

غیر ارادی طور پر ہو البتہ غیر ارادی وسہواً کذب پر گرفت نہیں ہے اور معتزلہ کے نزدیک کذب میں عمداً کی شرط ہے کہ جان بوجھ کر وہ جھوٹ بولے۔ یہ حدیث اہل السنۃ والجماعۃ کیلئے مؤید ہے اسلئے کہ اس میں آپ ﷺ نے وعید کو کذبِ عمد کے ساتھ مقید کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کبھی کذب سہواً وغیر ارادی طور پر بھی ہوتا ہے۔ (حاشیہ ص ۸، عمدۃ المفہم ص ۳۴)

② کذب علی الرسول ﷺ عمداً کا حکم:۔ رسول اللہ ﷺ پر کذب بیانی مطلقاً حرام اور کبیرہ گناہ ہے خواہ دینی احکام میں ہو، ترغیب وترہیب میں ہو یا وعظ وارشاد میں ہو اور اس پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے ارشاد سے واضح ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے۔ (فیض المنعم ص ۶۵)

③ کاذب علی الرسول ﷺ کی توبہ کا حکم:۔ امام احمد، حمیدی اور ابوبکر صیرفی رحمہم اللہ کے نزدیک واضعِ حدیث کی توبہ مقبول نہیں ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ان لوگوں کی رائے کو ''کمزور رائے'' اور قواعدِ شرعیہ کے خلاف کہا ہے اور ''قولِ مختار'' یہ بیان کیا ہے کہ اگر وہ سچی توبہ کرلے تو مقبول ہے اور توبہ کے بعد اس کی روایتیں قبول کی جائیں گی اور سچی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں ① گناہ سے بالکل رک جانا ② گناہ پر پشیمان ہونا ③ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم کرنا۔

قولِ مختار کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کافر کی روایت معتبر ہے درآنحالیکہ کفر سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے مگر اسلام قبول کرنے کے بعد وہ گناہ معاف ہوجاتا ہے۔ حدیث میں ہے **ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ** پس آنحضور ﷺ پر کذب بیانی بھی توبہ کے بعد معاف ہوجائے گی، حدیث میں ہے **التائب من الذنب کمن لاذنب لہٗ**۔ (ایضاً)

④ توبہ کے بعد روایت کی قبولیت کا حکم:۔ **کمامرّ آنفا فی الامر الثالث**۔

⑤ و ⑥ ترغیب وترہیب کیلئے احادیث گھڑنے کا حکم مع الدلائل اور قائلینِ جواز کا رد:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حدیث گھڑنا بالکل جائز نہیں گناہ کبیرہ ہے جن کے بہت سے دلائل ہیں۔

البتہ بعض اہل بدعت مثلاً کرامیہ وغیرہ اور ان کی اتباع میں بعض جہلا صوفیہ ترغیب وترہیب زہد فضائل وغیرہ کے بارے میں وضعِ احادیث کو جائز سمجھتے ہیں، جس پر وہ بزعم خود دو دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: ممانعت **کذب علی النبی** ﷺ کی ہے جبکہ فضائل میں وضع حدیث **کذب للنبی** ﷺ ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں **علیّ** ، **افتراء** کے معنی کو متضمن ہے، مطلب یہ ہے کہ عمداً حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرنا گناہ کبیرہ ہے، نیز اگر یہ دلیل تسلیم کرلی جائے تو پھر الفاظ قرآن میں بھی اضافہ جائز ہونا چاہیے۔

دوسری دلیل: یہی حدیث **من کذب علی متعمدًا لیضل الناس** کے الفاظ سے مسند بزار وغیرہ میں منقول ہے، معلوم ہوا لوگوں کی ہدایت کے لئے وضعِ حدیث جائز ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **ھٰذہ زیادۃ باطلۃ اتفق الحفاظ علی ابطالھا** یہ زیادتی باطل ہے اور اسکے بطلان پر حفاظ کا اتفاق ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی..... **عن ابراھیم قال قال علقمۃ: قرأت القرآن فی سنتین فقال الحارث: القرآن ھین الوحی أشد۔** (ص ۱۴۔ ج ۱۔ قدیمی) **من ھو الحارث؟ عرفہ بایجاز، واذکر ما ھی مکانتہ فی روایۃ الحدیث؟ اشرح قول الحارث المذکور بجمیع احتمالاتہ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حارث کا تعارف (۲) حارث کا روایتِ حدیث میں مرتبہ (۳) حارث کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① حارث کا تعارف:۔ حارث کا پورا نام ابوزہیر حارث بن عبداللہ ہمدانی، خارفی اعور کوفی ہے، اس کی وفات ۶۵ھ میں ہوئی اور یہ تشیع میں غلو کرنے والا تھا اور عقیدۂ رجعت رکھتا تھا۔ سننِ اربعہ میں اس کی روایات ذکر کی گئی ہیں۔

② حارث کا روایتِ حدیث میں مرتبہ:۔ ابنِ معین، امام نسائی، احمد بن صالح، ابن ابی داؤد رحمہم اللہ وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور

ثوری، ابنِ مدینی، ابوزرعہ رازی، ابن عدی، دارقطنی، ابن سعد، ابوحاتم، شعبی اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ نے اسکی تکذیب وتضعیف کی ہے۔

ابنِ حبانؒ کہتے ہیں **کان غالیا فی التشیع واھیا فی الحدیث** (وہ غالی شیعہ تھا اور اس کی روایات فضول ہیں) حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں **والجمھور علی توھینه مع روایتھم لحدیثه فی الابواب** ۔امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے احادیث بیان کی ہیں حالانکہ وہ انتہائی جھوٹا آدمی تھا۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حارث بدعقیدگی کے ساتھ مطعون کیا گیا ہے۔(فیض المنعم ص۹۴)۔علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسکے ضعف پر اتفاق ہے، اس کی روایات بالاتفاق مردود ہیں (حاشیہ)۔

③ حارث کے قول کی تشریح:۔ حارث کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن آسان ہے اور وحی اس سے زیادہ مشکل ہے، اس قول کا پسِ منظر یہ ہے ابن سبا نے روافض میں پہلے تو یہ خیال پھیلایا کہ نبی کریم ﷺ نے اہلِ بیت کو اور خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ مخصوص ''بھید کی باتیں'' بتائی ہیں، پھر گھڑ کر روایتیں چلانی شروع کیں اور اپنے متبعین کو یہ یقین دلایا کہ یہ وہی ''اسرار'' ہیں جو عام نہیں کئے گئے۔ روایت نمبر۵۲ اور نمبر۵۳ میں حارث نے ''وحی'' سے انہی ''اسرار'' کو مراد لیا ہے۔ یہ ''اسرار'' آج تک اسرار ہیں، روافض کا دعویٰ ہے کہ ان کو شیعہ ہی جانتے ہیں، دوسروں کو وہ نہیں بتائے جاسکتے کیونکہ وہ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔(فیض المنعم ص۹۶)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**قَالَ فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَآءَ الدُّنْيَا فَإِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِيْنِهٖ اَسْوِدَةٌ وَّعَنْ يَّسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ قَالَ فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى قَالَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْإِبْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ يَا جِبْرَائِيْلُ مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ هٰذَا آدَمُ وَهٰذِهِ الْاَسْوِدَةُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ نَسَمُ بَنِيْهِ فَاَهْلُ الْيَمِيْنِ اَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْاَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهٖ اَهْلُ النَّارِ فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى۔**

اذکر اقوال العلماء فی عام الاسراء والمعراج وھل کان فی المنام او کان فی الیقظة ۔ شکل الحدیث بالضبط، وترجمه ترجمة واضحة ۔ اشرح العبارة واکتب ان ارواح المؤمنین فی الجنة وارواح الکفار فی سجین، فکیف اجتمعوا عند آدم علیه السلام فی السماء الدنیا؟ (ص۹۲۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور مطلوب ہیں (۱) معراج کے سال کی تعیین (۲) معراج کے نیند یا بیداری میں ہونے کی وضاحت (۳) حدیث پر اعراب (۴) حدیث کا ترجمہ (۵) حدیث کی تشریح (۶) ارواح المؤمنین والکفار کے آدم علیہ السلام کے پاس جمع ہونے کی کیفیت۔

جواب..... ① معراج کے سال کی تعیین:۔ اس کے متعلق مؤرخین کے ۵ھ سے ۱۰ھ تک مختلف اقوال ہیں۔ جمہور ۵ھ کے قائل ہیں۔(درسِ ترمذی ج۱ص۳۹۲)

② معراج کے نیند یا بیداری میں ہونے کی وضاحت:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلّم عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسم اطہر سمیت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پھر مسجدِ اقصیٰ سے آسمان تک پھر آسمان سے لے کر ان بلند و بالا مقامات تک جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا لے جایا گیا۔ شارح فرماتے ہیں کہ معراج واسراء کے اس سفر کے تین حصے ہیں۔ ① مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک ② مسجد اقصیٰ سے لے کر آسمان تک ③ آسمان سے لے کر اس بلند و بالا مقام تک جہاں تک اللہ نے چاہا۔ ان میں سے جو پہلا حصہ ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک یہ سفر دلیل قطعی سے ثابت ہے یعنی قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ الخ** اس لئے اس کا منکر کافر ہے اور دوسرا حصہ یعنی مسجدِ اقصیٰ سے آسمان تک یہ سفر خبرِ مشہور کے ذریعے ثابت ہے اس لئے اس کا منکر بدعتی ہے اور تیسرا حصہ یعنی آسمان سے ان بلند و بالا مقام تک جہاں تک اللہ تعالیٰ نے لے جانا چاہا اس سفر کا ثبوت خبرِ واحد سے ہے جو کہ ظنی ہے اس لئے اس کا منکر فاسق و گنہگار ہوگا۔(شرح عقائد)

0313 6357913 muktabazakariyamultan@gmail.com

③ حدیث پراعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

④ حدیث کا ترجمہ:۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم آسمانِ دنیا پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہے اسکے دائیں طرف بھی بہت سی مخلوق ہے اور اسکے بائیں طرف بھی بہت سی مخلوق ہے، جب وہ آدمی اپنے دائیں طرف دیکھتا ہے تو ہنستا ہے اور اپنے بائیں طرف دیکھتا ہے تو روتا ہے (اس نے مجھے دیکھ کر) فرمایا خوش آمدید اے نیک نبی اور اے نیک بیٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور انکے دائیں اور بائیں جو بہت سی مخلوق ہے یہ انکی اولاد ہے، دائیں طرف والے جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں، اسلئے جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔

⑤ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ہم شبِ معراج میں آسمانِ دنیا کی طرف اوپر چڑھے تو وہاں میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اسکی دائیں و بائیں طرف جماعتوں کا ازدحام وہجوم ہے اور اس آدمی نے جب اپنی دائیں جانب دیکھا تو وہ ہنس پڑا اور جب بائیں جانب دیکھا تو رو پڑا، اس آدمی نے جب ہمیں دیکھا تو فوراً بول پڑا **مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح** (صالح نبی وصالح بیٹے کو مرحبا وخوش آمدید)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور کیا ماجرا اور واقعہ ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ دائیں بائیں انکی اولاد ہے، دائیں جانب والی اولاد جنتی ہے اور بائیں جانب والی اولاد جہنمی ہے تو جب انہوں نے اپنی دائیں طرف والی جنتی اولاد کو دیکھا تو وہ خوشی کی وجہ سے ہنسے اور جب انہوں نے اپنی بائیں جانب والی جہنمی اولاد کو دیکھا تو وہ غم وافسوس کی وجہ سے روئے ہیں۔

⑥ ارواح المؤمنین والکفار کے آدم علیہ السلام کے پاس جمع ہونے کی کیفیت:۔ ① ممکن ہے کہ وہ ارواح المسلمین والکفار وقتاً فوقتاً آدم علیہ السلام کے پاس پیش ہوتی ہوں اور اتفاقاً آپ ﷺ کے مرور کے وقت وہاں جمع ہوں ② وہ دونوں طرح کی ارواح وقتاً فوقتاً جنت وجہنم میں ہوتی ہیں اور آپ ﷺ کے مرور کے وقت وہ جنت وجہنم میں نہ ہوں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ہی ہوں اس پر دلیل آیت کریمہ **النار یعرضون علیها غدوًا وعشیًا** اور مؤمن کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان **عرض منزله من الجنة علیه وقیل له هذا مقعدك حتی یبعثك الله الیه** ہے ③ ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف جنت اور بائیں طرف جہنم ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے ان کو جہاں مرضی بنادیں۔ (حاشیہ)

الشق الثانی..... **حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا نَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى عَلٰى قَبْرٍ بَعْدَ مَا دُفِنَ فَكَبَّرَ عَلَيْهِ اَرْبَعًا قَالَ الشَّيْبَانِيُّ فَقُلْتُ لِلشَّعْبِيِّ مَنْ حَدَّثَكَ بِهٰذَا قَالَ الثِّقَةُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ هٰذَا لَفْظُ حَدِيْثِ حَسَنٍ وَ فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ نُمَيْرٍ قَالَ اِنْتَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى قَبْرٍ رَطْبٍ فَصَلّٰى عَلَيْهِ وَصَفُّوْا خَلْفَهٗ وَ كَبَّرَ اَرْبَعًا قُلْتُ لِعَامِرٍ مَنْ حَدَّثَكَ قَالَ الثِّقَةُ مَنْ شَهِدَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ**۔ (ص۳۰۹۔ج۱۔قدیمی) شکل العبارۃ و ترجمها الی الاردیة۔

ما هو حکم الصلاة علی القبر عند الائمة۔ ما هو الجواب عن هٰذا الحدیث عند من لا یقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت پراعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل (۴) حدیث الباب کا جواب۔

جواب..... ① حدیث پراعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر دفن کے بعد نماز جنازہ ادا کی اور اس پر چار تکبیرات کہیں۔ ابن نمیر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک نئی قبر پر پہنچے اور اس پر نماز جنازہ ادا کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی اور آپ ﷺ نے چار تکبیرات کہیں۔

③ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ قبر پر نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

نزدیک **صلوۃ علی القبر** علی الاطلاق ناجائز ہے یعنی خواہ اس میت پر پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔

امام شافعی، امام احمد اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص میت کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکا ہو اس کیلئے صلوٰۃ علی القبر کا جواز ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ صلوٰۃ علی القبر صرف ولیِ میت کے لئے جائز ہے جبکہ وہ دفن سے پہلے نماز میں شامل نہ ہو سکا ہو یا پھر اس صورت میں جائز ہے جبکہ کسی شخص کو نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا، اس کے سوا حنفیہ کے نزدیک جواز کی کوئی صورت نہیں۔

پھر جن حضرات کے نزدیک صلوٰۃ علی القبر کا جواز ہے وہ اس جواز کے لئے حدوثِ دفن کی شرط لگاتے ہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دفن کئے جانے کے وقت سے ایک مہینہ تک نماز کی گنجائش ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جن دو صورتوں میں صلوٰۃ علی القبر کا جواز ہے وہ جواز صرف اتنی مدت تک ہے جب تک کہ میت کے اعضاء منتشر نہ ہوئے ہوں۔ بہر حال دو صورتوں کے سوا کسی بھی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صلوٰۃ علی القبر جائز نہیں۔

ہماری دلیل طبرانی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ان النبی ﷺ نهٰی ان یصلی علی الجنائز بین القبور**۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ جب قبور کے درمیان نماز جنازہ ممنوع ہے تو عین قبر پر نماز جنازہ بطریقِ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ ہماری ایک دلیل تعاملِ امت بھی ہے کہ سلف وخلف میں سے کسی نے بھی آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر نماز نہیں پڑھی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مبارک بعینہٖ محفوظ رہتے ہیں اور زمین اُنہیں ادنیٰ نقصان نہیں پہنچاتی۔

④ حدیث الباب کا جواب:۔ جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے سو وہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپ ﷺ تمام مؤمنین کے ولی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے **النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسهم**۔

آنحضرت ﷺ کی خصوصیت پر مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت دلیل ہے **ان امرأة سوداء کانت تقم المسجد او شابًا ففقدها رسول الله ﷺ فسأل عنها او عنه، فقالوا: مات، قال: افلا کنتم آذنتمونی؟ قال: فکانهم صغروا أمرها او امره، فقال: دلونی علٰی قبره، فدلّوه فصلی علیها، ثم قال: ان هٰذه القبور مملوة ظلمة علی اهلها، وان الله ینورها لهم بصلاتی علیهم**۔ اس روایت کا آخری جملہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت پر دال ہے۔

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل..... **عن رافع بن خدیج قال: کنا مع رسول الله ﷺ بذی الحلیفة من تهامة فاصبنا غنما وابلا فعجل القوم فاغلوا بها القدور، فأمر بها فکفئت ثم عدل عشرًا من الغنم بجزور**۔ (ص۱۵۷۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحدیث۔ اذکر مذاهب الائمة فی البدنة هل تجزئ عن اکثر من سبعة اشخاص؟ اکتب ادلتهم

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اونٹ کے حصوں میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ کے مقام تہامہ میں تھے (وہاں سے ہمیں) کچھ بکریاں اور اونٹ ملے تو لوگوں نے جلدی جلدی اُن کا گوشت ہانڈیوں میں ڈال کر اُبالنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان ہانڈیوں کو اُلٹ دینے کا حکم فرمایا تو ہانڈیاں اُلٹ دی گئیں پھر آپ ﷺ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔

② اونٹ کے حصوں میں اختلاف:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک گائے اور اونٹ میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اسی طرح اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، سات سے زیادہ نہیں۔ امام اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ کے نزدیک اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ جمہور کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے **نحرنا مع رسول الله ﷺ بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة**۔

امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث الباب ہے کہ گائے کی قربانی میں سات افراد اور اونٹ کی قربانی میں دس افراد شریک ہوئے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ ہمارے والی دلیل اس حدیث کیلئے ناسخ ہے نیز خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت میں اونٹ کے سات حصوں کا ذکر ہے اور متعدد روایات اس کیلئے مؤید بھی ہیں۔ نیز اس سے استدلال تام نہیں کیونکہ اس میں قربانی کا بھی احتمال ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جانور خوشی کے موقع پر کھانے کیلئے ذبح کئے گئے ہوں کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔

جمہور کا مذہب راجح ہے اس لئے کہ اکثر روایات اسی کے لئے مؤید ہیں اور دلیلِ جمہور صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے جبکہ امام اسحٰق کی دلیل قطعی الدلالت نہیں ہے۔ (تفصیل تحفۃ الالمعی ج ۳ ص ۳۰۵)

الشق الثانی.....**عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الخمر تتخذ خلا فقال لا.** (ص ۱۶۳۔ج ۲۔قدیمی)

اذکر مذاهب العلماء فی تخلیل الخمر هل یجوز ذلك؟ و اذکر دلائلهم ۔ وهل یعتبر ذلك الخل حلالا طاهرًا ام لا ۔ اذکر ادلة العلماء علی ما ذهبوا الیه ۔ اذکر حکم بیع الخمر.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) تخلیلِ خمر کے جواز میں اختلاف مع الدلائل (۲) خمر سے حاصل شدہ سرکہ کے پاک ہونے میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) خمر کی بیع کا حکم۔

جواب.....① تخلیلِ خمر کے جواز میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تخلیلِ خمر (شراب سے سرکہ بنانا) جائز ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تخلیلِ خمر بالکل حرام ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی اور چیز کو شامل کئے بغیر محض دھوپ سے سایہ میں اور سایہ سے دھوپ میں منتقل کرنے سے سرکہ بن گئی تو وہ پاک وحلال ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے، لیکن اگر وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا کوئی سرکہ بنائے تو اسکا گناہ اپنی جگہ ہے مگر اسکا استعمال جائز ہے۔

الغرض خلاصہ کے طور پر حنفیہ کے نزدیک تخلیلِ خمر جائز ہے اور بقیہ ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک تخلیلِ خمر جائز نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تخلیلِ خمر جائز نہیں ہے اور بقیہ ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے (دونوں طرح گروہ بندی درست ہے)۔

قائلینِ جواز کی دلیل بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **خیر خلکم خل خمرکم** (تمہارا بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے) دوسری دلیل یہ ہے کہ شراب کی حرمت اس کے نشہ آور ہونے کی وجہ سے ہے، اگر کوئی شخص اس کی ماہیت تبدیل کر کے اس کا سرکہ بنالے تو نشہ آور نہ ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

قائلینِ عدمِ جواز کی دلیل حدیث الباب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیلِ خمر سے منع فرمایا اور اس کی اجازت نہ دی۔

حدیثِ نہی کا جواب یہ ہے کہ حرمتِ خمر کے ابتدائی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی نفرت وقباحت راسخ کرنے کیلئے شراب کو سرکہ بنانے سے بھی منع فرمایا حتی کہ شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا۔ پھر جب مسلمانوں کے دلوں میں شراب کی نفرت راسخ ہوگئی تو متعدد احکام شراب منسوخ ہوگئے۔ لہٰذا اب شراب کے برتن توڑنے اور شراب بہانے کا حکم منسوخ ہے۔ اور شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۴:۲۱۷)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② و ③ خمر سے حاصل شدہ سرکہ کے پاک ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ خمر از خود سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے اس میں ڈالنے سے وہ سرکہ بنے بہرصورت وہ حلال ہے اس کے سرکہ بنانے میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرکہ بنانا مطلقاً مکروہ ہے البتہ حاصل شدہ سرکہ میں اگر کوئی چیز ڈال کر اس کو سرکہ بنایا گیا تو یہ سرکہ حلال نہیں ہے اور اگر کچھ ڈالے بغیر سرکہ بنا ہے اس میں حلال ہونے اور حلال نہ ہونے کے دونوں قول ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب خمر سے سرکہ بنایا جائے گا تو یہ خمر سے تموّل کے طریقہ پر قرب ونزدیکی ہے حالانکہ ہمیں خمر سے اجتناب کا حکم ملا ہے تو یہ حکمِ اجتناب اور اس سے نزدیکی میں منافات ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں سرکہ کو عمدہ وبہترین سالن قرار دیا گیا ہے لہٰذا سرکہ بنانا حلال ہونا چاہیے کیونکہ اس کے

ذریعہ وصفِ مفسد زائل ہوکر وصفِ صالح پیدا ہوتا ہے یعنی اس سے صفراء کو تسکین ملتی ہے، شہوت ٹوٹتی ہے اور اس سے غذاء حاصل ہوتی ہے اور ایسی اصلاح درست ہے۔ نیز یہ انسانی مصالح میں کام آنے کے قابل بنے گا تو جیسے از خود خمر سے بنا ہوا سرکہ حلال ہے اسی طرح اسکو بھی حلال ہونا چاہیے اور جیسے مردار کا چمڑا دباغت دینے سے پاک ہوجاتا ہے اور اسکو بلا کراہت دباغت دینا جائز ہے ایسے ہی یہاں بھی ہونا چاہیے اور جب حرام چیز سے قرب اسکے فساد کو دور کرنے کیلئے ہو تو ایسا اقتراب جائز ہے جیسے اگر شراب کو بہانا ہو تو اس سے بالاتفاق اقتراب جائز ہے۔ (اشرف الہدایہ ج۸۹:۱۴)

④ خمر کی بیع کا حکم:۔ مسلمان کیلئے خمر کی بیع کا حرام ہونا تمام فقہاء کا متفق علیہ واجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ یہ اجماع خمرِ حقیقی (ماء العنب، انگوری شراب) پر ہے، امام ابوحنیفہؒ نے اس حکم میں دیگر تین شرابیں (طلاء، نقیع التمر، نقیع الزبیب) شامل کی ہیں، ان کے علاوہ جتنی بھی شرابیں ہیں اگر ان کی بیع کی غرض صحیح ہو تو پھر ان کی بیع کی گنجائش ہے، جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ان کی بیع بھی ناجائز ہے۔ (تقریر ترمذی)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل.....**وعلامة المنكر فى حديث المحدث اذا ما عرضت روايته للحديث على رواية غيره من اهل الحفظ والرضا خالفت روايته روايتهم او لم تكد توافقها ، فاذا كان الاغلب من حديثه كذلك كان مهجور الحديث غير مقبوله ولا مستعمله ..... فلسنا نعرج على حديثهم ولا نتشاغل به** .(ص۵۔ج۱۔قدیمی)

ترجم العبارة ۔ ماهو تعريف المنكر عند علماء الحديث متقدميهم ومتأخريهم ؟ وما هو مراد مسلم بالمنكر فى هذه العبارة ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) متقدمین ومتأخرین کے نزدیک منکر کی تعریف (۳) عبارت میں مذکور منکر کی تعیین۔

جواب.....① عبارت کا ترجمہ:۔ اور کسی محدث کی مرویات کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اسکی روایت کا مقابلہ دوسرے اہل حفظ ورِضا (یاد رکھنے والے پسندیدہ) راویوں کی حدیثوں سے کیا جائے تو اُس کی روایت اُن کی روایت کے خلاف ہو یا مشکل سے موافقت پیدا کی جاسکے۔ الغرض جس شخص کی روایات میں بیشتر ایسی ہی روایات ہیں وہ راوی متروک الحدیث، غیر مقبول الروایہ اور ناقابلِ احتجاج ہے۔ ہم ایسے لوگوں کی روایتوں پر اعتماد نہیں کریں گے اور ان کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔

② متقدمین ومتأخرین کے نزدیک منکر کی تعریف:۔ منکر، معروف کی ضد ہے، فن میں دونوں کی تعریفیں اس طرح کی گئی ہیں کہ اگر ضعیف راوی کا بیان ثقہ راوی کے خلاف ہے تو ضعیف راوی کی روایت کو منکر (انجانی) اور ثقہ کی روایت کو معروف (پہچانی) کہتے ہیں۔ حدیثِ منکر کی ایک دوسری قدیم تعریف یہ تھی کہ اگر کسی حدیث کا کوئی راوی ضعیف ہو اور وہ حدیث کی روایت میں متفرد ہو تو اس کی روایت کو منکر کہتے تھے اور خود اس ضعیف راوی کو بھی منکر کہتے تھے یعنی قدیم زمانہ میں لفظ منکر تقریباً ضَعِیْفٌ جِدًّا (نہایت ضعیف) کے معنی میں تھا۔ سننِ اربعہ میں اور ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال میں لفظ منکر عام طور پر اسی دوسرے معنی میں مستعمل ہوا ہے یہ معنی فنّی معنی کی بہ نسبت عام ہیں یعنی فنّی تعریف کو بھی یہ تعریف شامل ہے۔

③ عبارت میں مذکور منکر کی تعیین:۔ یہاں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد منکر سے یہی دوسرے معنی ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "کسی حدیث کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اس روایت کا معتبر حفاظ کرام کی روایات سے موازنہ کیا جائے تو وہ قطعاً اس سے مختلف ہو یا بمشکل موافقت پیدا کی جاسکے جس راوی کی بیشتر مرویات اس قسم کی ہونگی وہ متروک الحدیث، ناقابلِ اعتبار اور اسکی مرویات ناقابلِ قبول ہونگی مثلاً ① عبداللہ بن محرر (بروزن محمد) جزری، قاضی رقّہ جو ابنِ ماجہ کا راوی ہے متروک اور ناقابلِ اعتبار ہے ② یحییٰ بن ابیسہ جزری، رہادی جو ترمذی کا راوی ہے یہ متروک ہے، فلاس کہتے ہیں "قد اجتمعوا على ترك حديثه" (اس کی حدیثیں قبول نہ کرنے پر محدثین کا اتفاق ہے) ③ ابوالعطوف جراح بن منہال جزری، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے

0313 6337913 maktabazakariyamultan@gmail.com

منکر الحدیث اور امام نسائی و دار قطنی رحمۃ اللہ علیہما نے متروک کہا ہے ④ عباد بن کثیر ثقفی بصری (فلسطینی نہیں) جو ابوداؤد اور ابن ماجہ کا راوی ہے، متروک ہے ⑤ حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ حمیری مدنی متروک الحدیث اور کذاب ہے ⑥ عمر بن صہبان اسلمی مدنی جو ابن ماجہ کا راوی ہے، منکر الحدیث ہے، ابن عدی کہتے ہیں غلبت علی احادیثه المناکیر۔

اس قسم کے تمام رُوات جو منکر روایات نقل کرنے میں مذکورہ بالا رُوات کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اُن کی حدیثوں پر اعتماد نہیں کریں گے، نہ ان کی روایات کو مسلم شریف میں درج فرمائیں گے۔ (فیض المنعم ص ۴۴)

الشق الثانی..... لِاَنَّ حُکْمَ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِیْ یُعْرَفُ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِیْ قُبُوْلِ مَا یَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُحَدِّثُ مِنَ الْحَدِیْثِ اَنْ یَکُوْنَ قَدْ شَارَکَ الثِّقَاتِ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ فِیْ بَعْضِ مَا رَوَوْا وَاَمْعَنَ فِیْ ذٰلِکَ عَلَی الْمُوَافَقَةِ لَهُمْ فَاِذَا وُجِدَ ذٰلِکَ ثُمَّ زَادَ بَعْدَ ذٰلِکَ شَیْئًا لَیْسَ عِنْدَ اَصْحَابِهٖ قُبِلَتْ زِیَادَتُهٗ فَاَمَّا مَنْ تَرَاهُ یَعْمِدُ لِمِثْلِ الزُّهْرِیِّ فِیْ جَلَالَتِهٖ وَکَثْرَةِ اَصْحَابِهِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِیْنَ لِحَدِیْثِهٖ وَحَدِیْثِ غَیْرِهٖ اَوْ لِمِثْلِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَحَدِیْثُهُمَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مَبْسُوْطٌ مُشْتَرَکٌ قَدْ نَقَلَ اَصْحَابُهُمَا عَنْهُمَا حَدِیْثَهُمَا عَلَی الْاِتِّفَاقِ مِنْهُمْ فِیْ اَکْثَرِهٖ فَیَرْوِیْ عَنْهُمَا اَوْ عَنْ اَحَدِهِمَا اَلْعَدَدَ مِنَ الْحَدِیْثِ مِمَّا لَایَعْرِفُهٗ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِهِمَا وَلَیْسَ مِمَّنْ قَدْ شَارَکَهُمْ فِی الصَّحِیْحِ مِمَّا عِنْدَهُمْ فَغَیْرُ جَائِزٍ قَبُوْلُ حَدِیْثِ هٰذَا الضَّرْبِ مِنَ النَّاسِ۔ (ص۵۔ج۱۔قدیمی)

شکل العبارة بالضبط الکامل ثم ترجمها الی الاردیة۔ ما هی القاعدة فی قبول زیادات الثقات وردّها۔ اذکرها محررة فی ضوء ما قاله مسلم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ثقہ کی زیادتی کے مقبول و مردود ہونے کا ضابطہ۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ اسلئے کہ محدثین کا جو فیصلہ اور ان کا جو مذہب مشہور ہے، اس حدیث کو قبول کرنے کے سلسلہ میں جس کا راوی متفرد ہے وہ یہ ہے کہ راوی ثقہ حفاظ محدثین کے ساتھ شریک رہا ہو ان کی بعض مرویات میں اور اُس نے انتہائی جدوجہد کی ہو اُن کی موافقت کرنے میں تو جب کوئی راوی ایسا ثابت ہو جائے پھر وہ کوئی زائد بات بیان کرے جو اسکے ساتھیوں کی روایت میں نہ ہو تو اسکی زیادتی قبول کی جائیگی، رہا وہ راوی جسے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث کا قصد کرتا ہے (جو امام زہری کی طرح ہے)، جلالتِ شان میں اور شاگردوں کی کثرت میں جو حفاظِ حدیث ہیں اور اُن کی اور دوسرے محدثین کی روایات کو نہایت درستگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں یا وہ حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کا قصد کرتا ہے، درآنحالیکہ دونوں کی حدیثیں محدثین کے پاس مفصل موجود ہیں اور دونوں کی حدیثیں مشترک بھی ہیں جن میں سے اکثر کو ان کے تلامذہ باہم متفق ہو کر ان سے روایت کرتے ہیں، اب وہ راوی اِن دونوں حضرات سے یا ان میں سے کسی ایک سے چند ایسی حدیثیں روایت کرتا ہے جن کو اِنکے تلامذہ میں سے کوئی نہیں جانتا اور وہ راوی اُن تلامذہ کیساتھ انکی صحیح روایات نقل کرنے میں شریک بھی نہیں رہا ہے تو اس قسم کے رُوات کی روایتیں قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

③ ثقہ کی زیادتی کے مقبول و مردود ہونے کا ضابطہ:۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر راوی دوسرے ثقہ رُوات کے ساتھ کسی استاذ سے روایت کرنے میں شریک رہا ہو اور عام طور پر اس کی روایات ان کی روایات کے ساتھ موافق بھی ہوں مگر کسی خاص حدیث میں وہ کوئی ایسی بات بڑھائے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایت میں نہیں ہے تو یہ زیادتی معتبر ہے مثلاً محدثِ جلیل حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے چار تلامذہ ابوعوانہ، سعید بن ابی عروبہ، ہشام دستوائی اور سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہم ایک حدیث روایت کرتے ہیں جس کو حضرت قتادہ یونس بن جبیر سے اور وہ حضرت حطان بن عبداللہ رقاشی سے اور وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں باب التشہد میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث

0322 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

میں سلیمان تیمی **واذا قرأ فأنصتوا** (جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو) کا اضافہ کرتے ہیں، یہ زیادتی باقی تین ساتھیوں کی روایت میں نہیں ہے مگر چونکہ سلیمان تیمی اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں شریک رہتے ہیں اور ان کی روایات اُن کی روایات کے ساتھ عام طور پر متفق ہوتی ہیں اس لئے سلیمان تیمی کی یہ زیادتی معتبر ہے۔

لیکن اگر کوئی عظیم الشان، جلیل القدر محدث ہو اور اس کے تلامذہ کا ایک جمِ غفیر ہو جن کو اس استاذ کی اور دوسرے اساتذہ کی روایات خوب یاد ہوں اور نہایت درستگی کے ساتھ ان کو روایت کرتے ہوں مثلاً امام ابن شہاب محمد بن مسلم قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ یا اُن کے معاصر حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے بے شمار تلامذہ ہیں اور جن کی حدیثیں محدثین کے پاس مفصل موجود ہیں اور دونوں کی حدیثیں اور دونوں کے تلامذہ بھی مشترک ہیں، اب اگر کوئی راوی ان دونوں سے یا اُن میں سے کسی ایک سے ایک یا چند ایسی روایتیں نقل کرتا ہے جن کو اُنکے دوسرے تلامذہ نہیں جانتے اور یہ متفرد راوی اُن تلامذہ کے ساتھ اُن دونوں بزرگوں کی صحیح روایات نقل کرنے میں شریک بھی نہیں رہا ہے تو ایسے راوی کی روایت کا اُن ثقہ حفاظ کی روایات سے مقابلہ کرنا ضروری ہے، موافق ہوگی تو مقبول کی جائے گی ورنہ منکر قرار دے کر رد کردی جائیگی کیونکہ ہر شخص بخوبی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جو تلامذہ استاذ کی خدمت میں لمبا زمانہ رہے ہوں اور جو غیر معمولی قوتِ یادداشت بھی رکھتے ہوں وہ تو اس روایت سے بے خبر ہوں اور ایک ایسا راوی جسکی ملازمت اور معرفت برائے نام ہو اسکو وہ روایت مل جائے یہ بات قابلِ یقین نہیں ہے۔ الغرض یہ ایک ایسا اندیشہ ہے جسکی وجہ سے اُس متفرد راوی کی مرویات کا جماعتِ حفاظ کی روایات کے ساتھ مقابلہ ضروری ہے۔ ہر راوی کی روایت کا مقابلہ ضروری نہیں ہے۔ (فیض المنعم ص ۴۷)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل .....**عن ابی وائل عن عبداللّٰہ قال قلنا یا رسول اللّٰہ انؤاخذ بما عملنا فی الجاھلیۃ ؟ قال: من احسن فی الاسلام لم یؤاخذ بما عمل فی الجاھلیۃ ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر۔**

ترجم الحدیث الشریف بالاردیۃ ۔ اذکر معنی الحدیث واشرح خاصۃ قولہ علیہ الصلاۃ والسلام "ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر" فی ضوء اقوال العلماء۔ (ص ۷۵۔ج ۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) **ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر** کی تشریح میں علماء کے اقوال۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے جاہلیت والے اعمال کی وجہ سے ہمارا مؤاخذہ وگرفت ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اچھا عمل کیا اسلام میں (دل وجان سے مسلمان ہوا) تو اس کا اعمالِ جاہلیت پر مؤاخذہ نہ ہوگا اور جس نے بُرا عمل کیا اسلام میں (صرف ظاہراً مسلمان ہوا) تو اس کے اسلام سے پہلے اور بعد والے سب اعمال پر مؤاخذہ ہوگا۔

② حدیث کی تشریح:۔ ترجمہ سے مفہوم وتشریح واضح ہے کہ اگر آدمی نے صحیح طور پر اخلاص اور صدقِ نیت کے ساتھ اسلام قبول کیا یعنی باطن کو نورِ اسلام سے منور کیا اور ظاہر کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے مزین کیا تو اس کے اسلام سے پہلے کے سب گناہ معاف ہوجائیں گے، ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا اور اگر اس کی زندگی اسلام میں آنے کے بعد بھی نورِ اسلام اور اطاعتِ خداوندی سے خالی رہی، اسکے ظاہر وباطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا تو اس کے سابقہ گناہ معاف نہیں ہوں گے، اس کے اسلام سے پہلے وبعد والے سب بُرے اعمال پر مؤاخذہ ہوگا۔ (معارف الحدیث)

③ **ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر** کی تشریح میں علماء کے اقوال:۔ اس جملہ کے متعلق ایک قول ابھی تشریح کے ضمن میں مذکور ہوا۔ دوسرا قول جو کہ علامہ نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ **اساء** سے مراد دل سے اسلام قبول نہ کرنا ہے یعنی جو شخص ظاہری طور پر اسلام لایا اور باطنی طور پر اسلام کو قبول نہیں کیا یعنی جو شخص منافق ہے اور قلبی طور پر کافر ہے یہ شخص باجماع المسلمین کافر ہی ہے اور یہ اپنے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کفر پر مستمر ہے،اس کا سابقہ اعمال اور ظاہری طور پر اسلام لانے کے بعد والے سب اعمال پر مؤاخذہ ہوگا۔(حاشیہ)

الشق الثانی.....عن زينب امرأة عبدالله قالت قال رسول الله ﷺ تصدقن يامعشر النساء ولو من حليكن قالت : فرجعت الى عبدالله فقلت انك رجل خفيف ذات اليد وان رسول الله ﷺ قد امرنا بالصدقة فاته فاسأله فان كان ذلك يجزئ عنى والا صرفتها الى غيركم قالت: فقال لى عبدالله بل ائتيه انت قالت: فانطلقت فاذا امرأة من الانصار بباب رسول الله ﷺ حاجتى حاجتها قالت: وكان رسول الله ﷺ قد القيت عليه المهابة قالت : فخرج علينا بلال فقلنا له ائت رسول الله ﷺ فاخبره ان امرأتين بالباب تسألانك اتجزئ الصدقة عنهما على ازواجهما وعلى ايتام فى حجورهما ؟ ولا تخبره من نحن قالت : فدخل بلال على رسول الله ﷺ فسأله فقال له رسول الله ﷺ من هما؟ فقال: امرأة من الانصار وزينب فقال رسول الله ﷺ اى الزيانب؟ قال امرأة عبدالله فقال له رسول الله ﷺ لهما اجران اجر القرابة واجر الصدقة۔(ص۳۲۳۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث۔ واذكر مذاهب العلماء فى وجوب الزكاة فى الحلى وعدم وجوبها ۔ اذكر ادلتهم على ما ذهبوا اليه۔ هل يجوز للمرأة ان تعطى زكاتها الى زوجها الفقير ؟ اذكر اختلاف العلماء فى ذلك۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)زیورات پر زکوٰۃ کے وجوب میں اختلاف(۳)ائمہ کے دلائل(۴)عورت کے لئے اپنے فقیر زوج کو زکوٰۃ دینے میں اختلاف۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ زوجۂ عبداللہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو اگر چہ تمہارے زیورات سے ہو،فرماتی ہیں مَیں حضرت عبداللہ کے پاس لوٹی اور عرض کیا کہ آپ خالی ہاتھ والے آدمی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور پوچھ کر آؤ اگر میری طرف سے آپ کو دینا کافی ہوجائے تو بہتر ورنہ تمہارے علاوہ کسی اور کو دوں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا تم خود ہی جا کر آپ ﷺ سے پوچھ لو، میں چلی جب آپ کے دروازہ پر پہنچی تو انصاری عورتوں میں سے ایک عورت وہاں موجود تھی اور میری حاجت بھی اس کی حاجت کی مثل تھی،اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر عظمت وجلال چھایا ہوا تھا،ہماری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے ہم نے کہا تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ کو خبر دو کہ دروازے پر موجود دو عورتیں آپ سے سوال کرتی ہیں کہ ان کی طرف سے صدقہ ان کے خاوندوں پر اور ان یتیموں پر کفایت کر جائے گا جو ان کی گود میں ہیں اور آپ ﷺ کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا زینب اور ایک عورت انصار میں سے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کون سی زینب؟ عرض کیا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کے لئے دو اجر وثواب ہیں ایک رشتہ داری کا ثواب اور دوسرا صدقہ وخیرات کا ثواب۔

② زیورات پر زکوٰۃ کے وجوب میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے اور امام مالک وامام احمد رحمہما اللہ کے ہاں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اظہر قول کے مطابق زیورات میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ احناف کے دلائل:① کہ سونے چاندی میں وجوب زکوٰۃ کی مطلق نصوص زیورات کو بھی شامل ہیں مثلا **واللذين يكنزون الذهب والفضة** (توبہ)**هاتواصدقة الرقة** (ترمذی) نیز وہ تمام نصوص جو زیورات کی زکوٰۃ پر دال ہیں مثلاً **يامعشرالنساء تصدقن ولومن حليكن فانكن اكثراهل جهنم يوم القيامة** (ترمذی)② عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ دو عورتیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں انکے ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم انکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا! کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اسکی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔(ترمذی)③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کریں۔④ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے۔⑤ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کریں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل:① حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔(التحقیق لابن جوزی)② موقوف آثار ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر (موطا مالک) حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اثر، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر (دار قطنی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اثر (مسند شافعی)

جوابات: حنفیہ کی طرف سے پہلی مرفوع حدیث کا جواب یہ ہے کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ نیز مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ حدیث مؤول ہے اور سونا چاندی کے علاوہ دوسرے جواہر کے زیورات پر محمول ہے۔ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں موقوف احادیث وآثار حجت نہیں ہیں۔(تفصیل المسائل والدلائل ص۳۹۴، درسِ ترمذی ج۲ص۴۵۲)

④ عورت کیلئے اپنے فقیر زوج کو زکوٰۃ دینے میں اختلاف:۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک جن رشتہ داروں کے ساتھ ولادت یا زوجیت کا تعلق ہو مثلاً ماں باپ، دادا وغیرہ، اولاد، اولاد الاولاد وغیرہ اور میاں بیوی، انہیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

امام شافعی، ابوثور، ابوعبید، اشہب، ابن المنذر، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کیلئے اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس میں وہ فرماتے ہیں **جاء ت زینب امرأة ابن مسعود تستأذن علیه فقیل یارسول الله هذه زینب، فقال أی الزیانب؟ فقیل امرأة ابن مسعود قال: نعم ائذنوالها فأذن لها قالت یا نبی الله انك أمرت الیوم بالصدقة وكان عندی حلیٌّ لی فأردت ان اتصدق به فزعم ابن مسعود انه وولده احق من تصدقت به علیهم فقال رسول الله ﷺ صدق ابن مسعود زوجك وولدك احق من تصدقت به علیهم۔** نیز ان حضرات کا استدلال حضرت عطاء کی روایت سے ہے جسے جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے **قال: اتت النبی ﷺ امرأة فقالت یا رسول الله ان علی نذرًا ان اتصدق بعشرین درهمًا وان لی زوجًا فقیرًا افیجزئ عنی ان اعطیه قال: نعم كفلان من الاجر۔**

حضرت حسن بصری، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور امام مالک رحمہم اللہ اور ایک روایت میں امام احمد اور حنابلہ رحمہم اللہ میں سے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے شوہر کو دیدے "ویروی ذلک عن عمر رضی اللہ عنہ"

0313 5357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ان حضرات نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں صدقہ نافلہ کا ذکر ہے زکوٰۃ کا نہیں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید میں ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔(درسِ ترمذی ج۲ص۴۸۱)

﴿الورقة الثانية: صحیح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**عن فاطمة بنت قیس ان ابا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فارسل الیها وكیله بشعیر فسخطته فقال: والله مالك علینا من شیئ فجاء ت رسول الله ﷺ فذكرت ذلك له فقال: لیس لك علیه نفقة فامرها ان تعتد فی بیت ام شریك ثم قال: تلك امرأة یغشاها اصحابی اعتدی عند ابن ام مكتوم فانه رجل اعمی تضعین ثیابك فاذا حللت فآذنینی۔**(ص۴۸۳۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث۔ انکر مذاهب العلماء مع ادلتهم فی مسألة النفقة للمبتوتة ۔ یدل هذا الحدیث علی جواز نظر المرأة الی الأجنبی، فما هو الحق فی هذه المسألة ؟ انکر محررا فی ضوء اقوال العلماء

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مطلقہ مبتوتہ کے لئے نفقہ میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) عورت کے اجنبی مرد کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوعمرو بن حفص نے اُسے طلاقِ بائن دی اور وہ غائب تھے تو اس (ابوعمرو) نے اپنے وکیل کو جَو دے کر اس کی طرف بھیجا، وہ اُس سے ناراض ہوئی، اس نے کہا اللہ کی قسم ہمارے اوپر تیری کوئی چیز لازم نہیں ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے اسکا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر تیرا نفقہ لازم نہیں ہے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے ہاں اپنی عدت پوری کرے پھر فرمایا کہ وہ ایسی عورت ہیں جہاں ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر جمع ہوتے رہتے ہیں تو ابن ام مکتوم (اپنے چچا کے بیٹے) کے گھر میں عدت پوری کر کیونکہ وہ نابینا آدمی ہیں وہاں تم اپنے کپڑوں کو اُتار سکتی ہو، جب تیری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا۔

② مطلقہ مبتوتہ کے لئے نفقہ میں اختلاف:۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ حاملہ عدت کے دوران نفقہ اور سکنی دونوں کی مستحق ہوتی ہے۔ البتہ مبتوتہ غیر حاملہ کے بارے میں اختلاف ہے اس میں تین مذاہب ہیں۔ ① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ مبتوتہ غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی بھی مطلقاً شوہر پر واجب ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے نیز سفیان ثوری ابراہیم نخعی ابن شبرمہ ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں ② امام احمد، امام اسحاق اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کیلئے نفقہ ہے نہ سکنی۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے نیز حسن بصری، طاؤس، عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے ③ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں فقہاء سبعہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مسلک ہے۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ عدم نفقہ اور عدم سکنی پر امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے ہے۔

امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ عدم نفقہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں البتہ فرماتے ہیں کہ **اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم ولاتضارّوهنّ لتضیّقوا علیهنّ** کی آیت سکنی کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے معارض ہے لہٰذا ہم نے روایت کو ترک کر دیا اور کتاب اللہ کو اختیار کر لیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: **وللمطلقات متاع بالمعروف** اس آیت میں متاع سے نفقہ اور سکنی دونوں مراد ہیں اور مطلقات کا لفظ عام ہے جو مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ دونوں کو شامل ہے۔ دوسری دلیل: **اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم ولاتضاروهن لتضیقوا علیهن** امام جصاص رحمہ اللہ نے اس آیت سے تین طریقوں سے مسلکِ احناف کو ثابت کیا ہے۔ ① جس طرح سکنی ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا ② **ولاتضاروهن** سے مطلقات کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے اور ضرر جس طرح عدمِ سکنی سے لاحق ہوتا ہے اسی طرح عدمِ نفقہ سے بھی لاحق ہوتا ہے ③ **لتضیقوا علیهن** تنگی اور تضیق جس طرح عدمِ سکنی میں ہے اسی طرح عدمِ نفقہ میں بھی ہے۔

تیسری دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ مبتوتہ غیر حاملہ کے لئے سکنی اور نفقہ مقرر نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے شاید کہ اس کو یاد ہے یا وہ نفقہ اور سکنی بھول گئی ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا **لاتخرجوهن من بیوتهن** (مسلم)

جوابات: حدیثِ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جرح کی وجہ سے مطعون ہے مذکورہ نصوص کے مقابلہ میں حجت نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انکار پر کسی صحابی کا انکار منقول نہیں حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر رضی اللہ عنہم نے

بھی اس روایت کو مجروح کیا ہے۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور گھر والوں کیخلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شوہر کے گھر سے ہٹا دیا باقی رہا نفقہ اس کا جواب یہ ہے کہ فاطمہ کے خاوند کے وکیل نے کچھ نفقہ پیش کیا تھا فاطمہ نے قلت کی وجہ سے اسے رد کر دیا اور زائد کا مطالبہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد کی نفی فرمائی۔ (تفصیل درسِ ترمذی ۳:۴۸۲، المسائل والدلائل: ۵۳۰)

④ عورت کے اجنبی مرد کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال:۔ معارف القرآن میں **وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن الایة** کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عورتوں کا اپنے محرم کے سوا کسی اجنبی مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے بہت سے علماء کا یہ قول ہے اور انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث **افعمیا وان انتما الخ** سے استدلال کیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بغیر شہوت کے نامحرم کو دیکھنے میں مضائقہ نہیں اور انہوں نے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی کے احاطہ میں حبشی نوجوانوں کو دیکھا جو جہاد کی تیاری کر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، اسکے بعد حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نظرِ شہوت حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا خلافِ اولیٰ ہے اسلئے اس سے بھی احتیاط کرنا اولیٰ واتقی ہے۔

الشق الثانی.....**عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُبَارَكٍ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ رَوَیْتَ عَنْهُ حَدِیْثَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو یَوْمُ الْفِطْرِ یَوْمُ الْجَوَائِزِ قَالَ سُلَیْمَانُ بْنُ الْحَجَّاجِ اُنْظُرْ مَا وَضَعْتَ فِیْ یَدِكَ مِنْهُ وَعَنْ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ یَعْنِیْ اِبْنَ الْمُبَارَكِ رَاَیْتُ رَوْحَ بْنَ غُطَیْفٍ صَاحِبَ الدَّمِ قَدْرِ الدِّرْهَمِ وَجَلَسْتُ اِلَیْهِ مَجْلِسًا فَجَعَلْتُ اَسْتَحْیِیْ مِنْ اَصْحَابِیْ اَنْ یَرَوْنِیْ جَالِسًا مَعَهٗ كُرْهَ حَدِیْثِهٖ**۔ (ص۱۴:۱۔قدیمی)

شکل العبارة بالضبط الكامل ثم ترجمها الى الاردية ، اذكر حديث عبدالله بن عمرو يوم الفطر يوم الجوائز ما هو المراد من قوله انظر ما وضعت فى يدك منه ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) حدیثِ یوم الفطر یوم الجوائز کا ذکر (۴) **انظر ما وضعت فى يدك منه** کی مراد۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا**۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ عبداللہ بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ وہ کونسا راوی ہے جس سے آپ حدیثِ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ **یوم الفطر یوم الجوائز** روایت کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سلیمان بن حجاج سے، (میں نے کہا) آپ دیکھ لیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ میں اُس سے کیا چیز رکھی ہے (حاصل کی ہے)۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ''بقدرِ درہم خون والے'' روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور اُس کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوں پس میں اپنے شاگردوں سے حیاء کرنے لگا اِس بات سے کہ وہ مجھے اُس کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھ لیں، اُس کی حدیث کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔

③ حدیثِ یوم الفطر یوم الجوائز کا ذکر:۔ **قال النووى هو ماروى اذا كان يوم الفطر وقفت الملائكة على افواه الطريق ونادت يا معشر المسلمين اغدوا الى رب رحيم يأمر بالخير ويثيب عليه الجزيل امركم فصمتم واطعتم ربكم فاكملوا جوائز كم فاذا صلوا العيد نادٰى منادى من السماء ارجعوا الى منازلكم راشدين فقد غفرت ذنوبكم كلها فيسمى ذلك اليوم يوم الجوائز**۔

④ **انظر ما وضعت فى يدك منه** کی مراد:۔ عبداللہ بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ المعروف عبدان بڑے درجہ کے محدث ہیں، انہوں نے اس عبارت میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو توجہ دلائی ہے کہ آپ جو سلیمان بن حجاج سے روایت کرتے ہیں اس کے متعلق غور وخوض کر لیں کہ کیا وہ روایت نقل کرنے کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ (معلوم ہوتا ہے کہ عبدان کے توجہ دلانے پر ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی یہ روایت موقوف کر دی، چنانچہ اب سلیمان کے حوالہ سے یہ روایت کسی کتاب میں نہیں ہے، البتہ کنز العمال میں یہ روایت بحوالہ تاریخ ابنِ عساکر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی جگہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی ہے)۔ (فیض المنعم ص ۹۳)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَاَنْ يُشْتَرَی النَّخْلُ حَتّٰی يُشْقِهَ وَفِیْ رِوَايَةٍ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰی تُشْقِحَ وَفِیْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الْمُعَاوَمَةِ وَ عَنِ الثُّنْيَا۔

شکل الحدیث وترجمہ ترجمة واضحة ، فسر هٰذه البيوع حق تفسيرها ۔(ص۱۱۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مذکورہ بیوع کی تشریح۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا بیع محاقلہ، مزابنہ ومخابرہ سے اور یہ کہ آدمی کھجور خریدے جب تک کہ وہ گدّر (سُرخ وزرد یا کھانے کے قابل) نہ ہوجائے اور ایک روایت میں ہے کہ پھلوں کی بیع سے منع فرمایا جب تک کہ وہ گدّر (سرخ یا زرد رنگ پکڑنا) نہ ہوجائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بیع معاومہ سے اور استثناء کرنے سے بھی منع فرمایا۔

③ مذکورہ بیوع کی تشریح:۔ **محاقلہ:** کھیت میں لگی ہوئی گندم وغیرہ کو کٹی ہوئی گندم وغیرہ کے عوض اندازہ سے فروخت کرنا یہ بیع محاقلہ ہے، شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کٹی ہوئی گندم وغیرہ کا وزن ممکن ہے مگر کھیت میں لگی ہوئی گندم وغیرہ کا وزن ممکن نہیں ہے حالانکہ یہ اشیاءِ ربویہ میں سے ہے اس میں برابری ضروری ہے اور کمی زیادتی حرام ہے اور اندازہ سے بیچنے کی صورت میں برابری یقینی نہیں ہے بلکہ کمی زیادتی کا احتمال ہے اور یہ کمی زیادتی حرام ہے۔

مزابنہ: درخت پر لگی ہوئی کھجور وغیرہ کو کٹی واُتری ہوئی کھجور کے عوض اندازہ سے فروخت کرنا بیع مزابنہ ہے۔

اس سے بھی ممانعت کی وجہ وہی ہے جو اوپر ''محاقلہ'' کے ضمن میں ذکر کی گئی ہے۔ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ اگر کھیتی کی بیع اُتری ہوئی کھیتی سے ہو تو ''محاقلہ'' ہے اور درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع اُترے ہوئے پھل سے ہو تو ''مزابنہ'' ہے۔

مخابرہ: (مخابرہ ومزارعہ ایک ہی چیز ہے) اسکی تفصیل یہ ہے کہ کوئی زمین دوسرے کو کاشت پر دینے کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین کاشتکار کو کرایہ پر دیدے اور اس سے معین کرایہ وصول کرے، یہ کرایہ نقد کی شکل میں ہو، پیداوار کی شکل میں نہ ہو اور مالکِ زمین کا پیداوار سے کوئی تعلق نہ ہو، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین دوسرے کو اس شرط پر دینا کہ پیداوار کا کچھ حصہ زمین دار کا ہوگا اور کچھ حصہ کاشتکار کا ہوگا اس کی پھر تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ① مالک پیداوار کی ایک معین مقدار اپنے لئے مقرر کرلے، مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے بیس من میں لوں گا اور باقی تمہاری ہوگی۔ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے اسلئے کہ پتہ نہیں ہے کہ پیداوار کتنی ہوگی؟ ہوسکتا ہے کہ کُل بیس من ہی پیداوار ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیس من بھی نہ ہو۔ اس صورت میں کاشتکار کو کچھ نہیں ملے گا، اسلئے شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے ② مالک زمین کے ایک مخصوص حصے کی پیداوار اپنے لئے مقرر کرلے اور یہ کہے کہ اس حصہ میں جو پیداوار ہوگی وہ میری ہوگی اور دوسرے حصہ میں جو پیداوار ہوگی وہ تمہاری ہوگی اور عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ اس کھیت میں سے پانی کی جو نالیاں گزر رہی ہوتی تھیں ان نالیوں کے آس پاس کے حصہ کو مالک اپنے لئے مخصوص کرلیتا تھا اور باقی حصہ کی پیداوار کو کاشت کار کیلئے مخصوص کردیتا تھا یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے اسلئے کہ یہ ممکن ہے کہ پیداوار صرف ان حصوں پر ہو جو پانی کے قریب ہیں اور دوسرے حصوں پر بالکل پیداوار نہ ہو اس طرح کاشتکار کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اسلئے شرعاً یہ صورت بھی جائز نہیں ہے ③ مالک پیداوار کا ایک متناسب حصہ اپنے لئے مقرر کرلے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس کا ایک چوتھائی میں لوں گا اور تین چوتھائی تمہارا ہوگا یا آدھی پیداوار تمہاری اور آدھی پیداوار میری ہوگی۔ یا ثلث میری اور دو ثلث تمہاری، اس صورت کو **مزارعة بالثلث او بالربع یا مزارعة بالحصة المشاعة** کہتے ہیں۔ اسکے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صورت بھی مطلقاً ناجائز ہے اور صاحبین ودیگر فقہاء رحمہم اللہ اس کو جائز کہتے ہیں۔ البتہ بعض فقہاء اس کو علی الاطلاق جائز کہتے ہیں اور بعض فقہاء مساقات کے ضمن میں جائز کہتے ہیں اور تنہا ناجائز کہتے ہیں بہرصورت جمہور فقہاء فی الجملہ اس صورت کے جواز کے قائل ہیں۔

0313 6307913 maktabazakariyamultan@gmail.com

معاومہ: باغ کے پھلوں کی ایک سال تک یا ایک سال سے زیادہ تک بیع کرنا یہ **معاومہ** ہے اور اسی کو بیع السنین بھی کہتے ہیں مثلاً بائع یہ کہے کہ تین سال تک جو پھل اس باغ میں آئے گا وہ پھل میں آج ہی فروخت کرتا ہوں۔

اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع المعدوم ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

ثُنْیَا: یہ لفظ دنیا کے وزن پر مصدر ہے بمعنی استثناء کرنا یعنی بیع کرتے وقت بیع کی کسی چیز یا مقدار کو بیع سے خارج کر دینا۔

اگر کسی چیز کی بیع کی جائے اور اس میں سے چند متعین رطل وغیرہ کا استثناء کر دیا جائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ عند الجمہور یہ استثناء جائز نہیں ہے مثلاً کوئی شخص باغ کا پھل فروخت کرے اور اس میں سے ایک من آم یا ایک ہزار آم کا استثناء کر دے تو عند الجمہور جائز نہیں ہے کیونکہ اس استثناء کے بعد بقیہ مقدار مجہول ہے جو کہ مفضی الی النزاع ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ استثناء جائز ہے ان کی دلیل قیاس ہے کہ جس طرح متعین درختوں کا استثناء باغ میں سے جائز ہے اسی طرح متعین رطل کا استثناء بھی جائز ہے۔ اگر متعین درخت کا استثناء کیا گیا یا حصۂ مشاع مثلاً پیداوار کے نصف ثلث یا ربع کا استثناء کیا گیا تو پھر بالاتفاق یہ بیع اور استثناء جائز ہے۔ (اشرف الہدایہ)

الشق الثانی..... **حدثنا عمرو بن محمد حدثنا سفیان بن عینیة عن محمد بن المنکدر سمع جابر ابن عبداللّٰہ قال مرضت فأتانی رسول اللّٰہ ﷺ و ابوبکر یعود انی ماشیین فاغمی علیّ فتوضا ثم صبّ علیّ من وضوئه فَأُفِقْتُ قلت یا رسول اللّٰہ ﷺ کیف اقضی فی مالی فلم یرد علیّ شیئا حتّی نزلت اٰیة المیراث یستفتونك قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالة ۔** (ص۳۴۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحدیث المبارك وعیّن الآیة التی نزلت فی ھٰذہ القصة ، اکتب اشتقاق کلمة الکلالة من حیث اللغة ، اختلف العلماء فی تفسیر الکلالة علی اقوال اربعة فاذکرھا بتفصیل ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قصۃ الحدیث کے متعلق نازل شدہ آیت کی وضاحت (۳) کلالہ کی اشتقاقی تحقیق (۴) کلالہ کی تفسیر میں اختلاف کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس پیدل تشریف لائے میری عیادت کرنے کیلئے، پس میرے اوپر بیہوشی طاری ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی میرے اوپر ڈال دیا، مجھے افاقہ ہوا تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال کا کیا فیصلہ کروں؟ آپ ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آیتِ میراث **یستفتونك قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالة** نازل ہوگئی۔

② قصۃ الحدیث کے متعلق نازل شدہ آیت کی وضاحت:۔ روایات میں بظاہر تعارض ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق آیتِ میراث (**یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم الخ**) نازل ہوئی جبکہ دیگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق آیتِ کلالہ (**یستفتونك قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالہ الخ**) نازل ہوئی ہے۔

0313 6357973 makabazahariyanoltan@gmail.com

حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے متعلق آیتِ میراث کا نزول وہم ہے، ان کے متعلق آیتِ کلالہ نازل ہوئی تھی جبکہ آیتِ میراث حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس وہم والے قول کو غلط قرار دیا ہے اور کہا کہ اس روایت کو نقل کرنے میں ابنِ جریج متفرد نہیں ہے بلکہ ترمذی وحاکم نے عمرو بن ابی قیس سے اس کی متابعت نقل کی ہے اور اسماعیلی نے عبید بن حمید سے، ترمذی نے سفیان بن عیینہ سے بھی اِس مفہوم کی روایت نقل کی ہے، حتیٰ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الفرائض میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آیتِ میراث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بہرحال دونوں طرف روایات موجود ہیں۔

ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں آیتِ میراث کا آخری حصہ **وان کان رجل یورث کلالة الخ**

نازل ہوا ہے اور آیت کا ابتدائی سارا حصہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کے متعلق نازل ہوا ہے۔ آیت کا ابتدائی حصہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ آیتِ میراث کے ابتدائی حصہ میں ایسے لوگوں کے احکام میراث بیان کئے گئے ہیں جن کی اولاد ہو جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قصہ کے بعض طرق میں یہ ہے کہ میرا وارث کلالہ ہے اور کلالہ وہ میت ہے جس کا ولد اور والد نہ ہو اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اُس وقت ولد اور والد دونوں ہی نہیں تھے۔

الغرض آیتِ کلالہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی نازل ہوئی ہے اور آیتِ میراث کا آخری حصہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا ہے جبکہ آیتِ میراث کا ابتدائی حصہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کے متعلق نازل ہوا ہے۔ (کشف الباری، تفسیر ص ۱۴۱)

③ کلالہ کی اشتقاقی تحقیق:۔ کلالہ لغوی اعتبار سے کیا ہے اور کس سے مشتق ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بقول ابوعبیدہ رحمہ اللہ کلالہ کا لفظ **تَکَلَّلَ** کا مصدر ہے بمعنی **تَطَرَّف** یعنی طرف میں ہونا جیسا کہ ابن العم یہ عمودِ نسب میں نہیں بلکہ طرف میں ہے، مگر کلالہ کی صورت میں یہ ولد اور والد کی طرف کو لے لیتا ہے کیونکہ کلالہ کی صورت میں اصول وفروع کی میراث کا حصہ اطراف میں واقع رشتہ داروں کو ملتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلالہ **اِکْلِیْل** بمعنی تاج سے ماخوذ ہے کیونکہ کلالہ نے بھی تاج کی طرح میت کو گھیرا ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلالہ **کلال** (تھک جانا) کے معنی میں ہے، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے اور باپ بیٹے کے علاوہ بقیہ قرابت کو کلالہ کہا گیا ہے، اس لئے کہ یہ باپ اور بیٹے کی نسبت کمزور قرابت ہے۔

④ کلالہ کی تفسیر میں اختلاف کی وضاحت:۔ کلالہ کی تعریف وتفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس میں چار اقوال ہیں ① کلالہ اس میت کے مالِ موروث کو کہتے ہیں جس کا کوئی ولد اور والد نہ ہو ② کلالہ اسم مصدر ہے اور اُس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا ولد اور والد نہ ہو ③ کلالہ میت کے ان وارثوں کا نام ہے جس میں میت کا کوئی ولد اور والد نہ ہو، اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہونگے ④ کلالہ اس میت کا نام ہے جس کا کوئی ولد اور والد زندہ موجود نہ ہو، یہی جمہور کا قول ہے، مگر قرآن وحدیث میں کلالہ کا اطلاق میت اور وارث دونوں پر ہوا ہے۔ (کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۱۶۹)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**عن جندب بن سفیان قال شهدت الاضحی مع رسول الله ﷺ فلم یعد ان صلی و فرغ من صلاته سلم فاذا هو یری لحم اضاحی قد ذبحت قبل ان یفرغ من صلاته فقال من کان ذبح اضحیته قبل ان یصلی او نصلی فلیذبح مکانها اخریٰ ومن کان لم یذبح فلیذبح باسم الله۔** (۲:۱۵۳۔قدیمی)

ترجم الحدیث جمیلة وعرّف الاضحیة لغةً وشرعًا، الاضحیة واجبة او سنة اذکر هٰذه المسئلة فی ضوء الادلة، اذکر مذاهب الفقهاء فی ابتداء وقت الاضحیة وانتهاء وقتها۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف (۳) اضحیہ کے سنت یا واجب ہونے کی وضاحت مع الدلائل (۴) اضحیہ کے ابتدائی وانتہائی وقت میں اختلاف۔

0313 6357913 maktabazkaryamulhan@gmail.com

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں قربانی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا اور رسول اللہ ﷺ ابھی تک نمازِ دن سے نہیں لوٹے تھے اور ابھی تک نمازِ عید سے فارغ نہیں ہوئے تھے پس اچانک آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت دیکھا جسے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی نماز یا ہماری نماز سے قبل جانور ذبح کیا ہے وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ابھی ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لیکر ذبح کرلے۔

② اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف:۔ اضحیہ لغت میں اُس بکری کو کہتے ہیں جس کو ضحوہ یعنی چاشت کے وقت ذبح کیا جائے اور اصطلاحِ شرع میں اضحیہ مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں قربت وثواب کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔

③ اضحیہ کے سنت یا واجب ہونے کی وضاحت مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مالدار شخص پر قربانی واجب ہے، امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام شافعی، امام احمد، صاحبین رحمہم اللہ کا قول اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق قربانی سنت ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل: ① **فصل لربك وانحر** اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔ ② ابنِ ماجہ کی مرفوع روایت ہے **من كان له سعة ولم يضح فلا يقربنّ مصلّانا**، اس حدیث میں استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کے لئے وعید کا ذکر ہے اور وعید ترکِ واجب پر ہوتی ہے۔ ③ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے **اقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحي**، یہ حدیث مواظبت پر دال ہے اور مواظبت بلاترک وجوب کی دلیل ہے۔

ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: دارِقطنی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **ثلاث كتبت على وهن لكم تطوع ،الوتر والنحر وركعتا الفجر**، معلوم ہوا کہ قربانی فرض وواجب نہیں ہے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جو کہ قابلِ حجت نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ علی سبیل التسلیم اس حدیث میں **كتبت** کا لفظ مستعمل ہے جو فرض کیلئے آتا ہے لہٰذا امت کے حق میں فرضیت کی نفی ہے وجوب کی نہیں اور فرض وواجب میں فرق واضح ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے صرف ایک یا دو سال قربانی کی ہے، مستقل قربانی نہیں کی، معلوم ہوا کہ قربانی واجب نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ قربانی مالدار پر ہوتی ہے اور یہ دونوں حضرات مالدار نہ تھے کیونکہ یہ بیت المال سے بقدرِ کفایت وظیفہ لیتے تھے۔ (کشف الباری کتاب الاضاحی ص ۳۲۲)

④ اضحیہ کے ابتدائی وانتہائی وقت میں اختلاف:۔ قربانی کے ابتدائی وقت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ① حضرات حنفیہ کے نزدیک شہروں میں قربانی کا وقت نمازِ عید کے بعد اور دیہاتوں میں صبح صادق کے طلوع کے بعد شروع ہوتا ہے ② حضرات مالکیہ کے نزدیک امام کے قربانی کرنے کے بعد عام لوگوں کی قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے، اگر کسی نے امام سے پہلے جانور ذبح کیا تو ان کے نزدیک دوبارہ قربانی کرنی ہوگی ③ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب سورج طلوع ہونے کے بعد نمازِ عید اور دو خطبوں کے بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہوجاتا ہے، چاہے امام نے نمازِ عید پڑھائی ہو یا نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔ (کشف الباری کتاب الاضاحی ص ۳۴۴)

قربانی کے انتہائی وقت میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے۔ ① امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک تین دن تک قربانی کی جاسکتی ہے (یوم النحر اور دو دن اس کے بعد یعنی دس، گیارہ، بارہ) ② امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار دن تک قربانی کی جاسکتی ہے (یوم النحر اور اس کے بعد کے تین دن) ③ ابن سیرین، داؤد ظاہری اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی کا صرف ایک دن ہے (یوم النحر) امام بخاری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ انہوں نے بخاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اس میں ہے **اليس يوم النحر؟ قلنا: بلٰى** اس میں یوم کو نحر کی طرف مضاف کیا ہے اور **النحر** میں الف لام جنس کا ہے یعنی نحر کا صرف ایک دن ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں **النحر** سے نحر کا مل مراد ہے، لام کمال کیلئے بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صحیح ابن حبان میں موجود حضرت جبیر بن معظم رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **كل فجاج منى منحر وفى كل ايام التشريق ذبح** (منٰی کا ہر پہاڑی درّہ قربان گاہ ہے اور ایامِ تشریق کے ہر دن میں ذبح جائز ہے)۔ جواب یہ ہے کہ ابن ابی حسین کی ملاقات حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی ہے لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

ان کا دوسرا استدلال بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے کہ انہوں نے فرمایا **الاضحى ثلاثة ايام بعد يوم النحر** (یوم النحر کے بعد تین دن تک قربانی جائز ہے)۔ لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سند جید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت نقل کی ہے **الاضحى يومان بعد يوم النحر**، نیز احتیاط بھی اسی میں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے، انہوں نے فرمایا **ايام النحر ثلاثة ايام او لهن افضلهن**،

0313 6262913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی اس طرح کی روایت منقول ہے۔(کشف الباری کتاب الاضاحی ص ۳۳۰)

الشق الثانی.....**حدثنی جابر بن عبدالله انه كان يسير على جمل له قد اعيىٰ فاراد ان يسيبه قال : فلحقنی النبی ﷺ فدعا لی وضربه فسار سيرا لم يسر مثله قال: بعنيه بوقية قلت لا، ثم قال بعنيه فبعته بوقية واستثنيت عليه حملانه الى اهلی فلما بلغت اتيته بالجمل فنقدنی ثمنه ثم رجعت فارسل فی اثری فقال اترانی ماكستك لآخذ جملك خذ جملك ودراهمك فهو لك** ۔(ص ۲۸۔ج ۲۔قدیمی)

ترجم الحديث المذكور اذكر مسألة الشرط فی البيع عند الائمة المجتهدين مع دلائلهم حسب وجهات نظرهم ۔ الحديث المذكور من يؤيد من الائمة؟ وماهو توجيهه عند الائمة الآخرين۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)شرط فی البیع کا حکم (۳) ائمہ کے دلائل (۴)مستدلین کی تعیین اور جواب۔

جواب ..... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر سفر کر رہے تھے وہ چلتے چلتے تھک گیا، انہوں نے اسے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، کہتے ہیں مجھے نبی کریم ﷺ ملے، آپ نے میرے لئے دعا کی اور اونٹ کو مارا تو وہ ایسے چلنے لگا کہ اس جیسا کبھی نہ چلا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے مجھے ایک اوقیہ پر بیچ دو، میں نے کہا نہیں، پھر فرمایا اس کو مجھے فروخت کر دو تو میں نے اسے آپ کو ایک اوقیہ پر فروخت کر دیا اور اس پر سوار ہو کر اپنے اہل وعیال تک جانے کا استثناء کیا، جب میں پہنچا تو آپ کے پاس وہ اونٹ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اس کی قیمت نقد ادا کر دی پھر میں واپس آ گیا تو آپ نے میرے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ میں نے تم سے کم قیمت لگوائی ہے تا کہ تجھ سے تیرا اونٹ لے لوں، اپنا اونٹ بھی لے جا اور دراہم بھی تیرے لئے ہیں۔

② و ③ شرط فی البیع کا حکم اور ائمہ کے دلائل:۔ حنفیہ اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک ایک شرط تو عقد کے اندر مقتضائے عقد کے مطابق ہوتی ہے مثلاً یہ شرط کہ بائع مبیع کو مشتری کے حوالے کریگا یہ شرط لگانا تو درست ہے لیکن اسکے ساتھ دوسری ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو درست نہیں چنانچہ اس حدیث کی بنیاد پر حنفیہ رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ اگر بیع کے اندر مقتضائے عقد کے خلاف کوئی شرط ہو تو اس سے عقد بھی فاسد ہو جاتا ہے اور شرط بھی فاسد ہو جاتی ہے البتہ حنفیہ رحمہم اللہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور جس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے وہ ایسی شرط ہونی چاہیے جس میں یا تو احد المتعاقدین کا نفع ہو یا معقود علیہ کا نفع ہو مثلاً بائع نے کہا کہ میں یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم میرے باغ میں روزانہ ایک ماہ تک پانی دو گے ظاہر ہے کہ اس شرط کے اندر بائع کا نفع ہے اسی طرح اگر مشتری یہی شرط لگا دے تو اس صورت میں مشتری کا نفع ہے اس لئے یہ شرط مفسد عقد ہے تیسری صورت یہ ہے کہ اس شرط کی وجہ سے معقود علیہ کا نفع ہو مثلاً معقود علیہ ایک غلام ہے اور بائع نے یہ شرط لگا دی کہ میں غلام اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم اس کو روزانہ پلاؤ قورمہ کھلاؤ گے چونکہ اس شرط کی وجہ سے معقود علیہ کا نفع ہے اس لئے یہ شرط بھی مفسد عقد ہوگی۔

0313 6357913 maktabaazkaryamultan@gmail.com

لیکن اگر کوئی ایسی شرط عقد بیع کے اندر لگا دی جو مقتضائے عقد میں داخل تو نہیں ہے البتہ عقد کے ملائم ہے اور اس عقد کو پختہ کرنے کیلئے مناسب ہے تو ایسی شرط لگانا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور اسکی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا مثلاً بیع کے وقت مشتری نے کہا کہ میں اس کی قیمت ایک ماہ بعد دوں گا بائع نے کہا کہ مجھے منظور ہے بشرطیکہ ایک ماہ بعد دینے پر تم مجھے کفیل فراہم کرو جو اس بات کی ذمہ داری لے کہ اگر تم نے پیسے نہیں دیئے تو وہ کفیل ادا کریگا چونکہ اس میں کفیل کی شرط بائع کی طرف سے عقد کے مناسب ہے اس لئے اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا یا بائع نے یہ شرط لگا دی کہ اس ثمن کے عوض تم ایک ماہ تک میرے پاس کوئی چیز رہن رکھوا دو تو رہن کی شرط چونکہ ملائم عقد ہے اسلئے ایسی شرط لگانا جائز ہے اسی طرح اگر کوئی شرط عقد کے اندر ایسی لگا دی جو مقتضائے عقد کے تو خلاف ہے لیکن تاجروں کے عرف میں وہ شرط عقد کے اندر داخل شمار ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ شرط گویا کہ مقتضائے عقد کے اندر داخل ہوگئی

ہے ایسی شرط لگانا بھی جائز ہے جیسے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ مثلاً مشتری نے یہ کہا کہ میں یہ جوتا تم سے اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم اس میں مجھے نعل لگا کر دو گے تو چونکہ نعل لگانا ایک ایسی شرط ہے جو عرف میں متعارف ہوگئی ہے اسلئے ایسی شرط لگانا عقد کے اندر جائز ہے۔

جمہور فقہاء کا مذہب: امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ شرط لگانے سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے البتہ وہ شرط ملائم عقد ہو یا وہ شرط متعارف ہو چکی ہو تو حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط لگانا جائز ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک متعارف شرط لگانا بھی درست نہیں اور مالکیہ یہ فرماتے ہیں کہ صرف مقتضائے عقد کے خلاف ہونے سے بیع فاسد نہیں ہوتی جب تک وہ شرط مناقض عقد نہ ہو مثلاً کوئی شخص بیع کے اندر یہ شرط لگا دے کہ میں یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ایک سال تک اس کی ملکیت تمہاری طرف منتقل نہیں ہوگی چونکہ یہ شرط مناقضِ عقد ہے کیونکہ عقد کا تقاضا یہ ہے کہ ملکیت منتقل ہو جائے اس شرط کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہو جائے گا بہرحال ان تینوں اماموں کے آپس میں تھوڑے تھوڑے اختلاف کے باوجود اس بات پر اتفاق ہے کہ شرط کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہو جاتا ہے اور شرط بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر عقد کے اندر ایک شرط لگائی تو یہ جائز ہے البتہ دو شرطیں لگانا درست نہیں اس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا مثلاً مشتری نے کہا کہ میں تم سے یہ کپڑا اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم اس کو سی کر دو گے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بیع درست ہے اور اگر مشتری نے دو شرطیں لگا دیں اور یہ کہا کہ میں اس شرط پر کپڑا خریدتا ہوں کہ تم اسکو سی کر بھی دو گے اور پھر ہر ہفتے دھو کر دیا کرو گے تو اس صورت میں ایک عقد کے اندر دو شرطیں ہونے کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہو جائیگا۔

جمہور کا استدلال: جمہور فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو امام صاحب نے اپنی کتاب جامع المسانید یعنی مسند امام اعظم میں روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **نهى رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **عن بيع وشرط**، اس میں لفظ شرط مفرد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک شرط لگانا بھی ناجائز ہے۔

④ مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے نیز ان کی دوسری دلیل **لاشرطان فی بیع** ہے، اس میں شرطان تثنیہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دو شرطیں لگانا تو جائز نہیں ایک شرط لگانا جائز ہے۔

جواب یہ ہے کہ اصل میں تو بیع مطلقاً ہوئی تھی لیکن بیع کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس کوئی اور سواری نہیں ہے اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مدینہ منورہ تک اس پر سواری کی اجازت دے دیجئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ فروخت کر دیا تو اونٹ سے اتر کر علیحدہ کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم اونٹ سے اتر کر کیوں کھڑے ہو گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب یہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، آپ اس پر قبضہ کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں، مدینہ منورہ تک تم ہی سواری کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ شرط نہیں لگائی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشی سے مدینہ منورہ تک سواری کی اجازت دی تھی۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عقد ہوا تھا یہ محض صورۃً عقد تھا۔ حقیقت میں بیع مقصود ہی نہ تھی، اسلئے کہ اسی واقعہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بلوایا کہ آ کر اونٹ کی قیمت لے لو، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیسے دیئے اور کچھ زیادہ کر کے دیئے جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ پیسے لیکر واپس جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پیسے مل گئے اب گھر جا رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا اونٹ کھڑا ہے اس کو بھی لے جاؤ، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیسے بھی دے دیئے اور اونٹ بھی واپس کر دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بیع کرنا نہیں تھا بلکہ درحقیقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو نوازنا مقصود تھا۔ اور اس کیلئے یہ ایک بہانہ بنایا تا کہ اس کے ذریعہ ایک خوش طبعی بھی پیدا ہو جائے تو جب حقیقت میں یہ بیع ہی نہیں تھی تو پھر اس کے اندر اگر یہ شرط لگالی کہ مدینہ منورہ تک سواری کروں گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لہٰذا اس کے ذریعہ سے ایسی بیوع میں استدلال نہیں کیا جا سکتا جہاں مقصود

0313 6957913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہی خرید وفروخت ہو، گویا کہ وہ ایک استثنائی واقعہ تھا جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ باقی جہاں تک حدیث **لاشرطان فی بیع** میں لفظ شرطان کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک شرط تو پہلے سے خود بخود عقد کے اندر موجود ہوتی ہے وہ یہ کہ بائع مبیع کو مشتری کے حوالے کرے گا اسکے علاوہ اگر کوئی اور شرط لگادی تو پھر دو شرطیں ہو جائیں گی جس کو اس حدیث میں ناجائز کہا ہے۔(تقریر ترمذی ۱:۱۰۷)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....قال همام: قدم علينا ابوداؤد الاعمٰى فجعل يقول: ثنا البراء وثنا زيد بن ارقم فذكرنا ذلك لقتاده فقال: كذب ماسمع منهم انما كان سائلا يتكفف الناس زمن طاعون الجارف۔(ص۱۶۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث المبارك وعرف الطاعون لماذا يقال للطاعون: الجارف؟ اكتب اسم ابى داؤدو نسبه والكلام فيه عند علماء الجرح والتعديل۔ حرر الطواعين المشهورة وعيّن منها الطاعون الجارف۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) طاعون کی تعریف اور جارف کہنے کی وجہ (۳) ابوداؤد اعمٰی کا تعارف اور علماءِ جرح وتعدیل کے اقوال (۴) مشہور طاعون کا تذکرہ اور جارف کی تعیین۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ہمام کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوداؤد اعمٰی آیا اور اُس نے ہمیں حدیث بیان کرنا شروع کی "**حدثنا البراء وحدثنا زيد بن ارقم**" (یعنی اُس نے اپنے آپ کو حضرت براء رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا شاگرد ظاہر کرتے ہوئے روایت بیان کی) ہم نے اس کا تذکرہ حضرت قتادہؒ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اُس نے جھوٹ بولا، اس نے اُن سے نہیں سنا، یہ طاعونِ جارف کے زمانہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

② طاعون کی تعریف اور جارف کہنے کی وجہ:۔ طاعون عام وباء کو کہتے ہیں یعنی بدن کے نرم مقامات مثلاً بغل، ران وغیرہ میں پھنسیاں اور انتہائی گرم دردناک ورم پیدا ہو جائے اور ان کے سبز یا سیاہ یا سرخ حلقے بن جائیں اور اس کے ساتھ دل کی دھڑکن تیز ہو جائے اور قے بھی آئے۔ اور جارف جُزْفٌ (نصر) سے ہے جس کا معنیٰ کسی چیز کا بالکلیہ یا اس کا اکثر حصہ ختم کر دینا ہے اور طاعون جارف وہ طاعون کہلاتا ہے جس میں لوگ کثرت سے ہلاک ہوں۔(عمدۃ المفہم ص ۴۱)

③ ابوداؤد اعمٰی کا تعارف اور علماءِ جرح وتعدیل کے اقوال:۔ پورا نام ابوداؤد نفیع بن حارث القاص الاعمٰی کوفی ہے۔ نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے۔ امام ترمذی وابن ماجہ نے اس کی روایت نقل کی ہے (فیض المنعم)۔

یہ پانچویں درجہ کا راوی ہے، ابنِ معین نے اس کی تکذیب کی ہے۔(تقریب التہذیب)

④ مشہور طاعون کا تذکرہ اور جارف کی تعیین:۔ طاعونِ جارف کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں، علامہ نوویؒ نے طاعون کے مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مشہور طواعین پانچ ہیں۔ ① طاعون شیرویہ: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ۶ھ میں شہر مدائن میں واقع ہوا۔ ② طاعون عمواس: یہ ۱۸ھ یا بقولِ ابی زرعہ دمشقی ۱۷ھ میں عہدِ فاروقی میں ملکِ شام میں واقع ہوا۔ عمواس ایک بستی ہے جو رملہ اور بیت المقدس کے مابین واقع ہے اس طاعون میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فوت ہوئے نیز تقریباً پچیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ ③ طاعون جارف: یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں شوال ۶۷ھ میں واقع ہوا، تین روز تک مسلسل لوگ ہلاک ہوتے رہے اور روزانہ ستر ہزار آدمی وفات پاتے، اس طاعون میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تراسی اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی اولاد میں سے چالیس افراد فوت ہوئے۔ ④ طاعون فتیات یا طاعون اشراف: یہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں شوال ۸۷ھ میں بصرہ، شام، کوفہ وغیرہ میں واقع ہوا، اس میں کثرت سے نوجوان لڑکیاں اور شرفاء فوت ہوئے۔ ⑤ طاعون مسلم بن قتیبہ: یہ رجب ۱۳۱ھ میں واقع ہوا اور مسلسل تین چار ماہ تک رہا، روزانہ ایک ہزار جنازہ اٹھتا، اس طاعون میں ایوب سختیانی وغیرہ کئی حضرات فوت ہوئے۔ الغرض متعدد طاعون تاریخ سے ثابت ہیں۔

0313 6377913 maktabatulfariyamultan@gmail.com

طاعونِ جارف کے مصداق میں دو اقوال مشہور ہیں۔

قول اوّل: یہ ۶۷ھ والا طاعون جارف ہے اور اس وقت قتادہ کی عمر چھ سال تھی اور چھ سال کا بچہ واقعات ضبط کرسکتا ہے۔ یہ ابوعمر ابن عبدالبر، ابن قتیبہ عن الاصمعی اور ابوالحسن علی مدائنی اور علامہ کلاباذی کا قول ہے لیکن یہ مرجوح ہے۔

قول ثانی: یہاں ۸۷ھ والا طاعونِ فتیات مراد ہے، یہ حافظ عبدالغنی مقدسی کا قول ہے۔ علامہ نوویؒ اس قول کے متعلق فرماتے ہیں **وھوالا ظھران شاء اللّٰہ**۔ بہرحال مختلف اقوال کی وجہ یہ ہے کہ طاعون جارف کا مفہوم ان سب میں پایا جاتا ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**قال جریر: لقیت جابر بن یزید الجعفی فلم اکتب عنه کان یؤمن بالرجعة. قال مسعر: حدثنا جابر بن یزید قبل ان یحدث ما احدث. قال زهیر: قال جابر: إن عندی سبعون الف حدیث عن ابی جعفر عن النبی ﷺ کلها. قال سفیان: سمعت رجلا سأل جابرا عن قوله تعالی: ﴿فلن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی أویحکم اللّٰه لی وهوخیر الحاکمین﴾ قال: فقال جابر: لم یجئ تاویل هذا. قال سفیان وکذب.**

ترجم العبارة رائعة من المراد من ابی جعفر الذی یروی عنه جابر الجعفی؟ اذکر أوّلاً تفسیر الآیة المذکورة عند جابر الجعفی والرافضة ثم اذکر ثانیا تفسیرها الصحیح. (ص۱۵۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ابوجعفر کی مراد (۳) آیت کی رافضی وصحیح تفسیر۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ جریر کہتے ہیں کہ میری جابر جعفی سے ملاقات ہوئی مگر میں نے اس سے کوئی حدیث نہیں لکھی اس لئے کہ وہ ایمان بالرجعۃ رکھتا تھا۔ مسعر کہتے ہیں کہ ہمیں جابر بن یزید نے نئی بات وعقیدہ (ایمان بالرجعۃ) ایجاد کرنے سے پہلے حدیث بیان کی۔ زہیر کہتے ہیں جابر نے کہا کہ میرے پاس ستر ہزار احادیث ہیں جو ابوجعفر محمد باقر سے مروی ہیں اور سب مرفوع ہیں۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سنا جس نے جابر جعفی سے آیت کریمہ "**فلن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی اویحکم اللّٰه لی**" کا مطلب پوچھا تو اس نے کہا جابر نے جواب دیا کہ اس کا مصداق ابھی تک ظاہر نہیں ہوا، سفیان کہتے ہیں کہ جابر نے جھوٹ کہا ہے۔

② ابوجعفر کی مراد:۔ ابوجعفر سے مراد محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں جو ابوجعفر محمد باقر سے مشہور ہیں اور ثقہ رواۃ میں سے ہیں۔ (تقریب التہذیب)

③ آیت کی رافضی وصحیح تفسیر:۔ جابر جعفی وروافض کے نزدیک اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آسمانوں میں ہیں اور ان کی اولاد میں سے جو شخص بھی حکومتِ وقت سے بغاوت وغیرہ کرتے ہوئے خروج کرتا ہے تو ہم اُس وقت تک اس کے ساتھ خروج نہیں کرتے جب تک کہ آسمان سے نداء وآواز نہ آئے، ہم اُسکے ساتھ اُس وقت نکلتے ہیں جب آسمان سے منادی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) آواز دیتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ ملکر خروج کرو۔ جابر جعفی کہتا ہے کہ اس آیت کی یہ تاویل وتفسیر ہے۔ (فیض المنعم)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق ہے کہ جب بنیامین کے سامان میں سے شاہی پیمانہ نکلنے کی وجہ سے اس کو روک لیا گیا تھا تو اُس وقت بڑے بھائی نے کہا تھا میں اُس وقت تک اس سرزمینِ مصر سے واپس نہ جاؤں گا جب تک کہ میرا والد مجھے اجازت نہ دیدے، یا پھر اللہ تعالیٰ بھائی کو چھوڑ کر مجھے یہاں سے جانے کا حکم بھیج دے یا میری موت کا حکم دیدے یا میرے بھائی کو رہا کرنے کا حکم دیدے یا مجھے بھائی کو چھڑانے کیلئے اہلِ مصر سے لڑنے کا حکم دیدے اور وہ سب حاکموں کا حاکم ہے، اس کا حکم غلط نہیں ہوسکتا۔ (مظہری)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....**عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ مَا یُخْرِجُ اللّٰهُ لَکُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْیَا قَالُوْا: وَمَا زَهْرَةُ الدُّنْیَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بَرَکَاتُ الْاَرْضِ، قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ**

وَهَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ ؟ قَالَ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ إِنَّ كُلَّ مَا أَنْبَتَ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرِ، فَإِنَّهَا تَأْكُلُ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ ثُمَّ اجْتَرَّتْ وَبَالَتْ وَثَلَطَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ، إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُونَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ۔(ص۳۳۶۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث وشكله۔ ضرب رسول اللهﷺ لهم مثلاً بحالتي المقتصد والمكثر فعليك بيانه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)حدیث پر اعراب(۳)مقتصد ومکثر کی حالت کی وضاحت۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ مجھے تمہارے متعلق اس بات کا خوف ہے جو اللہ تمہارے لئے دنیا کی زینت سے نکالے گا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول دنیا کی زینت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا زمین کی برکات۔صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول کیا خیر کا بدلہ برائی بھی ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں خیر کا نتیجہ خیر ہی ہوتا ہے، خیر کا نتیجہ خیر ہی ہوتا ہے، خیر کا نتیجہ خیر ہی ہوتا ہے۔ہاں یہ ہے کہ بہار میں اُگنے والا سبزہ مار دیتا ہے یا قریب المرگ کر دیتا ہے سوائے ان سبزہ خور جانوروں کے جو کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی کوکھیں پھول جاتی ہیں پھر دھوپ میں آجاتے ہیں پھر جگالی اور پیشاب کرتے ہیں اور اُگال نگل لیتے ہیں پھر دوبارہ لوٹتے ہیں تو کھاتے ہیں (یعنی انہیں کچھ نہیں ہوتا) بے شک ہر مال سبز وشاداب اور میٹھا ہے۔پس جو اس کو حق کے ساتھ وصول کرے اور اس کے حق ہی میں خرچ کرے تو یہ بہترین مددگار ہے اور جو اسے ناحق طریقہ سے حاصل کرے تو وہ اسی کی طرح ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔

② حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

③ مقتصد ومکثر کی حالت کی وضاحت:۔ مال مطلقاً شر نہیں ہے بلکہ مال کے خیر یا شر ہونے کا مدار انسان کے کسب پر ہے، اگر مال جائز اور حلال طریقے سے کمایا جائے اور راہِ حق میں خرچ کیا جائے تو یہ مال دنیا اور آخرت میں صاحبِ مال کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر مال حرام ومشتبہ طریقہ سے کمایا جائے اور راہِ حق میں خرچ کیا جائے یا مال تو جائز طریقہ سے کمایا جائے مگر راہِ حق میں خرچ نہ کیا جائے تو یہ مال دنیا وآخرت میں وبال ہے۔بطورِ مثال آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے موسم بہار میں سبزہ نکلتا ہے، ایک جانور صرف ضرورت کے لئے کھاتا ہے چارہ ہضم کرنے کے لئے دھوپ میں بیٹھتا ہے، جگالی کرتا ہے، چارہ ہضم کرکے دوبارہ کھانا شروع کر دیتا ہے تو چارہ اس جانور کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ فائدہ مند ہوتا ہے۔یہی مثال مقتصد انسان کی ہے کہ وہ مال جائز طریقہ سے کماتا ہے اور اُسے راہِ حق میں خرچ کرتا رہتا ہے تو یہ مال دنیا وآخرت میں اُس کے لئے ضرر کا باعث نہ ہوگا۔دوسرا جانور جو حرس میں آکر خوب کھاتا ہے حتیٰ کہ پیٹ پھول جاتا ہے، بدہضمی کا شکار ہو کر نتیجتاً مر جاتا ہے یا قریب المرگ ہو جاتا ہے، یہی مثال مکثر کی ہے کہ وہ حرام اور مشتبہ طریقہ سے مال کو کماتا ہے یا راہِ حق میں خرچ نہیں کرتا تو یہ مال اُس کے لئے ہلاکت کا باعث ہوگا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....عن رافع بن خديج قال:سمعت رسول اللهﷺ يقول : شرالكسب مهر البغي وثمن الكلب وكسب الحجام وفي رواية:نهى عن ثمن الكلب ومهرالبغي وحلوان الكاهن۔(ص۱۹۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحديث:استدل بهذاالحديث بعض اهل الظاهر على حرمةكسب الحجام مطلقا،اذكر مذهب الأئمةالاربعة وجمهورالعلماء مدللا۔ استدل ايضًابهذاالحديث جماعة من الفقهاء على حرمة بيع الكلب وبطلانه اذكر مذاهب العلماء في هذه المسئلة بالتفصيل وبيّن دلائلهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں۔(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)حجام کی کمائی میں ائمہ اربعہ وجمہور کا مذہب مع الدلائل(۳)بیع الکلب میں علماء کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے

ہوئے سنا کہ بدترین کمائی زانیہ کی اجرت، کتے کے ثمن اور حجام کی کمائی ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اُجرت اور کاہن ونجومی کی اجرت ومٹھائی سے منع فرمایا۔

② حجام کی کمائی میں ائمہ اربعہ وجمہور کا مذہب مع الدلائل:۔ کچھ پیشے اور خرید وفروخت اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہوتے ہیں مگر شریعت ان کو پسند نہیں کرتی مثلاً بیت الخلاء صاف کرنے کا پیشہ، اسی طرح پچھنے لگانے کا پیشہ اور بدن کی چمپی کرنے کے پیشے جائز ہیں مگر پسندیدہ نہیں، کیونکہ اوّل میں نجاست سے قرب ہے، ثانی میں گندہ خون بار بار منہ میں لینا پڑتا ہے اور ثالث میں ننگے جسم پر نظر پڑتی ہے مگر یہ پیشے جائز ہیں۔ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کو اُجرت میں دو صاع غلہ دیا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ پیشہ جائز ہے پھر بھی آپ ﷺ نے اس پیشہ سے منع فرمایا ہے۔ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا غلام پچھنے لگانا جانتا ہے پس کیا میں اس سے یہ دھندہ کرا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا، اس نے دوسری مرتبہ پوچھا، آپ ﷺ نے پھر منع کیا اس نے تیسری مرتبہ پوچھا تو آپ ﷺ نے اجازت دی اور فرمایا وہ جو اُجرت لائے اسے خود نہ کھانا بلکہ اپنی اونٹنی کو اور اپنے غلام کو کھلا دینا حالانکہ جانوروں کو اور غلاموں کو وہی چیز کھلا سکتے ہیں جو اپنے لئے حلال ہے اور جو اپنے لئے حلال نہیں وہ جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں، نہ غلاموں کو کھلانا جائز ہے۔پس معلوم ہوا کہ پچھنے لگانے کی اُجرت جائز ہے مگر یہ کام پسندیدہ نہیں، اسی طرح کچھ بیوع ہیں مثلاً کتے اور بلی کی خرید وفروخت اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہے مگر چونکہ یہ کاروبار پسندیدہ نہیں اس لئے آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔(تحفۃ الالمعی ج۴ص۲۰۳)

③ بیع الکلب میں علماء کا اختلاف مع الدلائل:۔ صاحبِ ہدایہ کے نزدیک ہر کتے کی بیع جائز ہے اور جب کتے کی بیع جائز ہے تو ثمن حلال ہے اور علامہ سرخسیؒ کے نزدیک (جو صاحبِ ہدایہ کے استاذ الاستاذ ہیں) صرف معلّم کتے کی بیع جائز ہے یعنی وہ کتا جس کو کوئی فن سکھایا گیا ہو اس کی بیع جائز ہے اور غیر معلّم کتے کی بیع ناجائز ہے۔علامہ کشمیریؒ نے اس رائے کو پسند کیا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک کتا نجس العین ہے، پس اس کی بیع اور ثمن کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر کتے کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں، بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک تو کتے کا جھوٹا پاک ہے اور ایک غیر صحیح روایت اس کی حلت کی بھی ہے، پس اس کی بیع اور ثمن دونوں حلال ہوں گے۔

امام شافعیؒ نے کتے کی بیع کے عدمِ جواز پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا مگر جب ان سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ نے تو بلی کی قیمت سے بھی منع فرمایا ہے حالانکہ وہ آپ کے نزدیک جائز ہے؟ پس انہوں نے جواب دیا کہ یہ ممانعت اسلئے ہے کہ شریعت چاہتی ہے کہ بلی مباح الاصل رہے لیکن اگر کسی کو بلی کی ضرورت ہو اور مفت نہ ملے تو خرید سکتا ہے، پس یہی جواب کتے کی قیمت کی ممانعت کا بھی دیا جا سکتا ہے یعنی شریعت کتے کو بھی مباح الاصل رکھنا چاہتی ہے لیکن اگر مجبوری ہو تو کتے کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس کا ثمن حلال ہے مگر کتوں کا کاروبار کوئی پسندیدہ کاروبار نہیں۔مزید وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔(ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....**عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال:لویعطی الناس بدعواهم لادعی ناس دماء رجل واموالهم ولکن الیمین علی المدعی علیه.وعن ابن عباس ان رسول اللّٰه قضی بیمین وشاهد.**

ترجم الحدیثین سلسة واشرح الحدیث الاول مختصرا.(ص۴۷۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں۔(۱) احادیث کا ترجمہ (۲) پہلی حدیث کی تشریح۔

جواب..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو ان کے دعویٰ کے مطابق دیدیا جائے تو لوگ آدمیوں کے خون واموال کا دعویٰ کریں گے لیکن قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ذریعہ فیصلہ فرمایا۔

② پہلی حدیث کی تشریح:۔ ارشادِ نبوی کا حاصل یہ ہے کہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ کی وجہ سے مطلوبہ اشیاء سپرد کر دی جائیں

اوران سے گواہ کا مطالبہ نہ کیا جائے تو پھر لوگ اپنے مخالفین کے خون واموال تک کا دعویٰ کر دیں گے اور مخالفین کے پاس جان ومال میں سے کوئی چیز نہ چھوڑیں گے اس لئے ثبوتِ دعویٰ کیلئے گواہ ضروری ہیں۔البتہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی، مدعی کی قسم کا اعتبار نہیں ہے۔

الشق الثانی.....عن ابی قتادة قال:خرجنامع رسول اللهﷺعام حنين فلما التقيناكانت للمسلمين جولةقال:فرأيت رجلا من المشركين قد علا رجلا من المسلمين فاستدرت اليه حتى أتيته من ورائه فضربته على حبل عاتقه واقبل على فضمنى ضمة وجدت منها ريح الموت ثم ادركه الموت فارسلنى فلحقت عمربن الخطاب فقال مالللناس؟ فقلت امراللهثم ان الناس رجعوا وجلس رسول اللهﷺفقال: من قتل قتيلاله عليه بينة فله سلبه قال:فقمت فقلت من يشهدلى....؟فقال رسول اللهﷺ مالك ياابا قتادة؟ فقصصت عليه القصةفقال رجل من القوم:صدق يارسول الله سلب ذالك القتيل عندى فأرضه من حقه فقال ابوبكر الصديقؓ لاهااللهٰ اذا لايعمد الى اسد من اسدالله يقاتل عن اللهوعن رسوله فيعطيك سلبه فقال رسول اللهﷺ:صدق فأعطه اياه،فأعطانى وفى حديث الليث:كلالايعطه اضيبع من قريش ويدع اسدامن اسدالله۔(ص۸۶۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحديث واشرح قوله:كلالايعطه اضيبع وفى رواية اصيبغ من قريش ويدع اسدا من اسدالله۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دوامور مطلوب ہیں۔(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)**كلالايعطه اضيبع الخ** کی تشریح۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین (کے موقعہ پر جہاد) کیلئے نکلے تو جب کافروں سے ہمارا مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مشرکوں میں سے ایک آدمی کو مسلمانوں میں سے ایک آدمی پر چڑھائی کئے ہوئے دیکھا، میں اس کی طرف گھوما یہاں تک کہ اس کے پیچھے سے آکر اس کی شہ رگ پر تلوار ماری اور وہ میری طرف بڑھا اور اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس نے مجھے اتنا دبایا کہ میں اس سے موت کا ذائقہ محسوس کرنے لگا لیکن اس نے مجھے فوراً ہی چھوڑ دیا اور وہ خود مر گیا (پھر اس کے بعد جا کر) میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مل گیا تو انہوں نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کا حکم، پھر (کچھ دیر بعد) لوگ واپس لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جو آدمی کسی کافر کو قتل کرے اور اس قتل پر اس کے پاس گواہ بھی موجود ہوں (تو مقتول سے چھینا ہوا) سامان اُسی کا ہے۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کون ہے جو میری گواہی دے؟.....

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوقتادہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے آپ کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کر دیا۔لوگوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا اے اللہ کے رسول اس نے سچ کہا ہے اور مقتول کا سامان میرے پاس ہے، اب آپ اسے منالیں کہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، نہیں اللہ کی قسم ہرگز نہیں، ایک اللہ کا شیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے لڑے اور مقتول سے چھینا ہوا مال تجھے دیدے (نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر سچ کہہ رہے ہیں، اب وہ مال تو اُن کو دے اس نے وہ مال مجھے دیدیا اور لیث کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں، آپ یہ مال قریش کی ایک لومڑی کو نہیں دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے شیروں میں سے ایک شیر کو نہیں چھوڑیں گے۔

② **كلّالايعطه اضيبع الخ** کی تشریح:۔**اضیبع** (ضاد اور عین کے ساتھ) **اضبع** کی تصغیر ہے، **اضبع** اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے بازو چھوٹے ہوں، یہ لفظ کمزور اور ضعیف کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اصیبغ (صاد وغین کے ساتھ) حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے اسکا ترجمہ ''رنگیلا'' کیا ہے۔یہ لفظ ایسے آدمی کیلئے تحقیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو مہمات میں حصہ نہ لیتا ہو اور لوگوں کی نظر میں حقیر ہو، جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ رنگیلے مزاج کا آدمی اس

0313 6357913 makkabazakiyamultan@gmail.com

قابل کہاں کہ مقتول کا سلب اس کو دے دیا جائے۔(کشف الباری، کتاب المغازی، ص ۵۴۲)

﴿الورقة الثانية: الصحيح للامام مسلمؒ﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اَصَبْتُ شَارِفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَغْنَمٍ يَوْمَ بَدْرٍ وَاَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَارِفًا اُخْرٰى فَاَنَخْتُهُمَا يَوْمًا عِنْدَ بَابِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَحْمِلَ عَلَيْهِمَا اِذْخِرًا لِاَبِيْعَهُ وَمَعِيْ صَائِغٌ مِنْ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ فَاَسْتَعِيْنَ بِهٖ عَلٰى وَلِيْمَةِ فَاطِمَةَ وَحَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَشْرَبُ فِيْ ذٰلِكَ الْبَيْتِ مَعَهٗ قَيْنَةٌ تُغَنِّيْهِ فَقَالَتْ اَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ فَثَارَ اِلَيْهِمَا حَمْزَةُ بِالسَّيْفِ فَجَبَّ اَسْنِمَتَهُمَا وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا ثُمَّ اَخَذَ مِنْ اَكْبَادِهِمَا....(كتاب الاشربة. باب تحريم الخمر....)

شكّل الحديث ثم ترجمه ترجمة سلسة. حقّق الكلمات المخطوطة لغة و صرفا.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ کلماتِ مخطوطہ کی تحقیق۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مر في السوال آنفا.**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجھے ایک اونٹنی ملی اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک اور اونٹنی عطا فرما دی میں نے ان دونوں اونٹنیوں کو انصار کے ایک آدمی کے دروازہ پر بٹھا دیا اور میں یہ چاہتا تھا کہ میں ان پر اذخر لاد کر لاؤں تا کہ میں اسے بیچوں اور میرے ساتھ بنی قینقاع کا ایک سنار بھی تھا اور میں اس عمل کے ذریعہ حضرت فاطمہؓ کے ولیمہ کی تیاری کروں اور اسی گھر میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ شراب پی رہے تھے ان کے ساتھ ایک باندی تھی جو کہ شعر پڑھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی اے حمزہ! ان موٹی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کیلئے اٹھو، حضرت حمزہ یہ سن کر اپنی تلوار لے کر ان اونٹنیوں پر دوڑے اور ان کی کوہان کاٹ دی اور ان کی کوکھوں کو پھاڑ ڈالا پھر ان کا کلیجہ نکال دیا۔

③ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ **اَصَبْتُ**: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر اِصَابَةٌ (افعال۔اجوف) پانا۔

اَنَخْتُ: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر اِنَاخَةٌ (افعال۔ناقص) بمعنی اونٹ بٹھانا۔

اَلشُّرُفُ: یہ شُرْفَةٌ کی جمع ہے بمعنی عمدہ مال۔ **خَوَاصِرَ**: یہ خَاصِرَةٌ کی جمع ہے بمعنی پہلو۔کوکھ۔

ثَارَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر ثَوْرًا ثَوْرَانًا (نصر۔اجوف) بمعنی جوش میں آنا وبھڑکنا۔

اَسْنِمَةٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد سَنَامٌ ہے بمعنی کوہان۔بالائی حصہ۔عظمت وبلندی۔

الشق الثانی.....عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُجَاءُ بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهٗ كَبْشٌ اَمْلَحُ..... فَيُقَالُ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُوْنَ هٰذَا فَيَشْرَئِبُّوْنَ وَيَنْظُرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ قَالَ وَيُقَالُ يَا اَهْلَ النَّارِ هَلْ تَعْرِفُوْنَ هٰذَا فَيَشْرَئِبُّوْنَ وَيَنْظُرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهٖ فَيُذْبَحُ قَالَ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ.

شكل الحديث ثم ترجمه. اشرح الحديث و بيّن حقيقة الموت و كيفية عرضه مع انه ليس بجسد.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح وموت کی حقیقت ④ موت کو پیش کرنے کی کیفیت۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مر في السوال آنفا.**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن موت کو نمکین رنگ کے ایک دنبے کی شکل میں لایا جائے گا.....پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنت والو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جنتی اپنی گردنیں اٹھا کر

دیکھیں گے اور کہیں گے جی ہاں یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جہنم والو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جہنمی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے جی ہاں یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنت والو! اب ہمیشگی ہے، موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! اب ہمیشگی ہے، موت نہیں ہے۔

③ حدیث کی تشریح وموت کی حقیقت:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موت کو ایک دنبے ومینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے اہلِ جنت! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جنتی اپنی گردنیں وایڑیاں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے اہلِ جہنم! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جہنمی اپنی گردنیں وایڑیاں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر حکم ہوگا اے اہلِ جنت واہلِ جہنم! آج موت کو بھی موت آگئی ہے، آج کے بعد کسی پر موت طاری نہ ہوگی، لہٰذا اے اہلِ جنت! آج تم جہاں ہو ہمیشہ یہیں رہو گے اور اے اہلِ جہنم! آج تم جہاں ہو ہمیشہ یہیں رہو گے، آج کے بعد موت نہیں ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک زندگی کی طرح موت بھی مخلوق ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے **الذی خلق الموت والحیاۃ**، البتہ وہ جسم وجسم سے آزاد ہے اور حکمِ خداوندی ہے۔ معتزلہ کے نزدیک موت عرض نہیں بلکہ عدمِ حیات کا نام ہی موت ہے، بذاتہٖ موت کوئی مخلوق نہیں اور اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

④ موت کو پیش کرنے کی کیفیت:۔ موت ایک عرض ہونے کی وجہ سے جسم نہیں ہے مگر اس کو صورتِ مثالیہ مینڈھے کی صورت میں لاکر ذبح کیا جائے گا، تاکہ حسی طور پر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج کے بعد موت نہیں ہے۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اس پر ایسی کوئی علامت ونشانی لگا دیں جو اس کے موت ہونے پر دال ہو۔ (انعامات المنعم)

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٩ھ

الشق الاوّل.....**عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تمنعوا النساء من الخروج الی المساجد باللیل فقال ابن لعبد اللّٰہ بن عمر لا ندعھن یخرجن فیتخذنہ دغلا قال فزبرہ ابن عمر وقال اقول قال رسول اللّٰہ ﷺ وتقول لا ندعھن ۔ (باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ.....)**

ترجم الحدیث ثم حقّق الالفاظ الّتی فوقھا خط ۔ بیّن اسباب خروج النساء الی المساجد فی زمن النبیّ ﷺ مع شروطہ فی ذاک الزمان۔ ما حکم خروج النساء الی المساجد فی زماننا وضّحہ فی آراء الفقھاء ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② الفاظِ مخطوطہ کی تحقیق ③ دورِ نبوی میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کے اسباب وشرائط اور موجودہ دور میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم عورتوں کو رات کے وقت مساجد کی طرف نکلنے سے نہ روکو تو ابن عمرؓ کے بیٹے نے عرض کیا کہ ہم تو ان کو نہیں جانے دیں گے تاکہ وہ اس کو دھوکہ وفریب کا ذریعہ نہ بنالیں ابن عمرؓ نے اپنے بیٹے کو خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کرتا ہوں اور تو کہتا ہے ہم ان کو اجازت نہیں دیں گے۔

② الفاظِ مخطوطہ کی تحقیق:۔ **یَتَّخِذْنَ**: یہ باب افتعال (مہموز) سے مضارع کا صیغہ ہے بمعنی بنانا۔

دَغَلًا: یہ اسم ہے بمعنی فساد وتباہی۔ خوف وہلاکت کی جگہ۔ دھوکہ وفریب کا ذریعہ۔

زَبَرَ: یہ مصدر **زَبْرًا** (نصر وضرب) سے ماضی معلوم کا صیغہ ہے بمعنی ڈانٹنا۔ جھڑکنا ومنع کرنا۔

③ دورِ نبوی میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کے اسباب وشرائط اور موجودہ دور میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کا حکم:۔ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں مسجدوں میں آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی برکات کے حصول اور دینی مسائل واحکام سیکھنے کی خاطر جایا کرتی تھی مگر وہ خیر کا زمانہ تھا اس لئے اُس میں اجازت تھی، بعد میں شر کے غلبہ کی وجہ سے فقہاء نے اس اجازت کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے: ① مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط نہ ہو۔ ② زیب وزینت اختیار نہ کی جائے۔ ③ خوشبو وغیرہ نہ لگائی جائے۔ ④ فتنے کا خوف اور اندیشہ نہ ہو (نووی)۔ چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ لیتے تو اُن کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے۔(الدرالمنضود ج ۲ ص ۱۳۷)

اگر چہ متقدمین حنفیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے مگر متأخرین کے نزدیک ہر طرف فتنہ وفساد، شہوت پرستی اور بے حیائی و بے پردگی کے رجحان کی وجہ سے آج کل اسکی بالکل اجازت وگنجائش نہیں ہے۔ نیز دورِ نبوی میں عورتوں کے مساجد میں جانے کی علت بھی اب نہیں پائی جاتی، کیوں کہ دینی مسائل واحکام اتنے مشہور وواضح ہو چکے ہیں کہ عورتیں گھر میں بیٹھ کر آسانی معلوم کر سکتی ہیں۔

الشق الثانی.....عن عبد الرحمن بن عبد القاری قال سمعت عمر بن الخطاب یقول! سمعت هشام بن حکیم بن حزام یقرء سورة الفرقان علی غیر ما اقرأها وکان رسول اللّٰہ ﷺ اقرأنیها فکِدتُ ان اعجل علیه ثم امهلته حتی انصرف ثم لبّبته بردائه فجئت به رسول اللّٰہ ﷺ فقلت یا رسول اللّٰہ انی سمعت هذا یقرأ سورة الفرقان علی غیر ما اقرأتنیها فقال رسول اللّٰہ ﷺ ارسله اقرأ فقرء القراءة التی سمعته یقرء فقال رسول اللّٰہ ﷺ هکذا اُنزلت ثم قال لی اقرأ فقرأتُ فقال هکذا اُنزلت ان هٰذا القرآن اُنزل علٰی سبعة احرف فاقرء وا ما تیسّر منه .(کتاب فضائل القرآن. باب بیان انّ القرآن اُنزل علٰی سبعة احرف)

ترجم الحدیث المذکور . ما هو المراد بسبعة احرف؟ اذکر القول الراجح. اذکر حکمة نزول القرآن بالقراءات المختلفة . حقق الکلمات المعلمة لغة و صرفا .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② سبعۃ احرف کی مراد ③ مختلف قرائتوں میں نزولِ قرآن کی حکمت ④ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ہشامؓ بن حکیم بن حزام سے سنا کہ وہ سورت الفرقان کو اس قراءت پر نہیں پڑھ رہے کہ جس قراءت کے ساتھ میں پڑھتا تھا اور جس طرز پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی، قریب تھا کہ میں ان پر جلدی کرتا لیکن میں نے انہیں مہلت دی تا کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائیں پھر میں ان کو چادر سے کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے ان کو سورت الفرقان اس طرح پڑھتے ہوئے نہیں سنا جس طرح آپ ﷺ نے مجھے پڑھایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو (ان سے فرمایا) تم پڑھو، انہوں نے اسی طریقہ پر پڑھا جیسے میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے، پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم پڑھو، میں نے تلاوت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح (بھی) نازل کی گئی ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے تمہیں جس طرح آسانی ہو پڑھو۔

② سبعۃ احرف کی مراد:۔ ① سبعۃ احرف سے سات مشہور قاریوں کی قرآتیں مراد ہیں۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قرآتیں سات قاریوں کی قرآتوں میں منحصر نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی متواتر قرآتیں ثابت ہیں ② سبعۃ احرف سے تمام مشہور قرآتیں مراد ہیں اور سبعۃ سے خاص عدد مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے، مگر یہ قول بھی حدیث الباب کی وجہ سے درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے قرآن کریم ایک حرف پر پڑھایا اور میں اس میں اضافہ کو طلب کرتا رہا اور وہ زیادتی کرتے رہے حتیٰ کہ وہ سات حروف پر پہنچ گئے اس سے معلوم ہوا کہ سبعۃ سے مراد عددِ خاص ہی ہے ③ امام طحاوی اور علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہما نے یہ قول اختیار کیا ہے اور اس کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے کہ احرف سے مراد معنی کو مترادف لفظ سے ادا کرنا ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن کا نزول صرف لغتِ قریش پر ہوا تھا ابتداءِ اسلام میں دوسرے قبائل کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مترادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں اور یہ مترادف الفاظ خود آپ ﷺ نے متعین فرمائے تھے جیسے تعال کی جگہ هَلُمَّ اور اَقْبِلْ کی جگہ اُدْنُ پھر جب قرآن کی لغت سے دوسرے قبائل رفتہ رفتہ مانوس ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کیساتھ قرآن کریم کے اپنے آخری دور میں یہ اجازت ختم کر دی اور صرف وہی

0213 6357013 makrabazakariyamurad@gmail.com

طریقہ باقی رکھا جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا، اور متعدد روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

مگر اس قول پر بھی ایک اشکال یہ ہے کہ جب سبعۃ احرف کا اختلاف دورِ نبوی ﷺ میں ختم ہو چکا تھا تو بعد میں کس چیز کا اختلاف باقی رہ گیا تھا جس کو ختم کرنے کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف تیار کئے تھے۔

④ علامہ ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے سبعۃ احرف سے قبائلِ عرب کی سات لغات مراد لی ہیں اور وہ سات قبائل قریش، ھذیل، ثقیف، ھوازن، کنانہ، تمیم اور یمن ہیں۔ بعض حضرات نے سات قبائل (قریش، ھذیل، تیم رباب، ازد، ربیعہ، ھوازن اور سعد بن بکر) ذکر کئے ہیں۔ سبعۃ احرف کے متعلق علامہ ابن جریر کا اختیار کردہ یہ قول سب سے زیادہ مشہور ہے اور اکثر متاخرین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الاحکام میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

⑤ محققین علماء کا قول یہ ہے کہ اس سے اختلافِ قرأت کی سات نوعیتیں مراد ہیں کیونکہ قرآتیں اگرچہ سات سے زائد ہیں مگر ان قرآتوں میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ سات قسموں میں منحصر ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱.....اسماء کا اختلاف: مفرد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث کے اعتبار سے (جیسے **تمت كلمة ربك** اور **تمت كلمات ربك**)

۲.....افعال کا اختلاف: ماضی، مضارع اور امر کے اعتبار سے (جیسے **ربنا بَاعِدْ بين اسفارنا** اور **بَعَّدَ بين اسفارنا**، **باعِد** امر اور **بَعَّدَ** ماضی ہے) ۳.....وجوہِ اعراب کا اختلاف: (جیسے **ولا يضار كاتب**، راء کے نصب اور رفع کی قرأت ہے)۔

٤.....الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: (جیسے **وما خلق الذكر والانثى** اور **والذكر والانثى** یعنی دوسری قرآت میں **مَا خَلَقَ** نہیں ہے)۔ ٥.....تقدیم و تاخیر کا اختلاف: (جیسے **وجاءت سكرة الموت بالحق** اور **وجاءت سكرة الحق بالموت**)

٦.....ابدال: یعنی ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قرآت میں دوسرا لفظ (جیسے **ننشزها** اور **ننشرها**)۔

٧.....لہجوں اور لغات کا اختلاف: ادغام، اظہار، ترقیق، تفخیم اور امالہ وغیرہ کے اعتبار سے (جیسے **موسٰى** اور **موسَى**، **اماله** کے ساتھ اور بغیر امالہ کے)۔ اس قول کو کئی علماء محققین نے اختیار کیا ہے، امام مالک، علامہ جزری، ملا علی قاری اور مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کے مطابق سبعۃ احرف ختم نہیں ہوئے اور نہ ہی منسوخ ہوئے ہیں بلکہ قرآن مجید کی تلاوت میں جو مختلف قرآتیں مشہور ہیں وہ سبعۃ احرف کا مصداق ہیں۔

علامہ ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کردہ چوتھا قول سب سے زیادہ مشہور ہے اور اکثر متاخرین کا اختیار کردہ ہے جبکہ بعض علماء محققین نے قولِ خامس کو اختیار کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۵۱)

③ <u>مختلف قراءتوں میں نزولِ قرآن کی حکمت:۔</u> قرآن کریم سب سے پہلے قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا جو سرکار دو عالم ﷺ کی لغت تھی لیکن جب تمام عرب میں اس لغت کے مطابق قرآن کا پڑھنا جانا اس لئے دشوار و مشکل ہوا کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم کی اپنی ایک مستقل لغت اور زبان کے لب و لہجہ کا الگ الگ انداز تھا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے بارگاہِ الٰہیہ میں درخواست پیش کی کہ اس سلسلہ میں وسعت بخشی جائے تو حکم دے دیا گیا کہ ہر آدمی قرآن کو اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکتا ہے چنانچہ حضرت عثمان غنی کے زمانہ تک اسی طرح چلتا رہا اور لوگ اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے قرآن پڑھتے رہے۔ لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ نے کلام اللہ کو جمع کیا اور اس کی کتابت کرا کر اسلامی سلطنت کے ہر ہر خطہ میں اسے بھیجا تو انہوں نے اسی لغت کو مستقل قرار دیا جس پر حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم اور حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کیا تھا اور وہ لغتِ قریش تھی، حضرت عثمان غنیؓ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ تمام لغات منسوخ کر دی جائیں صرف اس ایک لغت کو باقی رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے حکم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قرآن صرف ایک لغت میں جمع ہو گیا جس سے دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں کیلئے آسانیاں ہو گئیں بلکہ اس کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کی جڑ بھی ختم کر دی گئی اور فتنہ یہ تھا کہ لغات کے اختلاف کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کو اپنی لغت کے خلاف قرآن پڑھتا دیکھتا تو یہ سمجھ کر کہ صرف میرے قبیلہ ہی کی لغت صحیح

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہے اسے کافر کہہ دیا کرتا تھا، چنانچہ لغت قریش کے علاوہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا بقیہ تمام لغات ختم کردی گئیں۔(توضیحات)

④ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ اَرْسِلُ: صیغہ واحد مذکر امر حاضر معروف از مصدر اِرْسَالًا (افعال) چھوڑنا۔

اَقْرَءُ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر قُرْاٰنًا قِرَاءَۃً (نصر وفتح۔مہموز) پڑھنا۔

اَقْرَءَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِقْرَاءً (افعال۔مہموز) بمعنی پڑھانا۔

اَمْهَلْتُ: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر اِمْهَالًا (افعال) بمعنی مہلت دینا و نرمی برتنا۔

لَبَّبْتُ: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر تَلْبِيْبًا (تفعیل۔مضاعف) بمعنی گریبان پکڑ کر کھینچنا۔

اِنْصَرَفَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِنْصِرَافٌ (انفعال) بمعنی پھرنا، پلٹنا، باز رہنا۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....عن عبدالله بن عباس انّه قال: كان الفضل بن عباس رديف رسول الله ﷺ فجاء ته امرأة من خثعم تستفتيه فجعل الفضل ينظر اليها وتنظر اليه، فجعل رسول الله ﷺ يصرف وجه الفضل الى الشقّ الاٰخر، قالت: يا رسول الله! انّ فريضة الله على عباده فى الحجّ ادركت ابى شيخًا كبيرًا لايستطيع ان يثبت على الراحلة افاحجّ عنه؟ قال: نعم، وذلك فى حجة الوداع۔

ترجم الحديث ترجمةً رائعةً۔ هل يجوز الحجّ عن العاجز بسبب الشيخوخة والهرم؟ وهل هنالك فرق بين الحى والميت؟ اكتب اقوال الفقهاء رحمهم الله۔ اكتب المسائل المستفادة من الحديث المذكور۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② عاجز وميت کی طرف سے حج کی ادائیگی میں ائمہ کے اقوال ③ حدیث سے مستفاد مسائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ردیف تھے، پس قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی اور آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھنے لگی۔(اس دوران) حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف اور وہ عورت حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا شروع ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا، اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک اللہ تعالیٰ کے فریضۂ حج نے میرے بوڑھے والد کو پالیا ہے مگر وہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

② عاجز وميت کی طرف سے حج کی ادائیگی میں ائمہ کے اقوال:۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک نیابت کے متعلق اصول یہ ہے کہ جو عبادات محض مالی ہیں ان میں نیابت درست ہے اور جو عبادات محض بدنی ہیں ان میں نیابت درست نہیں ہے اور جو عبادات مالی و بدنی کا مجموعہ ہیں مثلاً حج بیت اللہ ان میں عندالعجز نیابت درست ہے بلا عجز نیابت درست نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyasultan@gmail.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، قاسم وابراہیم نخعی رحمہما اللہ کے نزدیک حج میں نیابت درست ہی نہیں ہے۔

امام مالک ولیث رحمہما اللہ کے نزدیک بھی حج میں نیابت درست نہیں ہے، البتہ اگر میت پر حج فرض تھا اور اس نے ادا نہ کیا تو اسکی طرف سے حج کرنا درست ہے مگر یہ حج اسکے فریضہ کے قائم مقام نہ ہوگا اور اگر میت نے وصیت کی تھی تو پھر ثلثِ مال میں وصیت نافذ ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عندالعجز نیابت فی الحج درست ہے اور اگر میت کے ذمہ حج فرض تھا اس کی حیثیت دَین کی ہے اور ورثاء کے ذمہ بغیر وصیت حج کرانا لازم ہے خواہ اس حج پر کل مال خرچ ہوجائے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عندالعجز نیابت فی الحج درست ہے، اگر میت نے حج لازم ہونے کے بعد حج کرانے کی وصیت نہیں کی تو ورثاء کے ذمہ حج کرانا لازم نہیں ہے اور ترکِ وصیت کی وجہ سے میت گنہگار ہوگی البتہ اگر وصیت کے بغیر کسی نے ازخود اس کی طرف سے حج کیا تو اللہ تعالیٰ سے امید یہی ہے کہ یہ حج اس سے کفایت کرجائے گا۔اور اگر میت نے وصیت کی ہے تو ثلثِ مال

سے حج کرانا ورثاء پر لازم ہے، اگر ثلثِ مال سے میت کے وطن سے حج کرانا ممکن نہ ہو تو قیاس کے مطابق وصیت باطل ہے اور اس ثلث میں بھی میراث جاری ہوگی لیکن استحساناً میت کو اس فریضہ سے سبکدوش کرنے کے لئے اس علاقہ سے کسی کو حج کروائیں گے جہاں سے ثلثِ مال حج کے لئے کافی ہو جائے۔ (درس ترمذی ج۳ ص۲۰۰)

③ حدیث سے مستفاد مسائل:۔ ① حالتِ احرام میں بھی اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا جائز نہیں جیسا کہ عام حالات میں جائز نہیں ہے۔ لہٰذا لوگوں کا یہ کہنا کہ احرام میں پردہ نہیں ہے غلط ہے۔ ② عاجز، ضعیف و معذور کی طرف سے حج کرنا جائز ہے یعنی حج میں نیابت جائز ہے۔ ③ حالتِ احرام میں بقدرِ ضرورت عورت کا اپنے چہرے کو کھولنا جائز ہے۔

الشق الثانی..... "عن عبدالله بن دينار انه سمع ابن عمر يقول: ذكر رجل لرسول الله ﷺ انّه يخدع فی البيوع ، فقال رسول الله ﷺ: من بايعت فقل: لا خلابة فكان اذا بايع يقول: لا خيابة".

ترجم الحديث۔ هل يحصل خيار الغبن لكلّ عاقدٍ بقوله "لاخلابة" او يختصّ بالرجل المذكور؟ اذكر اقوال اهل العلم بهذا الصدد مع تعيين الراجح ۔ اكتب اسم الرجل المذكور فی الحديث وبيّن معنی "خلابة"۔ لما ذاابدل الرجل المذكور قوله ﷺ فقال لا خيابة وفی بعض الروايات لا خذابة دون لا خلابة ؟ ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② لا خلابة کہنے سے خیارِ غبن حاصل ہونے کی وضاحت ③ رجلِ مذکور کی مراد، لا خلابة کا معنی اور قولِ مذکور کو بدلنے کی وجہ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہیں بیع میں دھوکہ ہو جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جس شخص سے بھی بیع کرو تو یہ الفاظ کہو لا خلابة چنانچہ وہ آدمی جب بھی کسی سے بیع کرتا تو لا خيابة کہتا۔

② لا خلابة کہنے سے خیارِ غبن حاصل ہونے کی وضاحت:۔ حنابلہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک جو شخص بھی مسترسل ہو (جسے بیوع کے معاملے میں بصیرت حاصل نہ ہو) ایسے شخص کو لا خلابة کہنے کے بعد دھوکہ لگنے کی صورت میں خیار حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو عقد کو فسخ کر دے، جب کہ حنفیہ، شافعیہ اور اکثر مالکیہ کے نزدیک خیارِ غبن نہیں ملے گا خواہ مسترسل ہو یا نہ ہو۔

حنابلہ و بعض مالکیہ کی دلیل حدیثِ مذکور ہے کہ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ بیوع کے معاملے میں صاحبِ بصیرت نہیں تھے، معاملہ کرتے وقت صرف لاخلابۃ کہہ دیا کرتے تھے اور جب بھی نقصان ہو جاتا تو تین دن کے اندر بیع فسخ کر دیتے تھے۔

حنفیہ، شافعیہ و اکثر مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقد آپس کی رضامندی سے محل پر واقع ہوا ہے اور متعاقدین عاقل و بالغ ہیں، لہٰذا یہ بیع دوسری بیوع کی طرح لازم ہوگی۔

حنابلہ و بعض مالکیہ کی دلیل کے دو جواب دیے گئے ہیں: ① یہ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی، یہ خیار صرف انہی کے لیے آپ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا یہ ہر مسترسل کے لیے نہیں تھا۔ اور اس خصوصیت کی دلیل دو روایتیں ہیں:

۱۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ان رسول الله ﷺ خيّرنی فی بيعی" یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے میری بیع میں خیار دیا ہے۔ ۲۔ سنن بیہقی میں حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ جب ان کو دھوکہ ہو جاتا تو وہ بائع کے پاس جا کر بیع فسخ کرنے کا مطالبہ کرتے، لیکن بائع انکار کرتا، حتی يمر به الرجل من اصحاب رسول الله ﷺ فيقول: ان رسول الله ﷺ قد جعله بالخيار فيما يبتاع ثلاثا فيرد عليه دراهمه و ياخذ سلعته۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیار انہی کی خصوصیت تھی، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دلیل میں یہ نہیں فرماتے تھے کہ مغبون کو خیار ملتا ہے بلکہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو خیار دیا ہے۔ ② حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ جو خیار استعمال فرماتے تھے وہ خیارِ شرط تھا، خیارِ غبن نہیں تھا، اور ان کا لا خلابة کہنا لوگوں میں معروف تھا کہ اس سے مراد تین دن کا خیار ہے کیوں کہ متعدد روایات میں صراحت ہے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کہ آپ ﷺ نے ان کو دیے گئے خیار کی مدت تین دن مقرر فرمائی تھی، حالانکہ تین دن کے ساتھ خیارِ شرط ہی مقید ہوتا ہے، اور خیارِ غبن کے قائلین کے نزدیک بھی یہ تین دن کے ساتھ مقید نہیں ہوتا۔

اور تین دن کی صراحت والی روایات میں سے ایک سنن بیہقی کے حوالے سے ماقبل میں ذکر کی گئی ہے اور اس کے علاوہ بھی سنن ابن ماجہ، سنن دار قطنی اور مستدرک حاکم میں تین دن کی صراحت موجود ہے۔ (درسِ مسلم)

③ رجل کی مراد، **لا خلابة** کا معنی اور قولِ مذکور کو بدلنے کی وجہ:۔ رجل سے مراد حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ ہیں یا بعض حضرات کے بقول اس کا مصداق حضرت منقذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔

خلابة کا معنی دھوکہ ہے اور **لا خلابة** کا مطلب یہ ہے کہ مجھے دھوکہ دینا تیرے لیے حلال نہیں ہے یا تیرا دھوکہ مجھ پر لازم نہیں ہوگا یعنی اگر تیری بیع میں غبن و دھوکہ ہوا تو یہ بیع مجھ پر لازم نہ ہوگی، مجھے فسخ کا اختیار ہوگا۔ مذکورہ صحابی کے **لاخلابة** کی جگہ **لاخیابة یا لاخذابة** کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحابی کسی غزوے میں شریک تھے کہ سر میں گہرا زخم لگا جس کی وجہ سے عقل میں کمی آ گئی تھی اور زبان میں بھی نقص پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے **لام** کی بجائے **یاء** و **ذال** کا تلفظ کرتے تھے۔ (درسِ مسلم)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ بِصِفِّيْنَ يَقُوْلُ: اِتَّهِمُوْا رَأْيَكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِيْ يَوْمَ اَبِیْ جُنْدُلَ وَ لَوْ اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَرُدَّ اَمْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَا سَدَدْنَا مِنْهُ فِیْ خُصْمٍ اِلَّا انْفَجَرَ عَلَيْنَا مِنْهُ خُصْمٌ.

شكّل الحديث ثمّ ترجمه مع شرح العبارة المعلمة۔ من هو ابو جندل وما المراد من يومه ؟ ۔ ما هو جواب "لو استطيع ان اردّ امر رسول الله ﷺ"؟ وما هو مرجع الضمير فی "منه"؟ ما معنی سد الخصم وانفجاره؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ مخطوطہ عبارت کی تشریح ④ ابوجندل اور **یومہٗ** کی مراد ⑤ **لو** کا جواب اور **منه** کی ضمیر کا مرجع ⑥ **سد الخصم و انفجاره** کا معنی۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مر فی السوال آنفًا**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو وائل سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو جنگِ صفین میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ دین کے معاملے میں اپنی رائے کو متہم سمجھو، میں نے یومِ ابی جندل میں خود کو دیکھا اگر میرے لیے اس وقت رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو رد کرنا ممکن ہوتا تو میں ضرور رد کر دیتا، ہم اس کی ایک جانب بند نہیں کرتے کہ اس کی دوسری جانب ہم پر کھل جاتی ہے۔

③ مخطوطہ عبارت کی تشریح:۔ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اس جنگ کے معاملے میں تم اپنی رائے کو حق سمجھتے ہوئے حرفِ آخر نہ سمجھو بلکہ اپنی رائے کو متہم سمجھو، ممکن ہے فریقِ مخالف کی رائے درست ہو، کیوں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر میری رائے یہی تھی کہ صلح نہیں ہونی چاہیے جنگ ہی ہونی چاہیے، مگر ہم نے اپنی رائے چھوڑ کر آپ ﷺ کی رائے پر عمل کیا جس کا نتیجہ وانجام بخیر ہوا، جبکہ وہاں کفر و اسلام کا معاملہ تھا اور یہاں دو مسلمانوں کا باہمی معاملہ ہے۔ (کشف الباری)

④ ابوجندل اور **یومہٗ** کی مراد:۔ ابوجندل سے مراد عاصی بن سہل بن عمرو رضی اللہ عنہ اور یومہ سے مراد صلح حدیبیہ کا دن ہے۔ (نووی)

⑤ **لو** کا جواب اور **منه** کی ضمیر کا مرجع:۔ **لو** کا جواب **لَرَدَدْتُهٗ** ہے اور ضمیر کا مرجع **الامر** ہے جو کہ ماقبل کی روایت میں اور بخاری کی روایت میں بالتصریح موجود ہے۔

⑥ **سد الخصم و انفجاره** کا معنی:۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں فتنوں کا جو دروازہ کھلا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کیسے بند کیا جائے؟ کسی ایک معاملہ کو ہم سلجھا کر فارغ نہیں ہوتے کہ دوسرا معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ (کشف الباری)

0313 6387913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....وقد تکلم بعض منتحلی الحدیث من اهل عصرنا فی تصحیح الاسانید وسقیمها بقول لوضربنا عن حکایته وذکرفساده صفحًا لکان رایا متینًا ومذهبًا صحیحًا.....(ص۲۱۔ج۱۔قدیمی)

ترجم العبارة واذکر مصداق قوله "بعض منتحلی الحدیث من اهل عصرنا"۔عرف الحدیث المعنعن واذکر الاختلاف فی حکمه مع المحاکمة بین المختلفین بکل دقة ونصفة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مذکورہ عبارت کا مصداق (۳) حدیث معنعن کی تعریف اور اس کے حکم میں اختلاف۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اور تحقیق ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد محدثین نے سندوں کو صحیح وضعیف قرار دینے میں ایسی بات کہی ہے کہ اگر ہم اس کو نقل کرنے اور اسکا فساد ظاہر کرنے سے اعراض کرتے تو وہ پختہ رائے اور صحیح مذہب ہوتا۔

② مذکورہ عبارت کا مصداق:۔ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ثبوتِ لقاء کی شرط لگائی تھی اور معاصرت کو اتصال سند کے لئے کافی نہیں سمجھا تھا؟ اس سلسلہ میں عام طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جلیل القدر استاذ علی بن المدینی کا نام لیا جاتا ہے اور تقریباً سبھی حضرات انہی کو "نام نہاد محدثین" کا مصداق بتاتے ہیں مگر اس بارے میں متعدد وجوہ سے تردد ہے: ① امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تردید میں بطورِ مثال جو روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے سات روایتیں بخاری شریف میں موجود ہیں۔ اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثبوتِ لقاء ضروری ہوتا تو وہ یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج نہ کرتے۔ ② بخاری شریف پہلے لکھی گئی ہے، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ان مسلما حذاحذ والبخاری فی صحیحه (امام مسلم اپنی صحیح میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلے ہیں) پس تردید کا آسان طریقہ یہ تھا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ "فلاں فلاں حدیثیں خود اس قائل کی کتاب میں موجود ہیں، مدعی کو چاہیے کہ وہ ان میں سماع ثابت کرے" حالانکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کا کوئی الزام قائم نہیں کیا ہے۔ ③ شیخین (بخاری ومسلم) کے درمیان تعلقات کی جو نوعیت تھی وہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے انداز تردید کے قطعاً منافی ہے۔ جب ذہلی اور بخاری رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہوا اور امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ الامن قال باللفظ فلا یحل له ان یحضر مجلسنا (جو شخص قرآن پڑھنے کو حادث مانتا ہے اس کو ہمارے سبق میں آنے کی اجازت نہیں ہے) تو امام ذہلیؒ کی مجلس سے جو دو شخص اُٹھ کھڑے ہوئے ان میں ایک امام مسلم بھی تھے بلکہ امام مسلمؒ نے تو ذہلی رحمۃ اللہ علیہ سے لکھی ہوئی تمام حدیثیں ان کو واپس کردی تھیں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ نیاز مندی آخر تک قائم رہی تھی۔ خطیب نے صراحت کی ہے کہ ولمّا ورد البخاری نیسا بورفی اٰخر امره لازمه مسلم۔

پس جس کا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نیاز مندی اور تلمذ کا تعلق ہو اس سے یہ بات کیسے ممکن ہے کہ وہ استاذ کو محدّثِ منتحل (چور) کہے اور اس کی رائے کو سُوْءُ رَوِیَّتِهٖ (بدفکری) سے تعبیر کرے۔

احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ یہ مذہب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور علی بن المدینی کا نہیں تھا بلکہ دوسرے درجہ کے کچھ محدثین کا تھا جن کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لوگوں کا ذہن اس وجہ سے گیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس نظریہ کی فی الجملہ رعایت کی ہے تاکہ ان کی کتاب بالاتفاق صحیح تسلیم کی جائے کیونکہ شیخین نے صحیحین میں متفق علیہ اسانید ہی کو لیا ہے مختلف فیہ اسانید کو نہیں لیا ہے البتہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صرف جمہور کا مذہب پیش نظر رکھا ہے شاذ رائے کا اعتبار نہیں کیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شاذ رائے کا بھی کچھ نہ کچھ خیال کیا ہے۔ (واللہ اعلم) ایک غلط فہمی اس بحث میں یہ بھی عام ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی رائے میں متفرد سمجھا جاتا ہے حالانکہ امام مسلم کی جو رائے ہے وہ صرف ان کی نہیں ہے بلکہ وہ جمہور محدثین کی رائے ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے خود تحریر فرمایا ہے ان القول الشائع المتفق علیه بین اهل العلم بالاخبار والروایات قدیما وحدیثا الخ (مشہور قول جس پر ماضی اور حال کے تمام علمائے اخبار وروایات کا اتفاق ہے وہ قول یہ ہے کہ الخ)۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ صحیح مسلم شریف اور اس کی ہر ہر حدیث کو امت نے بالاتفاق صحیح تسلیم کیا ہے، دارقطنی وغیرہ نے اگر

0313 6257913 maktabazahariyebutan@gmail.com

اعتراض کیا ہے تو بعض رواۃ کے ضعیف ہونے کا اعتراض کیا ہے، کسی نے اسانید پر عدم ثبوت لقاء کی وجہ سے انقطاع کا اعتراض نہیں کیا، جب کہ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے کا اپنی صحیح میں لحاظ کیا ہوگا۔ بلکہ کیا ہے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بطور الزام جو مثالیں دی ہیں ان میں سے متعدد روایتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں مگر کسی نے ان روایات کو منقطع نہیں کہا، پوری امت ان روایات کو متصل الاسانید مانتی ہے، پس معلوم ہوا کہ معاصرت اور امکان لقاء پوری امت کے نزدیک اتصال سند کیلئے کافی ہے اور دوسری رائے جسکی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تردید کی ہے اس کا اب کوئی قائل باقی نہیں رہا بلکہ وہ رائے خود اپنی موت مر چکی ہے۔ (فیض المنعم ص ۱۳۹)

③ حدیثِ معنعن کی تعریف اور اس کے حکم میں اختلاف:۔ حدیثِ معنعن وہ حدیث ہے جو عَنْ، عَنْ سے روایت کی گی ہو یعنی راوی سمعت یا حدثنی وغیرہ کی جگہ لفظ عَنْ استعمال کرے۔ حدیث کی صحت کے لئے جو پانچ شرطیں ہیں ان میں سے ایک **اتصال سند** ہے۔ اتصالِ سند کا مطلب یہ ہے کہ سلسلۂ سند کے ہر راوی نے مروی عنہ سے حدیث رُو در رُو سنی ہو۔ اور یہ بات صراحۃً اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب راوی سَمِعْتُ یا اس کا کوئی مترادف لفظ بولے۔ اگر راوی بصیغہ عن روایت کرتا ہے تو اس سے صراحۃً سننا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ لفظ "عَنْ" میں جس طرح سماع کا احتمال ہے انقطاع کا بھی احتمال ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ راوی نے مروی عنہ سے حدیث بالواسطہ سنی ہو اور واسطہ حذف کر کے روایت کی ہو۔ اس لئے لفظ عَنْ کی دلالت سماع پر صریح نہیں ہے۔

پس سوال پیدا ہوا کہ حدیث معنعن کو اتصال پر محمول کیا جائے یا انقطاع پر؟ تین صورتوں میں بالاتفاق انقطاع پر محمول کیا جاتا ہے۔

① راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک نہ ہو ② دونوں کا زمانہ تو ایک ہو مگر زندگی بھر دونوں میں ملاقات نہ ہونا ثابت ہو ③ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور عدمِ لقاء ثابت نہ ہو، مگر راوی مُدلس ہو، یعنی اس میں استاذ کا نام چھپانے کا مرض ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں معاصرت ہو یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو اور عدمِ لقاء (ملاقات نہ ہونا) بھی ثابت نہ ہو بلکہ ان کی باہم ملاقات ممکن ہو، اور راوی میں تدلیس کا مرض بھی نہ ہو، اور وہ بصیغہ عن روایت کرے تو اس سند کو متصل کہیں گے؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے بعض نام نہاد محدثین اس صورت میں بھی حدیثِ معنعن کو منقطع اور نا قابلِ استدلال قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حدیثِ معنعن کو متصل قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں زندگی میں کم از کم ایک بار ملاقات ثابت ہو تو پھر اس راوی کی مروی عنہ سے تمام معنعن روایتیں متصل قرار دی جائیں گی ورنہ محض معاصرت اور امکانِ لقاء کی وجہ سے حدیثِ معنعن کو اتصال پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ (فیض المنعم ص ۱۳۷)

ان حضرات کی دلیل یہ تھی کہ راوی ہر زمانہ میں ملاقات اور سماع کے بغیر لفظ عَنْ سے روایت کرتے ہیں اور جب راویوں کے نزدیک یہ بات جائز ہے تو لفظ عَنْ میں انقطاع کا احتمال ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہر راوی کے سماع کی مروی عنہ سے تحقیق کی جائے۔ اگر ایک بار بھی ملاقات کا ثبوت مل جائے تو اس کے عنعنہ کو اتصال پر محمول کیا جائے ورنہ توقف کیا جائے یعنی اس معنعن روایت سے استدلال نہ کیا جائے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور راوی نے مروی عنہ سے حدیث براہِ راست نہ سنی ہو بلکہ سند میں انقطاع ہو اور منقطع روایات سے ان محدثین کے نزدیک استدلال جائز نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ رائے قطعاً غلط ہے اور جمہور محدثین کے مسلک کے خلاف ہے، تمام ائمہ حدیث کے نزدیک اس صورت میں نفسِ معاصرت اور ملاقات کا ممکن ہونا حدیث معنعن کو متصل قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ ملاقات کا ثبوت ضروری نہیں ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو دلیلیں پیش کی ہیں۔

پہلی دلیل: یہ ہے کہ علماء متقدمین سے کسی سے اس صورت میں اتصالِ سند کے لئے ثبوتِ لقاء کی شرط مروی نہیں ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں ملاقات ثابت نہیں ہے پھر بھی تمام ائمہ ان راویوں کی معنعن حدیثوں کو اتصال پر محمول کرتے ہیں مثلاً عبداللہ بن یزید انصاری (صحابی صغیر) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۶ھ) سے بصیغۂ عَنْ ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۰ھ) سے بھی ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور حضرت

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ان دونوں صحابیوں سے ملاقات یا براہِ راست حدیث سننا کسی روایت میں مذکور نہیں ہے مگر چونکہ معاصرت ہے اور ملاقات ممکن ہے اسلئے تمام ائمہ حدیث ان کی بصیغہ "عَنْ" روایات کو متصل قرار دیتے ہیں۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی سولہ مثالیں ذکر کی ہیں۔

اور پہلی رائے غلط اس لئے ہے کہ اگر محض انقطاع کا احتمال مُضر ہو اور اس کی وجہ سے ثبوتِ لقاء ضروری ہو تو پھر ضروری ہوگا کہ کسی بھی معنعن حدیث کو متصل نہ قرار دیا جائے کیونکہ ایک بار یا چند بار ملاقات اور سماع کے بعد بھی یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ کوئی معین روایت راوی نے مروی عنہ سے براہِ راست نہ سنی ہو اور یہ محض احتمال نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے، ہمارے پاس ایسی متعدد مثالیں ہیں جن میں راوی کا مروی عنہ سے لقاء اور سماع ہے مگر بعض روایتیں راوی نے مروی عنہ سے براہِ راست نہیں سنی ہیں بلکہ واسطہ سے سنی ہیں۔پھر حدیث بیان کرتے وقت کبھی راوی وہ واسطہ حذف کر کے استاذ الاستاذ سے بصیغہ عَنْ روایت کرتا ہے مثلاً حضرت ہشام بن عروہ کا اپنے والد سے لقاء اور سماع ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث **کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحله وحرمه بأطیب ماأجد** حضرت ہشام نے اپنے والد سے براہِ راست سنی ہے بلکہ اپنے بھائی حضرت عثمان بن عروہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہے، مگر ہشام کبھی اس روایت کو **عن عروه** روایت کرتے تھے اور اپنے بھائی کا تذکرہ نہیں کرتے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی چار مثالیں ذکر کی ہیں۔

الغرض سند میں انقطاع کا احتمال تو ملاقات اور سماع کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس لئے یا تو سماع کی صراحت کے بغیر کسی بھی روایت کا اعتبار نہ کیا جائے یعنی تمام معنعن روایتوں کو ناقابلِ استدلال قرار دیدیا جائے یا پھر معاصرت اور امکانِ لقاء کو کافی سمجھا جائے اور عنعنہ کو سماع پر محمول کیا جائے اور سند کو متصل اور حدیث کو قابلِ استدلال قرار دیا جائے۔

پہلی بات ممکن نہیں ہے کیونکہ ننانوے فیصد حدیثیں بصیغہ "عَنْ" مروی ہیں، سند کے ابتدائی حصہ میں اگرچہ تحدیث واخبار ہوتی ہے مگر آخر میں عنعنہ ہوتا ہے اس لئے یہ صورت اختیار کرنے کی صورت میں ذخیرۂ حدیث ہی سے ہاتھ دھولینا پڑے گا، اس لئے دوسری صورت متعین ہے **وهوقول الجمهور وهوالحق المشهور**۔

خلاصہ مرام یہ ہے کہ اتصالِ سند کیلئے ثبوتِ لقاء ضروری نہیں ہے، امکانِ لقاء اور معاصرت کافی ہے۔(ایضاً)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....**قَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِيْ اِبْنُ الْمُبَارَكِ رَاَيْتُ رَوْحَ بْنَ غُطَيْفٍ صَاحِبَ الدَّمِ قَدْرَ الدِّرْهَمِ وَجَلَسْتُ اِلَيْهِ مَجْلِسًا فَجَعَلْتُ اَسْتَحْيِيْ مِنْ اَصْحَابِيْ اَنْ يَرَوْنِيْ جَالِسًا مَعَهٗ كُرْهَ حَدِيْثِهٖ**۔(ص۱۴۔ج۱۔قدیمی)

شكل العبارة بالضبط ۔ عرف من هو روح بن غطيف ومامعنى "صاحب الدم قدر الدرهم"؟ اشرح مراد مسلم بهذاالاثر ۔ اذكرشروط مسلم فى صحيحه فى انتقاء الحديث واختياره كما ذكره فى مقدمته۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) روح بن غطیف کا تعارف (۳) مذکورہ جملہ کا معنی (۴) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد (۵) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔**كما مرّفي السوال آنفا۔**

② روح بن غطیف کا تعارف:۔ روح بن غطیف ثقفی جزری منکر الحدیث اور ساقط الاعتبار راوی ہے، یہ بہت زیادہ احادیث گھڑتا تھا اور حدیث **تعاد الصلوٰة من قدر الدرهم من الدم** اسی شخص نے گھڑی ہے۔امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔(فیض المنعم)

③ مذکورہ جملہ کا معنی:۔ جملہ کا لفظی معنی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بقدرِ درہم خون والے روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور مراد یہ ہے کہ جس راوی نے **تعاد الصلوٰه من قدر الدرهم من الدم** والی حدیث گھڑی ہے میں اس کو ملا ہوں گویا کہ یہ جملہ اس کا تخلص ہوگیا۔

④ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد:۔ اس اثر سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد روح بن غطیف کے ضعف کو بیان کرنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوں چونکہ روح کی حدیث کو

ناپسند کیا جاتا تھا اس وجہ سے میں اپنے تلامذہ کے سامنے اس بات سے شرم محسوس کرنے لگا کہ کہیں وہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھا ہوا نہ دیکھ لیں، گویا اس کے ساتھ بیٹھنا بھی باعثِ شرم وحیاء ہے۔

⑤ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط:۔ ① امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی فقط صحیح لذاتہ احادیث ذکر کرتے ہیں ② اجماع علیٰ ثقاھۃ الراوی یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی نیچے سے اوپر صحابی مشہور تک انہی روات سے روایت لیتے ہیں جن کی عدالت وضبط پر ان کے اہلِ زمانہ تمام مشائخ وائمہ کا اجماع ہو چکا ہو ③ ترکِ وُحدان ومجاہیل، وُحدان وہ روات ہیں جن سے فقط ایک راوی نے روایت کی ہو۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے راوی سے تخریج حدیث نہیں کی بلکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط یہ ہے کہ صحابی سے روایت کرنے والا تابعی مشہور ہو کر اس کے دو ثقہ تلامذہ تبع تابعین ہوں پھر یہ تبع تابعی بھی مشہور ہو کہ چوتھے طبقہ کے متعدد ثقہ حضرات اس کے تلامذہ ہوں ④ حدیث متفق الصحۃ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم میں مطلقاً صحیح احادیث نہیں ذکر کیں بلکہ فقط ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں جن کی صحت پر مشائخ وقت کا اجماع تھا۔ (تلخیص از عمدۃ المفہم ص ۱۳)

الشق الثانی..... وَعَلَامَةُ الْمُنْكَرِ فِيْ حَدِيْثِ الْمُحَدِّثِ اِذَا مَاعُرِضَتْ رِوَايَتُهٗ لِلْحَدِيْثِ عَلٰى رِوَايَةِ غَيْرِهٖ مِنْ اَهْلِ الْحِفْظِ وَالرِّضٰى خَالَفَتْ رِوَايَتُهٗ رِوَايَتَهُمْ اَوْلَمْ تَكَدْتُوَا فِقْهَا، فَاِذَا كَانَ الْاَغْلَبُ مِنْ حَدِيْثِهٖ كَذٰلِكَ كَانَ مَهْجُوْرَ الْحَدِيْثِ غَيْرَ مَقْبُوْلِهٖ وَلَامُسْتَعْمَلِهٖ فَمَنْ هٰذَا الضَّرْبِ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَرِّرٍ، وَيَحْيَى بْنُ اَبِيْ اُنَيْسَةَ وَالْجَرَّاحُ بْنُ الْمِنْهَالِ اَبُوالْعَطُوْفِ، وَعَبَّادُ بْنُ كَثِيْرٍ وَحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ ضُمَيْرَةَ وَعُمَرُ بْنُ صُهْبَانَ وَمَنْ نَحَا نَحْوَهُمْ فِيْ رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْحَدِيْثِ فَلَسْنَا نُعَرِّجُ عَلٰى حَدِيْثِهِمْ وَلَانَتَشَاغَلُ بِهٖ لِاَنَّ حُكْمَ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِيْ يُعْرَفُ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِيْ قَبُوْلِ مَايَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُحَدِّثُ مِنَ الْحَدِيْثِ اَنْ يَكُوْنَ قَدْ شَارَكَ الثِّقَاتِ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ فِيْ بَعْضِ مَارَوَوْا وَامْعَنَ فِيْ ذٰلِكَ عَلَى الْمُوَافَقَةِ لَهُمْ، فَاِذَا وُجِدَ ذٰلِكَ ثُمَّ زَادَ بَعْدُ ذٰلِكَ شَيْئًا لَيْسَ عِنْدَ اَصْحَابِهٖ قُبِلَتْ زِيَادَتُهٗ۔ (ص ۵۔ ج ۱۔ قدیمی)

شکل العبارة بالضبط و ترجمها۔ عرف المنكر وبين حكمه۔ ماهي زيادة الثقة؟ ومتى تقبل؟ ومتى ترد؟

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) منکر کی تعریف اور حکم (۴) ثقہ کی زیادتی کا مطلب اور حکم۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّفي السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ کسی محدث کی روایات کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی روایت دوسرے اہلِ حفظ ورضا کی روایت کے سامنے پیش کی جائے (باہم تقابل کیا جائے) تو اس کی روایت ان کی روایت کے خلاف ہو یا مشکل سے ان میں موافقت پیدا کی جاسکے۔ پس جب کسی شخص کی روایات میں اکثر ایسی ہی روایات ہوں تو وہ راوی متروک الحدیث، غیر مقبول الروایۃ اور ناقابل احتجاج ہے۔ اس قسم کے راویوں میں عبداللہ بن محرر، یحییٰ بن ابی انیسہ، ابوالعطوف، جراح بن منہال، عباد بن کثیر، حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ، عمر بن صھبان اور وہ تمام رواۃ جو منکر روایتیں نقل کرنے میں ان کے نقشِ قدم پر ہیں ہم ایسے رواۃ کی روایتوں پر اعتماد نہیں کرینگے اور ان کی تخریج میں مشغول نہ ہونگے۔ اسلئے کہ محدثین کا جو فیصلہ اور مذہب مشہور ہے اس شخص کی روایت کے قبول کرنے کے بارے میں جس کا راوی متفرد ہو یہ ہے کہ وہ راوی ثقہ حفاظ ومحدثین کیساتھ انکی بعض مرویات میں شریک رہا ہو اور اس نے انکی موافقت میں انتہائی جدوجہد کی ہو، تو جب کوئی راوی ایسا ثابت ہو جائے اور پھر وہ کوئی زائد بات بیان کرے جو اسکے ساتھیوں کی روایت میں نہ ہو تو پھر وہ زیادتی قبول کی جائیگی۔

③ منکر کی تعریف اور حکم:۔ منکر کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔ ① اگر ضعیف راوی کی روایت ثقہ راوی کی روایت کے خلاف ہو تو ضعیف راوی کی روایت کو منکر کہتے ہیں ② اگر کسی حدیث کا کوئی راوی ضعیف ہو اور وہ اس حدیث کی روایت میں متفرد ہو تو اس روایت کو بھی اور اس کے ضعیف راوی کو بھی منکر کہتے ہیں، سننِ اربعہ اور ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال میں منکر اسی معنی میں مستعمل ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک بھی منکر سے یہی معنی مراد ہے۔ منکر کے حکم کے متعلق امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی روایات میں منکر یا غلط احادیث کا غلبہ ہو اور اس کی اکثر روایات دوسرے اہلِ حفظ ورضا کی روایات کے خلاف ہوں تو ایسا راوی متروک الحدیث، غیر مقبول الروایۃ اور ناقابلِ احتجاج ہے، ہم ایسے راوی کی روایات پر اعتماد بھی نہیں کرینگے اور ان کی تخریج بھی نہیں کرینگے۔ (فیض المنعم:۴۳۰)

④ ثقہ کی زیادتی کا مطلب اور حکم:۔ ثقہ کی زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راویوں کے ساتھ کسی استاذ سے روایت کرنے میں شریک ہو اور عام طور پر اسکی روایات ان ثقہ راویوں کی روایات کے موافق بھی ہوں، مگر کسی خاص حدیث میں وہ کوئی ایسی بات زیادہ ذکر کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایت میں نہیں ہے تو یہ زیادتی معتبر ومقبول ہے۔ (ایضاً ص۴۷)

﴿السوال الثالث﴾ ۱٤٤۰ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی عثمان قال: لما ادعی زیاد لقیت ابابکرة فقلت له ماهذاالذی صنعتم انی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول سمع اذنای من رسول الله ﷺ وهو یقول من ادعی اباً فی الاسلام غیر ابیه یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام فقال ابوبکرة وانا سمعته من رسول الله ﷺ** (ص۵۷۔ج۱۔قدیمی)

شکل العبارة وترجمها۔ من هوزیاد؟ وماعلاقته بابی بکرة؟ وما الذی فعله ابوبکرة حتی قال له ابوعثمان "ماهذاالذی صنعتم.....؟ اکشف القناع عن وجه استلحاق معاویة لزیاد بحیث تکون ساحة الصحابی معاویة بن ابی سفیان بزینة عن المطاعن والعیوب۔ اشرح الحدیث حسب عقیدة اهل السنة والجماعة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) زیاد کا تعارف، ابوبکرہ کیساتھ تعلق اور فعل کی وضاحت (۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ (۵) حدیث کی تشریح۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّفی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب زیاد نے ولدِ سفیان ہونے کا دعویٰ کیا تو میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا عمل کیا ہے میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا "جس نے اسلام کی حالت میں اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر کو باپ بنانے کا دعویٰ کیا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے"۔ تو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور میں نے بھی اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

③ و ④ زیاد کا تعارف، ابوبکرہ کیساتھ تعلق اور فعل کی وضاحت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ:۔ حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ اور زیاد دونوں ماں شریک بھائی ہیں، دونوں سُمیّہ نامی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ سُمیّہ حارث بن کلدہ طبیب کی باندی تھی، اسی کے پاس سُمیّہ کے بطن سے حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں پیدا ہوئے، اور زیاد صحابی نہیں ہیں، زیاد کے باپ کا شروع میں لوگوں کو علم نہ تھا۔ بہت سے لوگ اس کو ولد الحرام اور ولد الزنا سمجھتے تھے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اسے کوئی "زیاد بن عبید ثقفی" کہتا اور کوئی "زیاد بن ابیہ" اور کوئی "زیاد بن اُمّہ" کہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں متعدد قسم کے نکاح ہوتے تھے کہ کچھ دن کیلئے اس سے نکاح کرلیا اور کچھ دن کیلئے دوسرے سے، اسلام نے ان نکاحِ جاہلیت کو باطل قرار دے دیا لیکن نکاح جاہلیت سے جو بچے پیدا ہو چکے تھے دور جاہلیت میں بھی وہ ثابت النسب کہلاتے تھے، اسلام نے بھی دورِ جاہلیت کے ایسے نکاح سے پیدا ہونے والے بچوں کو ثابت النسب قرار دیا۔ ایک نکاحِ جاہلی کا طریقہ یہ تھا کہ کسی باندی سے اس کا مالک بھی مباشرت کرتا تھا اور دوسرے لوگ بھی، پھر ایسی باندی (جس سے متعدد مردوں نے نکاحِ جاہلی کی بناء پر مباشرت کی ہو) کے بچوں کے ثبوتِ نسب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ باندی مباشرت کرنے والے جس مرد کو متعین کردیتی تھی وہی اس بچہ کا باپ مانا جاتا تھا اور بچہ اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ جب اسلام آیا تو اسلام نے ان کو ثابت النسب قرار دیا لیکن آئندہ کیلئے ثبوتِ نسب کے قوانین وضع کردیئے اور قاعدہ یہ مقرر کردیا کہ **الولد للفراش وللعاهر الحجر۔**

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھی سمیہ سے نکاحِ جاہلیت کیا تھا، جب سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا تو سمیہ نے اس کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب

0312 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کیااورابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھی مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے زمانۂ جاہلیت ہی میں اقرار کیا کہ یہ ان کا بچہ ہے،اور کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر اس کا گواہ بھی بنایا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔اورابوسفیان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی والد ہیں،جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت آیا اس وقت تک زیاد کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہونے کی بات مخفی تھی،زیاد بڑا ذہین، مدبر، منتظم اور شجاع تھا،حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا،جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو زیاد نے گواہوں کے ذریعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہونے کا دعویٰ کردیا اور گواہوں کی تعداد دس (۱۰) تھی،جن میں حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق ایک جلیل القدر صحابی حضرت مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ بھی تھے،جو بیعتِ رضوان میں شریک رہ چکے تھے۔اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے یہ مسئلہ بن گیا،ظاہر ہے بھائی بنانے میں عار بھی تھی اور بدنامی بھی ہوسکتی تھی۔لیکن جب یہ مسئلہ دس (۱۰) گواہیوں کے ذریعہ مبرہن ہوکر آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا بھائی بنالیا اور الحاقِ نسب کر دیا۔جن لوگوں کو یہ صورتحال معلوم نہ تھی ان کو حیرانگی ہوئی اور انہوں نے اختلاف بھی کیا،چنانچہ ان معترضین میں یہ ابوعثمان بھی تھے جن کا ذکر یہاں حدیثِ باب میں ہے۔یادرہے کہ زیاد ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باپ شریک بھائی ہیں۔چنانچہ ابو عثمان، ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے ملے اور ابوعثمان سمجھتے تھے کہ شاید ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ خود بھی اس الحاقِ نسب پر راضی ہیں۔اس مکالمہ سے ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کا موقف واضح نہیں ہوتا لیکن روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں یہ بھی استلحاق سے ناراض تھے اور ناراضگی کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ **لا و اللّٰہ ما علمت سمیة رأت أبا سفیان قط** (قسم بخدا! میں نہیں جانتا کہ سمیہ نے کبھی ابوسفیان کو دیکھا بھی ہو)

اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے استلحاق کے بعد زیاد کا نسب ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوگیا تھا،لیکن اس نے مزید توثق اور تائید کیلئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا جس کے شروع میں لکھا **من زیاد بن أبی سفیان الی امه عائشة** ارادہ یہ تھا کہ ثبوت مؤکد ہوجائے گا اور لوگوں کو شبہ اور اعتراض باقی نہ رہے گا۔لیکن چونکہ اس وقت تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے نسب کی تصدیق نہ ہوئی تھی اس لئے انہوں نے جواب میں لکھا **من عائشة ام المومنین الی ابنها زیاد** لیکن بعد میں جب حقیقت حال واضح ہوگئی تو زیاد کے نام ایک خط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لکھا **من عائشة ام المؤمنین الی زیاد بن أبی سفیان** جب زیاد کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے خوش ہوکر یہ خط مجمعِ عام میں سنادیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو حضرات شروع میں اس استلحاق پر اعتراض فرمارہے تھے انکا اعتراض یہ نہیں تھا کہ زیاد ولد الزنا ہے،لہٰذا اس کا ابوسفیان سے نسب ثابت نہیں ہوسکتا، بلکہ ان کا اعتراض یہ تھا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کبھی سمیہ سے مباشرت یا نکاحِ جاہلی کیا ہی نہیں تھا۔(درسِ مسلم ۳۶۳)

⑤ حدیث کی تشریح:۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل یہ ہے کہ دانستہ طور پر خود کو غیر باپ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا حدیث بالا کی رُو سے کفر ہے۔علماء نے فرمایا کہ یہ مستحل (اس عمل کو جائز سمجھنے والے) کے بارے میں ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ درحقیقت جس شخص نے اپنے آپ کو غیر کی طرف منسوب کیا اس نے اللہ کی نعمت کی تکفیر کی اور اللہ تعالیٰ کے حق اور احسان کی تکفیر کی اور باپ کے حق کی ناشکری و ناقدری کی اور اس کفر سے وہ کفر مراد نہیں جو اسلام سے خارج کردے بلکہ ناشکری و کفرانِ نعمت مراد ہے جیسے حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق فرمایا **یکفرن العشیر** کہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔(واللہ اعلم)

الشق الثانی.....**عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا عجل علیه السفر یؤخر الظهر الی اول وقت العصر فیجمع بینهما ویؤخر المغرب حتی یجمع بینها وبین العشاء حین یغیب الشفق .** (ص ۲۴۵۔ج ۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف . اذکرمذاهب العلماء فی الجمع بین الصلاتین واشرح دلائلهم ببسط وتفصیل ورجح ماهوالراجح حسب الادلة.اذکرالشروط عند القائلین بالجمع .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) جمع بین الصلوٰتین میں ائمہ کے مذاہب و دلائل (۳) راجح کی ترجیح (۴) قائلینِ جمع کے نزدیک جمع کی شرط۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کی جلدی ہوتی

0313 5357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تو آپ ﷺ نمازِ ظہر کو مؤخر کرتے نماز عصر کے ابتدائی وقت تک اور جمع کرتے ان دونوں (ظہر وعصر) کو اور مؤخر کرتے نمازِ مغرب کو یہاں تک کہ جمع کرتے اس کو اور نماز عشاء کو جس وقت کہ شفق غائب ہوتا ہے۔

② جمع بین الصلوٰتین میں ائمہ کے مذاہب ودلائل:۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے جمع بین الصلاتین جائز نہیں البتہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عذر کی صورت میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔

پھر عذر کی تفصیل میں یہ اختلاف ہے کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سفر اور مطر عذر ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مرض بھی عذر ہے پھر سفر میں بھی امام شافعی رحمہ اللہ پوری مقدارِ سفر کو عذر قرار دیتے ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین صرف اس وقت جائز ہوگی جب مسافر حالتِ سیر میں ہو اور اگر کہیں ٹھہر گیا خواہ ایک ہی دن کیلئے تو وہاں جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مطلق حالت سیر بھی کافی نہیں بلکہ جب کسی وجہ سے تیز رفتاری ضروری ہو تب جمع بین الصلوٰتین جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

پھر ان سب حضرات کے نزدیک جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عذر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کا بھی کوئی اعتبار نہیں البتہ جمع صوری جائز ہے جسے جمع فعلی بھی کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہوگی کہ ظہر کی نماز بالکل آخر وقت میں اور عصر کی نماز بالکل شروع وقت میں ادا کی جائے اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہونگی البتہ ایک ساتھ ہونے کی بناء پر صورۃً اسے جمع بین الصلوٰتین کہہ دیا گیا ہے۔

استدلالِ ائمہ ثلاثہ: ائمہ ثلاثہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اُن روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کے درمیان جمع فرمایا اس مفہوم کی روایات تقریباً تمام صحاح میں موجود ہیں نیز ابوداؤد وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے جس سے جمع تقدیم کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

دلائل حنفیہ: ① **قولہ تعالیٰ ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتبًا موقوتا** (سورۂ نساء)۔**وقولہ تعالیٰ فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون**۔(سورۃ ماعون)۔ **وقولہ تعالیٰ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی** (سورۃ بقرہ)۔ان تمام آیات میں یہ بات واضح ہے کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اور ان کی محافظت واجب ہے اور ان اوقات کی خلاف ورزی باعثِ عذاب ہے ظاہر ہے کہ یہ آیات قطعی الثبوت والدلالۃ ہیں اور اخبار آحاد اسکا مقابلہ نہیں کرسکتیں بالخصوص جبکہ اخبار آحاد میں توجیہ صحیح کی گنجائش بھی موجود ہو ② بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال مارایت النبی ﷺ صلّی صلوۃ لغیر میقاتھا الّا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتھا** (المعتاد) ③ اصحابِ سنن نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد مروی ہے **لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ بان یوخر صلوٰۃ الی وقت اخریٰ** ④ اوقات صلوٰۃ کی تحدید تواتر سے ثابت ہے اور اخبار آحاد کے ذریعہ ان میں تغیر نہیں ہوسکتا۔

0313 6357912 maktabazakariyasultan@gmail.com

ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کا جواب: یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین کے وہ تمام واقعات جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں ان میں جمع حقیقی مراد نہیں بلکہ جمع صوری مراد ہے اور جمع صوری مراد ہونے پر مندرجہ ذیل دلائل شاہد ہیں۔

① صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال رأیت النبی ﷺ اذا اعجلہ السیر فی السفر یؤخر صلوۃ المغرب حتی یجمع بینھا وبین العشاء قال سالم وکان عبداللہ بن عمر یفعلہ اذا اعجلہ السیر یقیم المغرب یصلیھا ثلاثاثم یسلم ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء الخ،** اس میں صراحت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر انتظار فرماتے تھے اور اسکے بعد نماز عشاء پڑھتے تھے اس انتظار کا کوئی محمل نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ وہ وقتِ عشاء کے دخول کا تیقن چاہتے تھے خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس میں جمع صوری پر دلیل ملتی ہے۔

② اس سے زیادہ صریح روایت ابوداؤد میں نافع عن عبداللہ بن واقد کے طریق سے مروی ہے **ان مؤذن ابن عمر قال**

الصلوۃ قال سِرْسِرْ حتی اذاکان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول اللّٰہ کان اذا عجل به امرصنع مثل الذی صنعت، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اس پر سکوت کیا ہے بلکہ اس کا ایک متابع بھی ساتھ ہی ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **عبداللہ بن العلاء عن نافع قال حتی اذا کان عند ذهاب الشفق نزل مجمع بینهما**، نیز امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سنن میں یہ روایت متعدد طرق سے نقل کی ہے اور سکوت کیا ہے

③ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال صلیت مع النبی ﷺ ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا قلت یاابا الشعثاء اظنه اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنّ ذلك**، اس روایت میں حدیث کے دو روایوں کا گمان حنفیہ کے عین مطابق ہے یہ تمام روایات جمع صوری پر بالکل صریح ہیں ④ ترمذی کی اگلی روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مرفوعاً مروی ہے **قال من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقداتی بابًا من ابواب الکبائر**، یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کا مدار حنش بن قیس پر ہے جسکے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ضعیف عند اهل الحدیث ضعّفه احمد وغیره** لیکن موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے **قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب انه کتب فی الآفاق ینها هم ان یجمعوا بین الصلوتین و یخبرهم ان الجمع بین الصلوتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر**۔

⑤ بعض صورتوں میں قائلین جمع حقیقی بھی جمع کو جمع صوری پر ہی محمول کرنے پر مجبور ہیں مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب **قال جمع رسول اللّٰہ ﷺ بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینة من غیر خوف ولا مطر**، اسمیں دوسرے ائمہ بھی جمع فعلی مراد لینے پر مجبور ہیں صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حالتِ مرض پر محمول فرمایا ہے لیکن یہ بات بھی بہت بعید ہے کہ ساری کی ساری آبادی اس وقت بیمار ہوگئی ہو نیز جب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس جمع سے آپ کا مقصد کیا ہے تو انہوں نے صرف اتنا فرمایا **ان لاتحرج امته** اگر اس کا سبب مرض ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے ضرور بیان فرماتے اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اعتراف کیا ہے کہ اس روایت میں جمع صوری مراد لینا بہتر ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حدیث باب کی توجیہ کا اسکے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں اور جب اس روایت میں جمع صوری مراد لی جائیگی تو دوسری روایات کو بھی لامحالہ جمع صوری پر ہی محمول کیا جائیگا۔

⑥ اگر جمع سے جمع صوری مراد لی جائے تو تمام روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے اس کے برخلاف اگر جمع حقیقی مراد لی جائے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت **ماصلی رسول اللّٰہ ﷺ صلوة لغیر میقاتها** کو بالکل چھوڑنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہی توجیہ راجح ہوگی جس میں تمام روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

⑦ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں جمع صوری مراد ہونے پر ایک بہت لطیف وجہ بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جہاں کہیں جمع بین الصلوتین کا ذکر آیا ہے وہاں جمع بین الظہر والعصر ہوا ہے یا جمع بین المغرب والعشاء، انکے علاوہ کسی بھی دو نمازوں میں نہ جمع ثابت ہے اور نہ کوئی اسکے جواز کا قائل ہے چنانچہ ائمہ ثلاثہ بھی انہی دو نمازوں کے درمیان جمع کے قائل ہیں فجر اور ظہر یا عصر اور مغرب یا عشاء اور فجر کے درمیان جمع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں اور نہ ہی کسی روایت سے ثابت ہے اب اگر جمع حقیقی مراد لی جائے تو اس تفریق کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ظہر اور عصر کو جمع کرنا جائز ہو لیکن عصر اور مغرب کو جمع کرنا جائز نہ ہو البتہ اگر جمع صوری مراد لی جائے تو اسکی معقول وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ فجر اور ظہر میں جمع صوری اسلئے ممکن نہیں کہ بیچ میں ایک طویل وقت مہمل حائل ہے اور عصر ومغرب اور عشاء اور فجر میں جمع صوری اسلئے ممکن نہیں کہ عصر اور عشاء کے آخری اوقات مکروہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس جمع بین الصلوتین پر عمل فرمایا ہے وہ جمع صوری تھی، نہ کہ جمع حقیقی ورنہ وہ تمام نمازوں میں ہوتی۔ (درسِ ترمذی ۱:۴۴۰)

③ راجح کی ترجیح:۔ ① حنفیہ کا مذہب نصِ قرآنی **ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا** کے موافق ہے ② ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کے مطابق تمام روایاتِ جمع پر عمل ممکن نہیں ہے جبکہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق تمام روایاتِ جمع پر عمل ممکن ہے۔

④ قائلینِ جمع کے نزدیک جمع کی شرط:۔ جمع تاخیر کیلئے قائلین کے نزدیک شرط یہ ہے کہ پہلی نماز کا وقت گزرنے سے پہلے پہلے جمع

0313 6333913 maktabazakariya.murad@gmail.com

کی نیت کرلی ہو اور جمع تقدیم کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلی نماز ختم کرنے سے پہلے پہلے جمع کی نیت کرلی ہو اس کے بغیر جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے۔(درس ترمذی ج ۱ ص ۴۴۰)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ من يولد يولد على هذه الفطرة فابواه يهودانه اوينصرانه كما تنتجون الابل فهل تجدون فيها جدعاء حتى تكونوا انتم تجدعونها قالوا يارسول الله فرأيت من يموت صغيرا قال: الله اعلم بما كانوا عاملين ۔(ص ۳۳۶۔ج ۲۔قدیمی)

لماذا اختار مسلمؒ هنا هذه الطريقة فى التحديث حيث قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة..... الخ ۔ ترجم الحديث ۔ ما معنى الفطرة؟ اذكر اقوال العلماء فيها ۔ ما هو حكم اطفال المسلمين والكفار الذين ماتوا قبل البلوغ فى ضوء هذا الحديث ۔ اذكر نبذة من ترجمة همام بن منبه و ماذا تعرف عن صحيفته؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں: ① امام مسلم رحمہ اللہ کے روایتِ حدیث میں نیا اسلوب اختیار کرنے کی وجہ ② حدیث کا ترجمہ ③ فطرت کا معنیٰ ④ اطفال المسلمین والمشرکین کا حکم ⑤ ہمام بن منبہؒ اور ان کے صحیفہ کا تعارف۔

جواب..... ① امام مسلم رحمہ اللہ کے روایتِ حدیث میں نیا اسلوب اختیار کرنے کی وجہ:۔ روایتِ حدیث میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نیا اسلوب اس لئے اختیار کیا کہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کے پاس ایک رجسٹر تھا جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث لکھی ہوئی تھیں، چونکہ انہوں نے خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث نہیں سنی تھیں اس لئے جب اس رجسٹر سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ الخ۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ہیں وہ احادیث جو ہمیں بیان کیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے، پھر اس کے بعد انہوں نے کئی احادیث کو ذکر کیا اُن میں سے ایک یہ تھی، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بچہ پیدا کیا جاتا ہے وہ پیدا کیا جاتا ہے فطرت اسلام پر، پھر اس کے والدین اُس کو یہودی بنادیتے ہیں اور نصرانی بنادیتے ہیں، جیسا کہ تم جنواتے ہو اونٹ کو پس کیا پاتے ہو تم اس میں کان کٹا ہوا، یہاں تک کہ تم خود کان کاٹتے ہو اس کا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ خبر دیجئے کہ جو بچہ مرجاتا ہے بچپن کی حالت میں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو وہ کرنے والے تھے۔

③ فطرت کا معنیٰ:۔ ① علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فطرت عہد الست کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ارواح سے لیا ② فطرت سلیمہ اور طبعی سلامتی کا نام فطرت ہے ③ الفطرة هى الدين فطرت ملۃ اسلام اور دین کا نام ہے ④ معرفة الانسان بربه انسان کا اپنے رب کو پہچاننا فطرت ہے ⑤ فطرت اس استعداد کا نام ہے جس سے حق اور باطل کے مابین تمیز اور صحیح فیصلہ کیا جاسکے ⑥ قبولِ حق کی استعداد کا نام فطرت ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ اگر اس سے مراد اسلام و ملۃ لیں تو آیت میں ہے لاتبديل لخلق الله تو پھر یہودیت، نصرانیت، مجوسیت وضلالت کی طرف تبدیلی کیسے، ہر بچہ مسلمان کے گھر پیدا ہو یا کافر کے گھر وہ فطرت سلیمہ پر ہوتا ہے اگر اثرات وترغیبات اور تعلیمات اس پر اثر انداز نہ ہوں تو وہ وحدانیت اور حقانیت اسلام پر رہے یہ تبدیلی بیرونی اثرات کی وجہ سے ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی اس کو جو ماحول اور معیار زندگی ملتا ہے اسی کی رو میں بہہ جاتا ہے، اسی مؤثر اور تبدیلی لانے والے عمل کا ذکر حدیث کے اگلے کلمہ میں ہے، فابواه يهودانه اوينصرانه او يمجسانه۔(انعامات منعم ص ۶۰۹)

④ اطفال المسلمین والمشرکین کا حکم:۔ اطفال المسلمین بالاتفاق جنتی ہیں اور اس پر دلیل یہ آیت ہے والذين آمنوا واتبعتهم

0213 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد نے ایمان میں ان کی اتباع کی تو ہم ان کی اولاد کوان کے ساتھ جنت میں ملادیں گے۔

اطفال المشرکین کے ساتھ دنیوی اعتبار سے کفار والا معاملہ ہی ہوگا یعنی تجہیز وتکفین اور تدفین میں کفار والا عمل اور سلوک کیا جائیگا۔

البتہ اخروی حکم اورانجام میں اہلِ علم کے متعدد اقوال ہیں: ① اطفال المشرکین بھی جنتی ہونگے، دلیل قصۂ معراج کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغیچہ میں دیکھا کہ ان کے اردگرد مسلمانوں اور کافروں کے بچے تھے ② اطفال المشرکین بھی **تبعا لآبائھم** جہنمی ہونگے، دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں اور کفار کے بچوں کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے بچے جنتی ہونگے اور کفار کے بچے جہنمی ہونگے ③ جنت وجہنم کے درمیان برزخ واعراف میں ہونگے **لانھم لم یعملوا الحسنات ولا السیئات** ④ اہلِ جنت کے خادم ہوں گے ⑤ امتحان وآزمائش ہوگی، جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، جو جہنم میں داخل ہو جائے گا اس کیلئے گلزار ہوگی، جس نے انکار کیا وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

انکے علاوہ بھی متعدد اقوال ہیں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے دس اقوال ذکر کئے ہیں مگران میں سے مشہور یہ پانچ اقوال ہیں۔(ایضاً)

حضرت ہمام بن منبہؒ اوران کے صحیفہ کا تعارف:۔ ہمام بن منبہ مشہور تابعی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ولادت باسعادت ہوئی، متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور دس کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں اور انکا شمار ثقہ رواتِ حدیث میں کیا گیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ سے متعدد احادیث نقل کی ہیں اور ۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔ صحیفہ: اس صحیفہ کا اصل نام **الصحیفة الصحیحه** ہے۔ یہ حدیث کی اولین ترین کتابوں میں سے ہے، انہوں نے اپنے استاد حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کو اس صحیفہ میں جمع کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اسکی تصحیح وتصویب کی تھی، یہ صحیفہ ۵۸ھ سے قبل تحریر کیا گیا۔

الشق الثانی.....**عن جابر قال: لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال:هم سواء۔ اذکر انواع الرباء۔ اشرح الحدیث بحیث یتضح حرمة جمیع انواع الربا ویندحض بذلك جمیع شبهات اهل الزیغ والضلال الذین یحاولون تحلیل الربوا۔**(ص۲۷۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امر توجہ طلب ہیں (۱) رباء (سود) کی اقسام (۲) حدیث کی تشریح۔

جواب..... ① رباء (سود) کی اقسام:۔ ربا کا لغوی معنی زیادتی ہے اور اصطلاحی اعتبار سے ربا کی دو قسمیں ہیں ① ربا البیع (بیع کا سود) ② ربا القرض (قرض کا سود) بیع کا سود یہ ہے کہ آدمی کسی کیلی یا وزنی چیز کی اس کی جنس کے ساتھ زیادتی کے ساتھ یا غیر جنس کے ساتھ ادھار کے طور پر بیع کرے اور قرض کا سود یہ ہے کہ مثلاً زید بکر کو ایک ہزار روپیہ اس شرط پر قرض دے کہ وہ ایک ماہ کے بعد بارہ سو روپیہ واپس کرے گا۔ سود کی یہ دونوں قسمیں حرام ہیں۔ اس میں قسمِ اوّل یعنی ربا البیع کو ربا الحدیث اور قسمِ ثانی یعنی ربا القرض کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ پہلی قسم کی حرمت حدیث میں اور دوسری قسم کی حرمت قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملے میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ جس طرح سود کا معاملہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح سود کے معاملے میں دلالی کرنا یا سود کا حساب کتاب لکھنا بھی ناجائز ہے۔ اسی حدیث کی بنیاد پر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ آج کل بینکوں کی ملازمت جائز نہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی کسی نہ کسی درجے میں سود کے معاملات میں ملوث ہو جاتا ہے۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بینک کی ملازمت کیوں حرام ہے؟ اس لئے کہ آج کل تو ہر جگہ سے پیسہ بینک ہی کے واسطے میں آتا ہے۔ کوئی بھی چیز سود سے پاک نہیں۔ لہٰذا پھر تو ہر چیز حرام ہونی چاہیے؟

0315 6357915 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہر چیز کی حد مقرر کر دی ہے کہ اس حد تک جائز ہے اور اس حد کے آگے ناجائز ہے۔ لہٰذا بینک کی ملازمت ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بینک کے اندر سودی لین دین ہوتا ہے۔ اور جو شخص بھی بینک میں ملازم ہے وہ کسی نہ کسی درجے میں سودی لین دین میں تعاون کر رہا ہے اور کسی بھی گناہ کے کام میں تعاون کرنا قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق حرام ہے؟ فرمایا **ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان**، اس وجہ سے بینک کی ملازمت حرام ہے۔

جہاں تک اس اشکال کا تعلق ہے کہ ہر پیسہ بینک ہی کے واسطے سے ہم تک پہنچتا ہے، لہٰذا ہر پیسہ حرام ہونا چاہیے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بینک سے پیسے جائز اور حلال طریقے سے آرہے ہیں تو ان پیسوں کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ناجائز اور حرام طریقے سے آرہے ہیں تو ان کا استعمال بھی حرام ہوگا۔

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے صرف سود مرکب کو حرام قرار دیا ہے۔ سود مفرد کو حرام نہیں کہا۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ **یا یھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضٰعفة** اس آیت میں ربا کے ساتھ **اضعافا مضٰعفة** کی قید لگی ہوئی ہے۔ اور نہی قید پر داخل ہوئی ہے۔ لہٰذا صرف وہ ربا ممنوع ہوگا جس میں سود کی رقم رأس المال سے کم از کم دوگنی ہو جائے۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ **اضعافا مضٰعفة** کی قید باجماع امت احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے، اور یہ قید بالکل ایسی ہے جیسے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں فرمایا **لا تشتروا بایٰتی ثمنا قلیلا** ۔ اس آیت میں اگرچہ ''ثمن قلیل'' کی قید لگی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی بھی عقل مند انسان اس آیت کا یہ مطلب نہیں لیتا کہ آیات قرآنی کو ''ثمن قلیل'' کے ساتھ فروخت کرنا تو جائز نہیں، لیکن ''ثمن کثیر'' کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

اس قید کے اتفاقی ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں: ① قرآن کریم کی آیت **یا یھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین** ۔ اس آیت میں لفظ **ما** عام ہے۔ جو ربا کی ہر قلیل اور کثیر مقدار کو شامل ہے ② خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ **الربوا موضوع کلہ، واول اضعہ ربوا العباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلہ** ۔ اس حدیث میں لفظ ''کلہ'' ہر مقدار ربا کی حرمت پر صریح ہے ③ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا **کل قرض جرنفعا فھو ربوا**۔ اس حدیث میں لفظ **نفعا** اس بات پر دال ہے کہ نفع کی ہر مقدار حرام ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت میں **اضعافا مضٰعفة** کی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی ہے۔

حرمت ربا کی آیات قطعی الدلالت ہیں، اور ربا کا معاملہ کرنے والوں کے بارے میں جو شدید وعید قرآن کریم میں آئی ہے، ایسی شدید وعید شاید کسی دوسرے گناہ پر نہیں آئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یٰا یھا الذین امنوا اتقو اللّٰہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین o فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ و رسولہ**۔

اس آیت میں صاف اعلان فرمادیا کہ اگر تم سودی لین دین نہیں چھوڑو گے تو پھر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

سود کے جواز کے قائلین قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ **احل اللّٰہ البیع و حرم الربوا**، اس آیت میں لفظ **الربوا** معرف باللام ہے۔ اور الف لام میں اصل یہ ہے کہ وہ عہد کیلئے ہو، لہٰذا لفظ **ربا** سے وہ مخصوص **ربا** مراد ہوگا جو زمانۂ جاہلیت میں اور حضور اقدس ﷺ کے ابتدائی دور میں رائج تھا۔ اور اس زمانے میں صرف ''صرفی قرض'' اور اس پر سود لینے کا رواج تھا، ''تجارتی قرض'' اور اس پر سود لینے کا اس وقت رواج نہیں تھا۔ اور جو چیز اس زمانے میں رائج ہی نہیں تھی، قرآن کریم اس کو کیسے حرام کر سکتا ہے؟ لہٰذا حرمتِ سود کا اطلاق صرف ''صرفی قرض'' پر لئے جانے والے سود پر ہوگا۔ ''تجارتی قرض'' پر لئے جانے والے سود پر نہیں ہوگا۔

یہ وہ استدلال ہے جو اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے کیا گیا۔ اور جس کی بنیاد پر یہ کہا گیا کہ بینکوں کا سود جائز ہے۔ یہاں تک کہ مصر کے موجودہ مفتی اعظم نے بھی بینکوں کے سود کے حلال ہونے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ اور اس فتویٰ کی وجہ سے پورے عالم عرب میں ایک غلغلہ برپا ہے اور اس کا چرچا ہے۔ انکے علاوہ عالم اسلام کے ہر خطے میں کوئی نہ کوئی اس موقف کا حامل کھڑا

ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں سرسید احمد خان، عرب میں مفتی عبدہ رشید رضا بھی اس موقف کے حامل گزرے ہیں۔ پاکستان میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا موقف بھی یہی تھا۔ اور جسٹس قدیر الدین نے اس کے جواز پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ اگر آدمی غور سے نہ دیکھے تو بظاہر جواز کے قائلین کا استدلال دل کو اپیل کرتا ہے کہ اگر ایک سرمایہ دار بینک سے قرض لے کر نفع کمارہا ہے تو اس سے سود کا مطالبہ کرنے میں کون سے ظلم اور جرم کی بات ہے؟ چنانچہ نوتعلیم یافتہ طبقہ اس استدلال سے مرعوب ہوکر ان کا حامی ہوجاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جواز کے قائلین کا استدلال زبردست مغالطے پر مبنی ہے، ان کے استدلال کا صغریٰ اور کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ ان کے استدلال کا صغریٰ یہ ہے کہ عہد رسالت میں تجارتی سود رائج نہیں تھا۔ اور کبریٰ یہ ہے کہ جو چیز عہد رسالت میں رائج نہ ہو، اس پر حرمت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ یہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں غلط ہیں، لہٰذا ان کا استدلال درست نہیں۔

پہلے کبریٰ کو سمجھ لیں کہ یہ کبریٰ غلط ہے۔ دیکھئے اصول یہ ہے کہ قرآن یا حدیث جب کسی چیز پر حلت یا حرمت کا حکم لگاتے ہیں تو وہ حکم اس چیز کی کسی خاص شکل یا صورت پر نہیں لگاتے، بلکہ اس چیز کی حقیقت پر لگاتے ہیں، لہٰذا جہاں وہ حقیقت پائی جائیگی، وہاں وہ حکم آجائیگا۔

مثلاً شراب کو لے لیں، جس زمانے میں شراب حرام ہوئی، اس زمانے کے لوگ اپنے گھروں میں انگور کا شیرہ اپنے ہاتھوں سے نکال کر اس کو سڑا کر شراب بناتے تھے۔ لہٰذا اب موجودہ دور میں کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ چونکہ اس زمانے میں لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں میں شراب بناتے تھے۔ اور اس میں حفظان صحت کے اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا، اس لئے شراب حرام قرار دیدی گئی تھی۔ اب چونکہ موجودہ دور میں شاندار مشینوں کے ذریعہ حفظان صحت کے تمام اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی صفائی ستھرائی کے ساتھ شراب بنائی جاتی ہے، اسلئے شراب کے حرمت کا اطلاق موجودہ دور کی شراب پر نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ استدلال بالکل احمقانہ ہے۔ اسلئے کہ شریعت نے شراب کی کسی خاص شکل اور صورت کو حرام قرار نہیں دیا، بلکہ اس کی حقیقت کو حرام دیا ہے۔ لہٰذا جس چیز میں شراب کی وہ حقیقت پائی جائیگی اس پر حرمت کا اطلاق ہوجائے گا۔ چاہے اس کی وہ مخصوص صورت حضور ﷺ کے زمانے میں موجود ہو یا نہ۔ لہٰذا آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں وہسکی، بیئر، اور برانڈی موجود نہیں تھی، اس لئے یہ حرام نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات درست نہیں، اسلئے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں اگرچہ اس نام سے اور اس شکل میں موجود نہیں تھی۔ مگر اس کی حقیقت یعنی "ایسا مشروب جو نشہ آور ہو" موجود تھی۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کو حرام قرار دیا تھا، اب یہ حقیقت ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی۔ چاہے کسی زمانے میں بھی ہو، اور کسی بھی نام سے پائی جائے۔ (تقریر ترمذی ج ۱ ص ۳۸)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....ثم انا ان شاء الله مبتدون فی تخریج ماسالت وتالیفه علی شریطة سوف اذکر ها لك وهوانا نعمدالی جملة مااسند من الاخبار عن رسول الله ﷺ فنقسمها علی ثلاثة اقسام ثلاث طبقات من الناس علی غیرتکرار.....(ص ۳۔ ج ۱۔ قدیمی) من هو المخاطب فی هذه العبارت عرفه بایجاز۔ ماهی الاقسام الثلاثة والطبقات الثلاث التی قسم علیها جمیع المسانید۔ هل استوعب الاقسام الثلاثة کما ذکر ام لم یستوعبها؟ اذکر ذلك فی ضوء کلام الحاکم والبیهقی والقاضی عیاض۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) مخاطب کی تعیین وتعارف (۲) روایت اور راویوں کے تین طبقے (۳) اقسامِ ثلاثہ کے استیعاب میں علماء کے اقوال۔

جواب.....① مخاطب کی تعیین وتعارف:۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ کا آغاز اپنے کسی شاگرد معتقد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، متعین طور سے معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ صاحب کون ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ وہی ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان النیسابوری ہوں جنہوں نے صحیح مسلم کے موجودہ نسخے کی روایت کی ہے اور خود امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کتاب سنی ہے لیکن شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب **الموقظة فی علم مصطلح الحدیث** کے آخر میں **التتمات الخمس** کے عنوان کے تحت تیسرے تتمہ میں جزم سے تحریر فرمایا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح کو اپنے شاگرد رشید اور سفر وحضر میں

ساتھ رہنے والے رفیق حافظ احمد بن سلمۃ النیسابوری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر تالیف کیا تھا۔(درسِ مسلم ص ۱۲۶)

② روایت اور راویوں کے تین طبقے:۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں طبقاتِ ثلاثہ میں سے دوسرے طبقہ کی تفصیلات ذکر کی ہیں اور ان طبقاتِ ثلاثہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ① وہ رواتِ حدیث ہیں جو حفظ وتقویٰ صداقت وعدالت اور علم حدیث کے ساتھ مناسبت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں ② وہ رواتِ حدیث ہیں جو صداقت وعدالت اور علم حدیث کے ساتھ مناسبت میں تو پہلے طبقہ کے راویوں کے برابر ہیں مگر حفظ واتقان میں ان راویوں سے کم ہیں اور مجموعی طور پر حفظ وثقاہت میں متوسط درجہ کے ہیں ③ وہ ضعیف راوی ہیں جن سے علماءِ امت نے روایات ترک کردی ہوں۔

اسی درجہ بندی کے لحاظ سے احادیث کی بھی تین قسمیں ہوجائینگی ① وہ احادیث جن کو حافظ ومتقی راویوں نے روایت کیا ② وہ احادیث جن کو حفظ واتقان میں متوسط درجہ کے راویوں نے روایت کیا ③ وہ احادیث جن کو ضعیف اور متروک راویوں نے روایت کیا ہو۔

③ اقسامِ ثلاثہ کے استیعاب میں علماء کے اقوال:۔ اقسام ثلاثہ کے استیعاب کے متعلق پہلا قول امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الجلودی کا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تین الگ الگ کتابیں تالیف کی تھیں۔ ایک تو یہی صحیح مسلم ہے اور دوسری کتاب میں متوسط درجہ کے رواۃ کی حدیثیں ذکر کی تھیں اور تیسری کتاب میں ضعفاء اور متروکین کی حدیثیں تھیں۔

لیکن یہ قول اس لئے درست نہیں کہ یہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت کے خلاف ہے، امام مسلم نے تو صراحت کی ہے کہ تیسرے طبقے کی حدیثیں ہم کتاب میں نہیں لائیں گے۔

دوسرا قول: حاکم صاحبِ مستدرک اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے قسم اوّل اور قسم ثانی کی حدیثیں الگ الگ لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن قسم اوّل ہی کی حدیثیں صحیح مسلم میں لکھ پائے تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا اور قسم ثانی کی تالیف کا موقع نہ مل سکا۔

تیسرا قول: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جسے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح کے مقدمہ میں راجح قرار دیا ہے وہ یہ کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول اور کتاب ہذا کی ترتیب میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ صحیح مسلم میں انہوں نے تین قسم کے رواۃ کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ایک حفاظ متقون، دوسرے **متوسط فی الحفظ والاتقان** اور تیسرے وہ رواۃ جن کی بعض نے تضعیف کی ہے اور اکثر نے نہیں کی، اور خود امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ان کی تضعیف راجح نہیں۔ ایک چوتھی قسم ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ترک کیا ہے، یعنی وہ رواۃ جن کو تمام محدثین یا اکثر نے ضعیف اور متروک قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابواب میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے قسم اوّل کی حدیثیں لاتے ہیں، پھر استشہاد اور متابعت کیلئے۔ یا اگر ان کو طبقہ اولیٰ کی حدیث اس باب میں نہ ملے تو استدلال کے لئے قسم ثانی کی حدیثیں لاتے ہیں اور اس کے بعد کہیں کہیں صرف استشہاد ومتابعت کے لئے قسم ثالث کی حدیثیں لاتے ہیں۔ قسم رابع کی یعنی وہ رواۃ جن کی اکثر یا سب محدثین نے تضعیف کی ہے ان کی حدیثیں نہیں لاتے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی اس تشریح پر اشکال ہوتا ہے کہ اسکی رُو سے تو چار قسمیں بن جاتی ہیں جن میں سے تین کتاب میں آئیں اور چوتھی متروک ہے، حالانکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول مذکور میں صرف تین قسموں کا ذکر کرکے تیسری کو متروک قرار دیا ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ چوتھی قسم امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے قول مذکور کے مفہوم مخالف سے نکلتی ہے، اس لئے کہ ان کا ارشاد ہے کہ **فاما ماکان عن قوم هم عند اهل الحديث متهمون او عند الاكثر منهم، فلسنا نتشاغل بتخريج حديثهم۔**

جس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ جو رواۃ اکثر محدثین کے یہاں متہم نہیں بلکہ بعض کے نزدیک متہم ہیں۔ ان کی حدیثیں اپنی کتاب میں ذکر فرمائیں گے۔ چنانچہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ ایسے رواۃ کی حدیثیں متعدد مقامات پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہیں جو بدعت کی طرف منسوب ہیں یا بعض محدثین نے جن کی تضعیف کی ہے لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا ضعف راجح نہیں۔(درسِ مسلم ۱۲۸)

الشق الثانی.....**عن ابن سيرين قال لم يكونوا يسالون عن الاسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم۔**(ص ۱۱۔ج ۱۔قدیمی)

0313 6357912 maktabazakariamultan@gmail.com

عرف ابن سیرین بایجاز ۔ ماالمراد من الفتنة ۔ اذکر میزات اهل السنة واهل البدع الجماعة۔ اذکرحکم روایةالمبتدع وقبولها او عدم قبولها بتفصیل ۔ کیف روی اصحاب الاصول الستة روایات اهل البدعة فی کتبهم مع ان ابن سیرین یقول "فلایؤخذ حدیثهم"؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) ابن سیرین کا تعارف (۲) فتنہ کی مراد (۳) اہل السنۃ والجماعۃ کی خصوصیات (۴) مبتدع کی روایت کا حکم (۵) اہلِ بدعت کی روایات ذکر کرنے کی وجہ۔

جواب..... ① ابن سیرین کا تعارف:۔ آپ کا نام محمد، لقب ابن سیرین، نسبت البصری ہے اور آپ خوابوں کی تعبیر میں انتہائی ماہر تھے اور انتہاء درجہ کی شہرت حاصل کی تھی۔

② فتنہ کی مراد:۔ فتنہ سے مراد جنگ صفین کے بعد کے حالات ہیں جب شیعت، ناصبیت خارجیت وغیرہ کی دعوت شروع ہوئی تو اس وقت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے انہوں نے اسنادِ حدیث کی ابتداء کی اور راویوں کی جانچ پڑتال شروع کی۔

③ اہل السنۃ والجماعۃ کی خصوصیات:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نام آپ ﷺ کے ارشاد **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهديين** سے ماخوذ ومترشح ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قیامت تک جو لشکر اور گروہ دینِ اسلام کے گلشن کی آبیاری کرے گا اور اس کا پرچم تھامے رکھے گا وہ لوگ بھی اہل السنۃ والجماعۃ ہوں گے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اعتدال کا راستہ اختیار کیا، نہ خوارج وروافض کی طرح بالکل افراط وتفریط کی کہ ایک نے اہلبیتِ نبی ﷺ کا مقام ومرتبہ بالکل ختم کردیا اور دوسرے نے سب کچھ ہی انکو بنادیا۔ اسی طرح جبریہ وقدریہ کی راہ پر بھی نہیں چلے کہ ایک نے انسان کو بالکل مجبورِ محض بنادیا اور دوسرے نے مختارِ کل بنادیا، بلکہ ہر ایک کو اس کے مقام ومرتبہ اور دائرہ کار کے اندر ہی محیط رکھا۔ گویا **خیر الامور اوسطها** کا عملی نمونہ پیش کیا۔ (فللّٰہ الحمد)

④ مبتدع کی روایت کا حکم:۔ مبتدع (بدعقیدہ) کی روایت کے بارے میں تفصیل ہے کہ اگر اس کی گمراہی کفر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے تو اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے جیسے غالی شیعہ مثلاً باطنیہ، قرامطہ، امامیہ یعنی اثنا عشریہ اور خطابیہ وغیرہ۔

اور اگر اس کی گمراہی محض فسق کے درجہ میں ہے جیسے تفضیلی شیعہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا زیادہ حقدار قرار دیتا ہے) تو پھر اگر وہ اپنے باطل مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو وہ معاند ہے اور اصح مذہب کے مطابق اس کی روایت بھی جائز نہیں ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے اور اگر اپنے مذہبِ باطل کی طرف کسی کو دعوت نہیں دیتا تو پھر اس سے روایت کرنا جائز ہے۔ (فیض المنعم ص ۵۶)

⑤ اہلِ بدعت کی روایات ذکر کرنے کی وجہ:۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مبتدعین کی روایات مطلقاً ذکر نہیں کیں بلکہ چند شرائط کے ساتھ ذکر کی ہیں: ① مبتدع کی بدعت فسق کی حد تک ہو مفضی الی الکفر نہ ہو ② مبتدع اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو ③ جو حدیث روایت کررہا ہے اس سے اس کے نظریہ کی تائید نہ ہوتی ہو۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

باقی مبتدعین کی روایات کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر مبتدعین کی روایات کو بالکل قبول نہ کرتے تو ایسی صورت میں بہت بڑے ذخیرۂ حدیث سے ہاتھ دھونا پڑتا، اسلئے چند شرائط کے ساتھ انکی روایات ذکر کی گئی ہیں تاکہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ (عمدۃ المفہم)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**سمعت ابا هريرة يقص يقول فی قصصه من ادركه الفجر جنبا فلا يصوم قال فذكرت ذلك لعبد الرحمن بن الحارث لابيه فانكر ذلك فانطلق عبدالرحمن وانطلقت معه حتى دخلنا على عائشة وام سلمة فسالهما عبدالرحمن عن ذلك قال فكلتاهما قالت كان النبی ﷺ يصبح جنبامن غير حلم ثم يصوم ۔**

ترجم الحديث ۔ اذكر اختلاف السلف فی صحة صوم الجنب وعدمها مع دلائلهم۔ ما هو الحكم فی هذه

المسالة عند الأئمة الاربعة؟لماذاقید فی الحدیث بقوله "من غیرحلم" فهل له حکم آخر؟(ص۳۵۳۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ (۲)صومِ جنب میں سلف اور ائمہ اربعہ کا اختلاف(۳) **من غیر حلم** قید لگانے کی وجہ۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ (حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی روایات میں یہ بات کہا کرتے تھے کہ جس شخص کو جنبی ہونے کی حالت میں فجر ہوجائے تو وہ روزہ نہ رکھے (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے اس کا تذکرہ اپنے والدگرامی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا تو انہوں نے اس انکار کیا۔ پھر وہ اور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبدالرحمٰن نے ان سے اسکے بارے میں پوچھا تو دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صبح کو بیدار ہوتے تھے اور جنابت بھی احتلام سے نہ ہوتی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے۔

② صومِ جنب میں سلف اور ائمہ اربعہ کا اختلاف:۔ اس مسئلہ میں سات مذاہب منقول ہیں۔① ابن حزم کا مذہب یہ ہے کہ اگر غسل اور نماز سے قبل سورج طلوع ہوجائے تو پھر اس کا روزہ باطل ہوجائیگا، اسلئے کہ عمداً معصیت کرنا روزہ کو باطل کردیتا ہے ② حسن بن صالح بن حی کا مذہب یہ ہے کہ اگر فرض روزہ ہو تو اس کی قضاء مستحب ہے ③ سالم بن عبداللہ، عطاء بن ابی رباح اور حسن بصری کا قولِ ثانی یہ ہے کہ اس دن روزہ مکمل کرے اور بعد میں اسکی قضاء کرے ④ حسن بصری، حسن بن حی اور ابراہیم نخعی کا قولِ ثانی یہ ہے کہ نفلی روزہ رکھنا جنابت کی حالت میں درست ہے مگر فرض روزہ صحیح نہیں ہے ⑤ طاؤس، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر جنابت کا علم ہونے کے باوجود غسل نہ کرے تو روزہ صحیح نہیں ہے، وگرنہ روزہ صحیح ہے ⑥ حضرت فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قولِ مرجوع عنہ یہ ہے کہ مطلقاً جنبی کے لئے روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے ⑦ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے۔ حضرت علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابوذر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، سفیان ثوری، امام اوزاعی، لیث، امام احمد، اسحٰق، ابوثور، اسماعیل ابن علیہ، ابوعبیدہ، داؤد، ابنِ جریر رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (حاشیہ درس ترمذی) (ایضاح الطحاوی ۳:۲۷۷)

یہاں پر پہلے چھ مذاہب جو فی الجملہ قضاء وعدمِ صحت کے قائل ہیں وہ فریقِ اوّل اور ساتواں مذہب جو مطلقاً صحتِ صوم کے قائل ہیں وہ فریق ثانی ہیں۔

فریق اوّل کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا طویل واقعہ ہے کہ انہوں نے مروان کی امارت کے زمانہ میں بحالتِ جنابت صبح کرنے والے کے روزہ کے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا جب حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اس موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی ہے پس معلوم ہوا کہ روزہ کا فساد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس کا جواب واقعہ کے ضمن میں ہی گزر چکا ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے واضح کردیا کہ اس سے روزہ پر اثر نہیں ہوتا نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنی بات سے رجوع کرنا اسکے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔

فریقِ ثانی کی پہلی دلیل: اسی مضمون کی روایات ہیں جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تیرہ سندوں کے ساتھ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے چار سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

دوسری دلیل: کا حاصل یہ ہے کہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے ① حالتِ صوم میں جنابت کا طاری ہوجانا مثلاً بحالتِ صوم سوتے ہوئے احتلام ہوجائے ② حالتِ جنابت میں روزہ کا طاری ہوجانا مثلاً رات میں روزہ کی نیت کرلی تھی مگر بحالتِ جنابت صبح ہوگئی تو کیا ان دونوں کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ، تو ہم نے دیکھا کہ حالتِ صوم میں جنابت طاری ہونے سے بالاتفاق روزہ باقی رہتا ہے فاسد نہیں ہوتا تو کیا حالتِ جنابت میں روزہ طاری ہونے سے روزہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں بہت سی اشیاء میں ہمارا تجزیہ ہے کہ جو چیز دخول فی الصوم کے وقت میں روزہ کو فاسد کردیتی ہے وہی صوم کی حالت میں طاری

0312 635 3912 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہوجانے سے بھی روزہ کو فاسد کردیتی ہے مثلاً حیض اور نفاس یہ دونوں دخول فی الصوم کے وقت بھی روزہ کو فاسد کردیتے ہیں اور روزہ کی حالت میں پیش آنے سے بھی روزہ کو فاسد کردیتے ہیں لہٰذا اس سے یہ اصول نکل آیا کہ جو چیز اثناءِ صوم مفسد ہوتی ہے وہی ابتداءِ صوم میں بھی مفسد ہوتی ہے اور جو چیز اثناءِ صوم میں مفسد نہیں ہے وہی ابتداء میں بھی مفسد نہ ہوگی لہٰذا جب اثناءِ صوم جنابت طاری ہونے سے بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے تو ابتداءِ صوم میں پیش آنے سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا لہٰذا بغیر غسل کے جنابت کی حالت میں طلوع فجر ہوجانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ روزہ بحالہ باقی رہے گا اور یہ قیاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے موافق بھی ہے اور یہی ہمارے علماء کا مسلک ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ (ایضاً)

③ **من غیر حلم** قید لگانے کی وجہ:۔ یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے کہ اگر کوئی شخص احتلام کی وجہ سے جنبی ہے تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ باقی حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے یہ لفظ ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مباشرت کی وجہ سے جنبی ہوتے تھے، احتلام کی وجہ سے نہیں کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام احتلام سے محفوظ ہوتے ہیں۔

الشق الثانی.....**عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال لا يتلقى الركبان لبيع ولايبع بعضكم على بيع بعض ولاتناجشوا ولا يبع حاضر لباد ولاتصروا الابل والغنم فمن ابتاعها فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها فان رضيها امسكها وان سخطها ردها وصاعامن تمر۔** (ص۳۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحديث المبارك واشرحه شرحا موجزا ۔ اذكرمعنى التصرية لغة واصطلاحًا ۔ اذكر حكم بيع المصراة واختلاف العلماء فى ذلك بدلائلهم مع ترجيح الراجح فى ضوء تلك الادلة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) تصریہ کا معنٰی (۴) بیع مصراۃ کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''قافلہ سے بالا ہی بالا بیع کیلئے نہ ملا جائے، نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع کرے، تناجش بھی مت کرو، شہر والا گاؤں والے کے مال کو فروخت نہ کرے، اونٹ اور بھیڑ بکری کے تھنوں میں دودھ بغیر دوہے جمع کرکے مت رکھو، جس نے اسکے بعد جانور خریدا تو اسے دودھ دینے کے بعد دو باتوں کا اختیار ہے، چاہے اگر راضی ہو تو اسے ہی رکھ لے اور اگر راضی نہ ہو تو وہ جانور اور مزید ایک صاع (اناج وغیرہ کا) واپس کردے۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کی متعدد اقسام اور بعض دوسری باتوں سے منع فرمایا ہے اور احادیث میں ایک ہی معنٰی کے لئے متعدد الفاظ منقول ہیں مثلاً مطلقاً تلقی، تلقی رکبان یا تلقی جلب یا تلقی بیوع وغیرہ۔ ان سب سے مراد ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں تجارتی قافلے اور کاروان ایک شہر سے مال لیکر دوسرے شہروں میں جاتے تھے، تب ایسا ہوتا تھا کہ کوئی شہری تاجر شہر سے باہر جاکر اس تجارتی قافلہ سے معاملہ کرلیا کرتا تھا، اس قافلہ کو شہر کے نرخ اور مارکیٹ کا بھی اندازہ نہ ہوتا تھا تو وہ کم قیمت پر مال خرید لیتا اور ذخیرہ کرکے شہر میں اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کرتا، گویا شہر کی مارکیٹ پر اپنی اجارہ داری قائم کرلیتا جس میں اس تجارتی قافلہ کا بھی نقصان ہوتا تھا کہ وہ مارکیٹ سے کم قیمت پر اس کے ہاتھوں فروخت کردیا کرتے تھے جب کہ شہریوں کا بھی نقصان ہوتا تھا کہ ایک ہی تاجر کی اجارہ داری قائم ہونے کی بناء پر طلب و رسد کے اندر فرق واقع ہوتا تھا اور شہری اپنی ضروریات کے اندر ایک یا چند اشخاص کے محتاج ہوجاتے تھے، ایسا کرنا ممنوع ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تاجر تجارتی قافلہ سے مارکیٹ کی قیمت میں دھوکہ اور تلبیس سے کام نہ لے نہ ہی ذخیرہ اندوزی یا دیگر ناجائز مقاصد کے لئے معاملہ کرے بلکہ جائز طریقہ سے حصول نفع کے لئے معاملہ کرے تو یہ جائز ہے کیونکہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک اس حکم کی ممانعت ایک علت اور وجہ کی بنیاد پر ہے اور وہ ''ضرر اور تلبیس'' یعنی دھوکہ دہی اور نقصان ہے چنانچہ اگر کسی جگہ پر علت پائی گئی تو وہاں پر تلقی جلب بالکل ممنوع ہوگا لیکن اگر کسی جگہ پر علّت نہیں پائی جارہی ہے تو پھر تلقی جلب ممنوع نہ رہے گا بلکہ جائز ہوجائے گا۔

0313 6357943 maktabazakriyamultan@gmail.com

دوسری بات فرمائی کہ ”کوئی شخص دوسرے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے“۔اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار سے ایک چیز خرید رہا تھا اور خریدار و فروخت کنندہ کے درمیان قیمت پر رضامندی ہو چکی تھی اور دونوں کے درمیان بیع مکمل ہو چکی تھی کہ ایک دوسرا شخص آتا ہے اور اس خریدار سے کہتا ہے کہ آپ اس سے اپنا معاملہ فسخ کریں، میں اس سے زیادہ سستی چیز آپ کو فروخت کرتا ہوں، یا وہ شخص فروخت کنندہ سے کہتا ہے کہ اسے مال فروخت نہ کرو میں تم سے اس سے زائد قیمت پر لینے کیلئے تیار ہوں، یہ دونوں صورتیں ممنوع اور حرام ہیں۔

پھر فرمایا تناجش بھی مت کرو، تناجش کے لفظی معنیٰ یہ ہیں کہ کوئی آدمی خریداری میں دلچسپی نہ رکھتا ہو صرف بائع کے فائدہ کے لئے اجنبی بن کر سامان کی اصل قیمت سے زائد قیمت لگائے، جس سے خریدار یہ سمجھے کہ یہ حقیقتاً خریدار ہے اور زیادہ قیمت لگا رہا ہے لہٰذا زائد قیمت پر ہی خرید لے، یا اجنبی شخص سامان کی بلاضرورت تعریف کرے تاکہ خریدار زیادہ قیمت پر اسے خرید لے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بالاجماع حرام ہے اگر یہ فعل بائع نے کسی آدمی سے کروایا تو دونوں گناہگار ہوں گے۔

لیکن ابن مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی بائع سے خریدار اس کے سامان کی حقیقی قیمت سے بھی کم پر زبردستی لے جاتے ہوں تو ایسی صورت میں تناجش جائز ہے بلکہ تناجش کرنے والا ماجور ہوگا کیونکہ وہ ایک مسلمان بھائی کو اسکے نقصان سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔احناف رحمہم اللہ کے ہاں یہاں بھی اس پر فتویٰ ہے ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور تناجش کی صورت میں کی جانے والی بیع کا حکم یہ ہے کہ اس فعل کے گناہ ہونے کے باوجود یہ بیع منعقد اور صحیح ہوگی۔

تصریہ اور مصراۃ الابل کا مطلب یہ ہے کہ جانور کے تھن میں اسے فروخت کرنے سے دو تین روز قبل سے دودھ رہنے دیا جائے اور اسے دوہا نہ جائے تاکہ خریدار یہ سمجھے کہ یہ بہت زیادہ دودھ دینے والا جانور ہے۔ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

③ تصریہ کا معنیٰ:۔ تصریہ کا لغوی معنیٰ جمع کرنا ہے اور اصطلاحی معنیٰ ابھی تشریح کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ مشتری کو دھوکہ دینے کیلئے جانور کے تھنوں میں دودھ جمع کرنا، دو تین دن تک دودھ نہ دوہا جائے تاکہ مشتری سمجھے کہ یہ بہت زیادہ دودھ دینے والا جانور ہے۔

④ بیع مصراۃ کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”مصراۃ“ بکری یا ”محفلہ“ اونٹنی خریدنے والے مشتری کو تین دن کا اختیار ملے گا، چاہے تو وہ اس کو اپنے پاس رکھے یا واپس کر دے اور ساتھ میں ایک صاع کھجور بھی لوٹا دے۔پھر بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ ایک صاع کھجور ہی لوٹانا ضروری ہے جبکہ دوسرے بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ صاع تمر کا ذکر اتفاقی ہے، ورنہ اصل بات یہ ہے کہ جتنا دودھ نکال کر استعمال کیا ہے اس کی قیمت ادا کرے۔

حنفیہ اور اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں مشتری کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بکری بائع کو واپس کرے البتہ مشتری رجوع بالنقصان کر سکتا ہے وہ اس طرح کہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس وقت بازار میں اس بکری کی کیا قیمت ہے؟ اور مشتری نے اس کے دودھ سے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر کیا قیمت لگائی تھی؟ ان دونوں قیمتوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ بائع مشتری کو ادا کریگا یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔چونکہ یہ مسلک حدیثِ باب کے صریح معارض نظر آتا ہے اسلئے اس مسئلے میں حنفیہ کیخلاف بہت شور ہوا۔یہ ان مسائل میں سے ہے جن کی وجہ سے حنفیہ پر یہ تہمت لگی کہ وہ حدیث صحیح پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس حدیث کے دو جزو ہیں ایک خیار رد اور دوسرا رد کی صورت میں ایک صاع تمر دینا۔شوافع رحمہم اللہ تو اس کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے دونوں جزو کو اختیار کرتے ہیں۔امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ دونوں جزو کے خلاف عمل کرتے ہیں۔نہ رد کا اختیار دیتے ہیں اور نہ صاع تمر کے رد کا حکم دیتے ہیں۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے پہلے جزو پر تو عمل کرتے ہیں کہ مشتری کو رد کا اختیار دیتے ہیں لیکن دوسرے جزو یعنی مبیع کے ساتھ ایک صاع تمر کا رد بھی ضروری ہے، اسے اختیار نہیں کرتے۔البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاع کا لوٹانا ضروری نہیں ہے لیکن غالب قوت بلد میں سے ایک صاع کو لوٹانا ضروری ہے، خواہ وہ تمر ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور جنس ہو کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں غالب قوت مدینہ تمر تھی اس لئے حضور ﷺ نے اسی کا حکم دیا، ہمارے شہر میں جو قوت غالب ہوگی، ہمارے ہاں اس کا رد کرنا ضروری ہوگا۔

0313 6357912 maktabazakariyamultan@gmail.com

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جتنا دودھ مشتری نے اس شاۃ مصراۃ سے نکالا ہے اس کی قیمت لوٹانا ضروری ہے کیونکہ مضمون دودھ ہی ہے لہٰذا اس کی قیمت واجب ہوگی اور عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس دودھ کی قیمت ایک صاع تمر بنتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ادائیگی کا حکم دے دیا، یا پھر مصلحۃً اس کا حکم دیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس لئے چھوڑا کہ یہ حدیث بہت سے اصول شریعہ کے معارض تھی مثلاً ایک اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل مااعتدی علیکم**، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمان بقدر نقصان ہوتا ہے، دونوں میں مساوات ہوتی ہے، اگر حدیث پر عمل کرتے ہیں تو ضمان اور نقصان میں مساوات ممکن نہیں اس کے علاوہ یہ حدیث اور بھی اصول مسلّمہ کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں یہ بکری بائع کو واپس لوٹانے کی کوئی صورت نہیں، اسلئے کہ جس وقت بائع نے وہ بکری فروخت کی اس وقت بکری کے تھنوں میں جو دودھ تھا وہ بھی فروخت کیا تو وہ دودھ بھی مشتری کی ملکیت میں آ گیا اور وہ دودھ بھی مبیع کا ایک حصہ ہو گیا لہٰذا اگر کسی وقت اس بکری کو واپس لوٹایا جائے گا تو اس دودھ کو بھی لوٹانا ضروری ہوگا جو بیع کے وقت بکری کے تھنوں میں موجود تھا لیکن جب مشتری اس بکری کو خرید کر گھر لایا تو اس میں مزید دودھ پیدا ہو گیا اور یہ دودھ مشتری کی ملکیت اور اس کی ضمان میں پیدا ہوا اور یہ اصول وقاعدہ ہے کہ "الخراج بالضمان" یعنی اگر کوئی چیز کسی شخص کی ضمان میں ہے تو اسکے ضمان میں ہوتے ہوئے اس سے جو نفع حاصل ہوگا وہ اسی شخص کی ملکیت ہوگا جس شخص کے ضمان میں وہ چیز ہوگی تو چونکہ یہ بکری مشتری کے ضمان میں ہے اس لئے اس عرصہ میں پیدا ہونے والا دودھ بھی اس کی ملکیت ہونا چاہیے۔ اس قاعدہ کی رُو سے مشتری پر صرف پہلی قسم کا دودھ لوٹانا لازم ہونا چاہیے یعنی وہ دودھ جو بیع کے وقت بکری کے تھنوں میں موجود تھا اور دوسری قسم کا دودھ جو بعد میں پیدا ہوا، اس کا لوٹانا لازم نہ ہونا چاہیے۔ اب اگر ہم مشتری پر کل دودھ کی قیمت لازم کریں تو اس میں مشتری کا نقصان ہے کیونکہ اس دودھ میں وہ دودھ بھی تھا جو اس کے اپنے ضمان میں پیدا ہوا تھا اور اگر ہم مشتری پر بالکل قیمت لازم نہ کریں تو اس میں بائع کا ضرر ہے کیونکہ عقد کے وقت بکری میں جو دودھ تھا وہ بائع کے یہاں پیدا ہوا تھا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ مشتری پر اس دودھ کی قیمت لازم ہے جو عقد کے وقت تھا اور جو دودھ اس کے بعد اس کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے اس کی قیمت لازم نہیں ہے۔ مگر عقد کے وقت کتنا دودھ تھا اور بعد میں کتنا پیدا ہوا؟ یہ معلوم کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا اب واپسی کا کوئی راستہ ممکن نہیں اور جب دودھ کے رد کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے تو اس کے بغیر شاۃ مصراۃ کے رد کی بھی کوئی صورت ممکن نہیں ہے اسلئے وہی راستہ باقی رہ گیا ہے جو احناف رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ رجوع بالنقصان کر لیا جائے۔ (تقریر ترمذی ۱:۱۷۰)

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل ..... حَدَّثَنَا اَبُوْعَقِيْلٍ صَاحِبُ بُهَيَّةَ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ الْقَاسِمِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ فَقَالَ يَحْيٰى لِلْقَاسِمِ: يَا اَبَامُحَمَّدٍ اِنَّهٗ قَبِيْحٌ عَلٰى مِثْلِكَ، عَظِيْمٌ اَنْ تُسْاَلَ عَنْ شَيْئٍ مِّنْ اَمْرِ هٰذَا الدِّيْنِ فَلَا يُوْجَدُ عِنْدَكَ مِنْهُ عِلْمٌ وَلَا فَرَجٌ اَوْعِلْمٌ وَلَا مَخْرَجٌ، فَقَالَ لَهُ الْقَاسِمُ وَعَمَّ ذَاكَ؟ قَالَ: لِاَنَّكَ اِبْنُ اِمَامَيْ هُدًى اِبْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ، قَالَ يَقُوْلُ لَهُ الْقَاسِمُ: اَقْبَحُ مِنْ ذَاكَ عِنْدَ مَنْ عَقَلَ عَنِ اللّٰهِ اَنْ اَقُوْلَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَوْ آخُذَ عَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ، قَالَ فَسَكَتَ فَمَا اَجَابَهٗ۔ (ص۱۳۔ج۱۔قدیمی)

شكل العبارة بالضبط ۔ ترجم العبارة ترجمة واضحة ۔ مامعنى قوله لانك ابن امامى هدى ابن ابى بكروعمر؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مذکورہ جملہ کا مطلب۔

جواب ..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّفى السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ ابو عقیل صاحبِ بہیہ کہتے ہیں کہ میں قاسم بن عبداللہ اور یحییٰ بن سعید کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یحییٰ نے قاسم سے کہا کہ تمہارے جیسے آدمی کے لئے یہ بڑی خراب بات ہے کہ تم سے دین کے معاملہ میں کوئی سوال کیا جائے اور تمہارے پاس اس

سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو اور نہ تمہیں اس کے بارے میں کوئی علم ہو، قاسم نے کہا کہ وہ کیوں؟ یحییٰ نے کہا کہ تم ہدایت کے دو بڑے ائمہ یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہو، تو قاسم نے ان سے کہا کہ اس سے زیادہ بُری بات اس شخص کے نزدیک جسے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہو یہ ہے کہ میں بغیر علم کے کوئی بات کہہ دوں یا کسی غیر ثقہ راوی سے روایت حاصل کروں (اور پھر اسے آگے بیان کروں) ابوعقیل کہتے ہیں کہ یہ جواب سن کر یحییٰ خاموش ہو گئے۔

③ مذکورہ جملہ کا مطلب:۔ کہ تم ہدایت کے دو بڑے امام حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہو اور بیٹے سے مراد پڑپوتے ہیں۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت قاسم والد کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ہیں اور سلسلۂ نسب یوں ہے۔قاسم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب۔ گویا قاسم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پوتے ہیں اور والدہ کی طرف سے قاسم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ قاسم بن عبیداللہ کی والدہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے (قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی بیٹی ہیں گویا حضرت قاسم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تیسری نسل کے بیٹے ہیں اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی چوتھی نسل میں سے ہیں۔(درسِ مسلم ص ۱۴۳)

الشق الثانی.....فَدَلَّ بِمَاذَكَرْنَامِنْ هٰذِهِ الْآيِ اَنَّ خَبَرَالْفَاسِقِ سَاقِطٌ غَيْرُمَقْبُوْلٍ وَاَنَّ شَهَادَةَ غَيْرِالْعَدْلِ مَرْدُوْدَةٌ، وَالْخَبَرُ وَاِنْ فَارَقَ مَعْنَاهُ مَعْنَى الشَّهَادَةِ فِيْ بَعْضِ الْوُجُوْهِ فَقَدْ يَجْتَمِعَانِ فِيْ اَعْظَمِ مَعَانِيْهِمَا، اِذْ كَانَ خَبَرُ الْفَاسِقِ غَيْرَ مَقْبُوْلٍ عِنْدَاَهْلِ الْعِلْمِ كَمَا اَنَّ شَهَادَتَهٗ مَرْدُوْدَةٌ عِنْدَجَمِيْعِهِمْ ۔(ص۶۔ج۱۔قدیمی)

ترجم العبارة مع شكلها واشرحها ۔وضّح حكم شهادة الاعمى وخبره عند العلماء اهما مقبولتان ام مردودتان؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ عبارت کی تشریح ④ نابینا کی گواہی کا حکم۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ پس یہ آیتِ مبارکہ جو ہم نے ذکر کی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاسق آدمی کی خبر ساقط اور غیر مقبول ہے اور اسی طرح غیر عادل کی گواہی بھی مردود ہے۔اگرچہ روایتِ حدیث اپنے معنی کے اعتبار سے شہادت (گواہی) کے معنی سے مختلف ہے مگر دونوں اپنے اکثر معانی ومفاہیم میں مشترک ہیں (مثلاً اسلام، عقل، بلوغ، عدالت، ضبط واتقان وغیرہ) کیونکہ فاسق کی خبر اہلِ علم کے نزدیک غیر معتبر وغیر مقبول ہے جیسا کہ باجماعِ اہلِ علم اس کی گواہی مردود ہے۔

③ عبارت کی تشریح:۔ یہ ایک شبہ کا جواب ہے کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ خبر وشہادت دو مختلف ومتغایر حقائق ہیں کیونکہ مثلاً ذکورت اور حریت یہ دونوں شہادت کے لئے تو شرط ہیں مگر خبر اور حدیث میں عورت اور غلام کا بھی اعتبار ہے اس لئے شہادت پر قیاس کر کے خبر وحدیث میں بھی قرآنی آیات سے ثقاہت وعدالت کی شرط عائد کرنا قیاس مع الفارق ہے جو صحیح نہیں۔

اس کے جواب میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبر وشہادت میں اگرچہ بعض فروعی وجوہ وحیثیات سے افتراق واختلاف ہے مگر تاہم اُصولی وبنیادی وجوہ وحیثیات سے دونوں میں اشتراک واتحاد ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس طرح فاسق کی شہادت بالاتفاق مردود ہے اسی طرح اہلِ علم کے نزدیک فاسق کی حدیث وخبر بھی غیر مقبول ہے۔لہٰذا اشتراطِ عدالت پر شہادت کی طرح خبر کے متعلق بھی قرآنی آیات سے استدلال کرنا صحیح ہے۔(عمدۃ المفہم ص ۳۱)

④ نابینا کی گواہی کا حکم:۔ اگر نابینا آدمی حدود وقصاص کے معاملہ میں شہادت دے تو یہ بالاتفاق غیر مقبول ہے اور اگر حدود وقصاص کے علاوہ میں گواہی دے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ① اگر یہ گواہی اُن چیزوں میں سے ہو جن میں عام لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز ہے جیسے نسب، موت وغیرہ تو امام زفرؒ کے نزدیک اُس کی گواہی قبول کی جائے گی۔امام ابوحنیفہؒ سے ابنِ شجاع کی یہی روایت ہے ② اگر یہ گواہی اُن چیزوں میں ہو جن میں لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز نہ ہو بلکہ اُن میں مشاہدہ ومعائنہ شرط ہو جیسے خرید وفروخت وغیرہ تو پھر اگر نابینا آدمی تحملِ شہادت کے وقت بینا اور مشہود بہ غیر منقول ہو تو امام ابو یوسفؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اُسکی گواہی قبول کی جائیگی اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی منتفی ہو یعنی تحملِ شہادت کے وقت وہ بینا نہ ہو یا مشہود بہ غیر منقول نہ ہو بلکہ

0313 6357913 maktabazalariyamultan@gmail.com

منقول ہوتو ائمہ ثلاثہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس صورت میں نابینا کی گواہی قبول نہ ہوگی۔(اشرف الہدایہ ج۱۰ص۶۱)

اگر کوئی نابینا شخص جو حدیث کو سن کر حفظ نہیں کرسکتا، اگر وہ حدیث کو لکھنے میں کسی ایسے شخص کی مدد لیتا ہے جو ثقہ ہے اور وہ سن کر ٹھیک ٹھیک حدیث کو لکھ کر محفوظ کرسکے اور اُس کے بعد وہ نابینا شخص کو صحیح صحیح حدیث پڑھ کر بھی سنا سکے تو اکثر اہلِ علم کے نزدیک اُس کی روایت قبول ہے۔یہی معاملہ اُس آنکھوں والے شخص کا بھی ہے جو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔(علوم الحدیث)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی هريرة قال: لماتوفی رسول اللهﷺ واستخلف ابوبكر بعده وكفر من كفر من العرب قال عمر بن الخطاب لابی بكر كيف تقاتل الناس وقدقال رسول اللهﷺ امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لااله الاالله فمن قال لااله الا الله فقد عصم منی ماله ونفسه الابحقه وحسابه على الله تعالٰی،فقال ابوبكر والله لاقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة فان الزكاة حق المال...** (ص۳۷۔ج۱۔قدیمی)

من هم المراد بقوله "كفرمن كفر من العرب"۔كم صنفا كان اهل الردة عندئذ۔كيف انشرح صدر ابی بكر بالقتال مع ان من قال:لااله الاالله لايقاتل، كما هوظاهرالحديث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱) **کفرمن کفر من العرب** کا مصداق(۲)دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں مرتدین کی اقسام(۳)کلمہ پڑھنے کے باوجود قتال کی وجہ۔

جواب.....① **کفرمن کفر من العرب کا مصداق:۔** آنحضرت ﷺ کے اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد مرتدین کی تین اقسام تھیں۔① وہ لوگ جو دوبارہ بت پرستی کی طرف لوٹ گئے تھے ② وہ لوگ جنہوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جھوٹے مدعی نبوت کی اتباع کرلی تھی ③ وہ لوگ جو اسلام پر تو قائم رہے مگر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کردیا تھا۔

② **دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں مرتدین کی اقسام:۔** نبی اکرم سرور عالم ﷺ کے وصال کے بعد قبائل عرب میں سے بہت سے قبائل مرتد ہوگئے تھے جن میں بنوغطفان، بنوفزارہ اور بنوسلیم وغیرہ شامل ہیں۔قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وصال النبی ﷺ کے بعد مرتدین کی تین قسمیں تھیں ① ایک تو وہ لوگ تھے جو دوبارہ بت پرستی کی طرف لوٹ گئے تھے ② دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کذاب کی اتباع کرلی تھی۔ان دونوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔اہل یمامہ نے مسیلمہ کی اور اہل صنعاء نے اسود کی تصدیق کی تھی۔اسود عنسی تو حضور ﷺ کے وصال سے کچھ دن قبل مارا گیا تھا اور اس کے بچے کھچے متبعین سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عمال نے قتال کیا جبکہ مسیلمہ کی سرکوبی کیلئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لشکر تیار کیا جس میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سردار تھے جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کردیا③ تیسری قسم وہ لوگ تھے جو اسلام پر تو قائم رہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کردیا اور یہ دلیل دی کہ زکوٰۃ نبی ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی اور انہی سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا۔جس پر شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر نہ تھا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت دیکھ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطاء فرمادیا۔اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرنیوالوں سے قتال کرونگا۔اور جو شخص حضور ﷺ کے زمانے میں ایک رسی بھی زکوٰۃ میں دیا کرتا تھا، اگر نہیں دے گا، اس سے بھی قتال کرونگا۔کیونکہ زکوٰۃ ارکان اسلام اور ضروریات دین میں سے ہے اور ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر بھی کافر ہے اور اسلام سے کفر کی طرف لوٹنا قتل کا مستوجب ہے۔لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث سے شبہ ہوا کہ صرف **لاالٰہ الا اللہ** کے اقرار پر جان و مال محفوظ ہوجاتا ہے اور یہ لوگ بھی تمام باتوں پر ایمان رکھتے تھے صرف زکوٰۃ کے منکر ہوئے تھے۔اسی لئے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ان سے اس کلمہ توحید کے اقرار کے بعد کیسے قتال کریں گے کیونکہ وہ زکوٰۃ کے علاوہ تمام ارکان پر ایمان رکھتے ہیں؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کرے گا(اعتقاداً) میں اس سے ضرور قتال کرونگا

0312 6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کیونکہ اعتقاد کے اعتبار سے تمام فرائض اور ارکان برابر ہیں۔

ابو محمد بن حزم نے اپنی معروف کتاب **الملل والنحل** میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد عرب چار گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ① پہلا طائفہ ان لوگوں کا تھا جو آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے طریقہ پر قائم رہے جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں اس پر قائم تھے۔ یہ جمہور مسلمانوں کا طائفہ تھا۔ ② دوسرا گروہ وہ تھا جو اسلام پر تو باقی رہا اور یہ بھی کہتا رہا کہ ہم تمام احکامات کو پورا کرتے رہیں گے لیکن ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرینگے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ایک کی اطاعت نہیں کرینگے۔ ایسے لوگ بکثرت تھے لیکن عام مسلمانوں کی بہ نسبت بہت تھوڑے تھے۔ ③ تیسرا گروہ وہ تھا جس نے کفر اور ارتداد کا اعلان کر دیا یہ طلیحہ اور سجاح (نامی عورت) کے پیروکار تھے اور تقریباً عرب کے ہر قبیلہ میں ایسے افراد کی نمائندگی تھی۔ ④ چوتھا گروہ وہ تھا جس نے ''تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو'' کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے توقف کیا اور اس انتظار میں رہے کہ مذکورہ بالا تینوں گروہوں میں سے جس فریق کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کی طرف لشکر بھیجے۔ اسود عنسی (کذاب مدعیٔ نبوت) کے علاقہ میں فیروز رضی اللہ عنہ نے غلبہ حاصل کر کے اسود کو قتل کر دیا مسیلمہ کذاب کو یمامہ میں قتل کر دیا گیا۔ طلیحہ اور سجاح دونوں واپس مسلمان ہو گئے۔ اور اکثر مرتدین واپس دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یہ سب لوگ اسلام کے سایہ عاطفت میں لوٹ آئے۔

حدیثِ باب میں **کفر من کفر من العرب** کے الفاظ کو مطلق بیان کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو مطلق رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں گروہوں کو شامل ہو جائے تو لفظ کفر من کفر منکرین کے حق میں بطور حقیقت استعمال ہوا اور دوسروں کے حق میں بطور مجاز استعمال ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور ان کے جہالت کے عذر کو قبول نہ کیا۔ ان کی طرف لشکر بھیجے جنہوں نے انہیں دعوت اسلام دی لیکن جب انہوں نے اپنے کفر پر اصرار کیا تو ان سے قتال کیا۔

خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روافض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلی بار مسلمانوں کو قید کیا حالانکہ مانعین زکوٰۃ کی ادائیگی اور فرضیت کے منکر نہیں تھے بلکہ تاویل کرتے تھے اور متاوّل کافر نہیں ہوتا۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن کریم کی آیت **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم، ان صلاتك سكن لهم** میں خاص نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور اس آیت میں تطہیر، تزکیہ اور دعا کی جو شرائط ہیں یہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتیں لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی ختم ہو گیا لہٰذا روافض کہتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ تأویل کی تو شبہ کی وجہ سے اب ان سے قتال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خطابی رحمہ اللہ نے یہ ساری تفصیل لکھنے کے بعد فرمایا کہ روافض کا یہ خیال بالکل باطل و فاسد ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کا دین ایمان میں کوئی حصہ نہیں، ان کا تو راس المال ہی جھوٹ، کذب و افتراء، دروغ گوئی ہے۔ سلف کے اندر کیڑے نکالنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ارتداد کی تین قسمیں تھیں ① مسیلمہ کذاب کے پیروکار ② نماز اور زکوٰۃ کے مانعین اور تمام احکامات شریعت کے منکرین۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار قرار دیا اور اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی قیدی عورتوں کو لونڈی بنایا۔ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کام میں ان کی معاونت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک باندی سے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے کیونکہ وہ باندی بنو حنفیہ کی تھی۔ پھر دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا تھا کہ مرتد کو قید نہیں کیا جائے گا (بلکہ اسکی سزا قتل ہے) ③ جہاں تک مانعینِ زکوٰۃ کا تعلق ہے تو اہلِ بغاوت (باغی) تھے۔ ان کو کافر تو نہیں کہا گیا لیکن جزوی طور پر ان کو بھی مرتد کہا گیا کیونکہ یہ مرتدین کے شریک تھے اور مرتدین سے اشتراک کی وجہ سے یہ اسم قبیح ان کا بھی لقب بن گیا۔

جہاں تک سورۂ توبہ کی آیتِ بالا کا تعلق ہے اس میں روافض نے خطاب کو بنیاد بنایا ہے تو جاننا چاہیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تین طرح سے خطاب فرمایا ہے۔ ① خطاب عام..... جس میں حضور ﷺ اور تمام مسلمان شریک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **یا ایها الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰة الآیة** ② خاص نبی ﷺ کو خطاب..... جس میں آپ ﷺ کو خطاب ہے اس میں

0313 6357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

عام مسلمان شریک نہیں ہیں جیسے ومن اللیل فتهجدبه نافلة لك نیز خالصة لك من دون المؤمنين ③ وہ جس میں لفظاً تو حضور ﷺ کو خطاب کیا گیا ہو لیکن اس میں عام مسلمان بھی شریک ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول اقم الصلوٰة لدلوك الشمس یا فاذاقرأت القرآن فاستعذ بالله ۔تو آیت مذکورہ خذ من اموالهم صدقة میں بھی خطاب اسی تیسری نوعیت کا ہے۔ جہاں تک تطہیر اور تزکیہ اور دعا کا تعلق ہے تو امام المسلمین کو چاہیے کہ زکوٰۃ دینے والوں کے حق میں دعا کرے۔ لہٰذا مانعینِ زکوٰۃ کے ساتھ باغیوں کا سلوک کیا گیا کیونکہ اسلام پھیل چکا ہے اسکے احکامات عام ہو چکے ہیں اور علماء تو کیا عوام اور جہلاء بھی زکوٰۃ کے ارکان اسلام میں سے ہونے کا علم رکھتے ہیں لہٰذا اگر کوئی زکوٰۃ یا دین کے کسی اور معروف حکم کے بارے میں تأویل یا انکی فرضیت کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہے جیسے پانچ نمازوں میں سے کسی ایک کا انکار، رمضان کے روزوں کا انکار، جنابت سے غسل واجب نہ ہونے کا انکار یا زنا کی حرمت کا انکار، شراب کی حرمت ذوات المحارم سے نکاح کی حرمت وغیرہ کا انکار کفر کے زمرہ میں داخل ہے۔

اِلّا یہ کہ کوئی شخص نومسلم ہو اور اسلام کے احکامات سے پوری طرف واقف نہ ہو، نہ حدود اسلام کی واقفیت رکھتا ہو اگر وہ جہالت کی وجہ سے ان مذکورہ باتوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے تو اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا۔

حدیث بالا میں ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ قیاس کرنا شریعت میں حق ہے اور کسی حکم پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جیسے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس فرمایا۔ اسی طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی ان احادیث کے بارے میں علم نہیں تھا جو حضرت انس، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہیں کیونکہ یہ روایات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موقف کو ثابت کرتی ہیں لہٰذا اگر انہیں ان احادیث کا علم ہوتا تو وہ قیاس کرنے کے بجائے ان احادیث سے استدلال کرتے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان احادیث کا علم ہوتا تو وہ اعتراض ہی نہ کرتے۔

لہٰذا حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخفی ہوتی ہے اور کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔ (کشف الباری، درسِ مسلم)

③ کلمہ پڑھنے کے باوجود قتال کی وجہ:۔ اس امر کا جواب بھی ماقبل والے امرِ ثانی کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ الی قوله فی خمس من الغيب لايعلمهنّ الّا الله، ثم قرء: انّ الله عِنْدَه عِلمُ الساعةِ وينزّلُ الغيثَ ويعلم مافِی الارحامِ وما تدرِی نفس ما ذا تكسِبُ غدًا وما تدرِی نفسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تموتُ ۔ اجب عن الاسئلة التالية فی ضوء هٰذا الحديث:

ما هو علم الغيب؟ وماً هو الفرق بين علم الغيب و انباء الغيب وما هو المختص بالله تعالٰی وما هو حاصل للانبياء عليهم السلام؟ قد تخبر الجهات الفنية بالامطار قبل وقوعها هل هٰذا الاخبار منافٍ لما ذُكر فی الآية والحديث؟ قد يخبر الاطباء بمعونة الآلات الحديثة انّ ما فی رحم المرأة الحاملة ذكر او انثٰی ويكون هذا الخبر صحيحا فی الواقع فكيف صح اختصاص هٰذا العلم بالله سبحانه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① علمِ غیب کا مفہوم اور علمِ غیب وانباءِ غیب میں فرق ② اللہ تعالیٰ وانبیاء کے ساتھ مختص چیز کی نشاندہی ③ محکمۂ موسمیات کی پیشین گوئی کے آیت وحدیث کے منافی نہ ہونے کی وضاحت ④ اطباء کو رحم میں مذکر ومؤنث بچہ کا علم ہونے کے باوجود علمِ غیب کے باری تعالیٰ کے ساتھ اختصاص کی وجہ۔

جواب.....① و ② علمِ غیب کا مفہوم، علمِ غیب وانباءِ غیب میں فرق اور اللہ تعالیٰ وانبیاء کے ساتھ مختص چیز کی نشاندہی:۔

علم غیب اور تمام کائنات کا علمِ محیط کلّی ویقینی یعنی کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کہ کوئی چیز بھی اس سے خارج نہ ہو یہ صرف اور صرف اللہ

0313 6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تعالیٰ کی صفت ہے اس میں کسی مخلوق کا کوئی بھی فرد حتی کہ کوئی بھی فرشتہ اور نبی مرسل بھی شریک نہیں ہے، اس میں کسی بھی درجہ میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا سراسر ناانصافی اور ظلم عظیم ہے اور قرآن کریم واحادیث مبارکہ میں بے شمار مقامات پر اسی عقیدۂ توحید کو بیان کیا گیا ہے اور اسی شرک والے گناہ عظیم کے خاتمہ کیلئے قرآن کریم کا نزول اور انبیاءؑ کی بعثت ہوئی اور ہر ایک نے دنیا کے تمام رابطوں کو ختم کر کے ایک طرف ہی پوری مخلوق کو متوجہ کیا اور کلمۂ توحید کی دعوت دی۔ اس کائنات میں اگر معمولی علمِ غیب بھی ہوتا تو وہ اللہ کے محبوب پیغمبر آنحضرت ﷺ کو ہوتا مگر آپ ﷺ کی ساری زندگی دعوتِ توحید میں ہی گزری اور بے شمار مقامات پر آپ ﷺ کی زندگی سے عملی طور پر ایسے واقعات نمودار ہوئے جن کی وجہ سے آپ کے علمِ غیب کی نفی ہوتی ہے، اگر آپ ﷺ کو علمِ غیب ہوتا تو آپ ﷺ ہر نفع کی چیز کو حاصل کرتے اور نقصان دہ چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتے۔ کبھی تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے۔ مگر سب سے زیادہ تکالیف کا سامنا آپ ﷺ کو ہی کرنا پڑا ہے۔

البتہ انبیاء علیہم السلام کو جو علم دیا جاتا ہے اور خصوصاً آپ ﷺ کو جو علم دیا گیا وہ تمام مخلوقات جن وانس سے بڑھ کر تھا اسی عطاء کردہ علم کی وجہ سے آپ نے متعدد غیب کی باتوں کی خبر بھی دی جن کی صداقت اور سچائی کی غیروں نے بھی گواہی دی اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کو متعدد غیب کی چیزوں کا علم دیا گیا تھا مگر اسکی وجہ سے آپ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ درسِ مسلم میں فرماتے ہیں کہ آیتِ زیر بحث میں جو صرف پانچ چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا علم قطعی کلی کسی مخلوق کو نہیں، صرف اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتا ہے، یہ کوئی تخصیص کیلئے نہیں، ورنہ سورہ نمل کی آیت: **قل لا یعلم من فِی السمٰوتِ والارضِ الغیب اِلّا اللّٰہ**، سورہ انعام کی آیت: **وعِندہ مفاتِح الغیبِ لا یعلمھا اِلّا ھو ویعلم ما فِی البرِ والبحرِ وما تسقط مِن ورقۃ اِلّا یعلمھا ولا حبّۃ فِی ظلمٰتِ الارضِ ولا رطب ولا یابس اِلّا فِی کتاب مبین**، سورہ طلاق کی آیت: **انّ اللّٰہ قد احاط بِکلِ شی عِلما** اور ان کی ہم معنی دوسری آیات سے تعارض لازم آئے گا، کیونکہ ان آیات میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط صرف ان پانچ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط جس سے کائنات کا کوئی ذرہ اور اس کا کوئی حال خارج نہ ہو، وہ بھی صرف اللہ جل شانہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور آیت زیر بحث میں ان پانچ چیزوں کو ان کی خاص اہمیت جتلانے کیلئے ذکر فرمایا گیا ہے کہ عام طور سے جن غیب کی چیزوں کو انسان معلوم کرنے کی خواہش کرتا ہے وہ یہی پانچ چیزیں ہیں۔ نیز علمِ غیب کا دعوی کرنے والے نجومی وغیرہ جن چیزوں کی خبر میں لوگوں کو بتا کر اپنا عالم الغیب ہونا ثابت کرتے ہیں وہ یہی پانچ چیزیں ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے انہی پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ان پانچوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: **اوتِیتُ مفاتیح کُلّ شیئ اِلا الخمس**۔ اس میں لفظ **اوتِیتُ** نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غائبات کا علم آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا، اسلئے وہ علمِ غیب کی تعریف میں شامل نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیا اللہ کو بذریعہ الہام جو غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیدی جاتی ہیں وہ حقیقت میں علمِ غیب نہیں جن کی بناء پر ان کو عالم الغیب کہا جاسکے، بلکہ وہ انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اپنے فرشتوں رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرمادیتا ہے، قرآن کریم میں ان کو انباء الغیب فرمایا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **تِلک مِن انباءِ الغیبِ نوحِیھا اِلیک**۔ اسلئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ بطور انباء الغیب بھی کسی فرشتے اور رسول کو ان کا علم نہیں دیا، ان کے علاوہ دیگر بہت سی مغیبات کا علم انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی دے دیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے فوائدِ تفسیر میں ایک مختصر جامع بات فرمائی ہے جس سے بہت سے اشکالات ختم ہوجاتے ہیں، وہ یہ کہ غیب کی دو قسمیں ہیں: ① حکامِ غیبیہ، جیسے احکام شرائع، جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بھی داخل

0312 6357913 maktabazakariamultan@gmail.com

ہے، جس کو علمِ عقائد کہا جاتا ہے۔ اور وہ تمام احکامِ شرعیہ بھی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے کام پسند ہیں کون سے ناپسند، یہ سب چیزیں غیب ہی کی ہیں۔ ② اکوانِ غیبیہ یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا علم۔ پہلی قسم کے غائبات کا علم حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو عطا فرمایا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے: **فلا یظھر علیٰ غیبه احدا اِلّا من ارتضیٰ مِن رسول** (اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے بجز اس رسول کے جس کو اللہ تعالیٰ اس کام کیلئے پسند فرمائیں)۔ دوسری قسم یعنی اکوانِ غیبیہ کا علمِ کلی تو حق تعالیٰ کسی کو عطا نہیں فرماتے، وہ بالکل ذاتِ حق کے ساتھ مخصوص ہے، مگر علم جزئی خاص خاص واقعات کا جب چاہتا ہے، جسقدر چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اس طرح اصل علم غیب تو سب کا سب حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکام غیب کا علم تو عادۃً انبیا علیہم السلام کو بذریعہ کوئی جتلاتے ہی ہیں، اور یہی علم ان کی بعثت کا مقصد ہے، اکوان غیب کا علم جزئی بھی انبیا واولیا کو بذریعہ وحی یا الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرما دیتا ہے، جو من جانب اللہ عطا کیا ہوا علم ہے، اس کو حقیقی معنی کے اعتبار سے علم الغیب نہیں کہا جاسکتا، بلکہ انباء الغیب (غیب کی خبریں) کہا جاتا ہے۔

بریلوی مکتب فکر کے ممتاز عالم دین مولانا غلام رسول سعیدی صاحب اپنی تصنیف ''شرح صحیح مسلم میں علم غیب کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: علامہ نووی، علامہ کرمانی، علامہ عسقلانی، علامہ عینی اور دیگر علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کو بتقاضائے بشریت غیب کا علم نہیں تھا۔ اس مسئلے میں علمائے اہلِ سنت کا یہ موقف کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ غیب کا علم عطا فرمایا ہے، لیکن مطلقا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے، دو وجہ سے درست نہیں ہے۔ اول اس لئے کہ یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید نے اللہ کے غیر سے مطلقا علم غیب کی نفی کی ہے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ جب مطلقا علم کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد علم بالذات ہوتا ہے، اس لئے یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے، یا یوں کہا جائے کہ انبیا علیہم السلام غیبیہ عطا کئے گئے اور کسی مخلوق کی طرف مطلقا علم غیب کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کسی کو عالم الغیب کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی موضوع پر مفصل بحث کے بعد آخر میں فاضل مصنف لکھتے ہیں:۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مطلق کے ساتھ منفرد ہے جو جمیع معلومات کے ساتھ متعلق ہے، اور اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اپنے رسولوں کو ان بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے جو رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ یہ آخری فقرہ ایسا ہے کہ فاضل مؤلف کے تمام اہلِ مسلک اس پر متفق ہو جائیں اور اس سے آگے تجاوز نہ کریں تو اس سنگین مسئلے میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ (درس مسلم ۱:۲۶۷)

③ محکمۂ موسمیات کی پیشین گوئی کے آیت وحدیث کے منادی نہ ہونے کی وضاحت:۔ یہاں اشکال ہوتا ہے کہ محکمہ موسمیات پیشگی اطلاع دے دیتا ہے کہ فلاں جگہ بارش ہوگی اور ہوائی جہازوں کی پروازوں کا نظام محکمہ موسمیات کی رپورٹ پر مبنی ہوتا ہے، اور یہ پیشگی اطلاعات عموما درست ہوتی ہیں تو بظاہر یہ آیت قرآنیہ کے خلاف نظر آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد علم قطعی ہے، جبکہ محکمہ موسمیات کی رپورٹ ظنی ہوتی ہے، اور اس کا خود محکمہ موسمیات والے بھی اعتراف کرتے ہیں، بسا اوقات ان کی بات درست ثابت ہوتی ہے اور بعض اوقات غلط بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ نیز بارش کا محکمہ موسمیات کو جتنے درجے کا بھی ظن ہوتا ہے وہ جزوی طور پر ہوتا ہے کلی طور پر نہیں ہوتا، محکمہ موسمیات کے پاس ایسا کلی علم نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ قطعی اور کلی طور پر بتا سکیں کہ دنیا بھر میں قیامت تک کہاں، کب کب، کتنی کتنی بارش ہوگی۔ اور علم حقیقۃً کلی ہی ہے، جزئیات کے عالم کو عالم نہیں کہا جاتا۔ مثلا کوئی آدمی بہشتی زیور کی ساری جزئیات کو یاد کرلے تو وہ اِن جزئی مسائل کو یاد کرنے سے عالم نہیں کہلائے گا، کیونکہ بہشتی زیور سے صرف مسائل جزئیہ کا علم تو ہوتا ہے، کلیات کا نہیں۔ اسی طرح کوئی بہت سی بیماریوں کی دوائیں یاد کرلے تو اس سے وہ طبیب اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا کیونکہ اس کا علم کلی نہیں صرف جزئیات پر مشتمل ہے۔ (درس مسلم)

④ اطباء کو رحم میں مذکر ومؤنث بچہ کا علم ہونے کے باوجود علم غیب کے باری تعالیٰ کے ساتھ اختصاص کی وجہ:۔ اس آیت سے

0313 6357915 maktabazakariyamultan@gmail.com

معلوم ہوا کہ رحمِ مادر میں یہ پتہ نہیں لگایا جاسکتا کہ جنین (بچہ) مذکر ہے یا مؤنث؟ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ الٹراساؤنڈ کے ذریعہ ولادت سے پہلے ہی بچے کا مذکر یا مؤنث ہونا یقینی طور پر معلوم ہوجاتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مذکر ومؤنث کا ذکر نہیں بلکہ ''مافی الارحام'' ہے کہ جو کچھ بھی ارحام میں ہے اس کا علم کلی قطعی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، چنانچہ ابھی تک اگرچہ الٹراساؤنڈ سے بھی جنین کا مذکر ومنث ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا، مگر ممکن ہے کہ مستقبل میں مذکر ومؤنث کا علم حاصل ہونے کا کوئی طریقہ دریافت ہوجائے تو پھر بھی ڈاکٹروں کا علم جزئی ہوگا کلی نہ ہوگا، کیونکہ وہ اس علم کا دعویٰ پھر بھی نہیں کرسکیں گے کہ دنیا میں جتنی بھی مؤنثات ہیں یا آئندہ ہوں گی، خواہ انسانوں کی ہوں یا جانوروں کی ان کے ارحام میں مذکر ہیں یا مؤنث؟ شقی ہیں یا سعید؟ بے وقوف ہیں یا عقلمند؟ ایسے علم کا دعویٰ کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ (درس مسلم)

الشق الثانی.....عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَیُؤْتُوا الزَّکَاةَ، فَاِذَا فَعَلُوْا عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ۔

اکتب الحدیث مع تشکیله ثم اشرح الجملة المعلمة۔ وضّح ایراد المتجددین بالحدیث المذکور والجواب عنها۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② جملہ مخطوطہ کی تشریح ③ حدیثِ مذکور پر اعتراض وجواب۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مر فی السوال آنفًا۔**

② جملہ مخطوطہ کی تشریح:۔ اس جملہ میں **الناس** کا الف لام استغراق کا نہیں بلکہ عہدِ خارجی کا ہے، اس سے تمام کافر مراد نہیں ہیں بلکہ مشرکینِ عرب مراد ہیں۔ عام کافر جزیہ دے کر کسی بھی مسلمان ملک میں رہ سکتے ہیں، مگر مشرکینِ عرب کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا مقررہ مدت تک جزیرۃ العرب چھوڑ دیں، وگرنہ ان سے قتال ہوگا۔

③ حدیثِ مذکور پر اعتراض وجواب:۔ آیت کریمہ **فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم و خذوهم و احصروهم و اقعدوا لهم کل مرصد فان تابوا و اقاموا الصلوة و اٰتوا الزکوٰة فخلّوا سبیلهم** (توبہ:۵) (تو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور انھیں گھیرو اور ان کیلئے ہر گھات کی جگہ بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو) اور اس مذکورہ حدیث پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور اسلام اس وقت تک کافروں سے لڑنے کا حکم دیتا ہے جب تک وہ سب کے سب اسلام قبول نہ کرلیں تو پھر یہ مصالحت اور کافروں کو اپنے مذہب پر برقرار رکھنے والی بات کیسے مان لی جائے؟ درحقیقت یہ آیت نہ صرف مسلمانوں کے فرضِ منصبی کو واضح کرتی ہے بلکہ غیر مسلموں کے انجام کا بھی اعلان کرتی ہے۔ نیز اس آیت وحدیث نے ان تمام لوگوں کا کھلا بلیک وارنٹ جاری کردیا جو مسلمان نہیں ہیں اگرچہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی برا ارادہ نہ رکھتے ہوں، ان کا غیر مسلم ہونا ہی ان کا خون مباح کرنے کیلئے کافی ہے۔

0213-6357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب یہ ہے کہ یہ بیان مشرکینِ عرب کے متعلق تھا اور درحقیقت ناقدینِ اسلام اس آیت کا حوالہ سیاق وسباق سے ہٹ کردیتے ہیں۔ آیت کے سیاق وسباق کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس سورت کا مطالعہ شروع سورت سے کیا جائے کہ مسلمان ومشرکین کے درمیان جو معاہداتِ امن ہوئے تھے ان سے براءت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس براءت ومعاہدات کی منسوخی سے عرب میں شرک ومشرکین کا وجود عملاً خلافِ قانون ہوگیا کیونکہ ملک کا غالب حصہ اسلام کے زیرِ حکم آچکا تھا، ان کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ یا تو لڑنے پر تیار ہوجائیں یا ملک چھوڑ کر نکل جائیں یا پھر اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نظم وضبط میں دے دیں اور مشرکین کو اپنا رویہ بدلنے کیلئے چار ماہ کا وقت دیا گیا۔ امام ابوبکر جصاص نے اسی تخصیص پر اپنی کتاب شرح مختصر طحاوی میں لکھا ہے: یہ آیت مشرکینِ عرب کے بارے میں اتری ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان پچھلی آیت ہے: **فاتموا الیهم عهدهم الیٰ مدتهم** (ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی مدت پوری کرو) اسلئے کہ آپ ﷺ کا اس وقت معاہدہ صرف مشرکینِ عرب سے تھا، قرآن کے اسی حکم کو اللہ

کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے۔امام بخاریؒ نے اِس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر کے طور پر بیان کیا ہے۔

یہ حکم خصوصی طور پر مشرکینِ عرب کے متعلق ہے،اسکا تاریخی ثبوت مشرکینِ ہند کے ساتھ دوسری صدی ہجری میں محمد بن قاسم کا رکھا گیا برتاؤ ہے اور مشرکینِ ہند کو اس وقت سے لے کر مغلیہ دور تک جزیہ (ٹیکس) لے کر رعایا کے طور پر قبول کیا جاتا رہا۔

اسی طرح اس سورت کی دیگر سیاق وسباق کی آیات سے بھی اس پروپیگنڈہ کی نفی ہوتی ہے:①**وان احد من المشرکین استجارك فأجره حتی یسمع کلام الله ثم ابلغه مأمنه** (اگر ان مشرکین میں سے کوئی مزید مہلت مانگے اور وہ اسلام کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہو تو اسے پناہ دی جائے اور اللہ کا کلام سنایا جائے یعنی اسلام کی حقانیت کے دلائل سمجھائے جائیں،صرف اللہ کا کلام سنانے پر اکتفانہ کیا جائے (توبہ:۶))②**و ان جنحوا للسّلم فاجنح لها و توکّل علی الله** (اگر یہ کافر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھکو اسی طرف اور اللہ پر بھروسہ کرو (انفال:۶۱))③**قاتِلوا الذِین لا یؤمِنون بِاللهِ ولا بِالیومِ الاٰخِرِ ولا یحرِّمون ما حرّم الله ورسوله ولا یدِینون دِین الحقِ مِن الذِین اوتوا الکِتب حتّی یعطوا الجزیة عن ید وهم صٰغِرون** (لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ یہ دینِ اسلام قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دیں (توبہ:۲۹)) (تلخیص درسِ مسلم)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....**قال النبیّ ﷺ: اَلْاَیِّمُ احقُّ بنفسِها مِنْ وَلِیِّهَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاْذَنُ فی نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔ ترجم الحدیث۔ هل ینعقد النکاح بعبارة النساء بغیر ولی ام لا؟ اذکر مذاهب العلماء مع ادلتهم علی ذلك مع بیان ماهوالمختار عند الحنفیة فی ضوء البر اهین والادلة۔**(ص۴۵۵۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② **نکاح بعبارة النساء بغیر ولی** میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل ووجہ ترجیح۔

جواب.....① حدیث کا ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ثیبہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور باکرہ سے اجازت لی جائے گی اس کے بارے میں اور اس کی اجازت اسکا خاموش رہنا ہے۔

② **نکاح بعبارة النساء بغیر ولی** میں اختلاف:۔ جمہور کے نزدیک عباراتِ نساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے اور اس میں صغیرہ وکبیرہ،باکرہ وثیبہ اور عاقلہ ومجنونہ سب برابر ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عباراتِ نساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ عورت آزاد،عاقلہ وبالغہ ہو۔البتہ ولی کا ہونا مندوب ومستحب ہے۔

③ ائمہ کے دلائل اور وجہ ترجیح:۔ جمہور کی دلیل:① حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **لانکاح الّا بولی۔**

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے **ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل۔**

حنفیہ کے دلائل:① یہ آیت کریمہ ہے **واذاطلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن** اس میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے۔نیز اس میں اولیاء کو مکلفہ عورت کے معاملہ میں مداخلت سے منع کیا گیا ہے۔② یہ آیت کریمہ ہے **فاذابلغن اجلهن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسهن بالمعروف**،اس میں **فعلن فی انفسهن** سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ نکاح عورت کا فعل ہے اور اسکی عبارت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔③ یہ آیت کریمہ ہے **فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره**،اس میں بھی نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہے۔

④ بخاری ومؤطا امام مالک کی روایت ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ پر اپنے نفس کو پیش کیا،آپ ﷺ نے سکوت فرمایا پھر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان سے نکاح کر دیا اور اس میں عورت کا کوئی ولی موجود نہیں تھا۔⑤ یہ حدیث الباب ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کا جواب ① یہ دونوں روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ ② یہ اس صورت پر محمول ہیں جبکہ عورت نے ولی کے بغیر غیرِ کفو میں نکاح کیا ہو اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے۔ ③ **لانکاح الّا بولی** میں کمال کی نفی ہے نفسِ نکاح کی نہیں اور **فنکاحها باطل** میں باطل سے مراد بے فائدہ ہے۔ ④ یہ ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو کہ اس حدیث کی راوی ہیں وہ بغیر ولی نکاح کے جواز کی قائل ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ حنفی مذہب متفرد ہونے کے باوجود نہایت مضبوط، قوی اور راجح ہے۔ (درسِ ترمذی ج۳ ص۳۷۳)

الشق الثانی.....**قالت عائشة دخل علیّ رسول اللّٰہِ ﷺ وعِندِی رجل قاعِدٌ فاشتد ذٰلِك علیهِ ورأیت الغضب فِی وجهِهِ قالت فقلت یا رسول اللّٰہِ! إنّه اخِی مِن الرضاعةِ قالت فقال انظرن إخوتکنّ مِن الرضاعةِ فإنّما الرضاعة مِن المجاعِة .(کتاب الرضاع)**

ترجم الحدیث واشرح الجملة التی فوقها خط ۔ اذکر اختلاف الفقهاء فی مدة الرضاعة مع ادلتهم۔ اذکر وجه غضب الرسول ﷺ فی هذه القصة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② جملہ مخطوطہ کی تشریح ③ مدتِ رضاعت میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل ④ رسول اللہ ﷺ کے غضب کی وجہ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے جبکہ میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جو آپ ﷺ کو ناگوار گزرا اور میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر غصہ کے اثرات دیکھے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ میرا رضاعی بھائی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اپنے رضاعی بھائیوں کو دیکھ لیا کرو کیونکہ رضاعت وہی معتبر ہے جو بھوک کے وقت ہو یعنی مدت رضاعت کے اندر ہو۔

② جملہ مخطوطہ کی تشریح:۔ اس ارشادِ نبوی کا حاصل یہ ہے کہ صرف وہی رضاعت معتبر ہے جو بھوک کے وقت ہو اور بچہ کو دودھ کی ضرورت ہو یعنی مدت رضاعت کے اندر ہو۔ جب دودھ بھوک کو ختم کر کے جزوِ بدن بنے۔

③ مدتِ رضاعت میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل:۔ مدتِ رضاعت میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدتِ رضاعت اڑھائی سال ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک دو سال ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال ہے اور امام مالکؒ سے ایک روایت دو سال ایک ماہ اور ایک روایت دو سال دو ماہ کی بھی مروی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مدتِ رضاعت کی کوئی حد نہیں ہے اور بعض نے پندرہ سال مدتِ رضاعت بیان کی ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ دو سال کے بعد ایسی مدت کا ہونا ضروری ہے جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذاء کا عادی بن جائے تاکہ دودھ کے ذریعے جو نشوونما ہو رہی تھی وہ منقطع ہو جائے اور ایک سال کی مدت ایسی ہے جس میں بچہ کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ممکن ہے کیونکہ سال بھر کی مدت چاروں فصلوں (موسموں) پر مشتمل ہے اس وجہ سے مدتِ رضاعت تین سال مقرر کی گئی ہے۔

03426357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

صاحبینؒ وائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا قول **وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا** ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ بیان فرمائی ہے اور ادنیٰ مدتِ حمل چھ ماہ ہے لہٰذا مدتِ فصال چوبیس ماہ یعنی دو سال باقی رہی اسلئے وہ کہتے ہیں کہ رضاعت دو سال تک ہے اسکے بعد دودھ چھڑا دیا جائے اور انکی تائید ارشادِ باری تعالیٰ **وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ** سے اور اسی طرح **وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ** سے بھی ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد **وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا** ہی ہے طریقِ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں (حمل اور فصال) کو ذکر فرما کر ان دونوں کے لئے ایک مدت بیان کی ہے۔ پس یہ مدت ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے پوری پوری ہوگی، نہ یہ کہ دونوں پر تقسیم کی جائے گی اور اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص کا زید پر ہزار روپیہ اور دس من گندم

ہے اور قرض خواہ نے کہا میں نے زید کو دونوں قرضوں میں ایک سال کی مہلت دی تو یہ ایک سال کی مدت کو دونوں قرضوں پر تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر ایک کیلئے ایک سال کی مہلت ہوگی۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے البتہ ان دونوں میں سے ایک میں مدت کم کر دینے والی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول **الولد لایبقی فی بطن امه اکثر من سنتین** (بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زائد نہیں رہتا) ہے اور دوسرے (فصال) میں مدت کم کرنے والی دلیل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مدت اپنے حال پر باقی رہے گی۔ امام صاحبؒ کی دوسری دلیل: یہ ہے کہ رضیع کے لئے تغیرِ غذاء ضروری ہے تاکہ دودھ کے ذریعہ نشو ونما منقطع ہو کر دوسری چیز سے نشو ونما حاصل کر سکے پس اس تغیرِ غذاء کیلئے اتنی مدت درکار ہوگی جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری چیز کا عادی ہو جائے کیونکہ بیک وقت دودھ چھڑانا بچہ کے لئے مہلک ہے اور امام صاحبؒ نے اس کو ادنیٰ مدتِ حمل کے ساتھ مقرر کیا ہے اس لئے کہ یہ مدت غذاء کو بدل دینے والی ہے کیونکہ جنین کی غذاء رضیع کی غذاء کے مغایر ہے اس لئے کہ جنین کی غذاء ماں والی غذاء تھی پھر پیدا ہونے کے بعد اس کی غذاء دودھ ہوگئی پھر فطیم کی غذاء کبھی دودھ اور کبھی طعام ہے۔

صاحبینؒ وائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: **لارضاع بعد الحولین** وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں دو سال کے بعد دودھ پینے کی نفی نہیں ہے بلکہ استحقاقِ اجرت کی نفی ہے یعنی اگر مطلقہ اپنے بچہ کو اجرت پر دودھ پلائے تو بچہ کے باپ پر صرف دو سال کی اجرت ہے اس کا قرینہ یہ ہے کہ آیت میں **حولین** کے بعد **فان ارادا فصالا عن تراض منهما** کے الفاظ ہیں ان میں دودھ چھڑانے کو تراضی پر معلق کیا گیا ہے اگر دو سال کے بعد دودھ پینا حرام ہوتا تو اسے تراضی کے ساتھ مقید نہ کیا جاتا۔

الحاصل تغیرِ غذاء چھ ماہ میں ہوتا ہے لہٰذا بچہ کو دو سال کے بعد دوسری غذاء کا عادی بنانے کیلئے مزید چھ ماہ ہونا ضروری ہیں۔

② رسول اللہ ﷺ کے غضب کی وجہ :۔ آپ ﷺ کے غضب کی وجہ یہی ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت بظاہر ایک اجنبی مرد بیٹھا ہوا تھا (**عندی رجل قاعد**) اور ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے کبھی اسکو ام المؤمنین کے پاس نہ دیکھا ہو، تو اجنبی مرد کی وجہ سے آپ ﷺ غضبناک ہو گئے۔ اگرچہ ام المؤمنین کے ہاں وہ اجنبی نہ تھا، بلکہ رضاعی بھائی تھا۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی هريرة انّ رسول الله ﷺ قال:لم يكذب ابراهيم النبی علیہ السلام قطّ الّا ثلاث كذبات۔ ماهی الكذبات الثلاثة المشار اليها فی الحديث۔ هل يمكن للنبیّ ان يكذب؟اليس ذالك منافيا لعصمته؟ ما معنى قول ابی هريرة: فتلك امّكم يا بنی ماء السماء ؟(كتاب الفضائل)**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور کا حل مطلوب ہے: ① کذباتِ ثلاثہ کی تشریح ② ابراہیم علیہ السلام کے کذب کی وضاحت وتاویل ③ **فتلك امّكم يا بنی ماء السماء** کا مفہوم۔

جواب..... ① کذباتِ ثلاثہ کی تشریح:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندگی بھر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، البتہ ان کی زندگی میں صرف تین مواقع ایسے آئے جہاں ان کو مجبوراً جھوٹ بولنا پڑا اور وہ تین مواقع یہ ہیں: ① جب ان کی قوم نے میلے میں جانے کیلئے اپنے ساتھ چلنے کا کہا تو انہوں نے کہا میں بیمار ہوں۔ ② جب ظالم بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا کہ یہ عورت (حضرت سارہ) کون ہے؟ تو جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ ③ قوم نے پوچھا کہ یہ بتوں کی مرمت (جوڑ توڑ) کس نے کی ہے؟ اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کا یہ حشر تو نے کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ ان کے بڑے نے کیا ہے جس کی گردن میں تلوار لٹکی ہوئی ہے۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کذب کی وضاحت وتاویل:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مشہور تین کذب درحقیقت کذب نہ تھے بلکہ تعریض تھے، تعریض کا مطلب ہے کہ کسی کلام کے دو رُخ اور مفہوم ہوں، متکلم ایک رُخ کی طرف اشارہ کرے اور دوسرا رُخ مراد لے (اس کو متعدد جگہ پر توریہ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے) ① **انی سقیم** میں پہلا رُخ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں اور دوسرا رُخ یہ ہے کہ میں بیمار ہو جاؤں گا، یا پہلا رُخ یہ کہ میں ظاہری بیماری سے بیمار ہوں اور دوسرا رُخ یہ کہ میں باطنی بیمار ہوں، اور آپ علیہ السلام اپنی

قوم کے شرک کی وجہ سے واقعی باطنی بیمار تھے۔ ② **فعلہ کبیرھم** میں پہلا رُخ یہ ہے کہ کبیر فاعل ہے اور دوسرا رُخ قوم پر حجت قائم کرنا ہے کہ جو بُت خود سے معمولی چیز دفع نہیں کرسکتا وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے۔ ③ **ھذہٖ اختی** میں پہلا رُخ یہ کہ یہ میری نسبی بہن ہے اور دوسرا رُخ یہ کہ یہ میری دینی بہن ہے۔ تو ان تینوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرے رُخ کو مراد لیا تھا جھوٹ نہیں بولا تھا۔ باقی تعریض وتوریہ صورۃً کذب کے مشابہ ہے اسلئے اس پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (المن السماوی)

③ **فتلك امّكم يا بنى ماء السماء** کا مفہوم:۔ حضرت ابوہریرہؓ کے قول کا معنی یہ ہے کہ اے ماء السماء کی اولاد! یہی ہاجرہ (علیہا السلام) تمہاری ماں ہیں۔ اس ماء السماء کہنے کی متعدد وجوہ ہیں: ① یہ جانور چرانے کیلئے اکثر جنگلات وواديوں میں رہتی تھیں اور اکثر ان پر بارش برستی رہتی تھی۔ ② ماء السماء سے مراد ماءِ زمزم ہے، چونکہ یہ حضرت ہاجرہ کی جستجو ہے اور اسماعیل علیہ السلام کی نشو ونما اسی پانی سے ہوئی، اور عرب کے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے گویا ان کی پرورش بھی اسی پانی سے ہوئی اسلئے ان کو بنی ماء السماء کہا گیا ہے۔ ③ نسب کے صاف وشفاف ہونے کی وجہ سے ماء السماء کہا گیا ہے، کیونکہ آسمان کا پانی بھی صاف وشفاف ہوتا ہے۔ گویا عرب کے نسب کو آسمان کے پانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ آسمان کے پانی کی مثل عرب کا نسب پاک وصاف ہے۔ (انعامات المنعم)

الشق الثانی.....**انّ رسول اللّٰہ ﷺ اقرّ القسامة علی ماکانت علیه فی الجاهلية .**

اذکر معنی القسامة لغةً وشرعًا ؟ ما هو الطريق المشروع للقسام؟ان كان هناك خلاف بين الفقهاء فی طريقها فاذكره فی ضوء اقوال الأئمة مع الدلائل.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں ① قسامۃ کا لغوی وشرعی معنی ② مسئلۂ قسامۃ کی وضاحت مع الدلائل

جواب..... ① قسامۃ کا لغوی وشرعی معنی:۔ ''قسامۃ'' یہ قسم سے ماخوذ ہے اس کا لغوی معنی قسم کھانا یا قسم لینا ہے اور کبھی قسم کھانے والی جماعت کو بھی قسامہ کہا جاتا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں قسامۃ ان پچاس قسموں کو کہتے ہیں جو کسی اندھے و نامعلوم قتل کی وجہ سے اہلِ علاقہ سے لی جاتی ہیں۔

② مسئلۂ قسامۃ کی وضاحت مع الدلائل:۔ قسامت کا نظام زمانۂ جاہلیت میں جاری تھا اسلام نے بھی اسے جاری رکھا کیونکہ اس میں انسانی جان اور امن عامہ کی حفاظت تھی۔

اگر کسی آبادی (محلّہ یا قریہ) میں مقتول پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو یعنی اندھے قتل کی واردات ہو تو امام ابوحنیفہ وصاحبینؒ کے ہاں مقتول کا ولی اس آبادی کے پچاس افراد کو نامزد کرے جو ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائیں **ماقتلناه ولا علمنا له قاتلا** قسم کھانے کے بعد ان پر دیت واجب ہوگی اگر کوئی مدعیٰ علیہ حلف سے انکار کرے تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک وہ حلف اٹھائے یا وہیں مر جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اگر اس بات پر قرینہ موجود ہو کہ میت طبعی موت نہیں مرا بلکہ کسی نے اسے ہلاک کیا ہے قتل وضرب وغیرہ کا کوئی نشان ہو یا میت اور مدعیٰ علیہ میں پہلے سے عداوت ہو تو پہلے مدعی پچاس بار قسم کھائے کہ مدعی علیہ قاتل اور مجرم ہے اس کے قسم کھانے پر مدعی علیہ پر دیت واجب ہوگی اگر وہ قسم نہ کھائے تو پھر مدعی علیہ پر حلف آئے گی اور اسکی حلف پر وہ بری ہوجائے گا، دیت واجب نہیں ہوگی۔ امام اما لک وامام احمدؒ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے۔ البتہ امام مالکؒ کے ہاں بعض صورتوں میں قصاص بھی ہے مگر جمہور کے ہاں قسامۃ میں قصاص نہیں ہے کیونکہ یہاں پر شبہ ہے اور شبہ پر قصاص واجب نہیں ہوتا۔ حاصلِ اختلاف یہ ہے کہ قسامۃ میں حنفیہ کے ہاں حلف مدعی پر نہیں ہے صرف مدعی علیہ پر ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں پہلے مدعی پر حلف ہے پھر مدعیٰ علیہ پر ہے۔

حنفیہ کی پہلی دلیل: معروف مرفوع حدیث **البينة على المدعى واليمين على من انكر** (ترمذی) ہے۔ یہ حدیث قاعدہ کلیہ کے درجہ میں ہے کہ بینہ مدعی کے ذمہ ہیں اور یمین صرف مدعیٰ علیہ پر ہے۔

دوسری دلیل: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر قسامۃ میں یہی فیصلہ فرمایا تھا کہ صرف مدعی علیہم پر حلف پھر دیت ہے۔ کسی صحابی سے اس پر انکار واعتراض منقول نہیں ہے تو اس پر اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔

0313 0357913 mkuqbazakariyamultan@gmail.com

فریق ثانی کی پہلی دلیل: **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ البینة علی المدعی والیمین علی من انکر الّا فی القسامة** (بیہقی) اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری ص۶۰ ج۲۴ پر لکھتے ہیں **هو معلول من خمسة وجوه** پھر ان وجوہ علت کو تفصیل سے ذکر کیا ہے **(ان شئت فراجع هناك)**۔

دوسری دلیل: حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **فقال ﷺ لهم اتحلفون خمسین یمینا فتستحقون صاحبکم** کہ اس میں پہلے مدعیوں پر حلف کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے مذکورہ بالا حدیثِ کلی **والیمین علی من انکر** اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے قرینہ سے واجب التاویل ہے۔ **اتحلفون** میں استفہام انکاری ہے مدعی کی حلف کا انکار مقصود ہے، نہ کہ ثبوت۔ (المسائل والدلائل ص۵۸۶)

مشکوۃ کی مشہور حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے مقتول کے وارثوں سے فرمایا کہ اہل محلّہ میں سے پچاس افراد کو تم متعین کرو ہم ان سے قسم لیں گے تو یہ مدعی علیہم سے قسم کا مطالبہ ہے جو کہ حنفیہ کے مذہب کی تائید کرتا ہے۔

مگر مشکوۃ کے متعلقہ باب کی پہلی حدیث میں مذکور تفصیلی واقعہ میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے مقتول کے ورثاء (مدعی) سے فرمایا کہ تم میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں تو پھر تم اپنے قاتل کے مستحق وحقدار ہو جاؤ گے یعنی آپ ﷺ نے مدعی سے قسم کا مطالبہ کیا۔

حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جوابات ہیں: ① حضور ﷺ نے جو حضرت عبداللہ بن سہل کے ورثاء پر قسمیں پیش کی تھیں وہ ضابطۂ قسامہ بیان کرنے کیلئے نہیں تھیں اس سے مقصد ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنا تھا وہ چاہتے تھے کہ یہود سے قصاص لیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بھائی قسمیں کھا کر قاتل کی تعیین تم کر دو تب تمہارا مطالبۂ قصاص پورا ہو سکے گا۔ ان کو چونکہ قاتل کا پتہ نہیں تھا اور آپ ﷺ بھی سمجھتے تھے کہ یہ جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اسلئے انہوں نے قسم نہیں کھائی اب وہ سمجھ گئے کہ جب قاتل متعین نہیں تو کس کو پکڑا جائے تب اصلی حکم شرعی پیش فرمایا کہ یہود جو اہل محلّہ ہیں یہ قسمیں کھائیں گے لیکن ان سے قسمیں لینے کیلئے مدعی تیار نہ ہوئے اسلئے یہ مقدمہ بظاہر خارج ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک مسلمان کے خون کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے خود دیت ادا کر دی اس سے جوش بھی کافی حد تک ٹھنڈا ہو سکتا ہے۔ ② سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں اس کی تفصیلی روایت موجود ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے اولیاء مقتول سے بینہ طلب کئے جب وہ بینہ پیش نہ کر سکے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اب یہود سے قسم لی جائے گی انہوں نے کہا کہ کفار کی قوم کی قسم پر ہم کیسے اعتماد کر سکتے ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سچ بولیں گے یا جھوٹ۔ اس پر آپ ﷺ نے بطورِ انکار فرمایا کہ پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ تم قسم کھا کر اپنا حق ثابت کرو گے؟ یہ تو قانونِ شرع کے خلاف ہے بہرحال جس حدیث میں اتنے احتمالات موجود ہوں تو وہ حدیث **البینة علی المدّعی** کے قاعدہ کلیہ کے مقابلہ میں مستدل نہیں بن سکتی۔

0313 6357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿لا الٰه الّا انت سبحانک انّی کنت من الظّالمین﴾

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل.....عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال ويل للاعقاب من النار۔ (ص۱۶۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث واعربه (ترکیب نحوی کریں)۔**اشرح مذهب اهل السنة والروافض فی المسئلة المذكورة فی الحديث واذكر الادلة التی استمسكوا بها فی اثبات مذهبهم ثم اذكر وجه الرد عليهم ببسط وتفصيل۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی ترکیب (۳) غسل رِجلین میں اہلسنت اور روافض کا اختلاف (۴) فریقین کے دلائل اور جواب۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو میں خشک رہ جانے والی ایڑیوں کے لئے آگ کی ہلاکت ہے۔

② حدیث کی ترکیب:۔ **ويلٌ** مبتدا **لام** حرف جار **اعقاب** مجرور، جار مجرور ملکر متعلق اول ہوا ثابت کے اور **من** حرف جار **النار** مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ثانی ہوا ثابت کے اور **ثابت** اسم فاعل اس میں **هو** ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور دونوں متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

③ غسل رِجلین میں اہلسنت اور روافض کا اختلاف:۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ پیروں کا دھونا ہی فرض اور ضروری ہے مسح جائز نہیں ہے۔ روافض کے فرقہ امامیہ کے نزدیک پیروں کا وظیفہ مسح ہے یعنی پاؤں پر مسح کیا جائے گا۔

④ فریقین کے دلائل اور جواب:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل: ① حافظ نے سعید بن منصور کے حوالہ سے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے **اجمع اصحاب رسول الله ﷺ على غسل القدمين** ② **قوله تعالى ارجلكم الى الكعبين** نصب والی قراءت میں اس کا عطف **وجوهكم** پر ہے۔ اور معطوف و معطوف علیہ کا ایک ہی حکم ہوتا ہے، پس چہرہ کی طرح پاؤں کیلئے بھی غسل کا ہی حکم ہے ③ متواتر احادیث جو غسل رجلین پر دال ہیں کہ آپ ﷺ نے غسل رجلین پر عمل فرمایا ہے ہاں موزوں پر مسح جائز ہے۔

روافض اپنے مسلک باطل پر **وامسحوا برؤسكم وارجلكم** کی قراءتِ جر سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ **ارجلكم** کا عطف **رؤسكم** پر ہے۔ رؤس کیلئے مسح کا حکم ہے لہٰذا رِجل (پاؤں) کیلئے بھی مسح کا حکم ہوگا۔

اہلسنت کی طرف سے اسکے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ ① اس آیت میں لفظ **ارجلكم** میں جر جوار ہے ورنہ **ارجلكم** کا عطف **ايديكم** پر ہے ② کسر کی قراءت حالت تخفیف پر محمول ہے اور نصب کی قراءت عام حالت پر ہے ③ جر کی قراءت میں **ارجل** کا عطف **رؤس** ہی پر ہے لیکن جب مسح کی نسبت **ارجل** کی طرف کی جائیگی تو اس سے مراد غسلِ خفیف ہوگا اور لفظ مسح کا اس معنی میں استعمال معروف ہے اس قسم کے اور بھی کئی جوابات دیئے گئے ہیں لیکن اس موضوع پر سب سے زیادہ محققانہ اور اطمینان بخش کلام حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکلات القرآن میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تقریر کو سمجھنے کا سب سے زیادہ قابل اعتماد راستہ آنحضرت ﷺ کا عمل اور صحابہ و تابعین کا تعامل ہے اور جب ہم تعامل کو دیکھتے ہیں تو کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے مسح رجلین ثابت ہوتا ہو یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ قرآن کریم میں غسل کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ مسح کا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر ایسے واضح الفاظ کیوں نہیں استعمال فرمائے گئے جو بغیر کسی مخالف احتمال کے غسل پر دلالت کریں اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ بسا اوقات کچھ باتوں کو فہم مخاطبین پر اعتماد کر کے چھوڑ دیتا ہے اب یہاں صورت یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے جو مدنی سورت ہے اور اس وقت نازل ہوئی جبکہ آنحضرت ﷺ کی

0313-6235791 makkamarakiyamultan@gmail.com

بعثت کو کم از کم اٹھارہ سال ہو چکے تھے حالانکہ وضو پر عمل ابتداء بعثت ہی سے چلا آ رہا تھا لہٰذا اس آیت نے کوئی نیا حکم نہیں دیا بلکہ سابقہ تعامل کی توثیق فرمائی چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھارہ سال سے وضو کرتے آ رہے تھے اور اس کا طریقہ معروف و مشہور تھا، جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ پاؤں دھوئے جائیں گے لہٰذا اس آیت میں ایک ایک جزی کی تفصیل بیان کرنا کوئی ضروری نہ تھا چونکہ اس کا امکان ہی نہ تھا کہ وہ اس آیت سے غسل کے علاوہ کوئی اور حکم مستنبط کریں گے اس لئے بعض نکات اور مصالح کیوجہ سے باری تعالیٰ نے ارجل کو مسح کے سیاق میں ذکر کر کے عبارت ایسی رکھی جس میں بظاہر رجلین کے غسل اور مسح دونوں معنی کی گنجائش ہے اور امت کا تعامل اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے واقعتاً غسل کے سوا اس کا کوئی اور مفہوم نہیں سمجھا۔

روافض بعض روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ① امام طبرانی نے اپنی معجم طبرانی میں امام بغوی اور ابونعیم وغیرہ نے عباد بن تمیم عن ابیہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے **قال رایت رسول اللہ ﷺ توضا ومسح علی لحیته ورجلیه،** علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "**رجاله موثقون**" اور علامہ علی المتقی کنز العمال میں اصابہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں **رجاله ثقات۔**

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو اس میں حالتِ تخفیف کا بیان ہے یعنی آپ ﷺ اس وقت موزے پہنے ہوئے ہونگے اسلئے مسح فرمایا یا اجماع اور متواتر احادیث کی مخالفت کی بناء پر اس حدیث میں تاویل ضروری ہے اور تاویل یہ ہے کہ یہاں لفظِ **مسح دلك مع الغسل الخفيف** کے معنی پر محمول ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ لحیہ کیلئے بھی مسح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ وہ اعضاء مغسولہ میں سے ہے۔

② سنن دار قطنی **باب وجوب غسل القدمين والعقبين** میں **مسيئ فی الصلوٰة** کی حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے **فقال رسول اللہ ﷺ انها لاتتم صلوة احدكم حتى يسبغ الوضوء كما امره الله فيغسل وجهه ويديه الى المرفقين ويمسح برأسه ورجليه الى الكعبين الخ ۔**

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں آیت قرآنی کی ترتیب پر وضو کا طریقہ بتلایا ہے اور اس کے سیاق کی پیروی فرمائی ہے لہٰذا یہاں بھی وہی توجیہات کی جائیں گی جو آیت میں کی گئی ہیں۔

③ حضرت علی حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا عمل بعض روایات میں مسحِ رجلین بیان کیا گیا ہے۔

اس کا جواب بعض حضرات نے یہ دیا کہ ان کا یہ عمل اجماع متواتر کی وجہ سے وضو علی الوضوء پر محمول ہے۔

دوسرا جواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں یہ دیا ہے کہ ان سب حضرات سے اس مسلک سے رجوع کرنا بھی ثابت ہے لہٰذا ان کے کسی سابقہ عمل سے استدلال درست نہیں۔ (درسِ ترمذی ج ا ص ۲۵۱)

الشق الثانی.....**عن علی قال: كان رسول اللہ ﷺ يوتر بثلاث وفی رواية ابی ايوب الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ فمن احب ان يوتر بخمس فليفعل ومن احب ان يوتر بواحدة فليفعل** ۔(ص ۱۰۶۔ج ا۔قدیمی)

اذكر حكم الوتر هل هو واجب ام لا؟ اذكر الاختلاف فی عدد ركعاته مع دلائلهم ۔ ما هو الجواب عن الايتار بواحدة الذی صرح به فی هذا الحديث، اذكر التاويل بدون تكلف او تعسف۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) وِتر کا حکم مع الدلائل (۲) وِتر کی رکعت کی تعداد میں اختلاف مع الدلائل (۳) ایک رکعت وِتر والی احادیث کا جواب۔

جواب..... ① **وِتر کا حکم مع الدلائل:۔** امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وِتر واجب ہیں، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں وِتر سنت ہیں۔

وجوب کے دلائل: ① **عن خارجة بن حذيفة قال قال النبی ﷺ ان اللہ امدكم بصلوة هی خير لكم من حمر النعم** (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)۔ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہوتی ہے، مزید علیہ فرض نماز ہے جو محدود ہے زیادتی محدود میں ہوتی ہے نوافل مراد نہیں کیونکہ وہ محدود نہیں، چونکہ دلیل ظنی ہے اسلئے وِتر واجب ہے ورنہ فرض ہوتے ② **عن ابی ايوب قال قال**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

النبی ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) یہ حدیث وجوب پر نص ہے ③عن ابی بریدہ قال قال رسول اللہ الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا (ابوداؤد) وِتروں کے ترک پر وعید وجوب کی دلیل ہے ④عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یوتر فلیس منا (مسند احمد) ⑤ عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال اوتروا قبل ان تصبحوا (مسلم) اس میں امر کا صیغہ مستعمل ہے، مطلق امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

نوٹ: حسن بصری وامام طحاوی رحمہما اللہ نے وِتر کے واجب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے نیز دیگر ائمہ کے نزدیک وِتر سنت ہونے کے باوجود انکا ترک جائز نہیں ہے۔

دلائلِ عدم وجوب: ① عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبۃ ولکن سن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یااھل القرآن ۔(ترمذی)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس میں وجوب کی نہیں بلکہ فرضیت کی نفی ہے اور کصلوتکم المکتوبۃ کے الفاظ اس پر دال ہیں چنانچہ ہم بھی صلواتِ خمسہ کی طرح اسکی فرضیت کے قائل نہیں اور اسکے منکر کو کافر نہیں کہتے۔

②عن طلحۃ بن عبیداللہ مرفوعا خمس صلوات کتبھن اللہ علیک قال ھل علیّ غیرھن قال لاالا ان تطوع (بخاری،مسلم) ③ عن جابر مرفوعا ان اللہ فرض علیکم خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ (بخاری، مسلم) ④عن جابر مرفوعا خشیت ان یکتب علیکم الوتر۔ (صحیح ابن حبان)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ وتر عشاء کے تابع ہیں اس لئے ان کو مستقل شمار نہیں کیا گیا۔

نیز پانچ کا عدد فرض نمازوں کیلئے ہے اور وِتر فرض نہیں بلکہ واجب ہیں۔ نیز پہلی حدیث وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

② وِتر کی رکعت کی تعداد میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں نمازِ وتر تین رکعت دو تشہد اور ایک سلام کیساتھ ہے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں ایک رکعت سے گیارہ رکعت تک درست ہے البتہ تین رکعت دو سلام کے ساتھ افضل ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ①عن ابی بن کعب کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث یقرء فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ بقل یاایھاالکفرون وفی الثالثۃ بقل ھواللہ احد ولا یسلم الّا فی آخرھن۔ (نسائی)

② عن عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ کان لایسلم فی رکعتی الوتر (نسائی) ③عن عائشۃ کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لایسلم الافی آخرھن (الحاکم) ④عن عائشۃ مرفوعا ثم اوتر بثلاث لایفصل بینھن (مسند احمد) ⑤عن ابی عباس مرفوعا ثم اوتر بثلاث۔ (مسلم)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ①عن ابن عمر کان النبی ﷺ یصلی من اللیل مثنی مثنی ویوتر بواحدۃ (بخاری،مسلم،ترمذی) ②عن ابنِ عمر مرفوعا الوتر رکعۃ من آخر اللیل۔ (مسلم) ③قیل لابن عباس ھل لک فی امیرالمومنین معاویۃ مااوتر الا بواحدۃ قال اصاب انہ فقیہ وفی روایۃ دعہ فانہ قدصحب النبی ﷺ۔ (بخاری)

③ ایک رکعت وِتر والی احادیث کا جواب:۔ ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ ایک رکعت ماقبل والے متصل دوگانہ کو وتر بناتی تھی جس پر قرینہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری مرفوع حدیث ہے کہ رات کو دو دو رکعت ہیں صبح ہونے کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھنا اس دوگانے کے ساتھ اسکو وتر بنادے گا کیونکہ صرف ایک رکعت اکیلا پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

(فائدہ) وتر کا اطلاق صلوۃ اللیل اور وتر اصطلاحی دونوں پر ہوتا ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۳۲۱)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل .....عن عروۃ عن عائشۃ عن بنت وھب وھی جدامۃ قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اردت ان انھی عن الغیال فاذا فارس والروم یفعلون ولا یقتلون اولادھم۔

0311-6367913 maktabazakariyamultan@gmail.com

عن اسماء بنت عمیسؓ ان رسول اللہ ﷺ سألها بما تستمشین؟ قالت بالشبرم قال حارجار، قالت ثم استمشیت بالسنا فقال النبی ﷺ لو ان شیئا کان فیه شفاء من الموت لکان فی السنا۔

ترجمه الحدیثین و اشرحهما ۔ حقق الکلمات التالیة لغة وصرفا : الغیال، تستمشین، حار، جار ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) احادیث کی تشریح (۳) **غیـــال، تستمشین، حار، جار** کی لغوی وصرفی تحقیق۔

جواب ..... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت جدامہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں غیل سے منع کروں مگر روم وفارس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ ایسا کرتے ہیں اور یہ ان کی اولاد کو ضرر نہیں دیتا۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کس چیز سے اسہال لیتی ہو؟ انہوں نے کہا شبرم سے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بہت زیادہ گرم اور ظالم ہے، وہ فرماتی ہیں پھر میں سناء کے ساتھ اسہال لینے لگی آپ ﷺ نے فرمایا اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو سناء میں ہوتی۔

❷ احادیث کی تشریح:۔ پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عرب کا یہ مقولہ پہنچا کہ حالتِ رضاعت یا حالتِ حمل میں مباشرت کرنے سے بچے کو نقصان ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے منع کا ارادہ کیا مگر جب پتہ چلا کہ روم وفارس والے ایسا کرتے ہیں اور کوئی نقصان نہیں ہوتا تو پھر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا، لہٰذا اب غیل جائز ہے۔ دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم اسہال کیلئے شبرم استعمال نہ کرو کیونکہ شبرم تو بہت زیادہ گرم ہے اور مادہ فاسدہ کے ساتھ ساتھ مادہ زائدہ کو بھی خارج کردے گی جس سے نقصان کا اندیشہ ہے لہٰذا اسہال کیلئے سناء استعمال کرو جو پیٹ کی صفائی کیلئے معتدل ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اگر موت سے کوئی چیز بچانے والی ہوتی تو وہ سناء ہی ہوتی، اس جملہ سے سناء کی افادیت اور اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ بہت زیادہ مفید ہے۔

❸ **غیـال، تستمشین، حار، جار** کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "**غیال**" یہ غَیْلٌ کی جمع ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کے دودھ پینے کے زمانہ میں عورت سے وطی کرنا غیل ہے، بعض نے کہا کہ حاملہ ہونے کی حالت میں عورت کا بچے کو دودھ پلانا غیل ہے۔ "**جار**" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر جَرًّا (نصر) بمعنی کھینچنا وگھسیٹنا۔

"**تستمشین**" صیغہ جمع مؤنث حاضر فعل مضارع معلوم از مصدر اِسْتِمْشَاءٌ (استفعال) بمعنی اسہال لینا۔

"**حار**" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر حَرًّا، حُرُوْرًا، حَرَارَةً (سمع، نصر، ضرب) بمعنی گرم ہونا۔

الشق الثانی.....**عن ابن عباس ان النبی ﷺ تزوج میمونة وهو محرم۔** (ص۱۷۲۔ج۱۔قدیمی)

اذکر طریقة الجمع بین الاحادیث المتعارضة فی هذه المسئلة ۔ اذکر حکم نکاح المحرم وانکاحه عند العلماء ارباب المذاهب المتبوعة مع دلائلهم وترجیح ماهو الراجح فی ضوء الادلة۔

0313 6357115 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) احادیث متعارضہ میں تطبیق (۲) محرم کے لئے نکاح وانکاح کا حکم مع الدلائل (۳) حنفیہ کی وجوہ ترجیح۔

جواب ..... ❶ احادیث متعارضہ میں تطبیق:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ حلال ہونے کی حالت میں نکاح والی روایت اپنی حقیقت پر محمول ہے اور **تـزوج وهـو مـحـرم** حالتِ احرام میں نکاح والی روایت مؤول ہے اور تاویل یہ ہے کہ نکاح کا چرچا اور ظہور اس وقت ہوا جب آپ ﷺ محرم تھے اور احناف کے نزدیک تطبیق بین الروایتین یہ ہے کہ **تـزوج وهـو مـحـرم** یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور **تـزوج وهـو حلال** والی روایت مؤول ہے یعنی جب آپ ﷺ مدینہ سے سرف پہنچے تو آپ ﷺ محرم تھے اسی وقت آپ ﷺ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا پھر تین دن مکہ میں رہے اور عمرہ کرکے حلال ہوکر واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے سرف مقام میں رخصتی اور ولیمہ کیا اب نکاح کا ظہور حلال ہونے کی حالت میں تھا اسی لئے بعض

نے کہہ دیا تزوج وھو حلال یعنی آپ ﷺ کے نکاح کا معاملہ حلال ہونے کی حالت میں ظاہر ہوا۔

② محرم کیلئے نکاح وانکاح کا حکم مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حالت احرام میں نکاح کرنا ناجائز اور باطل ہے اور ایسے ہی انکاح (نکاح کرانا) بھی ناجائز ہے۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں نکاح اور انکاح دونوں جائز ہیں البتہ جماع اور دواعیِ جماع حلال ہونے تک جائز نہیں۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ان المحرم لایَنْکِحُ ولا یُنْکِحُ ہے کہ محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے۔ اسی طرح ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جب نکاح کیا اس وقت بھی حلال تھے اور جب رخصتی ہوئی اس وقت بھی حلال تھے اور آخر میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہی آپ ﷺ کا قاصد تھا نیز ان کی دلیل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی ہے قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھوحلال۔

احناف کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونہ وھومحرم کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آپ ﷺ محرم تھے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل (حدیثِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا جواب: یہ کراہت پر محمول ہے اور یہ کراہت بھی اس کیلئے ہے جو نکاح کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور وطی میں مبتلا ہو جائے اس کی مثال بیع وقت النداء ہے کہ یہ اگرچہ مکروہ ہے مگر منعقد ہو جاتی ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا جواب یہ ہے کہ طبقاتِ ابنِ سعد کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس نکاح کے عاقد تھے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اولیاء میں سے اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا اسلئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عقد کیا تھا لہٰذا عقدِ نکاح کے وقت اور مقام کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور انکے صاحبزادے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی واقف نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ حضرت میمونہ بھی نہیں کیونکہ وہ عاقد نہیں تھیں اور عورتیں مجلس نکاح میں حاضر نہیں ہوتیں۔ (درسِ ترمذی ج۳ص۹۱)

③ حنفیہ کی وجوہ ترجیح:۔ ① حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اصح مافی الباب ہے اور اس موضوع کی کوئی روایت سنداً اسکے ہم پلہ نہیں ہے ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت تواتر کے ساتھ مروی ہے چنانچہ بیس سے زائد فقہاء اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے متعدد شواہد موجود ہیں مثلاً نسائی طحاوی اور مسند بزار وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح حالتِ احرام میں ہوا ④ اصحابِ سیر وتواریخ کی تصریحات سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید ہوتی ہے مثلاً ابن ہشام محمد بن اسحاق اور ابن سعد رحمہم اللہ وغیرہ نے جس طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے سفر میں سرف کے مقام پر پہنچ کر یہ نکاح کیا تھا جبکہ آپ ﷺ محرم تھے اور پھر عمرہ سے واپس آتے ہوئے سرف مقام ہی میں آپ ﷺ نے بنا (رخصتی) فرمائی اور ولیمہ کیا جبکہ آپ ﷺ حلال تھے۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل .....عن انس بن مالك قال كان عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم طير،فقال اللهم ائتنى باحب خلقك اليك ياكل معى هذا الطيرفجاء علیّ فاكل معه۔ (ص۲۱۳۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحديث ۔ هذاالحديث يدل على ان عليا افضل الناس، اليس هذا منا فيا لما ذهب اليه اهل السنة من ان افضل الناس بعد الانبياء ابوبكرثم عمر، ثم عثمان، ثم على؟ تكلم بعض العلماء على هذا الحديث فما هو ذاك الكلام؟ ولماذاتكلم؟ وهل اصاب فى ذاك الكلام ام لا؟ ان لم يصب فما هو وجه الردعليه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الناس کی وضاحت (۳) حدیث پر کلام اور اس کی وضاحت۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پرندہ تھا،

آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! بھیج تو میرے پاس اپنی مخلوق میں سے سب سے بہترین مخلوق کو جو کھائے میرے ساتھ اس پرندہ کو، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھایا۔

② انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الناس کی وضاحت:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کے بعد سب سے افضل شخص حضرت ابوبکر صدیق پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں اور اس حدیث سے جو فضیلت ثابت ہو رہی ہے وہ فضیلتِ جزئی ہے فضیلتِ کلی نہیں ہے نیز اس حدیث سے محبوبیت ثابت ہو رہی ہے افضلیت ثابت نہیں ہو رہی۔

③ حدیث پر کلام اور اس کی وضاحت:۔ یہ حدیث اُن احادیث میں سے ہے کہ جن پر سراج الدین القزوینی نے اعتراض کیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

جبکہ صلاح الدین العلائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے بلکہ اس حدیث کی بہت سے سندیں ہیں اور ان میں سے ایک سند وہ ہے جس کو سراج الدین القزوینی نے موضوع کہا ہے لیکن بسا اوقات ایک ضعیف سند کو دوسری سند کے ساتھ تقویت دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ سندِ ضعیف حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی سند کو ضعیف کہنا صحیح نہیں ہے۔

الشق الثانی..... **حدثنا حميد بن عبدالرحمن انه سمع معاويه خطب بالمدينة، يقول: اين علماء وكم يااهل المدينة سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن هذه القصة ويقول انماهلكت بنواسرائيل حين اتخذها نساؤهم۔** (ص۱۰۱۔ج۲۔قدیمی) **اذكرمعنى "القصة"۔ ماالذى اراد معاوية بقوله:"اين علماؤكم يا اهل المدينة"۔ ماحكم القصة التى يتخذها النساء؟ ماهوسبب الوعيد الشديد فى اتخاذالقصة؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) قصة کا معنی (۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد (۳) قصة کا حکم اور وعید کی وجہ۔

جواب..... ① **قصة کا معنی:۔** قصة کا معنی یہ ہے کہ بالوں کو بالوں کے ساتھ گرہ دے کر گچھا بنانا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بالوں کو بالوں کے ساتھ یا کسی دوسری چیز (دھاگہ، کپڑا وغیرہ) کے ساتھ گرہ دے کر گچھا بنانا۔

② **حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد:۔** حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب اور مراد یہ ہے کہ اے اہلِ مدینہ تمہارے علماء کہاں گئے؟ یہ برا عمل تمہارے شہر میں پھیل رہا ہے عورتیں اپنے بالوں کے ساتھ یہ بالوں کے گچھے ملا رہی ہیں تمہیں اس حرکتِ قبیح و فعلِ شنیع سے منع کرنے والا کوئی نہیں ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی عمل کی وجہ سے بنی اسرائیل ہلاک ہوئے تھے اگر تمہارے علماء موجود ہوتے تو وہ ضرور تمہیں اس سے منع کرتے۔ (تحفۃ الالمعی ج۶ ص۵۴۵)

③ **قصة کا حکم اور وعید کی وجہ:۔** جمہور کے نزدیک دونوں صورتیں ناجائز ہیں خواہ گچھا بالوں کے ساتھ ہو یا کسی دوسری چیز کے ساتھ، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے **زجر رسول الله ﷺ عن تصل المرأة بشعرها شيئاً۔** کیونکہ اس میں **تغيير لخلق الله** ہے۔ فقیہ ابواللیث اور ابوعبیدہ نے کثیر فقہاء کرام سے نقل کیا ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب **وصل الشعر بالشعر** ہو اور اگر **وصل الشعر بغير الشعر** ہو تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے۔

0313 6357693 makkibazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذى﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل..... **عن القاسم بن محمد عن عائشة قالت سئل النبى ﷺ عن الرجل يجد البلل ولايذكر احتلاما قال: يغتسل، وعن الرجل يرى انه قداحتلم ولم يجدبللا،قال لاغسل عليه قالت ام سلمة يارسول الله هل على المرأة ترى ذلك غسل قال نعم ان النساء شقائق الرجال۔** (ص۳۱۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث ترجمة واضحة ۔ وضح جميع الصور فى المسالة المذكورة فى هذا الحديث ثم

اذکرحکمها عندالعلماء ۔ مامعنی قوله"ان النساء شقائق الرجال"اذکر ترجمة موجزة للقاسم بن محمد ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) خواب واحتلام کی صورتیں اور ان کے احکام (۳) **ان النساء شقائق الرجال** کا معنی (۴) قاسم بن محمد کے حالات۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو نیند سے بیدار ہوا اور وہ اپنے کپڑے گیلے پائے لیکن اسے احتلام یاد نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غسل کرے، پوچھا اور اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جسے احتلام تو یاد ہو لیکن اس نے اپنے کپڑوں میں تری نہیں پائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر غسل نہیں، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عورت ایسا دیکھے تو کیا وہ بھی غسل کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، عورتیں مردوں ہی کی طرح ہیں۔

② خواب واحتلام کی صورتیں اور ان کے احکام:۔ اس حدیث میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ اگر خواب یاد ہو لیکن کپڑوں پر کوئی تری وغیرہ نہ ہو تو وہ موجبِ غسل نہیں اس مسئلہ میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی تفصیل ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد کپڑوں پر تری نظر آئے تو اس میں تفصیل اور کچھ تھوڑا سا اختلاف بھی ہے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی چودہ صورتیں لکھی ہیں۔ ① تری کے منی ہونے کا یقین ہو ② مذی ہونے کا یقین ہو ③ ودی ہونے کا یقین ہو ④ اولین میں شک ہو ⑤ اخیرین میں شک ہو ⑥ طرفین میں شک ہو ⑦ تینوں میں شک ہو، پھر ان میں سے ہر ایک صورت میں خواب یاد ہوگا یا نہیں ہوگا اس طرح کل چودہ صورتیں ہوئیں۔

ان میں سے مندرجہ ذیل سات صورتوں میں غسل واجب ہے: ① منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو ② منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو ③ مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو، نمبر منی یا مذی میں شک ہو اور خواب یاد ہو ⑤ مذی یا ودی میں شک ہو اور خواب یاد ہو ⑥ منی یا ودی میں شک ہو اور خواب یاد ہو ⑦ تینوں میں شک ہو اور خواب یاد ہو۔

مندجہ ذیل چار صورتوں میں غسل بالاتفاق واجب نہیں ① ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو ② ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو ③ مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو ④ مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

مندرجہ ذیل تین صورتوں میں اختلاف ہے ① منی اور مذی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو ② منی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو ③ تینوں میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

ان تین صورتوں میں طرفین کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک موجب کے وجود میں شک کی وجہ سے غسل واجب نہیں طرفین حدیثِ باب کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کو ان سات صورتوں پر محمول کرتے ہیں جو ان کے نزدیک موجبِ غسل ہیں اور فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۳۴۲)

③ **ان النساء شقائق الرجال** کا معنی:۔ مطلب یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے مشابہ ہیں اور ان کو بھی احتلام ہوتا ہے اگرچہ اس کا وقوع کم ہے اکثر عورتوں کو اس وقت احتلام ہوتا ہے جب وہ بڑی عمر کو پہنچ جائیں۔ (ایضاً)

④ قاسم بن محمد کے حالات:۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق یہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں اور یہ اکابر تابعین میں سے ہیں اور یہ اپنے زمانے کے تمام علماء سے افضل ہیں اور ان کے بارے میں یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں قاسم بن محمد پر فضیلت میں کوئی نہیں پایا یہ تیسرے طبقہ کے کبار رواۃ میں سے ہیں اور انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سے بہت لوگوں نے روایتیں نقل کی ہیں اور ان کی وفات ۱۰۱ھ کو ہوئی اور ان کی ستر سال عمر ہوئی۔ (تقریب التہذیب)

الشق الثانی.....**أَخْبَرَنِیْ كُرَيْبٌ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ بَعَثَتْهُ إِلٰى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ قَالَ: فَقَدِمْتُ الشَّامَ فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا وَاسْتُهِلَّ عَلَيَّ هِلَالُ رَمَضَانَ وَأَنَا بِالشَّامِ، قَالَ فَرَأَيْنَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ**

قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فِيْ آخِرِ الشَّهْرِ، فَسَأَلَنِيْ اِبْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ ذَكَرَالْهِلَالَ فَقَالَ: مَتٰى رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ،فَقُلْتُ: رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ، فَقَالَ: أَأَنْتَ رَأَيْتَهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَقُلْتُ: رَآهُ النَّاسُ وَصَامُوْا وَصَامَ مُعَاوِيَةُ، قَالَ: لٰكِنْ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ فَلَا نَزَالُ نَصُوْمُ حَتّٰى نُكْمِلَ ثَلَاثِيْنَ يَوْماً أَوْنَرَاهُ فَقُلْتُ: أَلَاتَكْتَفِيْ بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ وَصِيَامِهٖ؟ قَالَ: لَا، هٰكَذَا أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ (ص ۱۴۸۔ج ۱۔قدیمی)

ترجم الحديث بعد ضبطه بالشكل ۔ اذكر مسألة اختلاف المطالع هل يعتبرأم لا و اذكرأدلة العلماء۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ خبر دی مجھ کو کریب نے کہ ام فضل بنت حارث نے مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیجا۔ کریب کہتے ہیں کہ میں شام گیا اور ان کا کام پورا کیا، اسی اثناء میں رمضان آ گیا۔ پس ہم نے جمعہ کی شب چاند دیکھا، پھر میں رمضان کے آخر میں مدینہ واپس آیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے چاند کا ذکر کیا اور پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا تھا؟ میں نے کہا جمعہ کی شب کو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا: لوگوں نے دیکھا اور روزہ رکھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا لہٰذا ہم تیس روزے رکھیں گے یا یہ کہ عید الفطر کا چاند نظر آ جائے۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ: میں نے کہا کیا آپ کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا! نہیں، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح حکم دیا ہے۔

③ و ④ اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ حدیث باب سے ائمہ ثلاثہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اختلافِ مطالع شرعاً معتبر ہے لہٰذا ایک مطلع کی رؤیت دوسرے مطلع کے لئے کافی نہیں بلکہ ہر شہر کے لوگ اپنی رؤیت کا الگ اعتبار کریں گے لیکن حنفیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر نہیں لہٰذا اگر کسی ایک شہر میں چاند نظر آ جائے تو دوسرے شہر کے لوگ اسکے مطابق رمضان یا عید کر سکتے ہیں خواہ انہیں چاند نظر نہ آئے بشرطیکہ اس شہر میں رؤیتِ ہلال کا ثبوت شرعی طریقہ سے ہو جائے یعنی شہادت سے یا شہادت علی الشہادت سے۔ یا شہادت علی القضاء سے یا استفاضہ خبر سے۔

البتہ متأخرین حنفیہ میں سے حافظ زیلعی نے کنز کی شرح میں لکھا ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلافِ مطالع ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے لہٰذا بلادِ بعیدہ کی رؤیت کافی نہیں۔ متأخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔

لیکن بلادِ قریبہ اور بعیدہ کی تفریق کا کیا معیار ہوگا؟ اس کی وضاحت کتبِ فقہ میں نہیں ہے، البتہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں اس کا یہ معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بلاد اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے وہاں اختلاف مطالع معتبر ہوگا (یعنی ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لئے کافی نہ ہوگی) کیونکہ ایسے بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو مہینہ یا اٹھائیس دن کا یا اکتیس دن کا ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثِ باب چونکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مسلک کے عین مطابق اور ان کا مستدل ہے اسلئے حنفیہ کی طرف سے اس کی متعدد توجیہات کی جاتی ہیں: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فیصلہ اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے شام کو مدینہ طیبہ کے مقابلہ میں بلاد بعیدہ میں سے شمار کیا اور بلاد کا قُرب وبُعد ایک اجتہادی چیز ہے۔ ② ان کی رؤیت مدینہ طیبہ کیلئے کافی ہو سکتی تھی لیکن چونکہ خبر دینے والے صرف حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ تھے اور نصابِ شہادت موجود نہ تھا اسلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے قبول نہ کیا۔

اس پر اشکال ہو سکتا ہے کہ مسئلہ رمضان کی رؤیت کا تھا جس میں شہادت شرط نہیں ہوتی لہٰذا اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کا اعتبار کرتے ہوئے شام کی رؤیت کا اعتبار کرنا چاہیے تھا۔

03133357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اگرچہ رمضان کے چاند کا معاملہ تھا لیکن چونکہ یہ گفتگو مہینہ کے آخر میں ہورہی تھی اسلئے اس سے عید کا مسئلہ متعلق ہوگیا تھا اور اس میں ایک شخص کی خبر یا شہادت کافی نہ تھی اور یہاں چاند کی خبر دینے والے صرف حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداءِ رمضان میں تو ثبوت ''شھر'' کے لئے ایک شخص کی خبر کافی سمجھی گئی ہے۔ البتہ انتہاءِ رمضان میں اگر کوئی شخص ہلال رمضان کی رؤیت کے بارے میں شہادت دے تو اس کی دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ ماہِ رمضان ہی کی شہادت ہے اس لئے ایک آدمی کی خبر کافی ہونی چاہیے اور دوسری یہ کہ اب اس رؤیت سے عید کا مسئلہ متعلق ہوگیا ہے اس لئے رمضان کے لئے بھی عید کا نصابِ شہادت ضروری ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غالباً اسی دوسری جہت کو درست سمجھا چنانچہ حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان پر فیصلہ نہ فرمایا۔

بہرحال بلادِ بعیدہ میں متاخرین حنفیہ کا مسلک بھی ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر ہے۔ (درسِ ترمذی ۲:۵۳۰)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل ..... **عن رافع بن خديج عن النبی ﷺ قال افطر الحاجم والمحجوم۔**

اذکر اختلاف الفقهاء فی ان الحجامة مفطر للصوم اوغیر مفطر؟ حرر دلائلهم۔ اکتب الاجوبة عن الحدیث المذکور عند من لا یقول به۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حجامہ کے مفطر ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۲) حدیث الباب کا جواب۔

جواب ..... ① حجامہ کے مفطر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام احمدؒ وامام اسحاقؒ کے نزدیک حجامت مفسد صوم ہے اور ایسے شخص پر صرف قضاء واجب ہے، کفارہ واجب نہیں ہے۔

امام اوزاعیؒ، حسن بصریؒ، محمد بن سیرینؒ و مسروقؒ کے نزدیک حجامت صرف مکروہ ہے، مفسد صوم نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ و جمہورؒ کے نزدیک حجامت نہ مفسدِ صوم ہے اور نہ مکروہ ہے۔

جمہورؒ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ''**احتجم رسول الله ﷺ وهو محرم صائم**''

نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے ''**ثلاث لا یفطرن الصائم الحجامة و القئ و الاحتلام**''

امام احمدؒ وامام اسحاقؒ کی دلیل یہی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاجم و محجوم دونوں کا روزہ فاسد ہوگیا۔

② حدیث الباب کا جواب:۔ ① اس میں ''**افطر**'' کا لفظ ''**کاد ان یفطر**'' کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ عمل صائم کو افطار کے قریب کردیتا ہے، حاجم کو اسلئے کہ وہ خون چوستا ہے جس سے خون کے حلق میں جانے کا خطرہ ہے اور محجوم کو اسلئے کہ حجامت کی وجہ سے اس کو بہت زیادہ ضعف و کمزوری لاحق ہوجاتی ہے۔ ② امام طحاویؒ نے یہ جواب دیا کہ **الحاجم و المحجوم** میں الف لام عہد کا ہے، اس سے مراد وہی دو مخصوص آدمی ہیں جو دورانِ حجامت غیبت کررہے تھے اور روزہ ٹوٹنے سے مراد ثواب کا ضائع ہونا ہے، اور اس ضیاعِ ثواب کی علت حجامت نہیں بلکہ غیبت تھی۔ ③ امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، اس کی دلیل حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ ارشاد آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا اور ''**احتجم رسول الله ﷺ وهو محرم**'' والی روایت حجۃ الوداع کے موقع کی ہے کیونکہ راوی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما محرم ہونے کی حالت میں صرف حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے، پس معلوم ہوا کہ ''**افطر**'' والا حکم منسوخ ہے۔ ④ یہ حدیث درحقیقت ایک مشورہ ہے کہ حالتِ روزہ میں حجامہ نہ کیا جائے کیونکہ اس سے انسان کو بہت زیادہ کمزوری لاحق ہوتی ہے اور روزہ میں انشراح باقی نہیں رہتا اس لیے روزہ کی حالت میں یہ عمل نہیں کرنا چاہیے۔ (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۶۱۲)

الشق الثانی ..... **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ حَجٍّ اَوْعُمْرَةٍ فَاسْتَقْبَلَنَا رَجُلٌ مِّنْ جَرَادٍ فَجَعَلْنَا نَضْرِبُهٗ بِاَسْیَاطِنَا وَعِصِیِّنَا، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ كُلُوْهُ، فَاِنَّهٗ مِنْ صَیْدِ الْبَحْرِ۔** (ص ۱۷۳۔ ج ۱۔ قدیمی)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

شکل الحدیث بالضبط وترجمه ترجمة واضحة ۔ انکر اختلاف العلماء فی صیدالجراد هل یجب علی الصائد الجزاء ام لا ۔ من یستدل بهذا الحدیث؟ وما الجواب عنه عند من لایقول به۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ٹڈی کے شکار پر جزاء کے وجوب میں اختلاف (۴) حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حج یا عمرہ کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے تو ہمارے سامنے ٹڈی دَل آ گیا پس ہم نے اسے اپنی لاٹھیوں اور کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کھاؤ یہ دریا کا شکار ہے۔

③ ٹڈی کے شکار پر جزاء کے وجوب میں اختلاف:۔ ٹڈی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس کے شکار پر جزاء واجب ہے یا نہیں۔ ابوسعید اصطخری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ٹڈی **صیدالبحر** میں داخل ہے یعنی محرم کے لئے اس کا شکار جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ٹڈی **صیدالبر** میں سے ہے اور اس کے شکار پر جزاء واجب ہے۔

④ حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ ابوسعید اصطخری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں

جمہور یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے سو وہ جمہور کے نزدیک ابوالمہزّم یزید بن سفیان کی وجہ سے ضعیف ہے جو متروک ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

نیز اگر اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان **فانه من صید البحر** کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ **صیدالبحر** کے مشابہ ہے **من حیث یحل میتتهٗ ولایحتاج الی الذبح** ۔(قالہ علی القاری)۔(درسِ ترمذی ۳:۱۰۹)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل.....**عن سمرة بن جندب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لما حملت حواء طاف بها ابلیس وکان لایعیش لها ولد وقال: سمیه عبدالحارث فسمته عبدالحارث فعاش وکان ذلك من وحی الشیطان وامره۔ ترجم الحدیث الشریف ۔ اشرح الحدیث المذکور شرحایزیل جمیع الشبهات۔**(ص۱۳۸۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امر مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حواء کو حمل ہوا تو شیطان نے انکے گرد چکر لگایا، ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، شیطان نے کہا کہ بیٹے کا نام عبدالحارث رکھو، پس انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا تو پھر وہ زندہ رہا اور شیطان کی طرف سے یہ بات ڈالی گئی اور اس کا حکم تھا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت حواء کو کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، ابلیس (نیک مخلوق کی صورت میں) حضرت حواء کے پاس آیا اور کہا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام ''عبدالحارث'' رکھو تو وہ زندہ رہے گا (حارث ابلیس کا نام تھا، عبدالحارث یعنی بندۂ شیطان) چنانچہ حضرت حواء نے اس کا نام عبدالحارث رکھا تو وہ زندہ رہا۔ آیت کریمہ میں **وجعلا له شرکاء فیمااٰتهما** سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس صورت میں **فلما تغشها** وغیرہ کی ضمیر مونث حضرت حواء کی طرف راجع ہوگی اور پورا واقعہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام سے متعلق ہوگا۔

لیکن اس تفسیر پر اشکال ہوتا ہے کہ آیت میں شرک کے ارتکاب کا ذکر ہے اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے شرک کا ارتکاب کیسے کیا جبکہ آپ ابوالانبیاء ہیں اور شرک آپ کی شانِ عصمت کے منافی ہے؟

اس کے دو جوابات دیئے گئے ہیں: ① پہلا جواب علی سبیل الانکار یہ ہے کہ جن روایات نے ان آیات میں بیان کردہ واقعہ کو حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کے ساتھ مخصوص کیا ہے وہ روایات صحیح نہیں ہیں اور مختلف وجوہ کی بناء پر وہ معلول ہیں ان میں بعض تو اسرائیلیات ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے وہ معلول ہے۔

0343 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ایک علت تو اس میں یہ ہے کہ وہ ''حسن عن سمرۃ'' کے طریق سے مروی ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مختلف فیہ ہے۔ دوسری علت اس کی سند میں یہ ہے کہ اس میں عمر بن ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ متکلم فیہ راوی ہے۔

تیسری علت یہ ہے کہ اس حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موقوفاً نقل کیا ہے۔ چوتھی علت یہ ہے کہ یہ روایت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے خود اس روایت کے خلاف آیت کی پہلی تفسیر منقول ہے۔

② دوسرا جواب علی سبیل التسلیم یہ ہے کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور آیت میں بیان کردہ قصہ کو حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے متعلق قرار دیا جائے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے حقیقتاً شرک کا ارتکاب کیا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے ''عبدالحارث'' نام رکھا، ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے، اگر معتبر ہوں بھی تو ''عبد'' کی اضافت ''حارث'' کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ ''حارث'' کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے، ایک مہمان نواز آدمی کو عرب ''عبدالضیف'' کہہ دیتے ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے، پس اگر ''عبدالحارث'' نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آدم علیہ السلام نے معاذ اللہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء علیہم السلام کی شانِ عصمت کے منافی ہے، ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو، نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبۂ توحید کے مناسب نہ تھا، قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سی لغزش کو **حسنات الابرار سیئات المقربین** کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے، یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس موہم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا **جعلا له شرکاء فیما اٰتا ھما** یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس سے شرک کا وہم ہوتا ہے، گو حقیقۃً شرک نہیں، شاید اس لئے **فقد اشرکا** وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان **جعلا له شرکآء فیمآ اٰتاھما** اختیار فرمایا۔

③ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اولا اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ آیت میں بیان کردہ قصہ کا تعلق حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے ساتھ ہے اور تسلیم نہ کرنے کی انہوں نے مختلف وجوہات لکھیں ہیں: ① آیت کے آخر میں **فتعالی اللّٰه عما یشرکون** کے الفاظ خود اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ شرک کرنے والے دو نہیں تھے، پوری ایک جماعت تھی جو اولاد آدم ہی ہو سکتی ہے۔ ② اسکے بعد آیت ہے **أیشرکون مالا یخلق شیئا وھم یخلقون** اس میں لفظ **ما** استعمال کیا گیا ہے جو غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جنہوں نے بتوں کو شریک خدا بنایا، ابلیس لعین کو شریک خدا بنانے کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ ③ حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس کے تمام نام معلوم تھے جیسا کہ **وعلم آدم الا سماء کلھا** سے واضح ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس کی دشمنی اور راندہ درگاہ ہونے کی اچھی طرح خبر تھی۔ اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام اپنے کسی بچے کا نام ''عبدالحارث'' کیسے رکھ سکتے تھے۔ ④ کہ توحید پر ایمان رکھنے والے عام آدمی کے پاس بھی اگر کوئی آکر اس قسم کی بات کہے جس سے شرک کی بو آتی ہو تو وہ اسے تسلیم نہیں کرے گا، تو حضرت آدم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی سے اس کا صدور کیونکر ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس ابلیس کی بات مان لی ہو جس نے آپ کو باغ رضوان سے نکالا اور جس کی بناء پر آپ برسوں اپنے رب کے حضور مغفرت کی دعا مانگتے رہے۔

ان وجوہات کی بناء پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے تعلق تسلیم نہیں کیا، اس کے بعد فرمایا کہ آیت میں بیان کردہ قصہ کو بالفرض حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے متعلق قرار بھی دیا جائے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام نے ارتکاب شرک کیا بلکہ آیت میں انکی طرف شرک کی نسبت کرنیوالوں پر رد ہے اور وہ اس طرح کہ مشرکین کہتے تھے کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام بھی (معاذ اللہ) بتوں کی عبادت کرتے تھے، تو اللہ جل شانہ نے مذکورہ آیت میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا قصہ ذکر کیا اور ان کا قول نقل کیا **لئن اٰتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین**، اسکے بعد فرمایا **فلمآ اٰتا ھما صالحا جعلا له شرکآء فیمآ اٰتٰھما**، یہ جملہ استفہامیہ ہے یعنی بچہ عطا کرنے کے بعد کیا حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے اللہ کے ساتھ شرک کیا؟ استفہام

0315 6357913 maktabahazakariya.multan@gmail.com

انکاری ہے یعنی نہیں، آگے فرمایا **فتعالی اللہ عما یشرکون** یعنی اللہ جل شانہ اس شرک سے پاک ہیں جو یہ مشرکین کرتے ہیں اور حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اس آیت میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام سے شرک کی نفی ہے اور مشرکین پر رد ہے۔

④ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان آیات میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، نہ آیات کے شروع میں، نہ آخر میں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر ایک کو ایک نفس سے پیدا کیا اور ہر نفس کیلئے اسکی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر جب یہ دونوں ایک دوسرے سے فطری خواہش پوری کر لیتے ہیں اور حمل ٹھہر جاتا ہے تو زمانۂ حمل میں ساری امیدیں اللہ ہی سے وابستہ ہوتی ہیں کہ وہی صحیح وسالم بچہ پیدا کریگا لیکن جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شکرانے کیلئے نذریں اور نیازیں غیر اللہ کے نام پر چڑھائی جاتی ہیں۔

الشق الثانی ..... **باب ماجاء فی الاشارة عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان اذا جلس فی الصلاة وضع یده الیمنی علی رکبته ورفع اصبعه التی تلی الابهام یدعوبها ویده الیسری علی رکبته باسطها علیه۔**

ترجم الحدیث ثم بیّن حکم الاشارة فی الصلاة لدی التشهد۔ اختلف الائمة فی اختیار الکیفیة الواردة فی الروایات من العقد والقبض والتحلیق۔ انکر الشیخ السرهندی مجدد الالف الثانی الاشارة فی الصلاة، وجّه قوله۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) تشہد میں اشارہ کرنے کا حکم (۳) عقد، قبض، تحلیق کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف (۴) مجدد الف ثانیؒ کے تشہد میں اشارہ کے انکار کی توجیہ۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنی انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی کو اٹھاتے تھے اور اس سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر پھیلا کر رکھتے تھے۔

② تشہد میں اشارہ کرنے کا حکم:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی بناء پر جمہور سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ تشہد میں شہادت والی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا مسنون ہے اور اس کی سنیت پر متعدد روایات شاہد ہیں۔ چونکہ حنفیہ کی ظاہر الروایہ اور معتبر متون میں اس اشارے کا ذکر نہیں ملتا اس وجہ سے بعض متأخرین نے اس اشارہ کو غیر مسنون قرار دے دیا بلکہ بعض حضرات نے تشدد اور غلو سے کام لیتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا حالانکہ اِس اشارہ کے مسنون ہونے میں بالکل شک نہیں کیونکہ اس کی روایات حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں، باقی حنفیہ کی کتابوں میں اس کا عدمِ ذکر عدمِ سنیت کو مستلزم نہیں ہے۔ (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۶۲)

③ عقد، قبض، تحلیق کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف:۔ تشہد میں اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کا دائیں گھٹنے پر ۵۳ کا عقد بنا کر اشارہ کرے۔ اور ۵۳ کا عقد اس طرح بنتا ہے کہ چھوٹی، درمیانی اور ان کے درمیان والی (تین انگلیاں) بند کرے اور شہادت کی انگلی سیدھی رکھے اور انگوٹھا اُس شہادت والی انگلی کی جڑ میں لگائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹی اور اس کے متصل والی دو انگلیاں بند کرے اور درمیانی انگلی وانگوٹھے کا حلقہ بنائے اور جب اشارے کا وقت آئے تو شہادت والی انگلی سے اشارہ کرے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام انگلیوں کی مٹھی بنالے اور اشارہ کے وقت شہادت والی انگلی سے اشارہ کرے۔ یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

شروع ہی سے یہ ہیئت بنائے یا جب اشارے کا وقت آئے اس وقت بنائے یہ دونوں باتیں درست ہیں پھر اشارہ کے بعد اس ہیئت کو آخر تک باقی رکھے یا ختم کردے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اشارہ ختم کردے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آخر تک اشارہ باقی رکھے اور امام مالکؒ کے نزدیک شہادت کے بعد انگلی کو دائیں بائیں ہلکا ہلکا حرکت دیتا رہے۔ (تحفۃ الالمعی ۲:۸۸)

④ مجدد الف ثانیؒ کے تشہد میں اشارہ کے انکار کی توجیہ:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں تشہد کے اندر انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے کی سنیت سے انکار کیا ہے اور اُسکی وجہ یہ بیان کی کہ اسکے بارے میں احادیث مضطرب ہیں کیونکہ اشارہ کی ہیئت کے بیان میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر اضطراب کی وجہ سے حدیثِ قلتین کو ردّ کیا جاسکتا ہے تو اشارہ بالسبابہ کی احادیث کو بھی ردّ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اشارہ کی ہیئت کے بارے میں جو اختلاف ہے اِسے اضطراب نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اضطراب

اُس وقت ہوتا ہے جب حدیث ایک ہی ہو اور اس کے الفاظ میں کوئی نا قابلِ تطبیق اختلاف ہو اور یہاں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف ایک حدیث کے الفاظ کا نہیں بلکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بناء پر تمام روایات کے اس قدرِ مشترک کو ردّ نہیں کیا جاسکتا کہ اشارہ فی التشہد مسنون ہے جبکہ اس کا ثبوت بھی شہرت کے ساتھ ہے۔ نیز اس کی سنیت پر اجماع بھی ہے۔

باقی جہاں تک اس کی ہیئت کے اختلاف کا تعلق ہے وہ درحقیقت واقعات اور زمانے کا اختلاف ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک ہیئت سے اشارہ کیا اور کبھی دوسری ہیئت سے اشارہ کیا، اس اختلاف کو محدثین کی اصطلاح میں اضطراب نہیں کہا جاسکتا اور اشارہ کی جو جو ہیئت احادیث سے ثابت ہے اُن میں سے ہر ایک پر عمل کرنا جائز ہے مگر ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر ان دونوں کے درمیانی شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا جائے۔ (درسِ ترمذی ج۲ص۶۳)

﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل..... **حدثنا أبو الوليد الدمشقي حدثنا الوليد بن مسلم أخبرني ثور بن يزيد عن رجاء بن حيوة عن كاتب المغيرة عن المغيرة بن شعبة: أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم مسح أعلى الخف وأسفله. قال أبو عيسى: .....وهذا حديث معلول لم يسنده عن ثور بن يزيد غير الوليد بن مسلم وسألت أبازرعة ومحمد بن أسمعيل عن هذا الحديث فقالا: ليس بصحيح.** (ص۲۸۔ج۱۔قدیمی)

اشرح المسألة المذكورة و اذكر أدلة الأئمة . اشرح ماذكره المؤلف من علة الحديث ببسط وتفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) موزوں کے نیچے مسح کرنے میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) مؤلف کے قول **هذا حديث معلول** کی تشریح۔

جواب..... ① موزوں کے نیچے مسح کرنے میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ کے ہاں مسح صرف ظاہرِ خف (اوپر) کرنا چاہیے باطنِ خف (نیچے والا حصہ) محلِ مسح نہیں ہے امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ کے ہاں ظاہر و باطن دونوں پر مسح کرنا چاہیے پھر امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں دونوں طرف مسح فرض ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اوپر فرض اور نیچے سنت ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ فریق اوّل کی دلیل: ①**عن المغيرة بن شعبه قال رأيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يمسح على الخفين على ظاهر هما** (ابوداؤد، ترمذی) ②**عن على قال لوكان الدين بالرأى لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه وقد رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على ظاهرخفيه** (ابوداؤد) ③**عن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امربالمسح على ظهر الخفين** (مصنف ابن ابی شیبہ دارقطنی) ④ حضرت مغیرۃ کی مرفوع حدیث ہے **مسح اعلاهما مسحة واحدة حتى انظرالى اصابع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على الخفين.** (ابن ابی شیبہ)

فریق ثانی کی دلیل: حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر اور موزے کے نیچے مسح کیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلول، امام ابوداؤد نے منقطع، ابوحاتم نے **ليس بمحفوظ** اور دارِ قطنی نے **لایثبت** کہا ہے۔ نیز ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کرتے وقت نچلا حصہ بائیں ہاتھ سے پکڑا ہو جسے دیکھنے والے نے مسح سمجھ لیا۔ (المسائل والدلائل ص۱۷۹، درسِ ترمذی ج۱ص۳۳۲)

③ مؤلف کے قول **هذا حديث معلول** کی تشریح:۔ حدیث باب کے معلول ہونے کی متعدد وجوہ ہیں۔

① پہلی علت خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے کہ یہی روایت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بھی ثور بن یزید سے نقل کی ہے اس میں سند کاتب المغیرۃ پر ختم ہوگئی ہے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا کوئی ذکر نہیں ہے گویا عبداللہ بن مبارک کی سند میں یہ حدیث مسندات المغیرۃ میں سے نہیں بلکہ کاتب المغیرۃ کی مرسل ہے ولید بن مسلم کو وہم ہوا اور انہوں نے اسے موصولاً روایت کردیا اسی

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **لم یسنده عن ثور بن یزید غیر الولید بن مسلم** ② دوسری علت امام ابوداؤد وغیرہ نے بیان کی ہے وہ یہ کہ ثور بن یزید نے یہ حدیث رجاء بن حیوۃ سے نہیں سنی گویا حدیث منقطع ہے بشیر کی سند میں یہاں حدثنا کی تصریح پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات نے اسے موصول قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حدثنا کہ یہ تصریح درست نہیں جیسا کہ مسند احمد بن عبید اللہ صفار سے معلوم ہوتا ہے ③ عبداللہ بن مبارک کی سند میں **عن رجاء قال حدثت عن کاتب المغیرة** کے الفاظ آئے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود رجاء بن حیوۃ نے بھی یہ حدیث براہِ راست کاتب المغیرۃ سے نہیں سنی تھی بلکہ کسی اور سے سنی تھی جو نامعلوم ہے لہٰذا یہ ایک اور انقطاع ہوگیا ④ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھی علت یہ بیان کی ہے کہ حضرت مغیرۃ کی یہ روایت مسند بزار میں ساٹھ طریقوں سے منقول ہے لیکن حدیث باب کے سوا کسی بھی روایت میں اسفلِ خف پر مسح کرنیکا ذکر نہیں ہے بہرحال مذکورہ وجوہات کی بناء پر حدیث باب کو معلول قرار دیا گیا ہے۔ (درسِ ترمذی ج ا ص ۳۳۴)

الشق الثانی..... **حدثنی الحجاج بن عمرو قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من کسر أو عرج فقد حل وعلیه حجة أخری** ۔ (ص ۱۸۷۔ ج ا۔ قدیمی) **متی یتحقق الإحصار عند الأئمة الفقهاء ۔ اذکر أدلتهم علی ذلك ۔ اشرح الحدیث واذکر معنی قوله: "وعلیه حجة أخری" مع الاختلاف في هذه المسألة۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ائمہ کے نزدیک احصار کے تحقق میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حدیث کی تشریح (۴) **وعلیه حجة أخری** کا معنی۔

جواب..... ① ائمہ کے نزدیک احصار کے تحقق میں اختلاف:۔ حنفیہ کے نزدیک احصار ہر اس حابس سے ہوجاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف جانے سے مانع ہو حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت زید بن ثابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم عطاء بن ابی رباح ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مسلک ہے بہرحال مرض وغیرہ سے حنفیہ کے نزدیک احصار متحقق ہوجاتا ہے۔

امام مالک امام شافعی امام احمد اور امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک احصار صرف عدو سے متحقق ہوتا ہے مرض سے نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ کا استدلال **واتموا الحج والعمرة للّٰہ فان احصرتم فما استیسر من الهدی** سے ہے کہ یہ آیت ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس وقت کہ احصار بالعدو پیش آیا تھا معلوم ہوا کہ احصار عدو کے ساتھ خاص ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ آیت اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی مگر اولاً تو **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب** کے قاعدہ سے اس کے حکم کو عدوّ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ نے لفظ احصار استعمال کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ آیت کا سببِ نزول اگرچہ احصار بالعدوّ کا واقعہ ہے مگر احصار بالمرض کا بھی یہی حکم ہے۔

دلیلِ احناف: حنفیہ کی دلیل حدیث الباب ہے اور جہاں تک حنفیہ کے مذہب کا تعلق ہے وہ لغۃً روایۃً اور درایۃً ہر اعتبار سے راجح ہے۔

لغۃً اس لئے کہ بیشتر علمائے لغت کے نزدیک لفظ احصار حقیقۃً حبس بالمرض کے لئے استعمال ہوتا ہے اور حبس بالعدو کیلئے حصر کا لفظ استعمال ہوتا ہے چنانچہ علمائے لغت میں سے ابوعبیدہ بن قتیبہ اور ثعلب وزجاج وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

روایۃً حدیث باب کی وجہ سے حنفیہ کا مذہب راجح ہے **عن عکرمة قال حدثنی الحجاج بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من کسر اوعرج فقد حلّ وعلیه حجة اخری فذکرت ذلك لابی هریرة وابن عباس فقالا صدق**، یہ روایت صراحۃً اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ احصار عدو کے ساتھ خاص نہیں اور کسر وعرج اسی طرح مرض سے بھی احصار ثابت ہوجاتا ہے۔

درایۃً اس لئے راجح ہے کہ جو علت احصار بالعدو میں پائی جاتی ہے وہی احصار بالمرض میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے دونوں ہی مانع عن الحج ہونے میں برابر ہوئے۔ پس مناسب یہ ہے کہ دونوں کا حکم بھی برابر ہو۔ (درسِ ترمذی ج ۳ ص ۲۰۹)

③ حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر محرم آدمی کی ہڈی ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہوجائے تو اس

03135557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کو چاہیے کہ وہ حلال ہو جائے یعنی احرام کھول دے اور وہ آئندہ سال حج ادا کرے۔اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں،اوّل یہ کہ کسر وعرج کی صورت میں بھی احصار متحقق ہو جاتا ہے۔دوم یہ کہ محصر پر اس کی قضاء لازم ہے۔

④ **وعليه حجة أُخرٰى کا معنی:۔** محصر کے متعلق یہ بھی اختلاف ہے کہ اس کے ذمے اس حج اور عمرہ کی قضا واجب ہے یا نہیں، حنفیہ کے نزدیک محصر اگر دم ذبح کرا کے حلال ہو جائے تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک قضا واجب نہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت اسی کے مطابق ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کریم نے وجوبِ قضا کا ذکر نہیں فرمایا۔ ہماری دلیل حدیث باب کا مذکورہ جملہ ہے **وعليه حجة اخرٰى**۔اسکے علاوہ حنفیہ کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے عمرہ کی قضا آئندہ سال فرمائی تھی جہاں تک قرآن کریم میں عدمِ ذکرِ قضاء کا تعلق ہے سو عدمِ ذکر عدمِ وجوب کو مستلزم نہیں۔**واللہ اعلم**۔(ایضاً ج۳ص۲۱۲)

﴿السوال الثاني﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل.....**عن الشعبي عن جابر بن عبدالله وعن الحارث عن علي قالا: أن رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **لعن المُحِلّ والمحلل له..... قال أبو عيسى: حديث علي وجابر حديث معلول**.....(ص۲۱۳۔ج۱۔قدیمی)

اذكر حكم النكاح بشرط التحليل عند الفقهاء۔ اذكر أدلتهم مع ترجيح مذهب الحنفية في هذه المسألة۔ لمن يشهد هذا الحديث؟ وماهي تلك العلة التي ذكرها المؤلف رحمه الله۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) فقہاء کے نزدیک حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کا حکم (۲) دلائلِ ائمہ مع ترجیح مذہب حنفیہ (۳) متدلین کی تعیین اور علت کی وضاحت۔

جواب.....① و ② فقہاء کے نزدیک حلالہ کی شرط کیساتھ نکاح کا حکم،دلائلِ ائمہ مع ترجیح مذہب حنفیہ:۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں محلل کا نکاح صحیح ہے لیکن تحلیل کی شرط مکروہ تحریمی اور گناہ ہے،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نکاح باطل ہے،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عقدِ نکاح میں تحلیل کی شرط ہو تو نکاح فاسد ہے اگر عقد سے پہلے شرط ہو یا بدون شرط محض تحلیل کی نیت ہو تو نکاح صحیح ہے۔

نکاح بشرط التحلیل بالاتفاق ناجائز ہے البتہ اگر عقد میں تحلیل کی شرط نہ لگائی گئی ہو لیکن دل میں یہ نیت ہو کہ کچھ دن اپنے پاس رکھ کر چھوڑ دوں گا تو حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے بلکہ امام ابوثورؒ کا قول ہے کہ ایسا کرنے والا ماجور ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز اور باطل ہے وہ حدیثِ باب کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں کہ اسمیں محلل پر مطلقاً لعنت کی گئی ہے اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ہم یہ کہتے ہیں کہ تخصیص تو آپ نے بھی کی ہے وہ اس طرح کہ حدیثِ باب کے اطلاق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر نکاح نہ بشرط التحلیل ہو اور نہ بنیۃ التحلیل ہو پھر بھی اگر زوج ثانی طلاق دے کر اس کو زوج اول کیلئے حلال کر دے تو بھی ناجائز ہو کیونکہ محلل کا لفظ اس پر بھی صادق آتا ہے حالانکہ ایسا شخص کسی کے نزدیک بھی ملعون نہیں۔

پھر نکاح بشرط التحلیل امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک متحقق ہی نہیں ہوتا اور نہ اس سے عورت زوجِ اوّل کیلئے حلال ہوتی ہے جبکہ ہمارے نزدیک ایسا کرنا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرلے گا تو نکاح منعقد ہو جائیگا اور عورت زوج اوّل کیلئے حلال ہو جائیگی۔

ان حضرات کا استدلال حدیثِ باب سے ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں نہی عن التحلیل ہے نفی نکاح نہیں اور نہی عن الافعال الشرعیۃ اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔**كما تقرّر في أصول الفقه**۔

شافعیہ کے مسلک پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے **عن عمر بن نافع عن أبيه انه قال: جاء رجل الى ابن عمر فسأله عن رجل طلق امرأته ثلاثًا فتزوجها أخ له من غير مؤامرة منه ليحلها لأخيه هل تحل للأول؟ قال: لاالا نكاح رغبة كنا نعدّ هٰذا سفاحًا على عهد رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس روایت کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے اور صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر سکوت کیا ہے۔

0313 6357313 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس استدلال کا کوئی جواب احقر کی نظر سے نہیں گزرا البتہ اس کا یہ جواب سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کریم کی آیت **حتی تنکح زوجًا غیرہ** میں مطلق نکاح کا ذکر ہے خواہ شرط تحلیل کے ساتھ ہو یا بغیر شرط تحلیل کے، اس پر خبرِ واحد سے زیادتی نہیں کی جاسکتی۔

اس کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول میں زنا کے ساتھ اس عمل کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدم انعقاد میں نہیں جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس معاملہ میں زوجین کو تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا۔

نکاح بشرط التحلیل ناجائز ہونے کے باوجود منعقد ہوجاتا ہے اس پر حنفیہ کی دلیل مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ایک فتویٰ ہے **عن ابن سیرین قال: أرسلت امرأة الی رجل فزوجته نفسها لیحلا لزوجها، فأمره عمر أن یقیم علیها ولا یطلقها وأوعده بعاقبة ان طلقها۔** معلوم ہوا کہ انہوں نے اس نکاح کو منعقد شمار کیا۔ (درسِ ترمذی ص ۳۹۸)

③ مستدلین کی تعیین اور علت کی وضاحت:۔ یہ حدیث امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کی دلیل ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت علی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ حدیث معلول ہے۔

اسکی وضاحت یہ ہے کہ امام عامر شعبی رحمہ اللہ اس حدیث کو براہِ راست حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور بواسطہ حارث اعور روایت کرتے ہیں جو کہ ضعیف راوی ہے اور امام شعبی رحمہ اللہ سے مجالد روایت کرتے ہیں وہ بھی ضعیف راوی ہیں اور مجالد سے اشعث بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن نمیر اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، مگر عبیداللہ بن نمیر کی سند غلط ہے اسلئے کہ وہ **عن جابر عن علی** کہہ کر سند کو ایک ہی کر دیتا ہے حالانکہ مغیرہ اور ابن ابن خالد وغیرہ دونوں سندیں الگ الگ روایت کرتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی ۳:۵۵۰)

الشق الثانی.....**عن ابی قتادة انه کان مع النبی ﷺ حتی اذا کان ببعض طریق مکة تخلف مع اصحاب له محرمین وهوغیر محرم فرأی حمارا وحشیا فاستوی علی فرسه فسأل اصحابه ان یناولوه سوطه فابوا فسألهم رمحه فابواعلیه فاخذ فشدعلی الحمار فقتله فاکل منه بعض اصحاب النبی ﷺ وابی بعضهم، فادرکوا النبی ﷺ فسالوه عن ذلك ،فقال انما هی طعمة اطعمکموها اللّٰه۔** (ص ۱۷۳۔ج ۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث۔ انکرحکم اکل الصید للمحرم عند الفقهاء واسردادلتهم۔ ادفع التعارض بین هذاالحدیث وحدیث جابرؓ "صید البرلکم حلال وانتم حرم مالم تصیدوه او یصدلکم"۔ اشرح قوله "تخلف مع اصحاب له محرمین وهوغیر محرم" وانکر کیف ابو قتادةؓ لا یکون محرما داخل المیقات مع ان اصحابه محرمون؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث شریف کا ترجمہ (۲) محرم کے لئے شکار کھانے کا حکم مع الدلائل (۳) احادیث سے رفعِ تعارض (۴) تخلف مع اصحاب لہ محرمین وہو غیر محرم کی تشریح۔

جواب..... ① حدیث شریف کا ترجمہ:۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ جارہے تھے جب مکہ کے قریب پہنچے تو وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے صرف وہ احرام میں نہیں تھے اور باقی سب احرام میں تھے پس ابوقتادہ نے ایک وحشی گدھے کو دیکھا تو اپنے گھوڑے پر چڑھ گئے اور ساتھیوں سے لاٹھی مانگی انہوں نے انکار کردیا پھر نیزہ مانگا انہوں نے اس سے بھی انکار کردیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے خود ہی اٹھالیا اور اس گدھے پر حملہ کرکے اسے قتل کردیا بعض صحابہ نے اس میں سے کھایا اور بعض نے انکار کردیا جب وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو کھانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا۔

② محرم کیلئے شکار کھانے کا حکم مع الدلائل:۔ محرم کیلئے خشکی کا شکار بنص قرآنی حرام ہے اسی طرح اگر محرم نے کسی غیر محرم کی شکار میں مدد کی ہو یا اشارہ کیا ہو یا دلالت کی ہو تب بھی اس شکار کا کھانا محرم کیلئے بالاتفاق حرام ہے البتہ اگر محرم کی اعانت دلالت یا اشارہ کے بغیر کسی غیر محرم نے شکار کیا تو محرم کے حق میں ایسا شکار کھانے کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

سفیان ثوری اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شکار بھی مطلقاً ممنوع ہے **صِیْدَ لاجلہ** ہو یا نہ ہو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، طاؤس اور جابر بن زید رحمہما اللہ سے بھی یہی منقول ہے اور انکا استدلال **وحُرِّمَ علیکم صید البر مادمتم حرمًا** کے اطلاق

0313 6357015 maktabazakariyasultan@gmail.com

سے ہے کہ اس میں **صیدلاجلہ اَوْلَا** کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ ان کا استدلال اگلے باب میں حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے **ان رسول اللّٰہ مافی وجھہ من الکراھیۃ فقال انہ لیس بناردّ علیك ولکنا حرم**۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ حمار وحشی مارا ہوا تھا ہوسکتا ہے کہ وہ زندہ ہو اور زندہ شکار کا قبول کرنا محرم کیلئے جائز نہیں ہے اور اگر مان لیا جائے کہ وہ حمار وحشی مقتول تھا تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے سدذرائع کیلئے اس کو ردّ فرمایا ہو۔

امام مالک امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کیلئے یعنی اسکو کھلانے کی غرض سے شکار کیا تھا تو محرم کیلئے اس کا کھانا ناجائز ہے اور اگر اس نیت سے شکار نہیں کیا تھا تو جائز ہے ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے ہے **عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **قال صیدالبر لکم حلال وانتم حرم مالم تصیدوہ اویصدلکم**۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلہ میں سنداً اقوی اور اصح مافی الباب ہے اس لئے کہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی سند میں مطلب متکلم فیہ راوی ہے نیز یہ حدیث منقطع بھی ہے نیز یہ نہی سدِ ذرائع کے لئے ہوسکتی ہے نیز یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک محرم کیلئے ایسے شکار کا کھانا مطلقاً جائز ہے **صیدلاجلہ أولا** اور حنفیہ کا استدلال اسی باب میں حضرت ابوقتادۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے **انہ کان مع النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **حتی اذا کان ببعض طریق مکۃ تخلف مع اصحاب لہ محرمین وھوغیر محرم فرای حمارًا وحشیًا فاستوی علی فرسہ فسأر اصحابہ ان ینا ولوہ سوطہ فابوا فسالھم رمحہ فأبوا علیہ فأخذ فشد علی الحمار فقتلہ فأکل منہ بعض اصحاب النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **وأبی بعضھم فأدرکوا النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **فسألوہ عن ذلك فقال انماھی طعمۃ اطعمکم اللّٰہ**، اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تفصیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دینے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا **اشرتم اواعنتم او اصدتم** جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سوالات کا جواب نفی میں دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی اجازت دے دی اگر اس میں صائد کی نیت پر بھی مدار ہوتا تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تھا، اسی طرح حضرت ابوقتادۃ رضی اللہ عنہ سے بھی دریافت فرماتے کہ تم نے کس نیت سے شکار کیا تھا پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے یہ حمار وحشی صرف خود کھانے کیلئے شکار نہیں کیا تھا بلکہ عام رفقاء کو کھلانا مقصود تھا اس کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ (درسِ ترمذی ۳:۱۰۲)

③ احادیث سے رفعِ تعارض:۔ حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے محرمین کی جانب سے شکار کی رغبت محسوس کی تو ان کے لئے حمار وحشی شکار کیا۔ یہ حدیث اپنی حقیقت پر ہے۔

جہاں تک حدیث جابر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے سو حنفیہ کی طرف سے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں اور اس تعارض کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں سنداً اقوی ہے اور اصح مافی الباب ہے اسلئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مطلب متکلم فیہ ہے ابوزرعہ، ابن حبان اور امام دارقطنی رحمہم اللہ نے اگرچہ ان کی توثیق کی ہے لیکن ابن سعدان کے بارے میں فرماتے ہیں **کثیر الحدیث ،ولیس یحتج بحدیثہ** اور حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **صدوق کثیر التدلیس والارسال** اور ابوحاتم فرماتے ہیں **لم یسمع من جابر** خود امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **المطلب لانعرف لہ سماعا عن جابر**، مختصر یہ کہ اوّل تو ان کی توثیق وتضعیف میں اختلاف ہے اس کے علاوہ یہ حدیث منقطع بھی ہے جبکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہ کمزور درجہ کا کوئی راوی ہے اور نہ اس میں انقطاع کا شبہ ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں **صیدالبرلکم حلال مالم تصیدوہ أویصادلکم**، اس صورت میں معنی بالکل بدل جاتے ہیں کیونکہ او بمعنی الّا ہوگا اور اس کے بعد ان مقدر ہوگا اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **مالم تصیدوہ الا أن یصادلکم**۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تیسرا جواب: یہ ہے کہ اگر اویصدلکم ہی کی روایت لی جائے تب بھی یہ اسی طرح سدّ ذرائع کے لئے ہوسکتی ہے جس طرح صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ اویصدلکم کا معنی أویصدبأعانتکم او أشارتکم اودلالتکم ہے۔ (ایضاً ج۳ص۱۰۶)

④ تخلف مع اصحاب له محرمين وهو غيرمحرم کی تشریح:۔ شراح اس بارے میں حیران ہیں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ داخلِ میقات میں غیر محرم کیسے تھے؟ وقد اشكل ذلك على الحنفية والشافعية جميعًا۔

چنانچہ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں سب سے بہتر جواب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں بعث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اباقتادة الانصاری على الصدقة وخرج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه وهم محرمون حتى نزلواعسفان فاذاهم بحماروحش قال وجاء ابوقتادة وهوحل الخ، جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ کے ارادہ سے نہیں چلے تھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بعض علاقوں سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو راستے میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی مل گئے شکار کا مذکورہ واقعہ اسی وقت پیش آیا۔ (ایضاً ج۳ص۱۰۸)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل.....عن أبي هريرة أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: بادروا بالأعمال سبعًا هل تنظرون الا الىٰ فقرا منس، أوغنى مطغٍ، أو مرض مفسد، أوهرم مفند، أو موتٍ مجهز، أوالد جال فشر غائب ينتظر أو الساعةَ فالساعة أدهى وأمرّ۔ (ص۵۶۔ج۲۔قدیمی)

حقق الكلمات المخطوطة لغة ۔ ترجم الحديث الشريف واشرحه شرحًا مبسوطًا واضحًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی تحقیق (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح۔

جواب..... ① کلماتِ مخطوطہ کی لغوی تحقیق:۔ "مطغيا" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل (افعال) مجرد از مصدر طغيان (ضرب) بمعنی سرکشی، حد سے تجاوز کرنا۔ "أدهى" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل بمعنی سخت مصیبت۔

"مفندا" صیغہ واحد مذکر اسم فاعل (افعال) مجرد از مصدر فَنِدًا (سمع) بمعنی بڑھاپہ کی وجہ سے ضعیف العقل ہونا، جھوٹ بولنا۔

"مجهزا" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر اجهاز (افعال) بمعنی جلدی کرنا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبقت کرو اعمال کے ذریعہ سات چیزوں سے نہیں انتظار کر رہے ہو تم مگر ایسے فقر کا جو بھلا دینے والا ہے یا ایسے غنیٰ کا جو بھٹکا دینے والا ہے یا ایسے مرض کا جو بدن یا دین کو خراب کرنے والا ہے یا ایسے بڑھاپے کا جو دماغ میں خلل ڈالنے والا ہے یا ایسی موت کا جو اچانک جلدی سے آنے والی ہے یا دجال کا انتظار ہے پس وہ تو ایسا شر ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے یا قیامت کا پس قیامت تو بہت ڈراؤنی اور بہت کڑوی شیئ ہے۔

③ حدیث کی تشریح:۔ یعنی فتنوں میں واقع ہونے سے پہلے اعمال صالحہ میں مشغول ہو جاؤ اور اعمال کا اہتمام کرو۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ کی عبادت اس وقت نہیں کرتے ہو جب کہ اس وقت شواغل بھی کم ہیں قویٰ بھی مضبوط پھر کیسے عبادت کرو گے جب شواغل بھی بڑھ جائینگے اور قویٰ بھی کمزور ہو جائیں گے کیا تم ان امور کے منتظر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ عمر قلیل ہے اور مصائب زائد ہیں پھر انکے آنے کے اوقات متعین نہیں لہٰذا مصائب وشدائد پیش آنے سے پہلے پہلے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ چونکہ عقل مند وہ شخص ہے جو وقت سے پہلے اپنی تیاری کر لے۔

الشق الثانی.....عن جرير بن عبدالله البجلي قال: كنا جلوسا عند النبي صلی اللہ علیہ وسلم فنظر ألى القمر ليلة البدر فقال: أنكم ستعرضون على ربكم فترونه كما ترون هذاالقمر لا تضامون في رؤيته فأن

استطعتم أن لاتغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس وصلاة قبل غروبها فافعلوا' ثم قرأ "فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب. (ص۸۲۔ج۲۔قدیمی) **ترجم الحدیث ۔ حقق مذهب أهل السنة مع الرد على أهل البدعة في مسألة الرؤية ۔ ماهي المناسبة لهذه الصلاة بالرؤية۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ میں اہلسنت والجماعت کا مذہب (۳) نماز فجر وعصر کی رؤیت باری تعالیٰ سے مناسبت۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، پس آپ ﷺ نے چودھویں کی رات کے چاند کی طرف نظر اٹھائی (دیکھا) اور ارشاد فرمایا کہ بے شک تم عنقریب اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کئے جاؤ گے پس تم اپنے پروردگار کو ایسے ہی دیکھو گے جیسے تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ نہیں مشقت کرو گے تم اس کے دیکھنے میں پس اگر تم اس بات کی طاقت رکھتے ہو کہ نہ مغلوب ہو تم تو طلوع آفتاب وغروبِ آفتاب سے پہلے کی نمازیں ضرور پڑھا کرو پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب۔**

② مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ میں اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب:۔ تمام صحابہ وتابعین اور جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ آخرت میں اہل جنت وعام مؤمنین حق تعالیٰ کی زیارت کرینگے، جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رویت وزیارت کوئی امر محال یا ناممکن نہیں، البتہ عالمِ دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اس کو برداشت کر سکے، اس لئے دنیا میں کسی کو حق تعالیٰ کی رویت وزیارت نہیں ہوسکتی، آخرت کے معاملہ میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے **فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ** یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائے گی اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ باقی، پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا، تقریباً یہی مضمون قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جسکے الفاظ یہ ہیں **واعلموا انكم لن تروا ربكم حتى تموتوا** اس سے امکان تو اس کا بھی نکل آیا کہ عالمِ دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں، لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ ﷺ کو آسمانوں اور جنت ودوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کیلئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا، اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطہ سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ ﷺ اس عالمِ دنیا میں نہیں ہیں۔

معتزلہ رؤیت باری تعالیٰ کے منکر ہیں اور دلیل میں آیت کریمہ **لاتدركه الابصار** پیش کرتے ہیں کہ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ الابصار پر الف لام عہد کا ہے ابصارِ دنیا مراد ہے اور ہم اخروی رؤیت کے قائل ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے ابصار کے مدرک ہونے کی نفی ہے اپنے مدرک ہونے کی نفی نہیں ہے جب مانع زائل ہو جائیگا تو رؤیت حاصل ہو جائیگی (معارف القرآن ۶:۲۰۴)

واقعۂ معراج میں آپ ﷺ کو رؤیتِ باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا یا نہیں اس میں چار اقوال ہیں:

① حضرت انس، ابن عباس، عروہ بن زبیر، کعب احبار، معمر اور اشعری رضی اللہ عنہم کے نزدیک آنحضرت ﷺ کو شبِ معراج میں رؤیتِ باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ دلیل ارشاد نبوی ﷺ ہے **رأيت ربي عزوجل** اور قرآن کریم میں ہے **ولقد راٰه نزلة اخـــرٰى** میں ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ ہیں اسی قول کو تفسیر مظہری میں اختیار کیا گیا ہے ② دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ **ليلة المعراج** میں رسول اللہ ﷺ کو رب العزت کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اور وہ ان ضمائر کو جبرائیل علیہ السلام کی طرف لوٹاتے ہیں۔ اس قول کو علامہ قرطبی، امام رازی، ابوحیان اور علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اختیار فرمایا ہے۔ علامہ نووی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس قول کو راجح قرار

0313 5257913 maktabazakariyasultan@gmail.com

دیا ہے۔علمائے متاخرین میں سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں ان حضرات کے اقوال کو نقل فرمایا ہے۔

③ تیسرا قول سورۃ النجم کی آیت **ما کذب الفؤاد مارای** اور **ولقد رای من اٰیٰت ربه الکبریٰ** میں عموم ہے۔اسلئے باری تعالیٰ کی رؤیت بھی اس میں شامل ہوسکتی ہے اور اس عموم کی نفی کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لہٰذا رؤیت کے انکار کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ امکان رؤیت نقلاً وعملاً موجود ہے۔اسے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے ④ چوتھا قول جس کو جمہور کا مسلک قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا جائے۔اسلئے کہ آیات میں کوئی ایک معنی صریح طور پر متعین نہیں اور اخبارِ آحاد جن میں سے بعض سے رؤیت کا ثبوت اور دیگر بعض سے عدم ثبوت معلوم ہوتا ہے۔ان پر اس مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ہے۔اسلئے کہ عقائد میں اخبارِ آحاد معتبر نہیں، بلکہ عقائد کا ثبوت تواتر سے ہوتا ہے جو یہاں مفقود ہے، نیز اسکے ثبوت یا عدمِ ثبوت کے عقیدے پر ہمارا کوئی عمل موقوف نہیں، اسلئے اس مسئلہ میں توقف ہی اَحوط ہے۔مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر معارف القرآن میں اسی کو **اسلم واَحوَط** قرار دیا ہے۔(درسِ مسلم ص ۴۴۳)

③ نماز فجر وعصر کی رؤیت باری تعالیٰ سے مناسبت:۔ یہ دونوں نمازیں عام حالات میں آدمی کی طبیعت پر شاق وگراں گزرتی ہیں اس وجہ سے ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔شاق وگراں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے لئے بستر چھوڑنا بالخصوص سردی کے موسم میں بستر چھوڑ کر ٹھنڈے پانی سے وضوء کرنا اور مسجد کی طرف آنا انتہائی مجاہدہ کا کام ہے اور عصر کا وقت انتہائی کام کاج اور کاروباری مصروفیت کا وقت ہوتا ہے اور سارے دن کی کمائی کو سمیٹنے کا وقت ہوتا ہے، اس لئے عام طور پر آدمی اس سے غافل رہتا ہے، ان دونمازوں میں اس مشقت کی وجہ سے ان کو خاص کیا گیا ہے، مراد تمام نمازوں پر مواظبت ہے۔

﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذی﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....**حدثنا هنادوقتيبة قالا حدثنا وكيع عن اسرائيل عن أبى اسحاق عن أبى عبيدةعن عبدالله قال: خرج النبى ﷺ لحاجته، فقال: التمس لى ثلاثة أحجار قال:فأتيته بحجرين وروثة فأخذ الحجرين وألقى الروثة وقال: انها ركس ـ قال أبوعيسى.....وهذا حديث فيه اضطراب.....قال أبوعيسى: وأصح شيء فى هذاعندى حديث اسرائيل وقيس عن أبى اسحق عن أبى عبيدة عن عبدالله.....**

اذكر معنى الاضطراب اصطلاحًا ـ اشرح الاضطراب فى هذاالحديث بايضاح ـ اذكر مرجحات الترمذى للطريق الذى رجحه مع مناقشة مبسوطة معه فى هذاالباب ـ (ص۱۰ـ ج۱ـ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) اضطراب کا اصطلاحی معنی (۲) اضطراب فی الحدیث کی وضاحت (۳) مناقشۂ مبسوطۂ مع مرجحاتِ ترمذی۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① اضطراب کا اصطلاحی معنی:۔ اضطراب یہ ہے کہ حدیث کی سند یا متن میں ایسا اختلاف واقع ہو کہ اس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہوسکے۔

② اضطراب فی الحدیث کی وضاحت:۔ اس حدیث میں اضطراب کی وضاحت یہ ہے کہ اس میں مدارِ اسناد ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ ہیں اور یہ حدیث ان سے ان کے چھ شاگرد روایت کررہے ہیں ① اسرائیل بن یونس ② قیس بن ربیع ③ معمر ④ عمار بن رزیق ⑤ زہیر ⑥ زکریا بن زائدہ، اس میں اضطراب کی وضاحت یہ ہے کہ اضطراب دوطریقہ سے پایا جاتا ہے ایک یہ کہ ابواسحاق اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں یا ایک، زہیر دو واسطے بیان کرتے ہیں یعنی **عن ابی اسحاق عن عبدالرحمن ابن الاسود عن ابیه عن عبدالله** اور باقی پانچوں شاگرد صرف ایک واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

دوسرا اضطراب واسطہ کی تعیین میں ہے اسرائیل بن یونس اور قیس بن الربیع کی روایت میں واسطہ ابوعبیدہ ہیں، معمر عمر اور عمار کی

روایت میں واسطہ علقمہ ہیں، زکریا بن ابی زائدہ کی روایت میں واسطہ عبدالرحمٰن بن یزید ہیں۔

③ مناقشۃ مبسوطۃ مع مرجحاتِ ترمذی:۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس اضطراب کے بارے میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن یعنی امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ان روایات میں سے کون سی روایت اصح ہے تو وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی کوئی جواب نہ دیا لیکن ان کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زہیر کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ انہوں نے جامع بخاری میں زہیر ہی کی روایت کی تخریج کی ہے لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان تمام روایات میں سے اسرائیل کی روایت زیادہ راجح اور اصح ہے اس لئے کہ ابواسحاق کے تمام شاگردوں میں سے اسرائیل سب سے زیادہ اثبت اور احفظ ہیں چنانچہ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری ابواسحاق سے جو حدیثیں روایت کرتے تھے میں نے انہیں صرف اس بناء پر چھوڑ دیا کہ وہ روایات مجھے اسرائیل سے حاصل ہوگئی تھیں چونکہ وہ ان کو زیادہ اتم طریقہ سے روایت کرتے تھے اس لئے میں نے انہی پر بھروسہ کیا اس کے علاوہ زیر بحث حدیث میں قیس بن ربیع نے بھی اسرائیل کی متابعت کی ہے جس سے ان کی روایت اور زیادہ راجح ہو جاتی ہے جبکہ ابواسحاق کے معاملہ میں زہیر اتنے قابل اعتماد نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ زہیر نے جس وقت ابواسحاق کی شاگردی اختیار کی یعنی ان سے حدیثیں لیں اس وقت ابواسحاق اپنی عمر کے آخری دور میں تھے اور ان کے حافظہ میں قدرے تغیر پیدا ہو گیا تھا اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی حدیث زائدہ اور زہیر سے تم نے سنی ہو تو اس بات کی پرواہ نہ کیا کرو کسی اور سے نہیں سنی یعنی وہ ثقہ ہیں الاّ حدیث ابی اسحاق یعنی یہ حضرات ویسے تو ثقہ ہیں لیکن ابواسحاق سے ان کی روایات اتنی قابل اعتماد نہیں، ان وجوہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں زہیر کے مقابلہ میں اسرائیل کی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے زہیر کی روایت کو کیوں راجح قرار دیا لیکن یہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی رائے ہے۔

دوسرے محقق علماء اور محدثین نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے پر تنقید کی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری کی آٹھویں فصل میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری (ج ا ص ۷۳۵) میں اس فیصلہ پر مفصل گفتگو کی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید فرمائی ہے اور متعدد وجوہ سے زہیر کی روایت کو اسرائیل کی روایت کے مقابلہ میں راجح قرار دیا ہے اگرچہ اسرائیل کی روایت کو بھی صحیح کہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ زہیر کی روایت کی پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ زہیر کے بہت سے متابعات موجود ہیں چنانچہ معجم کبیر طبرانی کی روایت میں ابراہیم بن یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاق نے زہیر کی متابعت کی ہے چونکہ یہ روایت خود ابواسحاق کی ذریّت سے مروی ہے اسلئے اس کی متابعت بہت قوی ہے اسی طریقہ سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے معجم طبرانی کے حوالہ سے زہیر کا ایک اور متابع ذکر کیا ہے جو کہ یحییٰ بن ابی زائدہ عن ابیہ عن ابی اسحاق کے طریق سے ہے اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں زہیر کی روایت کا ایک متابع لیث بن ابی سلیم بھی موجود ہے وہ اگرچہ حافظہ کے اعتبار سے کمزور ہیں لیکن استشہاد اور متابعت کیلئے کافی ہیں نیز شریک نے زہیر کی متابعت کی ہے اور شریک قیس بن الربیع کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتماد ہیں جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسرائیل کی روایت کی ایک وجہِ ترجیح یہ بیان کی تھی کہ قیس بن الربیع ان کے متابع ہیں نیز ابن حماد حنفی اور ابوحریم نے بھی ان کی متابعت کی ہے۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زہیر کی جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **حدثنا زهير عن ابی اسحٰق قال ليس ابو عبيدة ذكره ولكن عبدالرحمن بن الاسود عن ابيه انه سمع عبدالله** اس میں صراحۃً اسرائیل والے طریق کی تردید کی گئی ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ابواسحاق پہلے اس حدیث کو ابوعبیدہ سے روایت کرتے تھے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشکوک ہے بعد میں ابواسحٰق کو یہی روایت عبدالرحمٰن بن الاسود سے بھی مل گئی جس پر کوئی اعتراض نہیں تھا لہٰذا انہوں نے صراحۃً یہ بتا دیا کہ یہ حدیث میرے پاس صرف ابوعبیدہ کے طریق سے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن الاسود کے طریق سے بھی ہے بہرحال ابواسحٰق کی اس تصریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زہیر کے سامنے حدیث بیان کرتے وقت ان کے ذہن میں دونوں طریق مستحضر تھے اور ان میں سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن

0313 6357912 maktababakariyamultan@gmail.com

الاسود کے طریق کو اختیار کیا اور اس سے بڑی کوئی وجہ ترجیح نہیں ہوسکتی۔

تیسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ ابواسحٰق سبیعی مدلس ہے لہٰذا ان کے عنعنہ کے مقابلہ میں تحدیث کا صیغہ راجح ہے اب اسرائیل کے طریق میں وہ ابوعبیدہ سے عنعنہ کررہے ہیں اور یوسف بن ابی اسحٰق کے طریق میں جو زہیر کے متابع ہیں انہوں نے تحدیث کی تصریح کی ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ زہیر کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں **وقال ابراهيم بن يوسف عن ابيه عن ابی اسحٰق قال حدثنی عبدالرحمن** لہٰذا زہیر کے طریق میں تدلیس کا کوئی شبہ نہیں جبکہ اسرائیل کے طریق میں یہ شبہ موجود ہے۔

چوتھی وجہ ترجیح علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اسرائیل کی روایات میں خود اختلاف ہے چنانچہ بعض روایات میں ان کی روایت زہیر کی روایت کے بالکل مطابق ہے اگرچہ بعض میں اختلاف ہے جبکہ زہیر کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسرائیل کی جلالتِ قدر بیان کرنے کیلئے عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول پیش کیا ہے لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں معجم اسماعیل وغیرہ کے حوالہ سے بعض محدثین کے اقوال ذکر کئے ہیں جن سے زہیر کو اسرائیل کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

ان وجوہات کی بناء پر دیگر محدثین اور امام بخاری رحمہ اللہ نے زہیر کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی دقتِ نظر اور فراست کا پتہ چلتا ہے۔ (درسِ ترمذی ج ا ص ۲۱۱)

الشق الثانی.....**عن أبی سعيد الخدری أن النبی ﷺ قال: ليس فيما دون خمس زود صدقة وليس فيما دون خمس أواق صدقة وليس فيمادون خمسة أوسق صدقة.** (ص ۱۳۶۔ ج ا۔ قدیمی)

ترجم الحديث ترجمة واضحة ۔ ماهی الأواقی والأوسق؟ اذكر هل للزرع والتمر والحبوب نصاب مقدر شرعًا؟ ما هو اختلاف العلماء فيه؟لمن يشهد حديث الباب؟ وماهی الترجيحات التی ذكرها العلماء عند من لايقول به؟ اذكرنبذة من احوال ابی سعيد الخدری مع اسمه.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) اواقی اور اوسق کی تعریف (۳) کھیتی، کھجور اور دانوں کا نصابِ شرعی (۴) حدیثِ باب کی توجیہات (۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا تعارف۔

جواب..... ① حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں اس طرح پانچ اوقیہ چاندی سے کم پر اور پانچ وسق سے کم غلے پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

② اواقی اور اوسق کی تعریف:۔ اواقی اوقیہ کی جمع ہے اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے خمسۃ اواق دوسو درہم کے برابر ہوتے ہیں اور اوسق یہ وسق کی جمع ہے اور وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے خمسۃ اوسق تقریباً پچیس من کا ہوتا ہے۔

③ کھیتی، کھجور اور دانوں کا نصابِ شرعی:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وجوبِ عشر کیلئے نصاب شرط نہیں، پیداوار قلیل ہو یا کثیر مطلقاً عشر واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک پانچ وسق نصاب شرط ہے اس سے کم میں ان کے نزدیک عشر واجب نہیں ہے۔

④ حدیثِ باب کی توجیہات:۔ ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہم اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے **ليس فی ما دون خمسة اوسق صدقة** (ترمذی) اس کی بہت ساری توجیہات کی گئی ہیں لیکن ان میں سے چند یہ ہیں: ① عام نصوصِ قرآنی **وآتوا حقه يوم حصاده، ومما اخرجنالكم من الارض** کے قرینہ سے یہ مؤول ہے اس کا تعلق مال تجارت سے ہے اور اس سے زکوٰۃ مراد ہے کیونکہ اس وقت لین دین اوساق سے ہوتا تھا اور ایک وسق کی قیمت ۴۰ درہم تھی تو پانچ وسق دوسو درہم ہوئے جو مالِ تجارت کا نصاب تھا خود اسی حدیث میں بھی قرینہ موجود ہے پہلا جملہ **ليس فيما دون خمسة اواق صدقة** بالاتفاق زکوٰۃ پر محمول ہے ② نصوص قرآن کے مقابلہ میں اخبارِ آحاد مرجوح ہیں ③ یہاں عام اور خاص میں تعارض ہے تاریخ معلوم نہیں عام پر عمل کرنے میں احتیاط ہے لہٰذا عام خاص کیلئے ناسخ ہے ④ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عرایا سے متعلق ہے عریہ پانچ وسق تک ہوتا تھا جیسے

0313-6567913 makabazakariyahulama@gmail.com

ہبہ کرنے والے پر زکوٰۃ نہیں ویسے عریہ دینے والے پر عشر نہیں ⑤ سہولت کیلئے اس وقت پانچ وسق تک کا عشر مالک خود فقراء کو دیتا تھا اس سے زائد کا عشر عاشر لیتا تھا تو مطلب یہ ہوگا کہ پانچ وسق کا صدقہ عاشر نہیں لے گا۔(المسائل والدلائل ص ۳۸۵، درسِ ترمذی ۲:۴۳۸)

② حضرت ابوسعید خدری وعبدالرحمٰن المقری کا تعارف:۔ ابوسعید خدریؓ کا نام سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن عبید بن الابجر انصاری خزرجی اور کنیت ابوسعید ہے۔ اجداد میں موجود ابجر کا نام خدرہ تھا، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے خدری نسبت ہے۔ آپ سے گیارہ سو ستر (۱۱۷۰) احادیث مروی ہیں، جن میں سے چھیالیس احادیث متفق علیہ ہیں۔ آپ کا شمار فقہاء وفضلاء صحابہ میں ہوتا تھا۔ ۶۴ھ یا ۷۴ھ میں جمعۃ المبارک کو مدینۃ المنورہ میں انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔(کشف الباری ج ۲)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....**عن عائشة: كفن النبی ﷺ فی ثلاثة أثواب بيض يمانية ليس فيها قميص ولا عمامة.**

فی کم ثوب کفن النبی ﷺ؟ وماهو التطبيق بين الروايات المتعارضة فی ذلك؟ اذكر اختلاف العلماء فی العدد المسنون لكفن مع تعيين نوع هذه الأثواب اذكر أدلتهم مع ترجيح الامام أبوحنيفة فی ضوء الأدلة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) روایات متعارضہ کے درمیان تطبیق (۲) مسنون کفن کے کپڑوں میں علماء کا اختلاف اور کپڑوں کی تعیین (۳) علماء کے دلائل اور ترجیح حنفیہ۔ (ص ۱۹۵۔ج ۱۔قدیمی)

جواب..... ① روایات متعارضہ کے درمیان تطبیق:۔ **كفن النبی ﷺ ثلاثه اثواب بيض ليس فيها قميص ولا عمامة** اس روایت میں نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفنانے کا ذکر ہے لیکن طبقاتِ ابن سعد کی ایک روایت میں سات کپڑوں کا ذکر ہے۔ ان روایاتِ متعارضہ کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ مختلف حضرات نے آپ کے کفن کیلئے مختلف کپڑے پیش کئے لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان میں سے تین کا انتخاب کرلیا اور باقی واپس کردیئے۔(درسِ ترمذی ج ۳ ص ۲۸۰)

② مسنون کفن کے کپڑوں میں علماء کا اختلاف اور کپڑوں کی تعیین:۔ جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک مرد کیلئے تین کپڑے مسنون ہیں البتہ امام مالک رحمہ اللہ مرد کے حق میں پانچ تک اور عورت کے حق میں سات تک استحباب کے قائل ہیں چنانچہ مرد کا کفن انکے نزدیک تین لفافوں ایک قمیص اور ایک عمامہ پر مشتمل ہوگا اور پھر تین کپڑوں کی تعیین کے بارے میں بھی اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تین کپڑے تین لفافے ہیں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک وہ تین کپڑے یہ لفافہ، ازار اور قمیص ہیں۔

③ علماء کے دلائل اور ترجیح حنفیہ:۔ عددِ مسنون میں جو علماء کا اختلاف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث باب **كفن النبی ﷺ فی ثلاثة اثواب بيض يمانية ليس فيها قميص ولا عمامة** سے جمہور کا مسلک ثابت ہوتا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ تین کپڑے قمیص اور عمامہ کے علاوہ تھے اور قمیص اور عمامہ الگ سے تھے مجموعہ پانچ کپڑے ہوئے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تاویل خلاف ظاہر ہے۔

0313 6357913 multahazakariyamultan@gmail.com

کپڑوں کی تعیین میں جو علماء کا اختلاف ہے تو وہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی دلیل سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال كفن النبی ﷺ فی ثلاثة اثواب نجرانية الحلة ثوبان وقميصه الذی مات فيه.**

دوسری دلیل: الکامل لابن عدی میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **قال كفن النبی ﷺ فی ثلاثة اثواب قميص وازار ولفافة.**

فریق ثانی کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث باب ہے **قالت كفن رسول الله ﷺ فی ثلاثة اثواب بيض يمانية ليس فيها قميص ولا عمامة.** پہلا جواب: یہ ہے کہ اس میں قمیص میت نہیں بلکہ قمیص معتاد کا انکار ہے جو زندوں کے ساتھ مخصوص ہے اور قمیصِ میت قمیصِ احیاء سے بالکل مختلف ہوتی ہے اس میں آستین کلی اور سلائی نہیں ہوتی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی تکفین وتدفین میں حاضر تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں موجود

نہیں تھیں اسلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث راجح ہے تو لہٰذا امام ابوحنیفہ کا مذہب راجح ہے۔(ایضاً ج ۳ ص ۲۸۲)

الشق الثانی..... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قال : قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا تَوَضّأَ العبدُ المسلمُ اَوِ المؤمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْمَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ اَوْ نَحْوِ هٰذَا وَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْمَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ۔ وفی الباب عن عثمان وثوبان والصنابحی وعمرو بن عبسة وسلمان وعبداللّٰه بن عمرو۔

ترجم الحدیث واشرحه ۔ هل یمحو الوضوء الخطایا کلّها ام بعضها؟ ۔ ان کان الوضوء سببًا لمحو بعض الذنوب فما المراد بقوله ﷺ حتی یخرج نقیًا من الذنوب؟ ۔ "الصنابحی" نسبة لثلاثة اشخاص اذکر اسماء هم وایّهم یروی هذا الحدیث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ وضو سے گناہ معاف ہونے کی وضاحت ④ صنابحی کی مراد اور راوی کی تعیین۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان یا مؤمن بندہ وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے وہ سب پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں، اور جب اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے بھی وہ تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑ کر کیا ہوتا ہے وہ سب پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں حتی کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ ترجمہ کے ذریعے ہی تشریح واضح ہو چکی ہے کہ جب کوئی مؤمن وضو کرتے ہوئے اپنے بدن کے جس جس عضو کو دھوتا ہے پانی کے ساتھ ساتھ اس کے عضوِ مغسول کے گناہ بھی نکلتے اور دھلتے رہتے ہیں حتی کہ جب وہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو وہ گناہوں سے بھی پاک وصاف ہو چکا ہوتا ہے۔

③ وضو سے گناہ معاف ہونے کی وضاحت:۔ گناہ کے چار درجے ہیں:① **معصیة** (نافرمانی):اس کے مقابلے میں **طاعة** (فرمان برداری) ہے۔② **سیئة** (برائی):اس کے مقابلے میں **حسنة** (اچھائی) ہے۔③ **خطیئة** (غلطی):اس کے مقابلے میں **صواب** (درستگی) ہے۔④ **ذنوب** (عیوب) ان کے مقابل کچھ نہیں ہے۔

وضو، غسل، نماز اور روزے وغیرہ سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ نصوص میں جو لفظ آیا ہے وہ اور اس کے نیچے والے گناہ معاف ہوں گے، اس سے اوپر والے گناہ معاف نہیں ہوں گے، جیسے یہاں حدیث میں خطایا کا لفظ آیا ہے پس وضو اور غسل سے خطیئہ اور اس سے نیچے کا گناہ (ذنوب) معاف ہوں گے، اس سے اوپر کے درجے کے گناہ معاف نہیں ہوں گے، اسی طرح نماز سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ حدیث کو دیکھا جائے کہ اس میں کیا لفظ آیا ہے؟ وہ اور اس سے نیچے والے گناہ معاف ہوں گے اور اوپر والے معاف نہیں ہوں گے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جو آیا ہے "**ان الحسنات یذهبن السیئات**" (بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کرتی ہیں) یہاں لفظ سیئات آیا ہے پس حسنات سے سیئات اور اس سے نیچے کے گناہ یعنی خطایا و ذنوب معاف ہوں گے، اس سے اوپر کا گناہ یعنی معاصی معاف نہیں ہوں گے۔(تحفۃ الالمعی)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ذنب گناہ کا سب سے نچلا و کم ترین درجہ ہے اور وضو کے ذریعہ یہ بہر صورت صاف ہو جاتا ہے۔

④ صنابحی کی مراد اور راوی کی تعیین:۔ صنابحی نام کے تین راوی ہیں:① عبداللہ بن عمرو صنابحی: یہ صحابی ہیں، اور "**باب فضل الطهور**" میں انہی کی روایت ہے۔② عبدالرحمٰن بن عسیلہ صنابحی: ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور یہ صحابی نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی زیارت کیلئے گھر سے چلے تھے، ابھی مدینہ سے تین دن کے فاصلے پر تھے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

0313 6257913 maktabazakariyamultani@gmail.com

حدیثیں سنی ہیں، نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ چونکہ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اسلئے عبداللہ صنابحی سے اشتباہ ہوسکتا تھا تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تمیز کے لیے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ③ صنابح بن اعسر احمسی: ان کے نام کے آخر میں "ی" نہیں ہے، اگرچہ ان کو بھی صنابحی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ صحابی ہیں اور ان کی حدیث "انی مکاثر بکم الامم فلا تقتلن بعدی" ہے۔ (تحفۃ الألمعی)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....عن ابراهيم التيمى عن أبيه قال: خطبنا على فقال: من زعم أن عندنا شيئًا نقرؤه الاكتاب الله وهذه الصحيفة فيها أسنان ألابل وأشياء من الجراحات فقد كذب، وقال فيها :قال رسول الله ﷺ: المدينة حرم مابين عيرالى ثور، فمن أحدث فيها حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لايقبل الله منه يوم القيامة صرفًا ولاعدلا ومن ادعى الى غيرأبيه أو تولى غيرموالیه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لايقبل منه صرف ولاعدل، وذمة المسلمين واحدة يسعى بهاأدناهم .(ص۳۳۔ج۲۔قدیمی) ترجم الحديثو اذكرهل للمدينة المنورة أيضًا حرم كحرم مكة؟ اذكر الاختلاف والدليل . اشرح قوله:"وذمةالمسلمين واحدة يسعى بهاأدناهم"

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) حرمِ مدینہ میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل (۳) ذمة المسلمين واحدة الخ کا معنی۔

جواب..... ① حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا جو شخص گمان کرے کہ بیشک ہمارے پاس کوئی چیز ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ جس میں اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور زخموں کے متعلق کچھ باتیں ہیں پس تحقیق اس نے جھوٹ بولا (اور فرمایا کہ صحیفہ میں ہے کہ) آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ منورہ حرم ہے وہ حصہ جو عیر سے ثور تک ہے پس جو شخص نئی چیز پیدا کرے اس حصہ میں یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے پس اس پر اللہ کی لعنت اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی اس پر لعنت ہوگی نہیں قبول فرمائیں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے فریضہ کو اور نہ نفل کو یا اس کی توبہ اور فدیہ کو اور جو شخص اپنے نسب کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یا کوئی غلام غیر مولیٰ کو اپنا مولیٰ بتائے پس اس پر بھی اللہ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نہیں قبول کرینگے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور نہ اس کا فدیہ اور تمام مسلمانوں کا عہد و پیمان ایک ہے ذمہ دار ہوسکتا ہے ان میں سے ادنیٰ شخص بھی۔

② حرمِ مدینہ میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل:۔ حرمِ مدینہ میں بالاتفاق بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حرمِ مکہ کی طرح شجرِ مدینہ کو کاٹنا اور وہاں شکار کرنا حرام ہے البتہ اس میں جزاء واجب نہ ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہی ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ ہے کہ اسکی سزا یہ ہے کہ اسکے بدن کے کپڑے اور ساتھ کا سامان سلب کرلیا جائے اور ان کی دلیل تحریم روایات الباب ہیں۔

0313 6357917 maktabazakaria@gmail.com

حنفیہ کے نزدیک حرم مدینہ کا حکم یہ نہیں کہ وہاں کے درخت اور شکار حرام ہیں بلکہ صرف یہ حکم ہے کہ وہ معظم و محترم جگہ ہے اس کی شان کے خلاف وہاں کوئی کام نہ کیا جائے اسکے خوشنما مناظر کو باقی رکھا جائے اور ان کو بلاضرورت توڑ پھوڑ کر بدنما نہ بنایا جائے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس پر استدلال اس حدیثِ انس رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے جس میں ہے **یا ابا عمیر مافعل النغیر** کہ اگر صیدِ مدینہ حرام ہوتا تو اس کا حبس جائز نہ ہوتا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے وہ پرندہ (نغیر) انہوں نے حل (خارج حرم) سے پکڑا ہو، لیکن حافظ نے اس کو خود ہی ردّ کردیا اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک حل کا شکار جب حرم میں داخل ہوجائے تو اس کیلئے حرم کا حکم ثابت ہوجاتا ہے یعنی صیدِ حل بھی حرم میں آکر صیدِ حرم ہی ہوجاتا ہے۔

نیز امام طحاوی رحمہ اللہ نے تحریم کی روایات کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے یہ حکم اس وقت کا ہو جب ہجرۃ الی المدینۃ واجب

تھی تاکہ مدینہ کی زینت باقی رہے اور یہ زینت کا بقاء ہجرۃ کی رغبت اور الفتِ مدینہ کا ذریعہ ہو پس جب ہجرۃ منسوخ ہوئی تو یہ تحریم بھی منسوخ ہوگئی، چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض روایات میں آتا ہے **ان النبیّ ﷺ نهی عن هدم آطام المدينة فانها من زينة المدينة** یعنی آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی اونچی دیواروں اور قدیم قلعوں کے منہدم کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ان کا وجود باعث زینت ہے۔ اسی طرح ان تحریم کی روایات میں خود استثناء موجود ہے **الاان يعلف رجل بعيره** کہ بقدر ضرورت آدمی اپنی سواری کیلئے گھاس کاٹ سکتا ہے دوسری روایۃ کے لفظ یہ ہیں **الا ما يُساق به الجمل** اور ایک روایت میں ہے **ولكن يهش هشًّا رقيقًا** یعنی وہاں کے درختوں کے پتے ضرورۃً آہستہ آہستہ جھاڑ سکتے ہیں غرضیکہ جن روایات سے جمہور تحریم پر استدلال کررہے ہیں خود انہی روایات میں عدمِ تحریم کا پہلو موجود ہے۔ (الدر المنضود ج۳ ص۳۲۳)

③ ذمة المسلمين واحدة الخ کا معنی:۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ عہد و پیمان کے حق میں تمام مسلمان برابر ہیں اعلیٰ ہو یا ادنیٰ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں امیر ہو یا غریب ہو کوئی بھی امان دے تو سب مسلمانوں کی طرف سے یہ امان سمجھا جائے گا اور تمام مسلمانوں کے نزدیک اس کا جان و مال محفوظ و مامون سمجھا جائے گا۔

الشق الثانی.....**عن علی عن النبی ﷺ قال: من أصاب حدًا فعجل عقوبته فی الدنيا فالله أعدل من أن يثنی علی عبده العقوبة فی الآخرة، ومن أصاب حدًا فستره الله عليه وعفا عنه فالله أكرم من أن يعود فی شيیء قد عفا عنه۔** (ص۹۰۔ج۲۔قدیمی) **ترجم الحديث المبارك۔**

ماهو الاختلاف بين أهل السنة والجماعة وبين غيرهم فی من أتی كبيرة من الكبائر هل يكفر بذلك أم لا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) مرتکبِ کبیرہ کے کفر کے بارے میں اختلاف۔

جواب..... ① حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی ایسے کام کا مرتکب ہو کہ اس پر حد لازم آئی اور اسکو جلد ہی دنیا میں سزا دیدی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ انصاف کرنیوالا ہے کہ اپنے بندے کو آخرت میں دوبارہ سزا دے اور اگر کوئی ایسے فعل کا مرتکب ہو جس کی وجہ سے حد جاری ہوتی ہو اس پر اور اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کو چھپالیں اور اسے معاف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ لطف و کرم والا ہے کہ کسی بات کو معاف کرنے کے بعد دوبارہ لوٹائے یعنی دوبارہ سزا دے۔

② مرتکبِ کبیرہ کے کفر کے بارے میں اختلاف:۔ معتزلہ و خوارج دونوں کے نزدیک ایمان مرکب ہے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے البتہ معتزلہ کے نزدیک ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ فاسق ہوتا ہے جبکہ خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ کفر میں بھی داخل ہوجاتا ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اگر تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان موجود ہو تو مرتکبِ کبیرہ ہونے کے باوجود وہ مؤمن ہے۔ (کشف الباری ج۲ ص۵۷۸)

﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذی﴾

0313 6357913 hadithbazar@gmail.com

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی هريرة ان ناسا من اصحاب النبی ﷺ قالوا: الكمأة جدری الارض فقال رسول الله ﷺ: الكمأة من المن وماء هاشفاء للعين والعجوة من الجنة وهی شفاء من السم۔**

ترجم الحديث واشرح قولهم: الكمأة جدری الارض وحقق كلمة الكمأة وبيّن انواعها۔ فی تفسير المنّ ثلاثة أقوال اذكرها۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) **الكمأة جدری الارض** کی تشریح (۳) **الكمأة** کی تحقیق اور اُس کی اقسام (۴) **المنّ** کی تفسیر میں تین اقوال۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے بعض نے عرض کیا

کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھمبی تو من وسلویٰ ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے اور عجوہ کھجور جنت سے ہے اور زہر سے شفاء ہے۔

② **الکمأۃ جدری الارض** کی تشریح:۔ چیچک بچوں کے جسم پر دانے نکلنے والی بیماری ہے، یہ بدن کے اندر مضر فضلہ ہوتا ہے جو بدن پر دانوں کی شکل میں ابھرتا ہے، اسی طرح زمین کے اندر جو فضلات زائد ہوتے ہیں وہ کھمبی کی شکل میں زمین پر رونما ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کو **جدری** سے تعبیر کیا گیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فضلہ ہونے کے اعتبار سے اس کو جدری سے تعبیر فرمایا محقق طبری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں کھمبی کی پیداوار بہت ہوگئی تو لوگوں نے اس کا استعمال چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ یہ زمین کی چیچک ہے یعنی بطورِ ذم اس کو چیچک قرار دیا اور آپ ﷺ نے بطورِ مدح ارشاد فرمایا کہ یہ تو اس کے فضل اور منّ میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطورِ انعام بغیر مشقت کے ہمیں عنایت فرمائی ہے۔

③ **الکمأۃ** کی تحقیق اور اُس کی اقسام:۔ یہ کاف کے فتحہ میم کے سکون اور ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ عموماً لوگوں نے اس کو بغیر ہمزہ پڑھا ہے، اس کی جمع **الکمأ** ہے جیسے **تمرۃ** کی جمع **تمر**، مگر ابن الاعرابی نے اس کے برعکس فرمایا کہ **کمأ** مفرد ہے اور **کمأۃ** جمع ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ **کمأۃ** کا اطلاق واحد وجمع دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ ایک خاص گھاس ہے جس کا پتا اور تنا نہیں ہوتا، جنگل اور ریتلی زمین میں بغیر بوئے قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے پہلے اہلِ عرب اس کو نبات الرعد بھی کہتے تھے کیونکہ یہ بادل کی کڑک سے زمین میں پیدا ہوتی ہے۔ عرب علاقوں میں، شام، روم، مصر وغیرہ میں کثرت سے ہوتی ہے، ہندوستان میں بھی اس کا وجود ہے اور اس کو اردو میں کھمبی کہا جاتا ہے۔ کھمبی کی تین اقسام ہیں۔ ① بالکل سیاہ: اس میں زہر ہوتا ہے اس کو ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ ② سرخی وسفیدی ملی جلی: اس کا استعمال بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ③ بالکل سفید: اس کا پانی آنکھوں کیلئے مفید ہے اگر آنکھ میں سفیدی ہو اور اس کے پانی کو کئی روز استعمال کیا جائے تو سفیدی ختم ہوجائے گی۔ اس کے لگانے سے نظر تیز ہوتی ہے، اس کو خشک کرکے پیس کر استعمال کرنے سے اسہال بند ہوجاتے ہیں۔ اگر کسی کی ناف اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو سرکہ میں ملا کر لیپ کرنے سے اپنی جگہ پر آجاتی ہے۔ اگر عورت استعمال کرے تو اولاد ہونا بند ہوجاتی ہے۔

④ **المنّ** کی تفسیر میں تین اقوال:۔ ① یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جو بندوں پر اس نے نازل فرمائی ہے، بغیر مشقت اور تکلیف کے حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ بنی اسرائیل کو من وسلویٰ بغیر مشقت کے حاصل ہوتا تھا۔ ② کھمبی درحقیقت اُس منّ میں سے ہے جو بنی اسرائیل پر نازل کیا گیا تھا کہ پیڑوں کے اوپر شبنم کی شکل میں گرتا تھا اور اُس کو جمع کرکے کھایا جاتا تھا یہاں بھی مقصود یہی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو بغیر مشقت کے وہ حاصل ہوتا تھا اِسی طرح تمہیں بھی اِس کے حصول کے لئے مشقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ ③ عبداللطیف بغدادی اور اس کے متبعین نے فرمایا کہ دراصل وہ منّ جو بنی اسرائیل پر نازل کیا گیا تھا اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ بعض شبنم کی صورت میں، بعض سبزیوں کی صورت میں اور بعض شکار کی صورت میں ہوتی تھیں۔ اِسی طرح کھمبی ہے جو کہ اِنہی صورتوں میں سے کسی صورت میں اُن پر نازل کی گئی تھی۔ (دروسِ ترمذی ج۲ ص۴۲)

الشق الثانی.....**عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال:انما صلی النبی ﷺ الرکعتین بعدالعصر، لأنه أتاه مال فشغله عن الرکعتین بعدالظهر،فصلاهما بعدالعصر ثم لم یعدلهما۔** (ص۴۵۔ج۱۔قدیمی)

انکر حکم الصلاة بعد العصر بمکة وغیرها۔ قد وردعن عائشة أن النبی ﷺ مادخل علیها بعدالعصر الاصلی رکعتین، وقد وردالنهی عن ذلك،فماهووجه التوفیق بین هٰذه الأحادیث؟ انکر ترجمة لسعید بن جبیر۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عصر کے بعد مکہ اور غیر مکہ میں نماز کا حکم (۲) عصر کے بعد نماز پڑھنے کی احادیث میں تطبیق (۳) حضرت سعید بن جبیر کے حالات۔

جواب..... ① عصر کے بعد مکہ اور غیر مکہ میں نماز کا حکم:۔ اوقاتِ مکروہہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اوقاتِ ثلٰثہ یعنی طلوع، استواء

0313 6357913 maktabazakaria.multan@gmail.com

اورغروب کے اوقات اور دوسرے نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد کے اوقات۔

پہلی قسم: کے بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز ناجائز ہے، خواہ فرض ہو یا نفل اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک فرائض جائز ہیں اور نوافل ناجائز، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نوافل ذوات الاسباب بھی جائز ہیں۔

دوسری قسم: یعنی نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد اوقات، ان کے بارے میں بھی امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے کہ ان میں بھی فرائض اور نوافل ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں۔ البتہ صرف نوافل غیر ذوات الاسباب ان اوقات میں مکروہ ہیں، نوافل ذوات الاسباب کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایسے نوافل جن کا سبب اختیارِ عبد کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو مثلاً تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد، نمازِ شکر، نمازِ عید، کسوف وغیرہ۔ حنفیہ کے نزدیک ان اوقات میں فرائض تو ناجائز ہیں لیکن نوافل خواہ ذوات الاسباب ہوں یا غیر ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں، پھر شافعیہ کے نزدیک حرم مکہ میں نوافل غیر ذوات الاسباب بھی جائز ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس استثناء کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ان اوقات میں ہر جگہ ہر قسم کے نوافل ناجائز ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ ایک تو ان روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں اوقاتِ مکروہہ یا غیر مکروہہ کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی، نیز حرم کے مسئلہ میں حضرت جبیر بن مطعم کی اس حدیثِ مرفوع سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے **یابنی عبدمناف لاتمنعوا احدًا ظاف بهذاالبيت وصلی اية ساعة شاء من ليل او نهار**، اس کے برخلاف حنفیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثِ باب اور ان روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں بعد الفجر اور بعد العصر نماز سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔ حنفیہ احادیث تحیۃ المسجد اور حدیثِ مذکور ہے **لاتمنعوا احدًا الخ** کو حدیثِ باب سے مخصوص مانتے ہیں۔

حنفیہ کے موقف کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ نہی کی احادیث کثیر ہیں لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ممانعت پر عمل کیا جائے اور جہاں تک **يابنی عبدمناف الاتمنعوا احدًا** والی حدیث کا تعلق ہے، سو اول تو وہ مضطرب الاسناد ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی اس کا مقصد محض حرم کے محافظین کو یہ ہدایت کرنا ہے کہ وہ حرم کو وقت کھلا رکھیں اور طواف و نماز پر پابندی عائد نہ کریں۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حرم شریف میں نماز پڑھنے والے کیلئے کوئی وقت مکروہ نہیں۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۴۲۳)

② احادیث میں تطبیق:۔ عصر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں روایات متعارض ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو رکعتیں صرف ایک بار پڑھیں معجم طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور مسند احمد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز صرف ایک بار پڑھی البتہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے **ماكان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يأتينی فی يوم بعد العصر الاصلّٰی ركعتين** نیز مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت میں رکعتین بعد العصر کا ذکر ہے جس میں **ثم اثبتهما (أی داوم عليهما)** کے الفاظ بھی موجود ہیں اس سے مداومت معلوم ہوتی ہے اس کے علاوہ مسلم ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت بھی موجود ہے **عن عائشة قالت ماترك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ركعتين بعدالعصر عندی قط**، اس سے بھی مداومت معلوم ہوتی ہے اس تعارض کو رفع کرنے کیلئے کسی نے مستقلاً توجہ نہیں دی البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے مجموعہ روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مداومت کی روایات زیادہ صحیح ہیں مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثِ باب کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے لیکن دوسرے محدثین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت جریر بن عبدالحمید عن عطاء بن السائب کے طریق سے مروی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جریر بن عبدالحمید نے جس زمانہ میں عطاء بن السائب سے روایات لی ہیں اس زمانہ میں وہ مختلط ہو گئے تھے اس لئے یہ روایت ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح کا مقابلہ نہیں کر سکتی، رہی معجم طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سو اس میں ایک راوی قمّات ہے جسے کذاب کیا جاتا ہے اس لئے وہ حدیث بھی معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی البتہ مسند احمد کی روایت جس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عدم

0313 6357913 maktabaqariyamultan@gmail.com

مداومت کا بیان ہے وہ اسناد کے اعتراض سے خالی ہے اس لئے اسے ضعیف کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا البتہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس کا تعارض باقی رہتا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رفع کرنے کیلئے المثبت مقدم علی النافی کے قاعدہ کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نفی ان کے علم کے مطابق ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثبات انکے علم کے مطابق ہے۔

مگر اس پر مسلم شریف میں موجود حضرت کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اشکال ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف راہنمائی کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر کے بعد کی سنتیں رہ گئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عصر کے بعد ادا کیا تھا پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوافل پر مداومت بھی فرمائی جس کا علم صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہوا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نہ ہوا مگر یہ نوافل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہیں امت کے لئے جائز نہیں ہیں۔ (تفصیل درس ترمذی ج ا ص ۴۲۵)

③ سعید بن جبیر کے حالات:۔ سعید بن جبیر الاسدی الکوفی یہ تابعین کے اعلام میں سے ہیں اور تیسرے طبقہ کے ثقہ رواۃ میں سے ہیں اور انہوں نے حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن زبیر اور انس رضی اللہ عنہم سے روایات لی ہیں اور ان سے بہت لوگوں نے روایات لی ہیں اور ان کو حجاج بن یوسف نے شعبان ۹۵ھ میں شہید کیا تھا اور ان کی عمر ۴۹ برس ہوئی۔ (تقریب التہذیب)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل.....عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم : اَغْلِقُوا الْبَابَ وَاَوْکِؤُا السِّقَاءَ وَاَکْفِؤُا الْاِنَاءَ وَاَطْفِؤُا الْمِصْبَاحَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَفْتَحُ غَلَقًا وَلَایُحِلُّ وِکَاءً وَلَایَکْشِفُ آنِیَةً فَاِنَّ الْفُوَیْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَی النَّاسِ بَیْتَهُمْ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ یَقْرِنَ بَیْنَ التَّمْرَتَیْنِ حَتّٰی یَسْتَأْذِنَ صَاحِبَهٗ۔

ترجم الحدیثین وشکلهما۔ اختلف العلماء فی قران التمرتین فی ان هذا النهی علی التحریم او علی الکراهة والأدب؟اکتب هذه المسئلة بالتفصیل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث پر اعراب ③ قران التمرین کی نہی کی وضاحت۔

جواب..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دروازوں کو بند کردو اور پانی کے مشکیزوں کے منہ کو گرہ لگادو اور برتنوں کو اوندھا کردو یا برتنوں کو ڈھانپ دو اور چراغ کو بجھادو اس لئے کہ شیطان کسی بھی بند چیز کو نہیں کھول سکتا اور نہ کسی گرہ کو کھول سکتا ہے اور نہ کسی برتن کو کھول سکتا ہے پس بے شک چھوٹا شرارتی لوگوں پر اُنکا گھر بھڑکا دیتا ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو اور تین تین کھجوریں ملا کر کھانے سے منع فرمایا۔ مگر جب اپنے ساتھیوں سے اجازت طلب کرلے یعنی اجازت کے بعد اس طرح کھانا جائز ہے۔

② احادیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

③ قران التمرین کی نہی کی وضاحت:۔ حدیث میں مذکورہ نہی کراہت کیلئے ہے، تحریم کیلئے نہیں ہے اور پھر اس میں کچھ تفصیل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کھجور کھانے کی تین صورتیں ہیں۔ ① کھجوریں کسی شخص کی ذاتی ہیں اور وہ خود کھا رہا ہے۔

② میزبان نے کچھ کھجوریں پیش کیں اور چند مہمان ملکر کھا رہے ہیں۔

③ چند دوستوں نے ملکر مشترک طور پر پیسے ملا کر کھجوریں خریدی ہیں اور وہ سب ملکر کھا رہے ہیں۔

پہلی دونوں صورتوں میں دو دو اور تین تین کھجوریں کھانا جائز ہے کیونکہ پہلی صورت میں اس کی اپنی کھجوریں ہیں اور دوسری صورت میں میزبان نے پیٹ بھر کر کھانے کی اجازت دی ہے مگر یہ فعل مروت اور آداب کے خلاف ہے اور اس میں حرص نظر آتی ہے اس وجہ سے حتی الامکان گریز ہی کیا جائے۔

تیسری صورت میں دو دو اور تین تین کھجوریں ملا کر کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں دوسرے احباب واصحاب کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

یہ حکم صرف کھجور کا نہیں ہے بلکہ ہر کھانے والی چیز کا ہے خواہ وہ چیز عددی ہو یا وزنی ہو، بہر صورت یہی حکم ہے۔

الشق الثانی.....**عن جابر أن رسول اللہ ﷺ قرن الحج والعمرة فطاف لهما طوافًا واحدًا۔**

عرف القارن والمتمتع والمفرد ۔ اذکر اختلاف العلماء فی هذه المسألة هل القارن یطوف طوافًا واحدًا وسعیًا واحدًا أم یطوف طوافین ویسعی سعیین ۔ اذکر أدلة الفریقین۔ (ص ۱۸۸۔ج ۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) قارن، متمتع ومفرد کی تعریف (۲) قارن کے ایک یا دو طواف وسعی میں اختلاف (۳) فریقین کے دلائل۔

جواب..... ① قارن، متمتع ومفرد کی تعریف:۔ قارن اس شخص کو کہا جاتا ہے جو آفاقی ہو (حرم سے باہر ہو) عمرے کے کسی رکن کے وجود سے پہلے عمرے اور حج کا احرام اکٹھے باندھے اور متمتع اسکو کہا جاتا ہے جو آفاقی ہو اور پہلے عمرے کا احرام باندھے اور عمرے کے افعال یعنی طواف، سعی وغیرہ کرے پھر حج کے مہینوں میں حج کا احرام باندھے اور اسی سال حج کرے اور مفرد اس کو کہا جاتا ہے جو صرف حج کا احرام باندھے۔ (حاشیہ درسِ ترمذی ج ۳ ص ۶۳)

② قارن کے ایک یا دو طواف وسعی میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے ہاں قارن پر دو طواف اور دو سعی فرض ہیں ایک عمرہ کیلئے اور ایک حج کیلئے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم امام شعبی، ابن شبرمہ اور ابنِ ابی لیلی رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے تابعین کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں صرف ایک طواف اور ایک سعی فرض ہے انکے ہاں افعال عمرہ افعال حج میں داخل ہیں اور حنفیہ تداخل کے قائل نہیں ہیں۔

③ فریقین کے دلائل:۔ حنفیہ کے دلائل: ①**قوله تعالٰی فمن تمتع بالعمرة الی الحج** (بقرہ)، حافظ ابن حجر شافعی، ابن عبدالبر مالکی، ابن القیم حنبلی، ابن الہمام حنفی رحمہم اللہ جیسے محققین کے ہاں یہ آیت تمتع اصطلاحی اور قران دونوں کو شامل ہے اسکا متبادر مفہوم یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے افعال الگ الگ ہیں پھر ان کا اتصال ہوتا ہے تمتع میں بالاتفاق تداخل نہیں ہے تو قران میں بھی تداخل نہ ہونا چاہیے ② حضرت صبی بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حج قران کیا پس دو طواف کئے اور دو سعی کیں ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کی رہنمائی کی (مسند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) ③ ابراہیم بن محمد بن حنفیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کے ساتھ طواف کیا اور اس نے حج اور عمرے کو جمع کیا اور اس نے دو طواف کئے اور دو سعی کیں اور اس نے مجھے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا (سنن کبری للنسائی) ④ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب تو مہل بالحج والعمرۃ ہو جائے تو دو طواف کر اور صفاء ومروہ کی دو سعی کر (کتاب الآثار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) ⑤ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو طواف کئے اور دو سعی کیں (دار قطنی) ⑥ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی دو طواف اور دو سعی کی حدیث مروی ہے۔ (دار قطنی) ⑦ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے قارن کے بارے میں فرمایا کہ دو طواف کرے اور دو سعی کرے۔ (ابن ابی شیبہ)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ① متعدد احادیث مرفوعہ میں قارن کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کا ذکر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحیحین وترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نسائی وترمذی میں۔ صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں **واما الذین جمعوا بین الحج والعمرة طافوا طوافًا واحدًا** ۔ ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے داخل کیا عمرہ کو حج میں قیامت کے دن تک۔ (ترمذی)

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب اور اس مضمون کی دیگر تمام احادیث مؤول ہیں اور ان کا ظاہری مفہوم کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ نے ایک طواف نہیں کیا بلکہ تین طواف کئے۔ اب آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ طوافِ واحد سے مراد طوافِ زیارت ہے جس میں طوافِ عمرہ کا تداخل ہو گیا ہے اور حنفیہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث میں طوافِ واحد سے مراد طوافِ عمرہ ہے جس میں طوافِ قدوم کا تداخل

ہوگیا ہے۔حنفیہ کی توجیہ اس لئے راجح ہے کہ اس سے روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

حدیث باب میں ایک توجیہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمائی ہے وہ یہ کہ یہاں طواف سے مراد تحلل ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا طواف آپ ﷺ نے ایک ہی کیا جو تحلّل کا سبب بنا ہو اور وہ طوافِ زیارت تھا کیونکہ طوافِ عمرہ کے بعد آپ ﷺ قارن ہونے کی وجہ سے حلال نہیں ہوئے۔ **کما یدل علیه سیاق بعض روایات عائشة وابن عمر رضی اللّٰه عنهما۔**

نیز وہ روایات جن میں ایک طواف اور ایک سعی کا ذکر ہے ان کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ تعارض کے وقت مثبتِ زیادت کو ترجیح ہوتی ہے۔(تفصیل درس ترمذی ج۳ص۲۲۱،المسائل والدلائل ص۴۹۵)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل.....**عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: ان کان رسول اللّٰه ﷺ لیخالطنا حتی یقول لأخ لی صغیر: یا أبا عمیر! ما فعل النغیر؟۔ عن عائشة قالت استأذن رجل علی رسولِ اللّٰهِ ﷺ وانا عِنده فقال بِئس ابن العشِیرة او اخو العشِیرةِ ثم اذِن له فالان له القول فلما خرج قلت له یا رسول اللّٰهِ قلتَ لهٗ ما قلتَ ثم اَلَنْتَ له القولَ فقال یا عائِشة اِن مِن شرِّ الناسِ من ترکه الناس او ودعه الناس اِتقاء فحشِهٖ۔**

ترجم الحدیثین الی الأردیة ۔ اشرح المزاح مع الحکم فی الشریعة الاسلامیة ۔ اکتب اسمرجل مبهم فی حدیث عائشة ۔ کیف اغتاب رسول اللّٰه ﷺ الرجل بقوله "بئس ابن العشیرة" مع انّ الغیبة محرّمة علی لسانه ۔اذکر الموضع التی تباح فیها الغیبة۔(ابواب البرّ و الصلة۔ باب ماجاء فی المزاح و المداراة)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① احادیث کا ترجمہ ② مزاح کی تشریح وحکم ③ رجلِ مبہم کا نام ④ فرمانِ رسول ﷺ کے غیبت ہونے کی وضاحت ⑤ غیبت جائز ہونے کے مواقع۔

جواب.....① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ہمارے گھر والوں کے ساتھ اختلاط ومیل جول تھا،حتی کہ آپ ﷺ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے کہ اے ابوعمیر!تمہاری چھوٹی چڑیا یا بلبل کا کیا ہوا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، میں آپ ﷺ کے پاس تھی،آپ ﷺ نے فرمایا قبیلہ کا یہ بیٹا یا فرمایا قبیلہ کا یہ بھائی کیا ہی برا ہے، پھر اسے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ گفتگو کی۔جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلے تو آپ نے اسے برا کہا اور پھر اس سے نرمی سے بات کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ!بدترین شخص وہ ہے کہ اس کی فحش گوئی وبدکلامی کی وجہ سے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہو۔

② مزاح کی تشریح وحکم:۔ شریعتِ اسلامیہ میں ہنسی ومزاح کی حدود متعین ہیں اگر ان حدود میں رہتے ہوئے مزاح کیا جائے تو جائز ہے،وگرنہ نہیں:① کسی کی عزتِ نفس پر چوٹ نہ پڑتی ہو۔② کسی کا وقار مجروح نہ ہوتا ہو۔③ کسی کو جانی،مالی یا نفسیاتی نقصان درپیش نہ ہوتا ہو۔④ جھوٹ وغلط بیانی نہ ہو۔⑤ غیر سنجیدہ گفتگو نہ ہو۔⑥ حد سے زیادہ نہ ہو۔⑦ مقصد صرف لوگوں کو ہنسانا یا خوش کرنا ہو۔

③ رجلِ مبہم کا نام:۔ اکثر حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد عینیہ بن محصن فزاری ہے اس کو احمق مطاع کہا جاتا تھا اور یہ اپنے قبیلہ کا سردار تھا جبکہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد مخرمہ بن نوفل ہے۔

④ فرمانِ رسول ﷺ کے غیبت ہونے کی وضاحت:۔ اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آنے والے شخص کے عیب کو بیان کیا جو کہ غیبت ہونے کی وجہ سے حرام ہے تو آپ ﷺ نے اسکا ارتکاب کیسے فرمایا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ یہ غیبت ہے مگر یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں پر غیبت کرنا جائز ہے اور وہ مقام یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تاکہ لوگ حسنِ ظن میں اس سے ڈسے نہ جائیں کہ یہ شخص تو آپ ﷺ کے پاس آتا جاتا ہے اس لئے یہ صحیح آدمی ہوگا تو آپ ﷺ نے متنبہ کردیا تاکہ لوگ اس کے شر اور ضرر سے بچ سکیں۔

0313 6217913 maktabazakariyamultan@gmail.com

⑤ غیبت جائز ہونے کے مواقع:۔ ① مظلوم سلطان وحاکم کے سامنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے تو یہ غیبت ہے کہ ظالم کی برائیاں اور زیادتیاں بیان ہورہی ہیں لیکن یہ ظلم سے نجات پانے کیلئے جائز ہے۔ ② نہی منکر اور برائیوں کی اصلاح کے لئے ذکر کرنا اور یہ اس شخص یا ادارے سے کہنا جائز ہے جو قوت اقدام رکھتا ہو۔ ③ استفتاء مسئلہ معلوم کرنے کیلئے کسی کی غلطی بیان کرنا کیونکہ اگر مفتی کے سامنے بات واضح نہ کریگا تو فتویٰ کیسے دیا جائیگا۔ ④ لوگوں کو کسی شریر وفسادی کی شرارتوں کی خبر دینا تاکہ لوگ سنبھل جائیں اور اس کے شر وفساد سے بچ سکیں۔ ⑤ مشورے کے وقت کسی ایک کی رائے میں نقص کے پہلو کو واضح کرنا تاکہ صحیح فیصلہ کی راہ ہموار ہوسکے۔ ⑥ مشتری کو بائع ومبیعہ کا عیب بتانا تاکہ وہ دھوکے سے بچ سکے اور عبد سارق، زانی، شارب خمر کی اطلاع دینا۔ ⑦ ایسے عالم برحق کو کسی مبتدع اور فاسق کی خبر دینا جو اس کے پاس آمد ورفت رکھتا ہو اور استفادہ کرتا ہو تاکہ یہ بھی بدعات وخرافات میں ملوث نہ ہوجائے۔ ⑧ راویوں، گواہوں، مصنفوں کے متعلق جرح کرنا تاکہ غلط فیصلہ اور ان کے تقریری وتحریری شرور سے بچ سکیں۔ ⑨ **مجاهر ومعلن** (ایسا آدمی جو کھلے عام فسق وفجور کا مرتکب ہو) کا ایسے آدمی سے ذکر کرنا جس کے بس میں اس کی درستگی ہو۔ ⑩ ایسے الفاظ جن میں عیب کا معنی ہو لیکن متعارف ہوگئے ہوں کہ اب عیب کا معنی معروف نہ ہو بلکہ بطور علامت استعمال ہوتے ہوں مثلاً **اعمش ازرق اعمی قصیر**۔

الشق الثانی.....**عن أبی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: الظهر يركب اذاكان مرهونًا ولبن الدر يشرب اذاكان مرهونا، وعلى الذى يركب ويشرب نفقته**۔(ص۲۳۷۔ج۱۔قدیمی) **ترجم الحديث. هل يجوز للمرتهن الانتفاع بالرهن؟ انكر أقوال العلماء وأدلتهم. ماهوالجواب عن هذا الحديث عند من لايقول به؟**

جواب..... ① حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گروی رکھے جانے والے جانور کو سواری کیلئے استعمال کرنا یا اس کا دودھ استعمال کرنا جائز ہے لیکن سوار ہونے اور دودھ استعمال کرنے والے پر اس کا نفقہ وغیرہ بھی واجب ہے۔

② مرتہن کیلئے رہن سے نفع حاصل کرنے کا حکم:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں مرتہن کیلئے رہن سے انتفاع ناجائز ہے مرہون کے منافع راہن کیلئے ہیں اور اس کا خرچہ بھی راہن کے ذمہ ہے امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں مرتہن کیلئے رہن سے نفع حاصل کرنا جائز ہے وہ مرہون پر خرچہ بھی کرے اور منتفع بھی ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب ہے گو یہ مجمل ہے کہ **وعلى الذى يركب و يشرب نفقته** کا مصداق راہن ہے یا مرتہن مگر دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ اس کا مصداق مرتہن ہے اور وہ روایت یہ ہے **عن الشعبى عن ابى هريرة ذكر ان النبى ﷺ قال اذا كانت مرهونة فعلى المرتهن علفها و لبن الدرّ يشرب وعلى الذى يشرب نفقتها ويركب**۔ (طحاوی)

جمہور کی دلیل: ① **عن ابى هريرة مرفوعًا يغلق الرهن من صاحبه الذى رهنه له غنمه وعليه غرمه** (دارقطنی)

② حرمتِ ربوا کے دلائل مثلاً **كل قرض جرّ نفعافهو ربوا** کی بناء پر مرتہن کیلئے انتفاع منع ہے کیونکہ یہ ربوا میں داخل ہے۔

③ منقول حدیث کا جواب:۔ ① امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حرمتِ ربوا سے قبل پر محمول ہے اور منسوخ ہے۔ ② یہ دودھ پینا اور سواری کرنا نفقہ وخرچہ کے مقابل ہوگا لہٰذا مرتہن جتنا خرچہ کرے اتنی سواری کرلے یا اتنا ہی دودھ پی لے گویا یہ اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ مقدارِ نفقہ کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حدیث میں انتفاع کو نفقہ کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ (المسائل والدلائل ۵۴۹، تقریر ترمذی ۱:۱۷۴)

(**نوٹ**: مذکورہ اختلاف اس صورت میں ہے جب راہن نے اجازت نہ دی ہو۔ اگر راہن نے اجازت دی ہو تو بالاتفاق مرتہن مرہونہ چیز سے نفع حاصل کرسکتا ہے۔ (انعام الباری ۷:۲۳۰))

﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذى﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....**باب ماجاء فى القنوت فى صلاة الفجر. عن البراء بن عازبؓ ان النبى ﷺ كان يقنت**

03135357913, maktabazakariyaqurban@gmail.com

فی صلاۃ الصبح والمغرب۔ ان القنوت فی الصلاۃعلی أصناف ثلاثۃ: قنوت فی الوتروقنوت فی صلاۃ الفجردائماوقنوت فی النوازل احیاناءانکراختلاف العلماء بجمیع تفاصیلہ فی ذالك وأدلتھم۔

جواب ..... قنوت کی اقسام ثلاثہ کی مکمل تفصیل مع الدلائل:۔ قنوت کی تین قسمیں ہیں:قنوت فی الوتر،قنوت فی صلوٰۃِ الفجر،قنوتِ نازلہ۔

قنوت فی الوتر: اسکے متعلق تین مسائل ہیں:① حنفیہ کے نزدیک قنوتِ وتر پورا سال مشروع ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک صرف رمضان میں واجب ہے۔شوافع اور حنابلہ کے نزدیک صرف رمضان کے نصفِ اخیر میں مشروع ہے باقی دنوں میں نہیں۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو باب ماجاء فی القنوت فی الوتر میں تعلیقاً مذکور ہے انہ کان لایقنت الا فی النصف الاٰخر من رمضان ۔حنفیہ کی دلیل حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے علّمنی رسول اللہ ﷺ کلمات اقولھنّ فی الو تر الخ،اس میں رمضان اورغیرِ رمضان کی کوئی تخصیص نہیں۔نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پورا سال قنوتِ وتر ثابت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ وہ اُن کا اپنا اجتہاد ہوسکتا ہے نیز ممکن ہے کہ وہاں قنوت سے مراد قیام طویل ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان کے نصفِ اخیر میں جس قدر طویل قیام فرماتے تھے عام دنوں میں اتنا طویل قیام نہ فرماتے تھے۔

② حنفیہ کے نزدیک قنوتِ وتر رکوع سے پہلے مشروع ہے،امام مالکؒ،سفیان ثوری،عبداللہ ابن مبارک اور امام اسحاقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔شوافع وحنابلہ قنوت کو رکوع کے بعد مسنون مانتے ہیں جبکہ ایک قول کے مطابق امام احمدؒ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد تخییر کے قائل ہیں۔ان کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے انہ کان لا یقنت الا فی النصف الاٰخر من رمضان وکان یقنت بعد الرکوع۔ حنفیہ کا استدلال ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع ۔نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علقمہ سے مروی ہے ان ابن مسعود واصحاب النبی ﷺ کانوایقنتون فی الوتر قبل الرکوع ،پس معلوم ہوا کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں مرفوع حدیث بھی ہے اور تعاملِ صحابہ بھی ہے۔جبکہ مخالفین کے پاس صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے اُس کا بھی یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ اُن کا اپنا اجتہاد ہے جس کا منشاء یہ ہوسکتا ہے انہوں نے آپ ﷺ کو قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد پڑھتے دیکھا ہوگا اور اِسی پر قنوتِ وتر کو قیاس کرلیا اور قنوتِ نازلہ میں ہم بھی رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کے قائل ہیں۔

③ قنوتِ وتر کی دعا شوافع کے نزدیک اللھم اھدنی فیمن ھدیت الخ ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک اللھم انا نستعینك الخ ہے۔حنفیہ نے اس دعا کو اس لئے ترجیح دی کہ یہ اشبہ بالقراٰن ہے بلکہ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ الخلع والحفد کے نام سے قرآن کریم کی دو مستقل سورتیں تھیں جن کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔

یہ اختلاف افضلیت میں ہے ورنہ فریقین کے نزدیک دونوں دعائیں جائز ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک قنوت میں کوئی دعا مخصوص نہیں بلکہ جو دعا بھی چاہے وہ پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ کلام الناس کی حد تک نہ پہنچے۔(درس ترمذی ۲:۲۳۵)

0313 6257913, maktabazakariyaqutan@gmail.com

قنوت فی صلوٰۃ الفجر: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں رکوعِ ثانی کے بعد پورا سال قنوت مشروع ہے، پھر امام مالکؒ کے نزدیک یہ فقط مستحب ہے جبکہ امام شافعیؒ اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں۔

حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک عام حالات میں قنوتِ فجر مسنون نہیں البتہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت یا مصیبت نازل ہوگئی ہو یا دشمن حملہ آور ہو تو فجر کی نماز میں رکوع کے بعد آفات ودشمن کے خلاف مدد ونصرت کیلئے قنوت پڑھنا مسنون ہے جسے قنوتِ نازلہ کہا جاتا ہے۔

شوافع ومالکیہ کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان یقنت فی صلوۃ الصبح والمغرب ۔نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے مازال رسول اللہ ﷺ یقنت فی الفجر حتیٰ فارق الدنیا۔نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال کان النبی ﷺ اذا رفع رأسہ من الرکوع من صلوٰۃ الصبح فی الرکعۃ الثانیۃ رفع یدیہ فیدعو بھٰذا الدعا اللھم اھدنی فیمن ھدیت الخ۔

حنفیہ وحنابلہ کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **لم یقنت النبی ﷺ الا شھرًا لم یقنت قبله ولا بعده** ۔ نیز اسکی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے **انما قنت رسول الله ﷺ فی صلوٰة شھرًا یدعو علی رعل و ذکوان**۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ان النبی ﷺ کان لا یقنت الّا اذا دعٰی لقوم او دعٰی علی قوم**۔

شوافع و مالکیہ کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ وہ قنوتِ نازلہ پر محمول ہیں اور لفظِ **کان** استمرارِ دوامی پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ علامہ نوویؒ نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ الغرض شوافع کے دلائل یا تو سندًا صحیح نہیں ہیں یا وہ قنوتِ نازلہ پر محمول ہیں یا ان میں قنوت سے مراد دعائے قنوت پڑھنا نہیں بلکہ طولِ قیام مراد ہے۔

قنوتِ نازلہ: ہمارے نزدیک قنوتِ نازلہ صرف فجر کی نماز میں مسنون ہے جبکہ شوافع کے نزدیک پانچوں نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔ شوافع کا استدلال حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے **ان النبی ﷺ کان یقنت فی صلوٰة الصبح والمغرب**، اسی طرح دیگر روایات میں بقیہ نمازوں کا بھی ذکر ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اکثر روایات صلوٰۃ الفجر میں قنوتِ نازلہ پڑھنے سے متعلق ہیں۔ لہٰذا سنیت انہی سے ثابت ہوگی البتہ شوافع وغیرہ کی روایات سے صرف جواز ثابت ہوسکتا ہے اور اس کے ہم بھی منکر نہیں ہیں۔ (درسِ ترمذی ۲:۱۶۶)

الشق الثانی.....**عن أم قیس بنت محصن قالت: دخلت بابن لی علی النبی ﷺ لم یأکل الطعام، فبال علیه، فدعا بماء، فرشه علیه**۔ (ص۲۱۔ج۱۔قدیمی)

اذکرحکم بول الغلام والجاریة هل یغسل أم یرش أم بینهما فرق؟اذکرأدلة الفقهاء علی ذلك۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ دو امر ہیں (۱) بولِ غلام اور بولِ جاریہ کے غسل میں فرق (۲) ائمہ کے دلائل۔

جواب ..... ① و ② بولِ غلام اور بولِ جاریہ کے غسل میں فرق مع الدلائل:۔ بولِ غلام و بولِ جاریہ سے طہارت کی کیا صورت ہے؟ امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، امام زہری اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ بول غلام سے طہارت صرف چھینٹا مارنے سے حاصل ہوجاتی ہے اور بول جاریہ سے اہتمام کے ساتھ دھونا واجب ہے یہی لوگ کتاب کے اندر **فذھب قوم** کے مصداق ہیں۔

امام مالک و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا قول غیر مشہور اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں میں چھینٹا مارنا کافی ہے۔ اس مذہب کو سابقہ مذہب کے ساتھ لاحق کرکے فریق اوّل قرار دیا جائے گا تاکہ آئندہ بحث کرنے میں آسانی ہو۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، حسن بن حی اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں سے طہارت کیلئے غسل واجب ہے یہی لوگ کتاب کے اندر **خالفهم فی ذلك آخرون** کے مصداق ہیں اب ہم ان کو فریق ثانی قرار دیں گے۔

فریقِ اوّل کی دلیل: شروع باب کی وہ حدیث شریف ہے جس کے اندر بولِ غلام کے لئے نضح کا لفظ اور بول جاریہ کے لئے غسل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ بول غلام میں حضور ﷺ نے چھینٹا مارنے کا حکم فرمایا ہے اور بولِ جاریہ میں غسل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ صاحبِ کتاب نے اس حدیث کو باب کے شروع میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔

فریق ثانی کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ نضح کا معنی یہاں پر چھینٹے مارنا نہیں ہے بلکہ الصب یعنی پانی بہانا ہے۔

فریق ثانی یعنی جو حضرات بولِ غلام اور جاریہ دونوں سے طہارت کے لئے وجوبِ غسل کے قائل ہیں ان کی پہلی دلیل اجلہ تابعین حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو پیشاب ایک لائن کے ساتھ گرتا ہے اسکے اوپر سے اسی طرح پانی گزارنے سے پاک ہوجاتا ہے اور جو پیشاب وسیع اور کئی لائنوں سے گرتا ہے، پیشاب چاہے کسی کا بھی ہو، اسکے اوپر پانی بھی اسی طرح گرانا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر پیشاب ناپاک ہے چاہے غلام کا ہو یا جاریہ کا۔ لیکن ان دونوں کی طہارت میں مخرج کے تنگ ہونے اور وسیع ہونے کے اعتبار سے کچھ فرق کیا ہے نیز حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا

03136357913 mubabazakariyamultan@gmail.com

فتویٰ یہ ہے کہ بول جاریہ کو اہتمام کے ساتھ دھویا جائے اور بول غلام کو جہاں لگا ہے وہ تلاش کر کے دھویا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بول جاریہ اور بول غلام دونوں ناپاک ہیں اور دونوں سے پاکی حاصل کرنے سے غسل لازم ہے۔(ایضاح الطحاوی ۱:۲۶۵)

سوال: جب غلام اور جاریہ کے درمیان کوئی فرق نہیں تو انکے بول کی تطہیر کے حکم میں کیوں فرق کیا گیا ہے؟

جواب: بولِ جاریہ بولِ غلام کی بنسبت غلیظ اور بد بودار ہوتا ہے اسی وجہ سے انکے درمیان فرق کیا گیا ہے۔(درسِ ترمذی ص ۲۸۶)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....**باب مایقول عندافتتاح الصلوة:حدثنامحمدبن موسٰی نا جعفربن سلیمان عن علي بن علی الرفاعی عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری قال : کان رسول اللّٰہ اذا قام الی الصلوة باللیل کبّر ثم یقول:سبحانك اللھم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولااٰلہ غیرك ثم یقول : اللّٰہ اکبر کبیرا ثم یقول:اعوذباللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزہ ونفخہ ونفثہ۔**

ترجم الحدیث الشریف جمیلة.اذکرما تکلم فی اسنادحدیث ابی سعیدؓ۔ اکتب تفصیل مذاهب الأئمة الاربعة فی ذکر افتتاح الصلاةورجّح مذهب أبی حنیفة من حیث الروایة فی دعاء الافتتاح۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں۔(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیثِ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے متعلق کلام (۳) افتتاحِ صلوٰۃ کے ذکر میں اختلاف وترجیح۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر ثناء پڑھتے پھر کہتے (ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے، بے حد سننے والا خوب جاننے والا ہے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے اس کے چوکوں سے اور اس کے پھونکنے سے اور اس کے دَم کرنے سے)۔

② حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کے متعلق کلام:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی سند میں کلام کیا گیا ہے، یحییٰ بن سعید قطان علی بن علی رفاعی میں کلام کیا کرتے تھے اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

③ افتتاحِ صلوٰۃ کے ذکر میں اختلاف وترجیح:۔ امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر اور سورۃ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے بلکہ تکبیر کے بعد نماز کی ابتداء سورت فاتحہ سے ہوتی ہے، اُن کا استدلال ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے **کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان یفتتحون القراءة بالحمد للّٰہ رب العالمین۔**

جمہور کے نزدیک تکبیر اور فاتحہ کے درمیان ذکر مسنون ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ کی مستدل حدیث میں افتتاح سے مراد افتتاحِ قراءتِ جہریہ ہے لہٰذا قراءتِ سرّیہ اس کے منافی نہیں۔

پھر جمہور کا اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر اور فاتحہ کے درمیان کون سا ذکر افضل ہے، شوافع کے نزدیک توجیہ (**انی وجهت وجهی للذی فطرالسموات والارض الخ**) پڑھنا افضل ہے اور حنفیہ کے نزدیک ثناء (**سبحانك اللھم الخ**) افضل ہے۔

حنفیہ کی دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **قال کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰة قال سبحانك اللھم الخ** ۔ نیز حنفیہ نے سورت طور کی آیت **وسبح بحمد ربك حین تقوم الخ** سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اپنے مسلک پر قرآن کریم میں سورہ انعام کی اس آیت سے استیناس کیا ہے جس میں **ھٰذا اکبر** کے فوراً بعد **انی وجهت وجهی للذی فطرت السموات والارض** کے الفاظ مذکور ہیں۔(درس ترمذی)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ دعائے توجیہ والی حدیث کے بعد امام مسلمؒ نے صراحت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو تہجد میں پڑھتے تھے، ہمارے ہندوستانی نسخوں میں اگرچہ یہ عبارت نہیں ہے مگر حافظؒ کے پاس مسلم شریف کا جو نسخہ تھا اس میں یہ عبارت موجود تھی اور **اللھم باعد** درحقیقت دعا ہے اور دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اُس سے پہلے اللہ کی تعریف کی جائے پس

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

نماز کی ابتداء اس کیلئے مناسب موقع نہیں ہے۔ نیز وہ طویل دعا ہے جو تخفیفِ قرأت کے منافی ہے اس لئے احناف اور حنابلہ نے فرائض میں ثناء کو ترجیح دی ہے۔ (تحفۃ الالمعی ص ۵۷۶ ج ۱)

الشق الثانی.....**عن ناجية الخزاعي صاحب بدن رسول الله ﷺ قال: قلت يارسول الله، كيف أصنع بما عطب من البدن، قال: انحرها، ثم اغمس نعلها في دمها، ثم خل بين الناس وبينها فيأكلوها۔**

اذكر أقوال العلماء فيما عطب من البدن فنحرها۔ اذكر أدلتهم على ذلك۔ جاء في هذه الرواية "ثم خل بين الناس وبينها فيأكلوها" و في رواية أخرى: "لاتطعمهاأنت ولا أحد من أهل رفقتك" فكيف التوفيق بينهما؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) **ماعطب من البدن** میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) احادیث سے رفعِ تعارض۔ (ص ۱۸۱۔ ج ۱۔ قدیمی)

جواب..... ① **ماعطب من البدن** میں اختلاف:۔ اگر ہدی ہلاک ہونے لگے تو اگر وہ نفلی ہدی ہو تو پھر اس کو ذبح کرے اور اس کے نعل کو اس کے خون کے ساتھ رنگین کرے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ ہدی ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس کیلئے بھی کھانا جائز نہیں اور اغنیاء کو کھلانا بھی جائز نہیں ہاں فقراء کو کھلا سکتا ہے جب ہدی وجوب کے لئے ہو تو خود بھی کھا سکتا ہے اور اغنیاء اور فقراء کو بھی کھلا سکتا ہے لیکن اس کی جگہ دوسری ہدی ذبح کرے۔ حنفیہ، امام احمد اور مالکیہ رحمہم اللہ میں سے ابن القاسم کا یہی مسلک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ حنفیہ کے برعکس کہتے ہیں یعنی جب ہدی نفلی ہو تو اس میں تصرف کرنا جائز ہے جیسے بھی چاہے اور اس کے لئے کھانا بھی جائز ہے اور اغنیاء وغیرہ کو کھلانا بھی جائز ہے اور جب وہ ہدی نذر کی ہو تو اس کی ملکیت اس سے زائل ہوگئی ہے اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے لہٰذا اس کیلئے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ صرف فقراء میں ہی اس کو صرف کرے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ نفلی جانور خریدنے سے متعین ہو جاتا ہے لہٰذا اس کو قربت میں ہی خرچ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقراء کو کھلایا جائے اور اغنیاء کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ بخلاف واجب جانور وہدی کے کہ وہ خریدنے سے متعین نہیں ہوتی اس کی جگہ دوسرا جانور بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔ باقی حدیث باب مطلق ہے یہ نفل اور وجوب پر دلالت نہیں کرتی فریقین میں سے کسی ایک کیلئے اس میں کوئی حجت صریحہ نہیں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ ہدی وجوب کیلئے تھی اسلئے غنی وفقراء سب کیلئے اسکا کھانا درست تھا۔

③ احادیث سے رفعِ تعارض:۔ سوال میں موجود دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض اس طرح رفع ہوگا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو جو یہ حکم دیا کہ نہ وہ کھائے اور نہ اپنے رفقاء میں سے کسی کو کھلائے یہ آئندہ کیلئے ذرائع کو بند کرنے کے لئے تھا کہ کہیں لوگ اسے کھانے کی طمع میں اندیشۂ ہلاکت سے پہلے ہی ذبح نہ کردیں۔ (درسِ ترمذی ج ۳ ص ۱۷۸)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....**عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: مثل الذي يعطي العطية ثم يرجع فيها كالكلب أكل حتى اذا شبع قاء ثم عاد فرجع في قيئه۔** (ص ۳۴۔ ج ۲۔ قدیمی)

اذكر اختلاف العلماء في الرجوع عن الهبة۔ اذكر أدلتهم على ذلك۔ ماهي موانع الرجوع في الهبة عند الحنفية۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) رجوع فی الہبہ میں علماء کا اختلاف (۲) علماء کے دلائل (۳) حنفیہ کے نزدیک موانع رجوع فی الہبہ کی وضاحت۔

جواب..... ① رجوع فی الہبہ میں علماء اختلاف:۔ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور قبضہ بھی دے دے تو وہ چیز واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے اب واہب اس موہوبہ چیز کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ واہب کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں نہ قضاءً اور نہ دیانۃً، ہاں اگر والد نے اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو وہ اس سے رجوع کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام اسحاق، امام نخعی اور امام ثوری رحمہم اللہ

وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے غیر ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو اس کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے جب تک اس نے موہوب لہ سے کوئی عوض نہ لیا ہو اور اگر ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو اس کے لئے رجوع جائز نہیں ہے عام ازینکہ وہ والد ہو یا غیر ہو۔

② علماء کے دلائل:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال حدیثِ باب سے ہے اور حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم والی مرفوع حدیث سے ہے **لایحل لرجل ان یعطی عطیة أویهب هبة فیرجع فیها الاالوالدفیما یعطی ولده ومثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیه کمثل الکلب یاکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئه ۔**

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الرجل احق بهبة مالم یثب منها ۔** ان کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث سے ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من وهب هبة فهو احق بها مالم یثب منها۔**

حنفیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہبہ میں رجوع کرنا یہ انسانی مروت کے خلاف ہے حرام نہیں اور صاحبِ ہدایہ یہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک رجوع کے جواز سے مراد قضاءً یا باہمی رضامندی سے ہے اور کراہۃ تحریمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول **العائد فی هبة کالعائدفی قیئه** کی وجہ سے ہے۔ (تقریر ترمذی ج ا ص ۲۲۵، تحفۃ الالمعی ج ۴ ص ۲۲۲)

③ حنفیہ کے نزدیک موانع رجوع فی الہبہ کی وضاحت:۔ حنفیہ کے نزدیک چند اشیاء ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز پائی گئی تو پھر بھی ہبہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔ ① زیادتِ متصلہ: یعنی موہوب لہ نے ہبہ میں ایسی زیادتی کردی جو اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتی مثلاً کپڑا تھا، اس نے اس پر کڑھائی کروالی ② موت: یعنی واہب و موہوب لہٗ میں سے کسی ایک کی موت واقع ہوگئی ③ عوض: یعنی موہوب لہ نے ہبہ کے عوض میں کوئی چیز دیدی ④ خروج عن الملک: یعنی وہ چیز موہوب لہ کی ملک سے بھی نکل گئی مثلاً اس نے آگے کسی اور کو ہبہ کردی یا فروخت کردی ⑤ زوجیت: یعنی واہب اور موہوب لہ کی آپس میں شادی ہوگئی تو پھر بھی رجوع جائز نہیں ہے ⑥ قرابت: یعنی واہب اور موہوب لہ میں کوئی اور رشتہ داری وقرابت کا تعلق قائم ہوگیا ⑦ ہلاکت: یعنی وہ موہوبہ چیز ہلاک ہوگئی تو پھر بھی اس میں رجوع جائز نہیں ہے۔

دَمْعٌ خَرَقَةٌ کے سات حروف سے ان کی طرف بالترتیب اشارہ ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۴ ص ۲۲۲)

الشق الثانی.....**عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: ماأسکرکثیره وقلیله حرام. اذکر الأشربة المحرمة ۔ قالوا: ان هذا الحدیث یخالف ماذهب الیه الحنفیة، هل أصابوا فی هذا القول؟ ماهو موقف الحنفیة فی المسألة وماهی أدلة الفریقین ۔** (ص ۸۔ ج ۲۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) اشربۂ محرمۃ کی وضاحت (۲) فریقین کا موقف اور دلائل۔

جواب ..... ① اشربۂ محرمۃ کی وضاحت:۔ ① خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب وہ جوش کھا کر ابلنے لگے گاڑھا ہوجائے اور جھاگ پھینکنے لگے ② طلاء یہ ہے کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور مسکر ہوجائے ③ نقیع تمر پختہ تر کھجور کا کچا رس جو جوش کھا کر گاڑھا اور مسکر ہوجائے ④ نقیع زبیب یہ ہے کہ خشک انگور پانی میں بھگو لیا جائے اور وہ جوش کھا کر گاڑھا ہوجائے ⑤ مذکورہ چار اقسام کے علاوہ اشربہ مسکرۃ مثلاً نبیذ التمر یا نبیذ زبیب جن کو تھوڑا سا پکایا جائے۔

② فریقین کا موقف اور دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ و امام محمد رحمہم اللہ کے ہاں تمام نشہ آور مشروبات خمر یعنی شراب کے حکم میں ہیں انکا قلیل وکثیر مطلقاً حرام ہے ان کے شارب پر حد جاری ہوگی۔ خمر کی طرح ہر مسکر مشروب حرام ونجس ہے اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

شیخین کے نزدیک پہلی قسم حقیقۃ خمر ہے اس کا قلیل وکثیر حرام ہے اور اس کے پینے والے کو حد لگائی جائے گی اگرچہ ایک قطرہ ہی پیئے اور یہ نجس العین ہے اور اس کا بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں ناجائز ہیں اور اس کے بعد والی تین قسمیں وہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح مذہب کے مطابق خمر ہیں اسی وجہ سے وہ حرام اور نجس ہیں اور اس کا پینا تھوڑا ہو یا زیادہ وہ حرام ہے لیکن قسم اوّل کے قطعی

ہونے کی طرح ان کا خمر ہونا قطعی نہیں ہے بلکہ انکے خمر ہونے میں شبہ ہے اس شبہ کی وجہ سے اسکے پینے والے سے حد ساقط ہو جاتی ہے اور حد اس وقت لگائی جاتی ہے جب یہ نشہ لائے اور ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور آخری قسم میں سے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اتنا پینا جائز ہے جو نشہ نہ لائے بشرطیکہ وہ تعیش کیلئے نہ ہو بلکہ تقوّی فی العبادۃ کیلئے ہو اور جتنی مقدار نشہ لائے وہ حرام ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امام صاحب اور جمہور رحمہم اللہ کے درمیان دو چیزوں میں اختلاف ہے، ایک اشربہ ثلاثہ میں کہ ان کے نزدیک یہ خمر تو ہیں لیکن ان کا خمر ہونا ظنی ہے لہٰذا ان کے شارب پر حد جاری نہیں کی جائے گی جبکہ جمہور رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا خمر ہونا ظنی نہیں، لہٰذا شارب پر حد جاری کی جائے گی۔ دوسرا اختلاف اشربہ اربعہ کے علاوہ باقی اشربہ مسکرہ کی غیر نشہ آور قلیل مقدار میں ہے۔ مثلاً نبیذ وغیرہ، امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اسکی قلیل مقدار کا استعمال جائز ہے، جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے دلائل: ① امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال لغت سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہل لغت خمر کا اطلاق انگور کے شیرے پر کرتے ہیں، باقی پھلوں کے شیرے پر خمر کا اطلاق لغت میں نہیں ② عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ایک روایت نقل کی ہے **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الخمر من العنب ،والسکرمن التمر، والمزرمن الذرة، والغبیر من الحنطة، والبتع من العسل، کل مسکر حرام**۔ اس میں تصریح ہے کہ خمر انگور کی ہوتی ہے، یہ روایت اگرچہ حضرت سعید بن المسیب نے مرسلاً نقل کی ہے لیکن ان کی مراسیل بالاجماع مقبول ہیں۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے **اما الخمر فحرام لاسبیل الیھا ، وأما ماسواھا من الأشربة فکل مسکر حرام** اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے **حرمت الخمر لعینھا، والسکر من کل شراب**، اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس نبیذ سے تھوڑا سا چکھا جو نشہ آور تھی اگر قلیل حرام ہوتا تو وہ کبھی نہ چکھتے۔ ④ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما یمن جارہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہاں گندم اور جو کی شراب بنائی جاتی ہے، اسکا کیا حکم ہے؟ فرمایا **اشربا ولاتسکرا**، امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **کان ذلك دلیلا أن حکم المقدار الذی یسکر من ذلك الشراب خلاف حکم مالایسکر منه**، کہ یہ دلیل ہے اس بات پر کہ مسکر وغیر مسکر شراب کا حکم الگ الگ ہے۔ ⑤ عبداللہ بن شخیر کی روایت ہے **نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن أشربة، قال: فقیل له: انه لابدمنھا أو نحو ھذا، قال: فاشربوا مالم یسفه أحلامکم، ولایذھب اموالکم**۔ علامہ ہیثمی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ان روایات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ خمر صرف انگور کی ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ اشربہ اربعہ کے علاوہ باقی مشروبات میں غیر مسکر مقدار کا استعمال جائز ہے۔

جمہور کے دلائل: ① ابوداؤد کی روایت میں ہے **ان من العنب خمرا، وان من التمر خمرا، وان من العسل خمرا، وان من البُر خمرا، وان من الشعیر خمرا** ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ماأسکر کثیرہ فقلیله حرام** ③ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **نھی عن قلیل ماأسکر کثیرہ** ④ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **کل مسکر حرام، وماأسکر منه الفرق فملأ الکف منه حرام** ⑤ اسی طرح روایت ہے **کل مسکر خمر، وکل مسکر حرام**۔

ان احادیث سے جمہور استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ خمر صرف انگور کے شیرے کا نام نہیں، **طلاء، نقیع الزبیب** وغیرہ بھی خمر ہیں۔ اسی طرح انبذہ مسکرہ کا قلیل استعمال بھی ناجائز ہے۔

دلائلِ جمہور کا جواب: امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصیرِ عنب کے علاوہ باقی اشربہ پر خمر کا اطلاق مجازاً ہے۔ لغۃً اور حقیقۃً نہیں کیونکہ لغت میں خمر صرف ماءِ عنب کو کہا جاتا ہے اور **ماأسکر کثیرہ فقلیله حرام** کو خمر پر محمول کیا جاتا ہے کہ خمر کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تاویل پر دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ ''ما'' عام ہے جو خمر اور غیر خمر دونوں کو شامل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے جو آثار ہیں وہ موقوف ہیں اور **ماأسکر کثیرہ فقلیله حرام** حدیث مرفوع ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **ومرادالحدیث أن کل شراب من شانه السکر فھو حرام..... وقد تبین لی بعد**

0313 6357913 maktabazakariyamumbai@gmail.com

مرور الدهر أن مراد الحديث كما ذهب اليه الجمهور واذن لاأصرف الأحاديث عن ظاهرها۔

البتہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ باقی اشربہ مسکرہ پینے میں خمر کے حکم میں ہیں، لہٰذا شراب کی طرح ان کا قلیل وکثیر استعمال درست نہیں۔ تاہم ان کا تمام امور میں خمر کے حکم میں ہونا ان روایات سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

اسی وجہ سے کئی حنفی علماء نے حرمت کے حق میں جمہور کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان کا استعمال مطلقاً حرام ہے اور بیع اور حد کے حق میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ ان اشربہ ثلاثہ کی نجاست کے بارے میں نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ کے دونوں قول ہیں۔ متاخرینِ حنفیہ نے نجاست غلیظہ والے قول کو ترجیح دی ہے۔ ان اشربہ اربعہ کے علاوہ باقی اشربہ (نبیذ وغیرہ) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ نبیذ کی مقدار غیر مسکر کے استعمال کو جائز سمجھتے تھے لیکن مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے خود انہوں نے اس کا استعمال کبھی نہیں کیا۔ (کشف الباری، اشربہ ص ۳۶۵)

﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذیؒ﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....عن أنس بن مالك قال: خرّ رسول الله ﷺ عن فرس فجحش فصلى بنا قاعدًا فصلينا معه قعودًا ثم انصرف فقال: انما الامام أو انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال: سمع الله لمن حمده فقولوا: ربنا ولك الحمد واذا سجد فاسجدوا واذا صلى قاعدًا فصلوا قعودًا أجمعون ۔(ص ۸۳۔ج ۱۔قدیمی) متى وقعت هذه الواقعة؟ ترجم الحديث الشريف۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں۔(۱) واقعہ پیش آنے کی تاریخ (۲) حدیث کا ترجمہ۔

جواب..... ① واقعہ پیش آنے کی تاریخ:۔ حافظ ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ذی الحجہ ۵ھ میں پیش آیا تھا (درسِ ترمذی)

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور آپ ﷺ کو چوٹ آگئی تو آپ ﷺ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ (ہماری طرف) گھومے اور فرمایا کہ بے شک امام اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم بھی اٹھو، اور جب وہ سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو اور جب وہ سجدہ میں جائے تو تم بھی سجدہ میں جاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

الشق الثانی.....عن صدقة بن عبدالله عن موسىٰ بن يسارعن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ فى العسل فى كل عشرة أزق زق. قال أبوعيسىٰ: حديث ابن عمر فى اسناده مقال ولا يصح عن النبى ﷺ فى هذا الباب كبير شيئ ۔(ص ۱۳۷۔ج ۱۔قدیمی) ترجم الحديث و اذكر حكم العسل عند العلماء هل فيه عشرأم لا؟ اذكرأدلتهم مع ترجيح ماذهب اليه أبوحنيفة بذكر دلائله۔

0313 9357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شہد میں عشر کے وجوب میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہد کے ہر دس مشکیزوں پر ایک مشکیزہ (عشر) لازم ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند پر اعتراض ہے اور اس باب کے متعلق آپ ﷺ سے کوئی خاص چیز ثابت نہیں ہے۔

② و ③ شہد میں عشر کے وجوب میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ، صاحبین، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک شہد میں عشر لازم ہے، البتہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ شہد عشری زمین سے لیا گیا ہو۔

شافعیہ ومالکیہ رحمہما اللہ کے نزدیک شہد میں عشر لازم نہیں ہے۔

حدیث الباب حنفیہ وجمہور رحمہم اللہ کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس مشک شہد میں ایک مشک عشر لازم کیا ہے۔

شافعیہ ومالکیہ رحمہما اللہ نے حدیث الباب کو صدقہ بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف وناقابل استدلال قرار دیا ہے۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اولا صدقہ بن عبداللہ متکلم فیہ راوی ہے، بہت سے حضرات نے اس کی توثیق بھی کی ہے، ثانیاً اس حدیث کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت حسن کے درجہ میں آجاتی ہے۔

①عن ابی سیارة قال قلت یارسول اللّٰہ ! ان لی نحلا قال اد العشر ۔(ابن ماجہ)

②عن عمرو بن العاص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه اخذ من العسل العشر ۔(ابن ماجہ)

③عن ابی هریرة..... کتب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اهل الیمن ان یؤخذ من اهل العسل العشور (مصنف عبدالرزاق)

ان تمام روایات کی اسناد اگرچہ کلام سے خالی نہیں ہیں مگر ان کی کثرت اس پر دال ہے کہ شہد پر عشر لینا بلا دلیل نہیں ہے۔

نیز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وعمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شہد پر عشر وصول کیا کرتے تھے۔(درس ترمذی ج۲ص۴۴۴)

شافعیہ ومالکیہ رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شہد جانور (مکھیوں) سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا یہ ریشم کی مثل ہے کیونکہ ریشم بھی جانور (کیڑوں) سے پیدا ہوتا ہے اور ریشم میں بالاتفاق عشر واجب نہیں ہے، لہٰذا شہد میں بھی عشر لازم نہیں ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی طرف سے اس عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ پھل وپھولوں میں عشر لازم ہے اور جو چیز ان سے پیدا ہوگی اس پر بھی عشر لازم ہوگا، اور ریشم میں اس لیے عشر لازم نہیں ہے کہ ریشم کے کیڑے شہتوت کی پتیاں کھاتے ہیں اور پتیوں پر عشر واجب نہیں ہے، پس اس سے پیدا شدہ ریشم پر بھی عشر لازم نہیں ہوگا، لہٰذا ریشم پر شہد کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

④ حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ جوابات کے ضمن میں حنفیہ کی وجہ ترجیح گزر چکی ہے۔ شافعیہ ومالکیہ کے پاس صرف ایک عقلی دلیل ہے، کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور اس عقلی دلیل کا جواب بھی گزر چکا ہے جبکہ جمہور وحنفیہ کا مذہب احادیثِ مرفوعہ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مبرہن ومزین ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِعَرَفَةَ فَقَالَ: هٰذِهٖ عَرَفَةُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ثُمَّ اَفَاضَ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَجَعَلَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ عَلٰى هَيْاَتِهٖ وَالنَّاسُ يَضْرِبُوْنَ يَمِيْنًا وَشِمَالًا يَلْتَفِتُ اِلَيْهِمْ وَيَقُوْلُ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ ثُمَّ اَتٰى جَمْعًا فَصَلّٰى بِهِمُ الصَّلٰوتَيْنِ جَمِيْعًا فَلَمَّا اَصْبَحَ اَتَى قَزَحَ وَوَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ هٰذَا قَزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ..... ثُمَّ اَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتَى الْمَنْحَرَ فَقَالَ: هٰذَا الْمَنْحَرُ وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ..... ثُمَّ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ: اِحْلِقْ وَلَا حَرَجَ اَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ قَالَ: وَجَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ..... قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى: وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ رَاَوْا اَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِعَرَفَةَ فِیْ وَقْتِ الظُّهْرِ وَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِذَا صَلَّى الرَّجُلُ فِیْ رَحْلِهٖ وَلَمْ يَشْهَدِ الصَّلٰوةَ مَعَ الْاِمَامِ اِنْ شَاءَ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِثْلَ مَاصَنَعَ الْاِمَامُ ۔

شکل الحدیث وترجمہ۔ ماهو ترتیب المناسك الأربعة یوم النحر؟ وماهو حکم التقدیم والتأخیر فیما بینها؟ وأذکر أدلة العلماء علی ذلك ۔ ماهی شروط الجمع بین الصلاتین بعرفة عند الحنفیة۔(ص۱۷۷۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) یوم نحر کے مناسکِ اربعہ کی ترتیب (۴) مناسک کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر کا حکم مع الدلائل (۵) عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کی شرائط۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرفات میں ٹھہرے اور فرمایا یہ عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے پھر غروبِ آفتاب کے وقت آپ ﷺ واپس ہوئے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ساتھ بٹھا لیا اور اپنی عادت کے مطابق سکون واطمینان کے ساتھ ہاتھ سے اشارے کرنے لگے لوگ دائیں بائیں اپنے اونٹوں کو چلانے کیلئے مار رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا اے لوگو اطمینان سے چلو پھر آپ ﷺ مزدلفہ پہنچے اور مغرب وعشاء دونمازیں اکٹھی پڑھیں صبح کے وقت قزح کے مقام پر آئے اور وہاں ٹھہرے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ قزح ہے اور یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے بلکہ مزدلفہ سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے، اسکے بعد قربانی کی جگہ پہنچے اور فرمایا یہ قربانی کی جگہ ہے اور منیٰ پورے کا پورا قربان گاہ ہے، پھر ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سر منڈانے سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف کرلیا ہے فرمایا کوئی حرج نہیں سر منڈوالے یا فرمایا بال کٹوالے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کرلی، فرمایا کوئی حرج نہیں اب کنکریاں مارلو۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی پر علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں کہ عرفات میں ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع کیا جائے اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جب آدمی اپنے خیمہ میں نماز پڑھے اور امام کے ساتھ جماعت میں حاضر نہ ہو تو اگر وہ چاہے تو امام کے جمع کرنے کی مثل وہ بھی ان دونوں نمازوں کو جمع کرلے۔

③ یومِ نحر کے مناسکِ اربعہ کی ترتیب:۔ یومِ نحر یعنی دس ذی الحجہ کو حاجی کے ذمہ چار کام ہوتے ہیں ① رمی ② قربانی (قارن ومتمع کیلئے) ③ حلق یا قصر ④ طوافِ زیارت۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ چاروں افعال اسی ترتیب سے ثابت ہیں۔ (درسِ ترمذی)

④ مناسک کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر کا حکم مع الدلائل:۔ مذکورہ چار کاموں میں سے شروع کے تین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس ترتیب کے عامداً یا ناسیاً یا جاہلاً ترک کرنے پر دم واجب ہے البتہ طوافِ زیارت کو بقیہ مناسک یا ان میں سے کسی پر مقدم کرنے پر کوئی دم نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے حلق کو رمی پر مقدم کیا تو اس پر دَم ہے لیکن اگر حلق کو نحر پر مقدم کیا یا نحر کو رمی پر مقدم کیا تو کچھ واجب نہیں اور اگر طوافِ زیارت کو رمی پر مقدم کیا تو درست نہ ہوگا لہٰذا اس کو چاہیے کہ پہلے رمی کرے پھر نحر کرے پھر طوافِ زیارت دوبارہ کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مناسکِ اربعہ میں ترتیب مسنون ہے اور ترتیب کے ساقط ہونے پر کوئی دَم وغیرہ نہیں۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ مشہور ہے اور اُن کا ایک قول یہ بھی ہے کہ تقدیمِ حلق علی الرمی کی صورت میں دَم واجب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اِن مناسک میں اگر ترتیب جہل یا نسیان کی وجہ سے ٹوٹی ہے تو کوئی دَم نہیں البتہ اگر ترتیب عامداً اور عالماً توڑی گئی ہے تو اس کے بارے میں ان کی دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا یہ فعل اگرچہ مکروہ ہے لیکن اس پر کوئی دَم نہیں، دوسری روایت یہ ہے کہ اس پر دَم ہے۔ بہرحال ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم ایک حد تک عدمِ وجوبِ ترتیب کے قائل ہیں۔ ان حضرات کا استدلال حدیثِ باب میں **احلق ولاحرج** اور **ارم ولاحرج** سے ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ان حضرات کا استدلال ہے جو فرماتے ہیں **ماسئل رسول اللہ ﷺ یومئذ عمّن قدّم شیئا قبل شیٔ الاقال: "لاحرج لاحرج"۔**

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فتوے سے ہے **من قدم شیئاً من حجہٖ او اخرہ فلیھرق لذلك دمًا** اسکی سند میں اگرچہ کسی قدر ضعف ہے لیکن طحاوی میں یہ اثر سندِ صحیح کے ساتھ مذکور ہے۔

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی **لاحرج** والی روایت کے راوی ہیں لہٰذا ان کا مذکورہ فتویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ روایات میں **لاحرج** سے مراد وجوبِ دَم کی نفی نہیں ہے بلکہ محض گناہ کی نفی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حج کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور اس دن تک مناسکِ حج کا صحیح علم لوگوں کو نہیں ہوا تھا اس لئے فسادِ ترتیب کا گناہ اٹھالیا گیا تھا اس کی تائید طحاوی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو فرماتے ہیں **سئل رسول اللہ ﷺ وھو بین الجموتین عن رجل حلق قبل ان یرمی قال :لاحرج وعن رجل ذبح قبل ان یرمی قال لاحرج،**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ثم قال عباد الله وضع الله عزوجل الحرج والضيق وتعلموا مناسككم فانها من دينكم ۔اس سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے حرج کی نفی اس بناء پر فرمائی تھی کہ مناسکِ حج عام نہیں تھے لیکن یہ وجوبِ دَم کے منافی نہیں اسی بناء پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو **لاحرج** کے واقعات کے عینی شاہد اور انکے راوی ہیں اپنے فتویٰ میں اسکی تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دَم واجب ہوگا۔ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ نفیِ اثم وجوبِ دَم کے منافی نہیں جیسا کہ اگر حالتِ احرام میں کسی شخص کو تکلیف یا بیماری کی وجہ سے حلق کرنا پڑے تو وہ بنصِ قرآنی جائز ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں، اسکے باوجود اسکے بدلہ میں دَم دینا بالاتفاق واجب ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر زیرِ بحث مسئلہ میں بھی یہی صورت تھی کہ فسادِ ترتیب کا گناہ مناسک سے ناواقفیت کی بناء پر اٹھالیا گیا تھا (اور **لاحرج** جیسے جملوں سے بھی یہی مراد تھی) اگرچہ دَم پھر بھی واجب تھا لیکن عدمِ گناہ کا حکم بھی اُس وقت تھا، اب جبکہ مناسکِ حج کی پوری تفصیل سامنے آچکی ہے اسلئے جاہل کیلئے کوئی عذر باقی نہیں رہا، اسلئے جہالت کی وجہ سے فسادِ ترتیب کی صورت میں دَم تو ہوگا ہی، گناہ بھی ہوگا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر **ولا تحلقوا رءوسكم حتى يبلغ الهدى محله** سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں محصر کو تقدیم نحر علی الحلق کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ تقدیم حلق علی النحر باجماع جائز نہیں ہے اور موجبِ دَم ہے، جب محصَر کا یہ حکم ہے تو قارن وغیرہ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے کہ حلق قبل النحر درست نہ ہو اور ترتیب توڑنے پر دَم ہو۔(درسِ ترمذی ج۳ص۱۴۶)

(نوٹ) حنفیہ کی عام کتبِ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی اوپر والا مذہب بیان کیا گیا ہے کہ فسادِ ترتیب کی صورت میں بہرصورت دم لازم ہے خواہ عامداً ہو، ناسیاً ہو یا جاہلاً ہو لیکن **كتاب الحجة على اهل المدينة** میں امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہ ہے کہ فسادِ ترتیب جاہلاً میں کوئی دم لازم نہیں ہے۔(ایضاً)

⑤ عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کی شرائط:۔ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کے نزدیک عرفات میں جمع تقدیمی کیلئے چھ شرائط ہیں ① حج کا احرام ہو ② عصر پر ظہر کی تقدیم ③ وقت وزمان یعنی عرفہ کا دن اور زوال کے بعد کا وقت ④ مکان یعنی وادیِ عرفات اور اس کے ارگرد کا علاقہ ⑤ باجماعت نماز ادا کرنا، منفرداً جمع درست نہیں ہے ⑥ امام اعظم یا اس کے نائب کا ہونا، ان دونوں کی غیر موجودگی میں جمع درست نہیں ہے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک شروع کی چار شرائط کافی ہیں، آخری دو شرائط ضروری نہیں ہے۔

انکی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے جو بخاری میں تعلیقاً مروی ہے **وكان ابن عمر اذا فاتته الصلوة مع الامام جمع بينهما**۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نصوصِ قطعیہ سے محافظت علی الوقت کی فرضیت ثابت ہے اس لئے اس کو **ما ورد به الشرع** کے علاوہ کسی اور صورت میں ترک کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا جمع کے لئے جماعت اور امام یا نائب کا ہونا ضروری ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دوسری دلیل حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا اثر بھی ہے **عن ابراهيم قال اذا صليت يوم عرفة فى رحلك فصل كل واحد من الصلوتين لوقتها و لا ترتحل من منزلك حتى تفرغ من الصلوة** (کتاب الآثار للامام محمد)

(فائدہ) مزدلفہ میں جمع تاخیری کیلئے حنفیہ کے نزدیک پانچ شرائط ہیں ① حج کا احرام ہو ② اس سے قبل وقوفِ عرفہ کیا ہو ③ زمانِ مخصوص (لیلۃ النحر) ④ وقتِ مخصوص (وقتِ عشاء ہو) ⑤ مکانِ مخصوص (مزدلفہ) مزدلفہ میں جمع کیلئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی امام یا نائب اور جماعت کی شرط نہیں ہے۔(درسِ ترمذی ج۳ص۱۵۳)

الشق الثانی.....**عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى اَنْ يُنْتَبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطَبُ جَمِيْعًا۔**

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ اَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهٰى عَنِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ اَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهٰى عَنِ الْجِرَارِ اَنْ يُنْتَبَذَ فِيْهَا۔(ص۱۰۔ج۲۔قدیمی) **شكل الحديثين ثم ترجمهما وما هى الحكمة فى النهى عن الخليطين ، حرّر اقوال العلماء الامة فى حكم الخليطين وادلتهم۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) خلیطین سے نہی کی

حکمت (۴) خلیطین کے حکم میں ائمہ کے اقوال مع الدلائل۔

جواب ..... ① احادیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدّر (ادھ کچری) کھجور اور تازہ پکی ہوئی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گدر کھجور اور چھوہاروں کو جمع کرنے سے منع فرمایا اور منقّی وچھوہاروں کو بھی جمع کرنے سے منع فرمایا اور مٹی کے گھڑوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمایا۔

③ خلیطین سے نہی کی حکمت:۔ ① خلیطین سے ممانعت کی حکمت لعینہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے اس لئے کہ اس نبیذ میں اندیشہ ہے کہ غیر محسوس طور پر فساد پیدا نہ ہو جائے کیونکہ ایسی دو چیزیں جن میں ایک جلدی گلنے والی اور ایک دیر سے گلنے والی ہو یا ایک کھٹی اور دوسری میٹھی ہو تو ایسی صورت میں جلدی گلنے والی چیز کے اجزاء شراب میں داخل ہو جائیں گے اور پتہ بھی نہیں چلے گا، لہٰذا احتیاطاً اس سے منع کیا ہے (تحفۃ الالمعی ج ۵ ص ۲۲۰) ② جب دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنائی جائے تو اس میں جلد نشہ پیدا ہو جاتا ہے ③ اس میں اسراف یعنی فضول خرچی ہے (کشف الباری)

④ خلیطین کے حکم میں ائمہ کے اقوال مع الدلائل:۔ خلیطین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ① ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک خلیطین ناجائز اور حرام ہے۔ ② جمہور علماء کے نزدیک خلیطین کے متعلق جو نہی وارد ہے وہ نہی تنزیہی ہے لہٰذا خلیطین جب تک مسکر نہ ہو وہ حرام نہیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے ③ احناف کے نزدیک خلیطین میں کوئی حرج نہیں، بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ مسکر نہ ہو۔ جمہور کا استدلال احادیث باب سے ہے جن میں خلیطین سے منع فرمایا گیا ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ① سنن ابی داؤد میں صفیہ بنت عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، وہ فرماتی ہیں۔ **دخلت مع نسوة من عبدالقيس على عائشة فسألناها عن التمر والزبيب، فقالت: كنت آخذقبضة من تمر وقبضة من زبيب فألقيه فى اناء فأمرسه، ثم أسقيه النبى** ﷺ۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھجور اور منقّی ملا کر نبیذ بناتی تھیں اور حضور اکرم ﷺ کو پلاتی تھیں۔

② سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **ان رسول الله** ﷺ **كان ينبذله زبيب فيلقى فيه تمر وتمر فيلقى فيه الزبيب** ③ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی خلیطین کا استعمال نقل کیا ہے۔

احادیث باب کو حضرات حنفیہ نے مذکورہ احادیث سے منسوخ قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں اس کی ممانعت تھی لیکن بعد میں اجازت دیدی گئی تھی۔ (کشف الباری کتاب الاشربہ ص ۴۰۴)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل ..... **مناقب اهل بيت النبى** ﷺ **عن عمرو بن ابى سلمة ربيب النبى** ﷺ **قال نزلت هٰذه الاٰية على النبى** ﷺ **"انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا" فى بيت ام سلمة فدعا النبى** ﷺ **فاطمة وحسنا وحسبنا فجللهم بكساء و على خلف ظهره فجللهم بكساء ثم قال اللهم هؤلاء اهل بيتى فاذهب عنهم الرجس وطَهِّرْهم تطهيرا قالت ام سلمة وانا معهم يارسول الله** ﷺ **قال انت على مكانك وانت على خير هٰذا حديث غريب۔** (ص ۲۱۹۔ ج ۲۔ قدیمی)

ترجم الحديث بكامله واكتب معنى اهل البيت ، استدل الروافض بهذا الخبر الواحد على اخراج ازواجه ﷺ **المطهرات من اهل بيته مع ان الخطاب فى كتاب الله معهن سياقا وسباقا فكيف الرد عليهم بالادلة ، عرّف الحديث الغريب عند جمهور الامة وعند الامام الترمذى بتفصيل ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اہل البیت کا معنی (۳) روافض کے استدلال

کا ردّ (۴) حدیثِ غریب کی تعریف۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ اہلِ بیتِ نبی ﷺ کے مناقب: حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہ آپ ﷺ کے ربیب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آیتِ تطہیر **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرًا** حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھی، پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پشت کے پیچھے کھڑے تھے آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں لپیٹ لیا پھر فرمایا کہ اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے بھی رجس کو دور کردے اور ان کو بھی خوب پاک صاف کردے، حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں بھی انکے ساتھ ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اپنی جگہ ہے یعنی تیرا اپنا مقام و مرتبہ ہے اور تو خیر پر ہی ہے۔

② اہل البیت کا معنی:۔ اہل البیت کا معنی گھر والے ہیں اور اس کی مراد کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف ازواجِ مطہرات ہی ہیں، حضرت عکرمہ و مقاتل نے یہی کہا ہے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات نقل کی ہے اور انہوں نے استدلال میں آیت **واذکرن ما یتلٰی فی بیوتکنّ** بھی پیش فرمائی، اور سابقہ آیت میں **نساء النبی** کے الفاظ بھی اس پر قرینہ ہیں، حتیٰ کہ حضرت عکرمہ بازار میں منادی کرتے تھے کہ آیت میں اہلِ بیت سے مراد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی تھی اور میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔

مگر حدیث کی متعدد روایات اس پر شاہد ہیں کہ اہلِ بیت میں حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ (معارف القرآن)

③ روافض کے استدلال کا ردّ:۔ آپ ﷺ کی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کے اہلبیت رضی اللہ عنہم میں داخل ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جس طرح ہمارے معاشرے میں اہل بیت کا فردِ اول بیوی اور زوجہ کو سمجھا جاتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کے اہلبیت کا مصداق اولاً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ہیں، باقی حضرات کا اہل بیت میں داخل ہونا دوسرے درجہ میں ہے۔

(اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ تمام ازواج، اولاد، احفاد، داماد سب لوگ اہلبیت ہیں (انعامات المنعم))

سوال ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اہلِ بیت میں داخل ہیں جبکہ دوسری حدیث کے مطابق ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں داخل نہیں ہیں تو بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں داخل ہی ہیں، البتہ دوسری حدیث میں تاویل کی جائے گی۔

تاویل یہ ہے کہ جہاں پر ازواجِ مطہرات کے اہلِ بیت میں داخل ہونے کی نفی کی گئی ہے وہاں پر اہلِ بیت سے وہ اہلِ بیت مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور ازواجِ مطہرات کے اہلِ بیت میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے نکاح میں ہیں اور آپ ﷺ کے گھر میں رہتی ہیں اور آپ ﷺ ان کی کفالت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انکے احترام و اکرام اور انکی قبولیت اور ان کے حقوق کی حفاظت کی نصیحت کیلئے خصوصی طور پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد قرآن کریم کے ساتھ میرے اہلِ بیت کو بھی لازم پکڑنا اور انکا بھی خیال رکھنا۔ (مزید تفصیل: تحفۃ الالمعی ج ۲ صفحہ ۱۴۳۔۔ معارف الحدیث ج ۸ صفحہ ۲۹۳)

آیت (**عنکم الرجس ویطھّرکم**) میں جمع مذکر کی ضمیر کُمْ کے استعمال کا جواب یہ ہے کہ اس میں ازواج و اولاد سب شامل ہیں اس لئے مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ نیز سیاق و سباق کے احکام صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق تھے اولاد ان میں شامل نہ تھی، اس لئے اس حکم میں خصوصیت کے ساتھ اولاد کو شامل کرنے کے لئے مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ (کمالین)

④ حدیثِ غریب کی تعریف:۔ جمہور کے نزدیک حدیثِ غریب وہ حدیث ہے جس کی سند میں کہیں نہ کہیں ایک راوی ہو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں غریب بمعنی ضعیف استعمال ہوتا تھا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

اسکے علاوہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں غریب کا لفظ تین نئے معانی میں بھی استعمال کیا ہے۔ ① وہ حدیث جسکی صرف ایک سند ہو چاہے وہ حدیث نیچے مشہور ہوگئی ہو جیسے کتاب العلل میں حدیثِ حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور حدیثِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ذکر کی گئی ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② کوئی حدیث فی نفسہٖ مشہور ہومگر اسکے کسی خاص طریق کے متن یا سند میں کسی راوی نے کوئی زیادتی کی ہو جیسے صدقۃ الفطر کی روایت میں امام مالک رحمہ اللہ نے من المسلمین کا اضافہ کیا ہے، اگر یہ زیادتی ثقہ کی طرف سے ہو تو مقبول ہے وگرنہ مردود ہے۔

③ کوئی روایت فی نفسہٖ مشہور ہو، متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو روایت کرتے ہوں مگر وہ حدیث کسی خاص صحابی سے معروف نہ ہو اور اُس کی ایک ہی سند ہو۔ (تحفۃ الالمعی ج۱ص۱۶۳)

الشق الثانی.....**عن البراء بن عازب قال: خطبنا رسول الله ﷺ يوم نحر:فقال: لايذبحن أحدكم حتى يصلي قال: فقام خالي يارسول الله هذا يوم اللحم فيه مكروه وانى عجلت نسكى لأطعام أهلى وأهل دارى أو جيرانى قال:فأعد ذبحاً آخر فقال: يارسول الله عندى عناق لبن وهى خير من شاتى لحم أفأذبحها قال: نعم وهى خير نسيكتك ولا تجزئ جذعة بعدك.** (ص۲۷۷۔ج۱۔قدیمی)

مامعنى قوله :"هذا يوم اللحم فيه مكروه" انكر أقوال الشارحين فى تفسير هذه الجملة مع أنه قدورد فى رواية أخرى:"ان هذا يوم يشتهى فيه اللحم" فكيف التوفيق بينهما؟ انكر معنى قوله:"عناق لبن" و "جذعة".

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) **هذا يوم اللحم فيه مكروه** اور **ان هٰذا يوم يشتهى فيه اللحم** میں تطبیق (۲) **عناق لبن، جذعة** کا معنی۔

جواب..... ① **هذا يوم اللحم فيه مكروه اوران هٰذا يوم يشتهى فيه اللحم** میں تطبیق:۔ بظاہر یہاں پر احادیث میں تعارض پیدا ہو رہا ہے کہ عمومی احادیث اور لوگوں کی عادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم نحر میں ہر آدمی کو گوشت کھانے کا شوق ہوتا ہے جبکہ حدیث مذکورہ **هٰذا يوم اللحم فيه مكروه**، اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس جملہ کی وضاحت ضروری ہے۔ اس جملہ کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں: ① بعض محدثین نے کہا کہ اس جملہ میں **اَللَّحَمْ** (حاء کے فتحہ کے ساتھ) ہے بمعنی گوشت کی خواہش کرنا، مطلب یہ ہے کہ اس دن میں گھر والوں کو بغیر قربانی کے رکھنا کہ ان کو گوشت کھانے کی خواہش رہے، یہ مکروہ ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ **لَحَمْ** (بفتح الحاء) والی روایت درست نہیں ہے۔

② یہاں پر مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت **طلب اللحم فيه مكروه** ہے یعنی اس دن گوشت مانگنا اور طلب کرنا مکروہ ہے۔ لیکن پہلے قول کی تائید بعض روایات سے بھی ہوتی ہے کہ ان میں **مقروم** (گوشت کی خواہش کرنا) کا لفظ آیا ہے۔ (کشف الباری)

② **عناق لبن، جذعة** کا معنی:۔ **عناق لبن:** بکری کا وہ بچہ جس کی عمر ایک سال سے کم ہو، **لبن** کی طرف اضافت سے اس کی صغرسنی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ **جزعة:** بکری کا چھ ماہ کا بچہ۔ (کشف الباری)

عناق لبن: دودھ سے پلا ہوا بکری کا بچہ۔ **جزعة:** ایک سال سے کم عمر بکری کا بچہ۔ (تحفۃ الالمعی)

﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذیؒ﴾

0313 6357913 hadiabazar.imamitah@gmail.com

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**بَابَ مَاجَاءَ فِي الَّذِيْ يُهِلُّ بِالْحَجِّ فَيُكْسَرُ اَوْ يَعْرَجُ: حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ نَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ نَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ نَا يَحْيَى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَجَّاجُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كُسِرَ اَوْ عُرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ اُخْرٰى فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَا صَدَقَ.**

شكل العبارة و ترجمها.اذكر اختلاف الائمة فى معنى الاحصار من جهة اللغة. (ص۱۸۶۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) احصار کے لغوی معنی میں اختلاف۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب اُس شخص کے بیان میں ہے جس نے حج کا احرام باندھا پھر اس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا،

حضرت حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی ہڈی ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو جائے اور اس پر دوسرا حج لازم ہے، پس میں نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔

③ احصار کے لغوی معنی میں اختلاف:۔ لغت کے اعتبار سے احصار کے معنی میں اختلاف ہے، اس میں تین اقوال ہیں:

① ابوعبیدہ، ابن سکیت، زجاج، ابن قتیبہ اور اکثر اہلِ لغت کا مذہب یہ ہے کہ یہ مرض کے ساتھ مختص ہے اسلئے کہ **احصرہ المرض من السفر ای منعه**، ثعلب کہتے ہیں کہ فصیح کلام میں **احصر بالمرض وحصر بالعدو** کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ احصار کا لفظ مرض کے ساتھ مختص ہے ② امام فرّاء کا مذہب یہ ہے کہ لفظِ احصار دشمن و مرض دونوں صورتوں میں مستعمل ہے ③ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ لفظِ احصار دشمن کے ساتھ خاص ہے، حضرت ابنِ عباس و ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔

اب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احصار کا حکم مرض، دشمن اور دیگر تمام موانع کی وجہ سے ثابت ہو جائے گا جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احصار صرف دشمن کی وجہ سے ثابت ہوگا۔ لغت کے پہلے دونوں قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہیں اس لئے کہ پہلے قول کے مطابق واضح طور پر مرض کو سببِ احصار قرار دیا گیا ہے اور دوسرے قول میں مطلق حبس کو سببِ احصار قرار دیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احصار کا حکم مطلق حبس سے ثابت ہو جائے گا خواہ سبب دشمن ہو، مرض ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

جہاں تک قولِ ثالث (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول) کا تعلق ہے وہ اہلِ لغت کے اتفاق کی وجہ سے باطل ہے، اگر اس قول کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر ہم مرض وغیرہ کو دفعِ حرج کی وجہ سے دشمن پر قیاس کریں گے کہ دفعِ حرج کے لئے جیسے دشمن کی وجہ سے احصار متحقق ہے اسی طرح مرض کی وجہ سے بھی دفعِ حرج کے لئے احصار متحقق ہو جائے گا۔ (درسِ ترمذی ج۲ ص۲۱۰)

الشق الثانی.....**عن ابی سنان قال دفنت ابنی سنانا وابو طلحة الخولانی جالس علی شفیر القبر فلما اردت الخروج اخذ بیدی فقال الا ابشرك یا ابا سنان؟ قلت بلٰی فقال حدثنی الضحاك بن عبد الرحمٰن بن عرزب عن ابی موسی الاشعری انّ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات ولد العبد قال اللّٰہ لملائکته قبضتم ولد عبدی؟ فیقولون نعم فیقول قبضتم ثمرة فؤاده؟ فیقولون نعم فیقول ماذا قال عبدی فیقولون حمدك واسترجع فیقول اللّٰہ ابنوا لعبدی بیتا فی الجنة وسموه بیت الحمد۔**

عن ابی هریرة انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّی علی النجاشی فکبّر اربعا۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلٰی قال کان زید بن ارقم یکبّر علی جنائزنا اربعا وانّه کبّر علٰی جنازة خمسا فسألناه عن ذٰلك فقال کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبرها۔ (باب فضل المصیبة اذا احتسب۔ باب ما جاء فی التکبیر علی الجنازة)

ترجم الاحادیث۔ اذکر ترجمة الباب لحدیث ابی موسٰی الاشعری (الحدیث الاول) و اذکر اسمه۔ اذکر اختلاف الفقهاء فی الصلاة علی المیت غائبا مع ادلتهم۔ اذکر اقوال الائمة فی عدد تکبیرات الصلٰوة علی المیت؟ ماهو الاختلاف فی عدد التکبیرات علی الجنائز؟ اذکر وجوه ترجیح مذهب الجمهور۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں ① احادیث کا ترجمہ ② حدیثِ اول کے باب کا نام اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام ③ غائبانہ نمازِ جنازہ میں اختلاف مع الدلائل ④ تکبیراتِ جنازہ کی تعداد میں اختلاف ⑤ مذہبِ جمہور کی وجہِ ترجیح۔

جواب..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسنان سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفن کیا تو ابوطلحہ خولانی قبر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، میں جب باہر آنے لگا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اے ابوسنان کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں، فرمایا ضحاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب، ابوموسی اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی آدمی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالی فرشتوں سے فرماتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی؟ عرض

کرتے ہیں ہاں، اللہ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل (ٹکڑا) قبض کیا؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں، پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اس نے آپ کی تعریف کی اور **انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون** پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد (تعریف کا گھر) رکھو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اور اس میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ زید بن ارقمؓ ہمارے جنازوں کی نماز میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک جنازہ پڑھتے ہوئے پانچ تکبیریں کہیں تو ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

② حدیثِ اول کے باب کا نام اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام:۔ حدیثِ اول کے باب کا نام **باب فضل المصیبة اذا احتسب** ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہے۔

جواب ..... ① غائبانہ نماز جنازہ کا حکم مع الدلائل:۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کی یہ شرط بیان کی ہے کہ جس جگہ میت کا انتقال ہوا وہاں کوئی اس پر جنازہ پڑھنے والا موجود نہ ہو، شافعیہ میں سے رویانی رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غائبانہ نمازِ جنازہ کے جواز کی شرط یہ ہے کہ مصلی کی نسبت سے میت جانب قبلہ میں ہو لہٰذا اگر میت کا علاقہ مصلی کی نسبت سے قبلہ کی جانبِ مخالف میں ہو تو غائبانہ نماز جائز نہ ہوگی۔ انکا استدلال نجاشی رحمہ اللہ کے واقعہ سے ہے کہ آپ ﷺ نے اس پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے۔

جہاں تک نجاشی رحمہ اللہ کے واقعہ کا تعلق ہے سو یہ ان کی خصوصیت ہے نیز چونکہ وہ مسلمان بادشاہ تھا اور مسلمانوں کی انہوں نے بطورِ خاص مدد کی تھی اور ان پر کسی نے نماز نہیں پڑھی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان پر مدینہ میں نماز پڑھی جبکہ نجاشی رحمہ اللہ کی وفات اپنے ملک میں ہوئی تھی، اس کے علاوہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور نجاشی رحمہ اللہ کے درمیان جتنے حجابات تھے وہ سب دور کر دیئے گئے تھے یہاں تک کہ نجاشی کا جنازہ آپ کو سامنے نظر آنے لگا تھا چنانچہ واحدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اسباب النزول'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بغیر سند کے نقل کیا ہے **کشف للنبی ﷺ عن سریر النجاشی حتی رآہ وصلی علیہ** اور ابن حبان رحمہ اللہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں **فقام وصفوا خلفہ وھم لایظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ** اور ابوعوانہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں **فصلینا خلفہ ونحن لانری الا ان الجنازة قدامنا۔**

البتہ اس پر مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اشکال ہوسکتا ہے جو ''صلوٰۃ علی النجاشی'' کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں **فصففنا خلفہ صفین ومانری شیئًا۔** اس اشکال کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ نجاشی رحمہ اللہ کے جنازے سے یہ حجابات بعض حضرات کے حق میں تو اٹھائے گئے ہوں اور بعض کے حق میں نہ اٹھائے گئے ہوں۔

غائبانہ نماز جنازہ پر ایک استدلال حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تبوک میں ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی حالانکہ ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہوجائے تو یہ بھی ان کی خصوصیت پر محمول ہے۔ نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی معجزۂ رفعِ حجابات کے بعد حاضرانہ نماز تھی۔

بہرحال پورے ذخیرۂ حدیث میں **صلوۃ علی الغائب** کے یہ صرف دو واقعے ہیں ان کی توجیہ بھی ہوسکتی ہے اور دونوں کو خصوصیت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے ورنہ اگر اس کی عام اجازت ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان بیسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نماز پڑھنا نہ چھوڑتے جن کی وفات آپ ﷺ کی حیات میں مدینہ طیبہ سے باہر ہوئی، اسی طرح آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی کوئی

0313 6377912 maktabazakariyamultan@gmail.com

معمول صلوۃ علی الغائب کا نہیں ملتا، یہ بھی مسلکِ احناف کی ایک مضبوط دلیل ہے۔(درسِ ترمذی ج۳ص۲۹۹)

④ تکبیراتِ جنازہ کی تعداد میں اختلاف:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نمازِ جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے البتہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک ہے کہ نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیرات ہیں۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں چار سے لیکر نو تک تکبیریں ثابت ہیں لیکن جمہور نے چار کو ترجیح دی ہے۔

⑤ مذہبِ جمہور کی وجہِ ترجیح:۔ ① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات کہیں، اس اجتماع میں حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت عباس، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی موجود تھے ② حافظ ابن البر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستذکار'' میں ''ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن ابیہ'' کے طریق سے روایت نقل کی ہے **قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکبر علی الجنائز اربعًا وخمسًا وسبعًا وثمانیًا حتی جاء موت النجاشی فخرج الی المصلی وصف الناس وراءہ وکبر علیہ اربعًا ثم ثبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اربع حتی توفاہ اللہ عزوجل** ③ بیہقی میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے **کانوا یکبرون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعًا وخمسًا وستًا او قال اربعًا فجمع عمر بن الخطاب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبر کل رجل بما رای فجمعھم عمر علی اربع تکبیرات کاطول الصلاۃ**۔یہ روایت سنداً حسن ہے۔(درسِ ترمذی ج۳ص۳۰۲)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**عن یونس بن جبیر قال: سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأتہ وھی حائض فقال: ھل تعرف عبداللہ بن عمر؟ فانہ طلق امرأتہ وھی حائض، فسأل عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فأمرہ أن یراجعھا۔ قال: قلت: فیعتد بتلک التطلیقۃ؟ قال: فمہ أرایت ان عجز واستحمق۔**(ص۲۲۲۔ج۱۔قدیمی)

اشرح معنی قولہ: "قال: فمہ ارأیت ان عجز واستحمق"۔ اذکر حکم وقوع الطلاق فی حال الحیض عند الأئمۃ مع اختلافھم ودلائلھم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) **فمہ ارأیت ان عجزو استحمق** کا معنی (۲) حالتِ حیض میں طلاق کے وقوع میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① **فمہ ارأیت ان عجزو استحمق** کا معنی:۔ **فَمَہْ**: اسکے بارے میں دو احتمال ہیں ① **مَا** استفہامیہ ہے اور "ہ" وقفہ کیلئے ہے **ای فما یکون ان لم تحتسب** یعنی وہ طلاق کیوں شمار نہیں ہوگی ② **ھَا** اصلیہ ہے اور "مَہْ" کلمہ زجر کے لئے ہے **ای کف عن ھٰذا الکلام فانہ لابدمن وقوع الطلاق بذلک** یعنی اس کلام سے رُک جا اس لئے کہ اس کلام سے لامحالہ طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ارأیت ان عجزو استحمق: اس جملہ کے بھی تین مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ① ایک یہ کہ اگر وہ (ابن عمر رضی اللہ عنہ صحیح طریقہ سے طلاق دینے سے) عاجز ہوگیا اور اس نے (حیض کی حالت میں طلاق دیکر) حماقت کا ارتکاب کرلیا تو کیا طلاق واقع نہیں ہوگی؟ اور کیا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ کیا جائے گا ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ بیوی کی طرف رجوع کرنے سے عاجز ہوجاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرکے حماقت کا ارتکاب کرتا تو کیا طلاق واقع نہ ہوتی؟ ظاہر ہے طلاق تو واقع ہو ہی جاتی۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں **ان عجز واستحمق** شرط ہے اور جزاء محذوف ہے **الا یقع الطلاق**۔

③ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ **ان** کو نافیہ مانا جائے **أی لم یعجز ابن عمر ولا استحمق، لأنہ لیس بطفل ولا مجنون**، ابن عمر نہ کوئی عاجز آدمی ہے اور نہ ہی اس نے حماقت میں ایسا کیا کیونکہ وہ بچہ اور مجنون تو نہیں ہے(کشف الباری، کتاب الطلاق ص۴۰۸)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② و ③ حالتِ حیض میں طلاق کے وقوع میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر حیض میں عورت کو طلاق دی گئی تو اس طلاق کا اعتبار کیا جائے گا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فیصلہ کیا ہے، جمہور اور ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ حیض میں طلاق دینا حرام ہے لیکن طلاق واقع ہوجائے گی۔

حافظ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، علامہ ابن حزم، ابراہیم بن اسماعیل بن عُلیہ اور روافض رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حیض میں طلاق کا اعتبار نہیں، طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہ حضرات ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو انہوں نے **ابوالزبیر عن ابن عمر** کے طریق سے نقل کی ہے **طلق عبدالله بن عمر امراته وهی حائض علی عهد رسول الله ﷺ فسأل عمر رسول الله ﷺ، فقال: ان عبدالله بن عمر طلق امرأته وهی حائض قال عبدالله، فردّها علی ،ولم یرها شیئًا**، اس حدیث کے آخر میں **ولم یرها شیئًا** سے استدلال کرکے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حیض میں طلاق معتبر نہیں۔

جمہور اس استدلال کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔ ① پہلا جواب یہ ہے کہ **ولم یرها شیئًا** کا یہ اضافہ ابوالزبیر کا تفرد ہے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوالزبیر کے علاوہ ان الفاظ کو کسی اور نے روایت نہیں کیا ② ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے **ولم یرها شیئًا** کے الفاظ کو منکر قرار دیا ہے ③ اگر ان الفاظ کو درست اور ثابت مانا جائے تو حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسکا مطلب یہ ہوگا **لم یرها شیئًا مستقیمًا لکونها تقع علی السنة** یعنی حیض کے زمانہ میں آپ ﷺ نے طلاق دینے کو صحیح اقدام نہیں سمجھا، علامہ خطابی اور امام شافعی رحمہما اللہ نے بھی ان الفاظ کو ثابت ماننے کی صورت میں اسی طرح کا مطلب بیان کیا ہے ④ حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **لم یرها** کی ضمیر **رجعة** کی طرف بھی لوٹائی جاسکتی ہے **ای لم یرالرجعة شیئًا ممنوعًا** یعنی طلاق سے رجوع کرنے کو حضور ﷺ نے ممنوع نہیں سمجھا۔

جمہور کا استدلال یہاں باب کی آخری روایت سے ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا **حُسبتُ علیّ بتطلیقة** اس میں تصریح ہے کہ انہوں نے حیض کے زمانہ میں جو طلاق دی تھی وہ معتبر سمجھی گئی۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۴۰۶)

الشق الثانی.....**باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد قد صُلِّیَ فیه مرة عن ابی سعید قال جاء رجل وقد صَلّٰی رسول الله ﷺ فقال ایکم یتجر علی هٰذا فقام رجل و صَلّٰی معه** ۔(ص ۵۳۔ج ۱۔قدیمی)

حقق کلمة یتجر لغةً و صرفًا ،من هو الرجل القائم ، اذکر مذاهب الفقهاء فی الجماعة الثانیة وادلتهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) یَتَّجِرُ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) رجلِ قائم کی تعیین (۳) جماعتِ ثانیہ میں فقہاء کے مذاہب مع الدلائل۔

جواب..... ① یَتَّجِرُ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ یہ لفظ تجارت سے بھی مشتق ہوسکتا ہے، مراد اُخروی تجارت ونیکی کی تجارت ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اَجر سے نکلا ہو، اصل میں **یأتجر** ہو (جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں **تتّزر** کا لفظ ازار سے نکلا ہے) اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اسکے ساتھ نماز پڑھ کر اجر حاصل کرے؟ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۴۸۳)

② رجلِ قائم کی تعیین:۔ بیہقی کی روایت میں اس کی تصریح ہے (**فقام ابوبکر فصلّی معه**)۔

③ جماعتِ ثانیہ میں فقہاء کے مذاہب مع الدلائل:۔ حنابلہ اور اہل ظواہر کے نزدیک جماعتِ ثانیہ جائز ہے، ان کی پہلی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔ دوسری دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے **جاء انس بن مالك الٰی مسجد قد صُلِّیَ فیه فَاَذَّنَ واقام وصلّٰی جماعة** (بخاری)۔ اس حدیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس جماعت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۰ افراد شریک تھے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک جس مسجد کے امام اور مؤذن مقرر ہوں اور اس میں ایک مرتبہ اہلِ محلّہ نماز پڑھ چکے ہوں وہاں تکرارِ جماعت مکروہ (تحریمی) ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر محراب سے ہٹ کر بغیر اذان و اقامت اور بغیر تداعی کے نماز ادا کرلی جائے تو جائز ہے لیکن مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اس طرح بھی جماعتِ ثانیہ کرنا درست نہیں، البتہ اگر

031 6557912 maktabazakariyamultan@gmail.com

کسی مسجد میں غیر اہلِ محلّہ نے آکر جماعت کرلی ہو تو اہلِ محلّہ کو دوبارہ جماعت کرنے کا حق ہے یا اگر بعض اہلِ محلّہ نے چپکے سے اذان کہہ کر نماز پڑھ لی ہو جسکی اطلاع دوسرے اہلِ محلّہ کو نہ ہوسکی تو اُن کیلئے تکرارِ جماعت جائز ہے یا اگر مسجدِ طریق ہو جس کے امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں بھی تکرارِ جماعت جائز ہے۔ ان صورتوں کے سوا کسی صورت میں بھی جمہور کے نزدیک تکرارِ جماعت جائز نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل: طبرانی کی معجم کبیر اور معجم اوسط میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ان رسول اللہ ﷺ اقبل من نواحی المدینة یرید الصلوٰة فوجد الناس قد صلّوا فمال الیٰ منزله فجمع اهله فصلّٰی بهم** ۔علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر جماعتِ ثانیہ جائز یا مستحب ہوتی تو آپ ﷺ مسجدِ نبوی کی فضیلت کو نہ چھوڑتے لہٰذا آپ ﷺ کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں تکرارِ جماعت کی کراہت پر واضح دلیل ہے۔

دوسری دلیل: **عن النبی ﷺ قال لقد هممت ان آمر فتیتی ان یجمعوا حزم الحطب ثم آمر بالصلوٰة فتقام ثم احرق علیٰ اقوام لا یشهدون الصلوٰة** (ترمذی)۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جماعت میں ہی حاضری ضروری ہے اگر تکرارِ جماعت جائز ہوتا تو پہلی جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے پاس دوسری جماعت کروانے کا عذر موجود تھا۔

تیسری دلیل: حدیثِ باب کے جزئی واقعہ کے علاوہ پورے ذخیرۂ احادیث میں مسجدِ نبوی کے اندر دوسری جماعت کا ذکر نہیں ملتا اور حقیقت یہ ہے کہ تکرارِ جماعت کی اجازت سے مسجد کی جماعت کا مطلوب یعنی وقار قائم نہیں رہتا چنانچہ تجربہ ہے کہ جہاں تکرارِ جماعت کا رواج ہو وہاں لوگ پہلی جماعت کی شرکت میں بہت سُست ہوجاتے ہیں کیونکہ مسجد میں ہر وقت جماعت ہوتی رہتی ہے۔

جمہور کی طرف سے حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ جماعت دو آدمیوں پر مشتمل تھی اور تداعی کے بغیر تھی اور تداعی کے بغیر تکرارِ جماعت ہمارے نزدیک بھی احیاناً جائز ہے۔ واقعۂ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ راستہ کی مسجد ہو اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ مسندِ ابویعلیٰ میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجدِ بنی ثعلبہ تھی اور اس نام کی کوئی مسجد مدینہ طیبہ میں معروف نہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راستہ کی مسجد تھی ورنہ مدینہ طیبہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا تذکرہ بھی کتابوں میں موجود ہے۔

نیز **عن انس ان اصحاب رسول اللہ ﷺ کانوا اذا فاتتهم الجماعة صلوا فی المسجد فرادیٰ** ، جماعتِ ثانیہ کی نفی پر بالکل صریح ہے۔(درسِ ترمذی ج۱ص۴۸۳)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ لیس علی المسلم فی فرسه ولا عبده صدقة. اذکر مذاهب العلماء فی زکاة الخیل و تفصیلها واکتب ادلتهم** ۔(ص۱۳۶۔ج۱۔قدیمی)

جواب..... گھوڑوں کی زکوٰۃ میں ائمہ رحمہم اللہ کے مذاہب مع الدلائل:۔ جو گھوڑے اپنی سواری کیلئے ہوں ان پر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں اور جو گھوڑے تجارت کیلئے ہوں ان پر باجماع زکوٰۃ ہے (جو قیمت کے اعتبار سے ادا کی جائے گی) البتہ جو گھوڑے تناسل کیلئے ہوں اور سائمہ (چرنے والے) ہوں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں، وہ حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں۔

نیز اُن کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مرفوع **قد عفوت عن صدقة الخیل والرقیق** سے بھی ہے۔(ترمذی)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔دلیل:① مسلم کی مشہور حدیث ہے **الخیل ثلاثة الخ** ۔ اس میں آپ ﷺ نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں، ایک وہ جو آدمی کے لئے وبال ہے، دوسری وہ جو آدمی کے لئے ڈھال ہے اور تیسری وہ جو آدمی کے لئے باعثِ اجر وثواب ہے۔دوسری قسم کی تشریح میں فرمایا کہ یہ وہ گھوڑے ہیں جن کو آدمی اللہ کے واسطے پالے، پھر ایسے گھوڑوں کے بارے میں دو حقوق کا ذکر ہے ایک حق گھوڑوں کی ظہور (پیٹھ) میں ہے کہ کسی شخص کو سواری کے لئے عاریۃً دے دیا جائے اور دوسرا حق رقاب میں ہے جو سوائے زکوٰۃ کے اور کیا ہوسکتا ہے۔② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں

گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی تھی اور ہر گھوڑے سے ایک دینار وصول کرتے تھے(طحاوی)② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ فی الخیل السائمة فی کل فرس دینار تؤدیه ۔(دارِقطنی)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر فرس سے سواری والے گھوڑے مراد ہیں اور ایسے گھوڑوں پر ہم بھی زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں۔اِسی قسم کی تفسیر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔(درسِ ترمذی ج۲ص۴۴۲)

الشق الثانی.....حدثنا شعبة عن الأعمش ومنصورسمعا أبا الضحی یحدث عن مسروق قال: جاء رجل الی عبداللّٰه فقال: ان قاصا یقص یقول: انه یخرج من الأرض الدخان فیأخذ بمسامع الکفار ویأخذ المؤمن کهیئة الزکام قال: فغضب وکان متکئا فجلس ثم قال: اذا سئل أحدکم عما یعلم فلیقل به ..... قال منصور: فیلخبر به ..... واذا سئل عما لا یعلم فلیقل: اللّٰه أعلم فان من علم الرجل اذا سئل عما لا یعلم أن یقول: اللّٰه أعلم فان اللّٰه تعالٰی قال لنبیه (قل ماأسالکم علیه من أجر وما أنا من المتکلفین) ان رسول اللّٰه ﷺ لما رأی قریشا استعصوا علیه قال: اللهم أعنی علیهم بسبع کسبع یوسف فأخذتهم سنة فأحصت کل شیئ حتی أکلوا الجلود والمیتة۔ وقال أحدهما : العظام قال: وجعل یخرج من الأرض کهیئة الدخان قال : فأتاه أبو سفیان قال: ان قومك قد هلکوا فادع اللّٰه لهم قال: فهذا لقوله(یوم تأتی السماء بدخان مبین یغشی الناس هذا عذاب الیم)۔ قال منصور: هذا لقوله (ربنا اکشف عنا العذاب انا مؤمنون) فهل یکشف عذاب الآخرة ؟ قال: مضی البطشة واللزام والدخان ۔ وقال أحدهما القمر: وقال الآخر الروم۔(ص۱۶۱۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحدیث ۔ اذکر أقوال العلماء فی تفسیر "الدخان" واذکر کیف أنکر ابن مسعود ما ذکره القاص وقد ثبت ذلك المعنی عن بعض الصحابة؟ اشرح کلًا من "البطشة" و "اللزام" و"الروم"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)دخان کی تفسیر میں علماء کے اقوال(۳)حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کی وجہ(۴) بطشه، لزام، روم کی تشریح۔

جواب.....① حدیث کا ترجمہ:۔ مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک واعظ بیان کررہا تھا کہ قیامت کے قریب زمین میں سے ایسا دھواں نکلے گا کہ اس سے کافروں کے کان بند ہوجائیں گے اور مؤمنوں کو زکام سا ہوجائے گا۔مسروق کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ غصے ہوگئے اور اُٹھ کر بیٹھ گئے (پہلے تکیہ لگائے بیٹھے تھے)اور فرمایا:اگر کسی سے ایسی بات پوچھی جائے جس کا اسکے پاس علم ہو تو بیان کرے یا فرمادیا بتادے اور اگر نہ جانتا ہوں تو کہہ دے کہ اللہ جانتا ہے۔یہ بھی انسان کا علم ہے کہ جو چیز نہیں جانتا اسکے بارے میں کہے کہ "اللہ اعلم" اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ کہہ دیجئے میں تم لوگوں سے اجرت نہیں مانگتا اور میں اپنے پاس سے بات بنانے والا نہیں ہوں۔اس دھوئیں کی حقیقت یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ قریش نافرمانی پر تل چکے ہیں تو دعا کی کہ یا اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے کی طرح سات سال کا قحط نازل فرما۔چنانچہ قحط آیا اور سب چیزیں ختم ہوگئیں۔یہاں تک کہ لوگ کھالیں اور مردار کھانے لگے۔اعمش یا منصور کہتے ہیں کہ ہڈیاں بھی کھانے لگے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر زمین سے ایک دھواں نکلنے لگا۔راوی کہتے ہیں کہ پھر ابوسفیان نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ آپ ﷺ کی قوم ہلاک ہوگئی ہے یَوْمَ یَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ (سو اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان دھواں ظاہر لائے،جو لوگوں کو ڈھانپ لے۔ یہی دردناک عذاب ہے:الدخان آیت۱۰۔۱۱) منصور کہتے ہیں یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ لوگ دعا کرینگے رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ الخ یہ (اے ہمارے رب!ہم سے یہ عذاب دور کردے، بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں(الدخان آیت۱۲) کیونکہ قیامت کا عذاب تو دور نہیں کیا جائے گا(یعنی یہ آیت بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید کرتی ہے)عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بطشہ لزام اور دخان کے عذاب گزر چکے ہیں ۔اعمش یا منصور کہتے ہیں کہ چاند کا پھٹنا بھی گزر گیا اور پھر ان دونوں میں سے ایک یہ بھی کہتے ہیں کہ روم کا غالب ہونا بھی گزر گیا۔

03132257913 maktabahzakariyamultan@gmail.com

② **دخـــان کی تفسیر میں علماء کے اقوال:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **دخـــان** سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے محسوس ہوتا تھا۔ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ **دخـان** سے مراد وہ دھواں ہے جو قربِ قیامت اٹھے گا اور تمام لوگوں پر چھا جائے گا اور منافقین اس کے اثر سے بیہوش ہو جائیں گے۔ (کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۴۸۵)

③ **حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کی وجہ:۔** حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس تفسیر و مصداق کا انکار اس لئے کیا کہ شاید ان کو اس مصداق کے متعلق احادیث نہ پہنچی ہوں اور ان کو اس کا علم نہ ہو۔

④ **بطشه، لزام، روم کی تشریح:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **بطشه و لزام** سے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کا قتل اور ان کا قید و گرفتار ہونا مراد ہے۔ دیگر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ **بطشه** اور **لزام** سے قیامت کے دن کفار کو پکڑ کر جہنم میں ڈالنا اور ان کا ہلاک ہونا مراد ہے۔ **روم** سے مراد اہلِ روم پر غلبہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہلِ فارس کے ذریعہ پورا ہو گیا اور اس کا ذکر غُلِبَتِ الرُّوْمُ میں موجود ہے۔ (کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۴۸۵)

﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذیؒ﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل .....**عن أنس بن مالك قال: كان النبى ﷺ إذا دخل الخلاء قال: اللهم إنى أعوذ بك. قال شعبة: وقد قال مرة أخرى: أعوذبك من الخبث والخبيث أو الخبث والخبائث. قال أبو عيسى حديث أنس أصح شيء فى هذا الباب وأحسن. وحديث زيد بن أرقم فى إسناده اضطراب روى هشام الدستوائى وسعيد بن أبى عروبة عن قتادة فقال سعيد: عن القاسم بن عوف الشيبانى عن زيد بن أرقم ورواه شعبة ومعمر عن قتادة عن النصر بن أنس، عن أبيه عن النبى ﷺ قال أبو عيسى: سألت محمدا عن هذا فقال: يحتمل أن يكون قتادة روى عنهما جميعا.** (ص ۷۔ ج ۱۔ قدیمی)

حقق مصداق كل من الخبث والخبائث. ماهو الاضطراب اصطلاحا؟ وما هو حكمه؟ اشرح الاضطراب الذى ذكره الترمذى ههنا، واذكر كيف رفع البخارى هذا الاضطراب؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ''خبث وخبائث'' کا مصداق (۲) اضطراب کا معنی وحکم (۳) اضطراب ورفعِ اضطراب کی وضاحت۔

جواب ..... ① **''خبث وخبائث'' کا مصداق:۔** ''خبائث'' کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ خبیثہ کی جمع ہے اور اس سے مراد مونث شیاطین ہیں البتہ ''خبث'' کے بارے میں اختلاف ہے علامہ خطابی رحمہ اللہ اصلاح خطاء المحدثین میں فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث لفظِ ''خبث'' کو بسکون الباء روایت کرتے ہیں اور علامہ ابوعبید رحمہ اللہ نے بھی اس لفظ کو اسی طرح نقل کیا ہے حالانکہ درحقیقت یہ لفظ باء کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی خُبُث جو کہ خبیث کی جمع ہے اور ''خُبث'' بسکون الباء تو مصدر ہے بہرحال خبث اور خبائث سے شیاطین مراد ہیں خبث سے ذکور اور خبائث سے اناث، اور دخولِ بیت الخلاء کے وقت شیاطین سے استعاذہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور اس جیسے دوسرے گندگی کے مقامات شیاطین کے مراکز ہوتے ہیں اور قضاءِ حاجت کے وقت شیاطین انسانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کشفِ عورت کے وقت شیاطین انسانوں سے کھیلتے ہیں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات اسی طرح واقع ہوئی کہ وہ قضاءِ حاجت کیلئے گئے پھر بعد میں وہیں مردہ پائے گئے اس وقت ایک پُراسرار آواز سنی گئی جیسے کوئی یہ شعر پڑھ رہا ہو۔

قتلنا سيد الزرج سعد بن عبادة رميناه بسهمين فلم نخط فؤاده

معلوم ہوا کہ یہ ایک جنی کی آواز تھی جس نے حضرت سعد کو قتل کیا تھا۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۱۷۲)

② **اضطراب کا معنی وحکم:۔** اضطراب کے لفظی معنی حرکت کے ہیں پھر یہ لفظ اختلاف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اصولِ

0313 6557913 maktabahzakariyamultan@gmail.com

حدیث کی اصطلاح میں اضطراب کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی روایت میں راویوں کا اختلاف واقع ہوجائے اور یہ چیز حدیث کو ضعیف بنادیتی ہے اگر راویوں کا اختلاف سند میں ہوتو اضطراب فی الاسناد کہلاتا ہے اور اگر اضطراب متن میں ہوتو اضطراب فی المتن کہلاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اضطراب کو رفع کیا جاسکتا ہوتو رفع ہونے کے بعد حدیثِ مضطرب صحیح ہوجاتی ہے اور اگر اضطراب رفع نہ ہوسکے تو وہ حدیث ضعیف اور نا قابلِ استدلال ہوتی ہے پھر اضطراب کو رفع کرنے کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ روایتوں میں تطبیق دی جائے اور دوسرا یہ کہ کسی ایک روایت کو صحیح یا راجح قرار دیکر باقی روایتوں کو غلط یا مرجوح قرار دیدیا جائے۔(ایضاً)

③ اضطراب ورفعِ اضطراب کی وضاحت:۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی جس روایت کی طرف وفی الباب میں اشارہ فرمایا ہے اور اس کا اضطراب ذکر کیا ہے وہ ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں **ان ھذا الحشوش محتضرة فاذا اتی احدکم الخلاء فلیقل اعوذباللّٰہ من الخبث والخبائث** (ابوداؤد) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جس اضطرابِ سند کا ذکر کیا ہے اسے سمجھنے کیلئے یہ پہلے ذہن نشین کرلیجئے کہ حضرت قتادۃ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے مدار الاسناد ہیں ان سے انکے چار شاگردوں نے یہ حدیث روایت کی ہے اور چاروں کے طریق روایت میں اختلاف ہے وہ چار طریق یہ ہیں۔① **ھشام الدستوائی عن قتادة عن زید بن ارقم** ②**سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن القاسم بن عوف الشیبا نی عن زید بن ارقم** ③**شعبة عن قتادة عن النضربن انس عن زید بن ارقم**④**معمر عن قتادة عن النضربن انس عن ابیه انس۔**

اس طرح اس روایت کی سند میں تین اضطرابات پائے جاتے ہیں۔ پہلا اضطراب: یہ ہے کہ قتادۃ اور صحابی کے درمیان کوئی واسطہ ہے یا نہیں ہشام کی روایت میں کوئی واسطہ نہیں باقی تینوں کی روایت میں واسطہ موجود ہے۔

دوسرا اضطراب: اس میں یہ ہے کہ اگر قتادہ اور صحابی کے درمیان کوئی واسطہ ہے تو وہ کونسا ہے سعید بن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں وہ واسطہ قاسم بن عوف الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور شعبہ اور معمر رحمۃ اللہ علیہما کی روایت میں واسطہ نضر بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

تیسرا اضطراب :اس میں یہ ہے کہ صحابی کون ہیں معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں اور باقی تینوں کی روایت میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہیں یہ کل تین اضطراب ہوئے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ان اضطرابات کے بارے میں سوال کیا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **یحتمل ان یکون قتادة روٰی عنهما جمیعا** یہ تو ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول کے ذریعہ اس اضطراب کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے کون کون سا اضطراب کس طرح رفع ہوا اس کی تشریح میں شراح حیران رہے ہیں اس تشریح کا مدار اس بات پر ہے کہ عنہما کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

محشی نے اس ضمیر کا مرجع حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور نضر بن انس رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے تینوں اضطراب رفع ہوجائیں اور وہ اس طرح کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایات کو صحیح قرار دیا ہے اور ان میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہو خواہ بلاواسطہ **کما فی روایة ھشام** یا بالواسطہ **کما فی روایت سعید وشعبه** اور حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہو خواہ **عن زید بن ارقم کما فی روایة شعبه یاعن ابیه انس کما فی روایة معمر۔**

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی توجیہ کی جانب ہے اس توجیہ کے مطابق چاروں روایات صحیح ہوجاتی ہیں اور تینوں اضطرابات میں تطبیق پیدا ہوجاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دوسری توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ عنہما کی ضمیر کا مرجع قاسم بن عوف اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہیں اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے اس قول کے ذریعے صرف پہلے اضطراب کو رفع کیا ہے جو ہشام اور سعید کے درمیان واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت براہِ راست حضرت زید رضی اللہ عنہ سے سنی جسے ہشام کے سامنے بیان کردیا اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہی روایت قاسم بن عوف کے واسطہ سے بھی سنی جسے سعید

(313) 635-7013 maktabazakariyamilan@gmail.com

کے سامنے بیان کردیا باقی دوسرے اور تیسرے اضطراب کا جواب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں دیا کیونکہ اسکی تطبیق انہیں مستحضر نہیں تھی۔

تیسری توجیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور وہ یہ کہ عنہما کی ضمیر کا مرجع قاسم بن عوف اور نضر بن انس رضی اللہ عنہم ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول کے ذریعے صرف اس دوسرے اختلاف میں تطبیق پیدا کی ہے جو سعید اور شعبہ کے درمیان واقع ہوا یعنی قتادہ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کے درمیان واسطہ کون ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ایک مرتبہ قاسم بن عوف رضی اللہ عنہ سے سنی ہو جسے سعید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور ایک مرتبہ نضر بن انس رضی اللہ عنہ سے سنی ہو جسے شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

رہا پہلا اختلاف سو اس میں تطبیق پیدا کرنے کی ضرورت اسلئے نہیں تھی کہ اس میں ہشام کی روایت غلط ہے کیونکہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور سے ثابت نہیں **کماصرح به الحاکم فی معرفة علوم الحدیث** اور جب سماع ثابت نہیں تو بلا واسطہ روایت کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا، تیسرے اضطراب میں معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت غلط ہے اور ان سے وہم ہوا ہے چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً لکھا ہے کہ **حدیث معمر عن النضر بن انس فی هذا وهم** جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہشام اور معمر رحمۃ اللہ علیہما کی روایتیں غلط ہیں تو پہلا اور تیسرا اضطراب خود بخود ختم ہوگیا اسلئے کہ ایک شق کو ترجیح ہو جائے تو اضطراب باقی نہیں رہتا اب صرف دوسرا اضطراب باقی رہ گیا تھا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دور کردیا۔ صحیح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**عن أنس أن أناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم رسول الله ﷺ فی إبل الصدقة وقال: اشربوا من ألبانها وأبوالها فقتلوا راعی رسول الله ﷺ واستاقوا الإبل وارتدوا عن الاسلام. فأتی بهم النبی ﷺ فقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف، وسمر أعينهم، وألقاهم بالحرة. قال أنس: فكنت أرى أحدهم يكد الأرض بفيه حتى ماتوا وربما قال حماد: يكدم الأرض بفيه حتى ماتوا.**

اشرح كلمة "فاجتووها" و "سمر" و "يكدم". ماهو حكم بول ما يؤكل لحمه، هل هو طاهر أم نجس؟ اذكر اختلاف العلماء وأدلتهم مع الإجابة عن حديث الباب عند من لا يقول به. (ص۲۱۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) **فاجتووها، سمر، یکدم** کی تحقیق (۲) ماکول اللحم جانوروں کے بول کے پاک ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) حدیث الباب کا جواب۔

جواب..... ① **فاجتووها، سمر، یکدم کی تحقیق:۔** **اجتووا** کے لغوی معنی مرضِ جواء میں مبتلا ہو جانا ہے اور مرضِ جواء پیٹ کی ایک بیماری ہے جس میں پیٹ پھول جاتا ہے اور پیاس بہت لگتی ہے، اس مرض کو عموماً استسقاء کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے **اجتووا** کے معنی آب وہوا کو ناموافق پانا کئے ہیں یعنی ان لوگوں نے مدینہ طیبہ کی آب وہوا کو اپنی صحت کیلئے ناموافق پایا، یہ دوسرے معنی زیادہ راجح ہیں کیونکہ بعض روایات میں **اجتووا** کی جگہ **استوخموا المدينة** کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور استیخام دوسرے معنی کیلئے متعین ہے۔

سمر کے معنی ہیں گرم سلاخوں سے داغنا، یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مثلہ ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے، جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ تحریم مثلہ سے پہلے کا ہے اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ انہوں نے اہلِ صدقہ کے راعی کو جو بعض روایات کے مطابق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اسی طرح قتل کیا تھا، اس لئے قصاصاً ایسا کیا گیا۔

یکدم کا معنی کاٹنا ہے اور بعض روایات میں **یکد** ہے جس کا معنی رگڑنا ہے۔ بعض روایات میں ان کے اس عمل کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ پیاسے تھے اور انہیں پانی نہیں دیا گیا تھا اگر یہ بات صحیح ہو تو یہ انہی کی خصوصیت ہوگی ورنہ حکم یہ ہے کہ کوئی مجرم خواہ کتنی ہی شدید سزا کا مستحق ہو اگر پانی مانگے تو اُسے پانی دیا جائے گا۔ (درسِ ترمذی ج۱ص۲۸۹ تا ۲۹۳)

② و ③ **ماکول اللحم جانوروں کے بول کے پاک ہونے میں اختلاف مع الدلائل، حدیث الباب کا جواب:۔** ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اتفاق ہے کہ غیر ماکول اللحم کا بول وبراز نجس ہے۔اہل ظاہر کے ہاں پاک ہے۔

امام ابوحنیفہ،امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے ہاں ماکول اللحم کا بول وبراز ناپاک ہے۔امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول بھی یہی ہے۔

امام مالک،امام احمد اور امام محمد رحمہم اللہ کے ہاں پاک ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ کا مختار قول بھی یہی ہے۔

جمہور کے دلائل:① **قولہ تعالیٰ ویحرم علیھم الخبائث** خبائث وہ چیزیں ہیں جن سے عرب کی طبائع سلیمہ نفرت کرتی ہیں،ان سے بھی سلیم طبیعت نفرت کرتی ہے،لہٰذا یہ حرام ہیں اور حرمت نجاست کی دلیل ہے،جبکہ حرمت کی بنیاد تعظیم نہ ہو ② **عن ابی ھریرۃ مرفوعًا استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ** (ابن ماجہ،دار قطنی ومستدرک حاکم) یہ صحیح حدیث ہر قسم کے ابوال کو شامل ہے ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں **والتمسک بعموم حدیث ابی ھریرۃ الذی صححہ ابن خزیمۃ وغیرہ اولی لانہ ظاھر فی تناول جمیع الابوال فیجب اجتنابھا لھذا الوعید** ③ **عن ابی امامۃ مرفوعا اتقوا البول فانہ اول ما یحاسب بہ العبد فی القبر** ④ **عن ابن عباس مرفوعا ان عامۃ عذاب القبر من البول فتنزھوا منہ** ⑤ **عن انس مرفوعا تنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ** ⑥ **عن عمار مرفوعا انما یغسل الثوب من خمس من البول والغائط والمنی والدم والقیٔ۔**

یہ تمام حدیثیں عام ہیں بولِ ماکول اللحم کو بھی شامل ہیں۔

⑦ حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے **ان النبی ﷺ مر علی قبرین فقال انھما یعذبان ومایعذبان فی کبیر اما ھذا فکان لایستترمن بولہ،** گو یہ حدیث بول انسانی کے بارے میں ہے تاہم باقی ابوال اسکے ساتھ ملحق ہیں۔

امام مالک،امام احمد وامام محمد رحمہم اللہ کے دلائل:① **عن انس قال ﷺ اشربوا من البانھا وابوالھا۔**

پہلا جواب: یہ ہے کہ ضرورت کیلئے علاج پر محمول ہے اور **الا ما اضطررتم الیہ** کے تحت داخل ہے۔غالباً آپ ﷺ کو وحی سے اُن کی شفاء کا علم ہوا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے **ان فی ابوال الابل شفاء لذروۃ بطونھم۔**

دوسرا جواب: مذکورہ احادیث سے منسوخ ہے۔ تیسرا جواب: محرم مبیح سے راجح ہے۔

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **مااکل لحمہ فلا باس ببولہ۔**

③ **عن البراء مرفوعا لاباس ببول مااکل لحمہ۔**

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں سنداً انتہائی ضعیف ہیں۔(المسائل والدلائل ص۱۵۶)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل.....**عن عائشۃ قالت: أفتل قلائد ھدی رسول اللّٰہ ﷺ کلھا غنما ثم لا یحرم۔**(ص۱۸۱۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف ۔ اشرح الحدیث المبارک واذکر اختلاف العلماء مع أدلتھم فی حکم تقلید الغنم۔ واکتب لمن یشھد ھذا الحدیث؟ وما ھو الجواب عند من لا یقول بہ۔ واشرح أیضا قولہ: ثم "لا یحرم"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور مطلوب ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)حدیث کی تشریح(۳)تقلیدِ غنم کے حکم میں اختلاف(۴)ائمہ کے دلائل(۵)مستدلین کی تعیین وجواب(۶)**ثم لا یحرم** کی تشریح۔

جواب.....① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی تمام بکریوں کے لئے ہار بٹا کرتی تھی پھر آپ ﷺ محرم نہیں ہوتے تھے۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی طرف سے ۹ھ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربانی کے لئے جو بکریاں مکہ مکرمہ بھیجی گئی تھیں میں ان کے لئے ہار بٹا کرتی تھی یعنی وہ ہار ان کو پہنائے گئے اور آپ ﷺ اس موقع پر مدینہ طیبہ میں حلال ہی رہے آپ ﷺ نے احرام نہیں باندھا تھا۔

03130355913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ تقلیدِ غنم کے حکم میں اختلاف:۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اونٹوں کی طرح بکریوں میں تقلید مشروع ہے لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تقلید ابل وبقر کے ساتھ مخصوص ہے اور غنم میں مشروع نہیں ہیں۔

④ ائمہ کے دلائل:۔ حنفیہ ومالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ تقلیدِ غنم آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور جو چیز آپ ﷺ سے ثابت نہیں وہ مشروع بھی نہیں ہے۔ شافعیہ وحنابلہ کا استدلال حدیثِ باب سے ہے جس میں غنم کے لئے ہار بٹنے کا ذکر ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کی طرف سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس روایت میں غنم کا ذکر اسود بن یزید رحمہ اللہ کا تفرد ہے اس لئے کہ اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے متعدد حضرات تابعین ہیں، عروہ بن زبیر، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، قاسم ابوقلابہ، مسروق اور اسود رحمہم اللہ۔ ان تمام حضرات میں سے صرف اسود ہی غنم کا ذکر کرتے ہیں اور کسی بھی روایت میں غنم کا ذکر نہیں بلکہ **کنت افتل قلائد هدی رسول الله** ﷺ یا اس جیسے الفاظ مروی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ سے حج میں بکریاں لے جانا ثابت نہیں بلکہ اونٹ لے جانا ثابت ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے عدمِ تقلیدِ غنم کی دلیل یہ ذکر کی ہے **لانها تضعف عن التقليد** یعنی بکری ایک کمزور جانور ہے وہ قلادہ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

دوسرا جواب: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ قلادے بکریوں کے لئے تیار ہورہے تھے تب بھی اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ تقلید سے مراد تقلیدِ نعلین ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نعلین کے بغیر محض اون کے قلادے ڈالنا ہی پیش نظر تھا اور عندالحنفیہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (درسِ ترمذی ج۳ ص۱۷۴)

⑤ مستدلین کی تعیین وجواب:۔ حدیث الباب شافعیہ وحنابلہ کی دلیل ہے۔ **تفصيله وجوابه كما مرّ آنفا۔**

⑥ **ثم لا يحرم** کی تشریح:۔ حدیثِ باب کے یہ الفاظ اس پر دال ہیں کہ صرف تقلیدِ غنم سے آدمی محرم نہیں ہوتا چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ صرف تقلیدِ ہدی سے آدمی محرم نہیں ہوتا جب تک کہ تلبیہ نہ کہہ لے یا سوقِ ہدی نہ کرلے، اسی طرح ہدی کو بھیجنے سے محرم نہیں ہوتا پھر سوق کی صورت میں اگرچہ تلبیہ نہ پڑھے محرم ہوجاتا ہے اسلئے کہ ہدی کا سوق تلبیہ پڑھنے کے درجہ میں ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا توضا العبد المسلم او المؤمن فغسل وجهه خرجت من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينيه مع الماء او مع آخر قطر الماء او نحو هٰذا واذا غسل يديه خرجت من يديه كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء او مع اٰخر قطر الماء حتى يخرج نقيا من الذنوب قال ابو عيسٰى هٰذا حديث حسن صحيح** ۔(ص۴۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث الشريف و عرّف الحديث الحسن والصحيح ، قد اشكل على المحدثين قول الامام الترمذى هٰذا حديث حسن صحيح حيث جمع الحسن والصحيح على الحكم فى حديث واحد مع ان الحديث الحسن يتقاصر عن درجة الصحيح فكيف يتحدان فى الحكم ، انت تعرف ان النبى عليه السلام نهٰى عن التكنى بابى عيسٰى فكيف كنى الامام الترمذى نفسه بابى عيسٰى .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث حسن وصحیح کی تعریف (۳) امام ترمذی رحمہ اللہ کے ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہنے کی توجیہ (۴) امام ترمذی رحمہ اللہ کے اپنی کنیت ابوعیسٰی رکھنے کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مسلمان یا مؤمن آدمی وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے تمام خطائیں جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتی ہیں یا اس کی مثل، اور جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے وہ تمام خطائیں جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا ہوتا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ بھی نکل جاتی ہیں، یہاں تک وہ گناہوں سے پاک صاف ہوکر نکلتا ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حدیث حسن وصحیح کی تعریف:۔ حدیث صحیح وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل وکامل الضبط ہوں، سند متصل ہو اور وہ حدیث معلل وشاذ ہونے سے بھی محفوظ ہو اور حسن وہ حدیث ہے جس میں راوی کا ضبط ناقص ہو باقی تمام شرائط صحیح والی ہیں۔

③ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہنے کی توجیہ:۔ سوال ہوتا ہے کہ امام ترمذی کا ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہنا کیسے درست ہے حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہاں کلمہ واؤ (برائے جمع) محذوف ہے اور امام ترمذی کا منشاء یہ ہے کہ یہ حدیث ایک طریق سے حسن ہے اور دوسرے طریق سے صحیح ہے اور یہ اس وقت ہے جب ایک حدیث کے متعدد طرق ہوں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کی تعریف میں جمہور رحمہم اللہ سے الگ ایک مستقل اصطلاح قائم کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حسن کی تعریف یہ ہے کہ جس کی سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جو متہم بالکذب ہو اور اس سند میں شذوذ نہ ہو، جمہور رحمہم اللہ کی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حافظے کے نقصان کو حسن کے لئے شرط قرار نہیں دیتے، لہٰذا اس تعریف کی رو سے حسن اور صحیح میں عام خاص کی نسبت ہے، نہ کہ تباین کی، حسن عام ہے اور صحیح خاص ہے لہٰذا جس روایت پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ حسن کی تعریف صادق آرہی ہو اگر وہ ساتھ ہی تام الضبط افراد سے مروی ہو اور اس میں کوئی علت بھی نہ ہو تو وہ صحیح بھی ہوگی اور اگر راوی تام الضبط نہ ہو یا اس کی روایت میں کوئی علت پائی جائے وہ صرف حسن ہوگی صحیح نہیں ہوگی۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۱۶۵)

④ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھنے کی وضاحت:۔ ابوعیسیٰ کنیت رکھنے میں فی نفسہٖ کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ صحیح المعنی لفظ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کیلئے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعیسیٰ رکھی مگر چونکہ اس سے یہ وہم اور شبہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی قدرت کا مظہر اور نمونہ بنا کر بغیر والد کے پیدا فرمایا تھا، اس وھم اور شبہ کی وجہ سے ابوعیسیٰ کنیت رکھنا مناسب نہیں ہے۔ نیز ممکن ہے کہ امام ترمذی کا مذہب یہ ہو کہ یہ کنیت رکھنا ابتداءِ اسلام میں فسادِ عقیدہ سے بچنے کے لئے ممنوع تھا، پھر اسلامی عقائد کے راسخ ہو جانے کے بعد یہ ممانعت بھی ختم ہوگئی اور یہ جواز کا حکم حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی) سے معلوم ہوا ہے۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۳)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل.....عن الحسن عن سمرة: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة. (ص ۲۳۳۔ ج ۱۔ قدیمی)

اذكر العلل فی الأشياء الربوية عن الأئمة. ما هو حكم بيع الحيوان بالحيوان نسيئة وتفاضلا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) اشیاءِ ربویہ میں ربوا کی علت (۲) بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً وتفاضلاً کا حکم۔

جواب..... ① اشیاءِ ربویہ میں ربوا کی علت:۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث **الذهب بالذهب والفضة بالفضة الخ** جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے یہ معلّل بالعلت ہے، ربا کا حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جائے صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، انکے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں۔

سونے اور چاندی کی علت: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت ثمنیت ہے یعنی ایسی چیز ہونا جس کو اللہ تعالیٰ نے معاملات میں ثمن (وسیلہ) بننے کیلئے پیدا کیا ہے، ایسی چیزیں دو ہی ہیں سونا اور چاندی۔ پس یہ علت ان دو کے ساتھ خاص ہوگی اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے اور چاندی کے حکم میں ہے مثلاً زعفران، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ بلکہ اب تو ہزاروں چیزیں موزونی ہیں پس یہ سب ربوی اشیاء ہیں۔

باقی چار چیزوں میں علت: احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا علت ہے پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہے وہ ربوی ہے خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم جیسے چاول، چنا، مکئی، برسین کے بیج وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں) ربوی چیزیں نہیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamuzaffar@gmail.com

پس احناف اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ چھ چیزوں میں ربا کی علت وزن وکیل ہیں اور ان دونوں کے لئے مشترک لفظ ''قدر'' ہے، پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں عوض قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کا تحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار۔ بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیئہ کا تحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار نا جائز جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت طُعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے اور طُعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں ① مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، گیہوں اور جَو اس کی مثالیں ہیں اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ اسکے ساتھ ملحق ہیں ② فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے اور کشمش، انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں ③ مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں، نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک صرف ربا النسیئہ کیلئے طعام میں علت مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، ادھار بیچنا سود ہے البتہ ان میں ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، پس کمی بیشی جائز ہے۔

اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کے تحقق کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ① طعام کا مُقتات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گزر بسر کرتے ہوں ② طعام کا ادخار کے قابل ہونا یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائینگی وہاں دونوں ربا متحقق ہوں گے، پس نہ کم وبیش فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔ (تحفۃ الالمعی ج۴ص۱۵۰)

② بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً وتفاضلاً کا حکم:۔ بیع الحیوان بالحیوان تفاضلا بالاتفاق جائز ہے۔

البتہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ میں اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ جائز نہیں ہے کیونکہ حرمتِ ربوا کی علت ہمارے نزدیک قدر مع الجنس ہے، جہاں پر دونوں علت موجود ہوں وہاں پر کمی زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور جہاں ان میں سے کوئی ایک علت پائی جائے وہاں کمی زیادتی جائز ہے۔ البتہ ادھار پھر بھی حرام ہے لہٰذا بیع الحیوان بالحیوان میں ربوا کی علت ہم جنس ہونا تو پائی جارہی ہے۔ مگر قدر والی علت نہیں پائی جارہی کیونکہ حیوان نہ کیلی ہے اور نہ وزنی ہے بلکہ عددی ہے لہٰذا اس میں ادھار حرام ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اتحادِ جنس کے وقت ادھار حرام نہیں ہے پس ان کے نزدیک بیع الحیوان بالحیوان تفاضلا ونسیئۃ دونوں طرح جائز ہے۔ احناف کی پہلی دلیل: یہ حدیثِ سمرہ رضی اللہ عنہ ہے **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ** کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانور کے بدلہ میں دوسرے جانور کی ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

دوسری دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے **الحیوان اثنین بواحدۃ لایصلح نسأولا باس یدا بید** کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو جانور کو ایک جانور کے بدلہ میں ادھار بیچنا درست نہیں ہے البتہ نقد بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک غزوہ کے موقع پر اونٹوں کی ضرورت پیش آئی اور اونٹ نہیں مل رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر لوگوں سے اونٹ وصول کرو **فکنت آخذ البعیر بالبعیرین الٰی اجل** کہ میں ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں ادھار لیتا تھا، یہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا، معلوم ہوا کہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ بھی جائز ہے۔

احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ربوا کی حرمت کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حرمتِ ربوا سے پہلے کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری دلیل:

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ گھوڑے کے بدلہ میں اپنے گھوڑے کی بیع کی اور فرمایا کہ میں اپنا گھوڑا

تمہیں ربذہ مقام پر دوں گا، چنانچہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑا نہ دیا یہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئہ ہے، معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ بیع بالنسیئہ تو ناجائز ہے، لیکن **بیع الغائب بالناجز** جائز ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ **بیع بالنسیئہ** میں ایک اجل مقرر ہوتی ہے اور وہ ''اجل'' عقد کے اندر شرط ہوتی ہے کہ جب تک وہ اجل نہیں آئے گی اس وقت تک مشتری کو مبیع کے مطالبے کا حق نہیں ہوگا اور **بیع الغائب بالناجز** کے اندر صلب عقد میں اجل کی ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی بلکہ بیع کے مکمل ہوتے ہی مشتری کو مبیع کے مطالبے کا حق حاصل ہو جائیگا اور جب بھی وہ مشتری مطالبہ کرے گا، بائع کے ذمے یہ حق ہوگا کہ وہ مبیع مشتری کے حوالے کر دے۔ لیکن بائع یہ کہتا ہے کہ بیع تو مکمل ہوگئی لیکن میرا گھوڑا فلاں جگہ رکھا ہے وہاں جا کر میں دے دونگا۔ یہ **بیع الغائب بالناجز** ہے۔ یہ بیع بالنسیئہ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں صلب عقد کے اندر کوئی اجل مشروط نہیں، بلکہ عقد ہوتے ہی مشتری کو مطالبے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ جائز ہے جیسے مثلاً آپ بازار میں کسی دکاندار کے پاس کوئی چیز خریدنے گئے وہ دکاندار تمہارا جاننے والا تھا، آپ نے اس سے سودا خریدا جب پیسے دینے کے لئے ہاتھ جیب میں ڈالا تو معلوم ہوا کہ جیب میں پیسے نہیں ہیں۔ اب دکاندار آپ سے کہتا ہے کہ آپ سودا لے جائیں پیسے بعد میں آجائیں گے یا بعد میں دے جانا۔ یہ کونسی بیع ہے؟ اگر اس کو ''بیع بالنسیئہ'' کہا جائے تو یہ بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ پیسے بعد میں دینے کی کوئی اجل مقرر اور متعین نہیں ہوئی اور بیع بالنسیئہ میں اجل کا مقرر اور متعین نہ ہونا بیع کو فاسد کر دیتا ہے لیکن یہ بیع درست ہے۔ اس لئے کہ بیع کے اندر صلب عقد میں اجل کی شرط نہیں بلکہ بیع حال ہے اور بائع کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ زبردستی مشتری سے پیسے وصول کر لے لیکن بائع نے تسامح سے کام لیتے ہوئے اپنا یہ حق چھوڑ دیا اور مشتری سے یہ کہا کہ پیسے بعد میں دے جانا یہ **بیع الغائب بالناجز** ہے۔ اسی طرح حیوان کی بیع حیوان سے ہو رہی ہو تو **بیع الغائب بالناجز** جائز ہے اور بیع بالنسیئہ جائز نہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واقعے میں **بیع الغائب بالناجز** ہے بیع بالنسیئہ نہیں ہے اس لئے اس واقعے سے استدلال درست نہیں۔ (تقریر ترمذی ج۱ ص۱۲۸)

الشق الثانی.....**عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی رجل ذکر۔**

ترجم الحدیث المبارک بالاردیة ۔ اشرح الحدیث بکل تفصیل واذکر هل العصبة یطلق علی الذکر فقط ام یطلق علی الانثی ایضا واذکر فائدة قید الرجل بالذکر۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) مذکر و مؤنث پر عصبہ کے اطلاق و مصداق کی وضاحت (۴) مذکر کی قید کا فائدہ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مقررہ حصوں کو ذوی الفروض کے ساتھ ملاؤ، پھر جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں سے پہلے ذوی الفروض کو ان کا شریعت کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ادا کرو پھر جو مال بچ جائے وہ قریب ترین مذکر کو دے دو۔ اس میں **الاقرب فالاقرب** کی ترتیب ہوتی ہے۔ پس سب سے اقرب اس کا اپنا جزء یعنی بیٹا و پوتا ہوتا ہے، دوسرے درجہ میں اصل یعنی باپ دادا اقرب ہوتے ہیں پھر تیسرے درجہ میں باپ کا جزء یعنی بھائی و بھتیجا اقرب ہوتے ہیں، پھر چوتھے درجہ میں دادا کا جزء یعنی چچا و چچازاد عصبہ ہوتے ہیں اور اس میں اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج۵ ص۴۳۶)

③ مذکر و مؤنث پر عصبہ کے اطلاق و مصداق کی وضاحت:۔ عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں: ① عصبہ بنفسہ: ہر وہ مذکر رشتہ دار ہے جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ آئے یہ چار ہیں۔ جزء میت، اصلِ میت، اصلِ قریب یعنی باپ کا جزء اور اصل بعید یعنی دادا کا جزء ② عصبہ لغیرہ: وہ عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ ملکر انکی وجہ سے عصبہ بنتی ہیں یعنی بیٹی، پوتی، حقیقی و علاتی بہنیں ③ عصبہ مع غیرہ: وہ عورتیں ہیں جو مؤنث فروع کیساتھ عصبہ بنتی ہیں اور وہ دو ہیں: حقیقی اور علاتی بہنیں (تحفۃ الالمعی ج۵ ص۴۳۵)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عصبہ کا مصداق مذکر ومؤنث دونوں ہیں یعنی دونوں عصبہ بنتے ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ مذکر بذاتہ عصبہ ہے مگر عورتیں بذاتہ عصبہ نہیں ہیں بلکہ عورت یا غیر کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے یا غیر کے ساتھ ملکر عصبہ بنتی ہے اور اس باب میں صرف عصبہ بنفسہٖ کا ذکر ہے۔

④ مذکر کی قید کا فائدہ:۔ چونکہ یہ باب صرف عصبہ بنفسہٖ کے ذکر کیلئے ہے اور عصبہ بنفسہٖ صرف مرد ہوتا ہے اسلئے اس حدیث میں رجل کی قید احترازی ہے، عورت سے احتراز مقصود ہے اور مذکر کی قید صفت کاشفہ ہے یعنی اسکی وضاحت کیلئے ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

''مذکر'' کا لفظ رجل کی تاکید کیلئے ہے۔ ''مذکر'' کی قید احترازی ہے، خنثیٰ کو خارج کرنا مقصود ہے۔ (دروسِ ترمذی)

﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذیؒ﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**عن اسامة بن زيد ان رسول الله ﷺ قال لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم. عن جابر عن النبی ﷺ قال لايتوارث اهل ملتين ۔** (ص۳۱۔ج۲۔قدیمی)

اشرح الحديث الاول واذكر حكم ميراث المرتد عند اهل العلم ۔ اشرح الحديث الثانی وبين مذاهب الائمة فی توارث اهل ملتين شتى ، مع ذكر التوجيه الصحيح للحديث على مذهب الجمهور.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث اوّل کی تشریح (۲) مرتد کی میراث کا حکم (۳) حدیثِ ثانی کی تشریح (۴) اہلِ ملتین کے باہم وارث ہونے میں ائمہ کے مذاہب (۵) جمہور کی طرف سے حدیث کی توجیہ۔

جواب..... ① حدیث اوّل کی تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے اور کفر سے مراد اسلام کا انکار ہے پس دیگر تمام مذاہب ایک ہی ملت ہیں اور وہ مسلمان کے وارث نہیں ہوسکتے البتہ مسلمان انکا وارث ہوگا۔

② مرتد کی میراث کا حکم:۔ اس پر اجماع ہے کہ مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا البتہ مرتد کے مال کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں۔

امام شافعی وربیعہ وابن لیلیٰ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مال فئ للمسلمین ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مال مسلمانوں کیلئے فئ ہے البتہ اگر مرتد نے اس لئے ارتداد کو اختیار کیا ہوتا کہ ورثاء کو محروم کردے تو پھر ورثاء محروم نہ ہوں گے بلکہ ان کو وارث بنایا جائے گا۔ امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے نزدیک مرتد کا مال ورثاء مسلمین کو دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مال بحالتِ اسلام کمایا ہے اس کے وارث مسلمان ورثاء ہوں گے اور جو مال مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

علقمہ اور بعض تابعین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مال کے مستحق وہ اہلِ دین ہوں گے جن کے دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے **قال داؤد الظاهری يختص بورثة من اهل الدين الذی انتقل اليه۔**

0313 6357912 makabazakariyamultan@gmail.com

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد تو حکماً میت ہے تو اس کی موت کا حکم وقتِ ردت کی طرف منسوب ہوگا لہٰذا ارِدّۃ اختیار کرنے تک تو مسلمان تھا اب مرتد ہوکر وہ میت ہوگیا تو اب تک کا جو مال اسکے پاس ہے وہ بحالتِ اسلام کمایا ہوا ہے تو ورثاء مسلمین اسکے وارث ہوں گے کیونکہ یہ **توريث المسلم للمسلم** ہوئی اور **ردة** کے بعد جو مال اس نے حاصل کیا وہ کفر کی حالت کا ہے اب مسلمان کو اس کا وارث نہیں بنایا جائیگا ورنہ **توريث المسلم للكافر** لازم آئیگا بلکہ اس کا مال بیت المال میں جمع کردیا جائیگا۔

(نوٹ) یہ حکم مرتد مرد کے مال کے بارے میں ہے اور مرتدہ کے بارے میں اجماع ہے کہ اس کا مال جو بحالت اسلام ہو یا بحالتِ ارتداد ورثاء مسلمین کا ہے **لانها لاتقتل عندنا بل تحبس حتى تسلم او تموت۔** (دروسِ ترمذی ج۳ص۱۱۶)

③ حدیثِ ثانی کی تشریح:۔ حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ دو ملتوں و دو مذاہب والے باہم وارث نہیں ہوسکتے۔ باقی ملتین کی وضاحت امر نمبر۴ میں آرہی ہے۔

④ اہلِ ملتین کے باہم وارث ہونے میں ائمہ کے مذاہب:۔ حنفیہ کے نزدیک اسلام کے علاوہ سارے مذاہب ایک ملت ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں لکھا ہے **الکفر ملة واحدة یتوارثون به** یعنی اسلام کا انکار کرنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ کفر کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ الگ الگ ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے اور مشرکین اور مورتیاں پوجنے والے سب ایک ملت ہیں پس وہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے اور حنابلہ کے نزدیک ہر مذہب الگ ملت ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے اور باب کی حدیث میں احناف کے نزدیک دو ملتوں سے کفر و اسلام مراد ہیں، پس اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو امر نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۵ ص ۴۴۵)

⑤ جمہور کی طرف سے حدیث کی توجیہ:۔ حدیث الباب حنابلہ کے بالکل مطابق ہے اور جمہور کے بالکل خلاف ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اسلام ملتِ واحدہ ہے اور اس کے بالمقابل کفر ملتِ واحدہ ہے خواہ وہ کسی بھی نوع کا کفر ہو لہٰذا حدیث الباب میں اسلام و کفر مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ اہلِ اسلام اہلِ کفر کے وارث نہ ہوں گے اور اہلِ کفر اہلِ اسلام کے وارث نہ ہوں گے۔ (دروسِ ترمذی ج ۳ ص ۱۱۸)

الشق الثانی.....**عن عبدالرحمن بن کعب بن مالك ان جابر بن عبدالله اخبره: ان النبی ﷺ کان یجمع بین الرجلین من قتلی احد فی الثوب الواحد ثم یقول: ایهما اکثر أخذا للقرآن؟ فاذا اشیر له الی احدهما قدمه فی اللحد، و قال: انا شهید علی هؤلاء یوم القیامة، وامر بدفنهم فی دمائهم ولم یصل علیهم ولم یغسلوا۔** (ص ۲۰۰۔ ج ۱۔ قدیمی)

انکر اختلاف العلماء فی الصلاة علی الشهید مع ادلتهم ۔ اذکر الجواب عن الحدیث المذکور عند من لا یقول به۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) شہید کی نمازِ جنازہ میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حدیث الباب کا جواب۔

جواب ..... ① شہید کی نمازِ جنازہ میں اختلاف:۔ شہید کی نمازِ جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہما کی ایک ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، اہل حجاز کا قول بھی یہی ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **فقد رسول الله ﷺ حمزة حین جاء الناس من القتال.....ثم جئ بحمزة فصلّی علیه** ② سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **أنّ النبیّ ﷺ مرّ بحمزة وقد مثل به ولم یصلّ علی أحد من الشهداء غیره**، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کا اخراج کیا ہے اور اس روایت کی سند بھی قوی ہے۔ اس روایت میں **ولم یصلّ علی أحد من الشهداء** کا جملہ آیا ہے اس کا مطلب آگے آئیگا ③ صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **أن النبیّ ﷺ خرج یومًا فصلّی علی أهل أحد صلاته علی المیّت الخ** یہ آنحضرت ﷺ کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے ④ امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ کی ''مراسیل'' میں حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے **قال: صلی النبیّ ﷺ قتلی أحد** ⑤ سنن نسائی میں شدّاد بن الہاد رضی اللہ عنہ سے ایک قصہ مروی ہے جسمیں انہوں نے ایک دیہاتی کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے، اسلام لانے اور غزوہ میں شریک ہو کر شہید ہونے کا ذکر کیا ہے اس میں وہ آگے فرماتے ہیں **ثم کفنه النبیّ ﷺ فی جبة النبیّ ﷺ ثمّ قدّمه فصلّی علیه الخ** یہ روایت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کی ہے۔

یہ تمام روایات شہید کی نماز جنازہ پر دال ہیں اگر ان میں سے کسی میں ضعف ہو بھی تب بھی کثرتِ روایات سے اسکی تلافی ہو جاتی ہے۔

03135337013 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ حدیث الباب کا جواب:۔ جہاں تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب کا تعلق ہے جسمیں شہدائے اُحد پر نماز کی نفی کی گئی ہے جب مذکورہ بالا متعدد روایات سے انکی نمازِ جنازہ کا ثبوت ہوگیا تو اس حدیث کی توجیہ کی جائیگی چنانچہ اسکے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ امکان ذکر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیدیا ہو لہٰذا جن روایات میں شہداءِ اُحد کی نمازِ جنازہ کی نفی ہے وہ اسی پر محمول ہے لیکن اس توجیہ پر تمام روایات منطبق نہیں ہوتیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیثِ باب میں **لم یُصلّ علیهم** سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر مستقلاً و منفرداً نماز نہیں پڑھی بلکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک ساتھ نماز پڑھی، یہ توجیہ احقر کے نزدیک درست اور بہتر ہے اس لئے کہ اس پر مجموعی طور پر روایات منطبق ہوجاتی ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں وصال سے کچھ پہلے دوبارہ شہدائے اُحد پر ''صلاۃ'' کا ذکر ہے اس میں اگرچہ ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس سے محض دعا مراد ہو جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے لیکن ایک قوی امکان یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر باقاعدہ نماز جنازہ پڑھی ہو اور یہ دوسری دفعہ نمازِ جنازہ کا پڑھا جانا شہدائے اُحد کے ساتھ مخصوص ہو۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ غزوۂ اُحد کے وقت نماز جنازہ واجب نہیں تھی بعد میں جب اسکا وجوب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ نماز ادا فرمائی۔ (درسِ ترمذی ج۳ ص۳۱۲)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**عن علی بن ابی طالب: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن متعة النساء و عن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر۔** (ص۲۱۳۔ج۱۔قدیمی)

اذکر الاختلاف فی حل المتعة وحرمتها مع ذکر ادلة القائلين بها والجواب عنها۔ اختلفت الروايات فی بيان وقت تحريم المتعة۔ اذکر هذه الروايات المتعارضة ثم اکتب وجه الجمع والتطبيق بين هذه الروايات۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں۔(۱) متعہ کی حرمت میں اختلاف مع الدلائل (۲) تحریمِ متعہ کے وقت کے متعلق روایات (۳) روایات متعارضہ میں تطبیق۔

جواب..... ① متعہ کی حرمت میں اختلاف مع الدلائل:۔ اہلِ تشیع کے نزدیک متعہ نہ صرف حلال ہے بلکہ عظیم ترین عبادت ہے جبکہ اس کے بالمقابل پوری امتِ مسلمہ متعہ کی حرمت پر متفق ہے۔

روافض کے ہاں جو متعہ رائج ہے یہ خالص زنا ہے، ان کے متعہ میں گواہ نہیں ہوتے، ولی نہیں ہوتا، نفقہ واجب نہیں ہوتا، سکنیٰ، عدت، میراث اور نسب نام کی کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، بس ایک مرد ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کے لئے اجرت کے عوض معاہدہ کرلیتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسی باہمی رضامندی سے عام طور پر زنا بھی ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ زنا میں اجرت کا طے ہونا کوئی ضروری نہیں، زنا بغیر اجرت کے بھی ہوتا ہے اور اجرت کے ساتھ بھی اور متعہ میں اجرت ہوتی ہے، کسی بھی دین سماوی میں کبھی بھی جس طرح زنا حلال نہیں ہوا اسی طرح روافض کا مذکورہ متعہ بھی حلال نہیں ہوا۔

متعہ کی حلت پر روافض قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجورهن فريضة ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة ان الله كان عليمًا حكيمًا۔**

روافض کہتے ہیں کہ اس آیت میں متعہ کا بھی ذکر ہے اور اجرت کا بھی، نیز حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں **الی اجل مسمی** کا اضافہ بھی ہے۔ اجل، متعہ اور اجرت تینوں چیزوں کا ذکر ہے اور اسی کا نام متعہ ہے لہٰذا متعہ کا ثبوت قرآن میں موجود ہے لیکن یہ تلبیس ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے محرمات کی تفصیل بیان فرمائی ہے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم الخ، اسکے بعد متصل دوسری آیت میں **واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین** میں ان عورتوں کی نشاندہی فرمائی گئی ہے جن سے نکاح حلال اور جائز ہے یعنی محرمات کے علاوہ باقی عورتوں سے نکاح جائز ہے پھر **واحل لکم** پر تفریع قائم کرتے ہوئے فرمایا گیا **فما استمتعتم به الخ** یعنی جب تم نے ان حلال عورتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلیا اور اس سے استمتاع بھی کرلیا تو اس کا پورا مہر اس کو دو۔ اس سیاق وسباق کو دیکھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ **فما استمتعتم به الخ** سے کسی مستقل چیز کا حکم نہیں دیا جارہا ہے بلکہ یہ ماقبل کی کلام پر تفریع اور اسکا تتمہ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس میں **اجورھن** لفظ آیا ہے تو اطلاعاً عرض ہے کہ یہاں **اجورھن** بالاتفاق **مھورھن** کے معنی میں ہے، مہر کے لئے قرآن نے دوسری آیات میں بھی **اجر** کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے **فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن** اور **لاجناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن اجورھن الخ،** ان دونوں آیات میں **اجورھن** بالاتفاق **مھورھن** کے معنی میں ہے۔

مہر کے لئے لفظ ''اجرت'' کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ مہر عورت کے منافع کا عوض ہوتا ہے اس کی ذات کا عوض نہیں ہوتا اور جو چیز منافع کے عوض میں ہوتی ہے اس کو اجرت کہتے ہیں۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت کا تعلق ہے تو ان کی وہ قرأت شاذہ ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

فما استمتعتم به الخ سے اگر رافضیوں کا متعہ مراد لیا جائے تو اس سے ایک اور خرابی یہ لازم آئے گی کہ آیت میں تعارض پیدا ہوجائے گا کیونکہ آیت کے ابتدائی حصہ میں کہا گیا کہ محرمات کے علاوہ جن عورتوں سے بھی تم نکاح کرو اس نکاح سے عفت اور پاکدامنی کے طلبگار بنو، نکاح سے شہوت رانی مقصد نہیں ہونی چاہیے چنانچہ فرمایا گیا **محصنین غیر مسافحین،** اب اگر **فما استمتعتم به الخ** سے روافض کا متعہ مراد لیا جائے تو وہ تو ہوتا ہی شہوت رانی کے لئے ہے جس کی پہلے ممانعت کی گئی ہے، اس طرح اوّل اور آخر کلام میں تعارض پیدا ہوگا۔

حدیث کے علاوہ قرآن مجید کی بھی کئی آیات متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ سورۃ معارج میں فرمایا گیا **والذین ھم لفروجھم حافظون، الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین، فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك ھم العادون۔**

ان آیات میں دو قسم کی عورتوں کے ساتھ ہمبستری کی اجازت دی گئی ہے، ایک ازواج یعنی وہ عورتیں جن سے عقدِ نکاح کے ذریعہ انسان تمتع حاصل کرسکتا ہے اور دوسری ملکِ یمین کے ذریعہ سے انسان کی ملکیت میں آنے والی باندیاں، ان دو قسموں کے علاوہ کسی اور سے اپنی شہوت پوری کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ ایسے لوگ سرکش اور باغی ہیں اور ظاہر ہے جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ ان دو قسموں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہے۔ اس کو آپ زوجہ نہیں کہہ سکتے کہ زوجہ کے لئے میراث، سکنیٰ، عدت اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے جبکہ متعہ میں عورت کے لئے ان میں سے کسی چیز کا ثبوت روافض نہیں مانتے، اسی طرح اس پر باندی کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا کہ باندی فروخت کی جاسکتی ہے لیکن جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے اس کو فروخت نہیں کرسکتے اس لئے متعہ کرنیوالے لوگ **فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك ھم العادون** میں داخل ہیں اور اس آیت سے حرمتِ متعہ بالکل صاف طور پر ثابت ہورہی ہے۔

اسی طرح قرآن کی سورۃ نساء کی اس آیت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے **وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع، فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃاو ماملکت ایمانکم۔**

یہاں بھی یا نکاح کی اجازت ہے یا ملک یمین کی اور متعہ نہ نکاح ہے اور نہ اس میں ملکِ یمین کی شکل پائی جاتی ہے، نیز یہاں یہ قید ہے کہ نکاح بیک وقت صرف چار عورتوں کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، عدد مقرر ہے جبکہ متعہ بیک وقت روافض کے ہاں دس عورتوں سے بھی کیا جاسکتا ہے بلکہ ہزار عورتوں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے **ولیستعفف الذین لایجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ** (اور جن لوگوں کو نکاح پر قدرت نہیں وہ

اپنے آپ کو قابو میں رکھیں حتی کہ جب اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے) (تب نکاح کرلیں)۔

یہ آیت صاف صاف بتا رہی ہے کہ اگر کسی شخص کی مالی استطاعت اتنی نہیں ہے کہ وہ نکاح اور نفقہ وغیرہ کے اخراجات برداشت کرسکے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ عفیف رہنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس کو ضبط وقابو میں رکھے، جب اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت مستحکم فرمادیں گے تب وہ نکاح کرے اگر متعہ کے جواز کی کوئی صورت اسلام میں جائز ہوتی تو آیت میں اس اسلوب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، غناء سے قبل اس کو عفیف اور قابو میں رہنے کے بجائے متعہ کا حکم دے دیا جاتا۔

اسی طرح قرآن کی سورۃ فرقان کی آیت **ھوالذی خلق لکم من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا** میں نسب اور مصاہرت کے سلسلہ کو اللہ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نسب اور مصاہرت کا ترتب نکاح پر ہوتا ہے متعہ پر نہیں ہوتا پھر اگر متعہ بقولِ روافض عظیم عبادت ہے تو جس طرح نکاح میں اظہار اور اعلان ہوتا ہے، تہنیت ومبارکباد پیش کی جاتی ہے تو یہ لوگ متعہ میں ایسا کیوں نہیں کرتے، آج تک کسی رافضی کو فخر سے یہ کہتے کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ اس نے اپنی مادر محترمہ یا بہن کے متعہ کا ذکر کیا ہو اور اس عظیم عبادت کے اظہار پر خوشی کا اظہار کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل خود اندر سے اس پر مطمئن نہیں ہیں لیکن شہوت رانی اور دین اسلام سے برگشتگی اور انحراف کی وجہ سے انہوں نے خالص زنا کو متعہ کا نام دے کر اس کے جواز کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا، اللہ ہمیں دین اسلام کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے ہمیں بچائیں۔ (آمین)

ابتدائے اسلام میں جو متعہ حلال تھا وہ درحقیقت نکاحِ موقت تھا، یہاں روایت میں جس متعہ کی حرمت کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے ممانعت فرمائی اس متعہ سے رافضیوں کا متعہ مراد نہیں جیسا کہ بتادیا گیا کہ متعۂ روافض زنا ہے اور زنا کی اجازت اسلام میں کبھی بھی نہیں دی گئی، ابتدائے اسلام میں جس متعہ کی اجازت تھی وہ درحقیقت نکاحِ موقت تھا، نکاحِ موقت، زنا اور نکاح صحیح کے درمیان کی چیز ہے، نکاح موقت پر نہ نکاح صحیح کا اطلاق درست ہے اور نہ اسکو زنا کہہ سکتے ہیں، نکاح صحیح اس کو اسلئے نہیں کہہ سکتے کہ نکاح صحیح میں میراث اور فرقت کے بعد عدت ہوتی ہے جبکہ نکاحِ موقت میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں، تاہم اسکو زنا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ عقد گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور اسمیں استبراء بھی ہوتا ہے نیز ولی کی اجازت بھی ہوتی ہے اسلئے اس کو زنا نہیں کہہ سکتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ بات بعض روایات میں منسوب ہے کہ وہ جوازِ متعہ کے قائل تھے لیکن ان کی طرف یہ نسبت انکے اقوال شاذہ کی بنیاد پر ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رجوع بھی ثابت ہے۔

② تحریم متعہ کے وقت کے متعلق روایات:۔ نسخ کی روایات پر تو اتفاق ہے کہ متعہ منسوخ ہو چکا ہے البتہ اس میں روایات مختلف ہیں کہ کب اور کس موقع پر یہ منسوخ ہوا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں غزوۂ خیبر کے موقع پر متعہ کی حرمت بتلائی گئی ہے، کنز العمال کی روایت **عن سبرة ان رسول الله ﷺ نهى عن متعة النساء فى حجة الوداع** سے فتح مکہ میں، صحیح مسلم کی روایت **رخص رسول الله ﷺ عام او طاس فى المتعة ثلاثا ثم نهى عنها** سے غزوۂ اوطاس میں اور امام زہری رحمہ اللہ کی روایت **ان النبى ﷺ نهى فى غزوة تبوك عن نكاح المتعة** (فتح الباری) سے غزوۂ تبوک میں، اور کنز العمال کی روایت **ان رسول الله ﷺ نهى عن متعة النكاح فى حجة الوداع** سے حجۃ الوداع کے موقع پر حرمتِ متعہ کا اعلان معلوم ہوتا ہے۔

③ روایات متعارضہ میں تطبیق:۔ تبوک والی روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں، جن روایات میں حجۃ الوداع کے موقع پر متعہ کی حرمت کے اعلان کا ذکر ہے وہ روایات صحیح ہیں تاہم حجۃ الوداع کے موقع پر چونکہ مسلمانوں کا مجمع بہت بڑا تھا اس لئے اعلاماً للناس آپ ﷺ نے اس کی حرمت کا دوبارہ اعلان فرمایا، حرمت کا اعلان تو آپ پہلے ہی کر چکے تھے اس موقع پر تحریم سابق سے لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے دوبارہ اعلان فرمایا، جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ اوطاس میں متعہ کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے تو ان روایات میں غلط فہمی کا دخل ہے چونکہ غزوۂ اوطاس فتح مکہ کے متصل بعد واقع ہوا ہے اس لئے بعض راویوں نے فتح مکہ کے بجائے غزوۂ اوطاس کا ذکر کردیا۔ اب دو قسم کی روایات رہ جاتی ہیں جن

0313 625 7913 makkiyazakariyamultani@gmail.com

میں بعض سے غزوۂ خیبر میں اس کی حرمت کا اعلان معلوم ہوتا ہے اور بعض میں فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی حرمت کے اعلان کا ذکر ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور انکے بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ متعہ کی حرمت اولاً خیبر میں ہوئی، اسکے بعد فتح مکہ کے موقع پر تین دن کیلئے اس کو مباح قرار دیا گیا اور تین دن کے بعد ابدالآباد تک اس کو حرام کر دیا گیا، اس طرح اسکی حرمت واباحت دونوں مکرر ہوئیں اور قبلہ کی طرح اس میں بھی دو مرتبہ نسخ ہوا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح اور مختار قرار دیا ہے۔ (کشف الباری، کتاب المغازی ص ۴۳۵ تا ۴۴۱)

الشق الثانی.....**عن الحجاج عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده: ان رسول الله ﷺ رد ابنته زینب علی العاص بن الربیع بمهر جدید و نکاح جدید ..... عن عکرمة عن ابن عباس قال: رد النبی ﷺ ابنته زینب علی العاص بن الربیع بعد ست سنین بالنکاح الأول ولم یحدث نکاحا.** (ص ۲۱۷۔ ج ۱۔ قدیمی)

اذکر حکم الزوجة اذا اسلمت و زوجها مشرك، هل تقع الفرقة بمجرد اسلامها ام لا؟ ورد فی بعض الروایات ان النبی ﷺ رد ابنته بعد ست سنین و فی بعضها بعد اربع سنین و فی بعضها بعد سنتین فما هو وجه التوفیق بین هٰذه الروایات؟ وایضا بین الحدیثین المذکورین تعارض واضح فکیف ازالة هٰذا التعارض؟ اذکره مع مایرد من الایرادات فی هٰذا المقام.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) زوجہ کے مسلمان ہونے کی صورت میں فرقت کا حکم (۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دو چار چھ سال بعد لوٹانے کی روایات میں تطبیق (۳) نکاحِ سابق یا نکاحِ جدید کی روایات میں تطبیق۔

جواب..... (۱) زوجہ کے مسلمان ہونے کی صورت میں فرقت کا حکم:۔ اگر بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر کافر ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیوی کے محض اسلام لانے سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ البتہ اگر عورت مدخول بہا ہو اور شوہر بھی عدت کے دوران اسلام لے آئے تو سابقہ نکاح لوٹ آئے گا، جبکہ حنفیہ کے نزدیک محض اسلام سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ شوہر پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بیوی اسی کی ہے اور اگر انکار کر دے تو اس انکار کے سبب سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔

(فائدہ) حنفیہ رحمہم اللہ کا مذکورہ بالا مسلک اس صورت میں ہے جبکہ زوجین دارالاسلام میں ہوں لیکن اگر دونوں دارالحرب میں ہوں تو فرقت عدت گزارنے پر موقوف ہوگی۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت یزید بن علقمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بنو تمیم کی ایک عورت عباد بن نعمان (جس کا تعلق قبیلہ بنو ثعلب سے تھا) کے نکاح میں تھی بنی تمیم کی یہ عورت اسلام لے آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے شوہر عباد بن نعمان کو بلوایا اور کہا کہ یا تو اسلام لے آ، یا اس عورت کو اپنے سے دور کر دے عباد بن نعمان نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔ اس مضمون کی ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحجۃ میں اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں داؤد بن کردوس رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

0313 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

شوافع رحمہم اللہ کا استدلال **عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده** والی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احد الزوجین کے اسلام کے بعد عدت گزارنے پر فرقت واقع ہو جائے گی۔ (درسِ ترمذی ج ۳ ص ۴۲۹)

② رضی اللہ عنہم کے مذہب چھ سال بعد لوٹانے کی روایات میں تطبیق:۔ اس تعارض کو رفع کرنے سے پہلے بطورِ تمہید کے یہ بات سمجھیں کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے موقع پر قیدی بنا کر لائے گئے یعنی ہجرت کے دو سال بعد، اور اس وعدے پر چھوڑے گئے کہ مکہ مکرمہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے چنانچہ حسب وعدہ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا، پھر ہجرت کے چار سال بعد دوبارہ پکڑے گئے جس کا واقعہ یہ ہوا کہ یہ قریش کا مالِ تجارت لیکر شام گئے واپسی پر مسلمانوں کے لشکر سے سامنا ہوا مسلمانوں نے سامان کو قبضہ میں لے لیا اور انہوں نے بھاگ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پناہ لی، آپ ﷺ نے اس امان کو باقی رکھا، آپ ﷺ کی خواہش پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سارا سامان واپس کر دیا یہ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے قریش کو ان کی امانتیں واپس لوٹائیں پھر مکہ ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے

اور ۶ھ میں ہجرت کی اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو واپس ان کے حوالے کر دیا، اس تمہید کے بعد روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں چھ سال کی مدت سے مراد ہجرت کے بعد ابوالعاص کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے تک کا زمانہ مراد ہے اور جس روایت میں چار سال کا ذکر ہے اس میں بدر سے ان کی ہجرت تک کا زمانہ مراد ہے اور جس روایت میں دو سال کا ذکر ہے اس میں ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی دوسری مرتبہ گرفتار ہونے سے لیکر ان کی ہجرت تک کا زمانہ مراد ہے۔ (ایضاً)

③ نکاحِ سابق یا نکاحِ جدید کی روایات میں تطبیق:۔ اکثر محدثین نے اس طرح تعارض رفع کیا کہ عمرو بن شعیب کی حدیث میں حجاج بن ارطاۃ ایک راوی ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس کے مقابلے میں محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو صحیح اور راجح قرار دیا لیکن اس پر یہ اشکال واضح ہے کہ چھ سال بعد نکاحِ اوّل کے ساتھ لوٹانا کیسے ممکن ہے جبکہ ظاہر یہی ہے کہ اس عرصہ میں عدت پوری ہو چکی ہوگی اور فرقت کے بعد عدت گزارنے پر لوٹانے کا کوئی سوال نہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا **ممتدة الطهر** تھیں اسلئے اس مدت میں ان کی عدت نہ گزری ہوگی لہٰذا ابوالعاص کی طرف لوٹایا جانا اثنائے عدت میں اس وقت متحقق ہوا جب ابوالعاص رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے اس لئے نکاح ثانی کی بھی حاجت پیش نہیں آئی۔ نیز ایک جواب یہ بھی ہے کہ مسلمان عورتوں کے مشرکین کے ساتھ نکاح کی حرمت آیتِ کریمہ **لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ** کے ذریعہ ہوئی ہے اور یہ آیت ۶ھ میں نازل ہوئی، گویا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹایا جانا اس آیت کے نزول سے پہلے تھا یا نزول کے متصل بعد لیکن عدت کے دوران تھا۔

حنفیہ رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو ترجیح دے کر جو اس تعارض کو رفع کیا تو اس صورت میں یہ اشکال کہ چھ سال بعد لوٹانا کیسے ممکن ہے، مذہب احناف پر تو اشکال وارد نہیں ہوتا، اس لئے کہ احد الزوجین کے محض اسلام لانے سے فرقت نہیں ہوتی بلکہ اسلام پیش کرنے کے بعد انکار ضروری ہے اور واقعہ مذکورہ میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر ۶ھ میں اسلام پیش ہوا اور وہ اسلام لے آئے اس لئے نکاح کے فسخ ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ (ایضاً ج۳ ص۴۳۱)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل ..... عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيْثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ اَحَدَهُمَا فَاَنَا اَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْاَمَانَةِ فَقَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ نَوْمَةً فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَتْ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ. ثُمَّ اَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلٰى رِجْلِهٖ، قَالَ: فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ لَا يَكَادُ اَحَدٌ يُؤَدِّي الْاَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلًا اَمِيْنًا وَحَتّٰى يُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهٗ وَاَظْرَفَهٗ وَاَعْقَلَهٗ! وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ قَالَ وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا اُبَالِيْ اَيُّكُمْ بَايَعْتُ فِيْهِ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلٰى دِيْنِهٖ وَلَئِنْ كَانَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلٰى سَاعِيْهِ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ اُبَايِعُ مِنْكُمْ اِلَّا فُلَانًا وَ فُلَانًا۔ (ص۴۱۔ج۲۔قدیمی)

شكل الحديث بالضبط وترجمه بالاردية ترجمة واضحة . اشرح قوله: ولقد أتى على ..... الخ شرحًا واضحًا

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) **ولقد اتى على زمان** کی تشریح۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ في السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک کو میں نے دیکھ لیا اور دوسری کا منتظر ہوں۔ انہوں نے بیان کیا ہم کو کہ بے شک امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری ہے پھر سیکھا انہوں نے

قرآن کو پھر سیکھا انہوں نے سنت کو پھر آپ ﷺ نے ہمیں اس امانت کے اٹھنے کے متعلق بتلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی ایک مرتبہ سوئے گا تو اس کے دل سے امانت کو چھین لیا جائے گا اور صرف ایک چھالے کا نشان باقی رہ جائے گا پھر آدمی ایک مرتبہ اور سوئے گا تو امانت بالکل چھین لی جائے گی اور اس کا اثر بڑے آبلہ کی مثل رہ جائے گا مثل انگارے کے جسے تم اپنے پاؤں پر لڑھکا دو اور وہ آبلہ بن جائے پس تم اُسے اُبھرا ہوا دیکھتے ہو لیکن اس میں کچھ نہیں ہوتا پھر آپ ﷺ نے ایک پتھر لیا اور اُس کو پاؤں پر لڑھکایا پھر یہ حال ہوگا کہ لوگ صبح کو خرید وفروخت کر رہے ہوں گے اور کوئی ایسا نہ ہوگا جو امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امین شخص ہے اس مرد کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ کس قدر عقلمند ہے وہ کس قدر ہوشیار اور بہادر وجری ہے حالانکہ اسکے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک میرے اوپر ایسا زمانہ بھی آچکا کہ جب میں خرید وفروخت کے معاملہ میں کوئی پرواہ نہ کرتا تھا جس سے جی چاہا خرید لیا جس کے ہاتھ جی چاہا بیچ دیا اگر وہ مسلمان ہوتا تو اپنے دین کی وجہ سے وہ واپس کر دیتا تھا (جو چیز غلطی سے چلی گئی) اور اگر یہودی یا نصرانی ہوتا تو سردار (مسلمان) بادشاہ اور ذمہ دار کی وجہ سے واپس کرتا تھا، اب میں صرف فلاں فلاں سے معاملہ کرتا ہوں۔

③ ولقد اتی علی زمان کی تشریح:۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میرے اوپر ایسا گزرا کہ میں ہر شخص سے خرید وفروخت کر لیا کرتا تھا اگر لین دین میں غلطی ہوگئی تو اگر وہ مسلمان ہوا تو اس نے اپنے دین کے تقاضا کے مطابق بعد میں معاملہ کو درست کر لیا اور اگر کافر ہوا تو اس کو والیِ ملک یعنی مسلمان ذمہ دار کا ڈر ہوتا تھا وہ بھی واپس کر دیتا تھا کہ مسلمان ذمہ دار ناانصافی نہ ہونے دیتا تھا لہٰذا امانت و دیانت کا دور تھا کسی سے بھی معاملہ کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوتی تھی اب امانت اٹھنی شروع ہوگئی ہے اب اطمینان نہیں رہا تو اب میں فلاں فلاں سے ہی معاملہ کرتا ہوں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۳٦ھ کے شروع میں قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہوا مگر انہوں نے اس وقت تغیرِ امانت محسوس فرما لیا تھا۔ (دروسِ ترمذی ج ۳ ص ۲۲۸)

الشق الثانی.....عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ رَبِیْعَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذُکِرَتْ عِنْدَهٗ وَافِدَ عَادٍ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ وَافِدِ عَادٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا وَافِدُ عَادٍ؟ قَالَ فَقُلْتُ عَلَی الْخَبِیْرِ سَقَطْتَ ! اِنَّ عَادًا لَمَّا اُقْحِطَتْ بَعَثَتْ قَیْلًا فَنَزَلَ عَلٰی بَکْرِ بْنِ مُعَاوِیَةَ فَسَقَاهُ الْخَمْرَ وَغَنَّتْهُ الْجَرَادَتَانِ ثُمَّ خَرَجَ یُرِیْدُ جِبَالَ مَهْرَةَ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَمْ اٰتِكَ لِمَرِیْضٍ فَاُدَاوِیَهٗ وَلَا لِاَسِیْرٍ فَاُفَادِیَهٗ فَاسْقِ عَبْدَكَ مَا کُنْتَ مُسْقِیَهٗ وَاسْقِ مَعَهٗ بَکْرَ بْنَ مُعَاوِیَةَ یَشْکُرُ لَهُ الْخَمْرَ الَّذِیْ سَقَاهُ فَرُفِعَ لَهٗ سَحَابَاتٌ فَقِیْلَ لَهٗ اِخْتَرْ اِحْدَاهُنَّ فَاخْتَارَ السَّوْدَاءَ مِنْهُنَّ فَقِیْلَ لَهٗ: خُذْهَا رَمَادًا رَمْدَدًا لَاتَذَرُ مِنْ عَادٍ اَحَدًا وَذَکَرَ اَنَّهٗ لَمْ یُرْسَلْ عَلَیْهِمْ مِنَ الرِّیْحِ اِلَّا قَدْرُ هٰذِهِ الْحَلْقَةِ یَعْنِیْ حَلْقَةِ الْخَاتَمِ ثُمَّ قَرَأَ: "اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْئٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ" الایة۔ (ص ۱٦۳۔ ج ۲۔ قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط، و ترجمه الی الاردیة، واذکر المراد بقوله: "وغنته الجرادتان و قوله: رمدا، وعیّن فاعل ذکر فی قوله: وذکر انه لم یرسل علیهم من الریح ..... اذکر القصة بتمامها ثمّ حقّق الکلمات المعلمة لغة و صرفا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چھ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) غنته الجرادتان، رَمَادٌ کی مراد (۴) ذکر کے فاعل کی تعیین (۵) قصہ کی وضاحت (٦) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو وائل قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں مدینہ آیا تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں قوم عاد کے قاصد کا ذکر آیا تو میں نے کہا کہ میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں بھی اس کی طرح ہو جاؤں، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ قوم عاد کا قاصد کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اچھے واقف کار سے آپ کا واسطہ پڑا

ہے،اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب قوم عاد پر قحط پڑا تو قیل (ایک آدمی کا نام) کو بھیجا گیا وہ بکر بن معاویہ کے پاس ٹھہرا،اس نے اسے شراب پلائی اور دو خوش آواز گانے والیوں نے اسے گانا سنایا پھر وہ مہرہ کے پہاڑوں کا ارادہ کر کے نکلا اور چل دیا، پھر دعا کی کہ یا اللہ میں کسی بیماری کے علاج یا کسی قیدی کو چھڑانے کیلئے نہیں آیا کہ میں فدیہ دوں لہٰذا تو اپنے بندے کو جو پلانا ہو پلا، ساتھ ہی ساتھ بکر بن معاویہ کو بھی پلا،اس طرح وہ بکر بن معاویہ کے شراب پلانے کا شکریہ ادا کرتا تھا پھر اسکے لئے کئی بادل بلند کئے گئے اور اسے کہا گیا کہ ان میں سے ایک بادل کو منتخب کر لے جن میں سے اس نے کالے بادل کو پسند کیا پھر کہا گیا کہ جلی ہوئی راکھ لے لو جو قوم عاد کے کسی فرد کو نہ چھوڑے گی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم عاد پر صرف اس انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا چھوڑی گئی پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی **اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ..... الآية** (اور قوم عاد میں بھی (عبرت ہے) جب ہم نے ان پر سخت آندھی بھیجی جو کسی چیز کو نہ چھوڑتی جس پر سے وہ گزرتی مگر اسے بوسیدہ ہڈیوں کی طرح کر دیتی)۔

③ **غنته الجرادتان ، رَمَادٌ کی مراد:۔** **غنته الجرادتان:** اس سے مراد وہ گانے والیاں ہیں جو سابقہ دور میں مکہ میں تھیں اور یہ خوش آواز گانے والیاں مشہور تھیں۔ **رَمَادٌ:** یہ مفرد ہے اس کی جمع **اَرْمِدَةٌ** ہے بمعنی راکھ۔

④ **ذکر کے فاعل کی تعیین:۔** **ذکر** کا فاعل رسول اللہ ﷺ ہیں اس لئے کہ بعض روایات میں **فقال رسول الله ﷺ الخ** کی صراحت موجود ہے۔

⑤ **قصہ کی وضاحت:۔** جب قوم عاد نے زمین میں فسق و فجور اختیار کیا، اہلِ زمین پر ظلم و جور کا بازار گرم کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور ظلم و جور سے رکنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا **مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً** جب ان کی نافرمانی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط سالی کا عذاب نازل کیا اور طویل عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔

اُس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ جب کی پر کوئی آفت و مصیبت نازل ہوتی تو اس سے نجات کیلئے بیت اللہ کے پاس آ کر دعا مانگتے، دعا قبول ہوتی اور مصیبت ٹل جاتی اور اُس وقت سب لوگ بیت اللہ کو معظم و محترم سمجھتے تھے اور اس کی حرمت کے معترف تھے۔چنانچہ دستور کے مطابق قوم عاد نے اپنے کم و بیش ستر افراد کے وفد کو قحط سالی سے نجات کیلئے مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ دعا مانگیں اور قحط سالی ختم ہو۔

اُس وقت مکہ میں جو قوم آباد تھی ان کے سردار کا نام بکر بن معاویہ تھا اور قوم عاد کے ساتھ اس کی قرابت و رشتہ داری بھی تھی۔یہ قوم عاد کا وفد بکر بن معاویہ کے پاس آ کر مہمان ہو گیا اور طویل عرصہ تک مہمان بن کر رہا، اس دوران شراب و کباب کی محفلیں ہوتیں ،جام چلتے، گانے والی لڑکیاں گانے سناتیں، بکر بن معاویہ کی طرف سے خوب مہمان نوازی ہوتی رہی، جب طویل عرصہ گزر گیا اور انہوں نے کوچ نہ کیا تو بالآخر بکر بن معاویہ تنگ آ گیا کہ پیچھے میرے ننھیال اور سسرال والے قحط میں مبتلا ہیں انہوں نے ان کو دعا کے لئے بھیجا ہے اور یہ لوگ یہاں میرے پاس ڈیرے ڈال کر بیٹھ گئے ہیں، مگر شرم کی وجہ سے براہِ راست ان کو کچھ نہیں کہتا تھا، اور گانے والی لڑکیوں نے اپنے گانے کے اندر ان کو ملامت کی کہ تم اپنی قحط زدہ قوم کو یہاں آ کر بھول ہی گئے ہو اور وہ بھوک و پیاس سے مر رہے ہیں۔الخ

جب انہوں نے گانوں میں اس کا تذکرہ کیا تو ان کو اپنا مقصد یاد آیا اور تاخیر کی وجہ سے ایک دوسرے کو لعنت ملامت کی اور بالآخر وہ سب دعا کے لئے جبالِ مہرہ (بیت اللہ کے اردگرد کا علاقہ) پر پہنچے اور دعا مانگی، ان کے سرغنہ قیل بن عنز نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! اگر یہ پیغمبر (ھود علیہ السلام) سچا ہے تو اس کی بدولت ہماری قحط سالی کا خاتمہ فرما، دعا کے نتیجہ میں تین بادل نمودار ہوئے اور غیب سے آواز آئی کہ ان میں سے کسی ایک بادل کو اپنے لئے پسند و منتخب کر لو۔قیل نے ان میں سے کالے بادل کو منتخب کیا، اس لئے کہ سیاہ بادلوں میں زیادہ پانی ہوتی ہے اسی وقت ایک منادی نے آواز دی کہ اے قیل! تم نے اپنے لئے آگ و ہلاکت کو پسند کیا ہے جو تمہارے کسی فرد کو بھی نہیں چھوڑی گی۔

الغرض جب قوم عاد نے ان سیاہ بادلوں کو دیکھا تو خوش ہو گئے اور کہا **هٰذا عارض ممطرتا** اللہ تعالیٰ نے فرمایا **بل هو ما استعجلتم به، ريح فيها عذاب اليم**، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سات دن اور آٹھ رات تک اس عذاب کو ان پر مسلط کئے رکھا اور

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کچھ بھی ان میں سے نہ بچا کما قال اللّٰہ تعالٰی واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیة، سخرھا علیھم بیع لیال و ثمانیة ایام خسوما، فتری القوم فیھا صرعا کانھم اعجاز نخل خاویة۔

اس حدیث میں وافدِ عاد سے مراد یہی ''قیل بن عنز'' ہے جس نے اپنی طرف سے خیر خواہی کے طور پر فائدہ مند سمجھتے ہوئے سیاہ بادلوں کا انتخاب کیا مگر حقیقت میں وہ بادل ان کے لئے وبالِ جان اور ہلاکت کا باعث بن گئے تو اس قیل کی مثل ہونے سے اس حدیث میں پناہ مانگی گئی ہے۔ اب ضرب المثل کے طور پر یہ لفظ اس جگہ پر مستعمل ہوتا ہے جہاں کسی چیز کو فائدہ مند سمجھ کر اختیار کیا جائے اور وہ فائدہ کی بجائے نقصان کا باعث بن جائے۔ (حل)

⑥ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ رَمَادٌ: یہ مفرد ہے اس کی جمع اَرْمِدَۃٌ ہے بمعنی راکھ۔

وَافِدُ: اسکی جمع وَفْدٌ ہے۔ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر وَفْدًا وُفُوْدًا (ضرب۔مثال) بمعنی قاصد بن کر آنا۔

اُقْحِطَتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اقحاطا (افعال) بمعنی خشک سالی ہونا۔ قحط میں مبتلا ہونا۔

غَنَّتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر تَغْنِیَۃً (تفعیل۔ناقص) بمعنی گانا، آواز کرنا، مدح یا ہجو کرنا۔

اُدَاوِیْ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر مُدَاوَاۃً (مفاعلہ۔لفیف) بمعنی علاج کرنا۔

مُسْقِی: صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر اِسْقَاءٌ (افعال۔ناقص) بمعنی پانی پلانا، پانی کی طرف رہنمائی کرنا۔

اُفَادِیْ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر مُفَادَاۃً فِدَاءً (مفاعلہ۔ناقص) بمعنی فدیہ دینا۔ چھڑانا۔

لَا تَذَرُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل منفی مضارع معلوم از مصدر وَذْرًا (ضرب۔مثال) بمعنی چھوڑنا۔

﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذیؒ﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....عن ابی ھریرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ الیتیمة تستأمر فی نفسھا فان صمتت فھو اذنھا وان ابت فلا جواز علیھا، یعنی اذا ادرکت فردت۔ (ص۲۱۰۔ج۱۔قدیمی)

اذکر ما ھو المراد "الیتیمة" فی ھٰذا الحدیث؟ ترجم الحدیث الی الاردیة۔ ما ھی ولایة الاجبار؟ و علی من تثبت ھٰذہ الولایة؟ اذکر باختلاف الائمة ودلائلھم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث میں یتیمہ کی مراد (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) ولایتِ اجبار کی وضاحت (۴) ولایتِ اجبار والی عورت میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① حدیث میں یتیمہ کی مراد:۔ حدیث میں یتیمہ سے مراد وہ بچی ہے جس کا باپ مر چکا ہو اور اس کا اطلاق صغیرہ وکبیرہ دونوں پر ہوتا ہے، اگر یہاں پر کبیرہ مراد ہو تو پھر مطلب واضح ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور اگر صغیرہ مراد ہو تو پھر اس سے مراد خیارِ بلوغ ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ ہونے کی وجہ سے یتیمہ کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا تاوقتیکہ وہ بالغ نہ ہو جائے وہ نکاح میں خیار کے بھی قائل نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ ہونے کی وجہ سے یتیمہ کی اجازت معتبر نہیں ہے اور باپ دادا کی غیر موجودگی میں کسی کو اس پر ولایتِ اجبار بھی حاصل نہیں ہے۔

الغرض شوافع کے نزدیک اس روایت کو کبیرہ پر محمول کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ یتیمہ کا لفظ صغیرہ وکبیرہ دونوں پر بولا جاتا ہے بالخصوص صغیرہ پر اسکا اطلاق زیادہ ہوتا ہے لہٰذا صغیرہ کو یتیمہ کے مفہوم سے خارج کرنا درست نہیں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مشکل کا حل خیارِ بلوغ میں موجود ہے۔ (درسِ ترمذی ج۳ص۳۸۸)

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم لڑکی سے نکاح کے لئے اجازت طلب کی جائے، اگر وہ خاموش رہے تو یہ اسکی اجازت (رضامندی) ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر کوئی جبر نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ ولایتِ اجبار کی وضاحت:۔ ولایتِ اجبار کا مطلب یہ ہے کہ ولی لڑکی کی رضامندی کے بغیر جبراً وزبردستی کسی جگہ نکاح کردے۔

④ ولایتِ اجبار والی عورت میں اختلاف مع الدلائل:۔ ولایتِ اجبار میں ائمہ کرام کے درج ذیل مذاہب ہیں۔

① حضرت حسن بصری اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ولی کو مطلقاً ولایت اجبار حاصل ہے، عورت چاہے ثیبہ ہو یا باکرہ ہو، کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو ② ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی کو مطلقاً ولایت اجبار حاصل نہیں ③ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سلسلہ میں مدار عورت کے ثیبہ اور باکرہ ہونے پر ہے، باکرہ پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے، ثیبہ پر نہیں ④ حضرات حنفیہ کے نزدیک مدار صغر اور کبر پر ہے، صغیرہ پر ولی کو ولایتِ اجبار کو حاصل ہے، کبیرہ پر نہیں۔

لہٰذا باکرہ صغیرہ پر باتفاق ائمہ اربعہ ولایت اجبار ہے اور کبیرہ ثیبہ پر بالاتفاق ولایت اجبار نہیں اور کبیرہ باکرہ پر شوافع کے نزدیک ولایت اجبار ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں اور صغیرہ ثیبہ پر حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار ہے، شوافع کے نزدیک نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ چار صورتوں میں سے دو صورتیں ائمہ اربعہ کے نزدیک اتفاقی ہیں اور دو صورتیں اختلافی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں حنفیہ کے ہم خیال ہیں یعنی ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب سے پہلے باب کا ترجمہ قائم کیا تھا **باب نکاح الرجل ولدہ الصغار** اس میں لفظ **صغار** عام ہے، باکرہ ثیبہ دونوں کو شامل ہے، معلوم ہوا ولایت اجبار کی علت صغر ہے، بکارت وعدم بکارت نہیں اور باب ہذا میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بالغہ کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ عورت چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ جب بالغ ہو جائے تو پھر اس پر ولایت اجبار نہیں، جب تک کہ اس کی رضامندی شامل نہ ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی معروف روایت سے ہے **ان رسول اللہ ﷺ قال الایّم احق بنفسھا من ولیّھا** ۔وہ فرماتے ہیں کہ یہاں **ایّم** سے مراد ثیبہ ہے کیونکہ باکرہ کا ذکر اس روایت میں آگے مستقلاً آیا ہے یعنی **والبکر تستأذن فی نفسھا واذنھا صماتھا** اور جب **ایّم** سے ثیبہ مراد ہوئی تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا **البکر لیست احق بنفسھا من ولیّھا** اور مفہوم مخالف ان کے نزدیک حجت ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث باب **لاتنکح الثیّب حتی تستأمر ولاتنکح البکر حتی تُستأذن واذنھا الصمات** اس میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا ایک حکم بیان کیا گیا ہے، فرق صرف طریقِ اجازت میں ہے۔

② سنن نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **ان فتاۃ دخلت علیھا فقالت: ان ابی زوّجنی ابن اخیہ لیرفع بی خسیستہ وانا کارھۃ فقالت اجلسی حتی یأتی النبی ﷺ فجاء رسول اللہ ﷺ فأخبرتہ فأرسل الی ابیھا فدعاہ فجعل الأمر الیھا فقالت : یا رسول اللہ ! قد أجزتُ ما صنع ابی ولٰکن أردتُ ان اَعْلِمَ اَلِلنِّساء من الامر شیٔ** اور سنن ابن ماجہ میں ان کے یہ الفاظ مروی ہیں **فقالت: قد اجزتُ ماصنع ابی ولٰکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شیٔ** ۔بعض شافعیہ نے اس میں تاویل کی ہے کہ یہ عورت ثیبہ تھی لیکن اوّل تو روایت میں اس پر کوئی دلیل نہیں، دوسرا اس عورت نے یہ کہا کہ میرا مقصد اس مسئلہ کا اعلان تھا کہ آباء کو عورتوں پر ولایتِ اجبار نہیں اور اس نے یہ اعلان مطلق الفاظ میں کیا جس میں باکرہ اور ثیبہ کی کوئی تفریق نہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

③ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں **جریر بن حازم عن ایوب عن عکرمۃ** کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مروی ہے **ان جاریۃ بکرا اتت النبی ﷺ فذکرت ان اباھا زوّجھا وھی کارھۃ فخیّرھا النبی ﷺ** یہ روایت حنفیہ کے مسلک پر صریح ہونے کے ساتھ صحیح بھی ہے، یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

شافعیہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ **ایّم** سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ اور ثیّبہ دونوں پر ہوتا ہے البتہ

0333 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بکر کا ذکر الگ سے اسلئے فرمایا گیا کہ اس کا طریقۂ اجازت دوسرا تھا اور اگر بالفرض ایّم سے مراد ''ثیبہ'' ہی لی جائے تب بھی مفہوم مخالف سے استدلال ہمارے نزدیک درست نہیں، بالخصوص جب کہ وہ منطوق کیخلاف ہو اور منطوق یہ ہے **البکر تستأذن فی نفسها۔**

پھر اجبار کا حق کس ولی کو حاصل ہوگا؟ ہمارے ہاں عصبات علی الترتیب اجبار کے حقدار ہونگے اور مشہور یہ ہے کہ باپ دادا کو اجبار کا حق حاصل ہوتا ہے، یہ دراصل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اجبار کا حق صرف باپ کو حاصل ہوتا ہے۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۲۴۵، درسِ ترمذی ج ۳ ص ۳۸۶)

الشق الثانی.....**عن ابی امامة قال: سمعت النبی ﷺ یقول فی الخطبة عام حجة الوداع: العاریة مؤداة و الزعیم غارم والدین مقضی۔** (ص ۲۳۹۔ج ۱۔قدیمی) **ترجم الحدیث۔ اذا هلکت العاریة هل یجب علی المستعیر الضمان ام لا؟ ما هو اختلاف المجتهدین فی ذلك؟ ما هی ادلتهم؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) عاریۃ کی ہلاکت میں مستعیر پر ضمان کے وجوب میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عاریت پر لی ہوئی چیز قابلِ واپسی ہے اور ضامن ذمہ دار ہے اور دَین ادا کی جائے۔

② و ③ عاریۃ کی ہلاکت میں مستعیر پر ضمان کے وجوب میں اختلاف مع الدلائل:۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز ضرورت کیلئے عاریت پر لی ہے تو جب ضرورت پوری ہوجائے فوراً وہ چیز واپس کردو، خواہ مخواہ غفلت لاپرواہی وسستی کا مظاہرہ نہ کرو۔ اگر عاریت پر لی ہوئی چیز ہلاک وضائع ہوجائے تو ضمان لازم ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے:

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک خواہ تعدی سے وہ چیز ہلاک ہو یا بغیر تعدی کے ہلاک ہو بہرصورت ضمان لازم ہے اور دلیل حدیث الباب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عاریت والی چیز امانت ہوتی ہے لہٰذا اگر وہ تعدی سے ہلاک ہوئی ہے تو ضمان لازم ہے اور اگر تعدی کے بغیر ہلاک ہوگئی تو کوئی ضمان لازم نہیں ہے۔ (تحفۃ الألمعی ۴:۱۹۲) حنفیہ رحمہم اللہ نے حدیث الباب کی یہ تاویل کی ہے کہ اگر عاریت والی چیز میں تعدی نہیں کی اور وہ ہلاک بھی نہیں ہوئی تو اس کی ادائیگی لازم ہے اور اگر وہ تعدی سے ہلاک ہوئی ہے تو پھر ضمان لازم ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....**عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَرِیَّةٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَأَلْنَاهُمُ الْقِرٰی فَلَمْ یَقْرُوْنَا فَلُدِغَ سَیِّدُهُمْ فَاَتَوْنَا فَقَالُوْا هَلْ فِیْکُمْ مَنْ یَّرْقِیْ مِنَ الْعَقْرَبِ؟ قُلْتُ نَعَمْ اَنَا وَلٰکِنْ لَا اَرْقِیْهِ حَتّٰی تُعْطُوْنَا غَنَمًا قَالُوْا فَاِنَّا نُعْطِیْکُمْ ثَلَاثِیْنَ شَاةً فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَیْهِ اَلْحَمْدَ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ ۔ قَالَ فَعَرَضَ فِیْ اَنْفُسِنَا مِنْهَا شَیْءٌ فَقُلْنَا لَا تَعْجَلُوْا حَتّٰی تَأْتُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَیْهِ ذَکَرْتُ لَهُ الَّذِیْ صَنَعْتُ قَالَ: وَمَا عَلِمْتَ اَنَّهَا رُقْیَةٌ؟ اِقْبِضُوْا الْغَنَمَ وَاضْرِبُوْا لِیْ مَعَکُمْ بِسَهْمٍ ۔**

شکل الحدیث وترجمه۔ ما هو حکم اخذ الاجرة علی تعلیم القرآن و غیره من العبادات؟ اذکر الاختلاف مع الدلائل۔ اذکر التطبیق بین الروایات فی کراهیة الرقیة و الرخصة فیها۔ (ص ۱:۲۶۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) تعلیمِ قرآن ودیگر عبادات پر اُجرت لینے کا حکم (۴) رقیہ کے جواز وکراہت کی روایات میں تطبیق۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا تو ہم ایک قوم کے پاس ٹھہرے اور ان سے ضیافت طلب کی لیکن انہوں نے ہماری میزبانی کرنے سے انکار کردیا پھر ان کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا وہ

لوگ ہمارے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی بچھو کے کاٹے پر دم کرتا ہے، میں نے کہا ہاں لیکن میں اس صورت میں دَم کروں گا کہ تم ہمیں بکریاں دو، انہوں نے کہا ہم تمہیں تیس بکریاں دیں گے، ہم نے قبول کرلیا اور پھر میں نے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا تو وہ ٹھیک ہوگیا اور ہم نے بکریاں لے لیں پھر ہمارے دل میں خیال آیا اور ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم جلدی نہ کریں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں، جب ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو میں نے پورا قصہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ سے دَم کیا جاتا ہے، بکریاں رکھ لو اور میرا حصہ بھی دو۔

③ تعلیم قرآن ودیگر عبادات پر اُجرت لینے کا حکم:۔ تعلیم قرآن ودیگر عبادات پر احناف کے نزدیک اُجرت لینا ناجائز ہے۔

احناف کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن پڑھاؤ اور اس کا عوض مت کھاؤ۔ ایک اور حدیث جسمیں حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اگر تجھ کو مؤذن مقرر کیا جاوے تو اذان پر اُجرت مت لینا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا **من قرء القرآن یلکل به الناس جاء یوم القیامة وجهه عظم لیس علیه لحم** (جس شخص نے قرآن پڑھا کہ اسکے ذریعہ لوگوں سے مال کھائے، قیامت کے دن وہ آئے گا اس حال میں کہ اسکا چہرہ ہڈیاں ہوگا، اس پر گوشت نہیں ہوگا)

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر اس طاعت پر اُجرت لینا درست ہے جو اجیر پر متعین اور واجب عین نہ ہو اور قرآن کی تعلیم اسی سے ہے۔ امام ابوالخطاب کی روایت میں امام احمد، ابوثور اور ابوقلابہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل صحیحین میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **هل معك من القرآن شیئ قال منی سورة کذا قال اذهب فقد انکحتها بما معك من القرآن**، نیز انکی دلیل حدیث میں مذکور واقعہ ہے۔

حنفیہ کی طرف سے امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس کی تصریح نہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اسکے اکرام اور تعظیم قرآن کی وجہ سے بلا مہر نکاح کیا ہو جیسے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ انکے اسلام پر کی تھی یا بیانِ مہر سے سکوت اسلئے ہو کہ مہر تو بہر حال لازمی چیز ہے کیونکہ فروج کی استباحت مال کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ **لقوله تعالیٰ ان تبتغوا باموالکم ، ولعل المرأة وهبت مهرها له**۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اُجرت لی تھی وہ کافر لوگ تھے اور کفار سے مال لینا جائز ہے۔ نیز مہمان کا حق واجب ہے اور ان لوگوں نے ان کی مہمان نوازی نہیں کی تھی جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے **واللّٰه لقد استضفناکم فلم تضیفونا**۔

علاوہ ازیں رقیہ (جھاڑ پھونک) قربتِ محضہ نہیں تو اس پر اُجرت لینا جائز ہے۔ شیخ قرطبی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں **لانسلم ان جواز الاجرة فی الرقی یدل علی جواز التعلیم بالاجرة والحدیث انما هو فی الرقیة**۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۲ ص ۴۹)

④ رقیہ کے جواز و کراہت کی روایات میں تطبیق:۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب جن الفاظ وکلمات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ان کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا، ان سے اجتناب کی خاطر آنحضرت ﷺ نے ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کو جھاڑ پھونک کرنے سے منع فرما دیا تھا پھر جھاڑ پھونک کی اہمیت اور لوگوں کو اس سے حاصل ہونے والے فائدے کی بنا پر آپ ﷺ نے بعض چیزوں میں منتر پڑھ کر پھونکنے کی اجازت دیدی بشرطیکہ اس منتر میں مشرکانہ الفاظ وکلمات استعمال نہ ہوں اور ان کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔ بعد میں اس اجازت کو عام کردیا گیا کہ کسی بھی مرض میں منقول دعاؤں اور قرآنی آیات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کی جاسکتی ہے۔ (توضیحات)

الشق الثانی.....**اذکر ترجمة الامام الترمذی حاویة علی ذکر اسمه و نسبه وولادته ورحلاته فی طلب العلم وذکر شیوخه الذین اکثر الروایة عنهم فی جامعه ومؤلفاته ثم عرف بکتابه هذا الجامع بحیث یشتمل التعریف علی ذکر خصائصه ومزایاه و شروحه التی خدمه بها العلماء۔ هل فی الجامع الترمذی احادیث موضوعة؟**

0312 6357013 maktabazakaria@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں(۱)امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات(۲)جامع ترمذی کا تعارف (۳)جامع ترمذی کی شروح وغیرہ(۴)جامع ترمذی وموضوع احادیث۔

جواب ..... ① امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات:۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ، کنیت ابوعیسیٰ اور وطن کی نسبت بوغی اور ترمذی ہے۔علامہ بقاعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے آباؤ اجداد ''مرو'' شہر کے باشندے تھے پھر خراسان کے شہر ''ترمذ'' میں منتقل ہوگئے، جو دریائے جیحون کے کنارے ایک مشہور شہر تھا، اس شہر سے بڑے بڑے علماء ومحدثین پیدا ہوئے اسی لئے اس کو ''مدینۃ الرجال'' کہا جاتا تھا، اس شہر سے چند فرسخ کے فاصلے پر بوغ نامی قصبہ آباد تھا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسی قصبہ میں پیدا ہوئے اسلئے ان کو بوغی بھی کہتے ہیں اور ترمذی بھی لیکن چونکہ ''بوغ'' ترمذ کے مضافات میں واقع ہے اسلئے ترمذی نسبت زیادہ مشہور ہوئی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا سن پیدائش ۲۰۹ھ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ۲۰۰ھ ہے لیکن پہلا قول راجح ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے اپنے شہر میں رہ کر علم حاصل کیا اس کے بعد طلبِ علم کے لئے حجاز، مصر، شام، بغداد، کوفہ، بصرہ اور خراسان وغیرہ کے سفر کئے اور اپنے وقت کے بڑے بڑے شیوخ سے علم حاصل کیا، جن میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، سجستانی، احمد بن منیع، محمود بن غیلان اور اسحٰق بن موسیٰ الانصاری رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں اور ان کے علاوہ بھی سینکڑوں محدثین سے علم حاصل کیا تمام اساتذہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے آخری عمر میں خشیت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے بہت زیادہ روتے تھے جس کی وجہ سے بینائی جاتی رہی۔ آپ کی وفات بالاتفاق ۲۷۹ھ میں ہوئی۔

امام ترمذی کی تین تصانیف مشہور ہیں: ① جامع ترمذی ② شمائل ترمذی ③ العلل۔ بعض نے مزید دو کتب (تاریخ۔ قرآن کریم کی تفسیر) کا بھی تذکرہ کیا ہے، مگر یہ دونوں کتابیں نایاب ہیں۔(درسِ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۰)

② جامع ترمذی کا تعارف:۔ جامع ترمذی بلاشبہ صحاح ستہ میں شامل ہے لیکن اس میں بحث ہوتی رہی ہے کہ اسکا درجہ کس نمبر پر ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا درجہ بخاری ومسلم، سنن ابی داؤد اور نسائی کے بعد ہے لیکن اکثر کا خیال یہ ہے کہ صحیحین کے بعد اسی کا مقام ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو جامع کہتے ہیں جو بیک وقت جامع بھی ہے اور سنن بھی، اگر بعض چیزوں پر اعتراضات کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو جامع ترمذی کے فوائد تمام صحاح ستہ کی کتابوں میں سب سے زائد ہیں۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع ترمذی تالیف کرنے کے بعد اسے خراسان، حجاز، مصر اور شام کے علماء کے پاس بھیجا جب ان تمام نے اسکو پسند کیا اور اس کی تحسین کی تب اسکی عمومی اشاعت کی گئی خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے **من کان عندہ ھٰذاالکتاب الجامع فکان عندہ نبی یتکلم** کہ جس کے پاس یہ کتاب ہے گویا اس کے پاس نبی ہے جو اس سے کلام کر رہا ہے۔

اس کتاب میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں مثلاً ① یہ کتاب بیک وقت جامع بھی ہے اور سنن بھی ہے۔② اس کتاب میں احادیث کا تکرار نہیں ہے ③ اس میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام فقہاء کے مستدلات کو جمع کیا ہے اور ہر ایک کیلئے جدا باب قائم کیا ہے ④ ہر باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء کے مذاہب بالالتزام بیان کئے ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کا بھی قابل قدر ذخیرہ ہے ⑤ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہر حدیث کے بارے میں اسکا درجہ استناد بھی بتاتے ہیں اور سند کی کمزوریوں کی تفصیل سے نشاندہی کرتے ہیں ⑥ ہر باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ایک، دو یا تین احادیث ذکر کرتے ہیں اور ان احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جو عموماً دوسرے ائمۂ حدیث نے نہیں نکالی ہوتی لیکن ساتھ ہی وفی الباب سے ان کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں ⑦ اگر حدیث طویل ہو تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس میں سے صرف وہ حصہ ذکر کرتے ہیں جو باب سے متعلق ہو یہی وجہ ہے کہ احادیث مختصر اور چھوٹی ہیں جن کو یاد رکھنا آسان ہے ⑧ اگر حدیث میں کوئی اضطراب ہو یا کوئی علت ہو تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مکمل اور مفصل تشریح فرماتے ہیں ⑨ امام ترمذی کا معمول ہے کہ وہ مشتبہ راویوں کا تعارف بھی کراتے ہیں بالخصوص جو راوی نام سے مشہور ہو اس کی کنیت اور جو کنیت سے مشہور ہو اس کا نام ذکر کرتے ہیں اس پر بھی بحث کرتے ہیں کہ راوی کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں ⑩ جامع ترمذی کی ترتیب بہت آسان ہے اور

0317 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس کے تراجم ابواب نہایت سہل ہیں جس کی وجہ سے حدیث کو تلاش کرنا بہت آسان ہے۔(**تلك عشرة كاملة**)(ایضاً ص ۱۳۴)

③ جامع ترمذی کی شروح وغیرہ:۔ جامع ترمذی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی مقبولیت بخشی، چنانچہ اس کی متعدد تجریدات، مستخرجات اور حواشی لکھے گئے ہیں جن میں سے چند کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔① **عارضة الاحوذی بشرح جامع الترمذی** یہ قاضی ابوبکر ابن العربی کی تصنیف ہے جو مالکیہ کے جلیل القدر فقہاء ومحدثین میں سے ہیں۔ یہ شرح متقدمین کے طریقہ پر مختصر ہے لیکن بہت سے علمی فوائد پر مشتمل ہے، بعد کی شروحِ ترمذی کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ② **شرح ابن الملقّن** یہ علامہ سراج الدین ابن الملقن کی تصنیف ہے جو علمائے شافعیہ میں سے ہیں اور ساتویں صدی کے بزرگ ہیں۔ اس شرح کا اصل نام **نفح الشذی علی جامع الترمذی** ہے اور اس میں صرف اُن احادیث کی شرح کی گئی ہے جو ترمذی میں صحیحین اور ابوداؤد سے زائد ہیں ③ **شرح الحافظ ابن حجر** حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترمذی کی ایک شرح لکھی تھی چنانچہ ''فتح الباری'' میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی معروف حدیث **اتی النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **سباطة قوم الخ** کی شرح کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ میں نے جامع ترمذی پر ایک شرح لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ بول قائماً کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شرح نایاب ہے ④ **شرح البلقینی** جس کا نام **العرف الشذی علی جامع الترمذی** ہے۔ یہ علامہ عمر بن ارسلان البلقینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جو مشہور فقہاء شافعیہ میں سے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں ⑤ **شرح الحافظ ابن رجب البغدادی الحنبلی** رحمۃ اللہ علیہ یہ مشہور حنبلی محدث اور فقیہ ہیں اور ''طبقات الحنابلہ'' کے مصنف ہیں۔⑥ **قوت المغتذی** یہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت مختصر شرح ہے اور ہندوستان کے متعدد نسخِ ترمذی کے حاشیہ پر چڑھی ہوئی ہے ⑦ **شرح السندھی** یہ علامہ ابوطیب سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور مصر سے شائع ہو چکی ہے ⑧ **شرح العلامة سراج الدین السرھندی** رحمۃ اللہ علیہ ان کی شرح بھی مصر ہی سے شائع ہو چکی ہے ⑨ **تحفة الاحوذی** یہ قاضی عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تصنیف ہے جو اہل حدیث کے بلند پایہ عالم ہیں، انہوں نے ایک ضخیم جلد میں اس شرح کا مقدمہ بھی لکھا ہے جو علم حدیث سے متعلق عمدہ مباحث پر مشتمل ہے ⑩ **الکوکب الدری علی جامع الترمذی** یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریرِ ترمذی ہے جسے اُن کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ضبط کیا ہے اور ان کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مفید حواشی لکھے ہیں، بلاشبہ حلِ ترمذی کے نقطۂ نظر سے یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے، اس میں مختصر جامع اور تشفی بخش تشریحات بھی ہیں اور علم ومعرفت، تحقیق وتدقیق کے خزانے بھی، یہ ترمذی کی انتہائی بہترین اور مختصر شرح ہے، اس کا صحیح اندازہ تب ہوتا ہے جب انسان مطولات کے مطالعہ کے بعد اس کا مطالعہ کرے، خاص طور سے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی نے اس کے منافع کو دوچند کر دیا ہے ⑪ **معارف السنن** یہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے، اصل میں انہوں نے ''العرف الشذی'' کو درست کرنے اور اس کا تدارک کرنے کیلئے یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی لیکن رفتہ رفتہ اُس نے ایک مستقل تصنیف اور شرح کی حیثیت اختیار کر لی، اس میں انہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کو بنیاد بنایا ہے لیکن اسکے ساتھ اپنی تحقیق اور مطالعہ سے بے شمار مباحث کا اضافہ کیا ہے، اسکی عبارت انتہائی شگفتہ اور کلام بڑی حد تک منضبط ہے جو دوسری شروحِ حدیث میں بہت کمیاب ہے، آج کل ترمذی کی جتنی شروح دستیاب ہیں ان میں سب سے زیادہ مفصل اور جامع شرح ہے۔(درسِ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸)

④ جامع ترمذی وموضوع احادیث:۔ امام ابن الجوزیؒ نے موضوعاتِ کبری میں ترمذی شریف کی (۲۳) احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ مگر امام ابن الجوزی اس معاملہ میں بہت زیادہ متشدد ہیں، انہوں نے بخاری ومسلم کی ایک روایت (بروایتِ حماد شاکر) کو بھی موضوع لکھا ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ ترمذی کی کوئی روایت بھی موضوع نہیں ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''القول الحسن فی الذّب عن السنن'' میں صحاح ستہ کی ان تمام روایات کی تحقیق کی ہے جنہیں ابن الجوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے۔ اس کتاب میں علامہ سیوطیؒ نے ان (۲۳) روایات کے متعلق ثابت کیا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی موضوع قرار دینا درست نہیں ہے۔(درسِ ترمذی)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذیؒ﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....عن العلاء بن عبدالرحمن انه دخل على انس بن مالك فى داره بالبصرة حين انصرف من الظهر وداره بجنب المسجد فقال قوموا فصلوا العصر قال فقمنا فصلينا فلما انصرفنا قال سمعت رسول الله ﷺ يقول تلك صلاة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا كان بين قرنى الشيطان قام فنقر اربعا لا يذكر الله فيها الا قليلا ۔

ترجم الاثر سلسة ۔ وضّح اختلاف الفقهاء فى استحباب تعجيل العصر وتأخيره ۔ انكر ادلة كل فريق بالتفصيل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) اثر کا ترجمہ (۲) عصر کی تعجیل وتاخیر میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① اثر کا ترجمہ:۔ حضرت علاء بن عبدالرحمٰنؒ سے مروی ہے کہ وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اُنکے گھر بصرہ میں حاضر ہوئے جس وقت وہ ظہر کی نماز سے لَوٹے تھے اور اُن کا گھر مسجد سے متصل تھا انہوں نے فرمایا کہ اٹھو اور عصر کی نماز ادا کرو راوی کہتے ہیں کہ پس ہم اٹھے اور ہم نے نماز ادا کی، پس جب ہم نماز سے لَوٹے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ منافق آدمی کی نماز ہے وہ سورج کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑا ہوتا ہے اور جلدی سے چار چونچ مارتا ہے اور اُس میں اللہ تعالیٰ کا معمولی ذکر کرتا ہے۔

② عصر کی تعجیل وتاخیر میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کی نماز میں تعجیل افضل ہے، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تغیرِ شمس سے پہلے پہلے تاخیر عصر افضل ہے۔

حنفیہؒ کے دلائل: ① حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو کہ ترمذی میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر میں تاخیر کیا کرتے تھے۔ ② حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس سے تاخیر کا استحباب معلوم ہوتا ہے **ان رسول الله ﷺ كان يامر بتاخير صلوٰة العصر**۔ ③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا اثر ہے کہ وہ نماز عصر کو تاخیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل: ① حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر کی نماز جب پڑھتے تھے تو اس وقت سورج کی دھوپ آپ کے صحن میں ہوتی تھی اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ عصر کو جلدی پڑھا جائے۔ ② اسی مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج کے بلند اور روشن ہونے کی حالت میں عصر کی نماز پڑھتے تھے جبکہ عصر پڑھ کر لوگ عوالی مدینہ میں چلے جاتے تھے اس وقت بھی سورج روشن اور بلند ہوتا تھا۔ ③ اسی مضمون کی تیسری روایت حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اونٹ ذبح کرنا گوشت بنانا، پکانا اور کھانا مغرب سے پہلے ہوتا تھا یہ بھی تعجیلِ عصر پر دال ہے۔

پہلی دلیل کے جوابات: ① دیواروں کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے دیر تک دھوپ باقی رہتی تھی۔ ② دروازہ مغرب کی طرف تھا غروب تک دھوپ کا رہنا تعجیل عصر پر دلالت نہیں کرتا۔

دوسری دلیل کے جوابات: ① گرمی کے زمانہ پر محمول ہے اور تیز رفتار آدمی اتنی مسافت اتنی دیر میں طے کرسکتا ہے۔

② اس حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ وہ پیدل ہی جاتے تھے ممکن ہے کہ وہ سواری پر جاتے ہوں۔

تیسری دلیل کے جوابات: ① یہ بیان جواز پر محمول ہے۔ ② ماہر طباخ مختصر وقت میں یہ سارے کام کرسکتا ہے۔

الشق الثانی.....عن ابن عباس انّ النبىّ ﷺ قال: اَمَّنى جبرئيل عندالبيت مرّتين فصلّى الظهر فى الاولٰى منهما حين كان الفيئ مثل الشراك ثم صلّى العصر حين كان كلّ شيئٍ مثل ظلّه ثم صلّى المغرب حين وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلّى العشاء حين غاب الشفق ثم صلّى الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام على الصائم وصلّى المرّة الثانية الظهر حين كان ظلّ كلّ شيئٍ مثله لوقت العصر بالامس ثم صلّى الصبح حين

اسفرت الارض ثم التفت الیّ جبرئیل فقال: یا محمّدا هذا وقت الانبیاء من قبلك والوقت فیما بین هٰذین الوقتین۔

ترجم الحدیث واذکر اختلاف الأئمۃ في نهایة وقت الظهر وبدایة وقت العصر مع الادلّة ۔ وضّح معنی قوله ﷺ: "ثمّ صلّی العصر حین کان کلّ شیئٍ مثل ظلّه" مع تعیین من استدلّ به وجواب من لایتمسك به۔ ماهو المذهب الراجح للسادة الحنفیة فی هٰذه المسئلة؟ وما هو سبب الترجیح للراجح؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② ظہر کے انتہائی اور عصر کے ابتدائی وقت میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل ③ ثم صلّی العصر.....الخ کا معنی، مستدِل کی تعیین اور غیر مستدِل کی جانب سے جواب۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ (دو دن) امامت کروائی، ان میں سے پہلے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ چپل و جوتے کے تلے کے مثل تھا (سایہ اصلی کے وقت) پھر عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا، پھر مغرب پڑھائی جب کہ سورج غروب ہو گیا اور روزہ داروں کیلئے افطار کرنا جائز ہو گیا، پھر عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد پڑھائی، پھر فجر پڑھائی جب کہ صبح چمکی اور روزہ داروں کیلئے کھانا پینا حرام ہو گیا، اور دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا یعنی گذشتہ کل جس وقت عصر پڑھائی تھی، پھر عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو گیا، پھر مغرب پڑھائی پہلے دن والے وقت پر ہی، پھر عشاء رات کی ایک تہائی گزرنے کے بعد پڑھائی، پھر فجر پڑھائی جب کہ زمین بالکل روشن ہو گئی پھر جبریل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی نماز کا وقت ہے اور ان دونوں دِنوں کے اوقات کے درمیان آپ کی نمازوں کے اوقات ہیں۔

② ظہر کے انتہائی اور عصر کے ابتدائی وقت میں اختلاف مع الدلائل:۔ ظہر کے وقت کی انتہاء وعصر کے وقت کی ابتداء جمہور کے نزدیک مثلِ اوّل مکمل ہونے پر ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق مثلین مکمل ہونے پر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **صلی بنا رسول الله اذا کان ظلك مثلك والعصر اذاکان ظلك مثلیك۔**

جمہور کی دلیل: حدیثِ امامت جبرائیل علیہ السلام ہے **ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیئ مثله۔**

حدیث امامتِ جبریل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اوقاتِ نماز کے حوالے سے یہ حدیث سب سے مقدم ہے اور دیگر تاخیر ظہر والی احادیث مؤخر ہیں اور مؤخر حدیث مقدم کے لیے ناسخ ہوتی ہے۔ دوسرا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا کہ حدیث امامت جبریل و دیگر احادیثِ تاخیر میں تعارض ہو گیا کہ حدیث جبریل دلالت کرتی ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہو گیا اور دیگر احادیثِ تاخیر دلالت کرتی ہیں کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوا بلکہ باقی ہے، گویا ایک مثل پر ظہر کا وقت نکلنا مشکوک ہو گیا حالانکہ ایک مثل سے پہلے بالیقین ظہر کا وقت تھا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز بالیقین ثابت ہو وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی، لہٰذا شک کی وجہ سے مثل اول کے بعد ظہر کا وقت ختم نہ ہوگا۔ (اشرف الہدایہ) احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھی جائے کیوں کہ اگر واقعتاً عصر کا وقت مثلین کے بعد ہو اور ہم مثل ثانی میں عصر پڑھ لیں تو امکانی درجہ میں عصر وقت سے پہلے پڑھنے کی وجہ سے صحیح ہی نہ ہوگی لیکن اگر ظہر مثل ثانی میں پڑھی اور اس کا وقت مثل اول پر ختم ہو گیا ہے تو وہ نماز قضاء پڑھی گئی ہے مگر ذمہ سے ادا ہو گئی ہے۔ متعدد ائمہ احناف نے یہی مذہب اختیار کیا ہے کہ ظہر مثل اول میں پڑھی جائے اور عصر مثلین کے بعد پڑھی جائے تا کہ شک وشبہ ہی باقی نہ رہے اور دونوں نمازیں اپنے اپنے یقینی وقت میں ادا ہوں۔

③ ثم صلی العصر.....الخ کا معنی، مستدِل کی تعیین اور جواب:۔ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عین استواءِ شمس کے وقت ہر چیز کا جو سایہ ہوتا ہے (یعنی سایہ اصلی) جب اس سائے کے ساتھ اس کی ایک مثل مزید سایہ ہو گیا تو اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے نمازِ عصر ادا کی۔ یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے اور اس کے جوابات گزر گئے ہیں۔

0313 6357983 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....**"عن ابی هريرةؓ قال:اتاه رجل فقال: يا رسول الله! هلكت، قال: وما اهلكك؟ قال: وقعت على امرأتي في رمضان، قال: هل تستطيع ان تعتق رقبة؟ قال:لا، قال: فهل تستطيع ان تصوم شهرين متتابعين؟ قال: لا ، قال : فهل تستطيع ان تطعم ستين مسكيناً؟ قال: لا، قال: اجلس فجلس، فاتى النبي ﷺ بعرق فيه تمر۔ والعرق المكتل الضخم۔ قال: فتصدق به، فقال : مابين لابتيها احد افقر منّا ، قال: فضحك النبي ﷺ حتى بدت انيابه، قال: خذه فاطعمه اهلك"۔**

ترجم الحديث ۔ ماحكم الترتيب بين الكفارات الثلاث المذكورة في الحديث؟ بيّنه في ضوء المذاهب المتبوعة بدلائل الائمة۔ ماحكم الأكل والشرب عامدًا في رمضان؟ بين اختلاف الائمة مع ادلّتهم ۔ ما معنى قول النبي ﷺ للرجل: "فاطعمه اهلك" وهل تتادّى كفارة الرجل باطعام اهله عن كفارة نفسه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② کفارۂ صوم میں ترتیب مع الاختلاف ③ عمداً کھانے پینے سے روزہ توڑنے کا حکم مع الاختلاف ④ اپنے اہل کو کھانا کھلانے سے کفارہ کی ادائیگی کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ہلاک ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کس چیز نے تجھے ہلاک کردیا؟ اس نے کہا کہ میں نے رمضان (روزہ) میں اپنی بیوی سے مباشرت کرلی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جا، وہ شخص بیٹھ گیا، پس (اسی دوران) آپ ﷺ کی خدمت میں کھجور کا ایک بڑا بورا (ٹوکرا) لایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھجوریں صدقہ کردو، اس نے عرض کیا کہ مدینہ کے ان دو پاٹ (پہاڑوں) کے درمیان مجھ سے زیادہ فقیر وحاجت مند کوئی نہیں ہے، آپ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے انیاب ظاہر ہوگئے اور فرمایا کہ یہ لے لو اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

② کفارۂ صوم میں ترتیب کا حکم مع الاختلاف:۔ روزہ توڑنے کا کفارہ ظہار والا کفارہ ہی ہے جس کی وضاحت اس حدیث میں بھی ہے، اس کفارہ کی ترتیب کے متعلق اختلاف ہے: جمہور کے نزدیک ان میں ترتیب واجب ہے اور دلیل آیتِ ظہار اور حدیثِ باب ہے کہ اس میں "فاء" کا ذکر ہے جو تعقیب کیلئے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترتیب نہیں ہے بلکہ تخییر ہے یعنی ان میں سے جو مرضی کفارہ ادا کرے، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف میں موجود روایت ہے اور اس میں کفاروں کے درمیان **او** کا ذکر ہے جو کہ تخییر کیلئے ہے۔ جمہور کی طرف سے ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ **أو** تخییر کے لیے نہیں بلکہ تنویع کے لیے ہے، یعنی اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ سب اشیاء کفارہ کی اقسام ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

③ عمداً کھانے پینے سے روزہ توڑنے کا حکم مع الاختلاف:۔ روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر مباشرت سے بالاتفاق کفارہ لازم ہے، البتہ جان بوجھ کر کھانے پینے کے ذریعے روزہ توڑنے کی صورت میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارہ لازم ہے اور امام شافعی وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں کفارہ لازم نہیں ہے۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اگرچہ اکل وشرب بھی جماع کی طرح روزہ کے منافی ہے مگر اکل وشرب میں جماع کی طرح حظِ نفس یعنی لذت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اس میں تفاوت ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان میں معمولی تفاوت ہے اس لیے جماع والا حکم (کفارہ) اکل وشرب کی طرف متعدی ہوگا۔ امام شافعی وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ حکم متعدی نہ ہوگا اس لیے کہ قیاس کے لیے مقیس ومقیس علیہ کا مساوی ہونا ضروری ہے مگر یہاں جماع اور اکل وشرب میں زمین وآسمان کا فرق

0313 6357913 makkabazakariyamultan@gmail.com

ہے، پس کفارہ والا حکم اپنے مورد (جماع) کے ساتھ خاص ہوگا، اکل وشرب کی طرف متعدی نہ ہوگا۔

احناف و مالکیہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ مفطر ہونے کے اعتبار سے ان میں کوئی تفاوت نہیں ہے لہٰذا کفارہ کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا، باقی حظِ نفس (لذت) کا اعتبار کرنا مشکل ہے کیوں کہ جوان و بوڑھے کے حظِ نفس میں بھی فرق ہے اس کا کیسے اعتبار کیا جائے گا لہٰذا اکل وشرب کی صورت میں بھی کفارہ لازم ہے۔ (ایضاً)

④ اپنے اہل کو کھانا کھلانے سے کفارہ کی ادائیگی کا حکم:۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود کھانے سے اور اپنے اہل کو کھلانے سے کفارہ ادا ہو گیا حالانکہ بالاتفاق اس طرح کفارہ ادا نہیں ہوتا بلکہ مستحقین کو کھلانا ضروری ہے، احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ تشریع کے وقت کی رخصت ہے کیوں کہ جان بوجھ کر جماع کے ذریعہ روزہ توڑنے پر کفارہ کا یہ مسئلہ آج پہلی مرتبہ امت کے سامنے آیا ہے، اگر پہلے ہی سے صحابی کو یہ کفارہ معلوم ہوتا تو شاید وہ یہ حرکت نہ کرتے، یہ قانون سازی کا آغاز ہونے کی وجہ سے سہولت دی گئی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی پر فی الفور کفارہ لازم نہیں ہے، کفارہ کی ادائیگی سہولت کے ساتھ مشروط ہے اور چونکہ صحابیِ مذکور غریب تھے اور حاصل شدہ کھجوریں خود ان کی ضرورت تھیں اس لیے فی الفور ان پر کفارہ واجب نہ ہوا، ان کو کھجوریں گھر میں استعمال کی اجازت دی گئی اور کفارہ ان کے ذمہ لازم رہا کہ جب گنجائش ہو اس وقت ادا کردیں۔ (ایضاً)

الشق الثانی..... **"قلت لقتيبة بن سعيد: حدّثكم محمد بن يحيى بن قيس الماربى ..... عن ابيض بن حمال انه وفد الى رسول الله ﷺ استقطعه الملح فقطع له ، فلمّا ان ولّى قال رجل من المجلس: اتدرى ماقطعت له؟ انّما قطعت له الماء العدّ ، قال: فانتزعه منه ، قال: وسئله عن مايحمى من الاراك قال: مالم تنله خفاف الابل فأقرّبه قتيبة وقال: نعم "۔**

ترجم الحديث ۔ اشرح العبارة موضحًا لمعنى "القطيعة و الاستقطاع و الانتزاع"۔ وضّح الكلمات المخطوطة بالأخصّ ۔ ما هو حكم احياء الموات بقرب البلد؟ وما هو حكم رجوع الحكم عن حكمه بعد ماحكم فى امر؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② عبارت کی تشریح ③ آبادی کے قریب احیاءِ موات کا حکم ④ حاکم کے اپنے فیصلے سے رجوع کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ میں نے قتیبہ بن سعید سے کہا کہ کیا تمہیں محمد بن یحیی بن قیس ماربی نے یہ حدیث بیان کی حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے نمک کی کان کی جاگیر طلب کی، آپ ﷺ نے وہ جاگیر ان کو دے دی، پس جب وہ چلے گئے تو مجلس میں سے ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ نے ان کو کس چیز کی جاگیر دی ہے؟ آپ نے ان کو تیار پانی دے دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے وہ جاگیر واپس لے لی، راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے پیلو کے درخت و پتوں کو محفوظ کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک اونٹ کے پاؤں نہ پہنچیں۔ قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اقرار کیا اور کہا: جی ہاں۔

② عبارت کی تشریح:۔ قطیعہ وہ زمین وجاگیر جو امام کسی شخص کو الاٹ کرے اور کسی کو بطور عطیہ دے۔ استقطاع کا معنی یہ جاگیر طلب کرنا ہے۔ انتزاع بمعنی کسی کو یہ زمین وجاگیر الاٹ کرنے کے بعد واپس لینا۔ مفہومِ حدیث یہ ہے کہ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے نمک کی کان کی کسی جاگیر وقطیعہ کا مطالبہ کیا کہ وہ مجھے عنایت کردی جائے، آپ ﷺ نے سمجھا کہ اس میں مشقت و محنت کی ضرورت ہے اس لیے آپ ﷺ نے یہ جاگیر ان کو عنایت کردی، ان کے جانے کے بعد کسی صحابی نے عرض کیا کہ اس میں کوئی مشقت نہیں ہے یہ جا کر ان کو آسانی سے نکالنا شروع کردیں گے یہ تو تیار نمک ہے، ایسے ذخائر ومعادن قومی املاک ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو واپس بلا کر ان سے یہ جاگیر واپس لے لی، پھر حضرت ابیض رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پیلو کے درخت و پتے ذخیرہ کرنے کی یا اس زمین کو آباد کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک لوگوں کے جانور، اونٹ وغیرہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

چرنے کے لیے جاتے ہیں اوران کے پاؤں کے نشانات جہاں تک ہیں وہ جگہ چھوڑ کر اس کے بعد والی زمین میں اجازت ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس حدیث سے متعلق سوال کیا کہ کیا آپ کو محمد بن یحییٰ نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ تو انہوں نے اقرار کیا کہ جی ہاں! مجھے بیان کی ہے۔گویا یہ حدیث عرضِ حدیث للاستاذ کی مثال ہے۔

③ آبادی کے قریب احیاءِ موات کا حکم:۔ حدیث کے جملے **مالم تنله خفاف الابل** سے معلوم ہوا کہ امام وہی زمین احیاء کیلئے دے سکتا ہے جو آبادی سے دور ہو حتی کہ وہاں تک جانور وچوپائے بھی چرنے کیلئے نہ جاتے ہوں اگر کوئی زمین کا ٹکڑا اس حدوعوامی چراگاہ کے اندر آئے یا آبادی کے بالکل قریب ہو تو عوامی مصالح وفوائد کے اسکے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس کا احیاء جائز نہیں ہے۔

④ حاکم کے اپنے فیصلے سے رجوع کا حکم:۔ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعے سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اپنی الاٹ کردہ زمین واپس قومی ملکیت میں واپس بھی لے سکتی ہے، مگر یہ استدلال درست نہیں ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیض رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں آنے سے قبل ہی وہ زمین واپس لے لی تھی، اس لیے کہ وہ زمین ان کی ملکیت میں تب آتی جب وہ اس پر قبضہ کر لیتے یا اس کے احیاء کی کوئی کاروائی کر لیتے۔گویا احیاء وغیرہ کے لیے دی گئی زمین کو امام قبضہ واحیاء سے قبل واپس لے سکتا ہے اور اپنے فیصلہ سے رجوع کر سکتا ہے، بعد میں نہیں۔(تقریر ترمذی)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....**قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : خير امتى القرن الذى بعثت فيهم ثم الذين يلونهم ولا اعلم أ ذكر الثالث ام لا، ثمّ ينشأ اقوام يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون ويفشوفيهم السمن۔**

ترجم الحديث و اشرحه شرحًا تامًا بحيث تتبيّن نهاية خير القرون وبداية امر الذى اشير الى فشوه فى الحديث الشريف۔ وضّح معنى قوله : يشهدون ولا يستشهدون ويفشوفيهم السمن ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں:① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ **"يشهدون ولا يستشهدون ويفشوفيهم السمن"** کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں بھیجا گیا ہوں پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں (راوی کہتے ہیں کہ) مجھے معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے قرن ودور کا ذکر کیا یا نہیں، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے جب کہ وہ گواہی طلب نہ کیے جائیں گے اور وہ لوگ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور ان لوگوں میں موٹاپا پھیل جائے گا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بہترین زمانہ میری بعثت کا زمانہ ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور بہترین زمانہ ہے اور یہ کم وبیش سو سال کا زمانہ ہے جس میں ہر طرف نیکی اور خیر وبرکت، صدق وامانت، ایفاءِ عہد وغیرہ ہر طرح خیر ہی خیر تھی، پھر تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دور ہوتا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کو وقت بیتتا گیا ویسے ویسے یہ امورِ خیر ختم ہوتے گئے یہ دونوں زمانے ایک سو بیس سال پر مشتمل ہیں اور مجموعی طور پر ۲۲۰ھ کے بعد اہلِ بدعت، معتزلہ وفلاسفہ اور دیگر گمراہ فرقوں کا ظہور ہوا اور سب امورِ خیر رفتہ رفتہ بدی، شر وبے برکتی، جھوٹ، خیانت وعہد شکنی سے تبدیل ہو گئے، (یہ مجموعی احوال کا ذکر ہے) انفرادی طور پر لوگ قیامت تک ان امورِ خیر سے متصف رہیں گے۔(دروسِ ترمذی)

③ **"يشهدون ولا يستشهدون ويفشوفيهم السمن"** کی وضاحت:۔ از خود گواہی طلب کیے بغیر جھوٹی گواہی دیں گے یعنی لوگوں میں تقوی نہیں ہوگا وہ خوفِ خدا سے عاری ہونگے، ہر شخص جھوٹی گواہی دینے اور جھوٹی قسم کھانے کیلئے تیار ہوگا اور کھانے پینے میں احتیاط نہیں کریں گے، عیش وعشرت وآوارگی کو پسند کریں گے، حلال وحرام کی پرواہ کیے بغیر کھانے پینے میں ایسی وسعت اختیار کریں گے جو موٹاپے کا باعث ہوگی، یعنی ان کو صرف کھانے پینے سے ہی سروکار ہوگا۔(کشف الباری)

0313 6337913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الثالثة: جامع الترمذی﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....عن محمدِ بنِ عبدِ اللّٰهِ بنِ زید عن ابیهِ قال لمّا اصبحنا اتینا رسول اللّٰهِ ﷺ فاخبرته بالرؤیا فقال اِنّ هٰذِهِ لرؤیا حق فقم مع بِلال فانّه اندٰی وامدّ صوتا مِنك فالقِ علیهِ ما قِیل لك ولینادِ بِذٰلِك قال فلمّا سمِع عمر بن الخطابِ نِداء بِلال بِالصلاةِ خرج اِلٰی رسولِ اللّٰهِ ﷺ وهو یجرّ ازاره وهو یقول یا رسول اللّٰهِ والّذِی بعثك بِالحقِ لقد رأیتُ مِثل الذِی قال فقال رسول اللّٰهِ ﷺ فلِلّٰهِ الحمد فذٰلِك اثبت۔ (باب ما جاء فی بدء الاذان)

ترجم الحدیث و اذکر مشروعیة الاذان و قصة بدء ہ مفصّلا ۔کیف ثبت حکم الاذان بالرؤیا مع ان رؤیا غیر النبی ﷺ لیست بحجة شرعیة؟ ۔ اکتب آراء الائمة فی عدد کلمات الاذان مع دلائلهم ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② اذان کی مشروعیت اور ابتداء کا واقعہ ③ غیرِ نبی کے خواب سے اذان کی مشروعیت کی توجیہ ④ اذان کے کلمات کی تعداد میں ائمہ کے اقوال و دلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ محمد بن عبداللہ بن زیدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہم نے ان کو اس خواب کی خبر دی، آپ ﷺ نے فرمایا یہ خواب سچا ہے اور تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اس لئے کہ وہ تم سے بلند آواز والے ہیں اور انہیں وہ سکھاؤ جو تمہیں کہا گیا ہے اور وہ اس کو بلند آواز سے کہیں۔ راوی کہتے ہیں جب حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت بلالؓ کی اذان سنی تو اپنی چادر کھینچتے ہوئے (بے تکلف بھاگتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچا دین دے کر بھیجا ہے میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے جس طرح بلال نے کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اب یہ بات زیادہ مضبوط ہوگئی۔

② اذان کی مشروعیت اور ابتداء کا واقعہ:۔ اذان کی مشروعیت میں متعدد اقوال ذکر کئے گئے ہیں: ① لیلۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر اذان کی وحی کی اور آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کی تعلیم دی۔ ② اذان کی مشروعیت ۱ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ③ اذان کی مشروعیت ہجرت کے بعد تحویل قبلہ کے وقت ۲ھ میں ہوئی، اکثر نے اسی قول ثالث کو اختیار کیا ہے۔

مشروعیت کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز اور جماعت کے اوقات کی اطلاع کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے مشورہ کیا، بعض نے رائے دی کہ یہود کی طرح ناقوس بجایا جائے، بعض نے آگ جلانے کی رائے دی مگر حضور ﷺ نے یہود و نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے اس کو پسند نہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "الصلوٰۃ جامعۃ" کے الفاظ سے آواز لگانے کی رائے دی، اسی بات پر مجلس ختم ہوگئی، اس کے بعد دوسرے دن حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا کہ ایک فرشتہ نے اس طریقہ اذان کی مجھے تعلیم دی ہے (جو کہ طریقہ مشہور ہے) اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی خواب بیان کیا، روایات میں ہے کہ اس رات سولہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی خواب دیکھا تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک یہ سچ ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسی طرح اذان دیا کرو۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے کہا کہ اظہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک یہ کوئی دوسرا فرشتہ تھا۔

③ غیرِ نبی کے خواب سے اذان کی مشروعیت کی توجیہ:۔ اذان کی مشروعیت کے سلسلے میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتدا عبداللہ بن زید انصاری اور حضرت عمر فاروقؓ کا خواب ہے جس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود رسول اللہ ﷺ کے اجتہاد کے نتیجے میں ہوئی ہے جس کی طرف شبِ معراج میں ایک فرشتے نے رہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ شبِ معراج میں جب عرش پر پہنچے اور

0343 6357913 maktabazakariyasultan@gmail.com

سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ کی قسم! تمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتہ نے کہا: **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر** یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے سچ کہا **انا اکبر انا اکبر** یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں اس کے بعد اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کئے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اذان کے کلمات صحابہ کرام کے خواب سے بھی بہت پہلے شبِ معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تو لئے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کیلئے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ مکہ میں بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہ کرام سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہ کرام نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آ گئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب وہ زمین پر اذان کے لئے مسنون کر دیئے جائیں۔ (توضیحات)

④ اذان کے کلمات کی تعداد میں ائمہ کے اقوال ودلائل:۔ اذان کے کلمات کی تعداد میں اختلاف ہے:

یہ اختلاف دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ اذان میں ترجیع ہے یا نہیں ہے، ہمارے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے جبکہ امام شافعیؒ اذان میں ترجیع کے قائل ہیں، چنانچہ ہمارے نزدیک کلماتِ اذان پندرہ اور شوافع کے نزدیک انیس ہیں۔ (ترجیع کا معنیٰ یہ ہے کہ شہادتین (**اشھد ان لا الٰہ الّا اللّٰہ ، اشھد انّ محمدا رسول اللّٰہ**) کو چار مرتبہ کہا جائے، پہلے دو مرتبہ آہستہ آواز سے اور دوسری دو مرتبہ بلند آواز سے۔) ہماری دلیل وہ تمام مشہور احادیث ہیں جن میں اذان کا ذکر آیا ہے ان میں کہیں بھی ترجیع کا ذکر نہیں ہے مثلاً آسمانی فرشتہ کی اذان میں ترجیع نہیں ہے، نیز حضرت عبداللہ بن زید نے فرشتہ سے اذان سنی تھی ان کی اذان میں ترجیع نہیں اور ان کی اذان والی حدیث ہی اذان کی اصل بنیاد ہے نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو عہدِ نبوی وعہدِ صدیقی میں مسجد نبوی کے مؤذن رہے اور حضور ﷺ کے سفر وحضرت کے مؤذن تھے، ان کی اذان میں ترجیع نہیں، نیز حضرت عبداللہ بن ام مکتوم مسجدِ نبوی کے مؤذن تھے ان کی اذان میں ترجیع نہیں، نیز حضرت سعد قرظ رضی اللہ عنہ مسجدِ قباء کے مؤذن تھے ان کی اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ترجیع کی تلقین کی۔

ہماری طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ وہ نومسلم تھے انکے دل ودماغ میں توحید کو راسخ کرنے کیلئے ترجیع کا حکم دیا تھا، نیز انہوں نے شہادتین کے کلمات بلند آواز سے نہ کہے تھے تو آپ ﷺ نے ضرورت کے پیش نظر بلند آواز سے کہنے کیلئے تکرار کا حکم دیا تھا۔

الشق الثانی.....**عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ انہ کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین ۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من کان منکم مصلیا بعد الجمعۃ فلیصل اربعا ۔ قال ابو عیسٰی وابن عمر ھو الذی روی عن النبی ﷺ انہ کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین فی بیتہ وابن عمر بعد النبی ﷺ صلّی فی المسجد بعد الجمعۃ رکعتین وصلی بعد الرکعتین اربعا ۔**

اشرح الاحادیث المذکورۃ۔ اذکر اختلاف الائمۃ الفقہاء فی عدد رکعات السنن بعد صلاۃ الجمعۃ مدللاً ومفصلاً۔ اذکر وجہ تقدیم السنن الاربع قبل الرکعتین بعد صلاۃ الجمعۃ عند الامام ابی یوسف مع علیاؓ وابن عمرؓ کان یصلیان الرکعتین قبل السنن الاربع بعد صلاۃ الجمعۃ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کی تشریح ② جمعہ کے بعد سنن کی رکعات کی تعداد میں اختلاف مع الدلائل ③ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سننِ اربع کو سنتین پر مقدم کرنے کی وجہ۔

جواب..... ① احادیث کی تشریح:۔ ان احادیث میں سے پہلی حدیثِ سالم عن ابیہ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے فرائض کے بعد دو رکعت سنن نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جمعہ کے فرائض کے بعد سنن نماز پڑھنا چاہے تو وہ چار رکعت سنن پڑھے۔ تیسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ابن عمر ہی آپ ﷺ کی جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھنے کے راوی ہیں جبکہ ابن عمرؓ کا نبی ﷺ کے بعد ذاتی عمل جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں دو رکعت اور پھر چار رکعت سنن پڑھنے کا ہے۔ گویا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما دو رکعت و چار رکعت والی دونوں حدیثوں کو عملی طور پر جمع کرتے تھے اور ترتیب میں پہلے دو رکعت پڑھتے تھے کیونکہ یہ انہوں اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کو پڑھتے دیکھا تھا اور بعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق چار رکعت بھی پڑھا کرتے تھے۔

② جمعہ کے بعد سنن کی رکعات کی تعداد میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام شافعی و امام احمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد صرف دو رکعت ہی مسنون ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابنِ عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے فرائض کے بعد دو رکعت سنن نماز پڑھتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت مسنون ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے فرائض کے بعد سنن نماز پڑھنا چاہے تو وہ چار رکعت سنن پڑھے۔

صاحبینؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعت سنن مسنون ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابنِ عمرؓ کا عمل ہے، جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ ابن عمرؓ کا نبی ﷺ کے بعد ذاتی عمل جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں دو رکعت اور پھر چار رکعت سنن پڑھنے کا ہے۔ گویا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے دو رکعت و چار رکعت والی دونوں حدیثوں کو عملی طور پر جمع کیا ہے۔

③ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سننِ اربع کو سنتین پر مقدم کرنے کی وجہ:۔ جمعہ کے بعد چھ رکعت کی ترتیب میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے حضرت علی و ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے دو رکعت کو چار پر مقدم کیا ہے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ بعض مشائخ بالخصوص امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ چار رکعت کو دو رکعت پر مقدم کیا جائے، اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد اسکی مثل نماز (دو رکعت) کو مکروہ کہتے تھے۔ (درسِ ترمذی)

دوسری وجہ شاید یہ ہے کہ شریعت نے کسی بھی فرض نماز کے بعد اسکی مثل سنن و نوافل نہیں رکھے، کیونکہ اگر فرائض کے بعد اسی کی مثل سنن و نوافل ہوں تو کسی کو امام کے متعلق بدگمانی ہو سکتی ہے کہ فلاں شخص امام کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتا اسی لئے اس نے نماز کا اعادہ کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ، فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدَّهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ قَالَ لَا، هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمَ فَاَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ۔

شکّل الحدیث ثم ترجمہ ۔ اذکر حکم جلد المیتة قبل الدباغة هل يجوز بيعه ام لا؟ اذكر اختلاف الامام البخاری عن الجمهور۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ دباغت سے قبل میتہ کی کھال کی بیع کا حکم و امام بخاری کا موقف۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بت فروخت کرنے سے منع کیا ہے پس آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو ملا جاتا ہے اور چمڑوں پر بطور تیل استعمال کی جاتی ہے اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ بھی حرام ہے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہودیوں پر اللہ کی مار ہو، اللہ نے ان پر

چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھالی۔

③ دباغت سے قبل میتہ کی کھال کی بیع کا حکم وامام بخاری کا موقف:۔ امام بخاری کے نزدیک میتہ ومردار کی کھال کی بیع دباغت سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں جائز ہے، اور دلیل وہ واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ کا مردہ بکری پر گزر ہوا تو آپ ﷺ نے مالکوں سے کہا کہ تم اسکی کھال سے نفع کیوں نہیں اٹھاتے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ مردار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کھانا ہی تو حرام ہے۔ باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اسکی بیع جائز نہیں ہے۔ دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

(**نوٹ**: آج کل دشواری کے پیشِ نظر امام بخاریؒ کے قول پر فتوی دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (تحفۃ الالمعی))

الشق الثانی.....عن ابی سعید الازدی حدثنا زید بن ارقم قال غزونا مع رسول اللّٰہ ﷺ وکان معنا اناس من الاعراب فکنا نبتدر الماء وکان الاعراب یسبقونا الیه فسبق اعرابی اصحابه فیسبق الاعرابی فیملأ الحوض ویجعل حوله حجارة ویجعل النطع علیه حتی یجیئ اصحابه قال فاتی رجل من الانصار اعرابیا فارخی زمام ناقته لتشرب فابی ان یدعه فانتزع قباض الماء فرفع الاعرابی خشبة فضرب بها رأس الانصاری فشجّه فاتی عبد اللّٰه بن ابیّ رأس المنافقین فاخبره وکان من اصحابه فغضب عبد اللّٰه بن ابیّ ثم قال لا تنفقوا علی من عند رسول اللّٰه حتی ینفضّوا من حوله یعنی الاعرابی..... ترجم الحدیث المبارک ۔ حقّق الکلمات المعلمة لغة و صرفا۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کیلئے گئے ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی بھی تھے، ہم لوگ تیزی سے پانی کی طرف دوڑے، دیہاتی ہم سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور ایک دیہاتی نے پہنچ کر حوض بھرا اور اس کے گرد پتھر لگا کر اس پر چمڑا ڈال دیا (تاکہ کوئی اور پانی نہ لے سکے) صرف اس کے ساتھی ہی وہاں آئیں، ایک انصاری اس کے پاس گیا اور اپنی اونٹنی کی مہار ڈھیلی کر دی تاکہ وہ پانی پی لے، لیکن دیہاتی نے انکار کر دیا، اس پر انصاری نے پانی کی روک ہٹا دی (تاکہ پانی بہہ جائے) اس دیہاتی نے ایک لکڑی اٹھائی اور انصاری کے سر پر ماردی جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور وہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس آیا، یہ قصہ سن کر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کے پاس سے چلے جائیں یعنی دیہاتی لوگ۔

② کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ اَلنِّطْعُ: اس کی جمع اَنْطَاعٌ نُطُوْعٌ ہے بمعنی چمڑے کا فرش۔

نَبْتَدِرُ: صیغہ جمع متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر ابتدارٌ (افتعال) بمعنی سبقت کیلئے بڑھنا۔

یَمْلَأُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر مَلْأٌ مَلْأَةٌ (فتح۔مہموز) بمعنی بھرنا۔

اَرْخٰی: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِرْخَاءٌ (افعال۔ناقص) بمعنی نرم وڈھیلا کرنا۔

اَبٰی: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِبَاءٌ اِبَائَةٌ (فتح وضرب۔مہموز وناقص) بمعنی انکار کرنا وناپسند کرنا۔

یَدَعُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر وَدْعًا (فتح۔مثال) بمعنی چھوڑنا۔

شَجَّ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر شَجًّا (نصر وضرب۔مضاعف) بمعنی زخمی کرنا وتوڑنا۔

یَنْفَضُّوْا: صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر اِنْفِضَاضٌ (انفعال۔مضاعف) ٹوٹنا، بہنا، متفرق ومنتشر ہونا۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....عن عبداللّٰه بن عمرو قال قال رسول اللّٰه ﷺ تکون الفتنة تستنظف العرب قتلاها فی النار اللسان فیها اشد من السیف۔ (ص۴۱۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف ۔ عین الفتنة المذکورة ۔ اشرح الحدیث شرحا وافیا واضحا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں(۱)حدیث شریف کا ترجمہ(۲)فتنہ مذکورہ کی تعیین (۳)حدیث کی تشریح۔

جواب..... ❶ حدیث شریف کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا فتنہ ہوگا جو گھیر لے گا عرب کو اس کے مقتول جہنم میں ہوں گے زبان اس میں تلوار سے بھی زیادہ شدید ہوگی۔

❷ فتنہ مذکورہ کی تعیین:۔ حضرت عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فتنہ سے غیر معلوم فتنہ مراد ہے چونکہ اس میں قتل ہونے والوں کی نیت **اعلاء کلمة الله** کی نہ ہوگی بلکہ بغاوت اور مال و دولت کا اکٹھا کرنا مقصود ہوگا اس وجہ سے وہ مقتول جہنم میں جائینگے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ ہے۔

❸ حدیث کی تشریح:۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ غیبت اور دشنام کے ذریعہ فتنہ میں زبان درازی کرنا تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ زبان درازی کے ذریعہ فتنہ زیادہ پڑے گا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ ہے اب **قتلاهافی النار** کا کیا مطلب ہے کیونکہ ان میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بطور زجر و توبیخ ہے ورنہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہادی خطاء پر تھے اس محاربہ کے متعلق ترکِ کلام واجب ہے **قال عمر بن عبدالعزيز تلك دماء طهرالله ايدينا منها فلا نلوث بها السنتنا**، بہرحال معاملہ مشتبہ تھا اسی وجہ سے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک نہیں ہوئے، کہا گیا ہے کہ یہ اجتہادی غلطی تھی **والمخطی من المجتهد معذور**، اصل اختلافی مسئلہ خلافت نہیں تھا بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا تھا تاریخ میں اسکی تفصیل مل جائے گی اور چونکہ دونوں جانب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اب کسی ایک جانب زبان درازی کرنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن وطعن کرنا یقیناً روحانی موت ہے جو نہایت خطرناک ہے اس وجہ سے تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا **اللسان** سے مراد کلمہ بمعنی بات ہے اور اس سے یا تو حق مراد ہے یا باطل اگر حق مراد ہو تو مقصود جماعت حقہ کی تعریف ہے یعنی ایسے فتنے کے موقع پر حق بات کہنا اور حق والوں کیساتھ رہنا تلوار سے بھی زیادہ شدید ہے اگر باطل مراد ہے تو معنی یہ ہیں کہ ایسے فتنہ کے موقع پر غلط بات اور باطل بات کہہ دینا تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے کہ تلوار سے ایک زخم ہوگا اور باطل بات سے فتنہ پھیل کر نا معلوم کس قدر قتل ہوں گے۔(دروس ترمذی ج۳ص۲۲۴)

الشق الثانی.....**عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ فُزَارَةَ اِلَى النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اِمْرَءَتِیْ وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ فَقَالَ لَهٗ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَا اَلْوَانُهَا؟ قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِيْهَا اَوْرَقُ؟ قَالَ: نَعَمْ اِنَّ فِيْهَا اَوْرَقًا قَالَ: اَيْنَ اَتَاهَا ذٰلِكَ؟ قَالَ لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهَا قَالَ فَهٰذَا عِرْقًا نَزَعَهٗ۔**(ص۳۴۔ج۲۔قدیمی)

شكل الحديث بالضبط و ترجمه . ماحكم القيافة فی الاسلام اذكر اختلاف العلماء فيه ودلائلهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱)حدیث پر اعراب(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)شریعت میں قیافہ شناسی کی حیثیت۔

جواب..... ❶ حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فی السوال آنفا۔**

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص قبیلہ فزارہ میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پس کہا اس نے یا رسول اللہ بے شک میری بیوی نے ایک کالے رنگ کا بچہ جنا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا تیرے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا جی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا انکے کیا رنگ ہیں اس نے کہا سرخ ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان میں کوئی خاکی رنگ والا بھی ہے اس نے کہا جی ہاں خاکی رنگ والا بھی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاکی رنگ والا کہاں سے آیا ہے اس نے کہا شاید کسی رنگ نے اس کو جذب کیا ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید یہاں بھی کسی رنگ نے اسے کھینچا ہوگا۔

❸ شریعت میں قیافہ شناسی کی حیثیت:۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثبوتِ نسب میں قائف کا قول معتبر ہے یا نہیں جمہور قائف کے قول کو ثبوت نسب میں حجت قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مجہول النسب بچے کے بارے میں دو یا دو سے زائد افراد

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

دعویٰ کریں اور کسی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو قائف کے قول کو حجت قرار دیا جائے گا۔

حضرات احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ثبوت نسب میں قائف کا قول معتبر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور اس سے بچہ ہو اور دونوں دعویٰ کریں تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

جمہور نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور فرمایا کہ اے عائشہ تجھے معلوم نہیں کہ مجزز قائف نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ کو دیکھا اور کہا کہ یہ اقدام بعض بعض میں سے ہیں یعنی یہ باپ بیٹا ہیں پس اگر قائف کا قول حجت نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی کیوں ہوتی۔ حضرات احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ثبوتِ نسب پر نہیں ہوئی تھی کیوں کہ نسب تو پہلے سے ثابت تھا مگر جاہلیت کے طریقہ پر بھی ثبوتِ نسب ہو گیا تھا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی تھی بالفاظِ دیگر ان لوگوں کا استدلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش ہونے سے ہے اور اس میں دو احتمال ہیں یا تو قائف کے قول سے ثبوتِ نسب کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے یا اہل جاہلیۃ کے گمان کا رد اسکے قول سے ہوا ہے تو لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا قائف کے قول میں احتمالِ اوّل کی بناء پر نہیں بلکہ زعمِ جاہلیت کے ردّ کی بناء پر تھا۔ (دروسِ ترمذی ج ۳ ص ۱۵۸)

﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**عن انس بن مالك قال خر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن فرس فجحش فصلی بنا قاعدا فصلینا معه قعوداثم انصرف فقال انما الامام اوقال: انما جعل الامام لیؤتم به فاذاکبرفکبروا واذا رکع فارکعواواذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمدواذا سجد فاسجدوا واذا صلی قاعدا فصلواقعودا اجمعون** ۔(ص۸۳۔ج۱۔قدیمی) **اذکر مذاهب الفقهاء فی کیفیة صلاة المؤتم اذاصلی الامام قاعدًا ۔ اسرد دلائلهم ۔ رجح الراجح مع دحض شبهات المخالفین** ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) امام قاعدًا کے پیچھے مقتدی کی نماز کی کیفیت (۲) ائمہ کے دلائل (۳) راجح کی ترجیح اور مخالفین کے شبہات کا جواب۔

جواب..... ① امام قاعدًا کے پیچھے مقتدی کی نماز کی کیفیت:۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ امام اور منفرد کیلئے بغیر عذر کے فرض نماز قاعدًا ادا کرنا درست نہیں اور ایسا کرنے کی صورت میں اسکی نماز نہ ہوگی البتہ اگر امام عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو تو مقتدیوں کی اقتداء اور اسکے طریقہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین قول مشہور ہیں۔

① امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ امام قاعد کی اقتداء کسی بھی حال میں جائز نہیں نہ بیٹھ کر اور نہ کھڑے ہو کر البتہ اگر مقتدی بھی معذور ہوں اور کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو وہ ایسے امام کی اقتداء کر سکتے ہیں یہی مسلک امام محمد کی طرف بھی منسوب ہے پھر امام محمد ابن القاسم اور اکثر مالکیہ نے تو مقتدیوں کی معذوری کی صورت میں بھی اقتداء بالمریض القاعد کو مکروہ کہا ہے بلکہ بعض مالکیہ تو اس کے بھی عدمِ جواز کے قائل ہیں اور امام مالک حدیث باب کے واقعہ کو منسوخ مانتے ہیں ② امام احمد امام اوزاعی امام اسحاق رحمہم اللہ اور ظاہریہ کا ہے ان کے نزدیک اگر امام مریض ہو اور بیٹھ کر امامت کرے تو اس کی اقتداء جائز ہے لیکن مقتدیوں کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں ③ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، سفیان ثوری، ابوثور اور امام بخاری رحمہم اللہ کا ہے ان حضرات کے نزدیک امام قاعد کے پیچھے اقتداء درست ہے لیکن غیر معذور مقتدیوں کا ایسی صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے بیٹھ کر اقتداء درست نہیں امام حازمی رحمہ اللہ نے اس کو اکثر اہل علم کا مسلک قرار دیا ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ امام مالک امام شعبی رحمہما اللہ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جو مرسلاً مروی ہے **لا یؤمن رجل بعدی جالسًا** لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مدار جابر جعفی پر ہے جو متفق علیہ طور پر ضعیف ہے امام دارقطنی اس حدیث

0313 6252913, mattahazakiyamultan@gmail.com

کے بارے میں فرماتے ہیں لم یروہ غیر جابر الجعفی عن الشعبی وھو متروك والحدیث مرسل لاتقوم به حجة لہٰذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال حدیثِ باب سے ہے جس میں نہ صرف آپ ﷺ نے خود بیٹھ کر نماز پڑھائی بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا کہ واذاصلی قاعدًا فصلوا قعودا اجمعون۔ جواب:① مرض الوفات کے واقعہ سے یہ حدیث منسوخ ہے۔② یہ روایت نوافل سے متعلق ہے فرض نماز کے متعلق نہیں چنانچہ نفل نماز میں یہ ہوسکتا ہے کہ مقتدی بھی امام قاعد کی اقتداء بیٹھ کر کرے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں نماز کے فرض ہونے کی تصریح ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ركب رسول الله ﷺ فرسا بالمدينة فصرعه على جذم نخلة فانفكت قدمه فاتيناه نعوده فوجد ناه فى مشربة لعائشة يسبح جالسا قال فقمنا خلفه فسكت عنا ثم اتيناه مرة اخرى نعوده فصلى المكتوبة جالسا فقمنا خلفه فاشار الينا فقعد نا قال فلما قضى الصلوة قال اذا صلى الامام جالسًا فصلوا جلوسًا الخ اس طرح تصریح ہوگئی کہ آپ کی دوسری نماز فرض تھی۔

حنفیہ وشافعیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی تو اگرچہ فرض نماز تھی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں بنیتِ نفل شریک ہوئے تھے جسکی دلیل یہ ہے کہ سقوط عن الفرس کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ کئی روز تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقیم رہے اور مسجد میں نہ آسکے اور یہ بات بعید ہے کہ ان تمام ایام میں مسجد نبوی جماعت سے خالی رہی ہو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اتنا وسیع بھی نہ تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں آنحضرت ﷺ کے پیچھے اقتداء کرتے، اسلئے ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں اپنے وقت سے باجماعت نماز پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی عیادت کیلئے حاضر ہوئے تھے اور جب آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کی اقتداء کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے بنیتِ نفل آپ ﷺ کیساتھ شریک ہوگئے۔

امام ابوحنیفہ وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا استدلال آیتِ قرآنی وقوموا لله قنتين سے ہے جس میں قیام کو مطلقاً فرضِ صلوۃ قرار دیا گیا ہے اس سے معذور لوگ بحکم لايكلف الله نفسا الا وسعها مستثنیٰ ہونگے لیکن غیر معذور کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، پھر وہ احادیث بھی جمہور کی دلیل ہیں جن میں قادر علی القیام کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں كان بى الناصور فسألت النبى ﷺ فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلى جنب پھر جمہور کی ایک اہم دلیل آنحضرت ﷺ کے مرضِ وفات کا واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور یہ واقعہ سابقہ تمام احادیث کے لئے ناسخ ہے۔ (درسِ ترمذی ج۲ ص۱۳۱)

③ راجح کی ترجیح اور مخالفین کے شبہات کا جواب:۔ حنابلہ کی طرف سے اس مرضِ وفات کے واقعہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی اور آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا لو استقبلت من امرى ما استدبرت ماصليت الاقعودا بصلوة امامكم ماكان يصلى قائما فصلوا قياما وان صلى قاعدًا فصلوا قعودًا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی آخری رائے یہی تھی کہ ایسی صورت میں مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں کہ یہ مرض وفات ہی کا واقعہ ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی سقوط عن الفرس ہی کے واقعہ سے متعلق ہے اس لئے کہ اس واقعہ میں آپ ﷺ کئی روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشربہ میں مقیم رہے اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ شروع میں آپ ﷺ نے ایک آدھ نماز اس طرح پڑھی ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی ہو پھر بعد میں آپ ﷺ کی رائے بدلی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا لیکن مرضِ وفات کے واقعہ نے اسے منسوخ کردیا پھر یہ روایت مرسل ہے اور عطاء بن ابی رباح کی مراسیل حضرت حسن بصری کے مراسیل کی

0313 635 7913 maktabazakariyamultan@gmail.com

طرح ضعیف سمجھی جاتی ہیں چنانچہ ان دونوں حضرات کی مراسیل کے بارے میں مشہور ہے **لیس فی المرسلات أضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن ابی رباح** لہٰذا یہ ممکن ہے کہ عطاء کی اس روایت میں کسی راوی کو مغالطہ ہو گیا ہو اور اس نے واقعہ سقوط عن الفرس اور واقعہ مرضِ وفات کو باہم مشاکلت کی وجہ سے خلط کر کے روایت کر دیا ہو۔

حنابلہ دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں **اذا صلی الامام جالسًا فصلوا جلوسا واذا صلی قائمًا فصلوا قیامًا** کے حکم کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے **ولا تفعلوا کما یفعل اھل فارس بعظمائھا** جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کے بیٹھ کر اقتداء کرنے کی علت اہلِ فارس کے تشبہ سے بچنا ہے اور یہ علت اب بھی باقی ہے اس لئے اس حکم کے منسوخ ہونے کا کیا سوال ہو سکتا ہے؟ اسکا جواب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ دراصل ابتداء میں جب عام لوگ اسلامی طرزِ زندگی کے پورے عادی نہیں ہوئے تھے اور ان کے اذہان میں اسلامی عقائد و اسلامی معاشرت کی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت غیر مسلموں کے ساتھ معمولی مشابہت سے بھی منع کیا گیا تھا اور جب ان کے اذہان میں اسلامی عقائد اور اسلامی معاشرت کا رسوخ ہو گیا تو پھر اس کی ضرورت نہ رہی چنانچہ مرضِ وفات کے واقعہ نے اسے منسوخ کر دیا۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**عن ابی خالد الدالانی عن قتادة عن ابی العالیة عن ابن عباسؓ انه رأی النبی ﷺ نام وھو ساجد حتی غط او نفخ ثم قام یصلی فقلت:یارسول اللّٰہ! انك قدنمت؟ قال: ان الوضوء لایجب الاعلی من نام مضطجعا فانه اذااضطجع استرخت مفاصله قال ابو عیسٰی وقدروی حدیث ابن عباس سعید بن ابی عروبة عن قتاده عن ابن عباس قوله، ولم یذکر فیه ابالعالیة ولم یرفعه۔** (ص۲۴۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث واذکر لما قال ابن عباس: انك قدنمت "ھل نوم الانبیاء ناقض؟ وان لم یکن نومھم ناقضا فلماذالم یجب رسول اللّٰہ بقوله: ان نوم الانبیاء غیرناقض؟ وضح مراد ابی عیسٰی بقوله، وقدروی حدیث ابن عباس..... الخ

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) **نوم الانبیاء غیر ناقض** سے جواب نہ دینے کی وجہ (۳) امام ابوعیسٰی کے قول **وقد روی حدیث ابن عباس** کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ مسجد میں سوئے ہوئے تھے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے یا فرمایا لمبے لمبے سانس لینے لگے پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ تو سو گئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا وضو اس پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے اس لئے کہ لیٹ جانے سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

② **نوم الانبیاء علیہم السلام غیر ناقض سے جواب نہ دینے کی وجہ:۔** سوال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو **ان الوضوء لایجب الاعلی من نام مضطجعا** سے جواب دیا، یہ جواب کیوں نہیں دیا کہ نوم انبیاء علیہم السلام ناقض نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ایک ایسا جواب دیا جائے جو عام لوگوں کے لئے بھی فائدہ مند ہو اور آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ میری نیند سجدہ کی حالت میں تھی اور ایسی نیند عام مسلمانوں کے لئے بھی ناقض نہیں ہوتی چہ جائیکہ نبی آخر الزمان ﷺ کے لئے ناقض ہو۔ (درسِ ترمذی)

③ **امام ابوعیسٰی کے قول وقد روی حدیث ابن عباس کی وضاحت:۔** امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو سعید بن ابی عروبہ نے بھی نقل کیا ہے مگر انہوں نے حضرت قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان ابوالعالیہ کا ذکر نہیں کیا اور اُس کو مرفوعاً نقل نہیں کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا لیکن درحقیقت اسکی سند پر تھوڑا سا کلام ہوا ہے امام ابوداؤد نے اسکی سند پر دو اعتراض کئے ہیں۔

① یہ کہ اس روایت کا مدار ابوخالد یزید بن عبدالرحمٰن دالانی پر ہے جسے ضعیف کہا گیا ہے ② یہ روایت قتادہ عن ابی العالیہ کے طریق سے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

مروی ہے حالانکہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند بیان کرتے ہوئے ابوخالد دالانی سے غلطی ہوئی ہے کہ قتادۃ اور ابوالعالیہ کے درمیان انہوں نے ایک واسطہ چھوڑ دیا اس بناء پر امام ابوداؤد کا رجحان اس حدیث کی تضعیف کی طرف ہے لیکن بعض دوسرے علماء نے امام ابوداؤد کے ان اعتراضات کی تردید کی ہے وجہ یہ ہے کہ ابوخالد دالانی مختلف فیہ راوی ہیں جہاں ان کی تضعیف کی گئی ہے وہاں بہت سے ائمہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے اور توثیق کرنے والوں میں بڑے بڑے علماء حدیث شامل ہیں مثلاً ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری وغیرہ، رہا یہ معاملہ کہ قتادۃ نے ابوالعالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں سو اگر ابوخالد دالانی کو ثقہ قرار دیا جائے تو یہ روایت پانچویں روایت ہوگی جس کو قتادہ نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے لہٰذا یہ حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔ (درسِ ترمذی ج۱ص۲۹۵)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**عن عائشة قالت، صلی رسول الله ﷺ علی سهیل بن بیضاء فی المسجد.**

اذکر اقوال الائمة الفقهاء فی الصلاة علی الجنازة فی داخل المسجد و اذکر دلائلهم . (ص۲۰۰۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امر توجہ طلب ہیں (۱) مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے میں فقہاء کے اقوال (۲) فقہاء کے دلائل۔

جواب..... (۱) مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے میں فقہاء کے اقوال:۔ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے ہاں بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے ہاں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ امام اسحاق، ابوثور اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۲) فقہاء کے دلائل:۔ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے دلائل: ① **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلاشیئ له** ۔ ② الحدیث میں آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر سے فارغ ہو کر اس کی شرقی جانب جنازہ گاہ مقرر فرمائی تھی اگر مسجد میں نماز جنازہ جائز ہوتی تو الگ جگہ مقرر نہ فرماتے جب کہ مسجد نبوی میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ ③ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان کی نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کرو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے انکار کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

امام شافعی وامام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشه قالت صلی رسول الله ﷺ علی سهیل بن البیضاء فی المسجد.**

جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دیگر احادیث کلیہ کے مقابلہ میں منقوض ہے اور **فلاشیئ له** والی قوی روایت اس سے راجح ہے نیز ممکن ہے کہ آپ ﷺ اس وقت معتکف ہوں اس وجہ سے آپ ﷺ نے مسجد میں ہی نمازِ جنازہ ادا کی ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ باہر بارش ہو، تو بارش کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی بالکلیہ اسکے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ (درسِ ترمذی ج۳ص۳۰۷)

الشق الثانی.....**عن المثنی بن الصباح عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ خطب الناس، فقال: الامن ولی یتیمًا له مال فلیتجرفیه ولایترکه حتی تاکله الصدقة، قال ابوعیسی: وقد تکلم یحیی بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال هوعندنا واه.** (ص۱۳۹۔ج۱۔قدیمی)

0317 5357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اذکر اختلاف العلماء فی زکاة مال الیتیم . الحدیث المذکور لمن یؤید من الائمة . ماهی ادلة من لایقول بهذاالحدیث وما الجواب عنه . مامعنی کلام یحیی بن سعید المذکور .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) مالِ یتیم کی زکوٰۃ کا حکم (۲) حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب (۳) یحییٰ بن سعید کے قول کا معنی۔

جواب..... (۱) مالِ یتیم کی زکوٰۃ کا حکم:۔ ائمہ ثلاثہ اس بات کے قائل ہیں کہ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے جبکہ امام ابوحنیفہ سفیان ثوری اور عبداللہ بن المبارک رحمہم اللہ کے نزدیک بچہ کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ① **ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الامن ولی یتیماله مال فلیتجر فیه ولایترکه**

حتی تاکله الصدقة ۔②عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیه انه قال کانت عائشة تلینی انا وأخالی یتیمین فی حجر هافکانت تخرج من اموالنا الزکوٰة۔ حنفیہ کااستدلال نسائی اور ابوداؤد وغیرہ کی معروف روایت سے ہے رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی یستیقظ وعن الصغیرحتی یکبر وعن المجنون حتی یعقل او یفیق اس میں نابالغ کوصراحۃً غیر مکلّف قرار دیا گیاہے لہٰذااس میں نماز وغیرہ دوسرے واجبات کی طرح زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے لیس فی مال الیتیم زکوٰة۔

② حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل ہے حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مثنی بن الصباح کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ضعف کا اعتراف کیا ہے اوراگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہوتب بھی یہ ممکن ہے کہ اس حدیث میں یتیم سے مراد وہ لڑکا ہو جو بالغ تو ہو چکا ہولیکن سمجھ بوجھ کی کمی کی وجہ سے مال اس کے حوالے نہ کیا گیا ہواس جیسی دوسری احادیث کا بھی یہی جواب ہے۔(درسِ ترمذی ج۲ص۴۵۸)

③ یحییٰ بن سعید کے قول کا معنی:۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول وقد تکلم یحیی بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال هوعندنا واه کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان الحدیث بذلك السند واهٍ لا ان عمرو بن شعیب ضعیف فان الکلام فی اسناده عن ابیه عن جده دون سائر اسانیده فان الشیخین قد اخرج له من غیر هذه الطریق روایات۔(ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....عن عمران بن حصین ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الکیی، قال: فابتلینافاکتوینا فما افلحنا ولا انجحنا ۔(ص۲۵۔ج۲۔قدیمی) ترجم الحدیث ۔ لمانهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الکیی فکیف اکتوی عمران بن حصین؟ وکیف الجمع بین حدیث النهی عن الکیی وعلاج کثیر من الصحابة با لکیی ۔ ماهی الحکمة فی النهی عن الکیی ۔ ما هوحکم العملیات الجرحیة الیوم؟هل هی فی حکم الکیی۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں(۱)حدیث مبارکہ کا ترجمہ(۲)آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگوانے کی وجہ(۳)روایت کراہت واباحت میں تطبیق(۴) کیی سے روکنے کی حکمت(۵)آج کل کے آپریشن کا حکم۔

جواب..... ① حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا آگ کے ذریعہ داغ دینے سے۔فرمایا ہم مبتلا ہوئے ہم نے آگ کا داغ لگوایا تو ہم کامیاب نہیں ہوئے اوراپنا مقصد حاصل نہ کرسکے۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگوانے کی وجہ:۔ روایت کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کوداغ لگوانے سے منع فرمایا مگر ہم نے داغ لگوایا تو کامیابی نہ ہوئی دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت شدیدہ داغ لگوانے سے منع فرمایا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غیر ضرورت کوضرورت سمجھتے ہوئے داغ لگوایا تو شفاء نہ ہوئی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخالفت کا تصور نہیں ہوسکتا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کا مرض تھاان کے لئے داغ لگوانا مضر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پران کومنع فرمایا تھاجب مرض زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے مجبوراً داغ لگوایا مگر شفاء نہ ہوئی۔(درسِ ترمذی ج۲ص۲۷۵)

③ روایتِ کراہت واباحت میں تطبیق:۔ حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ داغ لگوانا بلاضرورت محض حفظ ماتقدم کیلئے مکروہ ہے نیز جب دوسرے ذرائع علاج موجود وممکن ہوں تو داغ لگوانے کومکروہ وخلافِ اولیٰ قرار دیا گیا ہے نیز یہ صرف اہل عرب واہل ترک کا طریق ہے عام علاج نہیں ہے لہٰذا یہ موہوم علاج ہے یقینی نہیں البتہ اگر کوئی حاذق حکیم بطور علاج داغ ہی لگوانا تجویز کردے تو پھر اسکی اجازت ورخصت ہوگی چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی اجازت ہے اس طرح دونوں روایاتِ کراہت واباحت کے درمیان تطبیق ہوجاتی ہے۔(ایضاً)

0313 6357913 makaabirzakariyamultan@gmail.com

④ کی سے روکنے کی حکمت:۔ داغ دینے سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں تکلیف زائد ہے اور اس سے جسم خراب ہوجاتا ہے اور اس میں تعذیب بالنار بھی ہے اور اس کے اثرات جسم کے دوسرے حصوں کی طرف بھی پھیل سکتے ہیں۔(ایضاً)

⑤ آجکل کے آپریشن کا حکم:۔ آج کل کے آپریشن کا بھی یہی حکم ہوگا کہ حتی الامکان آپریشن سے بچنے کی کوشش ہو اور اگر آپریشن ضروری ہو اور اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہے اور آپریشن یہ داغ دینے کے حکم میں ہے۔(ایضاً)

الشق الثانی.....**حدثنا حمید بن عبدالرحمن انه سمع معاویة خطب بالمدینة یقول: این علماؤکم یااهل المدینة سمعت رسول اللهﷺ ینهی عن هذه القصة، ویقول:انما هلکت بنو اسرائیل حین اتخذها نساؤهم، عن عبدالله ان النبیﷺ لعن الواشمات والمستوشمات، والمتنمصات، مبتغیات للحسن مغیرات خلق الله۔**(ص۱۰۶۔ج۲۔قدیمی) **اشرح الکلمات المعلمة۔**

ترجم الحدیثین واشرحهما۔ اذکرالایجوز للنساء استعمال الماکیاجات (میک اپ کا سامان) **ابتغاء للحسن؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی تشریح (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) احادیث کی تشریح (۴) میک اپ کرنے کا حکم۔

جواب..... ① کلماتِ مخطوطہ کی تشریح:۔ "**مستوشمات**" وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کو اپنے بال گودنے کیلئے کہیں۔

"**واشمات**" وہ عورتیں جو دوسروں کے بال گودتی ہیں۔ "**متنمصات**" وہ عورتیں جن کے چہرے کے بال اکھیڑے جائیں۔

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت حمید بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ وہ ارشاد فرمارہے تھے کہ اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پیشانی کے بالوں کا اس طرح گچھا بنانے سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے اور فرمایا کہ بنی اسرائیل بھی اس وقت ہلاک ہوئے تھے جب ان کی عورتوں نے یہ کام شروع کیا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی بال گودنے والی، بال گودوانے والی، چہرہ کے بال اکھیڑنے والی عورتوں پر جو حسن کو تلاش کرنے والی، اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ حلیہ کو تبدیل کرنے والی ہیں۔

③ احادیث کی تشریح:۔ حضرت حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں چلے گئے؟ یعنی تمہیں کسی نے اس بات سے منع نہیں فرمایا کہ تمہاری عورتیں پیشانی کے بالوں کا اس طرح گچھا نہ بنائیں، اگر تمہارے علماء ہوتے تو وہ ضرور تمہیں اس غلط حرکت سے منع فرماتے، کیونکہ بنی اسرائیل بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے کہ ان کی عورتوں نے یہ غلط وشنیع حرکت شروع کردی تھی۔

''بالوں کا جوڑ لگائے یا لگوائے'' اس سے مراد یہ ہے کہ بالوں کے حسن ودرازی کے لئے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے بالوں کا چوٹا لے کر اپنی چوٹی میں شامل کرے یا اپنے بالوں کا چوٹا لے کر کسی دوسری عورت کی چوٹی میں شامل کردے۔

0213 6357917 makkabazaltayyabkan@gmail.com

بالوں کا جوڑ ابنانا اور بالوں کے ساتھ کوئی چیز جوڑنے کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ ① بعض نے مطلقاً اس وصل کو ممنوع قرار دیا ہے خواہ آدمی کے بال ہوں یا غیر آدمی کے یا ریشم اور کپڑے کے دھاگے ہوں۔ مالکیہ اور اکثر شوافع کا یہی مذہب ہے ② انسان کے بال اور کسی چیز کے نجس بال مثلاً مردار جانور کے بال جوڑنا مطلقاً ممنوع ہے البتہ انسان کے علاوہ دیگر پاک بال جوڑنا جائز ہے یہ حنفیہ، حنابلہ وبعض شوافع کا مسلک ہے ③ بالوں کے ساتھ بال جوڑنا اور اسی طرح ایسی چیز جوڑنا جس پر بال کا گمان ہوتا ہو یہ ممنوع ہے اور اگر بالوں کے ساتھ التباس نہیں ہوا تو پھر یہ جائز ہے۔(کشف الباری کتاب اللباس ص۲۸۱)

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے جسم گودنے والی، گدوانے والی اور خوبصورتی وحسن کی خاطر جسم کے بال اکھیڑنے کو طلب کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ گودنا حرام ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کے مرتکب پر لعنت فرمائی ہے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔

وشم کا مطلب یہ ہے کہ جسم کے کسی حصہ کی جلد پر سوئیاں یا اسی طرح کی کوئی چیز چبھوئی جائے یہاں تک کہ خون بہنے لگے پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جائے جو عورت یہ عمل کرے وہ **واشمہ** اور جس عورت کے ساتھ کرے وہ **موشومہ** اور اس عمل کا مطالبہ کرنے والی عورت کو **مستوشمة** کہتے ہیں۔ جسم کے جس حصہ کو گودا گیا ہو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ حصہ نجس ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں بھرے گئے رنگ سرمہ وغیرہ کو زائل کرنا واجب ہے البتہ اگر عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر ازالہ واجب نہیں ہے یہ شوافع کا مسلک ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جب خون جم گیا، زخم مندمل ہو گیا اور رنگ کا صرف نشان باقی ہے تو اس کو زائل کرنا واجب نہیں بلکہ اس کے اوپر پانی ڈالنے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔ (ایضاً ص ۲۸۶)

متنمصه وہ عورت ہے جو دوسروں سے بال اکھڑواتی ہے عموماً خواتین چہرہ وبھنوؤں کو بنانے اور باریک کرنے کے لئے یہ عمل کرتی ہیں حدیث کی وجہ سے یہ ناجائز وحرام ہے۔ البتہ اگر کسی عورت کے چہرہ پر داڑھی یا کچھ زائد بال نکل آئیں تو انہیں صاف کرنے کی اجازت ہے۔ (ایضاً ص ۲۸۳)

④ میک اپ کرنے کا حکم:۔ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کیلئے ہر طرح کی زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کرنا جائز ہے بشرطیکہ تین باتوں کا خیال رہے ① نامحرم کیلئے نہ ہو ② **تغير لخلق الله** نہ ہو یعنی ایسی زیب وزینت نہ ہو جو اصل شکل اور حلیہ ہی بگاڑ دے ③ تشبہ بالکفار نہ ہو۔

﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل .....**عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: لاتقبل صلاة بغير طهور ولا صدقة من غلول قال ابوعيسى: هذاالحديث اصح شئ فى هذاالباب واحسن** ۔ (ص ۳۔ ج ۱۔ قدیمی)

مامعنى "القبول" وكم نوعاله؟ عين المراد ههنا حسبما شرحه المحدثون ۔ هل تشترط الطهارة لصلاة الجنازه وسجود التلاوة؟ اشرح هذه المسالة فى ضوء هذاالحديث واذكر اختلاف العلماء فيها وادلتهم على ذلك ۔ اذكرحكم فاقد الطهورين مع اختلاف الفقهاء ودلائلهم وترجيح الراجح فى ضوء الادلة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) قبول کا معنی اقسام اور معنی مرادی کی تعیین (۲) نماز جنازۃ اور سجدۃ تلاوۃ کے لئے طہارت کا حکم مع الدلائل (۳) فاقد الطہورین کا حکم مع الدلائل۔

جواب ..... ① قبول کا معنی اقسام اور معنی مرادی کی تعیین:۔ قبول دو معنی میں مستعمل ہے ① قبولِ اصابت (۲) قبولِ اجابت۔

قبولِ اصابت کا مطلب **كون الشيئ مستجمعا لجميع الشرائط والاركان** ہے اس معنی کے لحاظ سے یہ صحت کا مترادف ہے اور اس کا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے۔ قبول اجابت کا مطلب **وقوع الشيئ فى حيز مرضاة الرب سبحانه وتعالى** ہے اس کا نتیجہ آخرت کا ثواب ہے قرآن وحدیث میں لفظ قبول دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً حدیث معروف **لايقبل الله صلوٰة حائض الابخمار** (ابوداؤد) میں قبول اصابت مراد ہے دوسری حدیث **من شرب الخمر لم تقبل له صلوٰة اربعين صباحًا** (ترمذی)، اس میں قبول اجابت مراد ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ لفظ قبول کے حقیقی معنی کیا ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ قبول اجابت کے معنی میں حقیقت ہے اور اصابت کے معنی میں مجاز ہے اور علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں اسکو اصابت کے معنی میں مجاز قرار دیا ہے۔

پھر قابل غور بات یہ ہے کہ اس حدیث میں قبول سے کونسے معنی مراد ہیں علامہ تقی الدین ابن دقیق العید نے فرمایا کہ یہ لفظ درحقیقت دونوں معنوں میں مشترک ہے اور کسی ایک معنی کا کوئی قرینہ نہیں لہٰذا ہمیں اس حدیث کی تشریح میں توقف کرنا چاہیے لیکن جمہور کے نزدیک یہاں قبولِ اصابت مراد ہے لیکن امام ترمذی کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں قبول سے قبول اجابت مراد

0313 6537613 maktabazakariyamultan@gmail.com

لیتے ہیں کیونکہ جہاں تک قبول اصابت کا تعلق ہے انہوں نے اسکے طہارت پر موقوف ہونے کیلئے ایک الگ باب ''باب مفتاح الصلوٰۃ الطہور'' کے نام سے قائم کیا ہے ظاہر ہے یہاں اصابتِ صلوۃ ہی مراد ہے اب اگر حدیث باب میں بھی ان کے نزدیک قبول اصابت مراد ہوتا تو وہ یہ مکرر ابواب قائم نہ کرتے بہرحال جمہور کے نزدیک قبولِ اصابت ہی مراد ہے۔(درسِ ترمذی ج ا ص ۱۵۴)

② نمازِ جنازۃ اور سجدۂ تلاوۃ کیلئے طہارت کا حکم مع الدلائل:۔ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کیلئے طہارت کے حکم میں اختلاف ہے۔جمہور علماء کے نزدیک نماز جنازہ وسجدۂ تلاوت کیلئے طہارت شرط ہے۔امام ابن جریر طبری عامر شعبی اور ابن علیہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ بغیر وضو کے درست ہوسکتی ہے یہ مسلک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب ہے لیکن یہ نسبت درست نہیں ہے درحقیقت لوگوں کو مغالطہ اس بات سے لگا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ کے بارے میں ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ **انما ھو دعاء کسائر الادعیۃ** اس سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ دوسری دعاؤں کی طرح نماز جنازہ بھی بغیر وضوء کے ادا کی جاسکتی ہے حالانکہ امام بخاری کا یہ منشاء نہیں تھا بلکہ نماز جنازہ کی حقیقت بتلانا مقصود تھا البتہ سجدۂ تلاوت کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ابن جریر طبری عامر شعبی اور ابن علیہ کے مطابق ہے یعنی یہ حضرات سجدۃ تلاوت کیلئے طہارت کو شرط نہیں کہتے ہیں ان کا استدلال صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک اثر سے ہے جو تعلیقاً روایت کیا گیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں **سجد علی غیر وضوء**۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کے اصلی کے نسخ میں **سجد علی غیروضوء** کی بجائے **سجد علی وضوء** وارد ہوا ہے جو جمہور کے مسلک پر صریح ہے اسکے علاوہ حدیث باب بھی جمہور کی دلیل ہے کیونکہ سجدہ تلاوت بھی ایک طرح کی نماز ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں سجود بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے مثلاً **ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلا طویلا**۔نیز نمازِ جنازہ بھی نماز ہی ہے اولاً اسلئے کہ اس پر نماز کا لفظ مستعمل ہے اور ثانیاً اسلئے کہ اس میں نماز کی طرح قیام اور دعاؤں کی قرأت ہے اسلئے اس میں طہارت شرط ہے باقی اس میں رکوع وسجدہ کا نہ ہونا عارضی مصلحت (شرک کا شبہ) کی وجہ سے ہے۔(ایضاً)

③ فاقد الطہورین کا حکم مع الدلائل:۔ فاقد الطہور کا مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس نہ پانی ہو نہ مٹی ہو وہ کیا کرے یہ صورت قدیم زمانہ میں تو شاذ ونادر تھی لیکن آج کل ہوائی جہاز میں یہ صورت بکثرت پیش آجاتی ہے بہرحال اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص نماز نہ پڑھے بلکہ بعد میں قضاء کرے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس وقت نماز پڑھے اور بعد میں قضاء بھی واجب نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے شخص سے نماز ساقط ہوجاتی ہے نہ اس وقت نماز پڑھنا ضروری ہے اور نہ بعد میں قضاء کریگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں چار اقوال مروی ہیں ایک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اور ایک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس کو علامہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ **یصلی استحبابا ویقضی وجوبا** اور چوتھا قول یہ ہے کہ **یصلی ویقضی وھوا لاصح من اقوالہ**۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ فاقد الطہورین اس وقت تو محض تشبہ بالمصلین کریگا یعنی نماز کی ہیئت بنائے گا قراءت نہ کریگا اور بعد میں قضاء لازم ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قول کی طرف رجوع ثابت ہے اور حنفیہ کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے اور یہی قول فقہی اعتبار سے زیادہ راجح ہے کیونکہ شریعت میں اس کی متعدد نظیریں ہیں کہ جب کوئی شخص کسی عبادت کی حقیقت پر قادر نہ ہو تو اس کو تشبہ کا حکم دیا گیا ہے مثلاً کوئی بچہ رمضان میں دن کے وقت بالغ ہوجائے یا کافر اسلام لے آئے یا حائضہ پاک ہو تو ان کو باقی دن میں امساک کا حکم دیا گیا ہے جو تشبہ بالصائمین ہے اسی طرح کسی کا حج فاسد ہوجائے تو اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ باقی مناسک حج دوسرے حجاج کی طرح ادا کرے جو تشبہ بالحجاج ہے اسی پر قیاس کرکے فاقد الطہورین کو تشبہ بالمصلین کا حکم دیا گیا ہے جو قواعدِ شریعت کے عین مطابق ہے اور حدیث باب بھی حنفیہ کی تائید کرتی ہے کیونکہ اسکی رُو سے کسی قسم کی نماز بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی اور اس میں فاقد الطہورین کی نماز بھی داخل ہے۔(ایضاً ج ا ص ۱۵۶)

الشق الثانی.....**عن ابی امامۃ قال: توضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فغسل وجھہ ثلاثا ویدیہ ثلاثا ومسح برأسہ**

0343 6357913 maktabazikariyamultan@gmail.com

وقال: الاذنان من الرأس.....قال ابوعیسٰی:قال قتیبة:قال حماد: لاادری هذا من قول النبی ﷺ او من قول ابی امامة قال ابوعیسٰی: هذاحدیث لیس اسناده بذاك القائم ۔(ص۱۶۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیثو اشرح مراد حماد بتوضیح ۔ وضح معنی قول الترمذی"هذاحدیث لیس اسناده بذاك القائم" ۔ اذکر مذاهب العلماء فی الاذنین هل تمسحان بماء جدید ام بماء الرأس و اذکر دلائلهم مع الترجیح ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) قولِ حماد کی تشریح (۳) امام ترمذی کے قول کا معنی (۴) مسحِ اذنین میں علماء کے مذاہب (۵) ائمہ کے دلائل اور ترجیحِ راجح۔

جواب ..... ① حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے وضو کیا تو اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ تین تین مرتبہ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور فرمایا کان سر میں داخل ہیں ابوعیسٰی کہتے ہیں کہ قتیبہ حماد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ قول نبی ﷺ کا ہے یا ابوامامہ کا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس حدیث کی سند زیادہ قوی نہیں ہے۔

② قولِ حماد کی تشریح:۔ امام ترمذی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ حماد بن زید جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ **لاادری هذا من قول النبی ﷺ او من قول ابی امامة** یعنی مجھے معلوم نہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا نہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا مشکوک ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ زیلعی نے اس حدیث کی متعدد اسانید نقل کی ہیں جن میں سے بعض نہایت قوی ہیں ان تمام اسانید میں یہ جملہ بلاشبہ مرفوعاً نقل کیا گیا ہے لہٰذا صرف ایک حماد کے شبہ ظاہر کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (درسِ ترمذی ج۱ص ۲۴۸)

③ امام ترمذی کے قول کا معنی:۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے **هذا حدیث لیس اسناده بذاك القائم** یعنی اس کی سند ضعیف ہے اس کے جواب میں علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو شہر بن حوشب راوی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے حالانکہ وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں اور بہت سے حضرات نے ان کی توثیق بھی فرمائی ہے بلکہ خود امام ترمذی نے باب اسم اللہ الاعظم میں ایک ایسی حدیث کی تحسین کی ہے جو شہر بن حوشب سے مروی ہے اسی طرح باب فضلِ فاطمہ میں شہر بن حوشب کی روایت کردہ حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اس کے علاوہ حدیث باب کا مدار شہر بن حوشب پر نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث دوسرے افراد سے بھی مروی ہے لہٰذا اس کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ (ایضاً)

④ مسحِ اذنین میں علماء کے مذاہب:۔ مسحِ اذنین کے لئے ماء جدید لیا جائیگا یا ماءِ راس کافی ہے اس بارے میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں لیکن مشہور مذاہب دو ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک اذنین کے لئے ماء جدید لینا چاہیے کیونکہ مسح اذنین وضوء کا ایک مستقل عمل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نہ صرف نیا پانی واجب نہیں بلکہ مسنون یہ ہے کہ مسح اذنین سر کے بچے ہوئے پانی سے کیا جائے امام احمد، سفیان ثوری اور عبداللہ بن المبارک رحمہم اللہ کا مسلک بھی یہی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

⑤ ائمہ کے دلائل اور ترجیحِ راجح:۔ شافعیہ کا استدلال معجم طبرانی کی ایک روایت سے ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کے مسح کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے **واخذ لصماخیه فمسح صماخیه ماءً جدیدًا** ۔

حنفیہ کی دلیل: حدیث باب میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے **الاذنان من الرأس**، حافظ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس کے علاوہ چار مزید صحابہ سے ایسی احادیث مروی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کا یہ عمل نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے اذنین کیلئے ماء جدید نہیں لیا اس طرح کل بارہ روایتیں حنفیہ کی تائید کرتی ہیں ان میں سے بعض کی اسناد اگرچہ ضعیف ہیں لیکن قوی احادیث کی متابعت اور تائید کی وجہ سے انکا ضعف بھی دور ہو جاتا ہے اس کے علاوہ امام نسائی نے اپنی سنن میں ایک اور لطیف طریقہ سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے وہ یہ کہ

حدیث میں ہے فاذا مسح برأسه خرجت الخطايا من رأسه حتى تخرج من اذنيه، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اذنین راس کے تابع ہیں لہٰذا ماء رأس ان کے لئے کافی ہوگا۔

جہاں تک شوافع کی دلیل معجم طبرانی کی روایت کا تعلق ہے۔ حنفیہ اس کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ ہاتھوں کی تری بالکل ختم ہوگئی ہو اس صورت میں ماءِ جدید لینا مشروع ومسنون ہے لہٰذا حنفی مذہب راجح ہے۔ (درسِ ترمذی ج ا ص ۲۴۷)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل.....حدثنا قتيبة وهناد وابوكريب واحمد بن منيع ومحمودبن غيلان وابو عمار قالوا: حدثنا وكيع عن الاعمش عن حبيب بن ابى ثابت عن عروة عن عائشة ان النبى ﷺ قبل بعض نسائه، ثم خرج الى الصلاة، ولم يتوضأ قال: قلت من هى الاانت ؟قال: فضحكت. قال ابوعيسىٰ ..... وانما ترك اصحابناحديث عائشة عن النبى ﷺ فى هذا لانه لايصح عندهم لحال الاسناد، قال..... ضعف يحيى بن سعيد القطان هذاالحديث جدًا وقال: هو شبه لاشيئ وقدروى عن ابراهيم التيمى عن عائشة ان النبى ﷺ قبلها ولم يتوضأ۔

انكر مذاهب العلماء فى نقض الوضوء من مس المرء ةمع دلائلهم ومبنى اختلافهم فى هذه المسئلة ۔ اشرح ماضعف الترمذى هذاالحديث بقوله "لايصح عندهم لحال الاسناد" ۔ نقل الترمذى ههنا التضعيف من بعض الائمة، فانكر هل اصابوا فى تضعيف هذاالحديث ام لم يصيبوا ۔ انكر الترمذى حديث ابراهيم التيمى عن عائشة، فهل اصاب فى انكاره؟ هل اصاب الترمذى فى قوله "وليس يصح عن النبى ﷺ فى هذاالباب شيئ ؟(ص۲۵۔ج ا۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) مسِ مرءۃ کے ناقضِ وضو ہونے میں اختلاف مع الدلائل واختلاف کی بنیاد (۲) لا يصح عندهم لحال الاسناد کا معنیٰ (۳) حدیث مذکور کا حکم (۴) حدیث ابراہیم تیمی عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند کی وضاحت (۵) امام ترمذی کے قول ليس يصح عن النبى ﷺ فى هذا الباب شئ کا مطلب۔

جواب..... ① مسِ مرءۃ کے ناقضِ وضو ہونے میں اختلاف مع الدلائل واختلاف کی بنیاد:۔

كمامرّ فى الشق الثانى من السوال الاوّل ۱۴۳۲ھ۔ (الورقة الاولىٰ)

② لايصح عندهم لحال الاسناد کا معنیٰ:۔ یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک عن حبيب بن ابى ثابت عن عروة عن عائشة اور دوسرا طریق ابو روق عن ابراهيم التيمى عن عائشة، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی ان دونوں سندوں پر اعتراض کیا ہے۔ پہلی سند پر دو اعتراض کئے ہیں پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہاں سند میں عروہ سے مراد عروہ بن زبیر نہیں بلکہ عروہ مزنی ہیں اور عروہ مزنی مجہول ہے باقی عروہ سے عروہ مزنی مراد ہونے پر قرینہ اور دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے عروہ کے ساتھ مزنی ہونے کی تصریح کی ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے فرمایا قال حدثنا الاعمش قال حدثنا اصحاب لنا عن عروة المزني عن عائشة بهذا الحديث تو اس میں عروہ مزنی کی تصریح موجود ہے نیز امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے قال ما حدثنا حبيب الاعن عروة المزنى يعنى لم يحدثهم عن عروة ابن الزبير بشيئ اس بات کا قرینہ ہے کہ حدیث باب میں عروہ مزنی مراد ہیں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ابوداؤد کے اس طریق کا تعلق ہے جس میں مزنی کی صراحت موجود ہے اس کی سند انتہائی کمزور ہے اول تو اس کا راوی عبدالرحمٰن بن مغراء ہے جس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں چنانچہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ان کیلئے چھ سو حدیثیں اعمش سے مروی تھیں جن کو ہم نے عبدالرحمٰن کی وجہ سے چھوڑ دیا نیز دوسرے محدثین سے اس کی تضعیف منقول ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں اصحاب لنا ہے جو کہ مجہول ہیں لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور سفیان ثوری کا قول اوّل تو امام ترمذی، ابوداؤد نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے دوسرے خود امام ابوداؤد ہی نے آگے اس کی تردید کردی چنانچہ فرماتے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہیں **وقد روی حمزة الزیات عن حبیب عن عروة ابن الزبیر عن عائشة حدیثا صحیحا**، اس سے امام ابو داؤد نے وہ روایت مراد لی ہے جس کو امام ترمذی نے کتاب الدعوات میں ذکر کیا ہے۔

باقی سفیان ثوری کے قول کی اولاً تو کوئی سند نہیں ہے، ثانیاً اگر یہ قول صحیح بھی ثابت ہو جائے تو پھر یہ انکے اپنے علم کے مطابق ہے۔

دوسرا اعتراض اس حدیث کی سند پر یہ کیا گیا ہے کہ اگر عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہی ہیں تو ان سے حبیب بن ابی الثابت کا سماع ثابت نہیں چنانچہ امام ترمذی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے **حبیب بن ابی الثابت لم یسمع من عروة**۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع ایسے لوگوں سے بھی ہے جو عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم ہیں دراصل امام بخاری کا یہ اعتراض ان کے اپنے اصول کی بناء پر ہے کہ وہ محض معاصرت کو اتصال کے لئے کافی نہیں سمجھتے بلکہ ثبوت لقاء اور سماع کو ضروری قرار دیتے ہیں لیکن امام مسلم کے ہاں معاصرت اور امکانِ سماع صحتِ حدیث کے لئے کافی ہے اور یہاں معاصرت موجود ہے لہٰذا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ (درسِ ترمذی والمسائل والدلائل)

نوٹ: عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہونے کے دلائل اصل شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

③ حدیث مذکور کا حکم:۔ بعض ائمہ نے حدیث مذکور کو جو ضعیف قرار دیا ہے انہوں نے یہ درست نہیں کیا اور ماقبل والی جزئی میں اس کی تصریح گزر چکی ہے۔

④ حدیث ابراہیم تیمی عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند کی وضاحت:۔ ماقبل والی عبارت میں مذکور اس حدیث کا دوسرا طریق جو ابراہیم تیمی سے منقول ہے حدیث کے اس طریق کو امام ابو داؤد نے ذکر کرنے کے بعد اس پر منقطع ہونے کا اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ **ھو مرسل وابراھیم التیمی لم یسمع من عائشة شیئًا** اور یہی اعتراض امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس انقطاع والے اعتراض کی بناء پر یہ حدیث زیادہ سے زیادہ مرسل ہوگی اور محدثین کے نزدیک ثقات کی مرسل روایت حجت ہوتی ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے **عن ابراھیم التیمی عن ابیه عن عائشة فوصل اسناده** اس طریق میں یہ روایت عن ابیہ کی زیادتی کی وجہ سے متصل ہوگئی اس لئے یہ اعتراض بالکل زائل ہو جاتا ہے۔

اس کی مزید تفصیل **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاوّل ۱۴۳۲ھ۔** (الورقة الاولٰی)

⑤ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے قول **لیس یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الباب شیء** کا حکم:۔ یہ جملہ بھی امام ترمذی نے اپنے علم اور اجتہاد کے مطابق فرمایا ہے ورنہ بخاری اور مسلم کی روایتیں اسی باب سے متعلق ہیں جو کہ بلاشبہ صحیح ہیں اور اگر بالفرض اس حدیث کو ضعیف بھی مان لیا جائے تب بھی تعددِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے اور قابل استدلال ہے۔ (درسِ ترمذی)

الشق الثانی.....**عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یحل سلف وبیع ولاشرطان في بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندك.** (ص۲۳۳۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث ثم اشرح الحدیث المذکور مع اختلاف العلماء وأدلتهم في هذه المسائل.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ حدیث کی تشریح (۳) ائمہ کا اختلاف۔

جواب..... ① حدیث شریف کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلف اور بیع حلال نہیں اور ایک بیع میں دو شرطیں بھی جائز نہیں اور جس چیز کا وہ ضامن نہ ہو اس کا نفع بھی حلال نہیں اور جو چیز اس کے پاس نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔

② و ③ مذکورہ حدیث کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جملوں میں چار حکم بیان فرمائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

لایحل سلف وبیع یعنی قرضہ اور بیع ایک ساتھ کرنا حلال نہیں اس کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ کوئی شخص بیع کے اندر قرض کی شرط لگا دے مثلاً یہ کہے کہ میں تم سے فلاں چیز خریدتا ہوں بشرطیکہ تم مجھے اتنے روپے قرض دو یہ معاملہ جائز نہیں اسلئے کہ بیع کے ساتھ ایک ایسی شرط لگائی جارہی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص کو قرض کی ضرورت تھی اس نے دوسرے شخص سے قرض مانگا تو دوسرے شخص نے کہا کہ میں اس وقت تک قرض نہیں دوں گا جب تک تم مجھ سے فلاں چیز اتنے روپے میں نہیں خریدو گے، مثلاً ایک کتاب کی قیمت بازار میں پچاس روپے ہے لیکن قرض دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھ سے یہ کتاب سو روپے میں خریدلو تب میں تمہیں قرض دوں گا اس طرح وہ اس قرض پر براہ راست سود کا مطالبہ تو نہیں کر رہا ہے لیکن اس نے اسکے ساتھ ایک بیع لازم کردی اور اس میں قیمت زیادہ وصول کرلی اس طرح بالواسطہ اس نے سود وصول کرلیا اس کو بیع العینہ بھی کہتے ہیں اور یہ سود حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے اسلئے حرام اور ناجائز ہے۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے سے بیع سلم کرتے ہوئے کہا کہ تم یہ سو روپے لے لو اور ایک ماہ بعد ایک من گندم مجھے دے دینا اور ساتھ میں اس سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کسی وجہ سے تم ایک ماہ بعد ایک من گندم فراہم نہ کرسکے تو وہ گندم میں نے تم کو ایک سو دس روپے میں فروخت کردی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تم ایک ماہ بعد ایک سو دس روپے ادا کرو گے یہ بھی ناجائز ہے اسلئے کہ یہ بھی سود وصول کرنے کا ایک حیلہ ہے گندم درمیان سے غائب ہوگئی اور ایک سو روپے کے ایک سو دس روپے وصول کرلئے لایحل بیع وسلف کے یہ تین معانی بیان کئے گئے ہیں۔

ولاشرطان فی بیع: کمامرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۷ھ۔ (الورقة الثانية)

ولاربح مالم یضمن یہ ایک بہت بڑا قاعدہ کلیہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اور اس پر بے شمار احکام شرعیہ متفرع ہوتے ہیں مطلب اس کا یہ ہے کہ جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں اس پر نفع لینا بھی جائز نہیں اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ایک بکری خریدی لیکن ابھی تک اس نے بکری پر قبضہ نہیں کیا بلکہ بائع کے قبضے میں ہے اگر اس حالت میں بکری مرجائے تو نقصان بائع کا ہوگا اب اس کو قیمت نہیں ملے گی اور اگر قیمت وصول کرلی تھی تو مشتری کو واپس لوٹانا ضروری ہوگا اور اگر مشتری وہ بکری اپنے گھر لے آیا اور یہاں آکر وہ بکری مرگئی تو اب نقصان مشتری کا ہوگا لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ جب تک بکری بائع کے قبضے میں تھی وہ اس وقت تک بائع کے ضمان میں تھی اور جب مشتری نے اس بکری پر قبضہ کرلیا تو اب مشتری کے ضمان میں آگئی اب حدیث کے الفاظ سے یہ قاعدہ نکل رہا ہے کہ جب تک مبیع مشتری کے ضمان میں نہ آجائے اس وقت تک وہ اس مبیع کو آگے فروخت نہیں کرسکتا لہٰذا ایک مشتری نے اس بکری پر قبضہ کئے بغیر کسی تیسرے شخص کو وہ بکری فروخت کردی مثلاً دس روپے کی خرید کر بارہ روپے میں فروخت کردی تو اس عقد کے اندر جو دو روپے اس نے نفع کے حاصل کئے اس کو **ربح مالم یضمن** کہا جائے گا کیونکہ یہ مشتری ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو ابھی اس کے ضمان میں نہیں آئی لیکن اگر مشتری نے بکری پر قبضہ کرنے کے بعد تیسرے شخص کو بارہ روپے میں فروخت کردی تو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ یہ ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو اس کے اپنے ضمان میں ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ کسی چیز پر نفع لینا اسی وقت جائز ہوتا ہے جب انسان اس کی ہلاکت کا خطرہ اپنے سر لے اگر ہلاکت کا خطرہ اپنے سر نہیں لے رہا تو اس پر نفع لینا بھی جائز نہیں۔

لابیع مالیس عندك بیع مالم یقبض کے ناجائز ہونے کی بھی یہی علت ہے اس لئے کہ جب تک مشتری اس چیز پر قبضہ نہیں کریگا اس وقت تک وہ چیز اس کے ضمان میں نہیں آئے گی لہٰذا اس پر نفع لینا جائز نہ ہوگا۔

جمہور فقہاء کا استدلال: جمہور فقہاء جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں وہ حدیث کے اس جملہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض ہر صورت میں ناجائز ہے چاہے مبیع مکیلات وموزونات میں سے ہو یا عددیات میں سے ہو مثلیات میں سے ہو یا قیمیات میں سے ہو البتہ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض صرف طعام میں ناجائز ہے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف مکیلات اور موزونات میں ناجائز ہے عددیات میں جائز ہے، یہ حضرات فقہاء اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں طعام کا ذکر ہے کہ **نهٰی رسول اللّٰه ﷺ عن بیع الطعام حتی یستوفیه** یعنی حضور اقدس ﷺ

نے طعام کو آگے بیچنے سے منع فرمادیا جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے اور بعض طرق میں وکذلك كل مايكال ويوزن کا اضافہ ہے اس سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو مکیلی اور موزونی چیزوں کے علاوہ میں بیع قبل القبض کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جمہور فقہاء حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ لاربح مالم يضمن، اس جملے سے معلوم ہورہا ہے کہ غیر مقبوض کی بیع کے عدمِ جواز کی علت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو ابھی اسکے ضمان میں نہیں آئی اور یہ علت جس طرح مکیلات اور موزونات میں پائی جاتی ہے اسی طرح عددیات میں بھی پائی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں میں غیر مقبوض کی بیع جائز نہیں چاہے وہ کیلی اور وزنی ہو یا عددی ہو چاہے وہ طعام ہو یا غیر طعام ہو۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک زمین اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے کیونکہ اس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے اور قبضہ وہاں ضروری ہے جہاں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ (تقریر ترمذی ج ۱ ص ۱۰۶)

﴿الورقة الثالثة: جامع الترمذی﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَاتَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا وَلٰکِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا۔ قال ابو ایوبَ فَقَدِمْنَا الشامَ فوجدنا مراحِیضَ قد بُنِیت مستقبل القِبلةِ فننحرِف عنها ونستغفِر اللّٰہ۔(باب فی النهی عن استقبال القبلة بغائط او بول)

اكتب اختلاف الائمة فی استقبال القبلة واستدبارها مع دلائلهم ۔ ما هو جواب الاحناف عن دلائل الاٰخرين۔ وضّح الجملة: فقدمنا الشام الخ

جواب..... ① استقبال واستدبارِ قبلہ میں اختلاف، دلائل، وجہِ ترجیح:۔ کما مرّ فی الورقة الثانية الشق الاول من السوال الاول ۱۴۲۷

② فقدمنا الشام الخ کی وضاحت:۔ ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ملکِ شام میں قبلہ رخ بنے ہوئے بیت الخلاء دیکھے پس ہم ان سے انحراف کرتے تھے۔ عنها کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ① مراحیض، مطلب یہ کہ ہم ان مراحیض و بیت الخلاء سے انحراف کرتے تھے ان کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ ② مرجع قبلہ ہے، مطلب یہ کہ ہم قضاءِ حاجت کے وقت قبلہ سے انحراف کرتے ہوئے اپنا رخ تبدیل کرلیتے اور اگر کبھی بھول کر قبلہ رخ بیٹھ جاتے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

الشق الثانی.....عن ابی هريرة قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اذا اشتدّ الحرّ فابردوا عن الصلاة فَاِنَّ شدّة الحرّ من فيح جهنم۔ هل التعجيل بالظهر افضل ام التاخير؟ اذكر اختلاف العلماء فيه مع الدلائل ولاتنس ذكر الجواب من قبل الاحناف عن دلائل الآخرين۔ اشرح الجملة : فاِنَّ شدّة الحر من فيح جهنم۔ اذكر ترجمة موجزة لسيدنا ابی هريرة رضی اللہ عنہ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① تعجیلِ ظہر کی افضلیت میں اختلاف مع دلائل ② فاِنّ شدّۃ الحر من فیح جہنم کی تشریح ③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① تعجیلِ ظہر کی افضلیت میں اختلاف مع دلائل:۔ کما مرّ فی السوال الاول ۱۴۳۹ھ۔

② فاِنّ شدّة الحر من فيح جهنم کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیا اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ کا نتیجہ ہے، گویا یہ دوپہر کا وقت جہنم کے پھیلاؤ کا وقت ہے، اسلئے اس نامناسب وقت میں نماز پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

③ حضرت ابوہریرہؓ کے حالات:۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام زمانہ جاہلیت میں عبدشمس تھا اور اسلام لانے کے بعد عبداللہ یا عبدالرحمٰن (بن صخر دوسی) رکھا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو طبعی طور پر بلیوں کے ساتھ اُنس تھا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ کی آستین میں سے بلّی کا بچہ نکلا، آپ ﷺ نے فرمایا انت ابا هريرة۔ انہوں نے تبرک کی وجہ سے اپنی کنیت ابوھریرہ ہی

رکھ لی۔آپ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے اور چار سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہے اور ۳۵ھ میں ۸۷ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد ۵۳۶۴ ہے۔(خیر التوضیح ۱:۸۵)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....أَخْبَرَنِیْ كُرَيْبٌ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ بَعَثَتْهُ إِلٰى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ قَالَ: فَقَدِمْتُ الشَّامَ فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا وَاسْتُهِلَّ عَلَيَّ هِلَالُ رَمَضَانَ وَأَنَا بِالشَّامِ،قَالَ فَرَأَيْنَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فِيْ آخِرِ الشَّهْرِ، فَسَأَلَنِيْ اِبْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ ذَكَرَالْهِلَالَ فَقَالَ: مَتٰى رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ،فَقُلْتُ: رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ، فَقَالَ: أَأَنْتَ رَأَيْتَهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَقُلْتُ: رَآهُ النَّاسُ وَصَامُوْا وَصَامَ مُعَاوِيَةُ، قَالَ: لٰكِنْ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ فَلَا نَزَالُ نَصُوْمُ حَتّٰى نُكْمِلَ ثَلَاثِيْنَ يَوْماً أَوْنَرَاهُ فَقُلْتُ: أَلَاتَكْتَفِيْ بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ وَصِيَامِهِ؟ قَالَ: لَا، هٰكَذَا أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔(ص ۱۴۸۔ج ۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث بعد ضبطه بالشکل ۔ اذکر مسألة اختلاف المطالع هل یعتبر أم لا و اذکر أدلة العلماء۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ خبر دی مجھ کو کریب نے کہ ام فضل بنت حارث نے مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیجا۔کریب کہتے ہیں کہ میں شام گیا اور ان کا کام پورا کیا،اسی اثناء میں رمضان آ گیا۔پس ہم نے جمعہ کی شب چاند دیکھا،پھر میں رمضان کے آخر میں مدینہ واپس آیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے چاند کا ذکر کیا اور پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا تھا؟ میں نے کہا جمعہ کی شب کو،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا: لوگوں نے دیکھا اور روزہ رکھا،حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا لہٰذا ہم تیس روزے رکھیں گے یا یہ کہ عید الفطر کا چاند نظر آ جائے۔حضرت کریب کہتے ہیں کہ: میں نے کہا کیا آپ کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا! نہیں،ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم دیا ہے۔

③ و ④ اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ حدیث باب سے ائمہ ثلاثہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اختلافِ مطالع شرعاً معتبر ہے لہٰذا ایک مطلع کی رؤیت دوسرے مطلع کے لئے کافی نہیں بلکہ ہر شہر کے لوگ اپنی رؤیت کا الگ اعتبار کرینگے لیکن حنفیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر نہیں لہٰذا اگر کسی ایک شہر میں چاند نظر آ جائے تو دوسرے شہر کے لوگ اسکے مطابق رمضان یا عید کر سکتے ہیں خواہ انہیں چاند نظر نہ آئے بشرطیکہ اس شہر میں رؤیتِ ہلال کا ثبوت شرعی طریقہ سے ہو جائے یعنی شہادت سے یا شہادت علی الشہادت سے۔یا شہادت علی القضاء سے یا استفاضہ خبر سے۔

البتہ متأخرین حنفیہ میں سے حافظ زیلعی نے کنز کی شرح میں لکھا ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلافِ مطالع ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے لہٰذا بلادِ بعیدہ کی رؤیت کافی نہیں۔متأخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔

لیکن بلادِ قریبہ اور بعیدہ کی تفریق کا کیا معیار ہوگا؟ اس کی وضاحت کتبِ فقہ میں نہیں ہے،البتہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں اس کا یہ معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بلاد اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے وہاں اختلاف مطالع معتبر ہوگا (یعنی ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لئے کافی نہ ہوگی) کیونکہ ایسے بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو مہینہ یا اٹھائیس دن کا یا اکتیس دن کا ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثِ باب چونکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مسلک کے عین مطابق اور ان کا مستدل ہے اسلئے حنفیہ کی

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

طرف سے اس کی متعدد توجیہات کی جاتی ہیں: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فیصلہ اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے شام کو مدینہ طیبہ کے مقابلہ میں بلاد بعیدہ میں سے شمار کیا اور بلاد کا قُرب وبُعد ایک اجتہادی چیز ہے۔ ② ان کی رؤیت مدینہ طیبہ کیلئے کافی ہوسکتی تھی لیکن چونکہ خبر دینے والے صرف حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ تھے اور نصابِ شہادت موجود نہ تھا اسلئے حضرت ابن عباسؓ نے اسے قبول نہ کیا۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ مسئلہ رمضان کی رؤیت کا تھا جس میں شہادت شرط نہیں ہوتی لہٰذا اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہوتو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کا اعتبار کرتے ہوئے شام کی رؤیت کا اعتبار کرنا چاہیے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اگرچہ رمضان کے چاند کا معاملہ تھا لیکن چونکہ یہ گفتگو مہینہ کے آخر میں ہورہی تھی اسلئے اس سے عید کا مسئلہ متعلق ہوگیا تھا اور اس میں ایک شخص کی خبر یا شہادت کافی نہ تھی اور یہاں چاند کی خبر دینے والے صرف حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداءِ رمضان میں تو ثبوت ''شہر'' کے لئے ایک شخص کی خبر کافی سمجھی گئی ہے۔ البتہ انتہاءِ رمضان میں اگر کوئی شخص ہلال رمضان کی رؤیت کے بارے میں شہادت دے تو اس کی دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ ماہِ رمضان ہی کی شہادت ہے اس لئے ایک آدمی کی خبر کافی ہونی چاہیے اور دوسری یہ کہ اب اس رؤیت سے عید کا مسئلہ متعلق ہوگیا ہے اس لئے رمضان کے لئے بھی عید کا نصابِ شہادت ضروری ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غالباً اسی دوسری جہت کو درست سمجھا چنانچہ حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان پر فیصلہ نہ فرمایا۔

بہرحال بلادِ بعیدہ میں متاخرین حنفیہ کا مسلک بھی ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر ہے۔ (درسِ ترمذی ۲:۵۳۰)

الشق الثانی.....**عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قضى بيمين وشاهد....** (ص۱۵۲۔ج۲۔رحمانیہ)

اشرح الحديث شرحا وافيا۔ بيّن مذاهب الائمة في هذه المسألة مع أدلتهم۔ اذكر ترجيح ماذهب اليه الامام أبو حنيفةؒ۔

جواب..... ① حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث کے سمجھنے میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہؒ نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ مدعی کے پاس ایک گواہ تھا، آنحضرت ﷺ نے دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی، اسلئے ان کے نزدیک اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہوتو قاضی دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے کر اسکے حق میں فیصلہ کرے گا۔ حنفیہ کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک گواہ کے ساتھ یعنی اس کی موجودگی میں آپ ﷺ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا یعنی مدعی کے ایک گواہ کو کالعدم قرار دیا، اسلئے کہ ایک گواہ نصابِ شہادت سے کم ہے۔ غرض اس حدیث کا معمل متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۴:۲۶۷)

② قضاء بالیمین والشاهد میں اختلاف مع دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں اگر مدعی کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت کیلئے صرف ایک گواہ ہوتو صرف ایک گواہ پر اکتفاء بھی جائز ہے بشرطیکہ مدعی اس کے ساتھ قسم بھی کھائے گویا ان کے ہاں مدعی کا قسم کھانا دوسرے گواہ کے قائم مقام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مدعی کیلئے اپنے دعویٰ کے ثبوت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کیلئے ضروری ہیں لہٰذا ایک گواہ کی موجودگی میں مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا اگرچہ مدعی قسم کھانے کیلئے تیار ہو، الغرض ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قضاء بالیمین والشاهد جائز ہے اور حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا، یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف طرق سے منقول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ **واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرء تان** (البقرۃ) اور اسی طرح دوسری آیت **واشهدوا ذوى عدل منكم** سے استدلال فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں گواہوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔

دوسری دلیل احناف کی مشہور ومعروف روایت جو قاعدہ کلیہ ہے **البينة على المدعي واليمين على المدعٰى عليه**

اوقال علی المنکر ہے اس حدیث میں بینہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے اور یمین مدعیٰ علیہ کی ذمہ داری اور وظیفہ قرار دیا گیا ہے۔ گویا آپ ﷺ نے دونوں کی ذمہ داری کو تقسیم فرمایا ہے اور قسمت (تقسیم) شرکت کے منافی ہے لہٰذا مدعی سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا اور مدعی علیہ سے گواہوں کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، جبکہ **قضاء بالیمین والشاھد** میں مدعی سے جو قسم کا مطالبہ ہے وہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

احناف کی طرف سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق پر کلام کیا گیا ہے اور کوئی بھی طریق صحیح سند سے ثابت نہیں لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا کہ محض سند کی کمزوری کی وجہ سے اس کو رد کر دیا جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ **قضی بالیمین مع الشاھد** کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے مدعیٰ علیہ سے قسم لیکر فیصلہ فرمایا، لیکن یہ جواب بھی اس لئے درست نہیں کہ اس میں مدعیٰ علیہ کی یمین نہیں بلکہ مدعی کی یمین مراد ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی بہت بڑی جماعت اس کی قائل ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث اخبار آحاد ہیں اور اخبار آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی اس لئے ان احادیث کو قرآن کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

چوتھا جواب جو سب سے راجح ہے وہ یہ ہے کہ اصل نصاب شہادت تو وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا لیکن بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں پورا نصاب شہادت مہیا کرنا ممکن نہیں ہوتا تو ایسے خاص حالات اور اعذار جن میں ایک سے زائد گواہ بنانا ممکن نہ تھا تو ان مقامات میں آپ ﷺ نے **قضی بالیمین مع الشاھد** کی اجازت دیدی تو یہ ایک استثنائی صورت ہے اور حدیث باب کے ذریعے اس صورت کو اصل حکم (دو گواہ) سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ (تقریر ترمذی ج ۱ ص ۲۸۲)

③ مذہب حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ حنفیہ کا مذہب قوی وراجح ہے اسلئے کہ قرآنی آیات اور قواعد فقہ کے مطابق ہے بخلاف دیگر ائمہ کے کہ انکے مذہب کا مدار اخبارِ آحاد پر ہے جن سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی اور ان احادیث کو قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....**عن انسِ بنِ مالِكٍ انّه قال اُحدِّثُكم حدِيثا سمِعتُه مِن رسولِ اللّٰهِ ﷺ لا يحدِّثكم احدٌ بعدِي انّه سمِعه مِن رسولِ اللّٰهِ ﷺ قال قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ اِنّ مِن اَشراطِ السّاعةِ ان يُرفعَ العِلمُ ويَظهرَ الجهلُ ويفشُو الزّنا وتُشربَ الْخمرُ ويَكْثُرَ النِساءُ ويَقِلَّ الرِجالُ حتى يكونَ لِخمسِينَ اِمرأةٍ قيِّمٌ واحِدٌ ۔(ابواب الفتن۔باب ماجاء فی اشراط الساعة)**

ترجم الحديث واشرحه شرحا وافيا۔اوضح مفهوم العبارة التی فوقها خط ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اور یہ حدیث میرے بعد کوئی ایسا شخص بیان نہیں کرے گا جس نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت ظاہر وغالب ہوجائے گی، زنا رواج پکڑ جائے گا، شراب بکثرت استعمال ہوگی، عورتوں کی کثرت ہوگی اور مرد کم ہوجائیں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک ہی مرد ہوگا۔

② حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا یعنی حقیقی عالم اس دنیا سے اٹھ جائیں گے یا یہ کہ علماء کی قدر ومنزلت اٹھ جائے گی، جہالت کی زیادتی ہوجائے گی یعنی ہر طرف جاہل وناداں ہی نظر آئیں گے جو اگرچہ علم ودانش کا دعوی کریں گے مگر حقیقت میں علم ودانش سے کوسوں دور ہوں گے، زنا کثرت سے ہونے لگے گا کیونکہ لوگوں میں شرم وحیا اور غیرت کم ہوجائے گی، شرب بہت پی جائے گی اور پھر شراب خوری کی زیادتی لوگوں میں فتنہ وفساد پھیلنے کا باعث ہوگی، مردوں کی تعداد کم ہوجائے گی جن کے دم سے عالم کا نظام استوار ومستحکم ہوتا ہے، عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی کہ جن کے ذریعہ ضروری اور اہم امور سرانجام تو کیا پاتے ان کی وجہ سے تفکرات وپریشانیوں اور مال ودولت حاصل کرنے کا غم ضرور

0313 3557013 maktabazakariyamultan@gmail.com

برداشت کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری کرنے والا ایک مرد ہوگا۔

ان پانچ امور کو آپ ﷺ نے علاماتِ قیامت میں سے شمار کیا ہے کیونکہ صلاحِ معاش ومعاد میں ان امور سے خلل پڑتا ہے چنانچہ رفعِ علم وظہورِ جہل سے دین تباہ ہوگا، شربِ خمر سے عقل اور زنا سے نسب اور کثرت فتن جو عورتوں کی کثرت کا نتیجہ ہے اس میں نفس ومال کی تباہی ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عالم کی تباہی میں ان مذکورہ امور کو زیادہ تر دخل ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ امور پائے جائیں گے تو عالم میں فساد ہوگا پھر تو قیامت آ ہی جائے گی اس وجہ سے ان پانچ امور کو علاماتِ قیامت میں سے شمار کیا گیا ہے۔

③ عبارتِ مخطوطہ کا مفہوم:۔ اس جملہ سے یہ مراد نہیں کہ ایک ایک مرد کی پچاس بیویاں ہوگی بلکہ یہ مراد ہے کہ ایک ایک مرد پر پچاس پچاس عورتوں کی کفالت وخبر گیری کا بوجھ ہوگا جن میں مائیں، خالائیں، دادیاں، بہنیں، پھوپھیاں وغیرہ ہوں گی۔

عورتوں کی کثرت کی وجہ کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں اور فرماتے ہیں کہ عورتوں کی کثرت اس وجہ سے ہوگی کہ فتنے بہت ہوں گے قتال ہوگا مرد قتال میں مرجائیں گے عورتیں جہاد نہیں کرتی ہیں وہ باقی رہ جائیں گی۔ ابوعبدالملک فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے کثرتِ فتوحات کی طرف کہ مسلمانوں کو خوب فتوحات ہوں گی عورتیں قید کر کے لائی جائیں گی ایک ایک آدمی کے پاس کثیر موطوأت جمع ہوں گی۔ مگر حافظ نے اس قول کو رد فرمادیا بلکہ مراد یہ کہ آخر زمانہ میں مردوں کی پیدائش کم ہوگی اور عورتوں کی پیدائش زیادہ ہوگی۔ یا یہ مراد ہے کہ زنا اتنی کثرت سے ہوگا کہ ایک ایک شخص کے یہاں پچاس پچاس مزنیہ ہوں گی (باقی خمسین کا لفظ حقیقت پر محمول ہے یا محض کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ دوسری روایت میں چالیس عورتوں کا ذمہ دار ایک شخص کو قرار دیا گیا ہے)۔

الشق الثانی.....**اَنّ رسولَ اللّٰہِ ﷺ قال اِنّ الدِینَ لیأرِزُ اِلَی الحِجَازِ کَمَا تأرِزُ الحیۃ اِلی جُحرِھا ولَیَعقِلَنَّ الدِینُ مِن الحِجازِ مَعقِلَ الأُرْوِیَّۃِ مِن رأسِ الجَبَلِ اِن الدِینَ بَدَأَ غرِیبا ویرجِعُ غرِیبا فطُوبٰی لِلغرباءِ الذِیْنَ یُصلِحُوْنَ ما افسد الناسُ مِن بعدِی مِن سنتِی۔** (ابواب الایمان۔باب ما جاء ان الاسلام بدأ غریبا....)

ترجم الحدیث واشرحہ شرحا وافیا۔حقق الکلمات التی فوقھا خط۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دینِ اسلام حجاز کی طرف اس طرح سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل وسوراخ کی طرف سمٹتا اور پناہ گزین ہوتا ہے اور دین حجازِ مقدس میں اس طرح پناہ گزین ہوگا جس طرح جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے۔ نیز دین کی ابتدا بھی غربت سے ہوئی اور وہ غربت ہی کی طرف لوٹے گا۔ پس ان غریبوں کیلئے خوشخبری ہے جو اس چیز کو صحیح کریں گے جسے لوگوں نے میری سنت میں سے میرے بعد بگاڑ دیا۔

② حدیث کی تشریح:۔ آخر زمانہ میں مسلمانوں کا یہ حال ہوجائے گا کہ دینداروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا، کفر والحاد کا ایسا غلبہ ہوگا کہ مسلمانوں کیلئے حجاز کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں رہنا دشوار ہوجائے گا، اور دنیا کے تمام مسلمان سمٹ کر حجاز میں یعنی مکہ ومدینہ میں آ کر رہیں گے، یہی جگہ مسلمانوں کیلئے جائے پناہ ہوگی، جیسے سانپ بل سے روزی تلاش کرنے کیلئے نکلتا ہے پھر لوٹ کر وہیں آجاتا ہے اور پہاڑی بکرا چرنے کیلئے پہاڑ سے نیچے اترتا ہے، پھر چوٹی پر چڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح ایسا زمانہ آئے گا جب ساری دنیا میں مسلمان کسمپرسی کی حالت میں ہوجائیں گے، اس وقت جو مسلمان دین کو مضبوط تھامے رہیں گے ان کیلئے آخرت میں ہر نعمت اور ہر خوش حالی ہے۔

③ کلماتِ مخطوطہ کی تحقیق:۔ **لَیَأرِزُ: یہ اَرَزًا** (نصر، ضرب، فتح۔ مہموز) سے مضارع کا صیغہ ہے بمعنی پناہ لینا، سکڑنا، سمٹنا۔

جُحر: اسم ہے بمعنی بل وسوراخ۔ **لَیَعقِلَنَّ: یہ عَقلًا عُقُوْلًا** سے لام تاکید بانون ثقیلہ کا صیغہ ہے بمعنی پناہ لینا۔

اَلْاُرْوِیَّۃ: یہ مفرد ہے اسکی جمع اَرَاوِیْ ہے بمعنی پہاڑی بکرا (نر ومادہ دونوں کے لئے)۔

(لا الٰہ الّا انت سبحانک انّی کنتُ من الظالمین)

0313 6357913 makkabazakariyamm@gmail.com

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاری﴾

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۷ھ

الشق الاوّل.....باب﴿الا انّهم يثنون صدورهم ليستخفوا منه الاحين يستغشون ثيابهم يعلم ما يسرّون وما يعلنون انه عليم بذات الصدور﴾وقال غيرعكرمة وحاق نزل يحيق ينزل يؤس من يئست وقال مجاهدتبتئس تحزن يثنون صدورهم شك وامراء فی الحق ليستخفوامنه من الله ان استطاعوا وفار التنور نبع الماء وقال عكرمة:وجه الارض۔

ترجم العبارة واشرح المفردات المذكورة شرحا رائعا۔ ان كان المراد من التنور تنورالخبز فاين محل وقوعه فی الارض؟ فی شان نزول الآية الكريمة قولان اذكرهما ذكرا حقا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں: (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مفرداتِ مذکورہ کی تشریح (۳) تنور کا محلِ وقوع (۴) شانِ نزول کے دونوں اقوال کی وضاحت۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ باب: آگاہ رہو بے شک وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تا کہ وہ چھپ جائیں اُس سے، آگاہ رہو جس وقت وہ چھپاتے ہیں اپنے سینوں کو اپنے کپڑوں میں، جانتا ہے وہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ دلوں کے بھید خوب جاننے والا ہے۔

② مفرداتِ مذکورہ کی تشریح:۔ "حَاقَ" عکرمہ کے علاوہ دیگر حضرات (ابوعبیدہ) نے کہا کہ حاق بمعنیٰ نزل، یحیق بمعنیٰ ینزل ہے (وہ اُن کو گھیر لے گا یعنی اُن پر اتر پڑے گا)۔ "يَؤُوْسٌ" یہ فعولٌ کے وزن پر ہے اور یہ يَئِسْتُ سے ماخوذ ہے بمعنیٰ ناامید ہونا اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تَبْتَئِسْ تحزن کے معنیٰ میں ہے (فلاتبتئس بماكانوا يفعلون، پس آپ غم نہ کیجئے جو کچھ وہ کر رہے ہیں)۔ "يَثْنُوْنَ" شَكٌّ وَ اِمْتِرَاءٌ فِي الْحَقِّ اس جملہ سے امام بخاریؒ نے دوسرے شانِ نزول کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ جملہ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کی تفسیر نہیں، کفار و مشرکین کے فعل کی علت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اس طرح کی جو حرکتیں کرتے ہیں یہ حق میں شک کی وجہ سے کرتے ہیں۔

"فَارَ التَّنُّوْرُ" اسکے بعد والی عبارت میں فار التنور کا معنیٰ و مصداق بیان کیا گیا ہے جس کی تشریح مابعد والے امر میں آرہی ہے۔

③ تنور کا محلِ وقوع:۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ تنور سے سطحِ زمین مراد ہے یعنی سطحِ زمین سے پانی ابلنا شروع ہو گیا تھا، بعض حضرات نے تنور سے معروف معنیٰ مراد لیا ہے اور کہا کہ آدم علیہ السلام کا تنور مقام "عین وردہ" ملکِ شام میں تھا، بعض نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تنور کوفہ میں تھا۔

④ شانِ نزول کے دونوں اقوال کی وضاحت:۔ اس آیتِ کریمہ کے مختلف شانِ نزول بیان کئے گئے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات پر حیاء کا اس قدر غلبہ ہوا کہ استنجاء یا جماع وغیرہ ضروریاتِ بشری کے وقت بدن کے کسی حصہ کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جس کی وجہ سے وہ جھکے جاتے اور شرم گاہ کو چھپانے کیلئے سینہ کو دُہرا کر دیتے تھے اور اوپر سے چادر یا کپڑا ڈال لیتے تا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کشفِ عورت نہ ہو تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تکلفات کو اختیار کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ فرمایا کہ سن لو کہ وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں اور اوپر سے کپڑا ڈالتے ہیں تا کہ اللہ سے چھپ جائیں سن لو جب یہ کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے چھپوں کو بھی جانتا ہے اور کھلے کو بھی۔ وہ تو اُن رازوں سے بھی واقف ہے جو دلوں کے اندر ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

0313 6337013 maktabazakariyamultan@gmail.com

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی کہ اُن کا رویہ یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی کسی بات کو سننے کے لئے تیار نہ تھے جب آپ ﷺ کو دور سے آتا دیکھتے تو سینے کا رُخ پھیر لیتے یا کپڑے کی اَوٹ میں منہ چھپا لیتے یا تمسخر کے طور پر اپنے سروں اور سینوں کو نیچے جھکا لیتے، اِسی طرح مسلمانوں کے خلاف کفار جب منصوبے بناتے تو جھک کر اور سینوں کو کپڑے میں لپیٹ کر باتیں کرتے تاکہ آپ ﷺ اور مسلمانوں کو علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی سب حرکتوں کو جانتے ہیں حتیٰ کہ اُن کے دل کے بھیدوں اور پوشیدہ باتوں سے بخوبی واقف ہیں۔

الشق الثانی.....**کتاب العقیقة باب تسمیة المولودغداة یولد لمن لم یعق عنه وتحنیکه. عن ابی موسٰی قال : ولدلی غلام فأتیت به النبی ﷺ فسماه ابراهیم فحنکه بتمرة ودعا له بالبرکة ودفعه الیّ. وکان اکبرولد ابی موسی. ترجم العبارة.عرف العقیقة لغة وشرعا وانکراسم ابی موسیٰ. اکتب غرض الامام البخاری من ترجمة الباب. بیّن حکم العقیقة عندالفقهاء الکرام وحرر ادلتهم فی ذالك.**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں۔(۱)عبارت کا ترجمہ(۲)عقیقہ کا لغوی وشرعی معنیٰ (۳)حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت(۴)ترجمۃ الباب کی غرض(۵)عقیقہ کا حکم مع الدلائل۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ کتاب العقیقہ :باب: مولود کا نام رکھنے کے بیان میں جس دن وہ پیدا ہو اُس شخص کیلئے جو اُس کی طرف سے عقیقہ نہ کرے اور تحنیك کے بیان میں۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا میں اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا اور میں نے اُس کا نام ابراہیم رکھا، پس آپ ﷺ نے کھجور چبا کر اُس کے منہ میں ڈالی اور اُس کیلئے برکت کی دعا کی اور پھر اُسے میرے سپرد کر دیا اور وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

② عقیقہ کا لغوی وشرعی معنیٰ:۔ عقیقہ عق سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ کاٹنا ہے، پھر اُن بالوں کو کہا جانے لگا جو نومولود بچے کے سر پر ہوتے ہیں، اس لئے کہ اُن کو بھی کاٹا جاتا ہے۔اصطلاحِ شریعت میں عقیقہ اُس جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے تاکہ وہ اَلا بَلا سے محفوظ رہے۔

③ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس بن سلیم ہے۔

④ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کی غرض روایات کے درمیان تطبیق کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس لئے کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بچے کا نام اُس کی پیدائش کے دن ہی رکھا جائے جبکہ دیگر بعض روایات میں ہے کہ بچے کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھا جائے۔امام بخاریؒ نے دونوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر بچے کے عقیقہ کا ارادہ نہ ہو تو اُس کا نام اُسی دن رکھا جائے اور اگر عقیقہ کرنے کا ارادہ ہو تو پھر ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھا جائے۔

نیز **لمن لم یعق عنه وتحنیکه** سے امام بخاریؒ نے عقیقہ کے عدمِ وجوب اور تحنیك کے مسنون ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

0313 6357943 maktabazakariyamultan@gmail.com

⑤ عقیقہ کا حکم مع الدلائل:۔ داؤدِ ظاہری، ابنِ حزم اور ظاہریہ کے نزدیک عقیقہ واجب ہے۔امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک عقیقہ سنتِ مؤکدہ ہے، امام احمدؒ کی دوسری روایت اِسی کے مطابق ہے۔

مالکیہ کے نزدیک عقیقہ مندوب ومستحب ہے۔ حضرات حنفیہ کے مسلک کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں:

امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی ظاہر الروایہ یہ ہے کہ عقیقہ مشروع نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہور فقہاءِ حنفیہ نے کراہت کا قول اختیار نہیں کیا جن حضرات نے یہ قول اختیار کیا ہے کئی حنفی علماء نے اُن کی تردید کی ہے۔اکثر فقہاءِ حنفیہ نے عقیقہ کو مستحب کہا ہے چنانچہ امام طحاویؒ، علامہ عینیؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہ علمائے حنفیہ نے استحباب کے قول کو ترجیح دی ہے۔امام طحاویؒ کی طویل بحث کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں عقیقہ واجب تھا پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور استحباب باقی رہ گیا۔ جن احادیث سے عقیقہ کی مشروعیت یا استحباب ووجوب ثابت ہوتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

① حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کل غلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويسمى فيه ويحلق رأسه ۔ ② حضرت سلمان بن عامر ضحاک رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے مع الغلام عقيقة فأهريقوا عنه دما واميطوا عنه الاذى ۔ ③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے امرنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان نعق عن الجارية شاة و عن الغلام شاتين ۔ ④ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان الناس يعرضون على العقيقة يوم القيامة كما يعرضون على الصلوات الخمس۔ جمہور علماء کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے اور وہ عمرو بن شعیب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن العقيقة فقال لا احب العقوق من احب منكم ان ينسك عن ولده فليفعل عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة۔ (تلخیص از کشف الباری کتاب العقیقہ)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۷ھ

الشق الاوّل ..... باب الزكاة من الاسلام وقوله تعالى (وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكاة وذلك دين القيمة) عن طلحة بن عبيدالله يقول جاء رجل الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من اهل نجد ثائر الرأس نسمع دوى صوته ولا نفقه مايقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الاسلام فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات فى اليوم والليلة فقال هل علىّ غيرها؟ قال لا، الا ان تطوع ۔ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صيام رمضان قال هل علىّ غيره؟ قال لا، الا ان تطوع ۔ قال وذكر له رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الزكاة قال هل علىّ غيرها؟ قال لا، الا ان تطوع ۔ قال فادبر الرجل وهو يقول والله لا ازيد على هذا ولا انقص قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم افلح ان صدق ۔ ترجم الحديث ومن هو السائل ؟ اذكر غرض الامام البخارى من ترجمة الباب ۔ اشرح قوله لا ازيد على هذا ولا انقص ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سائل کی تعیین (۳) ترجمۃ الباب کی غرض (۴) لا ازيد على هذا ولا انقص کی تشریح۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اہل نجد میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے مگر ہم اس کو سمجھ نہیں رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یہاں تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ گیا اور اس نے اسلام کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا شروع کر دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں تم پر فرض ہیں، اس نے عرض کیا کہ کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی نماز فرض ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ نفل نماز پڑھنے کا تمہیں اختیار ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور رمضان کے روزے تم پر فرض ہیں اس نے عرض کیا کہ کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی روزہ فرض ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں البتہ نفلی روزہ رکھنے کا تمہیں اختیار ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق ارشاد فرمایا، پھر اس نے کہا کہ کیا میرے اوپر اور کوئی صدقہ بھی لازم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، البتہ نفلی صدقہ کا تمہیں اختیار ہے، اسکے بعد وہ آدمی یہ الفاظ کہتے ہوئے چلا گیا کہ اللہ کی قسم میں نہ تو ان امور میں کچھ زیادتی کروں گا اور نہ ان امور میں کچھ کمی کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی اس بات میں سچا ہے تو پھر یہ نجات پا گیا اور کامیاب ہو گیا۔

② سائل کی تعیین:۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حضرت ضمام بن ثعلبہ ہیں کیونکہ بعض روایات میں اُنکے نام کی صراحت موجود ہے جبکہ دیگر بعض حضرات نے کہا کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ کا جو واقعہ عام طور پر آتا ہے اُس کے سیاق اور اِس واقعہ کے سیاق میں تھوڑا فرق ہے اس لئے یہاں پر نجد سے آئے ہوئے کوئی دوسرے صحابی مراد ہیں۔ لیکن اکثر حضرات نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

③ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاریؒ ایمان کے مختلف شعبے بیان کر رہے ہیں، اُسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ باب ہے جس میں

0313 6357913 makkahazakariyamultan@gmail.com

ایمان کے شعبوں میں سے زکوٰۃ کا ذکر ہے، گویا اس باب کو قائم کر کے امام بخاریؒ نے یہ بتایا کہ زکوٰۃ بھی ایمان کا حصہ ہے نیز اس باب سے امام بخاریؒ کی غرض مرجعہ پر ردّ کرنا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اعمالِ صالحہ ایمان کا جزء نہیں ہیں۔(انعام الباری ج۱ص۵۲۹)

④ لا ازید علی هذا ولا انقص کی تشریح:۔ بظاہر سوال ہوتا ہے کہ ان اعمال میں کمی نہ کرنے پر جنت کی بشارت دینا درست ہے لیکن زیادتی نہ کرنے پر جنت کی بشارت دینا کیسے درست ہے؟

علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ ① مَیں مزید کوئی سوال نہیں کروں گا، آپ ﷺ نے جو اعمال بتلائے ہیں اُن اعمال میں کمی نہیں کروں گا۔ ② آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا مَیں اپنی قوم کو جا کر بالکل وہی سب کچھ بتاؤں گا، اس کی تبلیغ میں کمی بیشی نہ کروں گا۔ ③ اپنی طرف سے نفسِ احکام اور صفاتِ احکام میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ ④ اصل مقصود لَا اَنْقُصُ ہے اور اس کی تاکید کے لئے لَا اَزِیْدُ بڑھا دیا جیسے ہم کسی چیز کی خریداری کرتے وقت بائع سے کہتے ہیں کہ کیا کوئی کمی بیشی نہیں ہے؟ حالانکہ ہمارا مقصود صرف کمی ہوتا ہے زیادتی ہمارا مقصود نہیں ہوتا۔(درسِ مشکوٰۃ ج۱ص۵۳)

الشق الثانی.....بَابُ شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِیْ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی (وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا) وَجَلَدَ عُمَرُ اَبَابَكْرَةَ وَشِبْلَ بْنَ مَعْبَدٍ وَنَافِعًا بِقَذْفِ الْمُغِیْرَةِ ، ثُمَّ اسْتَتَابَهُمْ وَقَالَ مَنْ تَابَ قَبِلْتُ شَهَادَتَهٗ.....

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا یَجُوْزُ شَهَادَةُ الْقَاذِفِ وَاِنْ تَابَ ثُمَّ قَالَ: لَا یَجُوْزُ نِكَاحٌ بِغَیْرِ شَاهِدَیْنِ فَاِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ مَحْدُوْدَیْنِ جَازَ وَاِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ عَبْدَیْنِ لَمْ یَجُزْ وَاَجَازَ شَهَادَةَ الْمَحْدُوْدِ وَالْعَبْدِ وَالْاَمَةِ لِرُؤْیَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ.

شکّل العبارة ثم ترجمها ۔ اذکر قصة ابی بکرة وغیره بقذف المغیرة بن شعبة ۔ (کتاب الشهادات)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ مغیرہ بن شعبہؓ پر ابوبکرہ وغیرہ کے قذف کا قصہ۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفًا

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب قاذف، چور اور زانی کی گواہی اور اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا کے بیان میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو حضرت مغیرہ کے قذف کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے پھر توبہ کروائی اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص بھی توبہ کرے گا میں اسکی توبہ کو قبول کروں گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاذف (تہمت لگانے والے) کی گواہی توبہ کے باوجود بھی قبول نہیں ہے، پھر انہوں نے یہ بھی کہا کہ دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے، پس اگر کسی نے دو محدود (حد جاری کئے گئے) لوگوں کی گواہی کے ساتھ نکاح کر لیا تو یہ جائز ہے اور اگر دو غلاموں کی گواہی سے نکاح کر لیا تو یہ جائز نہیں ہے اور وہ رمضان کا چاند دیکھنے کے متعلق محدود، غلام اور لونڈی کی گواہی جائز قرار دیتے ہیں۔

③ مغیرہ بن شعبہؓ پر ابوبکرہ وغیرہ کے قذف کا قصہ:۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں انتہائی تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت نکاح کرتے تھے اور بہت طلاق دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خفیہ نکاح کیا ہوا تھا جس کا لوگوں کو علم نہ تھا، یہ واقعہ اسی خفیہ منکوحہ کے ساتھ پیش آیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بڑے سیاست دان وذکی آدمی تھے وہ حضرت عمرؓ کی جانب سے پورے عراق کے گورنر تھے اور حضرت ابوبکرہؓ صرف بصرہ کے گورنر تھے، اسلئے ان کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے تھے، ان کے درمیان کچھ اختلاف بھی تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرہؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے شہر گئے ہوئے تھے، صبح کے بالکل ابتدائی وقت کی تاریکی میں ابوبکرہؓ نے دیکھا کہ مغیرہ بن شعبہؓ اپنے گھر سے کہیں جانے کیلئے نکلے، ابوبکرہؓ کو تجسس ہوا اور وہ چپکے سے ان کے پیچھے چل پڑے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک مکان میں داخل ہوئے اور (خفیہ منکوحہ) کے ساتھ مشغول ہو گئے، ابوبکرہؓ نے جھانکا تو ان سے صبر نہ

313 6[illegible]913 maktabahzakariyamultan@gmail.com

ہوا،انہوں نے فوراً تین حضرات (شبل بن معبد، نافع بن حارث، ابوبکرہ کے ماں شریک بھائی زیاد) کو اکٹھا کیا اور کہا کہ دیکھو مغیرہ بن شعبہؓ کیا حرکت کررہے ہیں، انہوں نے جھانک کر دیکھا تو جماع میں مصروف تھے، ابوبکرہؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں شکایت پیش کی کہ آپ کا گورنر زنا میں مبتلا ہے، حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ اور گواہوں کو طلب کیا، باقی سب نے واضح وصریح الفاظ میں زنا کی گواہی دی، مگر زیاد نے واضح زنا کی گواہی نہ دی بلکہ کہا کہ میں نے ان کو ایک چادر میں دیکھا، حرکت بھی دیکھی، سانس بھی پھولا ہوا تھا اور جماع کی مانند آواز بھی تھی مگر میں نے واضح جماع نہیں دیکھا۔ اس چوتھی نامکمل گواہی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو مغیرہؓ پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد لگائی۔ (تلخیص از انعام الباری ۳۳۲:۷)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۷ھ

الشق الاوّل.....**باب فی الرکاز الخمس، ولیس المعدن برکاز، وقال بعض الناس، المعدن رکاز مثل دفن الجاهیلة، لانه یقال: ارکز المعدن، اذا اخرج منه شیئ ، قیل له، فقد یقال لمن وهب له الشیئ و ربح ربحا کثیرا اوکثر ثمره، ارکزت ثم ناقضه، قال: لا باس ان یکتمه ولا یودی الخمس** .(ص۲۰۳۔ج۱۔قدیمی)

اکتب معنی الرکاز لغة واصطلاحًا۔ اذکر مذاهب الائمة المجتهدین فی هذه المسألة۔ اشرح اعتراض البخاری علی "بعض الناس" فی المسالة المذکورة وعین من هو "بعض الناس" وهل اصاب فیما اعترض علیه؟ وماهو الجواب عنه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) رکاز کا لغوی واصطلاحی معنی (۲) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ رحمہم اللہ کے مذاہب (۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کی تشریح (۴) **بعض الناس** کی تعیین اور جواب۔

جواب..... ❶ رکاز کا لغوی واصطلاحی معنی:۔ رکاز کا لفظ رکز سے ماخوذ ہے اور یہ مرکوز اسم مفعول کے معنی میں ہے اور رکز لغت میں کسی چیز کے گاڑنے اور ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی سے قبل ایک بات ذہن نشین کرلیں، زمین سے جو مال نکلتا ہے اس کیلئے تین الفاظ مستعمل ہیں معدن، کنز، رکاز۔

① معدن: وہ مال ہے جس کو قدرت نے سونا، چاندی، تانبا وغیرہ کی کان کی شکل میں زمین میں پیدا کیا ہے۔

② کنز: وہ مال ہے جس کو انسان نے از خود زمین میں دفن کیا ہے جیسے سونا، چاندی، درھم ودنانیر وغیرہ۔

③ رکاز: یہ لفظ حنفیہ کے نزدیک معدن اور کنز دونوں کو شامل ہے۔ الغرض اصطلاحی طور پر رکاز وہ مال ہے جو زمین میں مدفون ہو، خواہ قدرت کی طرف سے ہو یا انسان نے اس کو زمین میں دفن کیا ہو۔ (درسِ ترمذی، ماینفع الناس ص ۵۹)

❷ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ رحمہم اللہ کے مذاہب:۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ رکاز کے لفظ میں معدن بھی شامل ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک معدن رکاز میں شامل ہے لہٰذا **وفی الرکاز الخمس** کے جملہ سے جہاں دفینۂ جاہلیت میں خمس کا ثبوت ہوگا وہیں معدن پر بھی خمس کا واجب ہونا ثابت ہوگا لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رکاز میں معدن شامل نہیں لہٰذا اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

شوافع کا استدلال حدیث الباب کے جملہ "المعدن جبار" سے ہے جس کا یہی معنی ہے کہ معدن پر کچھ واجب نہیں۔

اس معاملہ میں حنفیہ کا مسلک لغتاً روایتاً اور درایتاً ہر اعتبار سے راجح ہے۔

لغتاً تو اس لئے کہ علامہ ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں ابن العربی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لفظ رکاز کا اطلاق مدفون خزانے کے علاوہ معدن پر بھی ہوتا ہے۔ روایتاً اسلئے راجح ہے کہ اول تو حدیث الباب میں **وفی الرکاز الخمس** کا جملہ مسلک احناف کی تائید کررہا ہے دوسرا امام ابوعبیدؒ نے کتاب الاموال میں روایت نقل کی ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے جس کے آخر میں **فقال فیه وفی الرکاز الخمس** کے الفاظ ہیں اور اس حدیث میں رکاز سے مراد معدن کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا۔

درایتاً حنفیہ کا مسلک اس لئے راجح ہے کہ کنزِ مدفون پر خمس واجب ہونے کی علت معدن میں بھی پائی جاتی ہے اور وہ علت یہ

ہے کہ کنزِ مدفون کو مشرکین کا مال شمار کیا گیا ہے اور مالِ غنیمت میں سے شمار کر کے دوسرے غنائم کی طرح اس پر بھی خمس واجب کیا گیا ہے اور یہی علت معدن میں بھی موجود ہے۔(درسِ ترمذی ۲:۴۶۴)

③ و ④ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کی تشریح، بعض الناس کی تعیین اور جواب:۔ اس عبارت میں بعض الناس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ممکن ہے کہ سفیان ثوری یا امام اوزاعی ہوں کیونکہ معدنیات میں وجوبِ خمس کے متعلق ان کا قول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر دو اعتراض کئے ہیں:

① امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رکاز صرف دورِ جاہلیت کے دفینہ کو کہتے ہیں اور معدن ان کے نزدیک رکاز نہیں ہے کیونکہ حدیث **المعدن جبار وفی الرکاز الخمس** سے دونوں میں تغایر معلوم ہوتا ہے۔

الغرض اعتراضِ اوّل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک رکاز کا لفظ معدن اور مالِ مدفون دونوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ محاورہ میں کان سے کچھ نکالا جائے تو **ارکز المعدن** کہتے ہیں اس طرح تو پھر جسکو کوئی چیز ہبہ کر دیجائے یا اسے ربحِ کثیر مل جائے یا بکثرت پھل مل جائے تو یہ بھی رکاز ہے کیونکہ اسے محاورۂ عرب میں **اَرْکَزْتَ** کہا جاتا ہے لہٰذا اسمیں بھی خمس واجب ہونا چاہیے حالانکہ اس پر خمس کو لازم نہیں کرتے۔

گویا پہلے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اوّلاً احناف نے محاورہ کو لیکر حدیث کو ترک کر دیا اور معدن کو رکاز کہا اور خمس کو لازم کیا اور پھر ربحِ کثیر اور اثمار میں اپنے ہی قول کی مخالفت کرتے ہوئے خمس کو لازم نہیں کرتے۔

احناف کی طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ معدن رکاز میں داخل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **یا رسول اللہ** ﷺ **وما الرکاز؟ قال الذھب والفضۃ الذین خلقھما اللہ تعالٰی فی الارض یوم خلقھا ولمّا سئل عمّا یوجد فی الخرب العادی قال فیہ وفی الرکاز الخمس** آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ رکاز کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سونا اور چاندی جسے شروع دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا فرمایا ہو اور پھر غیر آباد زمین کے دفینے کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ اس میں اور رکاز میں خمس ہے، اس حدیث میں رکاز کا عطف مدفون پر ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ رکاز سے مراد معدن ہے کیونکہ مدفون کا مقابل معدن ہے۔

الغرض احناف کا مستدل عربی محاورہ نہیں ہے بلکہ حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔

نیز **ارکز المعدن** کا محاورہ تو کلامِ عرب میں مستعمل ہی نہیں ہے البتہ **ارکز الرجل** مستعمل ہے جبکہ کسی کو سونے کا خزانہ حاصل ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے کوئی چیز ہبہ میں مل جائے یا ربح و اثمار کی کثرت ہو جائے تو اسے بھی **ارکزت الرجل** کہنا صحیح ہو۔

② دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احناف کی کلام میں تضاد و تناقض ہے اس لئے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف تو معدن کو رکاز کہتے ہیں اور اس میں خمس کو لازم کرتے ہیں اور دوسری طرف اس حکم کو ساقط بھی کر دیتے ہیں کہ اگر مالک معدن کو چھپالے اور خمس ادا نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ الزام بھی حقیقت کے خلاف ہے اس لئے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معدن میں خمس مان کر کبھی ساقط نہیں کیا بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر واجد شخص خود محتاج ہے اور وہ اپنے آپ کو بیت المال کے مصارف میں سے سمجھتا ہے تو وہ خود بھی خمس کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس پر معدن میں خمس لازم نہیں ہے، لہٰذا اب کوئی تناقض نہیں ہے۔(حل قال بعض الناس:۱۳۔ مانفع الناس:۶۵)

0317 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....**باب غزوۃ ذات الرقاع وھی غزوۃ محارب خصفۃ من بنی ثعلبۃ من غطفان فنزل نخلا وھی بعد خیبر لان ابا موسٰی جاء بعد خیبر۔ عن جابر بن عبداللہ ان النبی** ﷺ **صلی بأصحابہ فی الخوف فی السابعۃ غزوۃ ذات الرقاع وعن ابی موسٰی ان جابرا حدثھم: صلی النبی** ﷺ **بھم یوم محارب وثعلبۃ۔**

ترجم العبارۃ۔ لماذا ذکر الامام البخاری غزوۃ ذات الرقاع قبل غزوۃ خیبر وکان الانسب لہ ان یذکر بعد خیبر؟ لانہ یقول وھی بعد خیبر۔ یظھر من عبارۃ الامام البخاری ان ثعلبۃ جد محارب ولیس الأمر کذالك فما ھو المخلص منہ؟ لماذا سمیت ھذہ الغزوۃ بغزوۃ ذات الرقاع وبیّن سبب غزوۃ ذات الرقاع وعدد

عسکرالمسلمین فیھا واذکرالاختلاف فی تاریخ وقوعھابین اصحاب السیروبین الامام البخاری مدللاومبرھنا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں۔(۱)عبارت کا ترجمہ(۲)غزوۂ ذات الرقاع کوغزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ(۳)ثعلبہ کے جدِمحارب میں سے ہونے کی وضاحت(۴)غزوۂ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ،سبب اوراسلامی لشکر کی تعداد(۵)غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب.....① عبارت کا ترجمہ:۔ غزوہ ذات الرقاع، یہی غزوہ غزوۂ محارب خصفہ وبنی ثعلبہ بھی ہے جو قبیلۂ غطفان میں سے تھے،رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ میں مقام نخلہ میں پڑاؤ کیا تھا یہ غزوہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے اسلئے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خیبر کے بعد تشریف لائے تھے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ صلوٰۃ الخوف ساتویں (غزوہ یا سال) میں ادا کی تھی،حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں غزوۂ محارب وبنی ثعلبہ میں صلوٰۃ الخوف پڑھائی تھی۔

② غزوۂ ذات الرقاع کوغزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ:۔ سوال ہوتا ہے کہ جب امام بخاریؒ غزوۂ ذات الرقاع کوغزوۂ خیبر کے بعد تسلیم کررہے ہیں تو پھراس کوغزوۂ خیبر کے بعد ذکر کرتے، پہلے کیوں ذکر کیا؟

①امام بخاریؒ نے غزوۂ ذات الرقاع کوغزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کرکے اس غزوہ کے تاریخ وقوع میں عام اہلِ سیر کی بات تسلیم کرنے کی طرف اشارہ کیا کہ ممکن ہے کہ اہلِ سیر کی بات صحیح ہو۔ ②امام بخاریؒ نے یہ عمل نہیں کیا بلکہ اُن سے روایت کرنے والے بعد کے راویوں نے اس کوخیبر سے پہلے ذکر کردیا۔ ③ ممکن ہے کہ اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کیلئے امام بخاریؒ نے قصداً ایسا کیا ہو۔

③ ثعلبہ کے جدِمحارب میں سے ہونے کی وضاحت:۔ **من بنی ثعلبة من غطفان** یہ عبارت امام بخاریؒ کے اوہام میں سے ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ محارب بن خصفہ ثعلبہ کی اولاد میں سے ہیں اور ثعلبہ محارب کا جدِامجد ہے حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے،ثعلبہ محارب کا جد نہیں بلکہ خود ثعلبہ غطفان کی اولاد میں داخل ہے اور غطفان ومحارب دونوں چچازاد بھائی ہیں کیونکہ غطفان سعد بن قیس کا بیٹا ہے اور محارب خصفہ بن قیس کا بیٹا ہے۔پس یہ عبارت من بنی ثعلبہ کی بجائے وبنی ثعلبہ (واوٗ عاطفہ کے ساتھ) ہونی چاہیے۔چنانچہ حافظ ابن حجرؒ وعلامہ عینیؒ نے ٹھیک عبارت اِسی طرح نقل کی ہے۔

④ غزوۂ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ،سبب اوراسلامی لشکر کی تعداد:۔ وجہ تسمیہ:**رقاع رقعة** کی جمع ہے بمعنی پٹی وچیتھڑے۔اس کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں۔①اس غزوہ میں زیادہ چلنے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے جسکی وجہ سے انہوں نے کپڑے کی پٹیاں اور چیتھڑے پاؤں پر لپیٹ لئے تھے اس وجہ سے اس غزوہ کوذات الرقاع کہتے ہیں۔

②اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رنگارنگ کپڑوں کے جھنڈے بنائے تھے۔

③ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جس میں مختلف رنگوں کے نشانات ہیں چونکہ اس غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا اس لئے اس کوذات الرقاع کہتے ہیں۔ ④ بعض علماءِ مالکیہ نے کہا کہ اس غزوہ میں صلوٰۃ الخوف ادا کی گئی اور نماز میں پیوندکاری ہوئی تھی کہ ایک جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی گئی پھر دوسری جماعت آئی اُس نے بھی ایک رکعت پڑھی، پھر وہ بھی واپس چلی گئی اور پھر پہلی رکعت والی جماعت نے آکر اپنی نماز مکمل کی،اُس کے بعد دوسری جماعت نے بھی آکر اپنی نماز مکمل کی، چونکہ اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز کودوٹکڑوں اور حصوں میں پڑھا تھا اس لئے اس کوغزوۂ ذات الرقاع کہتے ہیں۔

سبب وتعداد:رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ غطفان کے دو قبیلے بنومحارب اور بنوثعلبہ نے لشکر جمع کیا ہے اور وہ مسلمانوں کے خلاف منظم ہورہے ہیں تو آپ ﷺ نے چارسوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوساتھ لے کراُن کے خلاف پیش قدمی کی۔

⑤ غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف مع الدلائل:۔ اس غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں مختلف اقوال ہیں:

①یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا ②یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا ③امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے

0313 3579113 muftabazakariyamultan@gmail.com

بعد پیش آیا اور اس کے متعدد دلائل ہیں: ① اس غزوہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شریک تھے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے پس معلوم ہوا کہ یہ غزوہ غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ ذات الرقاع میں شریک ہوئے اور وہ بالاتفاق غزوۂ خیبر کے بعد آئے تھے پس معلوم ہوا کہ یہ غزوہ غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے۔ ③ ابوداؤد کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے صلوٰۃ الخوف غزوۂ عسفان میں ادا کی اور غزوۂ عسفان حدیبیہ کے بعد ہوا ہے اور اس غزوہ میں بھی صلوٰۃ الخوف کا ادا کرنا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صلوٰۃ الخوف غزوۂ عسفان میں صلوٰۃ الخوف کے بعد ہے جب غزوۂ عسفان حدیبیہ کے بعد ہے تو اب تین احتمال ہیں۔

(۱) ذات الرقاع ۶ھ کے بالکل آخر میں ہو کہ غزوۂ حدیبیہ اور غزوۂ عسفان بھی اسی سن میں واقع ہوئے ہیں۔ (۲) اس غزوہ کو ۷ھ کے محرم کے شروع میں مانا جائے، ان دونوں کے اعتبار سے یہ غزوہ خیبر سے پہلے ہوگا (۳) اس کو غزوۂ خیبر کے بعد مانا جائے، ان میں سے پہلے دو احتمالات کی کسی روایت سے تائید نہیں ہوتی جبکہ تیسرے احتمال کی تائید اوپر ذکر کی گئی دونوں روایات سے ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے غزوۂ ذات الرقاع کے تعدد کا قول بھی اختیار کیا ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ (کشف الباری کتاب المغازی)

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل..... **باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمكم بالله وان المعرفة فعل القلب، لقول الله تعالىٰ (ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت، كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا امرهم امرهم من الاعمال بما يطيقون، قالوا انا لسنا كهيأتك يارسول الله ان الله قدغفرلك ماتقدم من ذنبك وماتاخر فيغضب حتى يعرف الغضب فی وجهه ثم يقول، ان اتقاكم واعلم بالله انا۔** (ص ۷۔ ج ۱۔ قدیمی)

اذكر الفرق بين العلم والمعرفة ۔ اذكرغرض البخاری من الترجمة واذكر مناسبتها بكتاب الايمان ماهو المقصود من ايراد الآية ههنا؟ترجم الحديث واشرحه ۔ كيف نسب الذنب الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقد أجمعت الأمة على عصمة جميع الانبياء؟ اذكر اقوال العلماء فی التخلص عن هٰذا الاشكال ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل سات امور ہیں (۱) علم ومعرفت میں فرق (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) ترجمۃ الباب کی کتاب الایمان سے مناسبت (۴) آیت کو ذکر کرنے کا مقصد (۵) حدیث کا ترجمہ (۶) حدیث کی تشریح (۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی وضاحت

جواب..... ① علم ومعرفت میں فرق:۔ علم ومعرفت میں لفظی فرق یہ ہے کہ علم کے دو مفعول ہوتے ہیں اور معرفت کا ایک مفعول ہوتا ہے جیسے **علمت زيدافاضلًا، عرفت زيدًا۔**

معنوی فرق یہ ہے کہ قوتِ حافظہ میں کوئی صفت یا صورت محفوظ ہے تو اس کو علم کہتے ہیں اور جب ذی صورت یا ذی صفت سامنے آتا ہے اور وہ صفت یا صورت اس پر منطبق ہو جائے تو اس کو معرفت کہتے ہیں۔

نیز علم ثبوت الصفت للذات یعنی بمنزلِ تصدیق ہے اور معرفت بمنزلِ تصور ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۸۹)

② ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں دو ترجمے قائم کئے ہیں ① **انا اعلمكم بالله** ② **ان المعرفة فعل القلب۔**

پہلے ترجمہ سے **مرجئہ** کا رد ہے بایں طور کہ **اعلمكم** اسم تفضیل کا صیغہ ہے معلوم ہوا کہ علم باللہ کے مختلف درجات ہیں لہٰذا ایمان کے بھی مختلف درجات ہونگے کیونکہ علم باللہ کو ہی ایمان کہتے ہیں اور ایمان کے مختلف درجات اعمال کے اعتبار سے ہونگے جس کے اعمال زیادہ ہوں گے اسکے درجات بھی زیادہ ہونگے اور جس کے اعمال کم ہونگے اسکے درجات بھی کم ہونگے اور جس کے اعمال زیادہ ہونگے اس کا ایمان بھی زیادہ ہوگا اور جس کے اعمال کم ہوں گے اس کا ایمان بھی کم ہوگا لہٰذا **مرجئہ** پر رد ہو گیا کیونکہ ان کے نزدیک نیک عمل سے ایمان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور برے اعمال سے ایمان کو ضرر نہیں پہنچتا اور ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

دوسرے ترجمۃ الباب **وان المعرفة فعل القلب** سے کرامیہ کا رد کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فقط زبان سے **لاالٰہ الّا اللّٰہ** کہنا ہی ایمان ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر رد کر دیا کہ فقط زبان سے **لاالٰہ الّا اللّٰہ** کہہ لینا کافی نہیں ہے بلکہ ایمان معرفت کا نام ہے اور معرفت دل کا فعل ہے لہٰذا ایمان کے لئے دل کی تصدیق ضروری ہے۔(ایضاً ج ۲ ص ۸۸)

③ ترجمۃ الباب کی کتاب الایمان سے مناسبت:۔ اس ترجمۃ الباب پر اشکال ہوتا ہے کہ اس میں علم اور معرفت کا ذکر ہے لہٰذا اس کو کتاب العلم میں ذکر کرنا چاہیے تھا اس کو کتاب الایمان میں کیوں ذکر کیا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں اس ترجمہ کو ذکر فرما کر مرجئہ و کرامیہ پر رد کر رہے ہیں کہ یہاں **اعلم** اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم کے مختلف درجات ہیں اور علم باللہ کو ایمان کہتے ہیں جب علم کے مختلف درجات ہیں تو معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی مختلف درجات ہونگے اور ایمان میں کمی زیادتی اعمال سے ہی آئے گی، جس کے اعمال زیادہ ہوں گے اس کا ایمان زیادہ ہوگا اور جس کے اعمال کم ہونگے اس کا ایمان کم ہوگا۔

پس اس مکمل تقریر سے ترجمۃ الباب کی کتاب الایمان سے مناسبت واضح ہوگئی۔(ایضاً)

④ آیت کریمہ کو ذکر کرنے کا مقصد:۔ آیتِ کریمہ **ولٰکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** دوسرے ترجمۃ الباب **وان المعرفة فعل القلب** کی دلیل ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے **ان المعرفة فعل القلب** والے دعویٰ کو ثابت نہیں فرما رہے بلکہ اس آیت سے صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ **کسبت** کا اسناد **قلوبکم** کی طرف ہو رہا ہے جب کسب کی نسبت **قلوبکم** کی طرف ہوئی تو معلوم ہوا کہ کسب قلب کے لئے ثابت ہے اور کسب ایک فعل ہے لہٰذا قلب کے لئے فعل ثابت ہوگیا جب قلب کے لئے فعل ثابت ہوگیا تو معرفت کو قلب کا فعل ثابت کرنا بالکل آسان ہے۔(ایضاً ص ۹۰)

⑤ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی چیز کا حکم فرماتے تھے تو ایسی چیز کا حکم فرماتے تھے جسکی وہ طاقت رکھتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری حالت آپ جیسی نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوجاتے حتیٰ کہ غصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے پہچانا جاتا تھا پھر فرماتے کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں۔

⑥ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی عمل کا حکم کرتے تو کسی ایسے عمل کا حکم کرتے تھے جن کی انکے اندر ہمت و طاقت ہوتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ اے اللہ کے رسول! ہماری حالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نہیں ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے وہ تمام امور اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے ہیں جو آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ معصوم و مغفور ہیں لہٰذا ہمیں زیادہ اعمال کی ضرورت ہے، گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیادہ عمل کی خواہش کا اظہار کیا ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ہمیشہ پوری رات عبادت کیا کروں گا دوسرے صحابی نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کرونگا وغیرہ ذلک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے یہ الفاظ **ان اللّٰہ قد غفرلك ما تقدم من ذنبك وما تأخر** سنتے تو فوراً غصہ کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک سے نمودار ہوجاتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے **ان اتقاکم واعلمکم باللّٰہ انا** یعنی میں قوتِ علمیہ و عملیہ دونوں میں تم سے زیادہ ہوں مگر میں پھر بھی مجاہدہ میں اس قدر مبالغہ نہیں کرتا، تو تم کون ہو عبادت و ریاضت میں اس قدر مبالغہ کرنیوالے اور یہ راستہ اختیار کرنیوالے یعنی تمہیں عبادت و ریاضت میں اس قدر مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔

⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی وضاحت:۔ ذنب کا عمومی معنی خطاء معصیت اور گناہ ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں مگر اس حدیث میں ذنب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔

0312 6357913 maktabatulakarim@gmail.com

جوابات:① قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور حضرت شاہ صاحب نے اسکو اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک ہے معصیت، ایک ہے خطا اور ایک ہے ذنب، معصیت شدید ہے، اور یہ نافرمانی کو کہتے ہیں، اس سے کم درجہ ''خطا'' کا ہے جسکے معنیٰ غلطی کے ہیں اور اس سے کم درجہ ''ذنب'' کا ہے جس کے معنیٰ عیب کے ہیں، معصیت اور خطا سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ذنب جس چیز کو کہا جارہا ہے وہ ایک معمولی چیز ہے جو معصیت یا خطا کے برابر نہیں ہے البتہ وہ ان کی شان کے اعتبار سے ان کے لئے معیوب تصوّر کی جاتی ہے یہ عصمت کے منافی نہیں ہے ② ایک اصول ہے **حسنات الأبرار سیئات المقربین**۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ لوگوں کے دو طبقے ہیں عوام اور خواص، عوام کے لئے قانون ہوتا ہے اور اس قانون کی دفعات ہوتی ہیں ان پر یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان قانونی دفعات کی مخالفت نہ کریں لیکن جو خواص ہوتے ہیں ان کو صرف قانون ہی نہیں مزاج کی بھی رعایت رکھنی پڑتی ہے جو خواصِ دولت وسلطنت ہوتے ہیں ان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ قانون کی خلاف ورزی نہ کریں بلکہ ان کیلئے یہ پابندی بھی ضروری ہے کہ وہ مزاجِ شاہ کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں اگرچہ وہ قانونی گرفت میں نہ آتی ہو ③ یہاں ذنب سے مراد خطاءِ اجتہادی ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ایسی خطائیں جو اجتہادی طور پر ہوئی ہیں وہ سب معاف ہیں۔ (کشف الباری ۲:۹۶)

مسئلہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام: **یا رسول اللہ ان اللہ قد غفرلك ماتقدم من ذنبك وماتاخر** سے اور سورۃ فتح کی ابتدائی آیات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ ہوجاتا ہے تو یہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہوا اس بارے میں مختلف مذاہب ہیں، اصولی طور پر تین مذہب ہیں: مذہبِ اوّل: انبیاء علیہم السلام قبل النبوۃ وبعد النبوۃ کفر وشرک سے معصوم ہوتے ہیں اور بعد النبوۃ عمداً وسھواً کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔ قبل النبوۃ سھواً کبائر ہوسکتے ہیں تو صغائر بھی ہوسکتے ہیں۔

مذہبِ ثانی: انبیاء علیہم السلام قبل النبوۃ وبعد النبوۃ کفر وشرک اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، البتہ صغائر قبل النبوۃ یا بعد النبوۃ ہوسکتے ہیں، عمداً ہوں یا سھواً، یہ اشاعرہ کا مذہب ہے۔ مذہبِ ثالث: انبیاء علیہم السلام کبائر وصغائر سے قبل النبوۃ وبعد النبوۃ پاک ہوتے ہیں پھر بعض کہتے ہیں قبل النبوۃ سھواً صغائر ہوسکتے ہیں، یہی مذہب راجح ہے لیکن علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین درجے ہیں ① معصیت جسکا ترجمہ نافرمانی ② خطا جس کو نادرست کہتے ہیں ③ ذنب جس کو خلافِ شان کہتے ہیں۔ تو صغیرہ کبیرہ معصیت کی قسم ہے اس سے انبیاء پاک ہیں اور خطاء سے بھی پاک ہیں۔ البتہ خلافِ شان کبھی ان سے کوئی عمل ہوجاتا ہے۔

دلائلِ عصمتِ انبیاء: ① اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا **وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار** جو اللہ پاک کے چنے ہوئے پسندیدہ ہوں ان سے ناپسندیدہ عمل کیسے ہوسکتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے ذنب کا صدور مان لیا جائے تو اس سے اللہ پاک کے چناؤ میں غلطی لازم آئے گی جو کہ محال ہے ② اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لا ینال عھدی الظالمین** نبوت والا عہدہ ظالموں کو نہیں مل سکتا۔ اور گناہ ظلم ہے ③ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** رسول اسلئے بھیجے ہیں تاکہ اللہ پاک کے اذن سے انکی اطاعت کی جائے۔ ظاہر ہے کہ نبی ہر وہ قدم اٹھائے گا جو قابل اطاعت ہو، نہ کہ اسکے برعکس، اور معصیت قابلِ اطاعت نہیں ④ مرتکبِ معصیت قابلِ عتاب ہوتا ہے اگر نبی سے ارتکابِ معصیت ہوجائے تو امت کی طرف سے معتوب ہونا لازم آئیگا اور یہ مقام نبوت کے خلاف ہے ⑤ امت میں جو انسانی کمالات ہوتے ہیں نبی ان سے بدرجہ اولیٰ مشرف ہوتا ہے احسن صورۃ، احسن عملا، اشجع، اتقیٰ، واتقی ہوتا ہے۔ حالانکہ منصبِ نبوت تشریعی ہے لیکن اللہ پاک ظاہری لحاظ سے بھی اونچا رکھتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ اتقی بھی ہوں گے اللہ پاک کو نبی میں کسی قسم کا عیب پسند نہیں ہے۔

الشق الثانی.....**بَابُ تَفَاضُلِ اَهْلِ الْاِيْمَانِ فِي الْاَعْمَالِ**.....**عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ، فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدْ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَا اَوِ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَيُنْبَتُوْنَ كَمَا تُنْبِتُ الْحَبَّةُ، فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَآءَ مُلْتَوِيَةً،قَالَ وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَمْرٌو اَلْحَيَاةَ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ۔**

وضح غرض البخاری من ترجمة الباب ۔اعرب الحدیث ثم ترجمه واشرحه شرحا مبسوطا، ماهی فائدة ایراد التعلیق فی آخر الحدیث؟اذکر مطابقة الحدیث بالترجمة واضحا۔(ص۸۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چھ امور ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض(۲)حدیث پر اعراب(۳)حدیث کا ترجمہ (۴)حدیث کی تشریح(۵)تعلیق کو ذکر کرنے کا فائدہ(۶)حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض مرجئہ پر رد کرنا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے لئے اعمال کی ضرورت نہیں ہے اگر اعمال نہ ہوں تو کوئی نقصان نہیں ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر رد کر دیا کہ اعمال سے فائدہ پہنچتا ہے اور اعمال کی وجہ سے اہلِ ایمان کے درجات میں تفاضل ہوگا حتیٰ کہ جس کے اعمال زیادہ ہونگے وہ جنت میں جلدی پہنچے گا اور جو جہنم میں ڈالے جائیں گے ان میں سے بھی ان لوگوں کو پہلے نکالا جائے گا جن کے اعمال زیادہ ہونگے۔

نیز خوارج ومعتزلہ کا بھی رد ہے کیونکہ مرتکبِ کبائر ہونے کے باوجود ان کو دوزخ سے نکالا جائیگا اور معتزلہ وخوارج کے نزدیک مرتکبِ کبائر مخلد فی النار ہوتا ہے۔(کشف الباری ج۲ص۱۰۷)

② حدیث پر اعراب:۔**کما مرّ فی السوال آنفا۔**

③ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ(جب)داخل ہوجائیں گے جنتی لوگ جنت میں اور جہنمی لوگ جہنم میں پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لو، پھر نکالے جائیں گے جہنم سے ایسے لوگ جو جل کر سیاہ ہوچکے ہونگے پھر وہ زندگی کی نہر یا بارش کے پانی میں ڈالے جائیں گے۔مالک راوی کو(حیایا حیاۃ کے ذکر کرنے میں)شک ہوا ہے پس اُگ آئیں گے وہ جیسا کہ ندی کے کنارے درخت اُگ آتے ہیں یعنی وہ سرسبز وشاداب ہوجائیں گے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ دانہ زردی مائل بیج در بیج نکلتا ہے۔

④ حدیث کی تشریح:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جنتی اور جہنمی لوگ اپنے اپنے مقام وٹھکانہ پر پہنچ جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر معمولی سا بھی ایمان ہے اس کو بھی جہنم سے نکال کر جنت میں ڈال دو جب ان کو جہنم سے نکالا جائے گا تو وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہوچکے ہونگے پھر ان کو بارش کے پانی یا زندگی کی نہر میں ڈالا جائے گا یہ راویِ حدیث مالک رحمۃ اللہ علیہ کو شک ہے کہ یہاں حیا(بارش)کا لفظ ہے یا حیاۃ(زندگی)کا لفظ ہے۔بہرحال جب ان کو اس زندگی یا بارش کی نہر میں ڈالا جائیگا تو وہ فوراً صحرائی بیج کی طرح سرسبز وشاداب ہونا شروع ہوجائیں گے اور ان کے اندر گوشت پوست کا نمو شروع ہوجائیگا۔

الغرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنے بھی اہل ایمان ہیں وہ سب کے سب ایک نہ ایک دن جہنم سے نکل کر ضرور جنت میں داخل ہونگے، وہ مخلد فی النار نہ رہیں گے۔

⑤ تعلیق کو ذکر کرنے کا فائدہ:۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہیب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق کو نقل کرکے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ①امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہیب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ حدیث عمرو بن یحییٰ سے نقل کی ہے مگر انہوں نے بلاتردد الحیاۃ(زندگی)کا لفظ ہی ذکر کیا ہے، شک وتردد کے ساتھ حیایا حیاۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔②امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے **خردل من ایمان** کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ وہیب رحمۃ اللہ علیہ نے **خردل من خیر** کا لفظ ذکر کیا ہے۔(ایضاً ج۲ص۱۱۹)

⑥ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:۔ سوال ہوتا ہے کہ حدیث وترجمۃ الباب میں مطابقت نہیں ہے اسلئے کہ ترجمۃ الباب میں تفاضل فی الاعمال کا ذکر ہے جبکہ روایت میں تفاضل فی الایمان کا ذکر ہے۔ جواب وتطبیق کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری ترجمۃ الباب کے ذریعہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حدیث میں **من خردل من ایمان** میں ایمان سے مراد اعمال ہیں اور ان پر ایمان کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ ان سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اور ایمان سے اعمال مراد ہونے پر قرینہ اسی روایت کا دوسرا لفظ ہے جس میں **من خردل من ایمان** کی جگہ **من خردل من خیر** واقع ہے اور خیر عمل کو ہی کہتے ہیں۔(کشف الباری ج۲ص۱۰۷)

0313 6357913 maktabatulmukhtariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل.....حدثنا حفص بن عمرقال حدثناشعبة عن محمد بن عثمان بن عبدالله بن موهب عن موسی بن طلحة عن ابی ایوب ان رجلا قال للنبیﷺ، اخبرنی بعمل یدخلنی الجنة قال الناس ماله ماله، وقال النبیﷺ ارب ماله تعبدالله لاتشرك به شیئا وتقیم الصلاة وتؤتی الزکوة وتصل الرحم، وقال بهز: حدثنا شعبة قال حدثنا محمد بن عثمان وابوه عثمان بن عبدالله انهما سمعا موسی بن طلحة عن ابی ایوب عن النبیﷺ بهذا،قال ابوعبدالله: اخشی ان یکون محمدغیرمحفوظ، انما هو عمرو۔

ترجم الحدیث ترجمة واضحة ۔ اشرح معنی قولة"ماله ماله"ارب ماله" ۔ ماذاراد المؤلف بقوله"قال بهز.....الخ" وقوله "قال عبدالله.....الخ"۔(ص۱۸۷۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)مذکورہ الفاظ کی تشریح(۳)مذکورہ جملہ کو ذکر کرنے کا مقصد۔

جواب..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے(وہ عمل کرنے سے میں جنت میں داخل ہوجاؤں)لوگوں نے کہا کہ اسے کیا ہوگیا ہے،اسے کیا ہوگیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اس کی کوئی حاجت ہے پھر آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ آپ اللہ کی عبادت کریں،اسکے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرائیں(شرک نہ کریں)اورآپ نمازادا کریں اورزکوٰۃ ادا کریں اورصلہ رحمی کریں۔

اور بہزراوی کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن عثمان اوران کے والدعثمان بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے موسیٰ بن طلحہ سے اورانہوں نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے اورانہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔

ابوعبداللہ(امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ محمد سے روایت غیر محفوظ ہے بے شک وہ عمرو بن عثمان ہیں۔

❷ مذکورہ الفاظ کی تشریح:۔ "ماله ماله" ان الفاظ میں ما استفہامیہ تعجب کیلئے ہے لام جارہ ہے اور "ہ" ضمیر ہے،مطلب یہ کہ اسے کیا ہوگیا ہے؟ یہ کیوں اس طرح کا سوال کررہا ہے۔

"أرب ماله" اس میں ارب کا معنی حاجت اورضرورت ہے ما عموم کے لئے ہے له میں لام جارہ اورضمیر ہے،مطلب یہ ہے کہ اسکی کوئی حاجت اورضرورت ہے یعنی یہ سوال بہت اہم اورضروری ہے۔(کشف الباری کتاب الآداب ص۳۴۶)

❸ مذکورہ جملہ کو ذکر کرنے کا مقصد:۔ اس جملہ کو ذکر کرنے سے مقصد سماع کی وضاحت ہے کہ پہلی روایت شعبه عن محمد عن موسیٰ سے وہم ہوتا تھا کہ شاید یہ روایت عنعنہ ہے تو اس جملہ شعبة قال حدثنا محمد بن عثمان وابوه انهما سمعا الخ سے وضاحت کردی کہ محمد کا سماع موسیٰ بن طلحہ سے ثابت ہے اور شعبہ کو محمد نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

نیز یہ بھی بتلادیا کہ محمد،موسیٰ سے روایت کرنے میں متفرد نہیں ہے بلکہ محمد اوراسکے والدعثمان دونوں موسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

"قال ابوعبدالله الخ" امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعبہ نے جو محمد بن عثمان نام ذکر کیا ہے یہ انکا وہم ہے، مجھے خوف ہے کہ محمد بن عثمان ذکر کرنے سے یہ روایت غیر محفوظ ہے اس لئے محمد بن عثمان کی جگہ عمرو بن عثمان ہے۔

الشق الثانی.....سالت امراة النبیﷺ فقالت یارسول الله، ان ابنتی اصابتها الحصبة فامرق شعرها وانی زوجتها افاصل فیه؟فقال، لعن الله الواصلة والمستوصلة۔ عن عبدالله بن عمرقال، سمعت النبیﷺ اوقال قال النبی ﷺ لعن الله الواشمة والمستوشمة والواصلة والمستوصلة یعنی لعن النبیﷺ۔(ص۸۷۹۔ج۲۔قدیمی) اشرح کلمة الحصبة، امرق، الواشمة،المستوشمة، الواصلة والمستوصلة لغة وصرفا۔ ترجم الحدیثین۔ مامعنی قوله فی آخرالحدیث"یعنی لعن النبی ﷺ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں(۱)مذکورہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق(۲)احادیث کا ترجمہ

0313 6357913 maktabatzakariyamultan@gmail.com

(۳) مذکورہ جملہ کا مطلب۔

جواب ..... ① مذکورہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "حَصْبَةٌ" یہ ایک بیماری کا نام ہے جس سے جسم پر چھوٹے چھوٹے سرخ دانے نکل آتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ چیچک کی ایک قسم ہے اور بعض نے اسکا ترجمہ خسرہ کیا ہے۔

"امرق" صیغہ واحد مذکر غائب بحث ماضی معروف از باب انفعال بمعنی بال گرنا۔

"واشمة" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب ضرب بمعنی بدن گودنے والی عورت۔

"مستوشمة" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب استفعال بمعنی بدن گودوانے والی عورت۔

"واصلة" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب ضرب بمعنی بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی عورت۔

"مستوصلة" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب استفعال بمعنی بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگوانے والی عورت۔

② احادیث کا ترجمہ:۔ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ بے شک میری بیٹی کو حصبہ بیماری لگ گئی ہے اور اس نے اسکے بالوں کو گرادیا ہے۔ اور میں اس کی شادی کرنا چاہتی ہوں تو کیا میں اسکے بالوں میں دوسرے بال ملادوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی اور لگوانے والی دونوں عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے گودنے والی اور گودوانے والی عورت پر۔ بال لگانے والی اور بال لگوانے والی عورت پر یعنی آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

③ مذکورہ جملہ کا مطلب:۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب واضح نہیں ہے البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ لعنت آپ ﷺ کی زبان کے ذریعہ بھیجی ہے، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے آپ ﷺ نے بھی لعنت بھیجی ہے۔ کئی نسخوں میں اس طرح عبارت ہے **قال النبی ﷺ الواشمة والمستوشمة الخ یعنی لعن النبی ﷺ** اب اس جملہ کا مطلب واضح ہے کہ **الواشمة** سے پہلے لعن کا لفظ رہ گیا ہے اس لئے راوی نے **لعن النبی ﷺ** کہہ کر اس کی تصریح کردی۔ (کشف الباری کتاب اللباس ص ۲۸۵)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل ..... **عن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ نهی عن الشغار ..... وقال بعض الناس ان احتال حتی تزوج علی الشغار فهو جائز والشرط باطل، وقال فی المتعة النكاح فاسدو الشرط باطل وقال بعضهم المتعة والشغار جائز والشرط باطل۔** (ص ۱۰۲۹۔ ج ۲۔ قدیمی) **عرف الشغار واذكر حكمه عند الائمة مع دلائلهم۔ من هم المراد بقوله "قال بعض الناس وقال بعضهم ۔ اشرح ماذكره المؤلف ردا على "بعض الناس" واذكر هل المؤلف مصيب فی هذاالرد؟ وان لم يكن مصيبا فما هووجه الرد على المؤلف۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) شغار کی تعریف (۲) شغار کا حکم مع الدلائل (۳) **قال بعض الناس** اور **قال بعضهم** کی مراد (۴) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اور اسکا جواب۔

جواب ..... ① شغار کی تعریف:۔ شغار لغت میں **شغر البلد** سے ماخوذ ہے یہ اسوقت کہا جاتا ہے جب شہر خالی اور ویران ہوجائے، چونکہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے اسلئے اس کو شغار کہتے ہیں۔ اصطلاح میں شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میں اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کرتا ہوں کہ تو اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح مجھ سے کردے اور احد العقدین دوسرے کا عوض ہوجائے اسکے علاوہ کوئی اور مہر نہ ہو، اسے آنٹے سانٹے اور وٹہ سٹہ کا نکاح کہا جاتا ہے۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۲۱۵)

بعض قبائل وخاندانوں میں وٹہ سٹہ میں محض رشتہ کا تبادلہ ہوتا ہے مگر اس میں مہر بھی طے کیا جاتا ہے وہ اس میں شامل نہیں ہے۔

② نکاح شغار کا حکم مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں نکاح شغار اگرچہ جائز نہیں لیکن اگر کیا جائے تو نکاح منعقد

ہوجائے گا اور مہر مثلی واجب ہوگا۔ جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں نکاحِ شغار نہیں گویا نکاحِ شغار منہی عنہ ہے۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں یہ بات لازم آئیگی کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی ہو اور یہ درست نہیں۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ افعال شرعیہ سے نہی یہ منہی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا نکاح درست ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے اس لئے کہ بضع مال نہیں لہٰذا وہ مہر نہیں بن سکتی اس لئے ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہرِ مثلی کی مستحق ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرط فاسد ہے اور نکاح شرطِ فاسد سے منعقد اور صحیح ہوجاتا ہے اور خود شرط باطل ہوجاتی ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں شغار سے منع کیا گیا ہے باطل قرار نہیں دیا گیا ہے یعنی یہ حدیث ممانعت پر محمول ہے نہ کہ ابطال پر۔ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں مہر مثلی کا اعتبار ہے لہٰذا ہر عورت کی بضع محض منکوح کی حیثیت رکھتی ہے نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی۔ (درسِ ترمذی ج ۳ ص ۴۱۰)

③ **قال بعض الناس اور قال بعضهم کی مراد:۔** علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **بعض الناس** سے مراد حنفیہ ہیں کیونکہ عموماً امام بخاری رحمہ اللہ کے اس لفظ سے یہی مراد ہوتے ہیں یا خود امام اعظم رحمہ اللہ مراد ہوتے ہیں اور **بعضهم** سے ممکن ہے کہ امام زفر مراد ہوں کیونکہ ان کے نزدیک نکاح مؤقت صحیح ہے۔ (حل قال بعض الناس ص ۴۸)

④ **امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد اور اسکا جواب:۔** نکاحِ شغار فریقین کے نزدیک باطل ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حیلہ کر کے نکاحِ شغار کو جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ بعضا لناس کا قول ہے کہ اگر کوئی حیلہ کر کے نکاحِ شغار کرتا ہے تو یہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے **ان رسول الله نهى عن الشغار** نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لاشغار فى الاسلام۔**

ہم کہتے ہیں کہ محض عدمِ واقفیت کی بناء پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے، الغرض نکاحِ شغار کو اس کی اصلی صورت میں ہم نہ تو جائز کہتے ہیں اور نہ ہی نافذ مانتے ہیں بلکہ ہم نکاح کے رکن اور اہلیت کے پائے جانے کی وجہ سے شرط کو باطل قرار دیتے ہیں اور خلوعن المھر کی خامی اور اسی طرح غیر صالح للمھر کو مہر قرار دینے کی خامی کو دور کر کے عقد کو نافذ اور مہر مثل کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ نہی عقدِ نکاح کو مہر سے خالی رکھنے کی وجہ سے ہے، پس نہ تو حدیث کی مخالفت ہوئی اور نہ ہی فساد لازم آیا۔

"وقال فى المتعة الخ" اس عبارت سے مقصود بھی حنفیہ پر اعتراض کرنا ہے کہ جیسے نکاح شغار میں شرط فاسد ہے اسی طرح متعہ میں بھی شرط فاسد ہے، لہٰذا جیسے شغار میں نکاح صحیح ہے، اسی طرح متعہ میں بھی نکاح صحیح ہونا چاہیے، دونوں کا ایک ہی حکم ہونا چاہیے حالانکہ حنفیہ نے فرق کیا ہے کہ شغار میں شرط لغو اور باطل ہے اور متعہ میں خود وہ متعہ باطل ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب کا حاصل یہ ہے کہ دونوں میں فرق ظاہر ہے کہ نکاح شغار میں لفظ نکاح موجود ہے، گواہ بھی ہیں صرف خلوعن المھر کی خرابی ہے اس لئے وہ نکاح صحیح ہے صرف شرط باطل ہے جبکہ متعہ اپنی ذات کے لحاظ سے ہی باطل ہے اور اس کی حرمت پر نصوصِ قطعیہ اور اجماعِ امت بھی قائم ہے، اس لئے اس کے جواز کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہوسکتا۔

"وقال بعضهم الخ" اس سے مقصود بھی حنفیہ پر اعتراض کرنا ہے کہ بعض لوگ نکاحِ شغار اور متعہ میں نکاح کو جائز اور شرط کو باطل قرار دیتے ہیں حالانکہ متعہ باطل ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ متعہ کی حرمت اور بطلان پر نصوصِ قطعیہ اور اجماعِ امت منعقد ہے اس کی حلت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور نہ حنفیہ میں سے کوئی اسکا قائل ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ صرف نکاحِ مؤقت کے قائل ہیں کہ ایک مدت تک کیلئے کوئی نکاح کرے تو نکاح صحیح ہے اور مدت کی شرط باطل ہوجائے گی اور متعہ و نکاحِ مؤقت میں فرق ہے۔ (حل قال بعض الناس ص ۴۸، ماینفع الناس ص ۱۲۷)

الشق الثانی.....باب لایجوز نکاح المکرہ،قال اللّٰہ تعالیٰ "ولاتکرھو افتیاتکم علی البغاء عن خنساء بنت خزام ان اباھا زوجھا وھی ثیب فکرھت ذلک، فاتت النبی ﷺ فردنکاحھا۔(ص۱۰۲۷۔ج۲۔قدیمی)

عرف الاکراہ وانواعہ واضحًا۔ انکرغرض الترجمۃ۔ ماھی مناسبۃ الایۃ بالترجمۃ؟ اشرح الحدیث۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں(۱)اکراہ کی تعریف واقسام(۲)ترجمۃ الباب کی غرض(۳)آیت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت(۴)حدیث کی تشریح۔

جواب.....(۱)اکراہ کی تعریف واقسام:۔اکراہ کی تعریف یہ ہے ھو اسم لفعل یفعلہ المرء بغیرہ فینتفی بہ رضاہ یعنی اکراہ ایسے فعل کا نام ہے جس کو ایک آدمی کرتا ہے دوسرے آدمی کے ساتھ جس کی وجہ سے دوسرے آدمی کی رضامندی ختم ہوجاتی ہے۔

اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔① اکراہِ ملجی: یہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کسی کام کے کرنے پر یا کسی کام سے روکنے پر جان سے مارنے یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو تلف کرنے کی دھمکی دیتا ہے اس صورت میں انسان کی رضامندی وخودمختاری دونوں معدوم وسلب ہوجاتی ہیں اور وہ قطعی بے بس ولاچار ہوجاتا ہے۔

② اکراہِ غیر ملجی: یہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کسی کام کے کرنے پر یا کسی کام سے روکنے پر قید کرنے یا باندھنے کی دھمکی دیتا ہے۔اس میں فقط طبعی رضا ودلی خوشی تو معدوم ہوتی ہے مگر اہلیت واختیار اور ارادہ کی قوت سلب نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ رضاء خاص اور اختیار عام ہے۔خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔(ماینفع الناس ص۱۰۴)

② ترجمۃ الباب کی غرض:۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس ترجمۃ الباب سے مکرہ کے نکاح کے عدمِ جواز کو بیان کرنا ہے کہ زبردستی عورت کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

③ آیت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ آیت میں لونڈیوں کو زناء پر مجبور کرنے سے منع کیا گیا ہے تو جب لونڈی پر جبر واکراہ جائز نہیں تو آزاد عورت پر بھی نکاح کے سلسلہ میں جبر واکراہ جائز نہیں اور ترجمۃ الباب بھی یہی تھا کہ مجبور مکرہ عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔

④ حدیث کی تشریح:۔ حضرت خنساء بنت خزام رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت انیس بن قتادہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا اور وہ جنگ اُحد میں شہید ہوگئے تھے پھر ان کے والد نے انکا نکاح قبیلہ بنومزینہ کے کسی آدمی سے کردیا تھا۔حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو یہ نکاح پسند نہ تھا اس وجہ سے وہ یہ شکایت لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔آپ ﷺ نے انکا یہ نکاح رد کردیا اور اس سے فراغت کے بعد انکا نکاح حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ثیبہ تھیں اور ان کے والد نے ان کی رضامندی کے بغیر ان کا نکاح کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس نکاح کو رَد کردیا۔

﴿الورقۃ الرابعۃ:الصحیح للامام البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل.....باب، حدثنا أبواليمان..... أن عبادة بن الصامت وكان شهد بدرًا وهوأحد النقباء ليلة العقبة: أن رسول الله ﷺ قال۔ وحوله عصابة من أصحابه: بايعوني على أن "لاتشركوا بالله شيئا ولاتسرقوا ولاتزنوا ولاتقتلوا أولادكم ولاتأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولاتعصوا في معروف، فمن وفى منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب فى الدنيا فهو كفّارة له، ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فهو ألى الله۔ أن شاء عفا عنه وأن شاء عاقبه، فبايعناه على ذلك۔(ص۷۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث و اشرحه كاملا" واشرح خاصة قوله: "ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب فى الدنيا فهو كفّارة له۔ انكر وجوه أيراد البخارى الأبواب بلا ترجمة۔بين المراد من معروف فى قوله ولاتعصوا فى معروف۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)حدیث کی تشریح(۳)ابواب کو بلاترجمہ لانے کی

0313 6357913 maktabacakhiyanduran@gmail.com

وجوہ(۵) معروف کی مراد۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقیبوں میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جب آپ کے گرد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت موجود تھی، یہ فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو اس بات کی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے، چوری نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے، اپنی نسل کشی نہ کروگے اور نہ عمداً کوئی بہتان باندھوگے اور کسی اچھی بات میں (اللہ کی) نافرمانی نہ کروگے، جو کوئی تم میں (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اسکا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے اور اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ سزا اسکے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہو جائیگی اور جو کوئی ان میں سے کسی بات میں مبتلا ہو گیا اور اللہ نے اس (گناہ) کو چھپالیا تو وہ (معاملہ) اللہ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے معاف کر دے اور اگر چاہے سزا دے دے (حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) پھر ہم سب نے ان (سب باتوں) پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو کہ ایک بدری صحابی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور بیعتِ عقبہ کے نقیب اور سرداروں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھ سے مندرجہ ذیل باتوں پر بیعت کرو۔

① اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے یعنی شرک فی الذات، شرک فی الافعال اور شرک فی العبادات میں سے کسی کا بھی ارتکاب نہ کروگے کیونکہ تمام گناہ معاف ہو سکتے ہیں شرک کا گناہ معاف نہیں ہو سکتا ② چوری نہیں کرو گے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے ③ زنا نہیں کروگے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اگر مرتکب غیر محصن ہے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے اور اگر مرتکب محصن ہے تو اس کی سزا رجم ہے ④ اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے یہ بھی گناہِ کبیرہ ہے، عرب میں عار کی وجہ سے بچہ اور بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے کہ ہم خود کہاں سے کھائیں گے اور انکو کہاں سے کھلائیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم**۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دستور کی وجہ سے **لا تقتلوا اولادکم** فرمایا ورنہ مطلقاً قتل حرام ہے خواہ صغیر ہو یا کبیر ہو اپنا ہو یا بیگانہ ہو ⑤ تم ایسا بہتان نہیں تراشو گے جس کو تم بذاتِ خود گھڑتے ہو اور بہتان وہ جھوٹ ہے جو سامع کو مبہوت اور پریشان کر کے رکھ دے ⑥ معروف چیز میں نافرمانی نہیں کروگے، ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معروف کا لفظ تمام امورِ شرعیہ کو شامل ہے خواہ وہ فرائض ہوں یا مندوبات ہوں۔ اخلاق وآداب ہوں یا وہ امور ہوں جن سے شریعت نے منع کیا ہے پس اس تشریح سے تمام امور اوامر ونواہی معروف کے تحت آ گئے۔

ان امور کو ذکر کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی ان باتوں کو پورا کرے گا اپنے عہد اور وعدوں کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہوگا، اور یہ وجوب حتمی نہیں ہے استحسانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہیں **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون** وہ ہر چیز کا سوال کر سکتا ہے مگر تم اس سے کسی بھی قسم کا سوال وپوچھ گچھ نہیں کر سکتے، البتہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے تو اس کا پورا ہونا یقینی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اس کو اس دنیا میں ہی سزا دیدی جائے تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہو جائے گی اور اگر کوئی ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمادیں یعنی دنیا میں اس پر حد جاری نہ ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اس کو معاف کر دیں گے اور اگر چاہیں گے تو اس کو آخرت میں سزا دیں گے۔

راویِ حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور پر بیعت کر لی کہ ہم انکو پورا کرینگے۔

③ ابواب بلا ترجمہ لانے کی وجوہ:۔ علماء نے اسکے متعدد مقاصد بیان کئے ہیں ① عند البعض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سہو ہو گیا ہے ② عند البعض کاتب کو سہو ہوا ہے کہ اس سے ترجمۃ الباب سہواً چھوٹ گیا ہے ③ عند البعض راوی کا تصرف ہے ④ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے قصداً جگہ چھوڑی تھی بعد میں ترجمہ قائم کرنے کا ارادہ تھا مگر بعد میں موقعہ نہ ملا ⑤ عام شراح کرام کہتے ہیں یہ بابِ سابق کی فصل ہے اور اسی سے مربوط ہے ⑥ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض جگہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تشحیذ اذھان کیلئے ترجمہ حذف کرتے ہیں کہ طلباء کی طبیعت تیز کرتے ہیں اور ذہن میں جلاء پیدا کرتے ہیں کہ تم خود غور کر کے ترجمۃ الباب قائم کرو جو مکرر بھی نہ ہو اور مقام کے مناسب بھی ہو ⑦ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبھی امام بخاری رحمہ اللہ فوائدِ کثیرہ کی غرض سے ترجمہ ترک کر دیتے ہیں کہ مذکورہ روایت کی مناسبت سے اس پر متعدد تراجم قائم کئے جاسکتے ہیں ⑧ بعض اوقات ابوابِ سابقہ پر کوئی اشکال ہوتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ باب بلاترجمہ لاکر ایسی روایت ذکر کرتے ہیں جس سے وہ اشکال ختم ہو جاتا ہے ⑨ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ''باب'' کا لفظ محدثین کے قول ''ح'' کی جگہ استعمال کرتے ہیں ⑩ امام بخاری رحمہ اللہ رجوع الی الاصل کے لئے باب بلاترجمہ لاتے ہیں یعنی امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب منعقد کرتے ہیں پھر اس کے بعد کچھ تراجم اور ابواب تبعاً اور ضمناً ذکر کرتے ہیں پھر اصل باب کی طرف عود کے لئے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔ **تلك عشرة كاملة.**

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں۔ ① یہ باب سابقہ باب کی فصل کے طور پر ہے بایں طور کہ بابِ سابق میں جو بات حدیث جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہوئی تھی اب اس کو ہرقل کے قول سے ثابت کر رہے ہیں ② ماقبل میں **باب خوف المؤمن الخ** میں امام بخاری رحمہ اللہ نے متنبہ کیا تھا کہ نفاق اور حبطِ اعمال سے ڈرتے رہنا چاہیے ایمان کے سلسلہ میں اپنے آپ کو مامون سمجھنا بھی علامتِ نفاق میں سے ہے اب اس باب میں تسلی دے رہے ہیں کہ نفاق کا خطرہ بھی ہر شخص کے لئے نہیں ہوتا، جس شخص کے دل و دماغ میں ایمان رچ بس جائے اور قلب میں سرایت کر جائے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور باذن اللہ وہ ارتداد سے محفوظ رہتا ہے صراحتاً اس کو ذکر نہیں کیا بلکہ باب بلاترجمہ لاکر اس کی طرف اشارہ کر دیا ③ باب کو بلاترجمہ لاکر تشحیذِ اذھان مقصود ہے کہ تمرین کے لئے ترجمہ حذف کر دیا ہے۔ (کشف الباری ج۲ص۴۳)

④ معروف کی مراد:۔ ① معروف وہ چیز جس کا حُسن شارع کی طرف سے معلوم ہو خواہ از قبیلِ امر ہو یا از قبیلِ نہی ہو۔ ② معروف بمعنیٰ مشہور ہے یعنی شارع سے اس فعل کا کرنا ثابت اور مشہور ہو ③ اس سے مراد طاعات ہیں ④ اس سے مراد بر اور تقویٰ ہے ⑤ اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے شارع کی طرف سے نہی وارد نہ ہوئی ہو ⑥ صاحبِ نہایہ فرماتے ہیں کہ معروف ایک کلمۂ جامعہ ہے جو تمام امورِ شرعیہ کو شامل ہے خواہ وہ فرائض ہوں یا مندوبات، اخلاق و آداب ہوں یا وہ امور جن سے شریعتِ مطہرہ میں منع کیا گیا ہو۔ (ایضاً ص۶۱)

الشق الثانی.....**بَابُ فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ۔ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ: قَالَ إِسْحَاقُ: وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتِ الْمَاءَ قَاعٌ يَعْلُوهُ الْمَاءُ۔ وَالصَّفْصَفُ: الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ۔** (ص۱۸۔ج۱۔قدیمی)

0313 6357917 maktabazakariyamultan@gmail.com

اضبط الحديث ثم ترجمه۔ اشرح الحديث وانكر وجوه التطبيق بين المثل والممثل له۔ من هو أبو عبدالله ومن هو أسحاق؟ واشرح ما قاله اسحاق۔ لما ذا نكر البخاري القاع والصفصف في هذا المقام؟ انكر غرض الباب۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل آٹھ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) مثال و ممثل لہ میں تطبیق (۵) ابوعبداللہ اور اسحٰق کا تعارف (۶) قولِ اسحٰق کی تشریح (۷) **القاع، الصفصف** کو ذکر کرنے کی وجہ (۸) باب کی غرض۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ في السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم کی باتیں دیکر مجھے بھیجا ان کی مثال زوردار بارش کی ہے جو زمین پر برسے، پس کچھ حصہ زمین کا عمدہ تھا جس نے پانی کو چوس لیا اور پھر اس نے گھاس اور سبزہ خوب اگایا اور کچھ حصہ سخت (پتھریلا) تھا کہ اس نے پانی جذب کیا اللہ تعالیٰ

نے اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع دیا کہ انہوں نے خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور کاشتکاری کی اور یہ بارش زمین کے ایک ایسے ٹکڑے پر بھی برسی جو صاف چٹیل تھا، نہ اس نے پانی کو جذب کیا اور نہ ہی گھاس اگایا، پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ پیدا کی اور اللہ تعالیٰ نے جو مجھے دیکر بھیجا ہے اس سے اس کو فائدہ پہنچایا پس اس نے خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس علم کی طرف سر اٹھا کر توجہ بھی نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کو میں لیکر آیا ہوں۔

③ حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ علم دین سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا رہے ہیں کہ علم دین کی مثال بارش کی ہے کہ بارش زمین کے ہر حصہ پر برستی ہے مگر اس سے نفع حاصل کرنے میں زمین کی مختلف اقسام ہیں ایک قسم زمین کی وہ ہے جو پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پھر اس سے سبزہ گھاس وغیرہ اگتا ہے، اور لوگ انکو استعمال کرتے ہیں۔

زمین کی دوسری قسم وہ ہے جو سخت اور پتھریلی ہوتی ہے پانی اس کے اوپر جمع ہو جاتا ہے پھر لوگ اسے خود بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور اس کے ذریعہ کاشتکاری بھی کرتے ہیں۔

زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو چٹیل اور صاف ہوتی ہے جو نہ پانی کو اپنے اندر جذب کر کے کھیتیاں اور سبزہ وغیرہ اگاتی ہے اور نہ پانی کو جمع کر کے لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے گویا اس پر بارش کا برسنا بیکار اور فضول جاتا ہے۔

بعینہٖ اسی طرح علم دین اور ہدایت کی مثال ہے کہ یہ بھی تمام لوگوں کے لئے ہے مگر ایک شخص وہ ہے جس نے دین میں سمجھ پیدا کی، علم دین کو خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا خود بھی علم دین سے فائدہ حاصل کیا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

دوسرا شخص وہ ہے جس نے علم دین کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا گویا علم دین کی طرف بالکل توجہ نہ کی، نہ خود علم دین سیکھا اور نہ دوسروں کو سکھایا، نہ خود علم دین سے فائدہ حاصل کیا اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

④ مثال و ممثل لہ میں تطبیق:۔ علماء نے تطبیق کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

۱..... جس طرح مثال یعنی زمین کی تین اقسام ہیں ① وہ زمین جس نے پانی کو قبول کیا اور پھر گھاس سبزہ اگایا ② وہ زمین جس نے پانی کو روکا اور لوگوں نے اس پانی سے نفع حاصل کیا ③ وہ زمین جس نے نہ پانی کو روکا اور نہ گھاس وغیرہ اگایا۔

بعینہٖ اسی طرح ممثل لہ یعنی لوگوں کی بھی تین اقسام ہیں ① وہ شخص جس نے دین میں سمجھ بوجھ پیدا کی ② وہ شخص جس نے دین سے نفع حاصل کیا پس خود بھی علم دین سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا ③ وہ شخص جس نے دین اور ہدایت کی طرف بالکل توجہ نہ کی، نہ خود علم سے فائدہ حاصل کیا اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

۲..... مثال اور ممثل لہ دونوں کی دو اقسام ہیں بایں طور کہ زمین کی دو اقسام ہیں۔ ① نافع: جو خود بھی پانی سے نفع حاصل کرے اور لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے ② غیر نافع: جو نہ خود پانی سے نفع حاصل کرے اور نہ لوگوں کو فائدہ و نفع پہنچائے۔

بعینہٖ اسی طرح ممثل لہ یعنی لوگوں کی بھی دو اقسام ہیں۔ ① نافع: وہ شخص جس نے دین میں سمجھ بوجھ پیدا کی خود بھی علم دین کو سیکھا اور نفع حاصل کیا اور دوسروں کو بھی علم دین سکھایا اور نفع پہنچایا ② غیر نافع: وہ شخص جس نے علم دین کی طرف بالکل توجہ نہ کی، نہ خود نفع حاصل کیا اور نہ دوسروں کو نفع پہنچایا (کشف الباری ج ۳ ص ۴۲۵)

⑤ ابوعبداللہ اور اسحٰق کا تعارف:۔ ابوعبداللہ سے مراد صاحب کتاب یعنی محمد بن اسماعیل البخاری (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغیر نسبت کے اسحٰق کو ذکر کریں تو اس سے مراد ان کے حنفی المسلک استاذ اسحٰق بن ابراہیم ہوتے ہیں ان کی کنیت ابو یعقوب ہے اور یہ ابنِ راہویہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ (ایضاً ج ۳ ص ۴۲۸)

⑥ قولِ اسحٰق کی تشریح:۔ اس جملہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ اسحٰق بن راہویہ کے الفاظ کو ذکر کیا ہے کہ دیگر روات نے **قبلت الماء** کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ اسحٰق بن راہویہ نے **قیلت (بالیاء)** کا لفظ ذکر کیا ہے۔ اور اس کا معنی **شربت** (پینا) ہے اگرچہ بعض حضرات نے **قیلت** (بالیاء) کو تصحیف کہا ہے۔

0313 6067973 maktabazakariyamultan@gmail.com

نیز بقیہ روات نے **نقیة** کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ اسحٰق بن راہویہ نے **طائفة** کا لفظ ذکر کیا ہے۔(ایضاً ج۳ص۴۳۲)

⑦ **القاع الخ، الصفصف الخ** کو ذکر کرنے کی وجہ:۔ ان الفاظ کو ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض **قاع** اور **صفصف** کی تفسیر بیان کرنا ہے۔ روایت میں **قیعان** کا لفظ **قاع** کی جمع ہے بمعنی وہ زمین جس پر پانی چڑھتا ہوا گزر جائے اور **صفصف** ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ سوال ہوتا ہے کہ **قیعان** کا لفظ تو روایت میں موجود ہے مگر **صفصف** کا لفظ روایت میں کہیں بھی نہیں ہے پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تفسیر کیسے ذکر فرمائی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے قرآن کریم کے الفاظ کی بھی تشریح کر دیتے ہیں اور چونکہ قرآن کریم میں **قاع** کے لفظ کے ساتھ **صفصف** کا لفظ بھی آیت کریم **فیذرھا قاعا صفصفا** میں موجود تھا اس لئے اس کی بھی تشریح کر دی۔(ایضاً ج۳ص۴۳۳)

⑧ **باب کی غرض:۔** اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض متعلم و معلم یعنی سیکھنے اور سکھانے والے شخص کی فضیلت کو بیان کرنا ہے اور یہ فضیلت صرف اس شخص کے لئے ہے جو ان دونوں اوصاف کا مجموعہ ہو۔

﴿السوال الثاني﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل..... حَدَّثَنِي أَنَسٌ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ خَالَهُ أَخًا لِأُمِّ سُلَيْمٍ فِي سَبْعِينَ رَاكِبًا وَكَانَ رَئِيسَ الْمُشْرِكِينَ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ خَيَّرَ بَيْنَ ثَلَاثِ خِصَالٍ فَقَالَ: يَكُونُ لَكَ أَهْلُ السَّهْلِ وَلِيَ أَهْلُ الْمَدَرِ أَوْ أَكُونُ خَلِيفَتَكَ أَوْ أَغْزُوكَ بِأَهْلِ غَطَفَانَ بِأَلْفٍ وَأَلْفٍ فَطُعِنَ عَامِرٌ فِي بَيْتِ أُمِّ فُلَانٍ فَقَالَ: غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَكْرِ فِي بَيْتِ امْرَأَةٍ مِنْ آلِ فُلَانٍ ائْتُونِي بِفَرَسِي فَمَاتَ عَلَى ظَهْرِ فَرَسِهِ فَانْطَلَقَ حَرَامٌ أَخُو أُمِّ سُلَيْمٍ وَهُوَ رَجُلٌ أَعْرَجُ وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي فُلَانٍ قَالَ: كُونَا قَرِيبًا.....(ص۵۸۶۔ج۲۔قدیمی)

اضبط الحديث بالشكل وترجمه ترجمة واضحة سلسة . ماسم هذا الخال؟ وبأى غزوة يتعلق هذا الحديث؟ اشرح الحديث شرحًا مبسوطًا واذكر متى وقعت هذاه الغزوة؟ واذكر قصة هذه الغزوة بأيجاز.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) **خال** کا نام اور غزوہ کی تعیین (۴) حدیث کی تشریح (۵) غزوہ کا سن اور قصہ۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے ماموں ام سلیم رضی اللہ عنہا (انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) کے بھائی (حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ) کو بھی رسول اللہ ﷺ نے ان ستّر سواروں کے ساتھ بھیجا تھا، اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ رئیس المشرکین عامر بن طفیل نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے تین صورتیں رکھی تھیں، اس نے کہا کہ یا تو یہ کیجئے کہ دیہاتی آبادی پر آپ کی حکومت رہے اور شہری آبادی پر میری یا مجھے آپ کا جانشین منتخب کیا جائے ورنہ پھر میں ہزاروں غطفانیوں کو لے کر آپ پر چڑھائی کروں گا (اس پر آنحضرت ﷺ نے اس کیلئے بد دعا کی) اور ام فلاں کے گھر میں وہ طاعون میں مبتلا ہوا۔ کہنے لگا کہ آل فلاں کی عورت کے گھر کے جوان اونٹ کی طرح مجھے بھی غدود نکل آیا ہے، میرا گھوڑا لاؤ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا، بہر حال ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ایک اور صحابی جو لنگڑے تھے اور ایک تیسرے صحابی جن کا تعلق بنی فلاں سے تھا، آگے بڑھے، حرام رضی اللہ عنہ نے (اپنے دونوں ساتھیوں سے بنو عامر تک پہنچنے سے پہلے ہی) کہہ دیا کہ آپ دونوں میرے قریب ہی کہیں رہئے۔

③ **خال کا نام اور غزوہ کی تعیین:۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خال (ماموں) کا نام حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ہے اور اس روایت میں غزوۂ بئر معونہ کا ذکر ہے۔

④ **حدیث کی تشریح:۔** حدیث کی تشریح غزوہ کے قصہ سے واضح ہو جائے گی، درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر عامر بن طفیل کا قصہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ بئر معونہ کے قراء کا اصل قاتل عامر بن طفیل ہی تھا۔

0313-6310013 maktabazakariyamultan@gmail.com

عامر بن طفیل کا قصہ یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ آیا تھا اور اس نے آپ ﷺ کو تین باتوں کا اختیار دیا تھا۔ ① دیہاتوں پر آپ ﷺ کی حکومت ہوگی اور شہروں پر میری حکومت ہوگی ② آپ ﷺ کے بعد آپ کا جانشین میں بنوں گا ③ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی منظور نہیں تو پھر جنگ کیلئے تیار رہو میں غطفان کے ہزاروں لوگوں کو لیکر آپ ﷺ سے جنگ کرونگا۔

اس کے بعد عامر بن طفیل آلِ سلول کی ایک عورت کے گھر میں طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوگیا اور جیسے جوان اونٹ کے بدن میں بڑی گلٹی اور پھوڑا نکلتا ہے اس کے جسم میں بھی ایسا ہی پھوڑا نکلا اور جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے کہا کہ میرا گھوڑا لاؤ میں بستر پر نہیں مروں گا چنانچہ گھوڑے کی پشت پر سوار ہوکر اس کی موت واقع ہوئی۔ (کشف الباری مغازی ص ۲۶۵)

⑤ غزوہ کاسن اور قصہ:۔ غزوۂ بئر معونہ کا واقعہ صفر ۴ھ میں اس طرح پیش آیا کہ قبیلۂ بنو عامر کا سردار عامر بن مالک حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ساتھ ہدیہ بھی لایا، حضور اکرم ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ انکار کیا بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے آدمی ہمارے قبیلے کی طرف اسلام کی دعوت کی غرض سے بھیجئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھ کو اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ ہمارے اصحاب کو نقصان پہنچائیں گے، عامر بن مالک (کنیت "ابو براء") نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کو پناہ میں لیتا ہوں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی فرمائش پر ستر قراء کو بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، بخاری کتاب الجہاد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قبیلۂ رعل وذکوان کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر کے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں مدد دیجئے، ان کی مدد کی غرض سے آپ ﷺ نے ان ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو روانہ فرمایا تھا۔ لیکن دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں کہ عامر بن مالک نے جو درخواست کی تھی اس کی خواہش کو بھی پورا کرنا تھا اور قبیلۂ رعل وذکوان کی امداد بھی مقصود تھی۔

چنانچہ یہ حضرات روانہ ہوئے، ان کا امیر آپ نے حضرت منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ایک خط بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل کے نام دیا یہ عامر بن طفیل عامر بن مالک کا بھتیجا تھا، حضرت حرام رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچے، اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم پیچھے رہو، میں عامر بن طفیل کو خط دیتا ہوں، اگر مجھے اس نے امن دیدیا تو تم یہیں رہنا اور اگر مجھے قتل کر دیا تو تم باقی ساتھیوں کے پاس چلے جانا، چنانچہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور بنی عامر کو باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے قتل پر ابھارا، عامر بن طفیل کے چچا عامر بن مالک نے کہا میں نے ان حضرات کو امن دیا ہے لہٰذا ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے مگر عامر بن طفیل نے چچا کی بات نہ مانی تاہم بنو نے کہا کہ جب ان کو امن دیا گیا ہے پھر غداری اور عہد شکنی نہیں ہونی چاہیے، جب بنو عامر نے عامر بن طفیل کی بات نہیں مانی تو عامر نے رعل اور ذکوان سے مدد طلب کی، رعل اور ذکوان نے باوجود اسکے کہ حضور اکرم ﷺ سے صحابہ کو بھیجنے کی درخواست کی تھی، عہد شکنی کی اور عامر بن طفیل کے ساتھ مل کر صحابہ کرام کو شہید کیا۔

صرف تین صحابہ بچے، ایک حضرت کعب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ تھے، ان کے بارے میں یہ سمجھا گیا کہ یہ فوت ہو چکے ہیں حالانکہ وہ زندہ تھے، حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ بعد میں غزوۂ خندق کے موقع پر شہید ہوئے ہیں۔ دوسرے دو صحابہ میں ایک منذر بن محمد رضی اللہ عنہ تھے اور ایک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے، یہ دونوں مویشی چرانے جنگل گئے ہوئے تھے، اچانک انہیں آسمان میں پرندے اڑتے نظر آئے، پرندوں کو دیکھ کر یہ دونوں گھبرا گئے اور کہا کہ کوئی حادثہ ضرور پیش آیا ہے، جب قریب گئے تو دیکھا کہ تمام صحابہ شہید ہوگئے ہیں، دونوں نے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مدینہ چلیں اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دیں، لیکن منذر بن محمد رضی اللہ عنہ نے کہا: جہاں منذر بن عمرو (امیر جماعت) شہید کئے گئے وہاں سے میں کیوں بھاگوں؟ آگے بڑھے اور کفار سے لڑ کر جام شہادت نوش فرمایا، عمرو بن امیہ کو لوگوں نے زندہ گرفتار کیا اور عامر بن طفیل کے حوالہ کیا، عامر نے انکے سر کے بال کاٹے اور یہ کہہ کر ان کو آزاد کر دیا کہ میری والدہ نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی یہ اسکی طرف سے آزاد ہے۔

جب حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ ایک ماہ تک قبیلۂ رعل وذکوان کے خلاف قنوت نازلہ میں بددعا کرتے رہے، اس حادثہ سے آپ ﷺ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ زندگی بھر اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔ (کشف الباری، مغازی: ۲۶۱)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....باب تزويج اليتيمة لقوله: "وأن خفتم ألا تقسطوا في اليتامى فانكحوا" وأذا قال للولي: زوجني فلانة فمكث ساعة أوقال: مامعك؟ فقال: معي كذا وكذا أولبثا ثم قال: زوجتكها فهو جائز فيه سهل عن النبي ﷺ۔(ص۷۷۲۔ج۲۔قدیمی) ترجم العبارة و اذكر غرض البخاريؒ من ترجمة الباب ۔ اشرح ترجمة الباب واذكر مذاهب العلماء ودلائلهم على الأحكام التي أشار اليها المؤلف

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) ترجمۃ الباب کی تشریح (۴) ولی کے یتیم بچی کے نکاح کرنے اور ایجاب وقبول کے درمیان فصل میں اختلاف۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب یتیمہ کے نکاح کرانے کے بیان میں ہے، اللہ تعالیٰ کے قول **وان خفتم الّا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا** کی روشنی میں: جب کسی نے ولی سے کہا کہ میرا نکاح فلاں عورت سے کردے، پس وہ کچھ دیر ٹھہرا رہا یا اس نے کہا کہ تیرے پاس کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس فلاں فلاں چیز ہے یا وہ دونوں ٹھہرے رہے پھر ولی نے کہا کہ میں نے تیرا نکاح اُس سے کردیا تو یہ جائز ہے، اس میں آنحضرت ﷺ سے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے۔

② ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتارہے ہیں کہ یتیم بچی کا نکاح بھی کیا جاسکتا ہے گویا ولی یتیمہ کا نکاح کرسکتا ہے۔

③ ترجمۃ الباب کی تشریح:۔ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو احکام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ① ولی یتیم بچی کا نکاح کرسکتا ہے۔ ② اگر ایک ہی مجلس میں ایجاب وقبول ہو تو اگرچہ انکے درمیان فاصلہ بھی آجائے تب بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(**سیجیئ تفصیلہ**)۔

④ ولی کے یتیم بچی کے نکاح کرنے اور ایجاب وقبول کے درمیان فصل میں اختلاف:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یتیم لڑکی کا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ہے: امام مالک وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ بلوغ سے قبل یتیم بچی کا نکاح جائز نہیں ہے۔

امام احمد اور امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ جب اس کی عمر نو سال ہوجائے تو پھر اس کی رضامندی سے اس کا نکاح کرایا جاسکتا ہے اور پھر بالغ ہونے کے بعد اس کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یتیم بچی صغیرہ ہے تو اس پر دادا کو حقِ اجبار حاصل ہے اگر کوئی دوسرا شخص اسکا نکاح کرے گا تو اس کا نکاح صحیح ہوگا مگر بعد البلوغ اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا البتہ اگر وہ بالغہ ہے تو اس پر کسی کو بھی حقِ اجبار حاصل نہیں ہے کیونکہ بعد البلوغ وہ یتیم نہیں ہے **لایتیم بعد البلوغ**۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ آگے **واذا قال للولی زوجنی فلانة الخ** سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ولی نے یتیم بچی کا نکاح کردیا تو یہ صحیح ہے۔

دوسرا مسئلہ ایجاب وقبول کے درمیان فصل کا ہے کہ ایجاب وقبول میں فصل مضر ہے یا نہیں ہے؟

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس مسئلہ میں آئمہ کے درمیان اختلاف ہے کہ ایجاب کے فوراً بعد قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں: حضرات مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ فوراً قبول کرنا چاہیے تاخیر کرکے قبول کرنا معتبر نہیں ہے۔ حضرات شوافع رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ فصل یسیر یعنی ایجاب وقبول میں معمولی فاصلہ ہو تو مضر نہیں ہے البتہ زیادہ فاصلہ مضر ہوگا اور قبول کرنا معتبر نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر مجلس کے اندر قبول ہو تو صحیح ہے اور اگر مجلس مختلف ہوگئی تو پھر قبول کرنا معتبر نہ ہوگا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اس عبارت میں بھی اسی کا ذکر ہے کہ جب مرد نے ولی سے کہا کہ میرا فلاں عورت سے نکاح کردے تو اس کے بعد ولی تھوڑی دیر خاموش رہا یا ولی نے مرد سے مال اور مہر وغیرہ کے متعلق سوالات شروع کردیئے کہ تیرے پاس کیا کچھ ہے؟ یا ویسے وہ دونوں کچھ دیر ٹھہرے رہے پھر ولی نے کہا کہ میں نے تیرا نکاح اس عورت سے کردیا تو یہ نکاح جائز ہے اور اس کے جائز ہونے کے بارے میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث وارد ہے جس میں واہبہ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک ہی مجلس

میں ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہوگیا تھا حالانکہ ایجاب وقبول کے درمیان فاصلہ تھا۔(کشف الباری کتاب النکاح ص ۲۵۰)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل.....باب اداء الخمس من الایمان،اخرج المصنف فی الباب حدیث وفد عبدالقیس، ان وفد عبدالقیس لما اتواالنبی ﷺ الی آخرہ عما یلی۔(ص ۱۳۔ج ۱۔قدیمی)

اذکر غرض المؤلف بهذه الترجمة ومناسبة الحديث بها ۔ من هم عبدالقيس؟واين كانوا يسكنون ۔ اذكراقوال العلماء فی عدد قدوم هذا الوفد على النبی ﷺ وفی ای عام قدم؟ كيف قال "فامرهم باربع" مع ان عدد المامورات اما واحد وهو الايمان بالله وحده واما خمسة ۔ لماذا لم يذكر الحج فی هذا الحديث ۔ اشرح "خزايا و ندامی و حنتم و نقير و مزفت و مقير"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ سات امور ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض(۲)حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۳)عبدِقیس کا تعارف اور مسکن(۴)آمد کی تعداد وتعیینِ سال(۵) فامرهم باربع کا جواب(۶)حج کو ذکر نہ کرنے کی وجہ (۷)مذکورہ الفاظ کی تشریح۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض تبلیغ وتعلیم کی تاکید مقصود ہے اور تعلیم وتبلیغ بدون حفظ ممکن نہیں اس لئے حفظ کی بھی تاکید فرمادی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بلّغوا عني ولو آية سے ابہام ہوتا تھا کہ صرت آیاتِ قرآنی کی تبلیغ کی جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے رد کی طرف اشارہ کردیا کہ تعلیم وتبلیغ میں عموم ہے خواہ آیاتِ قرآنی ہو یا حدیثِ نبوی ﷺ ہو۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ تبلیغ کیلئے مبلغ کا کامل عالم ہونا ضروری نہیں ہے اگر کوئی شخص کامل عالم نہ ہو تو اس کیلئے بھی تبلیغ کرنا جائز ہے جیسا کہ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس صرف چند دن رہے ان دنوں میں انہوں نے جو کچھ سیکھا آپ ﷺ نے انہیں اسی کی تبلیغ وتعلیم کا حکم دیا۔(کشف الباری ج ۳ص ۵۰۷)

② حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حدیث کے جملہ وان تعطوا من المغنم الخمس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے۔

③ وفدِ عبدِقیس کا تعارف ومحلِ سکونت:۔ جیسا کہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلۂ ربیعہ کے لوگ تھے یہ قبیلہ قدیم الاسلام ہے اور یہ لوگ بحرین اور اطرافِ عراق کے رہنے والے تھے اور جواثی شہر میں یہی لوگ آباد تھے جہاں پر مسجدِ نبوی کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ ادا کی گئی تھی۔(کشف الباری ج ۲ص ۷۰۸)

④ آمد کی تعداد اور تعیین:۔ وفدِ عبدالقیس آپ ﷺ کی خدمت میں کب آیا تھا؟ اس میں متعدد اقوال ہیں۔① واقدی، ابنِ سعد، ابنِ شاہین اور قاضی عیاض رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد ۸ھ میں فتحِ مکہ کے سال مکہ مکرمہ کی طرف روانگی سے پہلے آیا تھا② محمد بن اسحٰق، ابنِ ہشام، ابن القیم رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا③ ابنِ حبان، صاحبِ تاریخ الخمیس اور ابن الاثیر رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد ۱۰ھ میں آیا تھا④ حافظ ابنِ حجر اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہما اللہ کے نزدیک یہ وفد دو مرتبہ آیا تھا۔

البتہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی مرتبہ ۵ھ میں اور دوسری مرتبہ ۹ھ میں آیا تھا اور شاہ صاحب کے نزدیک پہلی مرتبہ ۶ھ میں اور دوسری مرتبہ ۸ھ میں آیا تھا۔اور حدیث میں پہلی مرتبہ کی آمد کا ذکر ہے۔(کشف الباری ج ۲ص ۷۰۵)

⑤ فامرهم باربع الخ کا جواب:۔ سوال ہوتا ہے کہ حدیث میں اجمالاً مامورات کا عدد چار بتلایا گیا ہے اور تفصیل میں پانچ مامورات کا ذکر ہے، شہادتین، اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صومِ رمضان، اعطاءِ خمس، تو بظاہر اجمال وتفصیل میں مطابقت نہیں ہے، علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مامورات اربعہ یہ چار چیزیں ہیں: اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صومِ رمضان اور اعطاءِ خمس باقی ایمان اور شہادتین کو تبعاً ذکر کیا گیا ہے۔

0343 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

علامہ ابنِ رشید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل میں قوم نے ایمان کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا وہ ایمان لا چکے تھے انہوں نے ان اعمال کے متعلق سوال کیا تھا جو جنت میں جانے کا ذریعہ بنیں لہٰذا وہ اعمال اقامتِ صلوۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صومِ رمضان، اعطاءِ خمس ہیں۔

ابن بطال، قاضی عیاض اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امورِ اربعہ شہادتین، اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صومِ رمضان ہیں مگر چونکہ یہ لوگ کفار کے پڑوس میں رہتے تھے اور وہاں جنگ کے امکانات زیادہ تھے اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبعاً وضمناً اعطاءِ خمس کا ذکر بھی کر دیا۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **ان تعطوا من المغنم الخمس** کا عطف **شهادة** پر نہیں بلکہ **امرهم باربع** میں لفظِ **اربع** پر ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی **امرهم باربع وبان تعطوا من المغنم الخمس** مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو چار چیزوں کا حکم دیا اور اس بات کا حکم دیا کہ وہ غنیمت میں سے خمس ادا کیا کریں۔

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور احادیث میں صلوۃ وزکوٰۃ ایک ساتھ مذکور ہیں اسلئے ممکن ہے کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ کو ایک شمار کر لیا ہو۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ زکوٰۃ اور اعطاءِ خمس اعطاءِ حقِ مالی ہونے میں مشترک ہیں اسلئے زکوٰۃ اور اعطاءِ خمس کو ایک شمار کر لیا ہو۔ (ایضاً ص ۱۹۷)

⑥ حج کو ذکر نہ کرنے کی وجہ:۔ اس روایت میں حج کا کوئی ذکر نہیں ہے جبکہ اصح قول کے مطابق حج ۵ھ میں فرض ہوا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ وفد کی آمد دو مرتبہ ہوئی تھی اور پہلی مرتبہ ابنِ حجر کے قول کے مطابق ۵ھ میں اور شاہ صاحب کے قول کے مطابق ۶ھ میں فرضیت حج سے پہلے آمد ہوئی تھی اور حدیث میں پہلی آمد کا ذکر ہے اس وجہ سے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو ذکر نہیں فرمایا۔ نیز یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان اوامر وافعال پر اکتفاء کیا جن کا کرنا ان کے لئے فی الحال ممکن تھا اور جن پر عمل کر کے وہ جنت کے مستحق بن سکتے تھے۔ تمام اوامر وافعال کا ذکر مقصود نہیں تھا کیونکہ انہوں نے **مرنا بامر فصل مخبر به من وراء نا وندخل به الجنة** کے ذریعہ یہی سوال کیا تھا۔ (ایضاً ج ۲ ص ۷۲۴)

⑦ الفاظ مذکورہ کی تشریح:۔ "**خزایا**" یہ "**خزیان**" کی جمع ہے بمعنی ذلیل ورسوا شخص۔

"**ندامٰی**" یہ **ندامت** بمعنی شرمندگی سے مشتق ہے کیونکہ ندامت سے جیسے نادم کا صیغہ آتا ہے اسی طرح ندمان کا صیغہ بھی آتا ہے۔

"**حَنْتَمْ**" اس کی تشریح میں متعدد اقوال ہیں سب سے صحیح اور قوی قول کے مطابق سبز رنگ کے مٹکے کو کہتے ہیں۔

"**دباء**" کدّو کا برتن، بعض اوقات کدو کو خشک کر کے اس میں سے گودا نکال کر برتن بنا لیتے تھے اور بسا اوقات گودا نکال کر پھر اسے خشک کرتے تھے۔ "**مقیر**" وہ برتن جس پر "**قار**" یا "**قیر**" (تارکول کی مثل کوئی کالی چیز ہوتی ہے) مل دیا گیا ہو۔

"**مزفّت**" وہ برتن جس پر زفت (تارکول کی مثل کوئی چیز ہوتی ہے) مل کر اس کے مسامات کو بند کیا گیا ہو۔

"**نقیر**" وہ برتن جو کھجور کی جڑ کو کھود کر بنایا گیا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک وہ برتن جو مطلقاً لکڑی یا درخت کی جڑ کو کھود کر بناتے ہیں۔

ان تمام برتنوں میں دورِ جاہلیت میں نبیذ تیار ہوتی تھی اور اس میں بہت جلد نشہ آجاتا تھا اسلئے ابتداءِ اسلام میں حرمتِ مسکرات کے وقت ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع کر دیا گیا تھا تاکہ شراب اور دیگر مسکرات کی حرمت اور کراہت صحیح طور پر قلوب میں راسخ ہو جائے۔ بعد میں جب مسلمانوں کے قلوب میں شراب کی کراہت ونفرت راسخ ہو گئی تو پھر ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی۔ (ایضاً ج ۳ ص ۷۲۷)

0313 6357913 maktabazakariya.multan@gmail.com

الشق الثانی.....**باب الطلاق فی الاغلاق والکره والسکران والمجنون وامرهما والغلط النسیان فی الطلاق والشرك لقول النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **الاعمال بالنیة ولکل امرئ مانوٰی**..... **عن ابی هریرة** رضی اللہ عنہ **عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **قال: ان اللّٰه تجاوز عن امتی ماحدثت به انفسهامالم تعمل اوتکلم** ۔ (ص ۷۹۳۔ ج ۲۔ قدیمی)

اذکر اقوال العلماء فی تفسیر الاغلاق ورجح الراجح منها ۔ اذکر احکام الطلاق فی الاغلاق و طلاق المکره والسکران والمجنون ۔ لماذا ذکر المؤلف حدیث الاعمال بالنیة ههنا؟ اذکر مطابقة الحدیث بالترجمة ۔ اشرح الحدیث شرحًا واضحًا جامعًا ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) اغلاق کی تفسیر (۲) طلاق فی الاغلاق اور طلاقِ مکرہ، سکران و

مجنون کا حکم (۳) **حدیث الاعمال بالنیة** کو ذکر کرنے کی وجہ (۴) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت (۵) حدیث کی تشریح۔

جواب ..... ① اغلاق کی تفسیر:۔ اغلاق کے معنی و تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ① بعض حضرات نے کہا کہ اس سے جنون مراد ہے۔ ② ابوعبید ہروی نے نقل کیا ہے کہ اس سے اکٹھی تین طلاقیں دینا مراد ہے کیونکہ تین طلاقیں دیکر وہ اپنے اوپر طلاق کو بند کر دیتا ہے ③ ابوعبید نے اغلاق کی تفسیر اکراہ سے کی ہے ④ امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے اس کی تفسیر غضب اور غصہ سے کی ہے مگر اغلاق سے مطلقاً غضب مراد نہیں ہے بلکہ اس کی تفصیل سمجھ لیں کہ غضب کی تین اقسام ہیں۔

① وہ غصہ اور غضب جو آدمی کی عقل کو بالکلیہ زائل کر دے اور اس کو اپنی بات کا بالکل شعور نہ ہو تو اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی ② غصہ کی ابتدائی کیفیت جس میں آدمی کو شعور بھی ہوتا ہے اور وہ اپنی بات کو سمجھتا بھی ہے اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع ہو جاتی ہے ③ غصہ میں شدت آ گئی مگر عقل بالکلیہ زائل نہیں ہوئی، البتہ غصہ کی وجہ سے وہ اپنی نیت کے مطابق کام نہیں کر سکتا، اس صورت میں علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق کا واقع نہ ہونا راجح ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ لفظ اغلاق کے مفہوم میں اکراہ، غضب، جنون اور ہر وہ امر شامل ہے جس کی وجہ سے آدمی کے ہوش و حواس اور عقل سلامت نہ رہے۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۴۵۴)

② طلاق فی الاغلاق اور طلاقِ مکرہ، سکران و مجنون کا حکم:۔ **طلاق فی الاغلاق** اس کا حکم ابھی گزر چکا ہے۔

طلاقِ مجنون و مکرہ: مجنون کی طلاق تو بالاتفاق واقع نہیں ہوتی، البتہ مکرہ کی طلاق میں اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ، امام شعبی، قتادہ، ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسلئے کہ اکراہ کی وجہ سے صرف رضا فوت ہوتی ہے اختیار فوت نہیں ہوتا، لہٰذا جب اختیار باقی ہے تو طلاق واقع ہوگی۔

یہ حضرات اس واقعہ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کو طلاق پر مجبور کیا اور طلاق حاصل کر لی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ لایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے طلاق کو صحیح قرار دیا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کے آثار منقول ہیں۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اکراہ کی وجہ سے اختیار نہیں رہتا اور شرعی تصرفات کا دارومدار نیت و اختیار پر ہے۔ نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کی بھی اجازت ہے اور طلاق کلمۂ کفر سے بہت کم درجہ کی چیز ہے اس پر بھی طلاق کا حکم جاری نہیں ہونا چاہیے۔

طلاقِ سکران: سکران کی طلاق میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب، امام شافعی کا اصح قول اور امام احمد رحمہم اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ عقل زائل ہونے کا سبب معصیت ہے اس لئے حکماً اس کی عقل باقی سمجھی جائے گی تاکہ اس کو تنبیہ ہو، زجر اور تنبیہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور قول اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوگی، احناف میں سے امام کرخی اور طحاوی، شوافع میں سے امام بغوی کی رائے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہ مستی اور بے ہوشی کے عالم میں ہوتا ہے اسے پتہ نہیں چلتا کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے اور اس کے کیا اثرات ہونگے، قصد و ارادہ کا اعتبار عقل سے ہے اور اس کی عقل زائل ہوگئی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معتوہ کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی، سکران بھی سکر اور نشہ کی وجہ سے معتوہ ہوتا ہے اس لئے اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہونی چاہیے۔

ضمناً غلطی یا بھول میں طلاق کا حکم ذہن نشین کر لیں۔ غلطی یا بھول میں طلاق دینے والے کے حکم میں بھی اختلاف ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی اور دلیل حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے **ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ**۔ حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، اور دلیل مشہور حدیث ہے **ثلاث جدھن جد**

0313 6357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

وھزلھن جد، النکاح والطلاق والرجعۃ جب ہزل کا اعتبار ہے تو خطاء، غلط ونسیان کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ (کشف الباری کتاب الطلاق)

③ حدیث الاعمال بالنیۃ کو ذکر کرنے کی وجہ:۔ ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور حدیث الاعمال بالنیۃ سے دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ مسائل میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ حکم دراصل عاقل مختار اور عامد ذاکر کی طرف متوجہ ہوتا ہے جبکہ مکرہ مختار نہیں ہوتا، سکران حالتِ سکر میں عاقل نہیں ہوتا اور غالط وناسی کا بھی قصد وارادہ نہیں ہوتا۔ (ایضاً ص ۴۵۹)

④ و ⑤ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت وتشریح:۔ ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طلاق کی مختلف اقسام کو ذکر فرمایا ہے اور اس حدیث سے طلاقِ مُوَسوِس کے عدمِ وقوع پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وسوسہ کو معاف کر دیا ہے اور وسوسہ پر کوئی مواخذہ نہیں ہے لہٰذا اگر کسی آدمی کو طلاق کا وسوسہ آتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

﴿الورقۃ الرابعۃ: الصحیح للامام البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل..... عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوْا رَجُلًا مِنْ بَنِی لَیْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِیْلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوْهُ فَأُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِیُّ ﷺ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوِ الْفِیْلَ قَالَ أَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ كَذَا قَالَ أَبُوْ نُعَیْمٍ وَاجْعَلُوْهُ عَلَى الشَّكِّ الْفِیْلَ أَوِ الْقَتْلَ وَغَیْرُهُ یَقُوْلُ الْفِیْلَ وَسَلَّطَ عَلَیْهِمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِیْنَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِیْ وَ لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِیْ، أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِیْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِیْ هٰذِهٖ حَرَامٌ لَایُخْتَلٰی شَوْكُهَا وَلَا یُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَاتُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَیْرِ النَّظَرَیْنِ إِمَّا أَنْ یُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ یُقَادَ أَهْلُ الْقَتِیْلِ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْیَمَنِ فَقَالَ اُكْتُبْ لِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اُكْتُبُوْا لِأَبِیْ فُلَانٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَیْشٍ: إِلَّا الْإِذْخِرَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِیْ بُیُوْتِنَا وَقُبُوْرِنَا، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ إِلَّا الْإِذْخِرَ إِلَّا الْإِذْخِرَ۔ (ص ۳۲۱۔ ج ۱۔ قدیمی)

شکل الحدیث کاملاً۔ مامعنی قولہ: "قال محمد: واجعلوہ علی الشك..... الخ"؟ حقق کلاً من کلمۃ "لایختلی" و"لایعضد" و"منشد" و"یقاد" لغویًا۔ اذکرقصۃ قتل خزاعۃ رجلًا عام فتح مکۃ مع تعیین القاتل والمقتول من خزاعۃ ومن بنی لیث ببسط وتفصیل۔ ترجم الحدیث کاملاً واشرح قولہ: "فمن قتل فھو بخیر النظرین اما أن یعقل واماأن یقاد أھل القتیل" شرحًا مبسوطًا مع ذکر اختلاف العلماء وأدلتھم فی ھذہ المسألۃ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چھ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) مذکورہ جملہ کا معنی (۳) مذکورہ الفاظ کی لغوی تحقیق (۴) قتلِ خزاعہ کے قصہ کی وضاحت (۵) حدیث کا ترجمہ (۶) فمن قتل فھو بخیر النظرین الخ کی تشریح مع اختلاف۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② مذکورہ جملہ کا معنی:۔ قال محمد واجعلوہ علی الشك امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ کا مطلب ومعنی یہ ہے کہ اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد مذکور ہے انّ اللّٰہ حبس عن مکۃ القتل اوالفیل، اس جملہ کو شک کے ساتھ ہی رکھو یعنی روایت میں القتل او الفیل ہی درست ہے اور ابونعیم نے بھی اس جملہ کو شک کیساتھ ہی ذکر کیا ہے اگرچہ بقیہ حضرات نے یہاں پر بغیر شک کے صرف الفیل کہا ہے مگر تم شک کیساتھ دونوں الفاظ کو ذکر کرو اور القتل اوالفیل کہو۔

③ مذکورہ الفاظ کی لغوی تحقیق:۔ "لَایُخْتَلٰی" صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی مضارع مجہول از مصدر اِخْتِلَاء (افتعال) بمعنی کاٹنا۔
"لَایُعْضَدُ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی مضارع مجہول از مصدر عَضْدًا (ضرب) بمعنی درخت کاٹنا، پتے جھاڑنا۔
"مُنْشِدٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر اِنْشَادٌ (افعال) بمعنی گم شدہ چیز کی تشہیر کرنا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

"یُقَادُ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث مضارع مجہول از مصدر قودًا (نصر) بمعنی قصاص لینا۔

④ قتلِ خزاعہ کے قصہ کی وضاحت:۔ اس کا تفصیلی واقعہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احمر نامی ایک شخص بڑا بہادر تھا اس کی عادت تھی کہ جب سوتا تھا تو بہت زور زور سے خراٹے لیتا تھا، لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ جب اپنے قبیلہ میں ہوتا تو الگ تھلگ سوتا تھا اگر قبیلہ پر حملہ ہو جاتا تو لوگ "یا احمر" کہہ کر پکارتے تو یہ شخص شیر کی مانند اُٹھ کھڑا ہوتا پھر اسکے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ کہتے ہیں کہ قبیلۂ ہذیل کی ایک جماعت لڑتی بھڑتی ہوئی آئی اور قبیلۂ خزاعہ پر حملہ کا ارادہ کیا جب قریب آئی تو ابن الاثوع ہذلی نے کہا کہ جلدی نہ کرو میں دیکھتا ہوں کہ یہاں احمر ہے یا نہیں کیونکہ اگر وہ موجود ہو تو حملہ کرنا ممکن نہیں ہوگا چنانچہ وہ خراٹوں کا تعاقب کرتا ہوا اس تک پہنچا اور نیند کی حالت میں اسے مار ڈالا پھر جو قبیلہ والوں پر ہلہ بولا تو وہ "یا احمر، یا احمر" پکارتے رہے لیکن یہاں تو احمر کا کام ہی تمام ہو چکا تھا۔

جب فتح مکہ کا دن آیا تو ابن الاثوع ہذلی جو اب تک حالت شرک میں تھا مکہ مکرمہ آیا اور حالات جاننے کی کوشش کرنے لگا قبیلۂ خزاعہ نے جو اسے دیکھا تو پہچان لیا اور اس کا گھیراؤ کر لیا اس سے پوچھا کہ تم ہی احمر کے قاتل ہو؟ اس نے کہا ہاں میں ہی احمر کا قاتل ہوں اتنے میں خراش بن امیہ آیا اور لوگوں کو ہٹنے کا اشارہ کیا جب لوگ ہٹ گئے تو ابن الاثوع کے پیٹ میں تلوار گھسا دی اور اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا کہ انتڑیاں نکل آئیں، اس طرح اسے مار ڈالا۔ اس موقع پر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے قتل وقتال سے منع فرمایا اور خون بہا دے دیا۔

⑤ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ (کے کسی شخص) نے بنولیث کے کسی آدمی کو اپنے مقتول کے عوض مار دیا تھا (یہ فتح مکہ والے سال کی بات ہے)۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی، آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا فیل کو روک لیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کو شک کے ساتھ سمجھو، ایسا ہی ابو نعیم وغیرہ نے القتل اور الفیل کہا، ان کے علاوہ دوسرے لوگ الفیل کہتے ہیں (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) کہ ان پر اپنے رسول اور مسلمانوں کو غالب کر دیا اور سمجھ لو کہ وہ (مکہ) کسی کیلئے حلال نہیں ہوا مجھ سے پہلے اور نہ (آئندہ) کبھی ہوگا، میرے لئے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ کیلئے حلال کر دیا گیا تھا، سن لو کہ وہ اس وقت حرام ہے نہ اس کا کوئی کانٹا توڑا جائے نہ اسکے درخت کاٹے جائیں اور اس کی گری پڑی چیز بھی وہی اٹھائے جس کا منشا یہ ہو کہ وہ اس شے کا اعلان وغیرہ کرے گا تو اگر کوئی شخص مارا جائے تو اسکو (اسکے عزیزوں کو) دو باتوں کا اختیار ہے یا دیت لے یا قصاص، اتنے میں ایک یمنی آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! (یہ مسائل) میرے لئے لکھوا دیجئے، تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو فلاں کیلئے (یہ مسائل) لکھ دو، تو ایک قریشی شخص نے کہا یا رسول اللہ! اذخر کے سوا، کیونکہ اسے ہم گھروں میں بوتے ہیں اور اپنی قبروں میں ڈالتے ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ہاں) مگر اذخر مگر اذخر۔

⑥ **فمن قتل فهو بخير النظرين الخ** کی تشریح مع اختلاف:۔ اس جملہ میں **مَنْ قُتِلَ** سے مراد **اَهْلُ مَنْ قُتِلَ** ہے کیونکہ مقتول تو دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اس کے لئے دیت یا قصاص لینا ممکن نہیں رہا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتلِ عمد کا موجب دیت وقصاص میں سے کوئی ایک ہے۔ امام شافعی وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کا اختیار مقتول کے ولی کو ہے اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ مقتول کے ولی کو قصاص لینے ومعاف کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ دیت کا ایجاب قاتل کی رضامندی پر موقوف ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کے دلائل: ① **كتب عليكم القصاص فى القتلى** ② **وكتبنا عليهم فيها انّ النفس بالنفس** ③ **ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليّه سلطانا فلايسرف فى القتل** ④ آپ ﷺ کا ارشاد ہے **العمد قود والخطأ دية** (قتلِ عمد میں قصاص اور خطاء میں دیت ہے) ⑤ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص دوسرے کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے قاتل سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے قاتل سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے جو تم اپنے نفس کے بدلہ میں دے سکو؟ تو اس نے کہا کہ میرے

پاس سوائے چادر وکلہاڑی کے اور کچھ نہیں ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے قبیلہ کے لوگ تمہاری مدد کرینگے؟ تو اس نے کہا قبیلہ میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اسکو مقتول کے ولی کے سپرد کردیا۔ پس معلوم ہوا کہ دیت کا اختیار مقتول کے ولی کو نہیں ہے، وگرنہ آپ ﷺ قاتل سے نہ پوچھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا **یا انس! کتاب اللّٰہ القصاص** (کتاب اللہ کا حکم قصاص ہے)۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ دیت کے لئے صلح وفریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے دلائل: ① یہی حدیث الباب انکی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے ولی کو دیت وقصاص میں اختیار دیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ استدلال تام نہیں ہے اس لئے کہ روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ **اما ان یقتل واما ان یغادی، یقتل او یغادی، اما ان یغدی و اما ان یقتل، ما ان یعقل او یقاد** وغیرہ سات آٹھ قسم کے الفاظ وارد ہیں، ان میں سے جن روایات میں مفاداۃ یا فدیہ کا ذکر ہے وہ روایات حنفیہ کیلئے مؤید ہیں اسلئے کہ ان میں دیت کا ذکر نہیں ہے اور مفاداۃ میں مشارکت ہوتی ہے اس میں فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا باقی روایات بھی دیت میں اسی قاتل کی رضامندی پر محمول ہوگی۔

② واقعۂ قتل خزاعہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں آج مقتول کی دیت دے رہا ہوں آج کے بعد قتل کی صورت میں مقتول کے اولیاء کو دیت یا قصاص کا اختیار ہوگا۔

جواب: یہ ہے کہ قصاص قضاء بالمثل ہے اور دیت قضاء بالقیمۃ ہے اور مثل متعذر ہونے کی صورت میں صاحبِ حق کو قیمت لینے کا اختیار فریقین کی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے یہ ایک قانونِ کلی ومسلّم ضابطہ ہے لہٰذا نصِ صریح کے بغیر اسکے خلاف نہیں کیا جائیگا جبکہ آپ کی پیش کردہ روایت میں دوسرا احتمال (قاتل کی رضامندی کی شرط) موجود ہے۔ (کشف الباری، کتاب العلم ج۴ص۲۸۹)

الشق الثانی.....**باب التسمیة علی کل حال وعند الوقاع عن کریب عن ابن عباس یبلغ به النبی ﷺ قال: لوأن احدکم اذا أتی أهله قال: بسم اللّٰه، اللهم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا، فقضی بینهما ولد لم یضره.** (ص۲۶۔ج۱۔قدیمی)

انکر غرض الترجمة ۔ وضح ثبوت ترجمة الباب کاملاً ۔ عقد المؤلف هذاالباب بعد"باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدة" کماعقد بعده "باب مایقول عندالخلاء" ثم بعدالفراغ من أبواب الاستنجاء والخلاء شرع فی بقیة أبواب الوضوء فکیف یکون ارتباط هذاالباب بما قبله ومابعده؟ انکر حکم التسمیة لدی الوضوء عند الأئمة المجتهدین من أدلتهم۔ اکتب غرض کریب من قوله عن ابن عباسؓ یبلغ به النبی ﷺ ۔

خلاصۂ سوال.....اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ترجمۃ الباب کا ثبوت (۳) باب کا ماقبل و مابعد سے ربط (۴) تسمیہ علی الوضو کا حکم مع اختلاف (۵) **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یبلغ به النبی ﷺ** کی غرض۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض تسمیہ عندالمباشرت کو بیان کرنا ہے کہ جب آدمی مباشرت کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ **بسم اللّٰه الخ** پڑھے۔ دراصل اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ تسمیہ عندالخلاء والوضوء کو بیان کرنا چاہتے ہیں مگر ان کو اپنی شرائط کے مطابق تسمیہ عندالخلاء والوضوء کی روایت نہیں ملی اسلئے انہوں نے تسمیہ علی کل حال وعند الوقاع کا ترجمہ قائم کرکے اسکو ثابت کیا اور اسکے ضمن میں تسمیہ عند الخلا والوضوء بھی ثابت ہوگیا۔ (الخیر الساری ۲:۶۸، تقریر بخاری ۲:۱۹)

② ترجمۃ الباب کا ثبوت:۔ اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں تسمیہ عندالجماع کا ذکر ہے لہٰذا ترجمۃ الباب کا جزء **عندالوقاع** ثابت ہوگیا پس جب عندالجماع بسم اللہ پڑھی جائے گی تو قضاءِ حاجت اور وضو کے وقت اور دیگر تمام اوقات واحوال میں بطریقِ اولیٰ بسم اللہ پڑھی جائے گی، لہٰذا ترجمۃ الباب ثابت ہوگیا۔

③ باب کا ماقبل ومابعد سے ربط:۔ ترجمۃ الباب کی غرض سمجھ لینے کے بعد اس کے ربط کا ثبوت انتہائی عام فہم ہے کہ ماقبل میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اجمالی طور پر وضو کا ذکر فرمایا تھا، اس کے بعد اس باب میں تسمیہ عندالخلاء کو ذکر کیا اس کے مابعد والے ابواب میں

03136367913 maktabazakariyamultan@gmail.com

مزید قضائے حاجت کی ادعیہ اور آداب کو ذکر کرنے کے بعد پھر تفصیل سے وضو کو ذکر کریں گے۔

④ تسمیہ علی الوضو کا حکم مع اختلاف:۔ حضرات حنفیہ، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی اظہر روایت یہ ہے کہ تسمیہ علی الوضو سنت یا مستحب ہے۔(دونوں قول منقول ہیں، حنابلہ کی طرف وجوب کی نسبت صحیح نہیں ہے) اسحٰق بن راہویہ اور اہلِ ظواہر کے نزدیک تسمیہ علی الوضو فرض ہے۔ جان بوجھ کر تسمیہ کو چھوڑا تو وضو نہیں ہوگا۔ اعادہ ضروری ہے اور اگر بھول کر چھوڑا تو معاف ہے۔

جمہور کی پہلی دلیل: آیتِ وضو ہے اس میں امورِ اربعہ کا ذکر ہے جو کہ فرض ہیں اس میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے۔

دوسری دلیل: حدیث مسیئ الصلوٰۃ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ **توضأ كما امرك الله** اور آیت میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے اور یہ مقامِ تعلیم تھا اور مقامِ تعلیم میں فرائض کو ذکر کیا جاتا ہے اگر تسمیہ فرض ہوتا تو آپ ﷺ ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔

تیسری دلیل: یہ کہ آپ ﷺ کے وضو کی کیفیت بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نقل کرتے ہیں اور انمیں سے کوئی صحابی رضی اللہ عنہ بھی تسمیہ کا ذکر نہیں کرتا۔

اہلِ ظواہر کی دلیل: یہ حدیث ہے **لاصلوة لمن لاوضوء له ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه** اس میں بغیر بسم اللہ وضوء کی نفی ہو رہی ہے معلوم ہوا کہ تسمیہ علی الوضوء فرض ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس میں **لا** نفسِ وضو کی نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ کمالِ وضو کی نفی کے لئے ہے جیسے **لا ایمان لمن لاامانة له** کہ خائن شخص کامل مؤمن نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وضوء کی دو حیثیتیں ہیں ① عبادت ② مفتاح للصلوۃ۔ عبادت ہونے کی حیثیت سے وضوء تسمیہ پر موقوف ہے اور آپ کی ذکر کردہ حدیث میں اسی کا ذکر ہے مگر مفتاح للصلوۃ ہونے کی حیثیت سے وضوء تسمیہ پر موقوف نہیں ہے۔ نیز تسمیہ کا وجوب کسی بھی قوی روایت سے ثابت نہیں ہے اور حدیثِ باب میں تمام اسانید کے ساتھ ضعیف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول امام ترمذی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں **لااعلم فی هذا الباب حديثا له اسناد جيد**۔(درسِ ترمذی ۱:۲۳۱، المسائل والدلائل ص ۱۳۱)

⑤ **عن ابن عباس رضی اللہ عنہما يبلغ به النبی ﷺ** کی غرض:۔ اس جملہ سے راوی کا مقصد اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر مسند ہے چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں احتمال تھا کہ انہوں نے یہ ارشاد براہِ راست سنا ہے یا بالواسطہ سنا ہے اِس وہم کو دور کرنے کے لئے **يبلغ به النبی ﷺ** کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔(الخیر الساری)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل..... **باب بيع العبد بالعبد والحيوان نسيئة، واشترى ابن عمر راحلة بأربعة أبعرة مضمونة عليه يوفيها صاحبها بالربذة، واشترى رافع بن خديج بعيرًا ببعيرين فأعطا أحدهما وقال آتيك بالآخر هوا ان شاء الله وقال ابن سيرين: لابأس بعير ببعيرين ودرهم بدرهم نسيئة، عن أنس قال كان فى السبى صفية فسارت الى دحية الكلبى ثم صارت الى النبى ﷺ۔** (ص ۲۹۷۔ ج ۱۔ قدیمی)

انكر غرض البخارى من ترجمة الباب۔ ترجم العبارة كاملاً ثم انكر مناسبة الحديث بترجمة الباب۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حل تین امور ہیں ① ترجمۃ الباب کی غرض ② عبارت کا ترجمہ ③ ترجمۃ الباب اور حدیث میں مناسبت۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض حیوان کے بدلے حیوان کی بیع نسیئہ کے جواز کو بتلانا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کو ترجیح دینا ہے کہ ان کے نزدیک بیع الحیوان بالحیوان نسیئہ جائز ہے۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب غلام کے بدلہ غلام کی بیع اور حیوان کی ادھار بیع کے بیان میں ہے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ چار اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا جن کے متعلق یہ طے ہوا تھا کہ مقامِ ربذہ میں ان کے حوالہ کریں گے۔

حضرت رافع بن خریج رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلہ میں خریدا تھا اور ایک اونٹ ان میں سے دیدیا تھا اور فرمایا کہ دوسرا اونٹ کل بغیر کسی تاخیر کے آپ کے سپرد کردوں گا، اور حضرت ابنِ سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلہ میں اور ایک

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

درھم ایک درھم کے بدلہ میں ادھار فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیدیوں میں ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، پس وہ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئیں پھر وہ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

③ ترجمۃ الباب اور حدیث میں مناسبت:۔ ترجمۃ الباب اور حدیث میں مناسبت واضح ہے کہ ترجمۃ الباب میں بیع الحیوان نسیئۃ کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی **یوفیھا صاحبھا بالربذہ** میں بیع نسیئۃ کا ذکر ہے۔

الشق الثانی.....**باب الشروط فی القرض، وقال ابن عمر وعطاء، اذا أجله فی القرض جاز، عن أبی هريرة رضی الله عنه عن رسول الله ﷺ أنه ذكر رجلا سأل بعض بنی اسرائيل أن يسلفه ألف دينار فدفعها اليه الى أجل مسمى.** (ص ۳۸۱۔ج ۱۔قدیمی)

اذكر غرض البخاری من ترجمة الباب ۔ اذكر أقوال العلماء فی أن القرض هل يقبل التأجيل أم لا واذكر أدلتهم على ذلك ۔ اذكر قصة الحديث مبسوطا مع وجه الدلالة على مسألة الباب.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں ① ترجمۃ الباب کی غرض ② قرض کی تاجیل میں اختلاف مع الدلائل ③ قصۂ حدیث کی وضاحت ④ مسئلۃ الباب کا اثبات۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمہ سے یہ ہے کہ قرض کے اندر عاقدین آپس میں جو شرائط طے کرلیں تو ان شرائط کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور صاحب حق کو اس سے پہلے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے ایک مہینہ پر ادھار لیا یا ایک مہینہ کے بعد ادا کرنے کا وعدہ کیا تو اس اجل سے پہلے صاحب حق مطالبہ نہیں کرسکتا۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس ترجمہ سے ایک اختلافی مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کرنا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرض لیا اور ایک مدت متعین کردی تو اس مدت سے قبل اپنے قرض کو صاحب حق وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو احناف کے نزدیک کرسکتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں کرسکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کی ہے۔

② قرض کی تاجیل میں اختلاف مع الدلائل:۔ قرض تأجیل کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کسی نے قرض لیا اور مدت متعین کردی تو اس مدت سے قبل صاحب حق اپنے قرضہ کو وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ مطلقاً نفی کرتے ہیں کہ قرض تأجیل کو قبول نہیں کرتا جبکہ عندالاحناف قرض تأجیل کو قبول کرتا ہے لیکن اس کی پاسداری ضروری نہیں یعنی قرض خواہ جب اپنے قرض کا مطالبہ کرنا چاہے مطالبہ کرسکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر قرض میں تأجیل مقرر کردی گئی تو اس کی پاسداری ضروری ہے اور میعاد کا لحاظ کیا جائے گا خواہ کو اس میعاد سے پہلے مطالبہ کرنا درست نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قرضہ قرض دار کے ذمہ واجب ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے دیون واجب ہوتے ہیں پس جس طرح دوسرے دیون میں میعاد مقرر کرنا درست ہے اسی طرح قرضہ میں بھی میعاد مقرر کرنا درست ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرض ابتداءً تو اعارہ اور تبرّع ہے اور انتہاءً قرض عقد معاوضہ ہے پس قرض کی ابتدائی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے تو قرض میں میعاد لازم نہ ہوگی جیسا کہ اعارہ میں میعاد لازم نہیں ہوتی اور انتہاءً کا اعتبار کرتے ہوئے میعاد مقرر کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ قرضہ انتہاء کے اعتبار سے میعاد مقرر کرنے کی صورت میں بیع الدراھم بالدراھم بالنسیئۃ ہوجائے گا اور دراھم کا دراھم کے عوض ادھار بیچنا ربوا ہے اور ربوا کا لازم آنا فسادِ قرض کا مقتضی ہے حالانکہ قرضہ کے جواز پر امت کا اجماع ہے لہٰذا ہم اُس شرط اور میعاد کو ہی باطل قرار دیدیں گے جس کی وجہ سے قرضہ باطل ہوتا ہے۔

③ قصۂ حدیث کی وضاحت:۔ اس قصہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تفصیلاً کتاب الکفالہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ کیا کہ اس نے اپنی قوم کے ایک آدمی سے ایک ہزار دینار قرض کا تقاضا کیا تو اس قرض دینے والے نے کہا کہ کوئی گواہ لاؤ جو گواہی دے، تو اس آدمی نے کہا **کفٰی باللہ شھیدا** تو قرض دینے والے نے کہا کوئی ضامن لے کر آؤ تو اس

سائل نے کہا کفی باللّٰہ وکیلا تو اُس قرض دینے والے نے کہا تو نے سچ کہا اور اس کو ایک معینہ مدت تک قرض دیدیا پھر جب قرض کی ادائیگی کا وقت ہوا تو قرض لینے والے نے قرض کی ادائیگی کیلئے کشتی تلاش کی جس پر جا کر وہ صاحب حق کو مدتِ معینہ پر قرض دے سکے لیکن اس کو کوئی کشتی نہ ملی اس پر اس نے ایک لکڑی کو لیا اور اس میں سوراخ کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھے اور صاحب حق کے نام ایک رقعہ بھی رکھ دیا اور اس کو سمندر میں ڈال کر دعا کی کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے فلاں بندے سے قرض لیا تھا اور اس نے مجھ سے گواہ اور ضامن مانگا تھا تو میں نے تیری ذات کو گواہ اور ضامن بنایا تھا اس کو اس نے قبول کر لیا اب تو جانتا ہے کہ میں نے سواری تلاش میں کافی کوشش کی ہے لیکن مجھے سواری نہ مل سکی اب میں تیرے سپرد یہ مال کرتا ہوں یہ کہہ کر لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور چلا گیا۔ ادھر اس صاحب حق نے بھی قرض وصول کرنے کیلئے اسکے پاس جانے کا ارادہ کیا جب وہ سمندر پر آیا تو اس کو بھی کوئی سواری نہ ملی اتنے میں اسکو وہی لکڑی نظر آئی تو اس نے اسکو جلانے کے واسطے لے لیا پھر جب گھر آ کر اس کو چیرا تو اس میں اسکے ہزار دینار اور وہ رقعہ تھا جو اس قرض لینے والے نے اس میں رکھا تھا۔ پھر جب بعد میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو قرض لینے والے نے اس کو ہزار دینار پیش کئے اور معذرت کی کہ میں سواری نہ ملنے کی وجہ سے تمہارے پاس نہ آ سکا تو قرض دینے والے نے کہا کہ تو نے میری طرف جو ہزار دینار اور رقعہ بھیجا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری طرف سے پہنچا دیا تھا۔ (کشف الباری کفالہ ص ۲۸۱)

④ مسئلۃ الباب کا اثبات:۔ حدیث کی دلالت مسئلۃ الباب پر الی اجل مسمی کے الفاظ سے ہے کہ اگر تأ جیل کا اعتبار نہ ہوتا تو اجل معین کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا نیز حضور ﷺ نے بھی اس واقعہ کو بغیر انکار کے بیان فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ہماری شریعت میں بھی تأ جیل معتبر ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۰ھ

الشق الاوّل ..... أخبرنا معمر عن الزهری عن أبی سلمة عن جابر بن عبدالله قال: انما جعل النبی ﷺ الشفعة فی کل مالم یقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة،وقال بعض الناس: الشفعة للجوارثم عمدالی ماشدده فأبطله وقال: ان اشتری دارًا فخاف أن یأخذالجاربالشفعه فاشتری سهما من مائة سهم ثم اشتری الباقی وکان للجار الشفعة فی السهم الأول فلاشفعة فی باقی الدار، وله أن یحتال فی ذلك.

اشرح الحدیث ببسط واذکر هل قوله: "فاذاوقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة" جزء من الحدیث المرفوع أم هو مدرج من جابرؓ؟ من هو مصداق "بعض الناس" فی هذه العبارة؟ اشرح العبارة ووضح مراد البخاریؒ منها مع الاجابة عن بعض الناس۔ (ص۱۰۳۲۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) فاذاوقعت الحدود الخ کی وضاحت (۳) بعض الناس کا مصداق (۴) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اور بعض الناس کا جواب۔

جواب ..... ① حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ کی اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی زمین میں چند لوگ شریک ہیں اور ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ فروخت کر رہا ہے تو دوسرے شریک کو شرکت کی وجہ سے حقِ شفعہ حاصل ہے جب تک کہ تقسیم نہ ہو اور جب تقسیم ہو جائے اور حد بندی وغیرہ ہو جائے تو پھر شرکت کی وجہ سے حقِ شفعہ ختم ہو گیا اب شریک کیلئے شفعہ کی گنجائش نہیں ہے۔

② فاذاوقعت الحدود الخ کی وضاحت:۔ یہ جملہ حدیثِ مرفوع کا جزء ہے یعنی یہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تقسیم سے پہلے پہلے شرکت کی وجہ سے شفعہ کر لو اگر تقسیم ہو گئی تو پھر شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں ہو سکتا۔

③ بعض الناس کا مصداق:۔ بعض الناس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

④ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اور بعض الناس کا جواب:۔ اس عبارت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اور مراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنا ہے کہ اولاً احناف شفعہ للجوار کے قائل ہیں اور پھر خود ہی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی نے گھر خریدا اور خطرہ محسوس کیا کہ ہمسایہ شفعہ کے ذریعہ یہ گھر لے جائے گا تو وہ حیلہ کے ذریعہ اسکے حق شفعہ کو ختم کر سکتا ہے بایں طور کہ اولاً مکان کا ایک حصہ

خرید لے پھر بقیہ مکان کی الگ بیع کرے تو پڑوسی کو صرف پہلے حصہ میں شفعہ کا حق ہوگا بقیہ حصہ میں نہیں الغرض اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اولاً خود ہی شفعہ للجوار کو ثابت کرتے ہیں اور پھر خود ہی شفعہ للجوار سے بچنے کیلئے حیلے سکھاتے ہیں کہ وہ پہلے والے معمولی حصہ میں کوئی فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں رغبت نہیں کریگا اور شفعہ چھوڑ دے گا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جار کا حق ہم نے باطل نہیں کیا بلکہ اس نے خود عدم رغبت کی وجہ سے اپنا حق ختم کیا ہے۔

نیز ہم یہ حیلے سکھاتے نہیں ہیں بلکہ اصول کے پیش نظر اس کے نفاذ کے قائل ہیں، البتہ اگر محض پڑوسی کا حق تلف کرنا اور اسے تنگ کرنا مقصود ہو تو یہ ناجائز اور گناہ ہے اور اگر پڑوسی کی مضرت کو دفع کرنا مقصود ہو تو جائز ہے۔ (حل قال بعض الناس ۶۳)

الشق الثانی..... **باب قوله: وكان الله سميعابصيرًا، أن أبابكر الصديق قال للنبی ﷺ : يارسول الله !علمنی دعاء أدعوبه فی صلاتی، قال : قل: اللهم انی ظلمت نفسی ظلمًا كثيرًا ولايغفر الذنوب الاأنت،فاغفرلی من عندك مغفرة انك أنت الغفور الرحيم.** (ص۱۰۹۹۔ج۲۔قدیمی)

اذكر غرض الامام البخاری بهذه الترجمة بايضاح ۔ اذكر مناسبة الحديث بالترجمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض معتزلہ پر رد کرنا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع تو ہیں لیکن بغیر سماع کے سمیع ہیں۔ اسی طرح ان حضرات پر بھی رد کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سمیع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم بالمسموعات ہیں۔

② حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ ترجمۃ الباب سے مقصود اللہ تعالیٰ کے سمیع اور بصیر ہونے کا اثبات ہے اور حدیث میں جو دعا ذکر کی ہے اس میں ذنوب کا ذکر ہے اور ذنوب میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کا علم سننے سے حاصل ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا علم دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ سے مطلق ذنوب کی معافی طلب کی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہیں کیونکہ گناہوں کی دو ہی قسمیں ہیں ① مسموع ② مبصر۔ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے مناسبت اس طرح بیان کی ہے کہ حدیث میں دعا کا ذکر ہے۔ دعا اس وقت کی جاتی ہے جب مخاطب سمیع بھی ہو اور بصیر بھی یعنی سننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور دیکھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ تو دعا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہیں اور بصیر بھی ہیں۔

﴿الورقة الرابعة:الصحيح للامام البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل..... **باب علامة المنافق، حدثنا قبيصة بن عقبة قال: حدثنا سفيان عن الأعمش عن عبدالله بن مرة عن مسروق عن عبدالله بن عمروأن النبی ﷺ قال:أربع من كن فيه كان منافقًا خالصا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها،اذا اؤتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذاخاصم فجر..... تابعه شعبة عن الأعمش.** (ص۱۰۔ج۱۔قدیمی)

اذكرغرض البخاریؒ من ترجمة الباب ۔ ترجم الحديث ترجمة واضحة ۔ ظاهر هذا الحديث يدل علی أن من اتصف بهذه الصفات كان منافقًا خالصًا، هل هو محمول علی ظاهره؟ماهی أقوال العلماء فی ذلك ماهو الغرض من ايراد قوله: تابعه شعبة عن الاعمش ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مذکورہ اوصاف کا حامل منافق ہے یا مؤمن؟ (۴) تابعه شعبة الخ کی غرض۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض یہ بتلانا ہے کہ جیسے طاعات سے

ایمان بڑھتا ہے اسی طرح معاصی سے ایمان میں کمی آتی ہے۔علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نفاق کے مختلف مراتب وعلامات ہیں، جس شخص میں جتنی علامات ہوں گی وہ اسی لحاظ سے منافق ہوگا۔

نیز ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض مرجئہ پر رد کرنا ہو کیونکہ انکے نزدیک معصیت ایمان کیلئے مضر نہیں ہے جبکہ یہاں معاصی کو علاماتِ نفاق قرار دیا گیا ہے اور اسکے حامل کو منافق قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ معاصی ایمان کیلئے مضر ہیں۔(کشف الباری ۲:۲۶۹)

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار خصلتیں پائی جائیں گی وہ شخص خالص منافق ہوگا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت وعلامت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اسکو چھوڑ دے (وہ علامات یہ ہیں)۔جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اسکو توڑ دے (خلاف ورزی کرے) اور جب جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

③ مذکورہ اوصاف کا حامل منافق ہے یا مؤمن؟:۔ اہلسنت والجماعت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا لہٰذا مذکورہ اوصاف سے متصف شخص ایمان سے خارج نہ ہوگا اور اسے منافق نہیں کہا جائے گا۔

سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص میں نفاق کی علامات پائے جانے کی وجہ سے وہ شخص منافق ہے جبکہ اہلسنت والجماعت اس کے مؤمن ہونے کے قائل ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامت کے پائے جانے سے صاحبِ علامت کا پایا جانا لازم نہیں آتا۔لہٰذا ان علامات کے پائے جانے سے ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص منافق ہی ہو جیسے حرارت بخار کی علامت ہے مگر ضروری نہیں کہ جب بھی حرارت پائی جائے بخار ہی ہو۔بعض اوقات دیر تک دھوپ میں بیٹھنے سے بھی بدن میں حرارت پائی جاتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء ومحققین کے نزدیک یہ خصلتیں نفاق کی علامت ہیں مطلب یہ کہ ان سے متصف شخص منافقین کے مشابہ ہوگا اور ان کے اخلاق کو اختیار کرنے والا سمجھا جائے گا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفاقِ عملی مراد ہے نفاق فی العقیدہ مراد نہیں ہے۔(ایضاً ص ۲۸۵)

④ تابعہ شعبۃ کی غرض:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض سند مذکور کی تائید ہے کہ اس میں قبیصۃ قال سفیان کی وجہ سے اعتراض ہے کہ یحییٰ بن معین نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس طریق کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ قبیصہ نے سفیان ثوری سے بچپن میں سماعت کی ہے اس لئے وہ غلطی کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت سند کے لحاظ سے قوی نہیں ہے۔تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے **تابعہ شعبۃ عن الاعمش** سے متابعت کو ذکر فرما کر اس ضعف کا ازالہ فرمایا ہے کہ شعبہ نے بھی سفیان کی متابعت کرتے ہوئے اعمش سے یہ حدیث روایت کی ہے۔لہٰذا متابعت کی وجہ سے یہ روایت صحیح ہوگئی۔نیز قبیصہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی یہ روایت سفیان ثوری سے روایت کی ہے چنانچہ مسلم شریف میں یہ روایت امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے سیفان ثوری سے نقل کر کے قبیصہ کی متابعت تامہ کی ہے۔(ایضاً ص ۲۹۰)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....**حدثنا أحمد بن عبدالله بن علی المنجوفی قال: حدثنا روح قال: حدثنا عوف عن الحسن و محمد عن أبی هریرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من اتبع جنازة مسلم ایمانا واحتسابا وکان معه حتی یصلّی علیها ویفرغ من دفنها فانه یرجع من الأجر بقیر اطین، کل قیراط مثل أحد، ومن صلی علیها ثم رجع قبل أن تدفن فانه یرجع بقیراط، تابعه عثمان المؤذن قال: حدثنا عوف عن محمد عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم نحوه.** (ص۱۲۔ج۱۔قدیمی) **ترجم الحدیث۔ المشی مع الجنازة أمامها أفضل أم خلفها؟ اذکر اختلاف الفقهاء وادلتهم۔ اذکر سبب ایرادمتابعة عثمان المؤذن۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) جنازہ کے ساتھ چلنے میں اختلاف مع الدلائل (۳) متابعتِ عثمان کو ذکر کرنے کا سبب۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایمان اور احتساب یعنی ثواب کی امید اور یقین کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلے اس پر نماز جنازہ پڑھنے اور اس کو دفن کرنے سے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لیکر لوٹے گا اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کی مثل ہے اور جس شخص نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور پھر تدفین سے پہلے لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط ثواب لیکر لوٹے گا۔

② جنازہ کیساتھ چلنے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔ جنازہ میں میت کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟ اس میں اختلاف ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اختیار ہے کسی صورت کو دوسری صورت پر کوئی فضیلت نہیں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ امام احمد و مالکؒ کے نزدیک پیدل چلنے والا آگے چلے اور سوار پیچھے چلے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً آگے چلنا افضل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً پیچھے چلنا افضل ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے **انما انت مشیع فامش ان شئت امامها وان شئت خلفها وان شئت عن یمینها وان شئت عن یسارها** کہ میت کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چلنا درست ہے۔

امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الراکب یسیر خلف الجنازة والماشی خلفها وامامها وعن یمینها وعن یسارها قریبا منها** کہ سوار کا پیچھے چلنا اور پیادہ کا ہر طرف چلنا درست ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے **رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر یمشون امام الجنازة** کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو جنازے کے آگے چلتے دیکھا ہے۔

نیز جنازہ کو لیکر جانے والے شفعاء ہیں اور شفعاء مشفوع لہ کے آگے چلتے ہیں لہٰذا جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع روایت ہے **الجنازة متبوعة ولاتتبع ولیس منا من تقدمها۔**

نیز طاؤس رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ **مامشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازة حتی مات الّا خلف الجنازة وبه ناخذ۔**

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **ان فضل الماشی خلفها علی الذی یمشی امامها کفضل صلوٰة الجماعة علی الفذ۔**

باقی حضرت انس و مغیرہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیانِ جواز کیلئے ہے اس سے افضلیت کا ثبوت نہیں ہوتا اور جواز کے سب قائل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر کلام ہے اور امام ترمذی نے اس کے مرفوع نہ ہونے کی تصریح کی ہے اور یہ حدیث مرسل ہے اور شوافع عموماً مراسیل کو حجت نہیں مانتے۔ نیز اگر کلام نہ بھی ہو تب بھی اس سے محض جواز معلوم ہوتا ہے افضلیت معلوم نہیں ہوتی۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے یہ حضرات آگے چلتے ہوں اور وہ عذر یہ ہوسکتا ہے کہ انکے پیچھے چلنے کی وجہ سے دیگر حضرات کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ ہو اور ان کے لئے جنازہ کے ساتھ چلنا شاق ہو، پھر راوی کا خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کے متعلق آگے چلنے کا ذکر قرینہ ہے کہ باقی حضرات پیچھے چلتے تھے۔ (تحفۃ المعی)

باقی جنازہ کو لیکر جانے والوں کا شفعاء ہونا سمجھ سے بالا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میت کو بطور مجرم بارگاہ الٰہی میں پیش کررہے ہیں۔ حالانکہ مسلمان اس کو اعزاز و اکرام کیساتھ سفرِ آخرت پر رخصت کرتے ہیں اور اسے اپنے لئے توشۂ آخرت سمجھ کر آگے بھیجتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر پیچھے رہنا ہی مناسب ہے نیز پیچھے رہنے میں دیگر مصالح کا بھی لحاظ رہے گا مثلاً جنازہ سامنے ہوگا جس سے ہر قدم پر عبرت حاصل ہوگی نیز پیچھے رہنے کی صورت میں بوقتِ ضرورت امداد بھی سہولیات کیساتھ دیجاسکتی ہے۔ (کشف الباری ۲:۵۲۸)

③ متابعتِ عثمان کو ذکر کرنے کا سبب:۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اولاً احمد بن عبداللہ منجوفی کے طریق سے اس حدیث کو ذکر کیا اور اس طریق میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کررہے ہیں اور راجح قول کے مطابق حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثانیاً عثمان مؤذن کی متابعت ذکر کردی جس میں حسن رحمہ اللہ کا ذکر نہیں ہے اور اس متابعت کو ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ہمارا اعتماد اس دوسرے طریق پر ہے۔ (ایضاً ج ۲ ص ۵۳۴)

0313 6355913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....وقال النبی ﷺ لعلیّ انت منی وانامنك. وقال عمر: توفی رسول اللہ ﷺ وھوعنه راض. عن سعدبن ابی وقاص قال: قال النبی ﷺ لعلیّ: اماترضی ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسٰی؟ عن عبیدة عن علیّ قال اقضوا کماکنتم تقضون فانی اکره الاختلاف حتی یکون الناس جماعة اواموت کمامات أصحابی وکان ابن سیرین یری ان عامة مایروی عن علی الکذب.

ترجم الآثار. متی قال علی ھذا القول: اقضوا کما کنتم تقضون وفی ماقال؟ استدل الرافضة بالحدیث علی خلافة علیّ بلا فصل فکیف الرد البلیغ علیھم؟ متی قال النبی ﷺ لعلیّ: اماترضی ان تکون منّی۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں۔(۱) آثار کا ترجمہ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد فرمانے کا موقع (۳) مذکورہ احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ بلافصل ہونے کا عدمِ ثبوت (۴) اماترضٰی ان تکون منّی کا موقع۔

جواب..... ① آثار کا ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تُو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اس حال میں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راضی تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ کیا تُو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تُو میرے لئے ایسے ہی ہوجائے جیسے موسیٰ علیہ السلام کیلئے ہارون علیہ السلام تھے۔ حضرت عبیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فیصلہ کرو تم جیسا کہ تم پہلے فیصلہ کرتے تھے پس بیشک میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں یہاں تک کہ لوگ ایک ہی جماعت ہوں یا پھر میری موت واقع ہوجائے جیسا کہ میرے ساتھیوں کی موت واقع ہوگئی۔ ابنِ سیرینؒ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی عمومی روایات جھوٹ ہیں۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد فرمانے کا موقع:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ام ولد کی بیع کے بارے میں اختلاف ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اہلِ عراق! جس طرح تم اس مسئلہ میں حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے دور میں فیصلہ کرتے تھے اسی طرح اب بھی فیصلہ کرو میں نہیں چاہتا کہ میرے دور میں ان کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ ہو اور لوگ اختلاف کی وجہ سے تقسیم ہو جائیں، کچھ میرے فیصلہ پر عمل کریں اور کچھ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے فیصلہ پر عمل کریں، بلکہ اب بھی وہی فیصلہ کرو جو اس وقت کرتے تھے، یا پھر انہی حالات میں میری موت واقع ہوجائے یعنی میری موت واقع ہوسکتی ہے مگر میری زندگی میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ نہیں ہوسکتا یا پھر میری زندگی میں امت میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔

③ مذکورہ احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ بلافصل ہونے کا ردّ:۔ حضرت ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام والی حدیث کی ذریعے روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ثبوت اور بقیہ خلفاء کی خلافت کی نفی پر استدلال کیا ہے کہ جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں تھا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بلاشرکت خلیفہ ہیں اور تشبیہ سے یہی مطلوب ہے۔ مگر یہ استدلال درست نہیں کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ان کی زندگی میں بنے تھے نہ کہ موت کے بعد۔ اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی موت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُن سے مشابہت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ایک خاص موقع پر آپ کے خلیفہ بنے ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہے۔ باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت آپ ﷺ کے وصال کے بعد تو نہ یہاں اُس کا ذکر ہے اور نہ اِس واقعہ سے کوئی تعلق ہے۔

④ اماترضٰی ان تکون منی الخ کا موقع:۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں چھوڑا اور جنگ کیلئے ساتھ لے کر نہ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شکایت کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں، یہ تو ایک معمولی کام ہے اس کی وجہ سے میں جہاد جیسے اہم کام سے محروم رہ جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے اُن کی شکایت کو دور کرتے ہوئے اور اُن کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے پہلے یہی کردار ایک پیغمبر نے بھی

0313 6337913 maktabazakariyarahman@gmail.com

انجام دیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوہِ طور پر جارہے تھے تو قوم کی دیکھ بھال کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو پیچھے چھوڑا تھا تو کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ آپ میرے لئے بمنزلِ ہارون کے ہو جاؤ۔ گویا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات تھی۔ (کشف الباری، فضائل الصحابہ رضی اللہ عنہم)

الشق الثانی.....عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَجَعُهُ قَالَ: اِئْتُوْنِیْ بِكِتَابٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَاتَضِلُّوْا بَعْدَهٗ، قَالَ عُمَرُ: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ الْوَجَعُ، وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللّٰهِ، حَسْبُنَا، فَاخْتَلَفُوْا وَكَثُرَ اللَّغَطُ، قَالَ: قُوْمُوْا عَنِّیْ، وَلَا يَنْبَغِیْ عِنْدِی التَّنَازُعُ، فَخَرَجَ اِبْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: اِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَاحَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ كِتَابِهٖ۔ (ص۲۲۔ج۱۔قدیمی)

شکل الحدیث

ثم ترجمه واذكر لقب هذاالحديث ۔ ماذاكان يريد النبی ﷺ أن يكتب للناس؟ اكتب فی ضوء أقوال العلماء ۔ كيف ساغ لعمر ان يقول ماقال، مع أن أمرالرسول كان واجب الامتثال؟ ماذايعنی ابن عباس بقوله: ان الرزية.....الخ؟ وهل كان حاضرا فی المجلس۔ اذكر غرض المؤلف من هذه الترجمة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور کا حل مطلوب ہے (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کا نام و لقب (۴) آپ ﷺ جو امور لکھوانا چاہتے تھے ان کی نشاندہی (۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکمِ نبوی ﷺ پر عمل نہ کرنے کی وجہ (۶) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی مراد (۷) ترجمۃ الباب کی غرض۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ بہت بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے اسی بیماری کی سختی میں فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ! میں تمہارے لئے ایک کتاب لکھوادوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ پر بیماری کی سختی ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے وہ ہم کو بس کافی ہے لوگوں نے اختلاف شروع کیا اور شور وغل مچ گیا آپ ﷺ نے فرمایا چلو اُٹھ جاؤ میرے پاس لڑنے جھگڑنے کا کیا کام، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (نے جب یہ حدیث روایت کی) تو یوں کہتے ہوئے نکلے: ہائے مصیبت وائے مصیبت جو آپ ﷺ اور آپ کی تحریر کے درمیان حائل ہوگئی۔

③ حدیث کا نام ولقب:۔ یہ حدیث حدیثِ قرطاس کے نام ولقب سے مشہور ہے اور اس واقعہ کو واقعۂ قرطاس کہتے ہیں کیونکہ اس میں آپ ﷺ کے قلم، دوات اور کاغذ منگوانے کا ذکر ہے۔ (کشف الباری ج۴ص۳۳۶)

④ آپ ﷺ جو امور لکھوانا چاہتے تھے انکی نشاندہی:۔ آپ ﷺ نے قلم دوات اور کاغذ کس لئے منگوایا تھا اور آپ ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس کی کہیں بھی تصریح نہیں ہے البتہ سیاقِ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ خلافت کے متعلق ہی لکھوانا چاہتے تھے تاکہ لوگ اس میں اختلاف نہ کریں کیونکہ اس سے فتنہ وگمراہی کا دروازہ کھل جاتا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ احکامِ دین لکھوانا چاہتے تھے تاکہ اختلاف رفع ہوجائے۔ اہلِ علم نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے۔ (ایضاً ج۴ص۳۳۲)

⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکمِ نبوی ﷺ پر عمل نہ کرنے کی وجہ:۔ روافض اعتراض کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے قلم کاغذ اور دوات منگوایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں منع فرمایا حالانکہ حکمِ نبوی ﷺ پر عمل کرنا واجب ہے۔

اس سوال کے علماء نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کیلئے تخفیف اور سہولت کا ارادہ فرمایا کہ جب طبیعت بحال ہوجائیگی تو اس وقت لکھوالیں گے ② کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی خطاب تھا؟ نہیں، بلکہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخاطب تھے اور کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتنا ہی رعب تھا کہ کوئی اور صحابی بالخصوص علی شیر خدا یہ اشیاء لاہی نہ سکے؟ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز وغیرہ کیلئے جاتے تو اس وقت لکھوالیتے؟ ③ ان کلمات کے بعد آنحضرت ﷺ پانچ دن تک زندہ رہے تو پانچ دن تک کسی نے کیوں نہ لکھوالیا ④ جو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے وہ کوئی استحبابی امر تھا، وجوبی نہیں تھا اگر وجوبی ہوتا تو لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے تبلیغ رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور دین کی

0313 6335913 makkabazakariyamultan@gmail.com

تکمیل کئے بغیر رخصت ہوئے (نعوذ باللہ) ⑤ آپ ﷺ کبھی امتحاناً سوال کیا کرتے تھے، یہ بھی امتحان تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ امتحانی سوال ہے اور آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کا تثبت دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا انکو یقین ہے کہ دین کی تکمیل ہوگئی یا نہیں؟ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا **حسبنا کتاب اللہ** تو حضور ﷺ خاموش ہوگئے ⑥ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی "موافقتِ رائے" والی خصوصیت تھی، بہت ساری باتیں اللہ تعالیٰ نازل کرنا چاہتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری ہوجاتیں اور بہت ساری باتوں میں حضور ﷺ نے اپنے مشورہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کی وجہ سے بدل لیا، جیسے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے گئے آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا یہ جوتا لے جاؤ اور اعلان کردو **من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ** آگے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے انہوں نے منع کردیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے واپس جا کر حضور ﷺ سے بیان کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور اس کا نقصان عرض کیا کہ لوگ کلمہ پڑھ کر بیٹھ جائینگے، اعمال نہیں کریں گے تو حضور ﷺ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا ایسے ہی یہاں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے حضور ﷺ نے اتفاق کرلیا ⑦ فتح الباری میں مسند احمد سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا اور مناسب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ اہل بیت نبوی سے تھے رافضیوں نے خوب پروپیگنڈہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدفِ ملامت بنایا، حکم تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا وہ کیوں رک گئے؟

⑥ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی مراد:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اس وقت جب یہ واقعۂ قرطاس پیش آیا مجلس میں موجود نہ تھے، مراد یہ ہے کہ جس وقت حدیث کا درس دے رہے تھے اور اس مقام پر پہنچے تو **ان الرزیۃ** کہہ کر سبق و مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہائے مصیبت، ہائے مصیبت، کس نے آپ ﷺ کو لکھوانے سے منع کردیا تھا، اگر آپ ﷺ اس وقت (ترتیبِ خلافت) لکھوا دیتے تو پھر مسلمانوں میں یہ جنگِ جمل وصفین کے واقعات ہی پیش نہ آتے۔ (ایضاً ج ۴ ص ۳۸۳)

⑦ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات مختلف فیہ مسائل کے ابواب میں ترجمہ کو علی سبیل الاحتمال ذکر کرتے ہیں کسی ایک جانب کو جزم کے ساتھ ذکر نہیں کرتے یہ ترجمہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ کتابت کے متعلق سلف میں اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات کتابت کے قائل تھے اور بعض نہیں۔ اگرچہ بعد میں کتابتِ حدیث پر اجماع منعقد ہوچکا ہے بلکہ اس کے استحباب پر اتفاق ہوچکا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ جس کے ذمہ تبلیغ علم لازم و متعین ہو اور اسے نسیان کا خوف ہو تو اس پر کتابتِ علم وحدیث واجب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ بتانا ہے کہ کتابتِ حدیث کی اصل حدیث میں موجود ہے۔ اگرچہ عہدِ نبوی میں اس خدشہ کی بنیاد پر کہ قرآن کریم کے ساتھ خلط نہ ہوجائے یا اس اندیشہ کی وجہ سے کہ لوگ کتاب پر بھروسہ کرکے حفظِ حدیث کا اہتمام نہیں کریں گے، کتابتِ حدیث سے منع کیا گیا تھا لیکن بعد میں کتابت کی اجازت ہوگئی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حفاظتِ علم اور بقاءِ علم اور اشاعت وتبلیغ علم کے لئے کتابت بھی ضروری ہے اور سہل اور انفع ذریعہ ہے، اس لئے **باب کتابۃ العلم** منعقد کرکے کتابتِ علم کا استحسان اور امورِ علمیہ کا بغرضِ بقاء وحفاظت آپ کے ارشاد سے لکھا جانا ثابت کردیا بلکہ اشارۃً علماء کو ترغیب الی الکتابت بھی مفہوم ہوتی ہے"۔ (کشف الباری ج ۴ ص ۲۱۷)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل ..... **باب اذا عرض الذمی وغیرہ بسب النبی ﷺ ولم یصرح نحو قولہ: السام علیک سمعت أنس بن مالک یقول: مر یہودی برسول اللہ ﷺ، فقال: السام علیک، فقال رسول اللہ ﷺ وعلیک، فقال رسول اللہ ﷺ أتدرون مایقول؟ قال: السام علیک، قالوا: یارسول اللہ ألانقتلہ، قال: لا، اذا سلم علیکم أھل الکتاب فقولوا: وعلیکم۔** (ص ۱۰۲۳۔ ج ۲۔ قدیمی)

اذکر غرض البخاری من ترجمۃ الباب۔ قید "الذمی" فی الباب ھل ھو قید اتفاقی أم احترازی؟ و علی الثانی: عن أی شیء احترزبہ؟ ترجم الحدیث المبارک واذکر ماھو حکم ساب النبی ﷺ؟ ان کان

0313 635 913 maktabazakariyamultan@gmail.com

يستحق القتل فلماذانها هم عن القتل، وان لم يستحق القتل فلماذا أمرهم بقتل كعب بن الأشرف وغيره.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض(۲)**الذمی** کی قید کی وضاحت(۳)حدیث کا ترجمہ(۴)سابّ النبی ﷺ کا حکم۔

جواب..... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمۃ الباب سے مسئلہ الباب میں مذہب کوفیین کی تائید کرنا ہے اور مسئلۃ الباب (سب النبی ﷺ کے حکم کو بیان کرنا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کو معاذ اللہ برا بھلا کہے یا کوئی عیب لگائے تو اس کا کیا حکم ہے تو اھل کوفہ (جن میں سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ بھی ہیں) کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ شخص ذمی ہے تو تعزیر کی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ اگر وہ شخص مسلمان ہو تو اس جرم کی وجہ سے وہ مرتد ہو جائے گا۔ جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص ذمی ہو تب بھی اس کو قتل کیا جائے گا۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کر کے اہل کوفہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ باقی یہ کیسے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذہب کوفیین کی تائید کی ہے تو ایک تو اس وجہ سے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ قائم کر کے ایسے شخص پر کوئی صراحۃً حکم نہیں لگایا اور اس کے بعد جو حدیث ذکر کی ہے اس سے اسی مذہب کو ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا جس نے السام علیک کہہ کر سب النبی ﷺ کا ارتکاب کیا تھا۔(حاشیہ)

❷ **الذمی** کی قید کی وضاحت:۔ الذمی کی قید احترازی ہے یہ قید لگا کر حربی کافر اور مسلمان سے احتراز مقصود ہے کیونکہ سب النبی ﷺ کی وجہ سے وہ واجب القتل ہیں۔

❸ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک یہودی کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سے گزرتے ہوئے سنا کہ اس نے کہا **السام علیك** (لام کے بغیر) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **وعلیك** پھر رسول اللہ ﷺ نے (ہم سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس نے کیا کہا ہے؟ (ہم نے کہا نہیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے کہا تھا **السام علیك** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ کیا ہم اس کو قتل کر دیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس کو قتل نہ کرو، جب کوئی کتابی تم کو سلام کرے تو تم اس کو **وعلیکم** کہو۔

❹ سابّ النبی ﷺ کا حکم:۔ جمہور کے نزدیک آنحضرت ﷺ کو گالی دینے والے شخص کو قتل کیا جائیگا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و کوفیین کے نزدیک اگر وہ کافر ہے تو وہ مستحق قتل ہے اس کو قتل کیا جائیگا اور وہ اگر مسلمان ہے تو مرتد ہونے کی وجہ سے اس کو بھی قتل کیا جائیگا اور اگر وہ ذمی ہے تو پھر عہد نہیں توڑا جائے گا یعنی اس پر تعزیر جاری ہوگی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ مشرک ہے۔ جب اس کے مشرک ہونے کے باوجود اس کو قتل نہیں کیا گیا اس کا جان و مال دارالاسلام میں محفوظ ہے تو پھر اس کو سب النبی ﷺ کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ سب النبی ﷺ تو شرک سے چھوٹا گناہ ہے۔ باقی آنحضرت ﷺ نے اس یہودی کے قتل کا حکم اس کی تالیفِ قلب کیلئے نہیں دیا تھا۔ نیز وہ ذمی تھا اور اس کی بدعوئی پر واضح دلائل بھی نہ تھے اور کعب بن اشرف کے قتل کا حکم اسلئے دیا کہ وہ مشرک و حربی کافر تھا اور انتہائی موذی و شریر شخص تھا جو لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف اور اسلام کے خلاف اشعار میں اکساتا تھا اور آپ ﷺ نے سب النبی ﷺ کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم نہ دیا تھا۔(حاشیہ)

الشق الثانی.....**باب الحاكم يحكم بالقتل على من وجب عليه دون الامام الذى فوقه عن أنس أن قيس بن سعد كان يكون بين يدى النبى ﷺ بمنزلة صاحب الشرط من الأمير.**(ص۱۰۵۹۔ج۲۔قدیمی)

اذكر غرض المؤلف من ترجمة الباب ۔ اشرح قول أنس تمامًا ۔ هل يجوز اقامة الحدود لأمير العسكر على عسكره؟ أوالمالك على مملوكه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض(۲)حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد

03121557913 maktabazzakariyamultan@gmail.com

(۳) امیرِ لشکر اور مالک کے حد قائم کرنے کی وضاحت۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس ترجمہ سے بعض فقہاء کی تائید کرنا ہے کہ جن کے نزدیک امیر مصر کی طرف سے مقرر کردہ چھوٹے امیر اور حاکم بھی حدود وقصاص کا فیصلہ کر سکتے ہیں اس کے برخلاف ائمہ احناف کے نزدیک حدود وقصاص کا فیصلہ صرف امیر عام اور امیر مصر کر سکتا ہے چھوٹے امیروں اور حاکموں کو اس کا اختیار نہیں۔

② حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح رہتے تھے جیسے امیر کے ساتھ سپاہیوں کا افسر رہتا ہے یعنی حضرت قیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت ایک امیر ہونے کی حیثیت سے رہتے تھے۔

③ امیرِ لشکر اور مالک کے حد قائم کرنے کی وضاحت:۔ حنفیہ رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ امامِ وقت کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حد جاری نہیں کر سکتا۔ نہ امیرِ لشکر اپنے ماتحت افراد پر اور نہ مالک اپنے مملوک پر، صرف اور صرف امامِ وقت ہی حد جاری کرے گا جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک آقا و مالک اپنے مملوک پر حد جاری کر سکتا ہے ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! اپنے غلام و باندیوں پر حد جاری کرو یہ ارشاد اپنی حقیقت پر ہے حنفیہ کے نزدیک وہ احادیث وآثار وغیرہ جن میں حدود قائم کرنے کا حکم ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ حدود قائم کرواؤ یعنی جرم کی وجہ سے اپنے غلام ومملوک وغیرہ کو چھپاؤ نہیں بلکہ امامِ وقت کے سامنے اسکو پیش کرو اور اس پر حد جاری کرواؤ۔ (تحفۃ الالمعی ج ۴ ص ۳۷۶، تقریرِ ترمذی ج ۲ ص ۹۳)

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل ..... عن عائشة أم المؤمنين أن الحارث بن هشام سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! كيف يأتيك الوحى؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحيانًا يأتينى مثل صلصلة الجرس، هو أشده على فيفصم عنى وقد وعيت عنه ماقال، وأحيانًا يتمثل لى الملك رجلا فيكلمنى فأعى مايقول، قالت عائشة ولقد رأيته ينزل عليه الوحى فى اليوم الشديد البرد، فيفصم عنه وان جبينه ليتفصّدعرقًا۔

ترجم الحديث ترجمة واضحة ۔ اشرح الحديث واذكر انواع الوحى، وكم نوعا ذكر ههنا؟ ولماذا لم يذكر سائر أنواعه؟ هل هذاالحديث من مسانيدعائشة أم من مسانيد الحارث بن هشام؟ (ص ۲۔ ج ۱۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) وحی کی اقسام (۴) مسندِ عائشہ رضی اللہ عنہا یا حارث رضی اللہ عنہ کی تعیین۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وحی کبھی میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بہت شاق گزرتی ہے پھر یہ کیفیت مجھ سے دور ہو جاتی ہے جبکہ اس (فرشتہ) کا کہا مجھے محفوظ ہو جاتا ہے اور کسی وقت فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بات بیان کرتا ہے پھر جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے کڑاکے کی سردی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وحی کا سلسلہ موقوف ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کے متعلق سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں نزول وحی کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے کہ بعض اوقات وحی گھنٹی کی آواز کی طرح غیر مفہوم صورت میں آتی ہے کہ پہلی آن اور گھڑی میں سمجھ میں نہیں آتی اور **صلصلة** سے جس آواز کو تشبیہ دی گئی ہے وہ فرشتہ کے پروں کی آواز ہے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ وحی کی حفاظت کے لئے فرشتوں کی جو جماعت آتی تھی اس کی پرواز

0313 6227913 makkabaikariyakuta@gmail.com

کی آواز ہے یا خود جبرائیل علیہ السلام کے آنے کی آواز ہے یا فرشتہ کی اصل آواز ہے۔ وحی کی اس قسم میں فرشتہ کا نزول براہ راست آپ ﷺ کے قلب پر ہوتا تھا اور آپ ﷺ کو تمام قویٰ سمیٹ کر روحانیت کو غالب اور بشریت کو مغلوب کر کے اسکی طرف متوجہ ہونا پڑتا تھا اس وجہ سے وحی کی یہ قسم آپ ﷺ پر انتہائی دشوار اور شاق ہوتی تھی، پھر جب یہ وحی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کرتا ہے میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور اس کا حافظ ہو چکا ہوتا ہوں۔

وحی کے نزول کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات فرشتہ انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور بصورتِ بشر وہ مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے یاد کرتا رہتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو شدید سردی کے زمانہ میں وحی نازل ہونے کی حالت میں دیکھا کہ جب آپ ﷺ سے وحی منقطع ہوتی تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہہ پڑتا تھا۔ یعنی نزول وحی میں اس قدر شدت ہوتی تھی کہ شدید سردی کے باوجود پسینہ بہہ پڑتا تھا۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۲۹۸)

③ وحی کی اقسام:۔ وحی کی مختلف انداز سے مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں مگر ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ وحی کی تین اقسام ہیں جیسا کہ آیت کریمہ **وماکان لِبشران یکلمه الله الّا وحیا اومن وراء حجاب ا و یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء** میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے:

① **تلقی بالقلب** یعنی بغیر کسی واسطہ کے قلب میں کسی بات کا ڈالنا خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں ② **کلام من وراء حجاب** جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اور آپ ﷺ نے شبِ معراج میں سنا ③ **ارسال الرسول** یعنی فرشتہ کے ذریعہ وحی بھیجنا خواہ وہ بشر کی صورت میں آئے یا براہِ راست قلب اطہر پر القاء کرے اور اس حدیث میں اسی آخری قسم کا ذکر ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ جب وحی کی متعدد اقسام ہیں تو پھر آپ ﷺ نے بقیہ اقسام کو ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں کثیر الوقوع صورتوں کو ذکر کیا ہے اور وہ دو ہی صورتیں ہیں۔ (ایضاً ۱:۳۱۷)

④ مسندِ عائشہ رضی اللہ عنہا یا حارث رضی اللہ عنہ کی تعیین:۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسانید میں سے ہے یا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کی مسانید میں سے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بوقت سوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود تھیں اور انہوں نے براہ راست خود سنا ہو تو پھر یہ حدیث مسانیدِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے ہے اور اگر بوقتِ سوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود نہ ہوں تو پھر یہ حدیث مسانیدِ حارث رضی اللہ عنہ میں سے ہے اور اس وقت یہ حدیث مرسلِ صحابی رضی اللہ عنہ ہوگی اور جمہور کے نزدیک اسکا حکم موصول کا ہے۔ (ایضاً ۱:۲۹۵)

الشق الثانی.....**باب حفظ العلم، حدثنا ابومصعب أحمد بن أبی بکر، قال: حدثنا محمد بن ابراهیم بن دینار عن ابن أبی ذئب، عن سعید المقبری عن أبی هریرة قال: قلت یارسول الله ﷺ، انی أسمع منك حدیثًا کثیرًا أنساه، قال: ابسط رداءك، فبسطته، قال: فغرف بیدیه ثم قال: ضمه، فضممته، فما نسیت شیئًا بعده، حدثنا ابراهیم بن المنذر قال: حدثنا ابن أبی فدیك بهذا أوقال: غرف بیده فیه.**

اذکر عددمرویات ابی هریرة رضی اللہ عنہ واکتب کیف کان أکثر حدیثًا من عبدالله بن عمرو مع أنه کان یکتب وأبوهریرة کان لایکتب؟ کیف التوفیق بین هذاالحدیث: "فما نسیت شیئًا بعده" وبین مانقل عن بعض الصحابة رضی اللہ عنہم "أن أباهریرة قد نسی بعض الأحادیث. ماهوغرض المؤلف فی ایراد طریق آخر بقوله: "حدثنا ابراهیم بن المنذر.....الخ"۔ (ص ۸۔ ج ۱۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (۲) کثرتِ روایات کی توجیہ (۳) احادیث میں تطبیق (۴) طریقِ آخر کو لانے کی غرض۔

جواب..... ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں مگر سب سے مشہور قول کے مطابق ان کی تعداد (۵۳۷۴) پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۶۵۹)

0317 6357913 makhzanbazakariyamultan@gmail.com

② کثرتِ روایات کی توجیہ:۔ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ احادیث کو لکھا کرتے تھے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث کو لکھتے نہیں تھے اور ان کو احادیث بھول بھی جاتی تھیں مگر اس کے باوجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث زیادہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی احادیث کم ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس صحیفہ بھی تھا اور وہ احادیث لکھتے بھی تھے مگر چند عوارض اور وجوہ سے انکی احادیث ہم تک نہیں پہنچی۔ ① حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تعلیم کی نسبت عبادات میں زیادہ مشغول رہتے تھے ② مصر میں آکر مقیم ہوگئے تھے اور مدینہ کی نسبت مصر میں کم طالبانِ حدیث پہنچے ③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر دعا فرمائی تھی اس وجہ سے انکی مرویات زیادہ ہیں۔ (ایضاً)

③ احادیث میں تطبیق:۔ سوال ہوتا ہے کہ احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **فمانسیت شیأ بعدہ** اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعض احادیث بھول گئے تھے۔

ان احادیث و روایات میں تطبیق یہ ہے کہ نسیان والی روایات کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قبل کی حالت سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پہلے وہ بعض روایات کو بھول گئے تھے۔

دوسری تطبیق یہ ہے کہ عدمِ نسیان کا تعلق مخصوص احادیث کے ساتھ ہے کہ مخصوص احادیث میں سے میں کچھ نہیں بھولا (کشف الباری ۴:۴۵۳)

④ طریقِ آخر کو لانے کی غرض:۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے طریق آخر کو لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ متن کے الفاظ مختلف ہیں بعض جگہ **فغرف بیدیه** کے الفاظ ہیں اور بعض جگہ **غرف بیده فیه** کے الفاظ ہیں۔ (ایضاً ج ۴ ص ۴۵۹)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل ..... **باب اذا غصب جارية فزعم انها ماتت فقضى بقيمة الجارية الميتة ثم وجدها صاحبها فهى له ويرد القيمة ولا تكون القيمة ثمنا. وقال بعض الناس الجارية للغاصب لاخذه القيمة وفى هذا احتيال لمن اشتهى جارية رجل لا يبيعها فغصبها واعتل بانها ماتت حتى يأخذ ربها قيمتها فتطيب للغاصب جارية غيره وقال النبى صلى الله عليه وسلم اموالكم عليكم حرام ولكل غادر لواء يوم القيمة.**

ترجم العبارة بتمامها. اشرح مسئلة الباب على مذهب الامام البخارى اوّلًا ثم اذكر ما ردہ البخارى على بعض الناس من احتياله واعتلاله هل اصاب فى ردّه او اخطأ؟ اجب عن استدلاله بقوله عليه السلام اموالكم عليكم حرام وبقوله عليه السلام ولكل غادر لواء يوم القيمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) امام بخاریؒ کے مذہب پر مسئلہ کی تشریح اور بعض الناس پر ردّ (۳) امام بخاریؒ کے مستدلات کا جواب۔

جواب ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی نے باندی غصب کی اور کہا کہ وہ مرگئی ہے پس اُس نے مُردہ باندی کی قیمت ادا کر دی پھر باندی کے مالک نے باندی کو پالیا تو یہ باندی مالک کی ہوگی اور وہ قیمت لَوٹائے گا اور یہ قیمت ثمن نہیں بنے گی، بعض لوگوں نے کہا کہ باندی غاصب کے لئے ہوگی مالک کے قیمت کو وصول کرنے کی وجہ سے اس میں اُس شخص کے لئے حیلہ ہے جو کسی دوسرے شخص کی باندی کو پسند کرتا ہو اور وہ اُسے نہ بیچتا ہو کہ وہ اُسے غصب کر لے اور حیلہ کرے کہ وہ مَرگئی ہے حتیٰ کہ اُس کا مالک اُس کی قیمت لے لے تو غاصب کے لئے یہ غیر کی باندی پاک ہوجائے گی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اموال تمہارے اوپر حرام ہیں اور ارشاد فرمایا کہ ہر دھوکہ باز کے لئے قیامت کے دن مخصوص جھنڈا ہوگا۔

② امام بخاریؒ کے مذہب پر مسئلہ کی تشریح اور بعض الناس پر ردّ:۔ کسی شخص نے کسی دوسرے کی مملوکہ باندی غصب کی اور دعویٰ کر دیا کہ وہ فوت ہوگئی ہے، قاضی کے فیصلہ کرنے پر مغصوب منہ نے قیمت وصول کر لی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ باندی زندہ ہے تو اس صورت میں امام بخاریؒ کے نزدیک باندی اصل مالک کی ہوگی اور وہ وصول کردہ قیمت غاصب کو واپس کرے گا اور یہ وصول شدہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

رقم اُس باندی کا ثمن اور بدل نہ ہوگا۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ باندی غاصب کی مملوکہ ہوجائے گی۔

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے بقول باندی غاصب کی ہوجائے گی کیونکہ مغصوب منہ قیمت لے چکا ہے۔ اس میں انہوں نے ایسے شخص کے لئے بڑا حیلہ نکالا جو کسی کی باندی میں رغبت رکھتا ہو اور مالک نہ بیچنا چاہتا ہو تو یہ شخص اُس باندی کو غصب کرکے مرنے کا بہانہ بنادے گا جب مالک قیمت لے کر خاموش ہوجائے گا تو وہ غاصب اُس باندی کو اپنے لئے حلال کرکے خوش ہوجائے گا حالانکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اموال تمہارے اوپر حرام ہیں نیز فرمایا کہ ہر دھوکہ باز کے لئے قیامت کے دن ایک مخصوص جھنڈا ہوگا جس کی وجہ سے سب لوگوں میں اُس کی شناخت ورسوائی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ غصب بھی غدر ودھوکہ کی ہی ایک قسم ہے کیونکہ اُس نے **انھا ماتت** کہہ کر مالک سے خیانت اور دغابازی کی ہے۔ الغرض امام ابوحنیفہؒ کا دوسرے کی باندی کو حاصل کرنے کا یہ حیلہ انتہائی قبیح عمل ہے۔

③ امام بخاریؒ کے مستدلات کا جواب:۔ امام بخاریؒ کا امام ابوحنیفہؒ پر یہ اعتراض بالکل درست نہیں ہے۔ حافظ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر بخاری میں اس باب کو ذکر کرنے کا کوئی محل نہیں ہے سوائے اس کے کہ حنفیہ کو بدنام کرنے کی ایک کوشش ہے جو مشائخ کے شایانِ شان نہیں۔

اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایسے حیلوں کے ہم بھی قائل نہیں ہیں، یہ فعل ہمارے نزدیک بھی حرام ہے لیکن اگر کسی نے یہ کام کرلیا تو ہمارے نزدیک وہ مالک ہوجائے گا گویا ہمارے نزدیک قیمت کی ادائیگی کا یہ فیصلہ ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا۔

امام بخاریؒ کے مستدلات کا جواب: ① اُن احادیث میں بھی فعلِ حرام کا ذکر ہے اور نفاذِ حکم کی نفی نہیں ہے۔

② **اموالکم علیکم حرام** اُس صورت میں ہے جب رضامندی نہ پائی جائے جبکہ یہاں پر قیمت کی ادائیگی کے بعد رضامندی پائی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قیمت کی ادائیگی کا طریقہ خباثت ودھوکہ پر مبنی ہے مگر بہرحال مالک نے وہ قیمت بخوشی قبول کی ہے یہی وجہ ہے کہ مالک کیلئے اُس قیمت میں تصرف کرنا حلال وجائز ہے۔ اسی طرح باندی میں بھی بلاشبہ تصرف حلال وجائز ہے۔

③ **لکل غادر لواءٌ یوم القیامة** کا جواب یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے غاصب کو غادر نہیں کہا جاتا کیونکہ غدر کا معنیٰ ترکِ وفاء ہے اور غصب کا معنیٰ زبردستی کوئی چیز لینا ہے۔ اور غاصب کا قول **انھا ماتت** جھوٹ وگناہ ہے مگر مالک کا قیمت کو وصول کرلینا رضامندی ہے۔ (ماینفع الناس ص ۱۳۲، حل قال لبعض الناس ص ۵۱)

الشق الثانی..... **باب کیف تعرف لقطة أهل مكة.....عن ابن عباس رضی الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال: لایعضد عضاهها، ولاینفر صیدها، ولاتحل لقطتها الالمنشد، ولایختلی خلاها، فقال ابن عباس: یارسول الله الاالاذخر، فقال: الا الاذخر.** (ص ۳۲۸۔ ج ۱۔ قدیمی)

اشرح کلا من "عضاهها" ولایختلی" و"خلاها" لغویًا۔ ترجم الحدیث المبارك و اشرحه۔ هل هذا الحدیث معارض لحدیث "نهی عن لقطة الحاج" فكیف التوفیق بینهما؟

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) الفاظ کی لغوی تحقیق (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) احادیث میں تطبیق۔

جواب..... ① الفاظ کی لغوی تحقیق:۔ "**خَلَاها**" صیغہ واحد بحث اسم بمعنی تر گھاس اور خشک گھاس کو حشیش کہا جاتا ہے۔

"**عِضَاهُها**" صیغہ جمع بحث اسم بمعنی ہر بڑا کانٹے دار درخت، اس کا مفرد **عِضَاهَةٌ** و **عِضَة** ہے۔

"**لَایُخْتَلٰی**" صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی مضارع مجہول از مصدر **اختلاء** (افتعال) بمعنی کاٹنا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ کاٹے جائیں اس کے درخت، اور نہ (بھگائے) جائیں اس کے شکار اور نہ اٹھائے وہاں کا لقطہ مگر وہی شخص جو اعلان کرنے والا ہو اور نہ کاٹی جائے اس کی

0313 6357913 maktabazakariya.multan@gmail.com

گھاس، پس ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **اذخر** کا استثناء فرمادیں! تو آپ ﷺ نے (اذخر کا استثناء کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ **الاالاذخر** یعنی اس کو کاٹا جاسکتا ہے۔ (**اذخر**! ایک خوشبودار گھاس ہے)

③ حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں مکہ (حرم) کے متعلق چند احکامات ارشاد فرمائے ہیں کہ یہاں کے چھوٹے بڑے درخت اور تر گھاس کو نہ کاٹا جائے اور وہاں کے شکار کو ڈرا دھمکا کر بھگایا نہ جائے اور اسکا لقطہ یعنی کوئی بھی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے مگر جس شخص کا لقطہ اٹھانے کا مقصد اس کی تشہیر کرنا ہو اور اعلان کرنا ہو وہ شخص حرم کا لقطہ اٹھاسکتا ہے۔

④ احادیث میں تطبیق:۔ دونوں قسم کی احادیث میں کوئی فرق نہیں ہے اسلئے کہ دونوں احادیث کا مآل ایک ہی ہے باقی آپ ﷺ نے خصوصیت کیساتھ حاجی کا لقطہ نہ اٹھانے کا حکم اسلئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بعض اوقات کوئی چیز ایک جگہ رکھ کر بھول جاتا ہے پھر جب بعد میں اسے یاد آئے گا تو وہ دوبارہ اس مکان کی طرف لوٹے گا اور جب وہاں اپنی چیز نہ پائے گا تو اس سے اس کو تکلیف ہوگی اسلئے خصوصیت کے ساتھ حاجی کا لقطہ اٹھانے سے منع فرمایا، البتہ اگر حاجی کا لقطہ بھی ضائع ہونے کا خوف واندیشہ ہو تو اس کا اٹھانا لازم ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل..... **باب مایجوز من الظن، عن عائشة قالت: قال النبی ﷺ و ماأظن فلانًا وفلانًا یعرفان من دیننا شیئًا۔ قال اللیث: کانا رجلین من المنافقین، حدثنا یحیی بن بکیر حدثنا اللیث بهذا، وقالت: دخل علی النبی ﷺ یومًاوقال: یاعائشة ماأظن أن فلانًا یعرفان دیننا الذی نحن علیه۔**

اذکر غرض المؤلف بالترجمة ۔ قالوا: الحدیث لایطابق الترجمة، لأن فی الترجمة اثبات الظن وفی الحدیث نفی الظن فما هوالجواب عنه؟ألیس هذا الحدیث یعارض قول اللّٰه تعالٰی: "اجتنبوا کثیرًا من الظن" فکیف التوفیق بینهما ۔ (ص۸۹۶۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ترجمۃ الباب کا اثبات (۳) آیت کریمہ وحدیث میں تطبیق۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باب سابقہ باب سے بمنزل استثناء کے ہے یعنی ماقبل میں مصنف رحمہ اللہ نے ظن کے عدمِ جواز کو بیان کیا تھا تو اب اس باب میں اس بات کو بیان فرمارہے ہیں کہ بعض ظن جس کی بنیاد واضح دلیل پر ہو وہ جائز ہے۔ (کشف الباری کتاب الآداب ص۴۶۴)

② ترجمۃ الباب کا اثبات:۔ سوال ہوتا ہے کہ بظاہر حدیث اور ترجمہ میں مطابقت نہیں ہے، اسلئے کہ ترجمۃ الباب میں ظن کا اثبات ہے اور حدیث میں ظن کی نفی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں ظن کی نفی نہیں ہے بلکہ منفی ظن کا اثبات ہے یعنی ظن کسی کام کے اثبات کے متعلق بھی ہوسکتا ہے اور کسی کام کی نفی کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تو اس حدیث میں منفی ظن کا اثبات ہے کہ میرے گمان میں فلاں فلاں شخص ہمارے دین کی کوئی بات بھی نہیں جانتے۔ (ایضاً)

③ آیت کریمہ وحدیث میں تطبیق:۔ سوال ہوتا ہے کہ بظاہر اس حدیث میں اور آیت کریمہ **اجتنبوا کثیرا من الظن** میں تعارض ہے اسلئے کہ آیت سے ظن کا عدمِ جواز اور گناہ ہونا معلوم ہورہا ہے اور حدیث سے ظن کا جواز معلوم ہورہا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ ظن کی دو صورتیں ہیں:

① وہ ظن جس کی بنیاد بالکل واضح دلیل اور قرینہ پر ہو یہ جائز ہے اور حدیث الباب میں اسی کا ذکر ہے۔

② وہ ظن اور بدگمانی جس پر کوئی قرینہ اور دلیل نہ ہو یہ ناجائز ہے اور آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی..... **باب ذبائح أهل الکتاب وشحومها من أهل الحرب وغیرهم۔ عن عبداللّٰه بن مغفل قال: کنا محاصرین قصر خیبر، فرمی انسان بجراب فیه شحم، فنزوت لآخذه، فالتفت، فاذا**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

النبی ﷺ، فاستحییت منه۔(ص۸۲۸۔ج۲۔قدیمی) اذکر غرض البخاری من ترجمة الباب ۔ اذکر مطابقة الحدیث بالترجمة بایضاح ۔ ماهی شروط حل ذبائح أهل الکتاب؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ترجمہ الباب اور حدیث میں مطابقت (۳)اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی شرائط۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ اور انکی چربی کا استعمال جائز ہے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

اھلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں توراۃ وانجیل میں سے کسی ایک پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ انکے عقائد ونظریات مشرکانہ ہیں۔(کشف الباری کتاب الذبائح ص۲۷۴)

② ترجمہ الباب اور حدیث میں مطابقت:۔ اس طویل حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو جرابِ مذکور سے انتفاع کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ اس سے نفع حاصل کرنا اور اسے استعمال کرنا جائز ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

③ اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی شرائط:۔ اہلِ کتاب کے ذبیحہ کے حلال وقابلِ استعمال ہونے کی تین شرائط ہیں: ① اھلِ کتاب اسلامی طریقہ سے ذبح کریں ② ذبح کرتے وقت حقیقۃً اللہ تعالیٰ کا نام لیں ③ ذبح کرنے والا واقعتاً اھلِ کتاب میں سے ہو ملحد یا دہریہ نہ ہو جیسا کہ آج کل اپنے آپ کو اھلِ کتاب کہلوانے والے اکثر بے دین اور ملحد لوگ ہیں۔ان میں سے بہت سے اللہ کے وجود کے بھی قائل نہیں ہیں، ایسے لوگوں کا ذبیحہ درست نہیں ہے۔(ایضاً)

﴿الورقة الرابعة:الصحیح للامام البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل .....باب من قال ان الایمان هو العمل، لقول الله تعالی: وتلك الجنة التی أورثتموها بما کنتم تعملون وقال عدة من أهل العلم فی قوله تعالی:"فوربك لنسألنهم أجمعین عما کانوا یعملون عن قول لااله الا الله" وقال: لمثل هذا فلیعمل العاملون، عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ سئل أی العمل أفضل؟ فقال: ایمان بالله ورسوله، قیل: ثم ماذا؟ قال: الجهاد فی سبیل الله، قیل: ثم ماذا؟قال حج مبرور۔

اذکر غرض البخاری من هذه الترجمة ۔ اذکر مناسبة الآیات بالترجمة ۔ کیف قدم الجهاد علی الحج مع أن الحج رکن من أرکان الاسلام، ووضح مناسبة الحدیث بالباب ۔(ص۸۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں(۱)ترجمہ الباب کی غرض (۲) آیات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۳) جہاد کو حج پر مقدم کرنے کی وجہ (۴) حدیث کی باب سے مناسبت۔

0313 6357913, maktabazakaria.multan@gmail.com

جواب ..... ① ترجمہ الباب کی غرض:۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے سلف سے ایک اشکال کو دور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سلف سے منقول ہے **الایمان قول وعمل**، اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ تو بالکل بداہت کے خلاف ہے، ایمان تو تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا اور بتلایا کہ سلفِ صالحین جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل کا نام ہے اس سے مراد وہ عملِ قلبی یعنی تصدیقِ باطنی لیتے ہیں لہٰذا ان کا قول بداہت کے خلاف نہیں ہے۔مگر ترجمۃ کی یہ غرض مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے ابوابِ سابقہ ولاحقہ کی تصریح کے خلاف ہے۔

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایمان محض علم اور معرفت کا نام نہیں کیونکہ یہ معرفت تو جحود کے ساتھ بھی جمع ہو جاتی ہے بلکہ ایمان عملِ قلب کا نام ہے یعنی دل سے تسلیم کرنا اور دل سے ماننا ہی ایمان ہے۔

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل میں چونکہ متعدد آیات میں عمل کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت پر دلالت

کرتا ہے تو اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دور کیا اور یہ بتلایا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور اعمال کا ایمان پر مغایرت کی غرض سے عطف نہیں کیا گیا۔ عام شراحِ کرام کی رائے یہ ہے کہ یہاں عمل عام ہے، چاہے عملِ جوارح ہو یا عملِ قلب ہو۔ گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمہ سے یہ بتانا ہے کہ عمل ایمان میں داخل ہے۔

نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جہمیہ کا بھی رد کر رہے ہیں جو صرف معرفت کو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ایمان کہتے ہیں۔ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایمان تو عمل ہی کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں جس معرفت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ اختیاری ہے، بغیر معرفتِ اختیاریہ کے اس پر عمل کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا لہٰذا جہمیہ کا خیال بھی غلط ہو گیا۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۵۲)

② آیات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ پہلی آیت **وتلك الجنة التي اورثتموها بما كنتم تعملون** میں فرمایا کہ ہم نے یہ جنت تمہیں عمل کی وجہ سے دی ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جنت ایمان کے بدلہ میں ملتی ہے پس معلوم ہوا کہ اس عمل سے مراد ایمان ہی ہے، اسلئے کہ اگر اعمال کی کثرت ہو مگر ایمان نہ ہو تو جنت نہیں ملتی لیکن اگر عمل نہ ہو صرف ایمان ہی ہو تو جنت ملتی ہے۔

الغرض معلوم ہوا کہ ایمان عمل ہی ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

دوسری آیت **فوربك لنسئلنّهم اجمعين، عما كانوا يعملون** کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں متعدد سلف نے **يعملون** کی تفسیر **لا اله الّا الله** سے کی ہے اور یہی ایمان ہے، پس معلوم ہوا کہ عمل ایمان ہی ہے۔

تیسری آیت **لمثل هٰذا فليعمل العاملون** میں **مثل هٰذا** سے مراد فوزِ عظیم ہے جس کا ماقبل میں ذکر ہے اور اس فوزِ عظیم سے مراد جنت ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ جنت کیلئے عمل کرو اور جنت کیلئے اصل عمل ایمان ہی ہے کیونکہ اسکے بغیر جنت حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں عمل کا اطلاق ایمان پر ہے۔ (ایضاً)

③ جہاد کو حج پر مقدم کرنے کی وجہ:۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرضیت کے اعتبار سے جہاد حج پر مقدم ہے اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حدیث میں جہاد کو مقدم ذکر کیا ہے۔ نیز ممکن ہے یہ اس وقت کا مسئلہ ہو جب کفار مسلمانوں پر حملہ کر دیں تو ہر شخص پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے اور حج پر مقدم ہو جاتا ہے۔ نیز جہاد کو مقدم کیا کہ اس کا نفع متعدی ہے جبکہ حج کا نفع لازم ہوتا ہے۔ (ایضاً)

④ حدیث کی باب سے مناسبت:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ **اى العمل افضل** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا **الايمان بالله ورسوله** کہ عمل ایمان باللہ ہی ہے، کوئی اور چیز نہیں اور یہی ترجمۃ الباب تھا۔

الشق الثانی.....**عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذااغتسل من الجنابة دعابشئ نحو الحلاب، فاخذ بكفه فبدأ بشق راسه الايمن ثم الايسر، فقال بهما على وسط رأسه۔** (ص ۳۹۔ ج ۱۔ قدیمی)

ترجم المؤلف "باب بدابالحلاب والطيب عند الغسل" فقد اشكل امر مطابقة هذه الترجمة لحديث الباب۔ اذكر خلاصة اقوال العلماء بهذاالصدر، ورجح الراجح منها۔ ترجم الحديث المبارك۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل دو امر ہیں (۱) ترجمۃ الباب اور حدیث کی تطبیق میں علماء کے اقوال (۲) حدیث کا ترجمہ۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب اور حدیث کی تطبیق میں علماء کے اقوال:۔ اوّل تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سارے ابواب معرکۃ الآراء ہیں مگر یہ باب ان معارک الآراء ابواب میں سے ہے جس میں شراح نے بڑی کوششیں کیں مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کیا غرض ہے۔ ایک جماعت تو پکار اٹھی **من ذاالذى يسلم من الغلط**، غلطی سے کوئی مبرا نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی غلطی میں پڑ گئے کہ حلاب کو طیب سمجھ لیا۔ غسل سے پہلے خوشبو کا کیا کام؟ جو لوگ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمنوا ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں حلاب بالحاء نہیں ہے بلکہ بالجیم ہے کاتب کی غلطی سے نقطہ نہیں لگا اسلئے وہ بالحلاب رہ گیا۔ ان لوگوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب کی خاطر حدیث میں تصرف کر دیا یہ بڑی جسارت ہے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے تھا۔ مگر محققین ان دونوں صورتوں سے الگ ہیں اور مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔

03136330913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلاب کے مشہور معنی دودھ کا برتن مراد نہیں ہے بلکہ یہ محلوب کے معنی میں ہے اور اس سے مراد وہ چیز ہے جو کسی چیز سے کھینچی گئی ہو یعنی عصارۃ البذور عرب کا دستور یہ تھا کہ وہ نہانے سے قبل خاص بذور کا عصارہ اپنے ابدان میں ملا کرتے تھے جیسا کہ خوشبو قبل الغسل استعمال کرتے تھے لہٰذا اب حلاب وطیب میں تنافر نہیں رہا اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں دودھ دوہا جائے اور جس پر برتن میں دودھ دوہا جاتا ہے اس میں چکنائی وغیرہ لگی ہوئی ہوتی ہے اور وہ چکنائی ساری خوشبو کی اصل ہوتی ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن ابتداء حلاب سے اس چکنائی کی طرف گیا اور چونکہ وہ ساری معطرات کی اصل ہے اسلئے اس سے طیب کی طرف گیا اس وجہ سے لفظ طیب بڑھا دیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الطیب سے ایک دوسری روایۃ کی طرف اشارہ فرمادیا جو **باب من تطیب ثم اغتسل وبقی اثر الطیب** میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی ازواج پر دور فرمارہے تھے اور ظاہر ہے کہ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا ہے تو یہاں پر خوشبو لگانے کے بعد غسل کرنا ثابت ہوگیا اور بدأۃ بالحلاب روایۃ الباب سے ثابت ہوگیا۔ لہٰذا ترجمہ کے دونوں جز ثابت ہوگئے اور مقصد یہ ہے کہ دونوں ہی جائز ہیں اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ حدیث میں آتا ہے **کان یغسل راسہ بالخطمی** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل سے قبل بعض چیزیں تطیب وتنظیف بدن کیلئے استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ بدأۃ بالحلاب اور الطیب میں تردد ذکر فرما کر اشارہ فرمادیا کہ پانی کے علاوہ اور کوئی چیز استعمال کرنا ثابت نہیں ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں دو چیزیں حلاب اور طیب ذکر فرمائی تھیں لیکن صرف روایۃ ایک کی یعنی حلاب کی ذکر فرمائی دوسرے کی نہیں ذکر کی۔

دعا بشیئ نحو الحلاب روایۃ بالکل واضح ہے حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹ کا دودھ دوہا جائے چونکہ اس وقت متعدد برتن ہر کام کیلئے مستقلاً نہیں ہوا کرتے تھے اسلئے اسی برتن میں دودھ نکال لیا اور اسی میں دوسرے وقت پانی لیکر غسل کرلیا۔ (تقریر ترمذی ۳:۸۱)

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسلِ جنابت کرنا چاہتے تو حلاب کی طرح ایک چیز منگواتے تھے پھر اپنے دائیں ہاتھ میں (پانی) لیتے تھے اور سر کے بائیں حصہ سے غسل کی ابتداء فرماتے تھے پھر بائیں حصہ کا غسل فرماتے تھے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے بیچ میں لگاتے تھے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل..... **باب ردّ النساء الجرحی والقتلی، عن الربیع بنت معوذ قالت: کنا نغزو مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنسقی القوم ونخدمهم ونرد الجرحی والقتلی الی المدینة۔** (ص۴۰۳۔ج۱۔قدیمی)

اذکر غرض البخاری من الترجمة۔ اذکر المعانی المحتملة لقولها "نرد الجرحی والقتلی الی المدینة"۔ هل یجوز للنساء سقی المجاهدین ومداواة جرحهم مع أنهن لسن محارم لهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) **نرد الجرحی والقتلی الی المدینة** کے معانی (۳) محارم نہ ہونے کے باوجود عورتوں کیلئے مجاہدین کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے کا حکم۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس ترجمۃ الباب سے غرض میدانِ جنگ میں عورتوں کے متعلق ایک خدمت یعنی میدانِ جنگ سے زخمی وشہداء کو منتقل کرنے کو بیان کرنا ہے اور حدیث سے واضح طور پر ترجمۃ الباب ثابت ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج۱ ص۵۱۷)

② **نرد الجرحی والقتلی الی المدینة** کے معانی:۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ونرد الجرحی والقتلی** میں دو احتمال ہیں۔ ① **قتلی** سے مراد حقیقی مقتولین وشہداء ہوں اور لفظ **قتلی** کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو ان کو لوٹانے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کی تدفین وغیرہ میں مشغولیت چونکہ قتال میں خلل پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اس لئے ان شہداء ومقتولین کو عورتیں میدانِ جنگ

0313 6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

سے مدینہ منورہ منتقل کررہی تھیں۔

لیکن اس معنی واحتمال پر اس روایت کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے کہ جس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور دارمی رحمہم اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کرنے سے منع فرمایا تھا اور انہیں ان کی جائے شہادت کی طرف لوٹانے کا حکم دیا تھا، جبکہ باب کی حدیث میں مذکورہ روایت کے برخلاف شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کرنے کا ذکر ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ **رد القتلی** سے ان کو معرکے سے انکی قبروں کی طرف منتقل کرنا مراد لیا جائے اور اسکی تائید شرح القسطلانی کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ "سفاقسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو یا تین شہداء کو کسی جانور پر رکھتے اور عورتیں انکو انکی قبروں کی طرف منتقل کرتیں"۔

باقی **الی المدینة** کے الفاظ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے بقول یہ الفاظ ابوذر کے نسخے میں نہیں ہیں اور اسکے جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ **الی المدینة** کے الفاظ کا تعلق جرحی سے ہے، نہ کہ قتلی سے اور اس توجیہ کی صورت میں معنی بالکل درست ہیں یعنی عورتیں زخمیوں کو مدینہ منورہ منتقل کررہی تھیں، نہ کہ شہداء کو۔ یا یہ کہا جائیگا کہ حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور فی الباب کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سے پہلے ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے سے قبل یہ عورتیں شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کررہی تھیں لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ شہداء کو انکی جائے شہادت ہی میں دفن کیا جائے۔ اس طرح سنن اور بخاری کی روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

② **قتلی** سے وہ زخمی مراد ہوں جو قریب الموت ہوں، رہے وہ زخمی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے زخم مندمل ہونے کا مستقبل قریب میں احتمال ہو، انکو میدانِ جنگ ہی میں باقی رہنے دیا گیا تھا تاکہ وہ صحت کے بعد دوبارہ قتال میں شریک ہوسکیں۔

لیکن اس احتمال پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر **قتلی** سے مراد زخمی ہیں تو پھر الگ سے **جرحی** کا ذکر کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں **جرحی** سے مراد وہ افراد ہیں جو قریب الموت نہ ہوں اور ان کے لوٹانے سے مراد ان کو خیموں میں منتقل کرنا ہو۔ (ایضاً ص ۵۱۸)

③ محارم نہ ہونے کے باوجود عورتوں کیلئے مجاہدین کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے کا حکم:۔ سوال ہوتا ہے کہ یہ کیسے جائز ہوگیا کہ عورتیں نامحرم مردوں کی مرہم پٹی کریں اس سے تو اجنبی مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم آتا ہے؟

شراح نے اس اعتراض کے دو جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔ ① یہ احتمال ہے کہ مذکورہ واقعہ نزولِ حجاب سے پہلے کا ہو، لہٰذا کوئی حرج نہیں ② علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ صحابیات دورانِ علاج مردوں کو چھوئے بغیر ان کا علاج کرتی ہوں، وہ اس طرح کہ دواء تو صحابیات تیار کریں اور متاثرہ حصے پر اس دواء کا استعمال اور کوئی شخص یا محرم عورت کرے۔ اس صورت میں بھی لمس نہیں پایا جائیگا۔

باب کی حدیث سے معلوم یہ ہوا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت اجنبی مرد یا اجنبی عورت ایک دوسرے کا علاج معالجہ کرسکتے ہیں لیکن یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ دورانِ علاج متاثرہ حصے سے نظر یا لمس وغیرہ میں تجاوز نہ کیا جائے، صرف متاثرہ حصے ہی کو دیکھے یا چھوئے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ علاج ضرورت ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ **الضرورات تبیح المحظورات**۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ۱:۵۱۶)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی..... **باب نظر المرأة الى الحبش ونحوهم من غير ريبة، عن عائشة قالت: رأيت النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **يسترنی بردائه وأنا أنظر الى الحبشة يلعبون فی المسجد حتى أكون أنا الذى أسأم، فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو**۔ (ص ۷۸۸۔ ج ۲۔ قدیمی)

اذكر غرض المؤلف بايراد هذه الترجمة ۔ اذكر مذاهب العلماء فی نظر المرأة الى الرجال الأجانب اذكر وجه التوفيق بين هذا الحديث وبين حديث أم سلمة وفيه ، "أفعمياوان أنتما ألستما تبصرانه"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) عورت کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال (۳) عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کی روایات میں تطبیق۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض یہ ہے کہ بغیر شہوت جہاں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں عورت کے لئے مردوں کو دیکھنا جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے جبکہ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۳۸۶)

② عورت کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال:۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اقوال ابھی گزر چکے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں **وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن الایۃ** کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عورتوں کا اپنے محرم کے سوا کسی اجنبی مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے بہت سے علماء کا یہ قول ہے اور انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث **افعمیا وان انتما** سے استدلال کیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بغیر شہوت کے نامحرم کو دیکھنے میں مضائقہ نہیں اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب سے استدلال کیا ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ کے حبشی نوجوان کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، اس کے بعد حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نظرِ شہوت حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا خلافِ اولیٰ ہے اس لئے اس سے بھی احتیاط کرنا اولیٰ واتقی ہے۔

③ عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کی روایات میں تطبیق:۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے کہ دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو مردوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حبشی نوجوانوں کو نیزہ بازی کرتے ہوئے دیکھتی تھی۔ علماء نے تطبیق کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ آیتِ حجاب کے نزول سے قبل تھا اور حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد پر محمول ہے ② یہ حکم خوفِ فتنہ علی المرأۃ پر محمول ہے یعنی حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حکم اس حالت کے ساتھ خاص ہے جب عورت پر فتنہ میں پڑنے کا خوف ہو اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حکم اس حالت پر محمول ہے جب فتنہ کا خوف نہ ہو ③ حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ورع اور تقویٰ پر محمول ہے اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا بیانِ جواز پر محمول ہے یعنی اصل تو یہ ہے کہ عورت کو مرد کی طرف بغیر شہوت کے دیکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے البتہ تقویٰ اور پرہیزگاری یہ ہے کہ اس سے بھی بچا جائے جیسا کہ حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل ..... **عن أبی ذر أنه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لایرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلك.** (ص ۸۹۳۔ ج ۲۔ قدیمی)

ترجم الحدیث المبارکه ترجمة واضحة ۔ اذکر أقوال الشراح والعلماء فی شرح قوله: "الا ارتدت علیه"

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) **الّا ارتدت علیہ** کی تشریح میں علماء کے اقوال۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شخص کسی پر فسق وکفر کا الزام نہ لگائے، اسلئے کہ اگر وہ اس کا اہل نہ ہوگا تو وہ فسق وکفر اس الزام لگانے والے کی طرف لوٹ آئیگا۔

② **الّا ارتدت علیہ** کی تشریح میں علماء کے اقوال:۔ ایک شخص نے دوسرے کو فاسق یا کافر کہا اور جس کو کہا ہے وہ حقیقت میں فاسق یا کافر ہے تو ایسی صورت میں کہنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا اگر اس نے خیر خواہی کے جذبے سے یا لوگوں کو اسکی حالت سے باخبر کرنے کیلئے یہ جملہ کہا ہے تو جائز ہے۔ لیکن اگر اسکا مقصد اس شخص پر طعنہ زنی اور بلاضرورت اس کے فسق یا کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ شریعت نے برائیوں کے اچھالنے کا نہیں، ستر اور چھپانے کا حکم دیا ہے۔

جس شخص کو فاسق یا کافر کہا ہے اور وہ حقیقت میں فاسق وکافر نہیں تو یہاں روایت میں فرمایا گیا کہ وہ کلمۂ تکفیر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، اس کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ① کہنے والے کی طرف لوٹ آنے کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ وہ خود کافر ہو جائے گا حالانکہ مسلمان کو کافر کہنے سے آدمی گناہگار تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، اسلئے اسکی ایک تو وہی مشہور

0313 6357913, maktabazakariyamultan@gmail.com

تاویل کی گئی کہ یہ حکم مستحل کیلئے ہے یعنی جو شخص مسلمان کو گالی دینا حلال اور جائز سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اسکے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن سیاق کلام سے اس مطلب کی تاکید نہیں ہوتی ② یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے، معنی حقیقی مراد نہیں ہے ③ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس جملے کا وبال اس پر آئے گا چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ علامہ قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں ''جس شخص کو کافر کہا گیا وہ اگر واقعتاً کافر ہے، پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا وہ اس کا مستحق ہے لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئے گا''۔ یہ اس حدیث کی سب سے اچھی توجیہ ہے۔

لعنت کے متعلق بھی اسی طرح کی ایک حدیث ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (کشف الباری کتاب الادب ص ۴۲۳)

الشق الثانی.....**باب جف القلم على علم الله.....حدثنا شعبة حدثنا يزيد الرشك قال: سمعت مطرف بن عبدالله بن الشخير يحدث عن عمران بن حصين قال: قال رجل يا رسول الله أيعرف أهل الجنة من أهل النار قال نعم قال: فلم يعمل العاملون، قال: كل يعمل لما خلق له أو لما يسرله.**

اشرح ترجمة الباب واذكر غرضها ۔ ترجم موجزًا ليزيد الرشك واذكر سبب تلقبه بالرشك ۔ من هو الرجل المبهم فى الحديث ۔ (ص ۹۷۶۔ج ۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی تشریح وغرض (۲) **یزید الرشك** کا تعارف اور لقب کی وجہ (۳) رجل مبہم کی تعیین۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی تشریح وغرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تقدیر کو دیکھ کر فارغ ہو چکے ہیں اور جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اس میں اب تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا اور علم اللہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکم کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مکمل علم ہے اور وہ اس کو اپنی ترتیب کے مطابق واقع کرے گا۔ (حاشیہ)

② **یزید الرشك** کا تعارف اور لقب کی وجہ:۔ انکا پورا نام یزید بن سنان ضبعی بصری ہے۔

غسانی کہتے ہیں کہ رشک فارسی میں کثیر اللحیہ یعنی بڑی داڑھی والے کو کہتے ہیں ان کی بھی بہت بڑی داڑھی تھی حتیٰ کہ اس میں ایک مرتبہ کوئی بچھو داخل ہو گیا تھا اور تین دن تک وہ اس میں رہا مگر ان کو اس کا علم نہ ہوا (حاشیہ)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رشک اہل بصرہ کی لغت میں بمعنی اختتام ہے اور تقسیم کرنے والے کو کہتے ہیں، اس زمانہ میں بصرہ ایران کے ماتحت تھا اور وہاں فارسی زبان بولی جاتی تھی اسلئے رشک غالباً فارسی لفظ ہے بمعنی قاسم وقسّام اور اسلامی حکومت میں قسّام ایک عہدہ تھا جو لوگوں کی جائیدادیں وغیرہ تقسیم کرتا تھا، چونکہ یزید رشک یہی کام کرتے تھے اسلئے ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا۔ (تحفۃ الالمعی ۳:۱۳۶)

③ رجل مبہم کی تعیین:۔ رجل سے مراد خود راوی حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخارى﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....**باب قول النبى ﷺ :رب مبلغ أوعى من سامع ۔ عن عبدالرحمن بن أبى بكرة، عن أبيه : ذكر النبى ﷺ قعد على بعيره وأمسك انسان بخطامه ..... أو بزمامه..... قال: أى يوم هذا؟ فسكتنا حتى ظننا أنه سيسميه سوى اسمه قال: أليس يوم النحر؟ قلنا: بلى، قال: فأى شهر هذا ؟ فسكتنا حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه فقال: أليس بذى الحجة ؟ قلنا : بلى، قال: فان دماء كم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا، فى بلدكم هذا، ليبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه۔** (ص ۱۶۔ج ۱۔قدیمی)

اذكر غرض البخاری من الترجمة وترجم الحديث ۔ من الذی كان قد أمسك بخطامه أو بزمامه؟ ورد فی هذا الحديث أن الصحابة سكتوا وورد فی كتاب الحج أنهم قالوا: الله ورسوله أعلم وكذلك ورد فی حديث لأبی بكرة أنهم قالوا: الله ورسوله أعلم وورد فی حديث ابن عباس أنهم قالوا : يوم حرام فما هووجه التوفيق بينهما؟ يورد ههنا اشكال بأن المشبه به يكون أقوى من المشبه، وأما ههناالمشبه أقوى من المشبه به، ثم اذكر وجه دفع هذا الاشكال۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)اونٹ کی نکیل یا مہار پکڑنے والے صحابی کا نام(۴)صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جواب کی روایات میں تطبیق(۵)مشبہ کے مشبہ بہ سے اقویٰ ہونے کی وضاحت۔

جواب ..... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حافظ قطب الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باب کا مقصد اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر حدیث پڑھانے والا غیر عارف وغیر محقق ہو لیکن جو کچھ وہ پڑھا رہے ہے وہ محفوظ ہو تو اسکی حدیث لی جاسکتی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بات پر رد مقصود ہے جو مشہور ہے کہ شاگرد استاذ سے علم میں کم تر ہی ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ اپنے سے کم تر سے بھی علم حاصل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض بلا واسطہ سننے والوں کے مقابلہ میں بالواسطہ سننے والے اوعیٰ یعنی احفظ وافہم ہوتے ہیں۔(کشف الباری کتاب العلم ج۳ص۲۲۰)

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے اور ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی نکیل یا مہار پکڑے ہوئے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کون سا دن ہے؟ پس ہم خاموش ہوگئے، حتیٰ کہ ہم یہ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم پھر خاموش رہے حتیٰ کہ ہم یہ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ ذی الحجہ نہیں ہیں؟ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارے خون، مال وآبروئیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔ یہ پیغام حاضر غائب تک پہنچادے اسلئے کہ ممکن ہے حاضر شخص کسی ایسے آدمی کو یہ پہنچادے جو اس بات کو پہنچانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا اور سمجھنے والا ہو۔

❸ اونٹ کی نکیل یا مہار پکڑنے والے صحابی کا نام:۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں اسلئے کہ نسائی شریف میں حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں **فرأيت بلا لا يقود بخطام راحلته**۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ تھے اسلئے کہ سنن کی روایت میں حضرت عمرو بن خارجہ فرماتے ہیں **كنت آخذا بزمام ناقة النبی** صلی اللہ علیہ وسلم۔

0313 6917913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ خود راوی حدیث حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ اسماعیلی کی روایت میں یہ تصریح ہے **خطب رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **علىٰ راحلته يوم النحر وامسكت اما قال بخطامها واما قال بزمامها**۔(ایضاً)

❹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جواب کی روایات میں تطبیق:۔ بظاہر روایات میں تعارض ہے اس لئے کہ روایتِ باب میں **سكتنا** جبکہ کتاب الحج میں **قلنا الله ورسوله اعلم** ہے اور کتاب الحج میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں **يوم حرام** کا جواب منقول ہے۔ پہلی دو روایات میں تطبیق یہ ہے کہ ممکن ہے بعض نے سکوت کیا ہو اور بعض نے **الله ورسوله اعلم** کہا ہو۔

نیز ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ پوچھنے پر سکوت کیا ہو اور دوسری مرتبہ پوچھنے پر **الله ورسوله اعلم** کہا ہو۔

یہ دونوں جواب احتمال محض ہیں، اصل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے **الله ورسوله اعلم** ہی کہا تھا، مگر راوی نے اختصاراً کہیں **فسكتنا ای فسكتنا عن الجواب** سے تعبیر کردیا اسلئے کہ **الله ورسوله اعلم** جواب نہیں ہے بلکہ یہ سکوت عن الجواب ہے۔

آخری دو روایات میں تطبیق یہ ہے کہ بعض نے **اللہ ورسولہ اعلم** اور بعض نے **یوم حرام** کہا تھا۔
نیز ممکن ہے آپ ﷺ نے دو مرتبہ پوچھا ہو، پہلی مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے **اللہ ورسولہ اعلم** اور دوسری مرتبہ **یوم حرام** کہا ہو۔
نیز ممکن ہے آپ ﷺ نے دو دن خطبہ دیا ہو، پہلے دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے **اللہ ورسولہ اعلم** اور دوسرے دن **یوم حرام** کہا ہو۔
چوتھا جواب جو اقرب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مفصل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مختصر و مجمل ہے۔
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جب **ای یوم ھٰذا** فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا **اللہ ورسولہ اعلم** پھر حضور ﷺ نے فرمایا **الیس یوم النحر؟** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواباً عرض کیا **بلٰی**، تو اسکا خلاصہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواباً **یوم حرام** کہہ دیا، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اصل مضمون پر نظر کرتے ہوئے اختصاراً یہ کہہ دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب میں **یوم حرام** کہہ دیا۔ (ایضاً)

⑤ مشبہ کے مشبہ بہ سے اقویٰ ہونے کی وضاحت:۔ سوال ہوتا ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے، یہاں مشبہ (حرمتِ دم وعرض ومال) مشبہ بہ (حرمتِ یوم وشہر وبلد) سے اقویٰ ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دوسری جہت سے یہاں مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہے، وہ ہے حرمت کی شہرت، ان لوگوں کے ذہنوں میں یوم وشہر وبلد کی حرمت زیادہ تھی اور یہ حرمت ان کے یہاں معروف ومشہور تھی جبکہ جان ومال وآبرو کی اہلِ جاہلیت کے یہاں کوئی قدر نہیں تھی کسی کو قتل کر دینا، کسی کا مال لوٹ لینا، کسی کی آبرو اور عزت کو تار تار کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، اس لئے حضور ﷺ نے ان کو بتلایا کہ جیسے تم یوم وشہر وبلد کو محترم سمجھتے ہو اور اس میں تعدّی سے اجتناب کرتے ہو اسی طرح یہ چیزیں بھی حرام اور لائقِ احترام ہیں، ان میں بھی تعدّی سے اجتناب کرو۔ (کشف الباری کتاب العلم ج۳ ص۲۳۱)

الشق الثانی..... **باب رفع العلم وظهور الجهل وقال ربيعة: لا ينبغي لأحد عنده شيئ من العلم أن يضيع نفسه، عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: ان من أشراط الساعة أن يرفع العلم ويثبت الجهل ويشرب الخمر ويظهر الزنا۔** (ص۱۸۔ج۱۔قدیمی)

وضح مراد البخاری بترجمة الباب واشرح قول ربيعة واذكر مناسبته بالباب۔ اشرح الحديث واذكر صورة رفع العلم هل هو بقبض العلماء أم بترع العلم من الصدور؟ مع دفع التعارض بين الأمرين۔ شرب الخمر والزنا كانا موجودين فی زمان النبوة أيضا، فكيف عُدّا من أشراط الساعة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی مراد (۲) ربیعہ کے قول کی مراد (۳) ربیعہ کے قول کی باب سے مناسبت (۴) رفعِ علم کی صورت اور رفعِ تعارض (۵) زنا وشربِ خمر کے علاماتِ قیامت میں سے ہونے کی وضاحت۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی مراد:۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد علم سیکھنے کی ترغیب دینا ہے، اسلئے کہ علم اسی وقت اُٹھے گا جب علماء چلے جائیں گے اور جب تک علماء باقی رہیں گے علم باقی رہے گا اور علم کا چلا جانا علاماتِ قیامت میں سے ہے لہٰذا آدمی کو اس سے بچنا چاہیے کیونکہ قیامت کا قیام ایسے وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کا ذکر دنیا میں نہیں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ناراض ہو جائیں گے۔
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤلف کی غرض تعلیم وتبلیغ ہے کیونکہ رفعِ علم اور ظہورِ جہل علاماتِ قیامت میں سے ہے جیسا کہ باب کے تحت مذکور دونوں حدیثوں میں بالتصریح موجود ہے اور اشراطِ ساعت کا انسداد اور ان سے احتراز ضروری ہے، سو رفعِ علم اور ظہورِ جہل کے انسداد اور اس سے احتراز کی یہی صورت ہے کہ تبلیغ واشاعتِ علم میں سعی کی جائے کیونکہ ظہورِ جہل کی یہی صورت ہوگی کہ اہلِ علم ختم ہو جائیں اور جُہّال باقی رہ جائیں اور اس کا تدارک بجز اشاعتِ علم اور کچھ نہیں۔ (کشف الباری کتاب العلم ۳:۴۳۴)
② ربیعہ کے قول کی مراد:۔ علامہ ابنِ بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اثر کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے اندر علم کی قابلیت اور اس کی فہم

0313 6579 3 makhabazakariyapuran@gmail.com

واستعداد ہوتو دوسروں کے مقابلہ میں اس کے ذمے طلبِ علم واشتغالِ علم زیادہ لازم ہے، لہٰذا اس کو طلبِ علم میں محنت کرنی چاہیے وگرنہ وہ خود کو ضائع کردے گا۔

③ ربیعہ کے قول کی باب سے مناسبت:۔ قول کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ شخص فہیم وذی استعداد ہونے کے باوجود طلبِ علم نہیں کرے گا تو یہ رفعِ علم کا موجب ہوگا جو اشراطِ ساعت میں سے ہے۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ربیعہ کے اس اثر کا مقصد نشرِ علم اور تبلیغ کی ترغیب دینا ہے کہ عالم اگر علم کو نہیں پھیلائے گا اور اس حال میں مرجائے گا تو رفعِ علم اور ظہورِ جہل کا موجب بنے گا۔

علامہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو اپنی تشہیر کرنی چاہیے تاکہ لوگ آکر استفادہ کرسکیں جب تک لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ فلاں آدمی کسی چیز کا عالم ہے، فلاں آدمی کو شریعت کے احکام کا علم ہے لوگ اس سے استفادہ کیسے کرینگے؟ ایسی صورت میں چونکہ استفادہ اور افادہ نہیں ہوسکے گا اسلئے گویا یہ اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے اور جب افادہ واستفادہ نہیں ہوگا تو رفعِ علم اور ظہورِ جہل ہوگا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کے لئے زیبا نہیں کہ وہ دنیا داروں کے یہاں آتا جاتا پھرے، اس کو اپنے علم کی تعظیم وتوقیر کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

یہ معنی اگرچہ فی نفسہٖ درست بلکہ بہت اچھا ہے لیکن بظاہر اسکی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ البتہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی مناسبت کی توجیہ یوں کی ہے کہ چونکہ اس کا آنا جانا دنیا داروں کی طرف کثرت سے رہے گا تو علمی وقار اور احترامِ اہلِ علم جاتا رہے گا، نتیجہ یہ کہ اسکا اشتغال بالعلم اور اہتمام آہستہ آہستہ بالکل ختم ہوجائیگا جو رفعِ علم اور ظہورِ جہل کا موجب ہوگا۔ (کشف الباری کتاب العلم ۳:۴۳۹)

④ رفعِ علم کی صورت اور رفعِ تعارض:۔ صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے اُٹھنے کی صورت یہ ہوگی کہ علماء اٹھتے چلے جائیں گے اور ان کے نائبین ان کے علم کے حاملین نہیں ہوں گے لہٰذا علم علماء کے ساتھ چلا جائے گا۔

لیکن بعض دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم براہِ راست سینوں سے اٹھالیا جائیگا، قرآن سینوں سے اُٹھالیا جائیگا۔

ان دونوں قسم کی روایات کے سلسلہ میں اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ صحیحین کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ یا دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دی جائے کہ دونوں صورتیں پیش آئیں گی، ابتداء میں تو علم یوں جائے گا کہ علماء اُٹھتے جائیں گے اور انکے علوم کے حاملین نہ رہیں گے، لہٰذا ان کا علم چلا جائے گا اور پھر اخیر میں یہ ہوگا کہ اجوافِ رجال اور اوراق سے بھی اس کو اٹھالیا جائے گا۔

تطبیق کی یہ صورت راجح ہے، اس صورت میں کسی حدیث کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (ایضاً)

⑤ زنا وشربِ خمر کے علاماتِ قیامت میں سے ہونے کی وضاحت:۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''شربِ خمر'' کو علاماتِ قیامت میں سے قرار دینا کیسے درست ہے حالانکہ نفسِ شرب تو ہر زمانے میں پائی جاتی رہی ہے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض افراد پر اس سلسلہ میں حد بھی جاری فرمائی؟ جوابات: ① یہ ہے کہ یہاں قیامت کی علامت صرف ''شربِ خمر'' کو قرار نہیں دیا گیا بلکہ شربِ خمر اور شیوعِ زنا وغیرہ کے مجموعہ کو علامت قرار دیا گیا ہے ② ویشرب الخمر سے کثرتِ شربِ خمر مراد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ویکثر شرب الخمر آیا ہے۔ اسی طرح یظهر الزنا سے بھی مطلق ظہور مراد نہیں بلکہ شیوع مراد ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں یفشو کا لفظ آیا ہے۔ (ایضاً)

0343 6247713 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل ..... باب الحنوط للميت عن ابن عباس قال: بينما رجل واقف مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعرفة، اذ وقع من راحلته، فأقصعته أو قال فأقعصته، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : اغسلوه بماء وسدر وكفنوه فی ثوبين ولا تحنطوه ولاتخمروا رأسه فانه يبعث يوم القيامة ملبيا ۔ (ص۱۶۹۔ج۱۔قدیمی)

اذكر غرض البخاری من الترجمة ووضّح اثباتها بحديث الباب ۔ حقق لغويا كلمتی "اقصعته و اقعصته" ۔ هل المحرم يعامل به معاملة عامة الموتى بعد الموت؟ أم له حكم خاص؟ اذكر مذاهب العلماء مع أدلتهم ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات (۳) **اقصعته، اقعصته** کی لغوی تحقیق (۴) محرم میت کے احرام کا حکم مع الدلائل۔

جواب ..... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض میت کے لئے حنوط وخوشبو کے استحباب کو بیان کرنا ہے اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ مستحب ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے لئے احرام کی وجہ سے حنوط سے منع کر دیا تھا، اس لئے جہاں احرام نہ ہوگا وہاں میت کے لئے خوشبو لگانا درست ہوگا۔ (نصر الباری ج۴ ص۴۵۶)

❷ حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات:۔ ابھی غرض کے ضمن میں معلوم ہو گیا کہ **لاتحنطوا** کے ذریعہ ترجمۃ الباب کا اثبات ہو رہا ہے اس لئے کہ منع کرنے کی علت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ یعنی احرام کو بیان کیا، پس ثابت ہوا کہ جب احرام نہ ہوگا اس وقت میت کو خوشبو لگانا جائز ہے۔

❸ **اقصعته، اقعصته** کی لغوی تحقیق:۔ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں بمعنی جلدی سے قتل کرنا۔ (حاشیہ)

❹ محرم میت کے احرام کا حکم مع الدلائل:۔ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور ظاہریہ رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ مرنے کے بعد بھی محرم کا احرام باقی رہتا ہے، چنانچہ جو شخص حالتِ احرام میں مر جائے تو اس کا سر ڈھانپنا اور اس کو خوشبو لگانا جائز نہیں کیونکہ حدیثِ باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر ڈھانپنے سے منع فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک موت سے احرام منقطع ہو جاتا ہے لہٰذا محرم اگر حالتِ احرام میں مر جائے تو اسکے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو حلال کے ساتھ کیا جاتا ہے چنانچہ اسے خوشبو لگانا اور اس کا سر ڈھانپنا جائز ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة الامن صدقة جارية او علم ينتفع به أوولد صالح يدعوله۔**

نیز انکی دلیل مؤطا امام مالک میں نافع کی روایت ہے **أن عبدالله بن عمر كفن ابنه واقدبن عبدالله ومات بالجحفة محرما، وقال لولا انا حرم لطيّبناه وخمرأسه ووجهه۔** ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی ہے **قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمروا وجوه موتاكم ولاتشبهوا باليهود" اخرجه الدارقطنى فى سننه بسند صالح**، اس روایت میں **وجوه موتاكم** کے الفاظ عام ہیں جو محرم وغیر محرم سب کو شامل ہیں۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے سو اس کی توجیہ حنفیہ و مالکیہ نے یہ کی ہے کہ یہ اس شخص کی خصوصیت تھی، اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ باب میں فرمایا **فانه يبعث يوم القيامة يهلّ او يلبّى۔** (درسِ ترمذی ج۳ ص۲۳۵)

الشق الثانی.....**بَابٌ إِذَا غَنَمَ الْمُشْرِكُونَ مَالَ الْمُسْلِمِ ثُمَّ وَجَدَهُ الْمُسْلِمُ ۔ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ اَنَّ عَبْدًا لِاِبْنِ عُمَرَ اَبَقَ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَرَدَّهٗ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ وَاَنَّ فَرَسًا لِاِبْنِ عُمَرَ عَارَ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِ فَرَدُّوْهُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ۔** (ص۴۳۱۔ ج۱۔ قدیمی)

شكل الحديث بالضبط وحقق كلمة "عار" لغويا وترجم الحديث المبارك الى الأردية ۔ هل استيلاء الكفار على أموال المسلمين يوجب تملكهم أم لا، اذكر هذه المسألة مع اختلاف العلماء وأدلتهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) **عار** کی لغوی تحقیق (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) کافروں کے دارالاسلام پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں کی املاک کے مالک بننے کا حکم۔

جواب ..... ❶ حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا۔**

❷ **عار** کی لغوی تحقیق:۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ "**عَيْرٌ**" سے مشتق ہے بمعنی حمارِ وحشی، اور **عَارَ** کا معنی **هَرَبَ** سے کیا ہے بمعنی بھاگنا وفرار ہونا۔ صاحبِ مختار الصحاح امام محمد بن ابوبکر رازی و امام خلیل رحمہما اللہ نے اس کا معنی "گھوڑے کا بدکنا اور اِدھر

اُدھر بھاگنا'' کیا ہے۔(کشف الباری کتاب الجہاد ج۲ص۵۶۹)

③ حدیث کا ترجمہ:۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ مجھے نافع رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا ایک غلام بھاگ کر روم چلا گیا تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دیا تھا، اور (اسی طرح) حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا گھوڑا بدک کر روم چلا گیا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑا تو مسلمانوں نے وہ گھوڑا حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دیا تھا۔

④ کافروں کے دارالاسلام پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں کی املاک کے مالک بننے کا حکم:۔ امام شافعی، ابوثور اور ابن منذر رحمہم اللہ کے نزدیک دارالاسلام پر غلبہ واستیلاء سے اہل اسلام کی املاک پر حربیوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا جب اہلِ اسلام دارالحرب پر حملہ کر کے ان املاک واموال کو دارالاسلام منتقل کریں تو جو مال جس کی ملکیت تھا وہ حسبِ سابق اس کی ملکیت میں رہے گا، ان اموال کا حکم مالِ غنیمت کا نہیں ہوگا۔

امام حسن، امام زہری اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمانوں کا چھینا گیا مال دارالحرب سے دارالاسلام منتقل ہونے کے بعد غانمین میں تقسیم کر دیا جائیگا یعنی دارالحرب پر حملہ آور ہونیوالے مجاہدین ہی اسکے مستحق ہونگے، پرانے مالک کا حق اس مال پر باقی نہیں رہے گا۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ مسلمانوں کے غلبہ واستیلاء سے جس طرح اہلِ شرک کا مال مسلمانوں کے لئے غنیمت بن جاتا ہے، اسی طرح متذکرہ مال بھی، جس پر اہلِ عرب کا غلبہ اور استیلاء ہو جائے وہ ان کی ملک ہو جاتا ہے لہٰذا مسلمانوں کے غالب آنے پر وہ بطورِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

جمہور فقہاء امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اہلِ حرب دارالاسلام پر حملہ آور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے اموال کے مالک بن جائیں گے۔ لیکن جب دارالحرب پر حملہ کر کے اہلِ اسلام اپنے اموال چھین کر دارالاسلام منتقل کر دیں تو ان حضرات کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔

اگر پرانے مالک نے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اپنا متعین مال پالیا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی، جبکہ غنائم کی تقسیم کے بعد، اپنے مال پر پرانے مالک کی ملکیت باقی نہیں رہے گی بلکہ وہ غانمین کی ملکیت ہوگی۔

البتہ ان حضرات کے نزدیک غنائم کی تقسیم کے بعد اگر پرانے مالک نے اپنا مال پالیا اور اس کی خواہش ہے کہ غانم کو قیمت کے عوض اس کا مال مل جائے تو پھر غانم کے مقابلہ میں اس کا زیادہ استحقاق ہے کہ قیمت کی ادائیگی کی صورت میں اسے وہ مال دے دیا جائے۔

اس صورت میں شریعت نے اصل مالک اور غانم دونوں کے مفاد کی رعایت ملحوظ رکھی ہے، چونکہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد پرانے مالک کی ملکیت اس کے مال پر باقی نہیں رہتی اور اس پر غنائم کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے اس لئے اگرچہ پرانا مالک اپنا مال بلاعوض لیتا تو غانم نقصان میں رہتا۔ اس بناء پر اپنا مال حاصل کرنے کے لئے پرانے مالک پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم قرار دی گئی تاکہ اپنا مال لے کر مالکِ قدیم بھی فائدہ میں رہے اور غانم کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح، قاسم اور عروہ رحمہم اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

امام شافعی، ابوثور اور ابن منذر رحمہم اللہ کا استدلال احادیث باب سے ہے، جن میں تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کا گھوڑا اور غلام جو دارالحرب بھاگ نکلے تھے، واپس کر دیئے گئے تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ احادیث باب خود ان حضرات کے خلاف جمہور فقہاء کیلئے حجت ہیں، اسلئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ترجمۃ الباب والی روایات میں اجمال ہے، چنانچہ موطا امام مالک میں اسی روایت کے آخر میں یہ تصریح بھی ہے **وذلك قبل ان يقاسم** یعنی مجاہدین اسلام دارالحرب سے جو گھوڑا اور غلام چھین کر دارالاسلام لائے تھے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے واپس کر دیئے گئے تھے۔ یہی روایت **عن رشيدين عن يونس عن الزهرى عن سالم عن ابيه** کے طریق سے سنن دارقطنی میں بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ ''مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے جس نے اپنا مال پالیا وہ مال (بلاعوض) اس کی

0313 6557913 makabazakariyamultan@gmail.com

ملکیت ہے، لیکن غنیمت کی تقسیم کے بعد پانے کی صورت میں اسے کچھ بھی لینے کا حق نہیں''۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد ملکیت باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عوض کی ادائیگی کے بغیر تو اپنے مال کا مالک نہیں رہے گا لیکن عوض اور قیمت ادا کرنے کے بعد غانم کے مقابلہ میں اپنے مال پر اس کا زیادہ حق ہوگا۔اس کی تائید رسول کریم ﷺ کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو آثار سے ہوتی ہے، جو آگے جمہور کے دلائل کے تحت آرہے ہیں۔

جمہور کے دلائل: امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا استدلال ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ پالیا جسے مشرکین نے چھینا تھا(اور بعد میں مسلمانوں نے دارالحرب پر حملہ کرکے اسے مالِ غنیمت میں دوبارہ دارالاسلام لائے) تو رسول اللہ ﷺ نے اسے مخاطب کرکے فرمایا''اگر یہ اونٹ تم نے مالِ غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے پایا ہوتو یہ تمہارا ہی ہے، اگر مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد پایا ہوتو پھر تم قیمت دے کر ہی لے سکتے ہو''۔(کشف الباری کتاب الجہاد۴:۵۷۲)

﴿السوال الثالث﴾ ۱٤۳٤ھ

الشق الاوّل.....حَدَّثَنِی اَبُوْهُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًی وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ تَقُوْلُ الْمَرْاَةُ اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِی وَاِمَّا اَنْ تُطَلِّقَنِی وَ یَقُوْلُ الْعَبْدُ اَطْعِمْنِی وَاسْتَعْمَلْنِیْ وَیَقُوْلُ الْاِبْنُ اَطْعِمْنِی اِلٰی مَنْ تَدَعُنِیْ؟ فَقَالُوْا: یَااَبَا هُرَیْرَةَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ: لَا، هٰذَا مِنْ كِیْسِ اَبِی هُرَیْرَةَ ۔(ص۸۰۶۔ج۲۔قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه ۔ واذکر أليس هذا من الحديث المرفوع؟ فكيف قال أبو هريرة : لا، هذا من كيس أبي هريرة ۔ اشرح الحديث فاذكر معنى قوله: أفضل الصدقة ماترك غنى وقوله: وابدأ بمن تعول و قوله: تقول المرأة..... الخ ۔ حال من تراعى فى النفقة الزوج أم الزوجة؟ اذكر باختلاف العلماء وأدلتهم ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں(۱)حدیث پر اعراب(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)حدیث کے مرفوع یا قولِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہونے کی وضاحت(۴)حدیث کی تشریح(۵)نان نفقہ میں زوجین میں سے معتبر میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب.....① حدیث پر اعراب:۔**کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ افضل صدقہ وہ ہے جو مالداری کو چھوڑے اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرنے میں ابتداء اہل وعیال سے کرو۔ بیوی کہے گی کہ مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو اور غلام کہے گا کہ مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو اور بیٹا کہے گا کہ مجھے کھانا کھلاؤ، مجھے کس کے حوالہ چھوڑتے ہو، لوگوں نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کلام وتشریح رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سمجھ سے ہے۔

③ حدیث کے مرفوع یا قولِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہونے کی وضاحت:۔① **تقول المرأة** سے آخر تک حدیثِ مرفوع نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، جس میں انہوں نے **من تعول** کی تشریح کی ہے چنانچہ نسائی میں اس کی تصریح ہے **فسئل ابوهريرة من تعول يا اباهريرة** یعنی ان سے پوچھا گیا کہ **من تعول** کا مصداق کون ہے؟ تو انہوں نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا(کشف الباری)

② علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کوکب الدری کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آخری جملہ **لاهذا من كيس ابی هريرة** سائلین کے سوال کے انکار میں کہا کہ اگر یہ حضور ﷺ کا کلام نہیں ہے تو کیا یہ میں نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔(نصر الباری)

④ حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو کچھ نہ کچھ مالداری کو چھوڑ دے یعنی اس کی وجہ سے آدمی بالکل مفلس بن کر نہ رہ جائے بلکہ کسی قدر مالداری قائم رہے، یہ صدقہ کی بہترین شکل ہے، آدمی سارے مال کا اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے، یہ پہلی صورت کی بہ نسبت غیر افضل ہے کیونکہ اس میں خدشہ ہوتا ہے کہ آدمی فقیر

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہوکر کہیں مانگنے پر مجبور نہ ہوجائے، اس طرح اس صورت میں بعض واجب حقوق کی ادائیگی بھی متاثر ہوسکتی ہے۔ آگے فرمایا **الید العلیا خیر من الید السفلی**، اس میں **ید علیا** سے دینے والا ہاتھ اور **ید سفلی** سے لینے اور مانگنے والا ہاتھ مراد ہے، ظاہر ہے کہ دینا..... لینے اور مانگنے سے بہتر ہے۔ **"وابدأ بمن تعول"** خرچ کرنے میں ابتداء اہل وعیال سے کرنی چاہیے، اس جملہ میں اسی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ان پر خرچ کرنا واجب ہے اور واجب کی ادائیگی نفل پر مقدم ہوتی ہے۔

"من تعول" میں بیوی اور نابالغ اولاد تو بالاتفاق داخل ہیں، البتہ بالغ ہونے کے بعد اولاد کے نفقہ میں اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک اولاد کا نفقہ مطلقاً باپ کے ذمہ واجب ہے، چاہے بالغ ہو یا نابالغ، لیکن جمہور کے نزدیک لڑکے کے بالغ ہونے اور لڑکی کے شادی شدہ ہوجانے کے بعد باپ کے ذمہ ان کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔ (کشف الباری کتاب النفقات ص ۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام **تقول المرأة الخ** کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا نان ونفقہ تم پر لازم ہے پہلے ان پر خرچ کرو، اگر تم ان پر خرچ نہیں کروگے تو بیوی کہے گی کہ مجھے گھر میں رکھنا ہے تو نان ونفقہ دو ورنہ مجھے طلاق دو، غلام کہے گا کہ مجھ سے کام لینا ہے تو کھانا دو، اگر کھانا نہیں دینا تو مجھ سے کام بھی نہ لو اور بچہ کہے گا کہ مجھے کھانا دو، مجھے کس کے حوالہ کررہے ہو، کس کے لئے چھوڑ رہے ہو، مجھے تم کھانا دو۔

⑤ نان نفقہ میں زوجین میں سے معتبر میں اختلاف مع الدلائل:۔ نفقہ کے واجب ہونے کے بعد کس کی حالت کا اعتبار ہوگا، شوہر کی حالت کا یا بیوی کی حالت کا؟ اس میں تین اقوال ہیں: ① امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا، شوہر اگر مالدار ہے تو نفقۂ اغنیاء واجب ہوگا، اگر تنگدست ہے تو نفقۂ فقراء واجب ہوگا۔ صاحبِ ہدایہ نے حنفیہ میں سے امام کرخی رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "اعلاء السنن" میں اسی قول کو حنفیہ کی ظاہر الروایت کہا ہے۔

اس مسلک کی پہلی دلیل **لینفق ذوسعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لايكلف الله نفسا الا ما آتاها** ہے اس آیت کریمہ میں مرد کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے کہ وہ اپنی وسعت اور استطاعت کے مطابق خرچ کرے۔

دوسری دلیل حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو امام ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم اور ابن حبان رحمہم اللہ نے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں **اتيت رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **فقلت: ماتقول فی نسائنا؟ قال: اطعموهن مماتأكلون واكسوهن مما تكسون ولا تضربوهن ولاتقبحوهن**۔ اس حدیث میں مردوں کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

② امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسلک اوّل کے برعکس نفقہ میں عورت کی حالت کا اعتبار ہوگا، بیوی اگر مالدار ہے تو نفقۂ اغنیاء اور تنگدست ہے تو نفقۂ فقراء واجب ہوگا، ابن قدامہ نے **المغنی** میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول لکھا ہے۔

ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے **وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف**۔ اس میں **معروف** سے مراد کفایت ہے یعنی بیوی کی حالت کے اعتبار سے وہ نفقہ اس کے لئے کفایت کرجائے۔

دوسری دلیل حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا **خذی مايكفيك وولدك بالمعروف**، اس میں شوہر کی حالت کا اعتبار کرنے کی بجائے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کیلئے کفایت کرجانے کو پیش نظر رکھا ہے۔

0312 6255912 maktabazakariya.multan@gmail.com

③ حضرات حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا۔ درمختار میں ہے کہ یہی حضرات حنفیہ کا مفتی بہ قول ہے، یعنی اگر دونوں مالدار ہیں تو نفقۂ اغنیاء، دونوں تنگدست ہیں تو نفقۂ فقراء اور اگر بیوی تنگدست ہے تو اس کا نفقہ اغنیاء کے نفقہ سے کم اور فقراء کے نفقہ سے زیادہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ **لينفق ذو سعة من سعته** میں شوہر کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے جبکہ **وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف** میں عورت کی حالت کا اعتبار کیا گیا تو میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کرکے دونوں آیتوں پر عمل ممکن ہوسکے گا چنانچہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں **ولنا فيما ذكرنا ه جمعا بين الدليلين وعملا بكلا النصين ورعاية لكلا الجانبين فيكون اولى**۔ (کشف الباری کتاب النفقات ص ۳۶)

الشق الثانی..... **باب مايذكر في الشيب ۔ عن عثمان بن عبدالله بن موهب قال: أرسلني أهلي الى أم**

سلمة بقدح من ماء ..... وقبض اسرائيل ثلاث أصابع ..... من فضة فيه شعر من شعر النبي ﷺ، وكان اذا أصاب الانسان عين أو شيئ بعث اليها مخضبه، فاطلعت فى الجلبل، فرأيت شعرات حمرا۔

اذكر غرض البخارى من ترجمة الباب ۔اشرح الحديث۔ ما معنى قوله: "وقبض اسرائيل ثلاث أصابع"۔ حقق كلمة "فضة" هل هى بالفاء والضاد المعجمة أم هى بالقاف والصاد المهملة ؟ وعلى كلتا الصورتين وضح العبارة بكاملها بحيث لاتبقى خافية فى معناها۔(ص۸۷۵۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور مطلوب ہیں: ① ترجمۃ الباب کی غرض ② حدیث کی تشریح ③ وقبض اسرائیل ثلاث اصابع کا معنی ④ فضۃ یا قصۃ کی تحقیق اور عبارت کی توضیح۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ شارحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض سفید بالوں کو خضاب لگانے کا حکم بیان کرنا ہے، مگر یہ غرض درست معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ مابعد میں خضاب کے متعلق مستقل باب آرہا ہے۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد شیب (بڑھاپہ وسفید بال) کی فضیلت وسفید بالوں کو اکھاڑنے سے ممانعت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔(کشف الباری کتاب اللباس:۲۵۱)

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس اثر کی اصل عبارت اَرْسَلَنِیْ اَھْلِیْ اِلٰی اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ مِنْ قُصَّةٍ فِیْهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِیِّ ﷺ درمیان میں وَقَبَضَ اِسْرَائِیْلُ ثَلَاثَ اَصَابِعِ جملہ معترضہ ہے۔ مفہوم حدیث یہ ہے: عثمان بن عبداللہ بن موہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی ﷺ کے موئے مبارک تھے، جب کسی کو نظر بد لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہؓ کے پاس کسی برتن میں پانی بھیج دیتا، ام المؤمنین اس میں وہ بال مبارک ڈال کر نکال لیتی، اس پانی کے استعمال سے مریض کو شفاء مل جاتی۔ چنانچہ مجھے میرے گھر والوں نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ دے کر بھیجا کہ ام المؤمنین سے اس پانی میں نبی ﷺ کے موئے مبارک ڈلوا کر لاؤ۔

③ وقبض اسرائيل ثلاث اصابع کا معنی:۔ یہ جملہ معترضہ ہے کہ اسرائیل بن یونس نے حدیث سمجھانے کے لئے تین انگلیوں سے اشارہ کیا۔ یہ کیا اشارہ تھا؟ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے عثمان کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تین مرتبہ جانے کی طرف اشارہ مقصود ہے کیونکہ انگلیوں سے عدد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے پانی کے اس پیالہ کے چھوٹا ہونے کی طرف اشارہ تھا کہ وہ پیالہ اس قدر چھوٹا تھا۔(ایضاً)

④ فضۃ یا قصۃ کی تحقیق اور عبارت کی توضیح:۔ اس کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں قُصَّةٌ (قاف وصاد کے ساتھ) اس کا معنی بالوں کا گچھا ہے۔ عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے گھر والوں نے مجھے پانی کا پیالہ دے کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا بالوں کے گچھے کی وجہ سے تاکہ اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کے بال ڈال دیئے جائیں کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک ڈبیہ میں حضور ﷺ کے بال محفوظ تھے، کسی کو نظر لگتی یا کوئی بیمار ہوتا تو وہ پانی بھیجتا، آپ ﷺ کے بال اس میں ڈال دیئے جاتے، لوگ اس کو استعمال کرتے تو ان کی برکت سے شفاء یاب ہوجاتے۔

فِضَّةٌ (فاء وضاد کے ساتھ) یہ قدح کی صفت ہے بمعنی چاندی کا پیالہ۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ میرے گھر والوں نے مجھے چاندی کا بنا ہوا پانی کا پیالہ دے کر بھیجا جس میں رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک تھے، یہ پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ عثمان بن وہب کے گھر والے اسے لے گئے تھے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کیلئے دیکر بھیجا تھا۔(ایضاً)

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخارى﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....بَابٌ اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلَی اللّٰهِ اَدْوَمُهٗ: عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ عَلَیْهَا وَعِنْدَهَا اِمْرَاَةٌ،

قَالَ: مَنْ هٰذِهٖ؟ قَالَتْ: فُلَانَةُ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا، قَالَ: مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا، وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ ۔(ص۱۱۔ج۱۔قدیمی)

اذكر غرض البخاری من ترجمة الباب وشكل الحديث بالضبط وترجمه ۔ اشرح الحديث واذكر من هی هذه المرأة المبهمة فی الحديث؟ وما معنی قوله: "لايمل اللّٰه حتی تملوا"؟ اذكر أقوال العلماء فی ذلك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حدیث کی تشریح (۵) امرأۃ مبہمہ کی تعیین (۶) **لایمل اللّٰہ حتی تملوا** کے معنی میں اقوال۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ ایمان کا اطلاق عمل پر درست ہے کیونکہ ترجمہ قائم فرمایا ہے **احب الدين الى اللّٰه ادومه** دین عمل کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس میں مداومت کی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال دین میں داخل ہیں اور مصنف کے نزدیک ایمان، اسلام اور دین کا اطلاق ایک ہی حقیقت پر ہوتا ہے، تو جب اعمال کا دین میں سے ہونا ثابت ہو گیا تو اسلام و ایمان میں داخل ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب سے مصنف کا مقصود مرجئہ کی تردید ہے کہ تم کہتے ہو کہ اعمال کا ایمان اور دین سے کوئی تعلق نہیں جبکہ یہاں عمل کو "دین" کہا گیا اور اس پر مداومت کی ترغیب دی گئی ہے۔ (کشف الباری ج۲ص۴۳۰)

② حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فی السوال آنفا۔**

③ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ انکے پاس ایک عورت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ فلاں عورت ہے اور وہ ان کی نماز کا تذکرہ کرنے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس کرو، جن اعمال پر مداومت کی طاقت ہو انہی کو لازم پکڑو۔ قسم بخدا! اللہ تعالیٰ اس وقت تک ثواب کو قطع نہیں کرتے جب تک تم خود اُکتا نہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر عمل کرنیوالا مداومت و مواظبت اختیار کرے۔

④ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں اس کا تعارف کرتے ہوئے اسکی نماز کے انہماک وغیرہ کا بھی تذکرہ کیا یا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ وہی عورت ہے جس کی نماز کا بڑا چرچا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "رُک جاؤ" یعنی اس کی تعریف نہ کرو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا ہو کہ جس کام کی تمہارے اندر طاقت نہ ہو اس سے رُک جاؤ، پھر فرمایا قسم بخدا! اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکتے مگر تم لوگ ہی اعمال سے تھک کر ان کو چھوڑ دیتے ہو اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ و محبوب عمل وہ ہے جو دائمی و ہمیشگی کے طور پر کیا جائے۔

⑤ امرأۃ مبہمہ کی تعیین:۔ اس روایت کو کتاب التہجد میں امام بخاری رحمہ اللہ نے **كانت عندی امرأة من بنی اسد** کے الفاظ سے نقل کیا ہے جبکہ مسلم کی روایت میں نام کی تصریح بھی ہے کہ میں نے کہا کہ یہ خاتون حولاء بنت تویت ہیں، ان کا تعلق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ سے ہے۔ (کشف الباری کتاب الایمان ج۲ص۴۴۱)

⑥ **لايمل اللّٰه حتی تملوا** کے معنی میں اقوال:۔ اللہ تعالیٰ ثواب کو اس وقت تک قطع نہیں فرماتے جب تک تم اُکتا کر عمل چھوڑ نہ دو۔ "مَلَّ يَمَلُّ" باب سمع سے ہے، ملال کہتے ہیں کسی چیز کو پسند کرنے اور رغبت رکھنے کے بعد نفس کا اس سے متنفر ہونا اور اسے گراں سمجھنا۔ یہ انسانوں میں ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ ایک انفعالی کیفیت ہے لیکن بالاتفاق اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کیفیت یا صفت محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انفعالات سے پاک ہیں۔

اب یہاں جو اللہ تعالیٰ کے لئے "ملال" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے بارے میں امام اسماعیلی، امام ابن عبدالبر اور محققین

کا کہنا یہ ہے کہ مشاکلت وازدواج کے طور پر یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے ''ملال'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** یعنی برائی کا بدلہ اسی کی طرح برائی ہے، یہاں سیئہ کا اطلاق حقیقتاً نہیں بلکہ مشاکلۃً کیا گیا ہے کیونکہ سیئہ کا بدلہ سیئہ نہیں، اس لئے کہ بدلہ کے طور جو برائی کی جائے وہ حقیقتاً نہیں محض صورۃً برائی ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے ''ملال'' سے قطع الثواب مراد ہے، قطعِ ثواب کو اللہ کے ''ملال'' سے تعبیر کر دیا گیا کہ بندہ ملال کی وجہ سے عمل قطع کر دیتا ہے، اس پر ثواب کا انقطاع مرتب ہوتا ہے، اسلئے کہ ملال قطعِ عمل کا سبب ہے اور قطعِ عمل قطعِ ثواب کا سبب ہے، اس لئے قطعِ ثواب پر ملال کا اطلاق کر دیا گیا۔ علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی میں **لایتناهی حقه علیکم فی الطاعة حتّٰی یتناهی جهدکم** یعنی جب تک تمہاری استطاعت باقی ہے اس وقت تک اس کا حق تمہارے اوپر رہے گا۔

یہ تمام تاویلات اس صورت میں ہیں جب **حتی** اپنے اصل معنی یعنی انتہائے غایت کے لئے ہو جبکہ بعض حضرات نے اس کو انتہائے غایت کے معنی میں نہیں لیا۔ چنانچہ کچھ حضرات نے **لایمل اللّٰه حتّٰی تملوا** کے معنی کئے ہیں **لایمل اللّٰه اذا مللتم** یعنی تم اُکتا بھی جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ کو ''ملال'' نہیں ہوگا۔

علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **حتّٰی** یہاں ''واؤ'' کے معنی میں ہے لہٰذا **لا یمل اللّٰه حتیٰ تملوا** کے معنی ہوں گے **لایمل اللّٰه وتملون**۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ سے ملال کی نفی کر دی گئی اور لوگوں کے لئے اس کو ثابت کیا گیا ہے۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس قسم کے الفاظ متعارفہ میں سے ہے کہ ان کی مراد کو انہی الفاظ کے بغیر سمجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں، وجہ یہ ہے کہ عقائدِ الٰہی کی تعبیر کے لئے ہمارے پاس بالکل متعین الفاظ نہیں کیونکہ ہمارے الفاظ کا دامن بہت تنگ ہے اس لئے ہم جب ان عقائد کی تعبیر کرتے ہیں تو اس کے لئے وہی الفاظ لاتے ہیں جو ہم اپنے عرف میں استعمال کرتے ہیں۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے تمام متشابہات میں یہی مذہب اختیار کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الایمان ج۲ ص۴۴۴)

الشق الثانی..... **بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ. فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِيْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ قَالَ: نَعَمْ! تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا؟** (ص۲۴ـ ج۱ـ قدیمی) **اذکر غرض البخاری من ترجمة الباب۔ شکل الحدیث ثم ترجمه إلی الأردیة۔ اشرح الحدیث واذکر من التی تعجبت وأنکرت: أهی أمُّ سلمة، أم عائشة؟ واذکر سبب تعجبها وإنکارها۔ اذکر سبب شبه الولد وسبب کونه مذکورا أو مؤنثا، فی ضوء ماورد فی الحدیث۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حدیث کی تشریح (۵) تعجب وانکار کرنے والی زوجہ کی تعیین اور وجہ (۶) شبہِ ولد اور تذکیر وتانیث کا سبب۔

جواب..... **(۱)** ترجمۃ الباب کی غرض:۔ عام شارحین حافظ ابنِ حجر، علامہ سندھی، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حیاء فی العلم کی مذمت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ علم میں حیاء کرنا علم سے محرومی کا سبب ہے۔

چنانچہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اثر، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ اسی پر دال ہیں۔

جبکہ ابنِ بطال، علامہ کرمانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ عینی اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ بعض مواقع پر حیاء کرنا مذموم ہے اور ترکِ حیاء محمود ہے اور بعض مواقع پر حیاء کرنا محمود اور ترکِ حیاء مذموم ہے۔

جہاں استعمالِ حیاء مطلوب ومحمود ہو اس کے اثبات کے لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا وابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں اور جہاں ترکِ حیاء مطلوب ومقصود ہو اس کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ومجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے آثار کا ذکر کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کو مطلق رکھا، استحباب وعدمِ استحباب کچھ ذکر نہیں کیا، مگر

0313 6279913 maktabazakariamultan@gmail.com

بظاہر عدمِ استحباب معلوم ہوتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ **ان اللہ لایستحیی من الحق** سراسر حق ومسلّم ہے مگر مؤلف کا مقصود یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بوجہِ حیاء علم وتفقہ سے محروم نہ رہ جائے یہ مطلب نہیں کہ حیاء نہ کرے اور تعلم وتفقہ کے وقت حیاء کو پاس ہی نہ آنے دے جو کچھ کہنا ہو بے تأمل کہے۔ الغرض ترجمۃ الباب میں دو باتیں ملحوظ ہیں ① اصل یہ ہے کہ بوجہِ حیاء علم وتعلم سے محروم نہ رہے ② تعلیم وتعلم میں بھی حتی الوسع حیاء کرنا مستحسن ہے یعنی مواقع حیاء میں یہ تو ہرگز نہ کرے کہ علم ہی سے محروم رہ جائے مگر محرومی سے بچ کر جس قدر حیاء کر سکے مستحسن ہے، اسلئے کہ **الحیاء من الایمان، الحیاء خیرکلہ**۔(کشف الباری کتاب العلم ۵۹۹:۴)

② حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

③ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سُلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے حیاء نہیں کرتے، کیا عورت پر غسل لازم ہے جب اسے احتلام ہو جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! جب وہ پانی (منی) کو دیکھ لے۔ پس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں، تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو پس اس کی اولاد کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتی ہے؟۔

④ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے سوال سے قبل بطورِ تمہید عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بات کو ضرور بیان کرتے ہیں اور اس کو چھوڑتے نہیں ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے سلسلہ میں نہ حیاء کا حکم دیتے ہیں اور نہ اسکی اجازت دیتے ہیں، چونکہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے سوال کا تعلق ان مسائل سے تھا جن کے متعلق کچھ پوچھنے سے عموماً عورتیں شرم محسوس کرتی ہیں اسلئے انہوں نے یہ تمہید قائم کی تھی، پھر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی عورت خواب میں جماع کرے تو کیا اس پر غسل لازم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی غسل لازم ہے بشرطیکہ یقینی طور پر انزال ہو جائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس سوال وجواب کو سن کر شرم وحیاء کی وجہ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں کو واقعتاً احتلام ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بچہ والدہ کے بھی مشابہ ہوتا ہے، اگر عورتوں کو احتلام نہ ہوتا تو بچہ والدہ کے مشابہ کیوں ہوتا؟

⑤ تعجب وانکار کرنے والی زوجہ کی تعیین اور وجہ:۔ بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے جبکہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں تو بظاہر تعارض ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت راجح ہے اور یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ہی واقعہ ہے۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے زہلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور یہ دونوں مستقل حدیثیں ہیں۔

نیز ممکن ہے کہ اس مجلس میں دونوں ازواجِ مطہرات موجود ہوں اور دونوں نے ہی نکیر کی ہو۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تعجب وانکار کی علت اور وجہ کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات احتلام سے پاک ہیں اس وجہ سے ان کو تعجب ہوا، مگر یہ وجہ وعلت درست نہیں اس لئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہ چکی تھیں، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ سوال وتعجب کی علت یہ تھی کہ عورتوں کو بہت کم احتلام ہوتا ہے بلکہ بعض فلاسفہ نے تو عورت کی منی کا ہی انکار کیا ہے۔ بہر حال روایت سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں منی بھی موجود ہے اور عورتوں کو احتلام بھی ہوتا ہے۔(تقریر بخاری ج ۱ ص ۵۲)

⑥ شبہ ولد اور تذکیر وتانیث کا سبب:۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کا علم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں، ان کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے۔ان میں سے ایک سوال یہ تھا **مابال الولد ینزع الی ابیہ او الی امہ**؟ یعنی بچہ اپنی ماں یا باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب مرد کی منی عورت کی منی سے

سابق ہوتی ہے تو وہ بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جائے تو عورت بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے''۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے ''جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آجائے تو بچہ ماموں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آتی ہے تو اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے''

اوپر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سببِ مشابہت ''سبق'' ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سببِ مشابہت ''غلبہ'' ہے۔ پھر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ''مرد کی منی سفید ہے اور عورت کی منی زرد، جب دونوں جمع ہوجائیں اور مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آجائے تو اللہ کے حکم سے مذکر پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آتی ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ مؤنث ہوتا ہے''۔

جہاں تک مذکر و مؤنث ہونے کا تعلق ہے سو اس کی وجہ رحم کے اندر ''علو'' یعنی غلبہ ہے چنانچہ اس کے اندر اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب ہو تو بچہ مذکر ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی پر غالب ہو تو بچہ مؤنث ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ ''سبقت'' سببِ مشابہت ہے اور ''غلبہ'' سببِ تذکیر و تانیث ہے۔ اسطرح تمام احادیث کے درمیان تطبیق ہوجاتی ہے۔

دونوں قسم کی احادیث کو ملانے سے یہاں کئی صورتیں نکلتی ہیں۔ ① ''سبقت وغلبہ'' دونوں ماءِ رجل کے لئے ہوں تو بچہ مذکر ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا ② ''سبقت وغلبہ'' دونوں ماءِ مرأۃ کیلئے ہوں تو بچہ مؤنث اور ماں کے مشابہ ہوگا ③ سبقت ماءِ رجل اور غلبہ ماءِ مرأۃ کے لئے ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا ④ اس کے برعکس سبقت ماءِ مرأۃ اور غلبہ ماءِ رجل کے لئے ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے مشابہ ہوگا ⑤ اگر کسی ایک کو بھی سبقت حاصل نہ ہو بلکہ دونوں کا پانی ایک ساتھ خارج ہو لیکن غلبہ ماءِ رجل کیلئے ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا ⑥ اگر سبقت کسی کو حاصل نہ ہو لیکن غلبہ ماءِ مرأۃ کو حاصل ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا۔ (کشف الباری کتاب العلم ج۴ ص۶۲۱)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل .....عَنْ قَتَادَةَ سَاَلْتُ اَنَسًا كَمْ اِعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: اَرْبَعًا عُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَدَّهُ الْمُشْرِكُوْنَ وَعُمْرَةٌ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَالَحَهُمْ وَعُمْرَةُ الْجَعْرَانَةِ اِذْ قَسَّمَ غَنِيْمَةَ اَرَاهُ حُنَيْن قُلْتُ: كَمْ حَجَّ؟ قَالَ وَاحِدَةً ۔(ص۲۳۹۔ج۱۔قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه إلى الأردية۔ وانكر: كم حج النبي ﷺ؟ وكم اعتمر؟ نكر في هذا الحديث أنه ﷺ اعتمر أربع عمر ولم يذكر التفصيل إلا ثلاث عمرا فكيف التطبيق بين الإجمال والتفصيل؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) رسول اللہ ﷺ کے حج وعمرہ کی تعداد (۴) اجمال وتفصیل میں تطبیق۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّفی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کئے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ چار۔ ① عمرۃ الحدیبیہ ذی قعدہ میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو روک دیا تھا ② آئندہ سال ذی قعدہ میں عمرہ کیا جب مشرکین سے مصالحت ہوئی تھی ③ عمرۂ جعرانہ جب آپ ﷺ نے حنین کی غنیمت کو تقسیم کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے کتنے حج کئے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک۔

③ رسول اللہ ﷺ کے حج وعمرہ کی تعداد:۔ رسول اللہ ﷺ نے حقیقتاً وحکماً چار عمرے کئے تھے۔ ① ۶ھ میں حکمی عمرہ جو مشرکین کے روکنے کی وجہ سے ناتمام رہا ② آئندہ سال ۷ھ میں عمرۃ القضاء کیا تھا ③ عمرۂ جعرانہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے انیس دن تک مکہ میں قیام کیا تھا پھر حنین تشریف لے گئے، وہاں سے طائف گئے۔ ایک ماہ تک اس کا محاصرہ کیا پھر لوٹ کر جعرانہ آئے،

وہاں حنین کی غنیمت تقسیم کی اور یہیں سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تھا④ حجۃ الوداع کے موقع پر حجِ قرن کیا تھا یعنی حج وعمرہ دونوں ایک ہی احرام سے ادا کئے تھے۔(تحفۃ الالمعی ج۳ص۲۰۹)

آپ ﷺ نے فرضیتِ حج کے بعد صرف ایک ہی حج ۱۰ھ میں کیا تھا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

④ اجمال وتفصیل میں تطبیق:۔ سوال ہوتا ہے کہ اجمال وتفصیل میں تطبیق نہیں ہے اسلئے کہ اجمال میں چار عمروں کا ذکر ہے جبکہ تفصیل میں تین عمروں کا ذکر ہے تو اسکا جواب وتطبیق یہ ہے کہ اس روایت میں وعمرة مع حجه کا جملہ ساقط ہے اور آخری جملہ کم حج اسی جملہ پر متفرع ہے اور اس جملہ کے ساقط ہونے کی دلیل مابعد والی ابوالولید کے طریق سے مذکور حدیث ہے کہ اسمیں اسکا ذکر موجود ہے۔

الشق الثانی.....بَابُ خَاتَمِ الْحَدِيْدِ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ سَهْلًا يَقُوْلُ: جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَتْ: جِئْتُ اَهَبُ نَفْسِیْ فَقَامَتْ طَوِيْلًا فَنَظَرَ وَصَوَّبَ فَلَمَّا طَالَ مُقَامُهَا فَقَالَ رَجُلٌ: زَوِّجْنِيْهَا اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ قَالَ عِنْدَكَ شَیْءٌ تُصْدِقُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: اُنْظُرْ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: وَاللّٰهِ اِنْ وَجَدْتُ شَيْئًا۔ قَالَ: اِذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ قَالَ: لَا وَاللّٰهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ وَعَلَيْهِ اِزَارٌ مَا عَلَيْهِ رِدَاءٌ فَقَالَ: اُصْدِقُهَا اِزَارِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِزَارُكَ اِنْ لَبِسْتَهٗ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَیْءٌ وَاِنْ لَبِسْتَهٗ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَیْءٌ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ فَجَلَسَ فَرَآهُ النَّبِیُّ ﷺ مُوَلِّيًا فَاَمَرَ بِهٖ فَدُعِیَ فَقَالَ: مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: سُوْرَةُ كَذَا وَكَذَا لِسُوَرٍ عَدَّدَهَا قَالَ: قَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

اذکر غرض البخاری من ترجمة الباب ثم شكل الحديث بالضبط وترجمه إلى الأردية ۔ ما هو حكم خاتم الحديد؟ وما هو حكم جعل القرآن الكريم مهرا؟ اذكر تفصيل المذاهب ۔(ص۸۷۲۔ج۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض(۲)حدیث پر اعراب(۳)حدیث کا ترجمہ(۴)لوہے کی انگوٹھی کا حکم(۵)تعلیمِ قرآن کریم کو مہر بنانے کا حکم۔

جواب.....① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کا حکم نہ ترجمۃ الباب سے معلوم ہورہا ہے اور نہ حدیث الباب سے معلوم ہورہا ہے۔حدیث سے صرف ایک قصہ معلوم ہورہا ہے۔(نصر الباری ج۱۱ص۶۴)

مگر صاحبِ کشف الباری لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے **اذهب فالتمس ولوخاتما من حديد**۔(کشف الباری کتاب اللباس ص۲۲۸)

② حدیث پر اعراب:۔**كمامرّفی السوال آنفا**۔

③ حدیث کا ترجمہ:۔ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں اپنے آپ کو ہبہ کرنے آئی ہوں۔ دیر تک وہ خاتون کھڑی رہی رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا اور سر جھکا لیا جب دیر تک وہ کھڑی رہی تو ایک صاحب نے اُٹھ کر عرض کی کہ اگر آپ ﷺ کو ان کی ضرورت نہیں ہے تو ان کا نکاح مجھ سے کردیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا،تمہارے پاس کوئی چیز ہے جو مہر میں انہیں دے سکو؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں،آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھ لو،وہ گئے اور واپس آکر عرض کی کہ واللہ! مجھے کچھ نہیں ملا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا جاؤ تلاش کرو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی،وہ گئے اور واپس آکر عرض کی کہ واللہ مجھے لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی،وہ ایک تہبند پہنے ہوئے تھے اور انکے جسم پر(کرتے کی جگہ)چادر بھی نہیں تھی،انہوں نے عرض کی کہ میں انہیں اپنا تہبند مہر میں دے دوں گا۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا تہبند یہ پہن لیں گی تو تمہارے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا اور اگر تم اسے پہن لوگے تو ان کیلئے کچھ نہیں رہے گا۔وہ صاحب اسکے بعد ایک طرف بیٹھ گئے۔پھر جب آپ ﷺ نے انہیں جاتے دیکھا تو آپ ﷺ نے انہیں بلوایا اور فرمایا تمہیں قرآن کتنا یاد ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ فلاں فلاں سورتیں۔انہوں نے سورتوں کو شمار کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس خاتون کو تمہارے نکاح میں اس قرآن کی وجہ سے دیا جو تمہیں محفوظ ہے۔

0321 6357911 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ لوہے کی انگوٹھی کا حکم:۔ لوہے کی انگوٹھی ائمہ اربعہ میں سے جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قول اصح کے مطابق بلا کراہت جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلکِ اباحت کو ترجیح دے رہے ہیں، حدیث باب میں ہے **اذهب فالتمس ولوخاتمًا من حديدٍ**۔ لیکن یہ استدلال صریح نہیں ہے کیونکہ لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دینے سے مردوں کے لئے اس کے استعمال کے جواز پر کوئی دلالت نہیں ہوتی چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس استدلال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ استدلال درست نہیں ہے اس لئے تلاش کرنے کے جواز سے پہننے کا جواز لازم نہیں آتا، اس لئے کہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تلاش کرنے کا حکم دیا ہوتا کہ عورت اس کی قیمت سے منتفع ہو سکے۔

جمہور کی پہلی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک آدمی کے پاس لوہے کی انگوٹھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا **مالی اری عليك حلية اهل النار**۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابن حبان نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

جمہور کا دوسرا استدلال مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت کی نگاہ سے دیکھا تو انہوں نے وہ پھینک دی اور لوہے کی انگوٹھی پہنی تو آپ نے فرمایا **هذا اخبث واخبث** یعنی یہ زیادہ بری ہے۔ اس روایت کی سند میں عبداللہ بن مؤمل ایک ضعیف راوی ہے۔

مسند احمد میں اس طرح کی ایک اور روایت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

بہر حال اگرچہ ان روایات کی سند پر کلام ہے تاہم شواہد کی وجہ سے یہ صحیح کے درجہ میں نہیں تو حسن کے درجے میں آجاتی ہیں جو کراہت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ (کشف الباری کتاب اللباس ص ۲۲۸)

⑤ تعلیم قرآن کریم کو مہر بنانے کا حکم:۔ حضرات شافعیہ تعلیم قرآن کے مہر بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔ جمہور اور حنفیہ کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز نہیں۔ جمہور کا استدلال قرآن کریم کی آیت سے ہے **واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم** اس میں ابتغاء بالمال کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مہر کے لئے مالِ متقوم کا ہونا ضروری ہے اور جو مال نہ ہو وہ مہر نہیں بن سکتا اور تعلیم قرآن بھی مال نہیں، اس لئے اس کو مہر بنانا جائز نہیں۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں: ① تعلیم قرآن کو مہر بنانا متعلقہ صحابی کی خصوصیت تھی چنانچہ اس خصوصیت کی بعض روایات میں تصریح ہے **ان رسول الله صلى الله عليه وسلم زوج رجلا على سورة من القرآن ثم قال: لاتكون لاحدبعدك مهرا**۔ یہ روایت ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں ذکر فرمائی ہے ② **بما معك من القران** میں باء عوض کی نہیں بلکہ سببیت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ **ملكتكها لانك من اهل القرآن** یعنی اہلِ قرآن ہونے کی وجہ سے تم پر مہرِ معجّل واجب نہیں البتہ مہر موجل قواعد کے مطابق واجب ہوگا۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۱۶۹)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل..... بَابُ مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى (اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَاْذَنِ اللّٰهُ لِنَبِیٍّ مَا اَذِنَ لِلنَّبِیِّ صلى الله عليه وسلم يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ وَقَالَ صَاحِبٌ لَهٗ يُرِيْدُ يَجْهَرُ بِهٖ

ترجم الحديث۔ من المراد به صاحب والى من يعود ضمير له؟ انكر تفسير التغنى بالقرآن فى ضوء اقوال العلماء۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) صاحب کی مراد اور ضمیر کا مرجع (۳) تغنی بالقرآن کی تفسیر۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اتنی توجہ سے نہیں سنی جتنی توجہ سے اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھتے ہوئے سنا۔ اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے

ساتھی نے کہا کہ تغنی سے مراد جہر کرنا ہے۔

② صاحب کی مراد اور ضمیر کا مرجع:۔ ضمیر کا مرجع ایک قول کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ دوسرے قول کے مطابق اس کا مرجع ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ہیں اور صاحب سے مراد عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب ہے۔(حاشیہ)

③ تغنی بالقرآن کی تفسیر:۔ تغنی بالقرآن کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:① تغنی بمعنی تشاغل یعنی قرآن کریم کو شوق سے پڑھنا اور اس کی تلاوت میں مشغول رہنا ہے۔② امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تغنی سے مراد درد اور حزن کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہے۔③ تغنی سے مراد تلذذ اور حلاوت کا احساس ہے یعنی جس طرح اہلِ عرب گانے سے لذت محسوس کرتے ہیں اسی طرح اہلِ ایمان تلاوتِ قرآن کریم سے لذت وحلاوت محسوس کرتے ہیں۔④ تغنی سے مراد خوبصورت آواز، لفظوں کی درست ادائیگی اور صحیح لہجہ سے تلاوت کرنا ہے۔تغنی سے مراد قرآن مجید کا ہر وقت گنگنانا ہے۔(کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۷۶)

الشق الثانی..... "بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنْ تَفْسِيْرِ التَّوْرَاةِ وَ كُتُبِ اللّٰهِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَ غَيْرِهَا: لِقَوْلِ اللّٰهِ: "قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ"، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَ يُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَ لَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ"۔(ص ۱۱۲۵ ج ۲۔ قدیمی)

شكل الحديث ثم ترجمه ترجمة سلسة۔ اذكر حكم تفسير القرآن الكريم فى اللغة العربية و غيرها و استمداد بروايات اهل الكتاب فى الأحكام الدينية۔ اذكر غرض الامام البخارى من ترجمة الباب۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ عربی یا کسی اور زبان میں تفسیر کرنے کا حکم ④ اسرائیلی روایات سے دینی احکام میں مدد لینے کا حکم ⑤ ترجمۃ الباب کی غرض۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مر فى السوال آنفًا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ یہ باب تورات ودیگر آسمانی کتابوں کی عبرانی ودیگر زبانوں میں تفسیر کے جواز کے بیان میں ہے۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "**قل فأتوا بالتوراة فاتلوها ان كنتم صادقين**" کی وجہ سے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب تورات کی عبرانی زبان میں تلاوت کرتے تھے اور اس کی تفسیر اہلِ اسلام کیلئے عربی زبان میں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ تم اہلِ کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ تم یہ کہو کہ ہم اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ ہماری اور تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

③ عربی یا کسی اور زبان میں تفسیر کرنے کا حکم:۔ عربی یا دیگر زبانوں میں تفسیر قرآن کرنے کا حکم:۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے فرائض منصبی کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "**يعلمهم الكتاب و الحكمة**" (وہ پیغمبر لوگوں کو کتاب وحکمت سکھلاتا ہے) اور حکمت کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے ایک قول تفسیرِ قرآن، تفقہ فی الدین اور احکامِ الٰہیہ کا علم ہے۔آپ ﷺ کے سب سے پہلے شاگرد ومخاطب وہ حضرات تھے جو نہ صرف عربی زبان جاننے والے تھے بلکہ فصیح وبلیغ خطیب وشاعر بھی تھے، ان کے سامنے تلاوت قرآن کریم ان کی تعلیم کیلئے کافی تھی الگ سے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود آپ ﷺ سے بہت سی آیات کے مفاہیم پوچھے و سمجھے گئے، معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں تلاوت کے ساتھ معانی کی تعلیم بھی شامل ہے۔اور قرآن فہمی کیلئے صرف عربی زبان کا جاننا ہی کافی نہیں ہے بلکہ تعلیمِ رسول کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ تمام علوم وفنون میں اس فن کی محض زبان جاننا یا اس میں ماہر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ کسی ماہر استاذ سے اس کو سیکھنے اور سمجھنے کی بھی ضرورت ہے، پس قرآنی علوم جو تمام علوم کے سردار ہیں اور گہرے ودقیق علوم پر مشتمل ہیں وہ کسی تعلیم وتفسیر کے بغیر کیسے سمجھ میں آسکتے ہیں؟ اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ قرآنی علوم سمجھے وسیکھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے، اس کیلئے ماہر استاذ کی ضرورت ہے اور ماہر استاذ وہی ہوسکتا ہے جس کو بذریعہ وحی ہم کلامی کا شرف حاصل ہو اور وہ ہستی آپ ﷺ ہیں۔اگر

0313 6357913, maktabazakariamultan@gmail.com

قرآنی علوم کو سمجھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہ بھیجتے بلکہ یہ آسمانی کتاب کسی دوسرے ذریعے سے بھی انسانوں تک پہنچائی جاسکتی تھی، اور یہی قرآن کریم کے علوم کو سمجھنا و سمجھانا تفسیر ہے۔(خلاصہ از معارف القرآن، بقرہ:۱۲۹) کیونکہ تفسیر میں قرآن کریم کی تلاوت وادائیگی کی کیفیت، مفہوم، افرادی وترکیبی احکام، ناسخ ومنسوخ، شان نزول وقرآن کریم کے مبہم قصوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مفسرِ قرآن آپ ﷺ ہیں، اور درحقیقت سارا ذخیرۂ احادیث قرآن کریم کی تفسیر ہی ہے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، سب سے مشہور مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے، پھر تابعین وتبع تابعین نے اور بعد والے ائمہ رحمہم اللہ نے بھی قرآن کریم کی تفسیر کی، محدثین نے تفسیر قرآن پر مشتمل کتابیں لکھیں اور تفسیری روایات کو جمع کیا۔(کشف الباری)

الغرض اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اہلِ علم قرآنی علوم کے ماہرین کے لیے ضروری ہے، کیوں کہ قرآن کریم آخری کتاب ہے، اور اس کے احکام قیامت تک کے لیے ہر زمانہ، علاقہ وزبان کے لوگوں کے لیے ہیں، لہٰذا ہر زبان میں قرآن کریم کی تفسیر جائز ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

④ اسرائیلی روایات سے دینی احکام میں مدد لینے کا حکم:۔ وہ روایات جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، ان میں سے بعض براہِ راست بائبل، تالمود، مشنا اور ان کی شروح سے لی گئی ہیں اور بعض وہ ہیں جو اہلِ کتاب سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوکر ہم تک پہنچی ہیں۔ تفسیر کی مروجہ کتابوں میں ایسی روایات کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایسی روایات کی علیحدہ علیحدہ تین اقسام اور اُن کا حکم بیان کیا ہے۔① وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہوچکی ہو مثلاً فرعون کا غرق ہونا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ اور طور پہاڑ پر جانا۔ ایسی روایات قابلِ اعتبار ہیں اسلئے کہ قرآن کریم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کی ہے۔② وہ اسرائیلی روایات جن کا جھوٹا اور غلط ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہوچکا ہو مثلاً یہ روایت کہ نعوذ باللہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں بت پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے، یہ روایات قطعاً باطل ہیں قرآن کریم نے صراحتاً اس کی تردید فرمائی ہے۔③ وہ اسرائیلی روایات جن کی خارجی دلائل سے تصدیق وتکذیب نہیں ہوسکی۔ مثلاً تورات کے احکام وغیرہ ایسی روایات کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ ہی اُن کی تصدیق کرو اور نہ ہی اُن کی تکذیب کرو۔ ایسی روایات کو بیان کرنا تو جائز ہے لیکن نہ اُن پر کسی دینی مسئلہ کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے اور نہ اُن کی تصدیق وتکذیب کی جاسکتی ہے۔(علوم القرآن)

⑤ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں بالخصوص قرآن کریم کی تفسیر عربی ودیگر تمام علاقائی زبانوں میں کرنا جائز ہے۔

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٣٦ھ

الشق الاوّل.....باب ماينكر فى المناولة وكتاب أهل العلم بالعلم الى البلدان..... ورأى عبدالله بن عمر ويحيىٰ بن سعيد ومالك ذلك جائزًا، واحتج بعض أهل الحجاز فى المناولة بحديث النبى ﷺ حيث كتب لامير السرية كتابًا وقال: لاتقرأه حتى تبلغ مكانا كذا وكذا، فلما بلغ ذلك المكان قرأه على الناس وأخبرهم بأمر النبى ﷺ۔ انكر غرض البخارى من ترجمة الباب.اشرح المناولة والمكاتبة واذكر أقسامهما۔ ماالفرق بين المناولة وعرض المناولة۔ من هو المراد بقوله: "عبدالله بن عمر" وبقوله "بعض أهل الحجاز"؟ ترجم العبارة واذكر قصة السرية بايجاز واشرح كيف يستدل بهذه القصة على المطلوب؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ سات امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) مناولہ ومکاتبہ کی تعریف واقسام (۳) مناولہ وعرضِ مناولہ میں فرق (۴) عبداللہ بن عمر کی تعیین (۵) بعض اھل الحجاز کی مراد (٦) عبارت کا ترجمہ (۷) قصہ کی وضاحت اور مطلوب پر استدلال۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ ماقبل میں امام بخاریؒ نے اساتذہ سے روایت لینے کے دو طریقے (قراءۃ الشیخ علی

التلمیذ وقراءۃ التلمیذ علی الشیخ) ذکر کئے تھے، اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری کی غرض اساتذہ سے روایت لینے کے مزید دو طریقوں (مناولہ ومکاتبہ) کو ذکر کرنا ہے۔

② مناولہ اور مکاتبہ کی تعریف واقسام:۔ مناولہ یہ ہے کہ شیخ کسی کو اپنی مرویات دے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں: ①مقرونہ بالاجازۃ ②مجردہ عن الاجازۃ۔

مناولہ مقرونہ بالاجازۃ یہ ہے کہ شیخ کسی کو اپنی مرویات دے اور اس کو آگے روایت کرنے کی اجازت بھی دے۔

مناولہ مجردہ عن الاجازت یہ ہے کہ شیخ کسی کو اپنی مرویات دے مگر باقاعدہ اس کو آگے روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔

مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ اپنی مرویات لکھ کر یا لکھوا کر شاگرد کو بھیجے، پھر اس کی بھی مناولہ والی یہی مذکورہ دو اقسام ہیں۔

①مقرونہ بالاجازۃ ②مجردہ عن الاجازۃ۔الخ

اگر مناولہ اور مکاتبہ مقرونہ بالاجازۃ ہو تو بالاتفاق اس سے روایت کرنا جائز ہے۔

اور اگر مناولہ مجردہ عن الاجازۃ ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے، اکثر حضرات کے نزدیک اس سے بھی روایت کرنا جائز ہے جبکہ بعض حضرات اس سے روایت کی اجازت نہیں دیتے۔ اور اگر مکاتبہ مجردہ عن الاجازۃ ہو تو اس میں بھی اختلاف ہے، ایوب سختیانی، منصور بن المعتمر، لیث بن سعد، ابو حامد اسفرائینی، محاملی، صاحبِ محصول اور ابو المظفر سمعانی نے اس سے بھی روایت کو جائز قرار دیا ہے جبکہ سیف آمدی اور ابو الحسن الماوردی کے نزدیک اجازت کے بغیر کتابتِ محضہ کے ذریعہ روایت معتبر نہیں ہے۔

③ مناولہ اور عرضِ مناولہ میں فرق:۔ مناولہ میں شیخ اپنی تصنیف یا مرویات خود کسی کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میری مرویات ہیں اور عرضِ مناولہ میں تلمیذ وشاگرد شیخ کی مرویات لیکر آتا ہے اور شیخ کو دکھاتا ہے، شیخ ان میں غور وفکر کر کے ان کی توثیق کرتا ہے کہ ہاں یہ میری مرویات ہیں ان کو تم روایت کر سکتے ہو۔

④ عبداللہ بن عمر کی تعیین:۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں عبداللہ بن عمر سے مراد عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عمری مدنی ہیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی عبداللہ بن عمر سے یہی سمجھتا رہا اور اسی کے مطابق روایت کی تخریج کی مگر بعد میں تتبع سے یہ قرینہ سامنے آیا کہ یہاں ان کو یحییٰ بن سعید پر مقدم کیا گیا ہے تو اس تقدیم سے معلوم ہوا کہ یہاں عبداللہ بن عمر عمری کے علاوہ کوئی اور ہیں کیونکہ یحییٰ بن سعید، عبداللہ بن عمر عمری سے عمر اور مرتبہ ہر اعتبار سے بڑے ہیں اس لئے عمری یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ غالب امکان یہی ہے کہ یہاں عبداللہ بن عمر عمری مراد ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ قوی احتمال بھی موجود ہے کہ یہاں عبداللہ بن عمر بن خطاب مراد ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں عبداللہ بن عمر عمری، عبداللہ بن عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمرو بن عاص تینوں حضرات مراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کا مراد ہونا بھی بعید نہیں ہے۔ (کشف الباری کتاب العلم ۱۹۲:۳)

⑤ بعض اھل الحجاز کی مراد:۔ بعض اہل الحجاز سے مراد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ امام حمیدی (ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ القرشی الاسدی الحمیدی) ہیں۔

⑥ عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب مناولہ اور اہلِ علم کا علمی باتیں لکھ کر شہروں کی طرف بھیجنے کے بیان میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مناولہ ومکاتبہ جائز ہیں اور بعض اھلِ حجاز نے مناولہ کے جواز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرِ لشکر کو خط لکھا اور فرمایا کہ جب تک تم فلاں مقام تک نہ پہنچ جاؤ اس وقت تک اس خط کو نہ پڑھنا پھر جب وہ اس جگہ پہنچ گئے تو اس خط کو انہوں نے لوگوں کے سامنے پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہیں باخبر کیا۔

⑦ قصہ کی وضاحت اور مطلوب پر استدلال:۔ رجب ٦ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنایا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رو پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور ان کی سربراہی میں سات یا بارہ افراد کی ایک جماعت کو روانہ کیا اور ان کو ایک خط دیا اور فرمایا کہ جب تم فلاں مقام پر پہنچ جاؤ تو اس وقت اس خط کو کھولنا

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اوراس کے مطابق عمل کرنا، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مطلوبہ مقام پراس خط کو کھولا تو اس میں لکھا تھا **اذا نظرت فی کتابی ھٰذا فامض حتی تنزل نخلة بین مکة والطائف فترصد بھاقریشا وتعلم لنا من اخبارھم** اوراس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو مجبور نہ کرنا بلکہ اختیار دینا، جس کا جی چاہے تمہارا ساتھ دے اور جس کا جی چاہے واپس لوٹ آئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے خط پڑھنے کے بعد کہا **انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون، سمعا وطاعةً** اوراپنے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور سب کو حسب ہدایت اختیار بھی دیا، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق تمام ساتھی اپنی خوشی سے آگے جانے پر راضی ہوگئے اور طبرانی کی روایت کے مطابق دو آدمی پیچھے رہ گئے تھے اور یہ بھی قصداً پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ان کا اونٹ گم ہوگیا تھا اس کی تلاش کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے اس قصہ سے مناولہ ثابت ہے بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرِ لشکر کو اپنی تحریر عطا فرمائی تھی۔

اس روایت سے مکاتبت ثابت ہے بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھ کر امیرِ لشکر کے حوالہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کا مضمون فلاں مقام پر پہنچ کر سنانا، معلوم ہوا کہ کتابت پر اعتماد واطمینان کیا جاسکتا ہے اور کتاب کے ذریعہ روایت کی جاسکتی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کو پڑھ کر اپنے رفقاء کو وہ مضمون سنایا تھا۔

الشق الثانی..... **باب حسن اسلام المرء، قال مالك: أخبرنی زید بن اسلم ان عطاء بن یسار اخبره ان ابا سعید الخدری اخبره انه سمع رسول اللّٰہ ﷺ یقول: اذا اسلم العبد فحسن اسلامه یکفر اللّٰہ عنه کل سیئة کان زلفها، وکان بعد ذلك القصاص: الحسنة بعشر امثالها الی سبع مائة ضعف، والسیئة بمثلها الا ان یتجاوز اللّٰہ عنها۔** (ص۱۱۔ج۱۔قدیمی)

اذکر غرض البخاری من ھٰذه الترجمة، واکتب ما ھو حکم معلقات الصحیحین؟ قال العلماء ان المؤلف قد اختصر فی ھٰذا الحدیث فما ھو الجزء المحذوف منه؟ ولما ذا حذفه؟ اذکر فی ضوء أقوال العلماء

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) صحیحین کی تعلیقات کا حکم (۳) حدیث کے جزء محذوف کی وضاحت اور حذف کی وجہ۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ ترجمۃ الباب کا مقصد ایمان میں کمی بیشی کا اثبات ہے اور معتزلہ، مرجئہ وخوارج کی تردید بھی ہے۔ ایمان میں کمی بیشی اس طرح ہے کہ ایک اسلام ہے اور دوسرا اس کا حسن ہے، اسلام کا معنی اطاعت ہے تو اگر ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن میں بھی اطاعت ہو تو اسلام میں ایک درجہ حسن کا آگیا اور اگر اس کے ساتھ مزید انشراح حاصل ہو جائے تو حسن میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ مزید نورانیت پیدا ہو جائے تو اس کا حسن اور بڑھ جائے گا الغرض اسلام حسن کو قبول کرتا ہے اور حسن کے مختلف درجات ہیں پس معلوم ہوا کہ اسلام کے مختلف درجات ہیں اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ایمان واسلام ایک ہی چیز ہیں تو جب اسلام میں تفاوت ثابت ہوگیا تو ایمان میں بھی تفاوت ثابت ہوگیا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس میں مرجئہ کی تردید اس طرح ہے کہ اسلام کا حسن اعمال کے ساتھ متعلق ہے اور اس میں اعمال کے تفاوت کی وجہ سے کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے تو ثابت ہوا کہ اعمال اسلام وایمان کا جزء ہیں لہٰذا مرجئہ کی تردید ہوگئی کہ انکے نزدیک اعمال کے ہونے اور نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔

معتزلہ وخوارج کی تردید اس طرح ہے کہ اعمال کے اضافہ کی صورت میں ایمان واسلام کے حسن میں اضافہ ہوگا اور اعمال کی کمی کی صورت میں ایمان واسلام کے حسن میں کمی آئیگی گویا ایمان واسلام کی نفی نہیں ہوگی اور انکے نزدیک ایمان واسلام کی نفی ہو جاتی ہے۔

② صحیحین کی تعلیقات کا حکم:۔ اگر تعلیق معروف کے صیغہ کے ساتھ ہو تو حکماً متصل ہے اور اگر مجہول کا صیغہ ہو تو اتصال کے احتمال کی وجہ سے متصل کے حکم میں تو نہیں البتہ قابلِ احتجاج ہوگی مگر دوسرے دلائل کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی۔ (الخیر الساری ج۱ص۱۳٦)

③ حدیث کے جزء محذوف کی وضاحت اور حذف کی وجہ:۔ اس حدیث کے دو جزء ہیں، پہلا جزء تو یہی **اذا اسلم العبد فحسن اسلامه کفراللّٰہ عنه کل سیئة کان زلفها** ہے اور دوسرا جزء **وکتب له کل حسنة کان زلفها** ہے۔ اس

دوسرے جزء کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حذف کر دیا ہے۔

اس جزء کے حذف کرنے کی وجہ کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ کتابتِ حسنہ والا حصہ قواعد معلومہ فی الدین کے خلاف تھا، یعنی اسلام لانے کے بعد سیئات کی معافی واضح اور نصوص میں مصرّح ہے لیکن مسلمان ہونے کے بعد زمانۂ کفر کے اعمالِ حسنہ پر اجر وثواب کا مرتب ہونا خلافِ قواعد تھا اس لئے اس جملہ کو حذف کر دیا۔ (کشف الباری ج۲ ص۴۰۸)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳٦ھ

الشق الاوّل.....**باب اذا عرض بنفی الولد عن ابی هريرة ان رجلا اتى النبى ﷺ فقال يا رسول الله ولد لى غلام اسود فقال هل لك من ابل؟ قال نعم، قال ما الوانها؟ قال حمر، قال هل فيها من ازرق؟ قال نعم، قال فانّى ذالك؟ قال لعل نزعه عرق قال فلعل ابنك هٰذا نزعه عرق.** (ص۷۹۹۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحديث الى الاردية و عرّف التعريض و بيّن اسم الرجل الآتى، ما هو غرض المؤلف من هٰذه الترجمة، هل يجب الحد واللعان فى التعريض عند علماء الامة وخيارها.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) تعریض کی تعریف (۳) رجلِ اتی کا نام (۴) ترجمۃ الباب کی غرض (۵) تعریض میں حد ولعان کے وجوب میں علماء کے اقوال۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ہاں ایک سیاہ بچہ پیدا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا کہ سرخ رنگ کے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ان میں کوئی سیاہ مائل بہ خاکی (بھورا) بھی ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوا؟ اس نے کہا کہ شاید کسی رگ نے اس کو کھینچا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر شاید تیرے اس بیٹے کو بھی کسی رگ نے کھینچا ہو۔

② تعریض کی تعریف:۔ تعریض کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات ذکر کرنا جس سے دوسری غیر مذکور بات معلوم ہوتی ہو مثلاً اسی حدیث میں اس شخص نے کہا کہ میرا رنگ تو سفید ہے یہ بچہ کالے رنگ کا کیوں ہے؟ یعنی یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ (کشف الباری، طلاق ص۵۲۷)

③ رجلِ اتی کا نام:۔ اس رجلِ اتی کا نام ضمضم بن قتادہ تھا۔

④ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صراحتاً نہیں بلکہ تعریضاً اپنے بچہ کا انکار کرے تو یہ معتبر نہیں ہے اور اس پر حد ولعان جاری نہ ہوں گے۔

⑤ تعریض میں حد ولعان کے وجوب میں علماء کے اقوال:۔ حضرات حنفیہ، شافعیہ اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے نزدیک تعریض پر نہ حد قذف جاری ہوگی اور نہ ہی زوجین کے درمیان لعان کرایا جائے گا البتہ تعزیراً اُس کو سزا دی جاسکتی ہے۔

0313 635 7913 maktabazakariyamurad@gmail.com

حضرات مالکیہ کے نزدیک تعریض کی وجہ سے لعان اور حد دونوں جاری ہوں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت جمہور کے مطابق اور دوسری روایت مذہبِ مالکیہ کے مطابق ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت مذکورہ روایت کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قذف ولعان میں تعریض معتبر نہیں ہے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**باب الغنيمة لمن شهد الوقعة، حدثنا صدقة اخبرنا عبدالرحمن عن مالك عن زيد بن اسلم عن ابيه قال قال عمر: لو لا آخر المسلمين ما فتحت قرية الا قسمتها بين اهلها كما قسم النبى ﷺ خيبر.**

اذكر غرض البخارى من ترجمة الباب و اشرح اختلاف العلماء فى هٰذه المسألة ثم اذكر ادلتهم. ترجم الاثر المذكور بالاردية، واذكر ما هى مناسبة هٰذا الاثر بترجمة الباب. (ص۴۴۰۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) جنگ ختم ہونے کے بعد شرکت کرنے

والے کے حصہ میں اختلاف مع الدلائل (۳) اثر کا ترجمہ (۴) اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب ومقصد یہاں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مذہب کو راجح قرار دینا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوں گے انہی کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا اور وہ لوگ جو شریک نہیں ہوں گے انکو حصہ نہیں ملے گا۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج ۳ ص ۲۶۱)

② جنگ ختم ہونے کے بعد شرکت کرنے والے کے حصہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کوئی شخص یا لشکر جنگ ختم ہونے کے بعد میدانِ جنگ پہنچے تو آیا اس کا غنیمت میں حصہ ہوگا کہ نہیں؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ① اتفاقی صورت یہ ہے کہ مذکورہ شخص یا لشکر اس وقت پہنچا جب جنگ ختم ہو چکی اور غنیمت کی تقسیم کا عمل بھی مکمل ہو گیا، تو ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ② اختلافی صورت یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے اور غنیمت تقسیم ہونے سے قبل یہ لشکر یا شخص وہاں پہنچا تو حنفیہ کے نزدیک یہ غنیمت میں شریک ہوں گے، ان کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا جبکہ جمہور کے نزدیک ان کو غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

جمہور کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں ان کو **الغنیمة لمن شهد الوقعة** فرمایا تھا۔

ان کی دوسری دلیل بخاری وابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ان النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **بعث ابان بن سعید بن العاص فی سریة قبل نجد فقدم ابان بعد فتح خیبر فلم یسهم له**۔

حنفیہ کے دلائل: امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا کہ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''میں ایک لشکر تمہاری طرف بطور کمک کے بھیج رہا ہوں، سو ان میں سے جو بھی تمہارے پاس مقتولین کے ختم ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو اس کو غنیمت میں شریک کرو''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو افراد پر مشتمل ایک جماعت بطور کمک ابوامیہ اور زیاد بن لبید بیاضی کی مدد کے لئے روانہ کی، یہ جماعت ان تک اس وقت پہنچی جب وہ ''نجیر'' فتح کر چکے تھے، تو انہوں نے آنے والی جماعت کو بھی اپنے ساتھ غنیمت میں شریک کیا۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات: ان کی پہلی دلیل سے استدلال چند وجوہ کی بناء پر درست نہیں۔

① اس اثر کے وقف اور رفع میں اختلاف ہے اور موقوف ہونا راجح ہے۔ ② حنفیہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، چونکہ اب ان سے مروی روایات میں تعارض آ گیا ہے، اس لئے یہ حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل حضرت ابان بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، اس واقعے سے ان حضرات کا استدلال اس لئے درست نہیں کہ یہ خیبر کا واقعہ ہے، جو فتح کے ساتھ ہی دارالاسلام میں تبدیل ہو چکا تھا جبکہ مسئلۂ باب کا تعلق دارالحرب سے ہے، دارالاسلام میں اس طرح کے کسی کمک کے پہنچنے پر غنیمت میں آنے والوں کو بالاتفاق شریک نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری طرف اسی خیبر سے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جو آگے آ رہا ہے، اس میں یہ آیا کہ جب وہ اپنی قوم کے لوگوں (جن کی تعداد پچاس سے اوپر تھی اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں، جو نجاشی کے ہاں مقیم تھے) کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو یہ عین وہی وقت تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تھے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی شریکِ غنیمت کیا اور ان حضرات کے علاوہ اور کسی کو جو موقع سے غائب تھا، اس غنیمت میں شریک نہیں کیا۔

ایک طرف یہ حدیث ہے، دوسری طرف حضرت ابان رضی اللہ عنہ کا واقعہ، ان دونوں میں چونکہ ظاہری تعارض ہے، اس لئے جمع بین الروایات کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے احناف یہی کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا واقعہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کا ہے اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہما کا واقعہ تقسیمِ غنیمت کے بعد کا ہے، جس پر اس حدیث کے یہ الفاظ واضح دلالت کرتے ہیں کہ **فقدم ابان بعد فتح خیبر**، جبکہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے الفاظ تو یہ ہیں **فوافیناه حین افتتح خیبر**۔ اسی لئے احناف تفریق کے قائل ہیں اور انکے مذہب پر دونوں واقعات پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک استحقاقِ غنیمت کیلئے چند شرائط ہیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

① مستحق صحیح وسالم ہو، بیمار نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ قتال کی صلاحیت رکھتا ہو، لنگڑا، لولا اور نابینا وغیرہ نہ ہو ② مسلمان ہو، کافر کیلئے غنیمت نہیں، خواہ شریکِ جنگ ہو ③ مرد ہو، عورت کیلئے غنیمت نہیں، اگر چہ جنگ میں شریک ہوں ④ دارالحرب میں اس کا داخلہ قتال کی نیت سے ہی ہوا ہو، خواہ بعد میں لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے، کہ مقصد قتال یعنی ارہاب العدو حاصل ہو رہا ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ۲۶:۳)

③ اثر کا ترجمہ:۔ حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے آئندہ آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بھی گاؤں وعلاقہ فتح کرنے کے بعد میں اسے اس کے باشندوں میں ہی تقسیم کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے ساتھ کیا تھا۔

④ اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ ابن المنیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کے اس جملے کی مطابقت ہے **کما قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر** ۔اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے غنیمت کی فوری تقسیم کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غنیمت فوراً تقسیم کر دی جائے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ موقع پر غیر موجود شخص کا غنیمتِ حاضرہ میں کوئی استحقاق نہیں ہوگا، اسی لئے تو فوری تقسیم کا عمل اختیار کیا جارہا ہے۔ اب جو شخص سرے سے شریکِ جنگ ہی نہیں اس کو تو بطریق اولیٰ غنیمت میں حصہ نہیں ملنا چاہیے۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل..... **باب اذا زوج ابنته وهی کارهة فنکاحه مردود۔ عن خنساء بنت خذام الانصاریة ان اباها زوجها وهی ثیب فکرهت ذلك فاتت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فرد نکاحه** ۔(ص ۷۷۱۔ج ۲۔قدیمی)

اشرح غرض البخاری من هٰذه الترجمة ثم اذکر مطابقة الحدیث بهٰذه الترجمة ۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ بتلانا ہے کہ اگر کسی نے زبردستی اپنی بیٹی کا نکاح کیا تو وہ نکاح مردود ہے اگر وہ ثیبہ بالغہ ہے تو بالاتفاق نکاح درست نہیں ہے اور اگر وہ بالغہ نہیں ہے تو اس مسئلہ کی مکمل تفصیل اختلاف کے ساتھ مسئلہ ولایتِ اجبار میں گزر چکی ہے۔

② حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسب:۔ حدیث کے جملہ **فردنکاحها** کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہے اسلئے کہ خنساء بنتِ خذام انصاریہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے انکی رضامندی کے بغیر کیا تھا، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو رد کر دیا تھا۔

الشق الثانی..... **بَابُ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّمَا جَزٰٓاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ: اَلْمُحَارَبَةُ لِلّٰهِ اَلْکُفْرُ بِهٖ: قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ حَدَّثَ اَنَسٌ قَالَ قَدِمَ قَوْمٌ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَکَلَّمُوْهُ فَقَالُوْا قَدِ اسْتَوْخَمْنَا هٰذِهِ الْاَرْضَ فَقَالَ هٰذِهٖ نَعَمٌ لَنَا تَخْرُجُ فَاخْرُجُوْا فِیْهَا فَاشْرَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا فَخَرَجُوْا فِیْهَا فَشَرِبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا وَاسْتَصَحُّوْا وَمَالُوْا عَلَی الرَّاعِیْ فَقَتَلُوْهُ وَاطَّرَدُوا النَّعَمَ فَمَا یُسْتَبْطَأُ مِنْ هٰؤُلَاءِ قَتَلُوا النَّفْسَ وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَخَوَّفُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم** ۔(ص ۶۶۳۔ج ۲۔قدیمی)

شکل الحدیث المبارك والعبارة التی قبله ثم ترجمهما ، اذکر غرض المؤلف من ترجمة الباب و هل تتحقق المحاربة من الکفار فقط او من المسلمین ایضًا ، ما هو جزاء المحاربین عند الفقهاء العظام ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ترجمۃ الباب کی غرض (۴) محاربہ کے تحقق کی وضاحت (۵) محاربین کی سزا کی وضاحت۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب ہے اللہ تعالیٰ کے قول **انما جزاء الذین یحاربون اللّٰه الخ** (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول

0315 6537913 maktabaqasmiyasultan@gmail.com

سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اُن کی جزاء وبدلہ یہ ہے کہ قتل کردیئے جائیں یا سُولی پر چڑھا دیئے جائیں یا اُنکے ہاتھ پاؤں مخالف جہت سے کاٹ دیئے جائیں یا اُن کو ملک بدر کردیا جائے) کے بیان میں: اللہ تعالیٰ سے محاربہ اُس کا انکار کرنا ہے۔

ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی اور کہا کہ تحقیق ناموافق پایا ہم نے اِس زمین کو (آب وہوا ہمیں موافق نہیں آئی)، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہمارے اونٹ چراگاہ کی طرف جارہے ہیں پس تم بھی اِن میں چلے جاؤ پس اِنکے دودھ اور پیشاب پیئو، پس وہ اُن میں چلے گئے اور انہوں نے ان کے دودھ اور پیشاب پیئے اور صحت یاب ہوگئے اور وہ چرواہے کی طرف متوجہ ہوئے اور اُسے قتل کردیا، پھر وہ اونٹوں کو ہانک کرلے گئے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ اُن لوگوں سے (بدلہ لینے میں) تاخیر کی جاتی کہ انہوں نے ایک شخص کو قتل کیا، اللہ اور اُس کے رسول سے محاربہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف زدہ کیا۔

③ و ④ ترجمۃ الباب کی غرض اور محاربہ کے تحقق کی وضاحت:۔ محاربہ کفار ہی کی طرف سے ہوتا ہے یا اہلِ ایمان کی طرف سے بھی محاربہ مقصود ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں صاف صاف کہا ہے اَلْمَحَارَبَةُ لِلّٰهِ اَلْكُفْرُ بِهٖ، انکی رائے یہ ہے کہ محاربہ صرف کفار کی طرف سے ہوتا ہے، اسی طرح آگے کتاب المرتدین والمحاربین کے تحت عرنیین کا واقعہ نقل کیا ہے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ محاربہ کفار کی طرف سے ہوتا ہے، وہاں امام بخاری نے محاربین کے ساتھ من اهل الكفر والردة کے الفاظ بھی بڑھائے ہیں۔

⑤ محاربین کی سزا کی وضاحت:۔ قرآن مجید کی اس آیت میں چار امور بیان کئے گئے ہیں: ① قتل ② سُولی پر لٹکانا ③ ہاتھ پاؤں کاٹنا ④ ملک بدر کرنا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے ان چاروں سزاؤں میں سے وہ محاربین کو جو سزا دینا چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن دوسرے فقہاء کے یہاں اس میں تفصیل ہے اور مختلف صورتوں کے لئے مختلف احکام ہیں:

① اگر محارب نے مال لیا ہے اور قتل نہیں کیا تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف جہت سے قطع کئے جائیں گے لیکن یہ اس وقت ہے جب مال بقدرِ نصاب ہو۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں یہی حکم ہے ② اگر محارب نے مال نہیں لیا البتہ قتل کیا ہے تو ایسی صورت میں اس کو حدًّا قتل کیا جائے گا لہٰذا اولیائے مقتول اگر معاف بھی کردیں تب بھی قتل کیا جائے گا، اس صورت کا حکم ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ وہ حدًّا قتل کیا جائے گا ③ اگر محارب نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کے ہاتھ پاؤں من خلاف کاٹ کر قتل کردے یا سولی پر لٹکا دے یا تینوں کو جمع کردے کہ ہاتھ پاؤں بھی کاٹے، قتل بھی کردے اور سولی پر بھی لٹکا دے یا صرف قتل کردے یا صرف سولی پر لٹکا دے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں اس کو قتل کرکے سولی پر لٹکایا جائے گا اس کے ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے۔

④ اگر محارب نے نہ قتل کیا اور نہ مال لیا صرف لوگوں کو ڈرایا، اس صورت میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کو تعزیر کے بعد قید کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے، ایسی توبہ جس کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہوں۔.....

حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں اس کو تمام شہروں سے بھگایا جائے گا، کسی شہر میں اس کو ٹھکانہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ آیت کریمہ میں اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ہے، جمہور علماء نفی من الارض کی تفسیر حبس اور قید سے کرتے ہیں۔

(فائدہ) اکثر مفسرین نے وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا سے رہزنی و ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہوجاتا ہے اور جو شانِ نزول احادیث میں بیان ہوا ہے وہ بھی اس کا مقتضی ہے کہ الفاظ کو عموم پر رکھا جائے جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل، لوٹ مار، مجرمانہ سازشیں، مغویانہ پروپیگنڈہ سب داخل ہوسکتے ہیں۔ (کشف الباری، تفسیر ص ۱۷۹)

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل..... باب ظلم دون ظلم حدثنا ابوالوليد قال حدثنا شعبة ح قال وحدثني بشر قال

حدثنا محمد عن شعبة عن سليمان عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله قال لما نزلت "الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم" قال اصحاب رسول الله ﷺ : ايّنا لم يظلم؟ فانزل الله "ان الشرك لظلم عظيم"۔

لماذاخاف اصحاب رسول اللهﷺبنزول هذه الآية ۔ اشرح الآية شرحًا واضحًا يندحض به موقف المعتزلة من تفسيرهذه الآية ۔وهل ههنا قرينة على تفسير "الظلم" بالشرك؟ ۔(ص۹۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزولِ آیت سے خوف کی وجہ (۶) آیت کی تشریح (۷) آیت میں ظلم کی تفسیر شرک ہونے پر قرینہ۔

جواب..... ❶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزولِ آیت سے خوف کی وجہ:۔ اس آیت کے ظاہری معنی کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھبراہٹ ہوئی کہ آیت میں امن وہدایت صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہ ملائیں اور ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس سے کسی قسم کا ظلم سرزد نہ ہوا ہو لہٰذا اس آیت کے مطابق ہم امن وہدایت سے محروم رہیں گے کیونکہ آیت میں **ظلم** کا لفظ نکرہ ہے جو نفی کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے عام ہے اور ظلم کا ہر ہر فرد مراد ہوگا اور انبیاء کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ظلم کے ہر ہر فرد سے بچنا ناممکن ہے۔ یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم کا عام اور ظاہری معنی مراد لیا یعنی لوگوں کی حق تلفی کرنا یا معصیت ومحارم کا ارتکاب کر کے خود اپنے اوپر ظلم کرنا اور اس سے کوئی بھی معصوم نہیں ہوسکتا اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گھبرا کر اس کی تفسیر پوچھی چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (یہاں تنوین تعظیم کیلئے ہے) یہاں ظلم کا سب سے اعلیٰ فرد مراد ہے اور وہ شرک ہے اور اس پر قرینہ آیت کریمہ **ان الشرك لظلم عظيم** ہے اس میں شرک کو ظلمِ عظیم کہا گیا ہے۔ (کشف الباری ج۲ص۲۶۱)

❷ آیت کی تشریح:۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں **(الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم) أى لم يخلطوا ايمانهم بمعصية تفسقهم ، وأبى تفسير الظلم بالكفر لفظ اللبس** مطلب یہ ہے کہ آیت میں جو **ظلم** آیا ہے اس سے مراد معاصی ہیں کفر وشرک نہیں کیونکہ یہاں لفظِ **لبس** استعمال ہوا ہے جس کے معنی خلط ملط کر دینے کے ہیں چونکہ ایمان اور کفر دونوں ضدیں ہیں، دونوں میں اجتماع ممکن نہیں لہٰذا اختلاط کا کوئی سوال نہیں جب اختلاط نہیں ہوسکتا تو ظلم سے شرک وکفر کے معنی مراد لینے کے بجائے معاصی مراد لیں گے چونکہ اس آیت میں ایسے لوگوں کو جو اپنے ایمان کے ساتھ **ظلم** کو خلط کرتے ہیں غیر مامون قرار دیا گیا ہے لہٰذا کہا جائے گا کہ مرتکبِ کبیرہ خارج عن الایمان اور مخلد فی النار ہے۔

پھر چونکہ حدیث میں **ظلم** کی تفسیر صراحۃً ''شرک'' کے ساتھ وارد ہے اس لئے معتزلہ نے یہ کہہ کر حدیث رد کر دی کہ یہ خبرِ واحد ہے اور عقل کے خلاف ہے، ان کے خیال میں یہ حدیث جیسے عقل کے خلاف ہے، قرآن کریم کی اس آیت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ایمان وشرک کا خلط ولبس محال ہے اس لئے کہ خلط ولبس اس وقت متحقق ہوسکتا ہے جب دونوں ایک ہی محل میں جمع ہوں اور ایمان وشرک چونکہ ضدین ہیں اور ضدین کا اجتماع ایک ہی محل میں بوقتِ واحد ناممکن ومحال ہے، پس جب فی نفسہ ایمان وشرک کا لبس محال ہوا تو ''ظلم'' کی تفسیر ''شرک'' سے کیسے کی جائے گی؟

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اہل السنۃ والجماعۃ نے ایک تو الزامی جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ایمان وشرک کا اجتماع محال ہے اور یہ اجتماعِ نقیضین ہے، ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایمان وشرک نقیضین ہیں تو تمہارے نزدیک تو معصیت بھی ایمان کی نقیض ہے، ارتکابِ معصیت کی وجہ سے آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے تو پھر ایمان ومعصیت کا اجتماع کیسے ممکن ہے؟ پھر اس کی جو قرآن کریم میں **لم يلبسوا ايمانهم بظلم** کہہ کر نفی کی ہے اس کا فائدہ کیا ہے؟ جب یہ اجتماع ہی ناممکن ہے تو اسکی نفی فضول قرار دی جائیگی۔

نیز حدیث کو اگر خبر واحد کہہ کر رد کر دیا جائے تو اس نصِ قرآنی کا کیا جواب ہوگا جس میں صراحۃً ایمان وشرک کو جمع کیا گیا ہے؟ فرمایا **ومايؤمن أكثرهم بالله الّا وهم مشركون**۔

اگر معتزلہ یہ جواب دیں کہ یہاں ایمان کے لغوی معنی یعنی تصدیق بالقلب مراد ہے جس کا محل قلب ہے اور یہ معصیت کے

ساتھ جمع ہوسکتی ہے کیونکہ اسکا محل جوارح ہیں۔ تو یہی جواب ہم بھی دے سکتے ہیں کہ **الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم** میں ایمان سے اسکے لغوی معنی یعنی فقط تصدیق مراد ہے اور شرک ایمانِ شرعی کی ضد ہے اس کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اور ایمانِ لغوی کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے یقین کیا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، وہ خالق و مالک ہے، وہی سب سے بڑا ہے، اس طرح کہ اس یقین کے ساتھ شرک کی ملاوٹ نہ ہو، مثلاً اس قسم کا عقیدہ نہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑا ہے مگر اس کے نیچے کچھ چھوٹے چھوٹے معبود بھی ہیں جن کو تکوینیات میں کسی درجہ میں مستقل نفاذ کا اختیار حاصل ہے جب کہ مشرکین مکہ کا عقیدہ ایسا ہی تھا، یا خدا کے ساتھ سب کچھ عقیدہ ٹھیک ہے مگر تشریع میں کسی کیلئے مستقل اختیار ثابت کرے جیسا کہ یہود و نصاریٰ احبا رور ہبان کیلئے کرتے تھے تو جو شخص خدا پر ایمان لائے اور اس کو ایسا تسلیم کرے پھر اس تسلیم کے ساتھ اس قسم کے شرک کی بالکل ملاوٹ نہ ہو، صرف وہی لوگ مامون و مہتدی ہوسکتے ہیں اور اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا جیسا کہ مشرکین کی حالت تھی اور یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے تو وہ یقین نہ ایمانِ شرعی ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ امن و ہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ **ظلم** کے معنی شرک لینے سے نہ تو عقل کے خلاف کوئی بات لازم آتی ہے اور نہ ہی قرآن کریم کے خلاف ہونا لازم آتا ہے بلکہ ''شرک'' کے معنی لے کر آیت کا مطلب بالکل نفیس اور بے غبار ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث سے قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی سیاق و سباق کو پیش نظر رکھنے سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہاں **ظلم** سے شرک مراد ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے شروع رکوع میں رد شرک کا بیان ہے **قل أندعو من دون اللہ مالا ینفعنا ولا یضرنا** پھر اسی مضمون کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا **واذقال ابراھیم لابیہ آزر أتتخذ أصناماً آلھۃً**، اسکے تحت ان کا اپنے والد سے مکالمہ مذکور ہے اور پھر توحید کا مؤثر پیرایہ میں اظہارِ بیان ہے آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم پر نکیر مذکور ہے جو ان کے ساتھ حجت بازی کرتی تھی **أتحاجونی فی اللہ وقد ھدان ولا أخاف ما تشرکون بہٖ الخ**، اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بطور استعجاب فرماتے ہیں **وکیف أخاف ما أشرکتم ولا تخافون أنکم أشرکتم باللہ مالم ینزل بہٖ علیکم سلطٰناً**، اسکے بعد بطورِ تبکیت فرماتے ہیں **فأیّ الفریقین أحق بالأمن ان کنتم تعلمون**۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتلایا کہ مجھے کیا ڈراتے ہو، غور کرو خوف کس کو ہونا چاہیے اس کو جو اللہ کے لئے شریک تجویز کرتا ہے؟ یا اس کو جو توحید کا علمبردار ہے؟ اب بتاؤ امن کس کے لئے ہونا چاہیے اور خوف کا کون مستحق ہے؟ یہاں فریقین کا مصداق واضح ہے کہ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، دوسرا فریق ان کی قوم ہے جو شرک کا شکار بنی ہوئی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی طرف بلا رہی ہے کیونکہ گفتگو یہاں انہی لوگوں سے ہو رہی ہے اور اوپر کی تمام آیات کا خطاب اسی قوم کو ہے، پس فریقین کا مصداق یہاں حتمی طور پر متعین ہے کہ ایک تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو توحید کی طرف بلانے والے ہیں اور دوسرا فریق ان کی قوم ہے جو شرک میں مبتلا ہے، ان فریقین کے متعلق استفسار کیا جا رہا ہے کہ **أی الفریقین أحق بالأمن**، اسی استفسار کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **الذین آمنوا ولم یلبسوآ ایمانھم بظلم أولئک لھم الأمن وھم مھتدون**، اب خود غور کر کے دیکھ لیجئے کہ یہاں **ظلم** سے کیا مراد لینا چاہیے، ظاہر ہے کہ پورا رکوع شرک کے بیان میں ہے اور اسی کے سلسلہ میں سوال و جواب کو بیان کیا گیا ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ یہاں **ظلم** سے مراد ''شرک'' ہے ورنہ جواب سوال کے ساتھ منطبق ہی نہیں ہوگا۔

پھر اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے تسلیم کر لیں کہ یہاں **ظلم** سے مراد معصیت ہے نہ کہ شرک، پھر بھی معتزلہ کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا کہ مرتکبِ معصیت مخلد فی النار ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ **أولئک لھم الأمن** میں دو احتمال ہیں: ایک **امن من الدخول فی العذاب** یعنی نفسِ عذاب سے مامون ہونا، دوسرا **امن من الخلود فی العذاب** یعنی دائمی عذاب سے مامون ہونا۔ معتزلہ اپنے مسلک پر اس آیت سے اسی وقت استدلال کر سکتے ہیں جب **أولئک لھم الأمن** میں قطعی طور پر متعین کر دیں کہ یہاں **امن** سے **امن من الخلود** مراد ہے اور معتزلہ اس کو حتمی طور پر ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں دوسرا احتمال **امن من الدخول** کا بھی ہے

0313 6357913 makkipatakarry@multan@gmail.com

جواس بات پر دلالت کرے گا کہ معصیت کی صورت میں دخول فی العذاب سے امن نہیں ہوگا اس کا ہم انکار نہیں کرتے مرتکبِ معصیت کو ہم دخول فی النار کا مستحق سمجھتے ہیں جب کہ معتزلہ کا دعویٰ خلود فی النار کا ہے جس کا قطعی اثبات یہاں نہیں ہے۔(ایضاً)

③ آیت میں ظلم کی تفسیر شرک ہونے پر قرینہ:۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں **ظلم** سے **شرک** مراد لینے پر قرینہ لفظِ **لبس** ہے جو اس بات پر دال ہے کہ اس مقام پر **ظلم** سے معاصی مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے کیونکہ **لبس** کے معنی ہیں دو چیزوں کو ایک ظرف میں اس طرح خلط کرنا کہ ان میں امتیاز نہ ہوسکے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کا محل ایک ہو اور محل کا اتحاد ایمان اور شرک میں ہوسکتا ہے کیونکہ قلب جس طرح ایمان کا محل ہے اسی طرح شرک کا بھی محل ہے، جبکہ دیگر معاصی کا محل اکثر جوارح ہوتے ہیں، قلب ان کا محل نہیں ہوتا۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی مراد کی تعیین شرک سے فرمادی مثلاً شربت بننے کیلئے ضروری ہے کہ شکر اور پانی دونوں ایک محل میں مل جائیں اگر دونوں علیحدہ علیحدہ دو گلاسوں میں رہیں تو وہاں **لبس** نہیں پایا جائے گا جو شربت بننے کیلئے ضروری ہے۔(کشف الباری کتاب الایمان ج ۲:۲۶۳)

الشق الثانی.....**باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب قاله ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ابی شریح انه قال لعمرو بن سعید وهو یبعث البعوث الی مکة: ائذن لی ایها الامیر احدثك قولا قام به النبی صلی اللہ علیہ وسلم الغد من یوم الفتح سمعته اذنای ووعاه قلبی وابصرته عیناى حین تکلم به، حمد الله وأثنی علیه ثم قال: ان مکة حرمها الله و لم یحرمها الناس فلایحل لامرئ یؤمن بالله والیوم الآخر ان یسفك بها دما و لا یعضد بها شجرة فان احد ترخص لقتال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فیها فقولوا: ان الله قد أذن لرسوله ولم یأذن لکم وانما أذن لی فیها ساعة من نهار ثم عادت حرمتها الیوم کحرمتها بالأمس ولیبلغ الشاهد الغائب، فقیل لأبی شریح ما قال عمرو؟ قال: انا اعلم منك یا ابا شریح، لایعید عاصیًا ولا فارًا بدم ولا فارًا بخربة۔**

اذکر غرض البخاری من هٰذه الترجمة ۔ من هو ابوشریح؟ ومن هو عمرو بن سعید؟ ولما ذا قام بهٰذه النصیحة؟ ترجم الحدیث الشریف ثم اذکر ما هو حکم قطع اشجار الحرم؟ واشرح قوله: "لایعید عاصیا ولا فارًا بدم ولا فارا بخربة؟ (ص ۲۱۔ج ۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چھ امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ابوشریح رضی اللہ عنہ و عمرو بن سعید کا تعارف (۳) ابوشریح رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ حدیث سنانے کی وجہ (۴) حدیث کا ترجمہ (۵) حرم کے درختوں کو کاٹنے کا حکم (۶) **لایعید عاصیا ولا فارًا بدم ولا فارًا بخربة** کی تشریح۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیثِ پاک میں آتا ہے **بلغوا عنی ولو آیة** تو اس سے تبلیغِ آیتِ قرآنی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے، اسلئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم فرما کر اشارہ فرمادیا کہ تبلیغ آیتِ قرآنی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مقصودِ تبلیغِ علم ہے، خواہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیثِ پاک ہو۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تبلیغِ علم کی صریح تاکید اور تعمیم ہے، جو مجلسِ علم میں حاضر ہو اسکو چاہیے کہ جو احکام سنے وہ غائبین کو سنادے۔ اہلِ علم پر تبلیغ بالاستقلال لازم ہے جس میں سوالِ سائل یا کسی حاجت مند کے انتظار کی ضرورت نہیں اور قلیل یا کثیر جتنا معلوم ہو اُتنے ہی کی تبلیغ کا ذمہ دار ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس باب سے یہ بھی ممکن ہے کہ اگر کسی مسئلہ کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے اور حاضرین کو معلوم نہ ہو تو سوال کا انتظار نہ کرے بلکہ مسئلہ بیان کردے، دیکھئے! حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ عمر بن سعید مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنا اور لشکر کشی کرنا چاہتا ہے، اس نے حضرت ابوشریح سے کوئی سوال نہیں کیا تھا، چونکہ ان کو حدیث معلوم تھی اسلئے انہوں نے سوال کا انتظار کئے بغیر جا کر اسے حدیث سنادی۔(کشف الباری کتاب العلم جلد ۴ ص ۱۱۱)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② ابوشریح وعمرو بن سعید رضی اللہ عنہما کا تعارف:۔ ابوشریح: یہ حضرت ابوشریح خزاعی عدوی کعبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے نام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے،خویلد بن عمرو،عبدالرحمٰن بن عمرو،عمرو بن خویلد وغیرہ کئی نام وارد ہیں لیکن مشہور خویلد بن عمرو ہے۔ یہ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، فتح مکہ کے موقع پر بنی کعب کے تین پرچموں میں سے ایک پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ان سے روایت کرنے والوں میں ابوسعید مقبری،سعید بن ابی سعید مقبری،سفیان بن ابی العوجاء اور نافع بن جبیر بن مطعم رحمہم اللہ ہیں۔

امام واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **كان ابو شريح الخزاعي من عقلاء اهل المدينة**۔

حضرت ابوشریح سے تقریباً بیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے دو حدیثیں متفق علیہ ہیں، ایک حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ متفرد ہیں۔حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۶۸ھ میں ہوا۔(ایضاً)

عمرو بن سعید: انکا پورا نام عمرو بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ القرشی الاموی ہے۔ یہ اَشْدَق کے نام سے مشہور ہیں اور یہ تابعی ہیں۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کی طرف سے مکہ کے والی اور گورنر رہے۔عبدالملک بن مروان نے ان کو ۷۰ھ میں قتل کر دیا تھا اور تیسرے طبقہ کے راویوں میں انکا شمار ہے۔(تقریب التہذیب)

③ ابوشریح رحمہ اللہ کے مذکورہ حدیث سنانے کی وجہ:۔ واقعۂ کربلا کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی بنیاد پر اہلِ مکہ کو شامیوں کا ظلم وستم بتا کر بھڑکا دیا، بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

عمرو بن سعید نے یزید کے حکم سے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ اور محاصرہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا، جب مروان کو اطلاع ہوئی تو وہ آیا اور اس نے کہا دیکھو! مکے پر چڑھائی کے لئے لشکر مت بھیجو، عمرو بن سعید کی سمجھ میں بات آ گئی، وہ رک گیا، لیکن عمر بن الزبیر جو عبداللہ بن الزبیر کا باپ شریک بھائی تھا، وہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا اور وہ عمرو بن سعید کے شرطیوں کا سردار تھا، اس نے کہہ دیا **والله لنغزونه في جوف الكعبة على رغم انف من رغم** یعنی ''کوئی کتنا ہی جلے بھنے، ہم تو ضرور بالضرور کعبہ شریف کے اندر بھی لڑنا پڑے تو لڑیں گے''۔حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو جب اس لشکر کشی کے مقصد کا علم ہوا تو وہ تشریف لائے، اس سے اجازت چاہی اور اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی۔

④ حدیث کا ترجمہ:۔ سعید بن ابی سعید نے، وہ ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمرو بن سعید (والی مدینہ) سے جب وہ مکہ (ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لئے) لشکر بھیج رہے تھے، کہا کہ اے امیر! مجھے اجازت ہو تو میں وہ بات آپ سے بیان کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے روز ارشاد فرمائی تھی اس (حدیث) کو میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے اسے یاد رکھا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرام کیا ہے آدمیوں نے حرام نہیں کیا تو (سن لو) کہ کسی شخص کے لئے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ مکہ میں خونریزی کرے یا اس کا کوئی پیڑ کاٹے، پھر اگر کوئی اللہ کے رسول (کے لڑنے) کی وجہ سے اس کا جواز چاہے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے اجازت دی تھی، تمہارے لئے نہیں دی اور مجھے بھی دن کے کچھ لمحوں کے لئے اجازت ملی، آج اس کی حرمت لوٹ آئی جیسی کل تھی اور حاضر غائب کو (یہ بات) پہنچا دے۔(یہ حدیث سننے کے بعد راوی حدیث) ابوشریح سے پوچھا گیا کہ (آپ کی بات سن کر) عمرو نے کیا جواب دیا؟ انہوں نے کہا کہ اے ابوشریح! میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم (مکہ) کسی خطا کار کو یا خون کر کے اور فتنہ پھیلا کر بھاگ آنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔

⑤ حرم کے درختوں کو کاٹنے کا حکم:۔ مکہ مکرمہ کے اشجار ونباتات کی تین قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو کسی شخص نے اپنی محنت سے اُگائے ہوں، ان کو کاٹنا یا اکھیڑنا بالاتفاق جائز ہے۔

دوسرے وہ جن کو کسی نے اُگایا تو نہیں لیکن وہ ان ہی نباتات کی جنس میں سے ہیں جنہیں لوگ عام طور پر اُگاتے ہیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس دوسری قسم کی نباتات کو بھی کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے۔ تیسری قسم خودرو پودوں اور گھاس وغیرہ کی ہے، اس قسم میں سے صرف ''اذخر'' گھاس کا کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے، باقی کسی چیز کا اکھیڑنا یا کاٹنا جائز نہیں، البتہ خودرو گھاس یا پودوں اور درختوں میں سے اگر کوئی پودا وغیرہ مرجھا گیا ہو، یا جل گیا ہو، یا ٹوٹ گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔

حاصل یہ کہ **ولا یعضد بها شجرة** میں شجرہ سے مراد وہ گھاس اور پودے وغیرہ ہیں جو خود اُگے ہوں، وہ نہ تو **ما انبته الناس** کی جنس میں سے ہوں، نہ ٹوٹے ہوئے ہوں، نہ جلے ہوئے ہوں اور نہ مرجھائے ہوئے ہوں نیز ''اذخر'' بھی نہ ہو، ایسے پودوں اور گھاس وغیرہ کا کاٹنا جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں جزاء واجب ہوگی۔ (ایضاً)

⑥ لایعیذعا صیا ولافارًا بدم ولا فارًا بخربة کی تشریح:۔

"لایعیذعاصیا" اس جملہ میں ''عاصی'' سے مراد خارج عن الطاعۃ یعنی باغی ہے۔

"فارًا بالدم" سے مراد قتل کر کے بھاگنے والا ہے۔ **"فارًا بخربة"** ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **خربة** عیب کو کہتے ہیں، یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو اس طرح اپنے ساتھ مختص کرے اور اس پر غالب ہونا چاہتا ہے جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو۔ اسی طرح خربہ کا معنی سرقہ بھی ہے اصل میں اونٹوں کی چوری پر خربہ کا اطلاق ہوتا تھا، بعد میں تو سعا عام چوری پر اس کا اطلاق کیا جانے لگا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر جنایت سے کی ہے۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے لیکن عمرو بن سعید نے اس سے گریز کیا اور یہ کہہ دیا کہ تم اس حدیث کو عام سمجھ رہے ہو حالانکہ یہ حدیث خاص ہے، مجرم اور عاصی جو جرم کر کے حرم میں پناہ لے تو اسے پناہ نہیں ملتی۔

لیکن عمرو بن سعید کا یہ جواب غلط تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نہ باغی تھے، نہ عاصی تھے اور نہ انہوں نے کسی کو قتل کیا تھا۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید اور عبدالملک کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ ان لوگوں سے پہلے انکے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ (کشف الباری ۱۳۵:۴)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل ..... **بَابُ مَا جَاءَ فِيْ بُيُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا نُسِبَ مِنَ الْبُيُوْتِ اِلَيْهِنَّ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى (وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ) وَ (لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ) اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِسْتَأْذَنَ اَزْوَاجَهٗ اَنْ يُمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَذِنَّ لَهٗ** ۔ (ص ۴۳۷۔ ج ۱۔ قدیمی) **انکر غرض البخاری من هٰذه الترجمة۔ شکل الحدیث و ترجمه۔ اشرح الحدیث وانکر ان اقامة ازواجه صلی اللہ علیہ وسلم فی هٰذه البیوت هل کانت من حیث السکن ام من حیث الملك؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حدیث کی تشریح (۵) ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی اقامت کی جہتِ سکونت یا جہتِ ملکیت کی تعیین۔

جواب ..... **(۱) ترجمۃ الباب کی غرض:۔** حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے مال میں آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نفقہ واجب تھا، اسی طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کیلئے اسکان بھی آپ کے گھر والوں میں واجب تھا کیونکہ یہ تمام ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں محبوس تھیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مکانات کے اندر اپنی ازواج مطہرات کو رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ انہی مکانات میں قیام پذیر رہیں۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج ۳ ص ۱۱۱)

(۲) حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

(۳) حدیث کا ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اس بات کی اجازت لی کہ وہ اپنے مرض کے دن میرے گھر میں رہیں تو ازواجِ

0313 6357933 maktabazakariyamultan@gmail.com

مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی۔

④ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور آپ ﷺ کیلئے باہر تشریف لانا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ روزانہ باری باری ازواجِ مطہرات کے گھروں میں جاتے تھے مگر مرض کی شدت کی وجہ سے جب یہ ممکن نہ رہا تو پھر آپ ﷺ نے دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت طلب کی کہ اگر تمہاری طرف سے اجازت ہو تو میں یہ آخری چند ایام عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں گزار لوں؟ تمام ازواجِ مطہرات رحمہن اللہ نے بخوشی اس کی اجازت دیدی چنانچہ دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا انتقال میرے گھر میں میری باری والے دن میرے سینہ پر سر مبارک رکھنے کی حالت میں ہوا۔

⑤ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی اقامت کی جہت سکونت یا جہتِ ملکیت کی تعیین:۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں۔ایک **وقرن فی بیوتکن** اور دوسری **لاتدخلوا بیوت النبی الاان یؤذن لکم** پہلی آیت میں بیوت کی نسبت ازواجِ مطہرات، دوسری میں نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے غالباً اس کے ذریعے اسی اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا عنوان میں ذکر ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مذکورہ گھروں میں قیام من حیث الملک تھا یا من حیث الاسکان، یا یہ کہہ لیجئے کہ ان کو ان گھروں کا مالک بنایا گیا تھا یا صرف ان کو رہنے کے لئے یہ گھر دیئے گئے تھے۔ مشہور مفسر قرآن علامہ جمل رحمہ اللہ آیت کریمہ **لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم** کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ گھر مرد کا ہوتا ہے اور اسی کے لئے اس کا فیصلہ کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بیت کی نسبت مرد (نبی) کی طرف کی ہے''۔

لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ ایک اور آیت **واذکرن مایتلی فی بیوتکن** میں تو بیوت کی نسبت عورتوں (ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن) کی طرف کی گئی ہے، اس لئے یہ کہنا تو درست نہیں رہا کہ گھر مرد کا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیوت کی اضافت نبی کریم ﷺ کی طرف باعتبار ملک ہے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف باعتبار محل ہے کہ یہ ان کے رہنے اور سکن کی جگہیں ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اذنِ دخول نبی کریم ﷺ کا فعل بتلایا گیا ہے اور اذن مالک ہی کا حق ہوتا ہے۔ پھر یہ سمجھئے کہ نبی کریم ﷺ کے بیوت میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں:① ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ گھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی ملکیت تھے، ان میں وہ من حیث الملک مقیم تھیں۔دلیل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی انہی گھروں میں مقیم رہیں، یہاں تک کہ وفات پا گئیں، اسکی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے یہ گھر اپنی حیات ہی میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہبہ کر دیئے تھے ② دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ اسکان تھا، ہبہ نہیں تھا اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن تا حیات وہیں رہیں کیونکہ یہ اسی ''مؤنۃ'' کا حصہ تھا، جس کو خود نبی کریم ﷺ نے مستثنیٰ فرمایا جیسا کہ ان کے نفقہ کو مستثنیٰ قرار فرمایا تھا کہ **ماترکت بعد نفقة اهلی ومؤنة عاملی فهو صدقة**، یہی اہلِ علم کا قول ہے اور اسی کو امام ابن عبدالبر اور ابن العربی وغیرہ نے پسند فرمایا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم رہیں، ان کی وفات کے بعد وہ گھر ان کے ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوئے، پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ گھر ان کی ملکیت میں نہیں تھے، صرف مسکن تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان گھروں کو مسجد نبوی کا حصہ بنا دیا گیا اور ان کے ذریعے اس کی توسیع کر دی گئی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بقول امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان بیوت کی ملکیت کے قائل تھے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ان گھروں میں مالکانہ حیثیت کے ساتھ مقیم تھیں چنانچہ مصنف رحمہ اللہ نے **ومانسب الیهن من البیوت** کہہ کر غالباً اس امر کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔لکھتے ہیں **وقول البخاری فی الترجمة :وما نسب الیهن لعله اشارة الی ترجیح ملکهن**، اور یہی رائے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔(ایضاً)

الشق الثانی.....**باب من لم یخمس الاسلاب ومن قتل قتیلا فله سلبه من غیر ان یخمس وحکم الامام فیه**

اذکر غرض المؤلف من هٰذه الترجمة ۔ ما هو السلب لغة و شرعًا؟ وما هو اختلاف العلماء فی حکمه الشرعی ۔ ما هو اختلاف العلماء فی ان السلب هل یخمس ام لا؟ وما هی ادلتهم۔(ص۴۴۴۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں(۱)ترجمۃ الباب کی غرض(۲)سلب کا لغوی وشرعی معنی (۳)سلب کے حکم شرعی میں اختلاف(۴)سلب کے خمس میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب ..... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سلب کی تخمیس کے مشہور اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں تو انہوں نے جمہور کے مذہب کو ثابت کرنے کیلئے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔(کشف الباری کتاب الجہاد ج۳ص۳۸۸)

❷ سلب کا لغوی وشرعی معنی:۔ **سَلَبٌ:** مصدر بمعنی مسلوب اسم مفعول ہے بمعنی زبردستی چھینا ہوا مال۔شرعی طور پر **سلب ما یوجد مع المحارب من ملبوس وغیره عندالجمهور** (مقاتل کے پاس جو لباس وہتھیار وغیرہ ہوتا ہے)(ایضاً)

❸ سلب کے حکم شرعی میں اختلاف:۔ جمہور فقہائے امت کا مؤقف یہ ہے کہ کوئی مسلم جنگجو دورانِ معرکہ کسی مشرک کو آگے بڑھ کر قتل کرے تو جو کچھ مال واسباب اس مشرک کے پاس ہوتا ہے اسکا یہ مقاتل مسلم مستحق ہوتا ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تاہم اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کیلئے امام کی اجازت بھی ضروری ہے یا نہیں؟

حنفیہ ومالکیہ کے علاوہ تمام حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس کیلئے امام کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں،امام سلب کی تصریح کرے یا نہ کرے،مقاتل بہرحال اس کا مستحق ہوگا۔جبکہ حنفیہ اس کیلئے امام کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں مثلاً یہ کہے کہ غنیمت جمع ہونے سے قبل جو کسی کو قتل کرے گا اس کا سلب شدہ مال اسی کا ہوگا بصورت دیگر سلب بھی غنیمت کا حصہ ہوگا جو غانمین کے درمیان تقسیم ہوگا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالکیہ کا مذہب بھی احناف کے قریب قریب ہے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ امام کیلئے یہ مناسب نہیں کہ ابتداءً اس طرح کی کوئی بات یا شرط لگائے،ہاں! جنگ ختم ہونے کے بعد ایسی بات کہی جاسکتی ہے تاکہ نیتِ مقاتل میں فساد نہ آئے۔

دراصل مالکیہ سلب کو نفل ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں چنانچہ جو مذہب نفل کے سلسلے میں ان کا ہے،وہی مذہب ان کا سلب میں بھی ہے۔

❹ سلب کے خمس میں اختلاف مع الدلائل:۔ شافعیہ،حنابلہ،ابن المنذر اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سلب میں تخمیس جاری نہیں ہوگی،مطلب یہ ہے کہ سلب قاتل کے حوالہ کردیا جائے گا اور اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔

ان کی پہلی دلیل حضرت عوف بن مالک اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ **ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالسلب للقاتل ، ولم یخمس السلب** کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب قاتل کو دینے کا حکم جاری کیا اور اس میں خمس نہیں لیا۔

دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے **انا کنا لانخمس السلب** کہ ”ہم سلب میں تخمیس نہیں کرتے تھے“۔

دوسرا مذہب امام اوزاعی اور مکحول رحمۃ اللہ علیہما کا ہے کہ سلب کا بھی خمس نکالا جائے گا۔ان حضرات کی دلیل آیت قرآنی **واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول** ہے کہ یہ آیت عام ہے چنانچہ غنائم میں مطلقاً تخمیس کا عمل جاری ہوگا۔یہی مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے۔ تیسرا مذہب اسحاق بن راہویہ کا ہے،وہ فرماتے ہیں **ان استکثر الامام السلب خمسه وذلك اليه** کہ امام اگر یہ دیکھے کہ سلب کی مقدار بہت زیادہ ہے تو اس کی تخمیس کرے گا اور اس کا اختیار امام کو ہوگا۔

ان کی دلیل ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک مرزبان (اہل فارس کا فقیہ ومذہبی پیشوا) کے ساتھ بحرین میں مبارزت کی،حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کو نیزہ مارا،جس سے اس مرزبان کی کمر توڑ دی،آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے دونوں کنگن لے لئے اور دوسرا سامان بھی،نماز ظہر کے بعد یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پورا واقعہ سنایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پہلے سلب میں سے خمس نہیں لیا کرتے تھے تاہم براء کا جو سلب ہے وہ معتد بہ مال ہے،اس لئے میں اسکا خمس لوں گا چنانچہ یہ پہلا سلب تھا جس میں تخمیس ہوئی،اس سلب کی مقدار تیس ہزار تھی۔

0313 6638913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اس مسئلہ میں چوتھا مذہب حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک سلبِ مقتول دوسرے غنائم کی طرح ہے، یہ قاتل کے ساتھ مختص نہیں بلکہ قاتل اور غیر قاتل سب اس میں برابر ہیں، سلب کو امام نفل کے طور پر دے گا۔

اب احناف کے ہاں محل التنفیل غنائم کو دارالاسلام منتقل کرنے سے قبل تو اربعہ الاخماس ہے اور دارالاسلام منتقل کرنے کے بعد خمس ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ہر حال میں خمس ہے اور امام کی رائے پر موقوف ہے وہ اگر مناسب سمجھے گا تو قاتل کو دیگا ورنہ نہیں۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**باب عدة اصحاب بدر ..... عن البراء قال: استصغرت انا و ابن عمر يوم بدر، وكان المهاجرون يوم بدر نيفا على ستين، والانصار نيفا و اربعين ومائتين .** (ص۵۶۴۔ج۲۔قدیمی)

اشرح لغويا قوله: "استصغرت" و قوله: "نيفا" . قد وردت اعداد مختلفة فيمن شهدوا بدرًا اذكر تلك الاعداد . اكتب وجه التوفيق بين هٰذه الاعداد المختلفة .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) **استصغرت، نیفا** کی لغوی تشریح (۲) شرکاءِ بدر کی تعداد میں اقوال (۳) شرکاءِ بدر کی تعداد کی روایات میں تطبیق۔

جواب..... ❶ **استصغرت، نیفا کی لغوی تشریح:۔** یہ باب استفعال سے واحد متکلم ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مجرد میں اس کا مادہ صغر ہے، اب اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں کم عمر ہونے کی وجہ سے مجھے صغیر السن سمجھا گیا تھا اور یہ ان چار افراد میں سے ہیں جن کو صغیر السن ہونے کی وجہ سے جہاد کی اجازت نہیں دی گئی تھی مگر وہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھے بقیہ تین صحابہ حضرت انس، حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم تھے۔ "نینفا" یہ نِیْف اور نَیِّف دونوں طرح ہے اور بِضْعٌ کے وزن پر ہے اور جس طرح بِضْعٌ کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق بھی تین سے نو تک ہوتا ہے۔

❷ **شرکاءِ بدر کی تعداد میں اقوال:۔** ① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں تین سو تیرہ آدمی تھی ② بعض روایات میں تین سو چودہ کا ذکر ہے ③ بعض روایات میں تین سو پندرہ کا ذکر ہے ④ بعض روایات میں تین سو انیس کا ذکر ہے۔ (کشف الباری کتاب المغازی ۹۸)

❸ **شرکاءِ بدر کی تعداد کی روایات میں تطبیق:۔** اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ایک اس صحابی کو جو گنتی کے وقت موجود نہیں تھے لیکن دور سے ایک اونٹ پر آتے ہوئے نظر آئے تھے شمار نہ کیا جائے تو تعداد تین سو تیرہ بنتی ہے اور اگر اس صحابی کو شمار کیا جائے تو پھر تین سو چودہ بنتی ہے اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو پندرہ بنتی ہے اور اگر ان چار صحابہ کو جو صغیر السن تھے اور انکو جہاد کی اجازت نہیں ملی تھی لیکن وہ ساتھ تھے ان کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو انیس بنتی ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**عن انس بن مالك قال: اتى النبى صلى الله عليه وسلم على بعض نسائه و معهن ام سليم فقال: ويحك يا انجشة! رويدك سوقك بالقوارير .** (۲:۹۰۸۔قدیمی) **من هى ام سليم؟ عرفها بايجاز . حقق لغويا قوله: رويدك و سوقك.**

0316-6357913 makkahbizakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) ام سُلیم رضی اللہ عنہا کا تعارف (۲) **رویدك، سوقك** کی لغوی تحقیق۔

جواب..... ❶ **ام سُلیم رضی اللہ عنہا کا تعارف:۔** آپ رضی اللہ عنہا کا نام سہلہ یا رملہ، لقب غمیصاء اور رمیصاء، کنیت امِ سلیم والد کا نام ملحان اور والدہ کا نام ملیکہ ہے۔ اسلام لانے کی وجہ سے پہلا شوہر چھوڑ کر ملک شام چلا گیا اور وہیں انتقال ہوا، پھر ابوطلحہ سے قبولِ اسلام کی شرط پر نکاح ہوا اور دو بچے ابوعمیر اور عبداللہ پیدا ہوئے اور پہلے خاوند مالک سے ایک بچہ تھا جسے اسلامی تاریخ مشہور صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

❷ **رویدك، سوقك کی لغوی تحقیق:۔** "رُوَیْدَ" یہ اسم فعل اَمْهِلْ امر معلوم کے معنی میں ہے یعنی روک دو۔

"سَوْقَكَ" یہ باب نصر کا مصدر ہے بمعنی ہانکنا اور فتار تیز کرنا، اس سے حدی بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ یہ سوق کا سبب ہے۔ (کشف الباری)

﴿الورقة الرابعة:الصحیح للامام البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....باب العلم والعظة باللیل عن ام سلمة قالت استیقظ النبی ﷺ ذات لیلة فقال سبحان الله ماذا انزل اللیلة من الفتن و ماذا فتح من الخزائن ایقظوا صواحب الحجر فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة۔(ص۲۲۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث و بین اسم ام سلمة ، عقد الامام البخاری بعد هٰذا الباب باب السمر فی العلم انکر مقصد الامام البخاری من ترجمتی البابین ، اشرح قوله علیه السلام فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام (۳) ترجمۃ الباب (باب العلم والعظة باللیل ، باب السمر فی العلم) کا مقصد (۴) فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الاٰخرة کی تشریح۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ یہ باب ہے رات کے وقت تعلیم دینے اور وعظ ونصیحت (کے جواز) کے بیان میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے اور فرمایا کہ آج رات کس قدر فتنے نازل کئے گئے اور کس قدر خزانے کھولے گئے ان حجرہ والیوں کو جگاؤ کیونکہ بہت سی عورتیں جو اس دنیا میں (باریک) کپڑے پہننے والی ہیں وہ آخرت میں برہنہ ہونگی۔

② حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہند بنت ابی امیہ (نام حذیفہ یا سہیل) بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشیہ مخزومیہ ہے۔(کشف الباری ج۴)

③ ترجمۃ الباب (باب العلم والعظة باللیل ، باب السمر فی العلم) کا مقصد:۔

باب العلم والعظة باللیل: اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض رات کے وقت تعلیم اور وعظ ونصیحت کے جواز کو بیان کرنا ہے کہ جس طرح دن کے وقت تعلیم دینا اور وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے اسی طرح رات کے وقت بھی تعلیم دینا اور وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے، تعلیم اور وعظ ونصیحت کے لئے دن کی کوئی قید نہیں ہے۔

باب السمر فی العلم: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ سونے سے پہلے اگر علمی قصہ گوئی کی جائے تو یہ ممنوع نہیں ہے اور گذشتہ باب میں سونے سے پہلے کی تخصیص نہیں تھی وہ باب عام تھا۔

④ فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الاٰخرة کی تشریح:۔ یہاں رُبَّ تکثیر کے لئے ہے، اس کے متعدد مطلب ہیں ① یہ عورتیں ایسا باریک لباس پہنتی ہیں جس سے اندرونی اعضاء مکشوف ہوجاتے ہیں یا اعضاء کا رنگ جھلکنے لگتا ہے ② اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اس قدر چست وتنگ لباس پہنا جائے کہ اندرونی اعضاء اُبھر جائیں اور ان کی ساخت ظاہر ہوجائے ③ یہ عورتیں دنیا میں انتہائی بڑھیا وقیمتی لباس پہننے والی ہیں مگر آخرت میں نیکیوں سے خالی ہوں گی۔(کشف الباری)

الشق الثانی.....عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَعَثَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْیَمَنِ بِذُهَیْبَةٍ فِیْ اَدِیْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا قَالَ فَقَسَمَهَا بَیْنَ اَرْبَعَةِ نَفَرٍ..... فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَیْنَیْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَیْنِ نَاشِزُ الْجَبْهَةِ کَثُّ اللِّحْیَةِ مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ مُشَمَّرُ الْاِزَارِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِتَّقِ اللّٰهَ قَالَ وَیْلَكَ اَوَ لَسْتُ اَحَقَّ اَهْلِ الْاَرْضِ اَنْ اَتَّقِیَ اللّٰهَ ..... قَالَ ثُمَّ نَظَرَ اِلَیْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ فَقَالَ اِنَّهٗ یَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ ۔(ص۶۲۳۔ج۲۔قدیمی)

شکل الحدیث الشریف بالضبط ثم ترجمه واضحة ، اکتب اسم ابی سعید الخدری ولماذا یقال له الخدری و بین اسم الرجل القائم ومن المراد من قوم فی قوله ﷺ قوم یتلون کتاب الله ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حضرت ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ کا نام اور خدری کہنے کی وجہ (۴) رجلِ قائم کا نام اور قوم کی مراد۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا ایسے چمڑے میں جسکو دباغت دی گئی تھی اور اُس کو مٹی سے جدا نہیں کیا گیا تھا، فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں اندر کی طرف دھنسی ہوئی تھیں، رخسار آگے کو اُبھرے ہوئے تھے، پیشانی آگے کو نکلی ہوئی تھی، داڑھی گھنی تھی، سر اُس کا منڈا ہوا تھا، اِزار پنڈلیوں کی طرف اُٹھایا ہوا تھا، اُس نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ہلاکت ہو کیا میں اہلِ زمین میں سے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا نہیں ہوں؟ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی طرف دیکھا کہ وہ پُشت پھیرے ہوئے جا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِس کی نسل میں سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو قرآنِ کریم کی تلاوت بڑی تازگی کے ساتھ کرے گی مگر وہ قرآن اُن کے حلقوم سے آگے نہیں جائے گا، وہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

③ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام اور خدری کہنے کی وجہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا پورا نام ونسب سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن عبید بن الابجر انصاری خزرجی ہے۔

ان کے اجداد میں سے ابجر کا نام خُدرہ تھا، ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو خُدری کہتے ہیں۔ (کشف الباری ج۲ص۸۲)

④ رجلِ قائم کا نام اور قوم کی مراد:۔ اس رجلِ قائم کے متعلق بعض نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے، بعض نے اس کا نام ذوالخویصرہ تمیمی ذکر کیا ہے۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا نام نافع تھا اور ابوداؤد کی روایت میں بھی اس کا نام نافع آیا ہے، بعض نے کہا کہ اس کا نام حرقوص بن زہیر ہے۔ قوم سے مراد خوارج کا فتنہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ظاہر ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کیا تھا اور مقتولین میں یہ شخص بھی شامل تھا۔ (کشف الباری، مغازی ص۵۷۳)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل .....**عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرق نخل بنی النضیر قال: ولها یقول حسان بن ثابت**

وهان علی سراة بنی لوی حریق بالبویرة مستطیر

فاجابه ابوسفیان: ادام الله ذلك من صنیع وحرق فی نواحیها السعیر

ستعلم اینا منها بتره وتعلم ای ارضینا تضیر (ص۵۸۵۔ج۲۔قدیمی)

اذکر اسماء قبائل الیهود الذین کانوا بالمدینة قبل مقدم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ومتی اجلیت هذه القبائل منها ؟ متی وقعت غزوة بنی النضیر؟ اذکر قصتها بتفصیل وبسط ۔ ترجم الابیات المذکورة ثم اشرحها ۔

0313 6359913 shaktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) ہجرت سے قبل مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے نام (۲) یہودی قبائل کو مدینہ سے نکالنے کا موقع (۳) غزوۂ بنونضیر کا سن اور واقعہ (۴) ابیات کا ترجمہ (۵) ابیات کی تشریح۔

جواب ..... ① ہجرت سے قبل مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے نام:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے اس وقت کفار کی تین قسمیں تھیں۔ ① ایک قسم کفار کی وہ تھی جو باقاعدہ دشمنی کا اعلان کرتے تھے اور جنگ کیلئے آمادہ تھے ② دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جس اس انتظار میں تھے کہ مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر غالب آگئے تو ہم بھی انکے ساتھ ہو جائیں گے ورنہ اپنے آبائی دین پر قائم رہیں گے، پھر بعض ان میں سے دل سے مسلمانوں کا غلبہ چاہتے تھے جیسے بنوخزاعہ اور کچھ لوگ دل سے مسلمانوں کا غلبہ نہیں چاہتے تھے ③ تیسری قسم یہودِ مدینہ کی تھی۔ مدینہ کے یہود میں اصل قبیلے دو تھے ایک بنوقریظہ اور دوسرا بنونضیر، بنوقینقاع اور بنو حارثہ کا بھی ذکر آتا ہے لیکن درحقیقت وہ بنوقریظہ اور بنونضیر ہی کی شاخیں تھیں۔ (کشف الباری کتاب المغازی ص۱۷۸)

② یہودی قبائل کو مدینہ سے نکالنے کا موقع:۔ سب سے پہلے عہد شکنی کے نتیجہ میں بنوقینقاع کو شوال ۲ھ میں جلاوطن کیا گیا اس کے بعد محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ۴ھ میں بنوقریضہ وبنونضیر دونوں نے عہد شکنی کی مگر بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا، بعض شام میں اور بعض خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور بنوقریضہ سے تجدید معاہدہ ہوا، اس کے بعد غزوۂ خندق کے موقع پر دوبارہ عہد شکنی کے نتیجہ میں ان کے مردوں کو قتل کیا گیا اور عورتوں وبچوں کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔

③ غزوۂ بنونضیر کا سن اور واقعہ:۔ غزوۂ بنونضیر کب پیش آیا؟ اس سلسلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رائے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے اور ایک رائے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کی ہے، حضرت عروہ کی رائے یہ ہے کہ جب غزوۂ بدر کے بعد چھ مہینے گزر چکے تو غزوۂ بنونضیر کا واقعہ پیش آیا جبکہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی رائے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نقل کی کہ بنونضیر کا یہ واقعہ غزوۂ بئر معونہ اور غزوۂ اُحد کے بعد پیش آیا ہے۔

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہودیوں میں سے بنوقینقاع کی غداری وجلاوطنی کے بعد اب بنونضیر نے عہد شکنی کی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بئر معونہ کے واقعہ میں اتفاقاً زندہ بچ گئے تھے۔ وہاں سے مدینہ آتے ہوئے ان کو دو کافر ملے جو بنوعامر میں سے تھے تو عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ اس قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل نے ستر مسلمان (بئر معونہ میں) شہید کئے ہیں۔ ان دونوں کو قتل کر ڈالا، عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ مقتولین کے قبیلہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے ہمارا معاہدہ تھا لہٰذا دیت دینا ضروری ہے (اگرچہ عامر بن طفیل نے عہد شکنی کر لی تھی اور ستر مسلمانوں کو شہید کیا تھا لیکن اس عہد شکنی میں پورا قبیلہ شامل نہیں تھا اس لئے آپ نے بنوعامر کے ان دو مقتولین کی دیت ضروری سمجھی)

بنوعامر جس طرح مسلمانوں کے حلیف تھے اسی طرح بنونضیر کے بھی حلیف تھے لہٰذا عرب کے دستور کے مطابق دیت میں کچھ حصہ بنونضیر کے ذمہ بھی واجب الادا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دیت کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر چند صحابہ کو لے کر بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے، وہاں جا کر ایک دیوار کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔

اس دوران بنونضیر نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص مکان کی چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بڑا پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرا دے تاکہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا جا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہودیوں کی اس سازش کی اطلاع ملی چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اُٹھے جیسے کسی کام کیلئے اُٹھ کر ابھی واپس آجائیں گے اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے جب آپ کی واپسی میں دیر ہوتی چلی گئی تو یہود بڑے شرمندہ اور مایوس ہوئے اور صحابہ وہاں سے اُٹھ کر آپ کی تلاش میں مدینہ منورہ آگئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب صحابہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ بنونضیر نے عہد شکنی کی ہے لہٰذا ان کا محاصرہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا عامل مقرر فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کا محاصرہ کر لیا، عبداللہ بن ابی نے بنونضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن منافقین کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ آسکے۔ پندرہ دن محاصرہ کرنے کے بعد بنونضیر مجبور ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں امن دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس دن کی مہلت ہے، دس دن کے اندر اندر تم مدینہ سے نکل جاؤ، جتنا سامان تم اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو اتنا لے جانے کی اجازت ہے لیکن ہتھیار اور اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں۔ یہودیوں نے اپنے مکانات کے دروازے اور چوکھٹ تک نکال لئے اور مدینہ سے بنونضیر کا ہنگامہ ختم ہوا۔ یامین بن عمیر اور ابوسعید بن وہب یہ دو آدمی ان میں سے مسلمان ہوئے چنانچہ ان کو جلاوطن نہیں کیا گیا اور نہ ان کو مال واسباب سے محروم کیا گیا۔

④ ابیات کا ترجمہ:۔ (حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بیت کا ترجمہ) اور آسان ہوا بنی لوئ کے سرداروں کے لئے مقام بویرہ میں ایسی آگ جلانا جس کے شعلے پھیلے ہوئے تھے۔ (ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے ابیات کا ترجمہ) اللہ تعالیٰ اس آگ کو جو بویرہ میں لگی ہے ہمیشہ قائم رکھے اور آگ بویرہ کے گرد ونواح کو یوں ہی جلایا کرے، تم عنقریب جان لوگے کہ کون اس بویرہ سے دور ہے اور تم یہ بھی جان لوگے کہ ہم میں سے کس کی زمین کو وہ آگ نقصان پہنچاتی ہے۔

⑤ ابیات کی تشریح:۔ (حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بیت کی تشریح) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

0313 6557912 maktabazakariyamultan@gmail.com

آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بغیر کسی جنگ کے بڑی آسانی کے ساتھ مقام بویرہ میں باغات کو آگ لگائی، اس شعر سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ قریش مکہ کو عار دلا رہے ہیں کیونکہ قریش نے بنونضیر کو جنگ پر ابھارا تھا۔اور اگر ''سراۃ بنی لوی'' سے قریش کے کافر سردار مراد ہوں تو مطلب ہوگا کہ قریش کے سرداروں نے مقام بویرہ میں آگ کا معاملہ بڑا آسان اور ہلکا سمجھا، یہ طنز ہے کہ قریش نے بنونضیر اور بنوقریظہ کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ تصادم کے وقت وہ ان کی مدد کریں گے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب جب ان پر یہ افتاد پڑی اور ان کے باغات جلائے گئے تو قریش میں سے کوئی بھی مدد کے لئے نہیں آیا گویا کہ یہ کوئی سنگین واقعہ ہی نہیں تھا۔جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا تو اس کے جواب میں ابوسفیان بن الحارث (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) نے یہ اشعار کہے جو عبارت میں مذکور ہیں۔

ابوسفیان نے پہلے شعر میں بددعا دی کہ بویرہ کا اردگرد یعنی مدینہ آگ میں یوں ہی جلتا رہے، دوسرے شعر میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بویرہ میں آگ کی عار ہمیں کیوں دلاتے ہو، بویرہ کے اردگرد تو تم رہتے ہو اس سے ہمیں اور ہماری زمین کو کچھ نقصان نہیں ہوگا، تمہاری ہی رہائشی زمینیں جلیں گی۔(کشف الباری کتاب المغازی ص ۱۸۵)

الشق الثانی.....**باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان وبئر معونة وحديث عضل والقارة وعاصم بن ثابت وخبيب واصحابه ..... عن انس قال: بعث النبی ﷺ سبعين رجلا لحاجة يقال لهم القراء فعرض لهم حيان من بنی سليم رعل وذكوان عند بئر يقال لها: بئر معونة فقال القوم: والله ماإياكم اردنا انما نحن مجتازون فی حاجة للنبی ﷺ فقتلوهم فدعا النبی ﷺ عليهم شهرا فی صلاة الغداة وذلك بدء القنوت وما كنا نقنت ۔ قال عبدالعزيز: وسأل رجل انسا عن القنوت : ابعد الركوع او عند فراغ من القراءة؟ قال: لا بل عند فراغ من القراءة۔**(ص۵۸۵۔ج۲۔قدیمی)

اشرح ترجمة الباب واذكر هل رعل وذكوان يتعلقان بغزوة الرجيع؟ وكذلك عضل والقارة هل يتعلقان ببئر معونة؟ ترجم الحديث المبارك ثم اذكر قصة غزوة الرجيع بجمع واستقصاء۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی تشریح (۲) رعل وذکوان کے غزوۂ رجیع اور عضل وقارہ کے بئرِ معونہ کے متعلق ہونے کی وضاحت (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) غزوۂ رجیع کا قصہ۔

جواب..... ❶ ترجمۃ الباب کی تشریح:۔ غزوۂ رجیع کے بارے میں ابن اسحاق کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ ۲ ہجری کے آخر میں واقع ہوا ہے جبکہ واقدی، ابن سعد اور ابن حبان کی رائے یہ ہے کہ یہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے۔

غزوۂ بئرِ معونہ کے بارے میں تمام اہلِ سیر کا تقریباً اتفاق ہے کہ وہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں غزوات کو ایک ہی باب میں ذکر فرمایا اس میں شاید واقدی، ابن سعد اور ابن حبان کی رائے کی تائید مقصود ہے۔

ابنِ عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں کہیں تو اس کو ۲ ہجری کا واقعہ قرار دیا اور کہیں ۴ ہجری کی روایت نقل کردی ہے۔

بہرحال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ان دونوں غزوات کو ایک باب میں جمع کرنا حکمت سے خالی نہیں ہے اور وہ بظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں غزوات ۴ ہجری میں واقع ہوئے ہیں۔(کشف الباری، کتاب المغازی ص ۲۵۳)

❷ رعل وذکوان کے غزوۂ رجیع اور عضل وقارہ کے بئرِ معونہ کے متعلق ہونے کی وضاحت:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رعل وذکوان کا تعلق غزوۂ رجیع کے ساتھ ہے اور عضل وقارہ کا تعلق بئرِ معونہ کے ساتھ ہے جبکہ حقیقت اسکے برعکس ہے یعنی رعل وذکوان کا تعلق بئرِ معونہ کے ساتھ ہے اور عضل وقارہ کا تعلق غزوۂ رجیع کے ساتھ ہے۔(ایضاً ص ۲۵۴)

❸ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر آدمی کسی کام کے لئے بھیجے جن کو ''قراء'' کہا جاتا تھا، بنوسلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان انکے راستے میں ایک کنویں کے پاس جس کو ''بئرِ معونہ'' کہا جاتا ہے آڑے

آئے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا تم ہمارا راستہ روکتے ہو، خدا کی قسم! ہم تمہارے ارادے سے نہیں آئے ہیں، ہم تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام سے جارہے ہیں، لیکن ان لوگوں نے صحابہ کو قتل کردیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے تک رعل اور ذکوان کے حق میں بددعا فرمائی اور یہیں سے قنوت نازلہ کا آغاز ہوا اس سے پہلے ہم قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز بن صہیب کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے“۔

④ غزوۂ رجیع کا قصہ:۔ غزوۂ رجیع: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ جاسوسی کی غرض سے روانہ فرمایا اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔ (بخاری)

ابن سعد کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عضل اور قارہ کے لوگ آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ ہماری قوم کو قرآن کی تعلیم دینے کیلئے چند صحابہ رضی اللہ عنہم روانہ فرمائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دس آدمی روانہ فرمادیئے۔

لیکن دونوں روایات میں تطبیق ہوسکتی ہے اسطرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین مکہ کے حالات دریافت کرنے کیلئے ان حضرات کو بھیجنے کا پہلے سے ارادہ تھا اب جب عضل اور قارہ کی درخواست آئی تو آپ نے یہ کام بھی ان کے سپرد کردیا کہ وہاں جاکر تم قرآن کی تعلیم بھی دو۔

اس جماعت کے امیر حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو صحابہ اس میں شریک تھے ان میں حضرت خبیب بن عدی، حضرت عبداللہ بن طارق، حضرت زید بن دثنہ، حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی اور حضرت خالد بن ابی البکیر شامل تھے، جب یہ حضرات مکہ اور عسفان کے درمیان مقام ”ہداۃ“ تک پہنچے تو عضل اور قارہ کے لوگوں نے بدعہدی اور غداری کی اور قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان سے تذکرہ کیا کہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے ہیں چنانچہ اس قبیلہ کے سو تیراندازوں نے صحابہ کی اس جماعت کا تعاقب کیا اور نشانات قدم کا تتبع کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی منزل تک آگئے جہاں صحابہ کی اس جماعت نے پڑاؤ کیا تھا، ان لوگوں نے اس مقام پر کھجور کی گٹھلیاں پائیں، دیکھ کر کہنے لگے ”یہ تو یثرب کی کھجور ہے“ چنانچہ نشاناتِ قدم کو تلاش کرتے ہوئے دوبارہ چل دیئے اور جاکر بالآخر مسلمانوں کی جماعت کو پالیا۔ جب عاصم اور ان کے ساتھی چلنے سے رُک گئے تو انہوں نے ایک اونچے ٹیلے کی پناہ لی۔ کافروں نے آکر اس ٹیلے کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھیر لیا اور کہا ”تمہارے لئے عہد و پیمان ہے اگر تم لوگ اتر کر ہمارے پاس آگئے تو ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ اس پر جماعت کے امیر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا ”میں تو کافر کی پناہ میں نہیں اتروں گا“ اور یہ دعا کی **اللھم اخبر عنانبیك** اے اللہ! ہماری حالت سے اپنے نبی کو باخبر کیجئے۔ پھر کفار نے ان سے قتال کیا اور تیروں سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اور ان کے چھ ساتھیوں کو انہوں نے شہید کیا۔ حضرت خبیب، حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم باقی رہے، کافروں نے ان کو امان کا عہد و پیمان دیا، ان کے عہد و پیمان پر تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم ٹیلے سے اتر آئے پھر بعد میں کافروں نے یکے بعد دیگرے ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی شہید کردیا تھا۔ (ایضاً)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۸ھ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الاوّل.....**باب كفران العشير وكفر دون كفر فيه عن ابى سعيد عن النبى صلى الله عليه وسلم عن ابن عباس قال قال النبى صلى الله عليه وسلم اريت النار فاذا اكثر اهلها النساء يكفرن قيل ايكفرن بالله قال يكفرن العشير ويكفرن الاحسان لو احسنت الى احداهن الدهر ثم رأت منك شيئا قالت ما رأيت منك خيرا قط** ۔(ص۹۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث سلسة وعيّن حديث ابى سعيد الذى اشار اليه الامام البخارى ، اكتب غرض الامام البخارى من ترجمة الباب ، حرّر معانى كلمة دون المذكورة ثم بيّن معنى الكفر لغة و مراتبه و درجاته

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیثِ ابوسعید (مشارالیہ) کی تعیین (۳) ترجمۃ الباب کی غرض (۴) دون کا معنی (۵) کفر کا معنی و مراتب و درجات۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جہنم دکھلائی گئی تو

وہاں اکثر تعداد عورتوں کی تھی، کہ وہ ناشکری کرتی ہیں، عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں، اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر احسان کرتے رہو پھر دیکھ لے وہ تم سے کوئی چیز تو کہے گی کہ میں نے تمہارے پاس کبھی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔

② حدیث ابوسعید (مشارالیہ) کی تعیین:۔ **فیہ عن ابی سعید الخدری الخ** سے جس حدیث کی طرف اشارہ ہے اس سے مراد کتاب الحیض کی روایت **یا معشر النساء! تصدقن فانی اریتکن اکثر اھل النار، فقلن وبِمَ یا رسول اللہ؟ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر۔** (کشف الباری کتاب الایمان ج۲ص۲۰۱)

③ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ ماقبل کے متعدد ابواب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کے مختلف درجات کو ثابت اور بیان کیا ہے، جس سے مقصود ایمان کے مرکب ہونے اور قابل للزیادۃ والنقصان ہونے کو بتلانا تھا اور ایمان کی ضد کفر ہے تو اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفر کے بھی مختلف درجات ہیں ایک سب سے اعلیٰ درجہ ہے جس کو کفر اصلی کہتے ہیں یہ ایمانِ اصلی کے مقابل ہے اور اس کے نیچے کفر کے مختلف درجات ہیں جس کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا انہی درجات کو کفر دون کفر سے تعبیر کیا ہے۔

④ دون کا معنی:۔ دون دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ① **دون** بمعنی **غیر** جیسے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء** ② **دون** بمعنی **ادنی من شیئی** جیسے یہی ترجمۃ الباب **کفر دون کفر** ہے۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معنی اول اور حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معنی ثانی راجح ہے۔

⑤ کفر کا معنی ومراتب ودرجات:۔ کفر کا لغوی معنی چھپانا ہے اور اصطلاح میں یہ ایمان کی ضد ہے کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا یا سب کا انکار کرنا کفر ہے اور لفظ کفر کا استعمال اکثر طور پر دین کا انکار کرنے میں ہوتا ہے۔

کفر کے متعدد مراتب ودرجات ہیں، ان میں سے بعض ایمان سے خارج کرنیوالے ہیں جیسے باری تعالیٰ کی ربوبیت ووحدانیت یا رسالت یا ملائکہ یا یومِ آخرت کا انکار کرنا اور یہ کفر کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ودرجہ ہے اس کو کفرِ حقیقی واصلی کہتے ہیں۔

بعض مراتب وہ ہیں جو ایمان سے خارج نہیں کرتے اس کا اطلاق معاصی ونافرمانیوں پر ہوتا ہے اس کو کفرِ فرعی اور غیر اصلی کہتے ہیں جیسے **سباب المؤمن فسق وقتالہ کفر، من ترک صلوٰۃ متعمدًا فقد کفر، لاترغبوا عن اٰبائکم فمن رغب عن ابیہ فقد کفر۔** (کشف الباری ج۲ص۱۹۳)

الشق الثانی..... **"باب التصید علی الجبل، عن نافع مولی ابی قتادۃ وابی صالح مولی التوأمۃ سمعت ابا قتادۃ قال: کنت مع النبی ﷺ فیما بین مکۃ والمدینۃ وھم محرمون وانا رجل حلّ علی فرسی وکنت رقّاء علی الجبل، فبینا انا علی ذلک اذ رأیت الناس متشوفین لشیئ فذھبت انظر فاذا ھو حمار وحش فقلت لھم: ماھذا؟ قالوا: لاندری، قلت ھو حمار وحش فقالوا: ھو ما رأیت وکنت نسیت سوطی فقلت لھم: ناولونی سوطی فقالوا: لانعینک علیہ، فنزلت فاخذتہ ثم ضربت فی اثرہ فلم یکن الّا ذلک حتی عقرتہ فاتیت لھم فقلت لھم: قوموا فاحتملوا، قالوا: لانمسّہ فحملتہ حتی جئتھم بہ فابٰی بعضھم واکل بعضھم فقلت: انا استوقف لکم النبی ﷺ فادرکتہ فحدثتہ الحدیث فقال لی: اَ بقی معکم منہ شیئ؟ فقلت: نعم فقال: کلوا فھو طعم اطعمکموہ اللّٰہ"۔**

ترجم الحدیث واذکر غرض الامام البخاری بالترجمۃ للباب۔ اشرح کلمۃ "مولی التوأمۃ" واذکر وجہ تسمیتہ بـ "التوأمۃ"۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ پہاڑوں پر شکار کرنے کے بیان میں۔ ابوقتادہ کے مولیٰ نافع اور تو اَمہ کے مولیٰ ابوصالح نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان راستے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، دوسرے حضرات تو احرام باندھے ہوئے تھے لیکن میں نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا اور ایک گھوڑے پر سوار تھا، میں پہاڑوں پر چڑھنے کا بڑا

مشتاق تھا، پھر اچانک میں نے دیکھا کہ لوگ للچائی ہوئی نظروں سے کوئی چیز دیکھ رہے ہیں میں نے جونظر ڈالی تو ایک گورخر تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم! میں نے کہا کہ یہ تو گورخر ہے۔ لوگوں نے کہا: جوتم نے دیکھا وہی ہے۔ میں اپنا کوڑا بھول گیا تھا، میں نے ان سے کہا کہ میرا کوڑا مجھے دے دیں، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے (کیوں کہ وہ محرم تھے) میں نے اتر کر خود کوڑا اٹھایا اور اس کے پیچھے سے اسے مارا، وہ جہاں تھا وہیں رک گیا، پھر میں نے اسے ذبح کیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس لے کر آیا۔ میں نے کہا کہ اب اٹھو اور اسے کھاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسے چھوئیں گے بھی نہیں، چنانچہ میں ہی اسے اٹھا کر ان کے پاس لایا، بعض نے تو اس کا گوشت کھایا، لیکن بعض نے انکار کیا، پھر میں نے ان سے کہا کہ اچھا میں اب تمہارے لیے حضور اکرم ﷺ سے رکنے کی درخواست کروں گا (تا کہ مسئلہ معلوم ہو جائے) میں آپ ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی بھی بچا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! فرمایا کہ کھاؤ کیوں کہ یہ ایک کھانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مہیا کیا ہے۔

② ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ شکار وغیرہ امر مباح کیلئے خود کو یا سواری کو تھوڑی بہت مشقت میں ڈالنا جائز ہے

③ مولی التوأمہ کی تشریح اور وجہ تسمیہ:۔ ابو صالح کا نام نبہان ہے، یہ تو أمہ بنت امیہ بن خلف جمحی کے آزاد کردہ غلام تھے اسلئے انہیں مولی التوأمہ کہا جاتا ہے (تو أمہ جڑواں بچی کو کہتے ہیں، تو أمہ اپنی ایک بہن کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھی۔ کشف الباری)

﴿الورقة الرابعة: صحيح الامام البخاري﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل..... "باب العلم قبل القول و العمل : لقول الله عزّوجلّ: ﴿فاعلم انه لا اله الا الله﴾ فبدء بالعلم وان العلماء هم ورثة الانبياء ورّثوا العلم من اخذه اخذ بحظ وافر ومن سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقا الى الجنة وقال :﴿انما يخشى الله من عباده العلماء﴾ وقال: ﴿وما يعقلها الا العالمون﴾ وقال: ﴿وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ماكنا فى اصحٰب السعير﴾ وقال: ﴿هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ .....وانما العلم بالتعلم وقال ابوذر: لو وضعتم الصمصامة على هذه واشار الى قفاه ثم ظننت انى انفذ كلمة سمعتها من النبى ﷺ قبل ان تجيزوا علىّ لانفذتها"۔

ترجم الحديث و اشرحه۔ و بيّن ماذا اراد الامام البخارى بترجمة الباب؟ انكر مراد البخارى بـ "العلم قبل القول والعمل" هل للعلم تقدم على القول والعمل زماناً أم رتبةً وشرفاً؟ حقّق كلمة "ورثوا" لغةً وصرفاً۔ كيف استدلّ الامام بالآيات على ترجمة الباب؟ انكر مفصلاً۔ اكتب شان ورود قول ابى ذرؓ بالتفصيل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ ترجمۃ الباب کی مراد ④ علم کے عمل پر تقدم کی وضاحت ⑤ "ورثوا" کی لغوی وصرفی تحقیق ⑥ آیات سے ترجمۃ الباب پر استدلال کی وضاحت ⑦ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے قول کا شانِ ورود۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ یہ باب اس بیان میں ہے کہ علم قول وعمل سے مقدم ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے: ترجمہ: پس تم جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس میں اللہ تعالیٰ نے علم سے ابتداء کی ہے اور یہ کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے علم کی میراث چھوڑی ہے، جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بڑا حصہ حاصل کیا اور جو شخص اس راستے پر چلے جس سے وہ علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہنمی کہیں گے کہ اگر ہم بھی سنتے اور سمجھتے تو ہم جہنمیوں میں سے نہ ہوتے اور فرمایا کیا اہلِ علم اور غیر اہلِ علم برابر ہو سکتے ہیں؟ اور علم تو سیکھنے سے ہی آتا ہے اور حضرت

ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم اس پر تلوار رکھ دو اور میں سمجھوں کہ تمہارے میری گردن پر تلوار چلانے سے پہلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آگے سنا سکتا ہوں تو ضرور سناؤں گا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ شام میں رہتے تھے اور اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مشہور فتویٰ تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال و دولت جمع کرنا جائز نہیں، اس میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بہت شدت اختیار کرتے تھے اور تمام سرداروں کو "و الذین یکنزون الذهب و الفضة" الخ کا مصداق بتلاتے تھے، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ کتاب کو اس آیت کا مصداق ٹھہراتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان باتوں کی اطلاع دی، انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ بلا لیا اور اس قسم کے فتاویٰ دینے سے منع فرمایا اور سمجھایا کہ اس سے خواہ مخواہ فتنہ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد بمقتضائے مصالح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں رَبَذہ میں مقیم ہونے کا حکم دیا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں منتقل ہو گئے اور وہیں ان کا وصال ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حج کیلئے تشریف لے گئے تو منیٰ میں لوگ ان سے مسائل دریافت کرنے لگے، وہ فتویٰ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا: آپ کو فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا گیا تھا؟ اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ پر نگران مسلط کیے گئے ہو؟ پھر اس کے بعد انہوں نے یہ ارشاد فرمایا جو یہاں منقول ہے۔ اس شخص کا منع کرنا غلط تھا کیوں کہ امیر المؤمنین نے انہیں مطلقاً مسائل بتانے سے نہیں روکا تھا بلکہ ان کو تشددات اور خصوصی مسائل سے روکا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو اگر ایک مسئلہ بھی معلوم ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو تو ایسی شدت اور مصیبت کے وقت بھی عزیمت یہ ہے کہ مسئلہ بیان کرنے سے نہ رکے۔ اس اثر میں علم کی فضیلت اور اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

③ ترجمۃ الباب کی غرض اور علم کے عمل پر تقدم کی مراد:۔ تمام شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ علم حصول کے اعتبار سے قول و عمل سے مقدم ہے، پہلے علم حاصل کیا جاتا ہے اس کے بعد عمل ہے اور اس کے بعد ہی وعظ و تذکیر اور درس و تدریس کا نمبر ہے۔ ذاتی اعتبار سے بھی علم کو عمل و قول پر شرافت حاصل ہے کہ قول و عمل کی صحت نیت پر موقوف ہے اور نیت کی صحت علم پر موقوف ہے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ علم کو عمل پر زماناً بھی تقدم حاصل ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم کو عمل پر شرفاً و رتبۃً بھی تقدم حاصل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے ذکر کردہ آیات و آثار مجموعی طور پر اس پر دلالت کرتے ہیں اور یہی اقرب معلوم ہوتا ہے۔

علامہ ابن المنیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ علم قول و عمل کی صحت کیلئے شرط کے درجہ میں ہے، جب تک علم نہ ہو اس وقت تک قول و عمل کا اعتبار نہیں کیوں کہ علم مصحح نیت ہے اور نیت مصحح للعمل ہے، علامہ کرمانی و ابن بطال بھی یہی کہتے ہیں، علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب سے قول و عمل کے مقابلہ میں شرف و رتبہ کے اعتبار سے علم کے مقدم ہونے کو بیان کیا ہے، تقدم زمانی بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ باب میں جو کچھ مذکور ہے اس سے تقدم بالشرف والرتبہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدم زمانی ہی مراد ہے اور باب میں جو کچھ مذکور ہے وہ اس مدعیٰ کے اثبات کیلئے واضح ہے۔ (کشف الباری ۳:۳۳۲)

④ "ورثوا" کی لغوی و صرفی تحقیق:۔ یہ ماضی معلوم کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، یہ بابِ تفعیل و مجرد دونوں سے ہو سکتا ہے اور باب تفعیل راجح ہے۔ باب تفعیل کی صورت میں ضمیر انبیاء علیہم السلام کی طرف راجع ہوگی، ترجمہ ہوگا میراث چھوڑنا و وارث بنانا۔ اور مجرد کی صورت میں ضمیر کا مرجع علماء ہوں گے اور معنی ہوگا وارث بننا اور میراث حاصل کرنا۔

⑤ آیات سے ترجمۃ الباب پر استدلال کی وضاحت:۔ ① "فاعلم انه لا اله الا الله" اس آیت میں پہلے علم کا ذکر ہے اس کے بعد دوسرے جملے میں استغفار کا ذکر ہے اور استغفار خواہ دل سے ہو یا زبان سے ہو وہ تب ہی صحیح ہوگا جب اس سے پہلے صحیح علم ہوگا۔ ② "انما یخشی الله من عباده العلماء" اس میں خشیت والے عمل کا علماء کیلئے اثبات ہے، معلوم ہوا کہ پہلے علم ہوگا پھر خشیت والا عمل ہوگا۔ ③ "و ما یعقلها الا العالمون" اس میں امثلہ کے سمجھنے کا اہلِ علم کیلئے اثبات ہے، معلوم ہوا کہ پہلے علم ہوگا پھر امثلہ کی سمجھ بوجھ ہوگی۔ ④ "قالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" علم سننے اور غور و فکر و تدبر

سے حاصل ہوتا ہے تو گویا جہنمی کہیں گے کہ اگر ہم اہلِ علم ہوتے تو جہنم کا ایندھن نہ ہوتے، اس میں بھی جہنم سے بچاؤ کیلئے تقدمِ علمی کو بیان کیا گیا ہے۔ ⑤ "هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون" عمل سب لوگ کرتے ہیں، اہلِ علم بھی اور غیر عالم بھی مگر ان میں برابری نہیں ہے، معلوم ہوا کہ علم کو تقدم حاصل ہے۔

⑥ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے قول کا شانِ ورود:۔ كما مر في التشريح آنفًا۔

الشق الثانی..... "باب متى يصحّ سماع الصغير ..... عن عبدالله بن عباس قال: اقبلت راكبًا على حمار اتان وانا يومئذٍ قد ناهزت الاحتلام ورسول الله ﷺ يصلّي بمنى الى غير جدار فمررت بين يدى بعض الصفّ وارسلت الاتان ترتع ودخلت فى الصفّ فلم ينكر ذلك عليّ۔ عن محمود بن الربيع قال: عقلت من النبى ﷺ مجّةً مجّها فى وجهى وانا ابن خمس سنين من دلوٍ"۔

ترجم الحديثين واشرحهما۔ اذكر نبذة من ترجمة عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہما وكم عمره وقت وفاة النبى ﷺ؟۔ اكتب مناسبة الحديثين بترجمة الباب۔ هل مرور الحمار والمرأة والكلب قاطع للصلاة؟ اذكر اختلاف الائمة مدلّلًا و مفصلًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث کی تشریح ③ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے احوال وعمر کی وضاحت ④ احادیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ⑤ مرورِ اشیاء سے نماز ٹوٹنے کا حکم۔

جواب..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا جب کہ میں قریب البلوغ تھا، اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں بغیر رکاوٹ وسُترہ کے نماز پڑھا رہے تھے پس میں ایک صف کے آگے سے گزرا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں داخل ہو گیا پس اس عمل کی وجہ سے کسی نے مجھ پر نکیر نہیں کی۔ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ کی وہ کُلی یاد ہے جو آپ ﷺ نے ایک ڈول سے پانی لے کر میرے منہ پر کی تھی اور میری عمر اس وقت پانچ سال تھی۔

② احادیث کی تشریح:۔ پہلی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے قریب البلوغ واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار ہو کر آیا جب کہ منیٰ میں جماعت ہو رہی تھی، میں ایک صف کے آگے سے گزر کر صف میں نماز کیلئے شامل ہو گیا، اور گدھی اِدھر اُدھر چرنے کیلئے پھرتی رہی اور میرے اس عمل پر کسی نے بھی نماز میں یا نماز کے بعد نکیر نہیں کی، معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گدھی کا گزرنا مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ اپنی پانچ سال کی عمر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے جب آپ ﷺ نے ایک ڈول میں سے پانی لے کر میرے منہ پر کلی کی تھی (یہ کلی تبریک کے طور پر تھی یا دل لگی ومذاق کے طور پر تھی)۔ (کشف الباری ۳:۳۹۴)

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے احوال وعمر کی وضاحت:۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف، حضورِ اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں، ان کی والدہ ام الفضل لبابۃ الکبریٰ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔

آپ شعبِ ابی طالب میں ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں جب کہ آپ کی عمر اکہتر سال تھی وفات پائی اور طائف میں دفن ہوئے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ کو کثرتِ علم کی وجہ سے "حبر" اور "بحر" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، خلفاءِ عباسیہ کے والد اور "عبادلہ اربعہ" میں سے ایک ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر وتاویل میں زبردست مہارت حاصل تھی، حضورِ اکرم ﷺ نے آپ کو دعا دی تھی "اللهم فقّهه فى الدّين و علّمه التّأويل" یہی وجہ ہے کہ آپ رئیس المفسرین کہلائے اور "ترجمان القرآن" کا عظیم لقب آپ کو ملا۔ آپ سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ (کشف الباری)

چونکہ آپ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے، اس اعتبار سے آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً چودہ برس تھی۔

④ احادیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ دونوں احادیث میں حضرت ابن عباس ومحمود بن ربیع رضی اللہ عنہم نے اپنے قبل البلوغ کے

0313 6357013 maktabazakriyahulfarq@gmail.com

ایک واقعہ کو نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ کے فعل وحال کا ذکر ہے اور محدثین نے ان حضرات کے صغیر السن ہونے کے باوجود ان کی روایات کا استخراج بھی کیا ہے اور ان روایات سے مسائل کا استخراج بھی کیا ہے اور یہی ترجمۃ الباب کا حاصل تھا کہ تحمل حدیث کے لیے بالغ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ خیر وشر میں متمیز ہونا کافی ہے۔

⑤ مرورِ حمار، مرأۃ وکلب سے نماز ٹوٹنے کا حکم:۔ نمازی کے سامنے سے کسی چیز کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے یا نہیں، جمہور کے ہاں کسی چیز کا گزرنا قاطع صلوٰۃ نہیں اور اہل ظواہر کے نزدیک تین چیزوں کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے: ① کلب کا گزرنا ② حمار کا گزرنا ③ عورت کا گزرنا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف کلب اسود کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے۔

اہل ظواہر حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلب کے بارے میں تو قاطع صلوٰۃ ہونا یقینی ہے لیکن حمار وامرأۃ کے بارے میں حدیثِ عائشہ وحدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہم کی وجہ سے مجھے تردد ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق احادیث میں تعارض ہے بعض احادیث قطعِ صلوٰۃ پر دال ہیں اور بعض عدمِ قطعِ صلوٰۃ پر دال ہیں اور ضابطہ یہ ہے کہ جب آثارِ مرفوعہ میں تعارض ہو جائے تو پھر آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا جاتا ہے اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر دال ہیں کہ یہ قاطع الصلوٰۃ نہیں ہیں فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا احادیث قطع الصلوٰۃ پر کوئی عمل نہیں ہے ان کا فتویٰ یہی ہے کہ کسی چیز کا مرور قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کا استدلال **باب ماجاء لایقطع الصلوٰۃ شیئ** میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ منیٰ میں آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے جبکہ اتان (گدھی) آپ ﷺ کے سامنے سے گزرتی رہی لیکن اس کے گزرنے کے باوجود آپ ﷺ کی نماز نہیں ٹوٹی تو اگر مرور قاطع صلوٰۃ ہوتا تو آپ ﷺ دوبارہ نماز پڑھتے۔

نیز جمہور رحمہم اللہ کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے سامنے جنازے کی طرح لیٹی ہوئی ہوتی تھی اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے، ان دونوں سے ثابت ہوا کہ حمار اور عورت کا مصلی کے سامنے ہونا یا مرور مفسدِ صلوٰۃ نہیں البتہ کلب اسود کے سلسلہ میں کوئی روایت جمہور کے پاس نہیں لیکن کلب اسود کو بھی انہی دونوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے کیونکہ حدیث الباب میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ جمہور رحمہم اللہ کی طرف سے امام احمد بن حنبل اور اہلِ ظواہر رحمہم اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ احادیث دالہ علی قطع الصلوٰۃ مؤول ہیں یعنی نفس صلوٰۃ کے لئے قاطع نہیں ہے بلکہ خشوعِ صلوٰۃ کے لئے قاطع ہیں باقی ان تینوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان اشیاءِ ثلاثہ میں شیطانی اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔

ہم نے کلب اسود غیر اسود کے بارے میں دیکھا کہ اسکی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور کلب اسود وغیر اسود سب یکساں طور پر حرام ہیں اور حرمت کی علت انکا لون ورنگ نہیں ہے بلکہ انکی ماہیت میں حرمت کی علت موجود ہے۔ اسی طرح تمام غیر ماکول اللحم کا حکم ہے کہ ان میں الوان کی وجہ سے حرمت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے نیز ان کی وجہ سے اہل گدھوں کے بارے میں حکم ہے کہ الوان کی وجہ سے کسی حکم میں کوئی فرق نہیں آتا ہے تو جس طرح کلب اسود وغیر اسود سب کا حکم باب حرمت میں یکساں ہے اسی طرح **مرور بین یدی المصلی** میں بھی یکساں حکم ہونا چاہیے کہ جس طرح کلب غیر اسود کے مرور سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اسی طرح کلب اسود کے مرور سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی نیز جب مرور کلب کی وجہ سے فساد نماز نہیں ہے تو مرورِ حمار کی وجہ سے بھی فسادِ نماز نہ ہوگا۔

وہ احادیث جو قطعِ صلوٰۃ پر دال ہے وہ منسوخ ہیں اور ناسخ حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ ہے اس میں ہے **لایقطع الصلوٰۃ شیئ ای مرور شیئ**۔ نیز قطع کے منسوخ ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما قطع صلوٰۃ کے راوی ہیں مگر ان کا فتویٰ عدم قطع کا ہے۔

الحاصل عندالجمہور کسی بھی چیز کا نمازی کے آگے سے گزرنا قاطعِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ مذہبِ جمہور کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر احادیثِ فعلیہ مؤید باقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں تو ان کو بعض اوقات احادیثِ قولیہ پر بھی ترجیح حاصل ہو جاتی ہے اور یہاں بھی ایسے ہی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار بکثرت اس بارے میں مروی ہیں کہ عورت کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(درسِ ترمذی ج ۲ ص ۱۱۶، المسائل والدلائل ص ۳۰۲)

0313 6357913 maktabazkariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....باب شهادة القاذف والسارق والزانی وقول الله تعالی ولاتقبلوا لهم شهادة ابداً واولٰئك هم الفاسقون الاالذین تابوا وجلد عمر ابابكرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغيرة ، ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته، واجازه عبدالله بن عتبة وعمر بن عبدالعزيز وسعيد بن جبير،..... وقال بعض الناس لايجوز شهادةالقاذف وان تاب، ثم قال: لايجوز نكاح بغير شاهدين ، فان تزوج بشهادة محدودين، جاز، وان تزوج بشهادة عبدين لم يجز واجاز شهادة المحدود والعبد والامة لرؤية هلال رمضان وكيف تعرف توبته، وقد نفى النبی ﷺ الزانی سنة، ونهی النبی ﷺ عن كلام كعب بن مالك وصحابيه حتى مضى خمسون ليلة۔(ص۳۶۱۔ج۱۔قدیمی)

اذكرغرض المؤلف بهذه الترجمة ۔ ماذا اراد المؤلف بقوله، قال بعض الناس..... الخ ۔ هل اصاب المؤلف فيما اعترض على بعض الناس ام ذلك تحكم محض،اجب عن بعض الناس بما يطمئن به القلب وينشرح له الصدر ۔ بم يتعلق قوله"وكيف تعرف توبته.....الخ" وماالغرض منه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) قال بعض الناس سے غرضِ مؤلف اوراس کا جواب (۳) کیف تعرف توبته کا متعلق اور غرض۔

جواب..... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر محدود فی القذف آدمی توبہ کرلے تو اس کی شہادت وگواہی مقبول ہے۔

❷ قال بعض الناس سے غرضِ مؤلف اوراس کا جواب:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ محدود فی القذف توبہ کرلے تو اس کی شہادت مقبول ہے یا نہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی شہادت مقبول ہے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ دراصل یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ آیت کریمہ **الاالذین تابو االخ** کا استثناء **و اولٰئك هم الفاسقون** کے جملہ سے ہے یا ماقبل کے مکمل احکام سے ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماقبل کے تمام احکام سے استثناء ہورہا ہے اسلئے اسکی شہادت توبہ کے بعد مقبول ہے جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء صرف جملہ **واولٰئك هم الفاسقون** سے ہے اور یہ توبہ کا معاملہ اس کا اور اللہ تعالیٰ کا باہمی معاملہ ہے مگر دنیاوی معاملہ میں ہم اس کی شہادت قبول نہیں کرینگے تو اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً اپنے مذہب کی تائید میں آیت پیش کی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو بطورِ دلیل پیش کیا کہ انہوں نے ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو حضرت مغیرہ کے قذف کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے پھر توبہ کروائی اور ارشاد فرمایا **من تاب قبلت شهادته**، اسکے بعد تیسری دلیل کے طور پر اپنے مذہب کی تائید میں علماء کی ایک جماعت کے اسماء نقل کئے ہیں کہ یہ حضرات بھی محدود فی القذف کی شہادت کے جواز کے قائل ہیں اور وہ جماعت یہ ہے:
عبداللہ بن عتبہ، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، زہری، محارب بن دثار، شریح، معاویہ بن قرۃ۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ **الاالذین تابوا** کا استثناء صرف متصل والے جملہ **الفاسقون** سے ہے یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہ رہے گا۔مگر شہادت مقبول نہ ہوگی، اس پر قرینہ **لاتقبلوا لهم شهادة ابدا** میں **اَبَدًا** کا لفظ ہے، اگر اس کی شہادت بھی مقبول ہو تو پھر یہ **ابدًا** کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ ان تینوں کی شہادت دیانت پر محمول ہے جیسے رؤیتِ ہلال رمضان وغیرہ اور دیانات میں قبولِ شہادت کی گنجائش کے ہم بھی قائل ہیں۔

کبار علماء کی ایک جماعت کی تائید ومسلک کا جواب یہ ہے کہ ان حضرت سے بھی جید علماء اور کبار حضرات عدمِ قبول شہادت کے قائل ہیں مثلاً ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، شریح، سفیان بن سعید نخعی وغیرہ نیز شعبی، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ کا بھی ایک ایک قول عدمِ قبول شہادت کا ہے۔

اس طویل بحث کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے غرض امام اعظم ابو

حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر تین اعتراض کرنا ہے۔ پہلا اعتراض: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کلام میں تناقض ہے بایں طور کہ ایک طرف ان کے نزدیک محدود فی القذف کی گواہی مقبول نہیں ہے اور بغیر گواہ نکاح بھی ناجائز ہے اور دوسری طرف اگر محدود فی القذف بطور گواہ موجود ہو تو انکے نزدیک یہ نکاح جائز ہے۔ دوسرا اعتراض: محدود فی القذف اور عبد (غلام) ناقص الشھادت ہونے میں برابر ہیں مگر محدود فی القذف کی گواہی سے نکاح جائز ہے اور عبد کی گواہی سے نکاح جائز نہیں ہے، یہ فرق بھی سمجھ سے بالا ہے۔

تیسرا اعتراض: یہ ہے کہ رؤیتِ ھلالِ رمضان میں محدود اور عبد دونوں کی گواہی معتبر ہے جبکہ ماقبل میں ذکر ہو چکا ہے کہ انکی گواہی غیر معتبر ہے۔

اعتراض اوّل کا جواب: یہ ہے کہ نکاح میں دو درجے ہیں انعقاد، اثبات۔ اثبات یعنی بوقت خصومت وانکار اسے ثابت کرنا چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دونوں میں فرق نہیں کرتے اس لئے اعتراض کی نوبت آئی، ایسے ہی شہادت میں ایک درجہ تحمل کا ہے دوسرا ادا کا ہے، دونوں کی شرطیں الگ الگ ہیں بعض دفعہ تحمل صحیح اور ادا غیر معتبر ہوتی ہے انعقاد نکاح کے لئے ایسے شاہدین کا موجود ہونا کافی ہے جو تحمل شہادت کے اہل ہوں گو کسی عارضہ کی وجہ سے قاضی ادا کو قبول نہ کرے اور محدود فی القذف اہل شہادت میں سے ہے گو عارضہ کی وجہ سے اس کی ادا معتبر نہیں لہٰذا ان کا وجود انعقاد نکاح کیلئے کافی ہو جائے گا ہاں اگر تنازعہ ہو گیا مثلاً عورت نکاح کا انکار کرنے لگے تو اثبات نکاح کے لئے ایسا شاہد ہونا چاہیے جو اہلیت رکھتا ہو اور اس کی ادا معتبر ہو یعنی اس میں ایسا کوئی عارض نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی شہادت رد ہو سکے اور محدود فی القذف میں یہ عارض موجود ہے لہٰذا عدالت اسے قبول نہ کرے گی۔

اعتراض ثانی کا جواب: یہ ہے کہ محدود اہل شہادت میں سے ہے اپنے نفس اور مال پر ولایت رکھتا ہے تصرفات کر سکتا ہے مگر عبد کو اپنے نفس پر کوئی اختیار نہیں، مال کا مالک نہیں لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہے اور اعتراض دونوں میں مساوات سمجھنے سے ہوا۔

اعتراض ثالث کا جواب: یہ ہے کہ شہادت اور روایت کا باب الگ الگ اور شرائط جدا جدا ہیں، غلام اور باندی عادل ہوں تو ان کی روایت معتبر ہے ایسے ہی محدود توبہ کرلے تو فسق ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی بھی روایت قبول ہو جائے گی اور حنفیہ و جمہور کی تحقیق یہ ہے کہ رؤیت ہلال میں شہادت ضروری نہیں اخبار بھی کافی ہے، اس اخبار میں غلام باندی اور محدود سب برابر ہوئے غرض یہ شبہ بھی اخبار اور شہادت میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیش آیا، یا اس طرف توجہ نہیں فرمائی گئی کہ رؤیت ھلال رمضان باب الاخبار سے ہے مگر یہ صرف رمضان کی خصوصیت ہے ورنہ دوسرے مہینوں کے لئے شہادت تامہ ضروری ہے اور یہ فرق حدیث پاک سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کی خبر پر رمضان کا فیصلہ فرما دیا تھا۔ (ما ینفع الناس ص ۷۶، حل قال بعض الناس ص ۲۲)

③ کیف تعرف توبته کا متعلق اور غرض:۔ اس جملہ کا عطف پہلے ترجمۃ الباب پر ہے گویا یہ جملہ بھی ترجمۃ الباب کا حصہ وجز ہے، مطلب یہ کہ یہ باب قاذف سارق اور زانی کی شہادت اور ان کی توبہ کی معرفت کے بیان میں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس جملہ سے غرض قاذف کی توبہ کی معرفت کو بیان کرنا ہے۔

الشق الثانی..... "عن الزهری اخبرنی مالك بن اوس بن حدثان النصیری ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دعاه إذ جاءه حاجبه یرفأ قال: هل لك فی عثمان و عبدالرحمٰن والزبیر وسعد یستأذنون؟ قال: نعم، فأدخلهم فلبث قلیلاً ثم جاء فقال: هل لك فی عباس وعلی یستأذنان؟ قال: نعم، فلمّا دخلا قال عباس: یاامیر المؤمنین! اقض بینی وبین هذا وهما یختصمان فی التی افاء اللّٰه علی رسوله صلی اللہ علیہ وسلم من بنی النضیر فاستبّ علیّ وعباس، فقال الرهط: یا امیر المؤمنین! اقض بینهما وارح احدهما من الآخر فقال عمر: اتئدوا، انشدکم باللّٰه الذی باذنه تقوم السماء والارض! هل تعلمون انّ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا نورث، ماترکنا صدقة یرید بذلك نفسه؟ قالوا: قد قال ذلك"۔

ترجم الحدیث المبارك۔ اذکر قصة النزاع بین علیّ وعباس رضی اللہ عنہما بالبسط والتفصیل، کیف وقع السباب بینهما مع انهما صحابیان من اهل البیت؟ اکتب قضاء عمر رضی اللہ عنہ فی الحدیث المذکور مفصلاً۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما کے نزاع کا

قصہ ③ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں وقوعِ سباب کی وضاحت ④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تفصیل۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ مجھے مالک بن اوس نے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا جب کہ ان کے پاس ان کا غلام یرفأ آیا، اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو حضرت عثمان، عبدالرحمٰن، زبیر و سعد (رضی اللہ عنہم) کی ملاقات میں رغبت ہے کہ وہ اجازت طلب کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں، پس یرفأ نے ان کو حاضر کیا، پھر تھوڑی دیر ٹھہرا اور کہا: کیا آپ کو حضرت عباس و علی (رضی اللہ عنہما) کی ملاقات میں رغبت ہے کہ وہ اجازت طلب کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں، جب وہ دونوں حضرات داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! میرے اور اسکے درمیان فیصلہ فرمائیں جب کہ وہ دونوں اس زمین میں جھگڑا کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنونضیر کے اموال میں سے دی تھی، پس حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما نے باہم برا بھلا کہا، جماعت نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ فرما کر ان میں سے ایک کو دوسرے سے راحت پہنچائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم تھوڑا صبر کرو، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم و اِذن سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مراد لی تھی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

② حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کے نزاع کا قصہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کا متولی خلیفۂ وقت ہوتا تھا اور وہ اس ترکہ کو ان تمام مصارف میں صَرف کرتا تھا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صَرف کرتے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کے ابتدائی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اموال اپنے پاس رکھے ہوئے تھے، البتہ بنونضیر کے فیئ کی کچھ زمینیں حضرت عباس و علی رضی اللہ عنہما کو دے دی تھیں کہ ان کا انتظام آپ خود کریں، ان زمینوں کے باہمی انتظام میں ان دونوں حضرات کا جھگڑا ہو گیا تو یہ حضرات امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس پوری زمین کا ہم دونوں کو مشترک متولی بنانے کی بجائے اس کی تولیت ہمارے درمیان تقسیم کر دیں تا کہ ہمارا جھگڑا و اختلاف ختم ہو جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سب حاضرین قسم اٹھا کر بتاؤ کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم انبیاء کا مال بطورِ ترکہ تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟ سب نے کہا: جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس زمین کی تولیت ہرگز تقسیم نہیں کروں گا، اگر تم پہلے کی طرح مشترک طور پر اس کا انتظام کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے، وگرنہ یہ زمین مجھے واپس کر دو میں خود ہی اس کا انتظام کر لوں گا۔ چنانچہ مشترک طور پر ہی بطورِ تولیت یہ زمین چلتی رہی پھر دورِ عثمانی میں یہ زمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئی تھی۔ (انعام الباری و کشف الباری) باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تصرف و انتظام اسلئے تقسیم نہ کیا کہ اس زمین پر تقسیم کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے، آنے والے وقت میں کوئی یہ دعویٰ نہ کر دے کہ یہ زمین بطورِ میراث تقسیم ہوئی تھی۔

③ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں وقوعِ سباب کی وضاحت:۔ راجح قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہا، باقی اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ان الفاظ کو بشرطِ صحت تسلیم کیا جائے تو پھر اس کے متعدد جوابات ہیں: ① علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ الفاظ (کاذب و خائن وغیرہ) شرط کے ساتھ مقید ہیں یعنی اگر علی میرے ساتھ انصاف نہ کریں تو جھوٹے و خائن ہیں۔ ② علامہ مازری فرماتے ہیں کہ غالباً یہاں بعض رواۃ کو وہم ہو گیا ہے، چنانچہ علامہ مازری نے ان کلمات کو حذف کرنے کی تصویب کی ہے اور علامہ عینی نے ان الفاظ کے حذف کو واجب قرار دیا ہے۔ ③ علامہ مازری فرماتے ہیں کہ اگر یہ کلمات محفوظ ہوں تو پھر ان کا محمل یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بمنزلِ والد ہونے کے ازراہِ ناز یہ کلمات کہے ہیں۔ ④ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی یہ غرض بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کچھ کر رہے ہیں اگر وہ سب عمداً و قصداً ہے تو وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہیں، وگرنہ نہیں۔ (کشف الباری: کتاب الخمس)

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تفصیل:۔ قصے کے ضمن میں گزر چکی۔

﴿الورقة الرابعة : صحيح البخاري﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل ..... بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ ..... عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِیٍّ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ لَا، اِلَّا

021-36357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

كِتَابُ اللّٰهِ اَوْفَهْمٌ اُعْطِيَهٗ رَجُلٌ مُسْلِمٌ اَوْ مَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قُلْتُ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ؟ قَالَ اَلْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْاَسِيْرِ وَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ۔ (کتاب العلم)

شکّل الحدیث و ترجمہ۔ ما منشأ سوال ابی جحیفة عن علیّ ۔ اذکر غرض البخاری من ترجمة الباب۔ اکتب مذاهب العلماء فی قتل مسلم بکافر قصاصا فی ضوء الادلّة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کا منشاء ④ ترجمۃ الباب کی غرض ⑤ کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کا حکم۔

جواب.....① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا ۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ (وہب بن عبداللہ سُوائی) سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کتاب اللہ کے علاوہ بھی کوئی وحی ہے؟ (جو بقول شیعانِ علی اہلبیت کے ساتھ خاص ہو) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو قرآن کریم کا فہم عطاء کردے یا وہ چیز جو اس صحیفہ میں لکھی ہوئی ہے (ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ دیت، قیدی کو رہا کروانا اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے (یعنی ان کے احکام ہیں)۔

③ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات مختلف فیہ مسائل کے ابواب میں ترجمہ کو علی سبیل الاحتمال ذکر کرتے ہیں کسی ایک جانب کو جزم کے ساتھ ذکر نہیں کرتے یہ ترجمہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ کتابت کے متعلق سلف میں اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات کتابت کے قائل تھے اور بعض نہیں۔ اگرچہ بعد میں کتابتِ حدیث پر اجماع منعقد ہو چکا ہے بلکہ اس کے استحباب پر اتفاق ہو چکا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ جس کے ذمہ تبلیغ علم لازم و متعین ہو اور اسے نسیان کا خوف ہو تو اس پر کتابتِ علم و حدیث واجب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ بتانا ہے کہ کتابتِ حدیث کی اصل حدیث میں موجود ہے۔ اگرچہ عہدِ نبوی میں اس خدشہ کی بنیاد پر کہ قرآن کریم کے ساتھ خلط نہ ہو جائے یا اس اندیشہ کی وجہ سے کہ لوگ کتاب پر بھروسہ کر کے حفظِ حدیث کا اہتمام نہیں کریں گے، کتابتِ حدیث سے منع کیا گیا تھا لیکن بعد میں کتابت کی اجازت ہوگئی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''حفاظتِ علم اور بقاءِ علم اور اشاعت و تبلیغ علم کے لئے کتابت بھی ضروری ہے اور سہل اور انفع ذریعہ ہے، اس لئے **باب کتابة العلم** منعقد کر کے کتابتِ علم کا استحسان اور امورِ علمیہ کا بغرضِ بقاء و حفاظت آپ کے ارشاد سے لکھا جانا ثابت کر دیا بلکہ اشارۃً علماء کو ترغیب الی الکتابت بھی مفہوم ہوتی ہے''۔ (کشف الباری ج۴ ص۲۱۷)

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کا منشاء:۔ شیعانِ علی و روافض کا یہ نظریہ ہے کہ اصل قرآن کریم چالیس پاروں کا تھا وہ دس پارے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہلبیت کے فضائل و مناقب تھے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے قرآن کریم سے خارج کر دیا۔

نیز ان کا دوسرا نظریہ تھا کہ اصل نبی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام غلطی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لیکر پہنچ گئے۔

نیز ان کا تیسرا غلط نظریہ یہ تھا کہ حضرت علی خلیفہ بلافصل ہیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے انکے حقِ خلافت کو غصب کیا۔ تو ابو جحیفہ (وہب بن عبداللہ سُوائی۔ صغار صحابہ میں سے ہیں) نے ان نظریات کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ان عقائد و نظریات کی کیا حقیقت ہے، کیا آپ کے پاس قرآن کریم کے علاوہ کوئی خاص احکامات والی وحی بھی ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیاد کے سوال کے جواب میں ان تمام باطل و غلط نظریات و عقائد کی تردید فرمادی کہ قسم بخدا میرے پاس بھی اس قرآن کریم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے مگر دینی فہم و سمجھ جو کہ اللہ تعالیٰ مسلمان کو قرآن کریم اور حدیثِ رسول سمجھنے اور ان سے مسائل و احکام کے استنباط و استخراج کیلئے عطاء کرتے ہیں اور یہ ایک صحیفہ بھی ہے جس میں دیت، قیدی کو رہا کروانا اور کافر کے بدلہ مسلمان کو قتل نہ کرنے کے احکام درج ہیں اسکے علاوہ

0313 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اہلبیتؓ وغیرہ کے متعلق میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

⑤ کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کا حکم:۔ امام ابوحنیفہ امام زفر اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائیگا اور حربی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور مستامن کے قاتل کے بارے میں حنفیہ کے دو اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق مستامن کے قاتل کو قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ دیت لازم ہوگی۔

دوسرے قول کے مطابق مستامن کے قاتل کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک کسی کافر کے بدلہ میں کسی مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائیگا خواہ کافر ذمی ہو، مستامن ہو یا حربی ہو۔

دلائلِ احناف: ① **یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلٰی الخ** ② **وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین الخ** ③ **ولا یقتلون النفس التی حرّم اللّٰہ الّا بالحق**۔ ان تینوں آیات میں حرمتِ نفس ذمی کو بھی شامل ہے کیونکہ حکماً یہ بھی مسلمان ہے ④ مسلمان اگر ذمی کا مال چرائے تو قطع ید کی سزا ہے لہٰذا قتل پر قصاص بطریقِ اولیٰ ہوگا ⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمی کے قاتل مسلمان کو قصاصاً قتل کیا تھا ⑥ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کے قاتل پر سخت وعید بیان فرمائی کہ جو شخص ذمی کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل کا بھی گناہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے **لا یقتل مؤمن بکافر**۔

جوابات: ① اس روایت میں کافر سے مراد کافر حربی ہے کیونکہ دوسری روایت میں **ولا ذو عھد فی عھد** آیا ہے تو ذمی اور کافر کے تقابل سے معلوم ہوا کہ کافر اور ذمی کا الگ الگ حکم ہے اور کافر سے مراد کافر حربی ہے ② **لا یقتل مؤمن** میں مؤمن کا لفظ مسلمان حقیقی و حکمی دونوں کو شامل ہے اور ذمی حکماً مسلمان ہے کیونکہ انہوں نے حفاظتِ جان و مال کے بدلہ ہی جزیہ دیا ہے اور مسلمان حکومت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے لہٰذا ذمی کا شمار حکماً مسلمان میں ہوگا اور کافر سے مراد کافر حربی ہے جو نہ حقیقتاً مسلمان ہے اور نہ حکماً مسلمان ہے۔ (تقریر ترمذی ۲:۵۳)

الشق الثانی..... **باب قول النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ اذا کان النوح من سنتہ ..... فلما اصیب عمر دخل صھیب یبکی یقول وا اخاہ وا صاحباہ! فقال عمر یا صھیب تبکی علیّ وقد قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت یعذب ببعض بکاء اھلہ علیہ قال ابن عباس فلما مات عمر ذکرت ذلک لعائشۃ فقالت رحم اللّٰہ عمر واللّٰہ ما حدّث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللّٰہ لیعذب المؤمن ببکاء اھلہ علیہ ولٰکن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انّ اللّٰہ لیزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ وقالت حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اُخری قال ابن عباس عند ذلک واللّٰہ ھو اضحک وابکی قال ابن ابی ملیکۃ واللّٰہ ما قال ابن عمر شیئا۔**

اشرح غرض البخاری بترجمۃ الباب۔ ادفع التعارض بین الاقوال المنقولۃ عن عائشۃ وعمر وابن عمر فی الحدیث المذکور وادفع التعارض بین قولہ: "ببعض بکاء اھلہ علیہ" و"ببکاء اھلہ علیہ"۔ اذکر مناسبۃ قول ابن عباس بترجمۃ الباب، اکتب قصۃ استشھاد عمرؓ بالتوضیح۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① ترجمۃ الباب کی غرض ② صحابہ کرامؓ کے اقوالِ منقولہ سے رفعِ تعارض ③ احادیث سے رفعِ تعارض ④ قولِ ابنِ عباس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ بعض روایات میں میت پر رونے کی ممانعت ہے، بعض میں رونے کی وجہ سے عذاب کا ذکر ہے، بعض میں اجازت ہے، بعض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رونے کا ذکر ہے تو امام بخاریؒ نے اس باب میں تمام روایات کو جمع کر دیا کہ اس وقت رونے کی ممانعت ہے جب زندگی میں میت کی رونے کی عادت ہو اور اس نے اپنے اہل کو بھی اپنے اوپر رونے سے منع نہ کیا ہو یا جس رونے کی میت نے وصیت و تلقین کی ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استدلال **ان المیت لیعذّب**

0313 6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ببکاء اھلہ کا یہی محمل ہے۔اگر میت کی رونے کی تلقین یا عادت نہ ہو اور اس کے اہل از خود روئیں تو پھر ان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب نہ ہوگا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال **ولاتزر وازرۃ وزر اُخریٰ** کا یہی محمل ہے۔(تقریر بخاری)

② صحابہ کرامؓ کے اقوالِ منقولہ سے رفعِ تعارض:۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کے الفاظ اپنی اپنی جگہ ثابت بھی ہیں اور درست بھی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی اپنے علم کے مطابق ہے کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ سے صراحۃً عذاب کے کافر کے ساتھ اختصاص کو سنا تھا۔باقی ہر ایک کا موقع ومقام الگ الگ ہے،جس کی وضاحت ابھی ہو چکی ہے۔

③ احادیث سے رفعِ تعارض:۔ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ **ببکاء اھلہ علیہ** میں اجمال ہے:کم یا زیادہ،بعض یا سب افراد کے رونے کی وضاحت وتفصیل نہیں ہے جبکہ **ببعض بکاء اھلہ علیہ** میں تفصیل ہے کہ خلافِ شرع میت کے بعض اہلِ خانہ روئیں یا معمولی مقدار روئیں تب بھی ان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔

④ قولِ ابنِ عباسؓ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول دراصل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کی تائید ہے کہ جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث(**ان المیت لیعذّب ببکاء اھلہ**) کا تذکرہ کیا تو ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ مؤمن میت کو اسکے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے بلکہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کافر میت کے اہل کے رونے کی وجہ سے اسکے عذاب میں اضافہ وزیادتی ہوتی ہے اور اللہ تعالی کا کلام بھی یہی کہتا ہے کہ ایک کے گناہ کا وبال دوسرے پر نہ ہوگا۔تو اس موقع پر ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کی تائید میں فرمایا کہ لوگوں کو اللہ تعالی ہی رُلاتا اور ہنساتا ہے اس میں میت کا کیا قصور ہے کہ اسکی وجہ سے میت کو عذاب دیا جائے۔

⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ:۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا اس دن میں وہیں موجود تھا،میں آپ کے بالکل قریب کھڑا تھا،ہمارے درمیان صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حائل تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ صفوں کے درمیان سے گزرتے اور فرماتے:اپنی صفیں درست کرلو،جب آپ نے دیکھا کہ صفیں بالکل سیدھی ہو چکی ہیں تو آپ آگے بڑھے اور تکبیر تحریمہ کہی،ابھی آپ نے نماز شروع ہی کی تھی کہ ایک مجوسی غلام جو پہلی صف میں چھپ کر کھڑا تھا اس نے موقع پاتے ہی ایک دودھاری تیز خنجر سے آپ پر حملہ کر دیا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی کہ مجھے کسی کتے نے قتل کر دیا یا کاٹ لیا ہے وہ مجوسی غلام حملہ کرنے کے بعد پیچھے پلٹا اور بھاگتے ہوئے تیرہ نمازیوں پر حملہ کیا جن میں سے سات شہید ہو گئے،ایک نمازی نے آگے بڑھ کر اس پر کپڑا ڈالا اور اسے پکڑ لیا،جب اس بدبخت غلام نے دیکھا کہ اب میں پکڑا جا چکا ہوں تو اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر لی،جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو صفوں میں دور دور کھڑے اکثر نمازی اس حملہ سے بے خبر تھے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرات نہ سنی تو سبحان اللہ،سبحان اللہ کہنا شروع کر دیا۔حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر نماز فجر پڑھائی،اکثر لوگوں کو نماز کے بعد واقعہ کا علم ہوا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو چکے تھے،آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:اے ابن عباس معلوم کرو کہ مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ کچھ دیر بعد واپس آ کر بتایا:مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولؤلؤ فیروز نے آپ پر حملہ کیا ہے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:اللہ عزوجل اسے غارت کرے میری اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی،بلکہ میں نے تو اسے نیکی کی دعوت دی تھی،میں تو اس کے ساتھ بھلائی کا خواہاں تھا،اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھوں زخمی نہ ہوا،پھر آپ کو گھر لے جایا گیا۔عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:ہم لوگ بھی آپ کے گھر کی طرف چل دیئے،لوگوں پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا،گویا اس سے پہلے کبھی ایسی پریشانی اور مصیبت سے دوچار نہ ہوئے تھے،لوگ آپ کو تسلی دینے لگے کہ آپ پریشان نہ ہوں،آپ کے زخم جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے،پھر آپ کو کھجور کی نبیذ پلائی گئی لیکن وہ پیٹ سے زخموں کے ذریعے باہر آ گئی۔پھر دودھ پلایا گیا تو وہ بھی زخموں کے راستے پیٹ سے باہر نکل آیا،لوگ سمجھ گئے کہ اب ہم آپ کی صحبت سے زیادہ دیر تک فیضیاب نہ ہو سکیں گے۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:حساب لگا کر بتا،ہم پر کتنا قرض ہے انہوں نے حساب لگا کر بتایا:تقریباً چھیاسی ہزار درہم۔آپ نے فرمایا:اگر یہ قرض میرے مال سے ادا ہو جائے تو ادا کر دینا اور اگر میرا مال کافی نہ ہو تو بنی عدی بن کعب

0312 6[illegible]13 maktabazakariyamultan@gmail.com

کے مال سے ادا کرنا، اگر پھر بھی ناکافی ہو تو قریش سے سوال کرنا، ان کے علاوہ اور کسی سے سوال نہ کرنا، پھر آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: تم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ عمر بن خطاب اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ اسے اس کے ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں جگہ عطا فرمائی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، آپ نے کہا: حضرت عمر بن خطاب آپ کو سلام عرض کر رہے ہیں اور اس بات کی اجازت چاہتے ہیں کہ انہیں ان کے ساتھیوں کے قرب میں دفن کیا جائے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن اب میں یہ جگہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر ایثار کرتی ہوں، انہیں جا کر یہ خوشخبری سنا دو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر واپس تشریف لائے اور عرض کی: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپکو اجازت عطا فرمادی ہے، آپ خوش ہو جائیں، جس چیز کو آپ پسند کیا کرتے تھے وہ آپ کو عطا کر دی گئی ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: مجھے اس چیز سے زیادہ اور کسی چیز کی فکر نہیں تھی، الحمدللہ مجھے میری پسندیدہ چیز عطا کر دی گئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے اٹھا کر روضۂ اقدس پر لے جانا، پھر بارگاہِ نبوت میں سلام عرض کرنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کرنا: عمر بن خطاب اپنے دوستوں کے ساتھ آرام کی اجازت چاہتا ہے، اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملے تو مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا دینا۔ جب آپ کی روح خالقِ حقیقی سے جا ملی تو ہم لوگ آپ کو مسجد نبوی شریف میں لے گئے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حجرہ مبارکہ سے باہر کھڑے ہو کر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سلام عرض کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حجرہ مبارکہ میں دفن کرنے کی اجازت طلب کی، آپ رضی اللہ عنہا نے اجازت عطا فرمادی، چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوؤں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....عن جابرِ بنِ عبدِ اللّٰہ قال کان بِالمدِینۃِ یھودِی وکان یسلِفنِی فِی تمرِی الی الجِذاذ وکانت لِجابِر الارض التِی بِطرِیقِ رومۃ فجلست نخلا عاما فجائنِی الیھودِی عِند الجذاذ ولم اجذ مِنھا شیئا فجعلت استنظِرہ اِلی قابِل فیأبی فاخبِر بِذلِك النبِی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لِصحابِہِ امشوا نستنظِر لِجابِر مِن الیھودِی فجائونِی فِی نخلِی فجعل النبِی صلی اللہ علیہ وسلم یکلِم الیھودِی فیقول ابا القاسِمِ لا انظِرہ فلما رأی النبِی صلی اللہ علیہ وسلم قام فطاف فِی النخلِ ثم جائہ فکلّمہ فابی فقمت فجِئت بِقلِیلِ رطب فوضعتہ بین یدی النبِی صلی اللہ علیہ وسلم فاکل.....

اذکر قصۃ جابر المذکورۃ فی الحدیث۔ لایجوز السلف الی الجذاذ عند الامام البخاری فماھو التأویل عن الحدیث المذکور؟ روی الثقات ان السلف علی ابی جابر ادفع التعارض بحیث یطمئن بہ القلب۔ اشرح الجملۃ المخطوطۃ لغۃً و صرفاً ومعنا۔ اذکر من سیرۃ جابر ماتحفظہ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حضرت جابرؓ کا واقعہ ② سلف الی الجذاذ کی تاویل ③ سلف علیہ کی تعیین ④ جملہ مخطوطہ کا مفہوم ⑤ حضرت جابرؓ کا تعارف۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① حضرت جابرؓ کا واقعہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی تھا، جو میری کھجوروں میں کاٹنے کے وقت تک کیلئے مجھ سے بیع سلم کیا کرتا تھا، بیر رومہ کے راستے میں واقع میری زمین میں ایک سال پیداوار نہ ہوئی، میرے پاس وہ یہودی پھل کاٹنے کے وقت آیا تو میں نے اس سے آئندہ سال کیلئے مہلت مانگی، لیکن اس نے انکار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ میرے باغ میں تشریف لائے اور اس یہودی سے مہلت دینے کو کہا تو اس یہودی نے کہا کہ میں اس کو مہلت نہیں دوں گا، آپ کھڑے ہوئے اور باغ کا چکر لگا کر پھر اس یہودی کے پاس آئے اور مہلت دینے کو کہا لیکن وہ نہ مانا، میں کھڑا ہوا اور تھوڑی سی کھجوریں لے کر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کو رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جھونپڑی میں میرے لئے کوئی بستر بچھا دے، میں نے بستر بچھا دیا، آپ اندر تشریف لے گئے اور کچھ

دیر آرام کیا، پھر آپ بیدار ہوئے اور یہودی سے اسی مہلت کے متعلق گفتگو کی، لیکن وہ نہ مانا تو آپ تیسری بار کھجور کے درخت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے جابر! تم کاٹتے جاؤ اور اس کو ادا کرتے جاؤ، خود آپ ﷺ کھجور کاٹنے کی جگہ بیٹھ گئے، چنانچہ میں نے اتنی کھجوریں توڑ لیں، جس سے میں نے اس یہودی کا قرض ادا کر دیا اور کچھ باقی بھی بچ گئیں، میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ ﷺ کو ادائیگی کی خوشخبری سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

② سلف الی الجذاذ کی تاویل:۔ کٹائی کے وقت تک قرض لینا یا دینا امام بخاری وغیرہ کے نزدیک مدت کے مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ وقت متعین ہو تو جائز ہے اور یہاں وقت متعین ہوا تھا مگر اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا (کشف الباری۔ کتاب الاطعمہ)

③ سلف علیہ کی تعیین:۔ ممکن ہے کہ یہ سلف و قرض حضرت جابر اور والد دونوں پر ہو، ثقہ راویوں نے والد کے قرض والے واقعہ کو ذکر کیا اور روایتِ باب میں خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض والے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے، تعددِ واقعہ کی وجہ سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

④ جملہ مخطوطہ کا مفہوم:۔ ① **فَجَلَسَتْ نخلا عاما ای جلست الارض من الثمار من جهة النخل**، یعنی ایک سال زمین کھجور کا پھل دینے کے اعتبار سے بیٹھ گئی، اس نے پھل نہیں دیا۔ ② **فَجَلَسَتْ فخلّى عاما** میں قرض کی ادائیگی سے پیچھے ہٹ گیا اور قرض ایک سال کیلئے پیچھے ہونے لگا۔ (ایضا)

⑤ حضرت جابرؓ کا تعارف:۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ معروف صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ انصاری غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پندرہ سال پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ آپ کم عمری میں اسلام لائے اور بے شمار غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سات بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور غزوہ احد میں والد گرامی کی شہادت کے بعد ان کی کفالت کی تمام تر ذمے داری اور والد محترم کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائی کا بوجھ ان کے ناتواں کندھوں پر آ گیا تھا۔ بہنوں کی کفالت کی غرض سے انھوں نے اپنے سے عمر میں کافی بڑی ایک خاتون سے شادی کر لی، تاکہ وہ ان کی بہنوں کا خیال رکھ کر والدین کی کمی کا احساس نہ ہونے دے۔ ان کے والد کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائیگی میں سرکار دوعالم ﷺ نے معاونت فرمائی اور یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ کھجوروں کے ایک ہی ڈھیر میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کی، تمام قرض خواہوں کا قرضہ ادا ہو گیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ۱۵۰۰ کے قریب احادیث روایت کی گئی ہیں، یوں ان کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی طویل العمری کی بشارت کے بموجب تقریباً چورانوے سال کی عمر پائی اور ۷۸ھ میں وفات پائی۔ انھیں بغداد کے قریب مدائن شہر میں دریائے دجلہ کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ (گوگل)

الشق الثانی.....**باب من ادخل الضيفان عشرة عشرة و الجلوس على الطعام عشرة عشرة: عن انس انّ ام سليم امه عمدت اِلى مد مِن شعِير جشته وجعلت مِنه خطِيفة وعصرت عكة عِندها ثم بعثتنِي اِلى النبِي ﷺ فاتيته وهو فِي اصحابِهِ فدعوته قال ومن معِي؟ فجِئت فقلت اِنه يقول ومن معِي؟ فخرج اِلَيهِ ابو طلحة قال يا رسول اللّٰه اِنما هو شيئ صنعته ام سليم فدخل فجِيئ بِهِ وقال ادخِل علىّ عشرة فدخلوا فاكلوا حتى شبِعوا..... حتى عد اربعِين ثم اكل النبِي ﷺ ثم قام فجعلت انظر هل نقص مِنها شيئ۔**

اشرح ترجمة الباب فی ضوء الحدیث ۔ وضّح الکلمات التی فوقها خط ۔ ما هی غرض قوله انّما هی شیئ صنعته ام سلیم ۔ اکتب شیئا من سیرة انس رضی اللہ عنہ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① ترجمۃ الباب کی تشریح ② کلماتِ مخطوطہ کی وضاحت ③ **انّما هو شيئ صنعته ام سليم** کہنے کی غرض ④ حضرت انسؓ کا تعارف۔

0313 6337913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① ترجمۃ الباب کی تشریح:۔ امام بخاریؒ کا اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر مہمان زیادہ ہوں اور جگہ تنگ ہو تو ان کو تقسیم بھی کیا جاسکتا ہے اور گنجائش کے مطابق تھوڑے تھوڑے بٹھا کر کھانا کھلایا جاسکتا ہے۔ (کشف الباری)

② کلماتِ مخطوطہ کی وضاحت:۔ **جَشَّتُه: ای جعلته حشیشا** یعنی اس کا دلیا (نیم کوفتہ آٹا) بنایا ہے۔

خَطِیْفَةٌ: وہ کھانا جو آٹا گھی و دودھ ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ **عُکَّةٌ**: گھی کا برتن وکُپّی۔

③ **انّما ھو شیئ صنعته ام سلیم** کہنے کی غرض:۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس جملہ سے مقصود اس کھانے کی قلت وحقارت کی طرف اشارہ ہے کہ معمولی مقدار میں کھانا گھر میں ہی تیار کیا گیا ہے کوئی لمبا چوڑا پروگرام نہیں ہے۔

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ آپ کا نام انس رضی اللہ عنہ، کنیت ابوحمزہ، والد کا نام مالک بن نضر ہے، انصاری خزرجی صحابی ہیں، مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، مدینۃ الرسول آپ کا وطن ہے، آپ کی عمر جب دس سال تھی تو آپ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھوڑ دیا، دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں رہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دس سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟ اس میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت نظر آتی ہے وہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا (صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے) کمال بھی ہے کہ ایسا کہنے کا موقع ہی نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کیلئے یہ دعا فرمائی **اللھم بارك فی مالهٖ و اولادهٗ و طول عمرهٖ واغفر ذنبه** ۔طولِ عمر کا یہ حال تھا کہ ۱۰۶ سال عمر پائی، بصرہ میں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ اولاد کا یہ عالم تھا فرماتے ہیں کہ میں نے سو سے زائد اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا۔ رزق میں برکت کا یہ حال تھا کہ باقی لوگوں کے باغ سال میں ایک مرتبہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے بارے میں تین دعائیں قبول ہوگئیں مجھے یقین ہے کہ چوتھی دعا مغفرت والی بھی ضرور قبول ہوگی۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل ..... بَابُ عِيَادَةِ النِّسَاءِ الرِّجَالَ وَ عَادَتْ اُمُّ الدَّرْدَاءِ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْمَسْجِدِ مِنَ الْاَنْصَارِ: عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ اَبُوْبَكْرٍ وَبِلَالٌ قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا قُلْتُ يَا اَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ؟ قَالَتْ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ اِذَا اَخَذَتْهُ الْحُمّٰى يَقُوْلُ ؎ كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ ۔ وَكَانَ بِلَالٌ اِذَا اُقْلِعَتْ عَنْهُ يَقُوْلُ اَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ اَبِيْتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ وَحَوْلِيْ اِذْخِرٌ وَجَلِيْلٌ وَهَلْ اَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ وَهَلْ تَبْدُوَنْ لِيْ شَامَةٌ وَطَفِيْلٌ۔ قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ اَللّٰهُمَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّهَا وَصَاعِهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔ شکّل العبارة بتمامها ثمّ ترجمها۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفًا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بہت تیز بخار تھا، فرماتی ہیں کہ میں دونوں کے پاس گئی اور پوچھا اے والد بزرگوار! آپ کا کیا حال ہے اور اے بلال! آپ کا کیا حال ہے؟ اور حضرت ابوبکر کو بخار آتا تو کہتے ؎ ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے اور موت اس کی جوتیوں کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور بلال کا جب بخار اترتا تو کہتے ؎ اے کاش میں ایسے جنگل میں رات گذارتا کہ میرے اردگرد اذخر اور جلیل (ایک قسم کی گھاس) ہوتی اور میں مجنہ کے چشمہ پر اترتا اور کیا میں شامہ اور طفیل (چشموں کے نام) کو دیکھ سکوں گا، حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا اے میرے اللہ! ہمیں مدینہ کی محبت عطا کر، جس طرح ہمیں مکہ سے محبت تھی یا اس سے زیادہ محبت عطا کر، اے میرے اللہ! اس کی آب و ہوا کو تندرست

کردے اور ہمارے لئے یہاں کے مداور صاع میں برکت عطا کر اور یہاں کا بخار منتقل کردے اور اسے جحفہ میں پہنچادے۔

الشق الثانی.....عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ عَلٰى حِمَارٍ عَلٰى اِكَافٍ عَلٰى قَطِيْفٍ فَدَكِيَّةٍ وَ اَرْدَفَ اُسَامَةَ وَرَائَهٗ يَعُوْدُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فَسَارَ حَتّٰى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ ابْنِ سَلُوْلَ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللّٰهِ وَفِي الْمَجْلِسِ اَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبْدَةِ الْاَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ اَنْفَهٗ بِرِدَائِهٖ قَالَ لَا تُغَبِّرُوْا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَوَقَفَ وَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ اِلَى اللّٰهِ فَقَرَءَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ يَا اَيُّهَا الْمَرْءُ اِنَّهٗ لَا اَحْسَنَ مِمَّا تَقُوْلُ اِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهٖ فِيْ مَجَالِسِنَا وَارْجِعْ اِلٰى رَحْلِكَ فَمَنْ جَائَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ قَالَ اِبْنُ رَوَاحَةَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاغْشَنَا بِهٖ فِيْ مَجَالِسِنَا فَاِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْيَهُوْدُ حَتّٰى كَادُوْا يَتَثَاوَرُوْنَ فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى سَكَتُوْا فَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ دَابَّتَهٗ۔ شكّل العبارة بتمامها ثمّ ترجمها۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ كما مرّ فی السوال آنفًا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ عروہؒ کہتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی ایک گدھے پر سوار ہوئے جس کے پالان پر فدک کی چادر تھی اور اسامہ کو آپ ﷺ نے اپنے پیچھے بٹھلایا ہوا تھا جنگ بدر سے پہلے سعد بن عبادہ کی عیادت کو نکلے، چلنے لگے یہاں تک کہ ایک مجلس کے پاس سے گزر ہوا جس میں عبداللہ بن ابی بن سلول تھا اور یہ اس کے مسلمان ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اس مجلس میں مسلمان مشرکین بتوں کی پرستش کرنے والے اور یہود ملے جلے ہوئے تھے اسی مجلس میں عبداللہ بن رواحہ بھی تھے سواری کی گرد مجلس پر چھا گئی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو اپنی چادر سے لپیٹ لیا اور کہا کہ ہم پر گرد نہ اڑا، آپ ﷺ نے سلام کیا اور رک گئے اور سواری سے اتر پڑے اور ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا، عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے آدمی تو جو کچھ کہتا ہے میں اس کو بہتر نہیں سمجھتا ہوں اگر وہ ٹھیک ہے تو میری مجلس میں مجھے تکلیف نہ دیا کر اپنے گھر جا اور جو شخص تمہارے گھر جائے اس سے بیان کیا کر، ابن رواحہ نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ ہمارے پاس ہماری مجلسوں میں آیا کریں ہم اس کو پسند کرتے ہیں پھر مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں گالم گلوچ شروع ہوگئی حتی کہ قریب تھا کہ وہ آپس میں جھگڑ پڑیں اور نبی ﷺ ان لوگوں کے پاس ٹھہرے رہے یہاں تک کہ جب لوگ خاموش ہوگئے تو نبی ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے۔

﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....باب ظلم دون ظلم، حدثنا ابوالوليد قال: حدثنا شعبة ح قال: وحدثنی بشر قال: حدثنا محمد عن شعبة عن سليمان عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله قال: لما نزلت "الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم....."قال اصحاب رسول اللّٰه ﷺ: اينالم يظلم فانزل اللّٰه "ان الشرك لظلم عظيم"۔

اشرح قوله "ظلم دون ظلم" واذكر معنى كلمة "دون" تفصيلا ۔ اذكرغرض المؤلف بترجمة الباب۔ ما فائدة ايراد هذاالحديث باسنادين؟ ماهي ميزة "سليمان عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله"؟ اذكر مناسبة الحديث بترجمة الباب ۔(ص۹۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) ظلم دون ظلم کی تشریح اور دون کا معنی (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) دوسندوں کو ذکر کرنے کا فائدہ (۴) راویوں کا تعارف (۵) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

جواب..... ① ظلم دون ظلم کی تشریح اور دون کا معنی:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پچھلے باب میں کفر دون کفر کا ذکر کیا تھا

اور بتایا تھا کہ کفر کے مراتب اور درجات مختلف ہیں، تو اس کی نقیض یعنی ایمان کے اندر بھی درجات اور مراتب مختلف ہوں گے اور جب ایمان میں مراتب اور درجات مختلف ہوں گے تو اس کو مرکب کہا جائیگا اور زائد و ناقص بھی قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح یہاں **ظلم دون ظلم** میں بھی یہ بتا رہے ہیں کہ یہ ظلم بھی ایمان کی نقیض ہے اور ظلم کے اندر بھی مراتب مختلف ہیں، لہٰذا **ظلم دون ظلم** ثابت ہو گیا اور ایمان چونکہ اس کی نقیض ہے اسلئے ایمان کے اندر مراتب و درجات کا تفاوت و اختلاف بھی ثابت ہو جائیگا۔

اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ یہاں **دون** بمعنی ادنیٰ یا اسفل کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ **ظلم** ایک کلّی ہے، اسکے تحت بہت سے افراد ہیں، بعض اعلیٰ ہیں اور بعض ادنیٰ ہیں، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز کے موافق بھی ہے، کیونکہ ان کی رائے یہ ہے کہ ایمان جو اصل ہے وہ تو تصدیق اور اقرارِ لسانی ہے، ایک اس کی نوع ہے جس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، وہ فرع اعمال ہیں، اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ کفر اور شرک و ظلم کی ایک اصل ہے اور وہ ہے کفر باللہ، جو ایمان باللہ کی ضد ہے، ایک اس کی نوع ہے وہ ہیں معاصی جن سے کفر میں قوت اور زیادتی ہوتی ہے، یہ سب ہیں تو کفر ہی لیکن ایک اصل ہے اور ایک فرع، اصل کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے اور فرع کے ارتکاب سے ایک شعبۂ کفر میں داخل ہو جاتا ہے کافر نہیں ہوتا گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ظلم کے مراتب مختلف ہیں اسکا سب سے بلند مرتبہ تو شرک ہے کہ اسکی وجہ سے آدمی مومن ہی نہیں رہتا اور اسکے نیچے بہت سے مراتب ہیں کہ انکے ارتکاب سے ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا ہاں اس کے اندر کفر کی شاخیں اور اسکے شعبے آجاتے ہیں۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ سے مقصود یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل اعمال سے ہوتی ہے اور معاصی سے ایمان میں نقصان پیدا ہوتا ہے ان سے آدمی کفر میں داخل نہیں ہوتا اور معاصی کے چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے لوگوں میں تفاوت اور اختلاف ہے''۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۲۴۷)

② ترجمۃ الباب کی غرض:۔ مذکورہ تشریح میں غرض الباب بھی گزر چکی ہے۔

③ دو سندوں کو ذکر کرنے کا فائدہ:۔ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ باب کو دو سندوں سے نقل کر رہے ہیں، پہلی سند میں ان کے استاد ابوالولید ہیں جو امام شعبہ کے شاگرد ہیں، جب کہ دوسری سند میں ان کے استاد بشر بن خالد عسکری ہیں وہ محمد بن جعفر غُنْدَر کے واسطے سے امام شعبہ سے روایت کرتے ہیں، گویا پہلی سند عالی ہے جب کہ دوسری سند اس کے مقابلے میں نازل ہے چونکہ محمد بن جعفر المعروف بغندر امام شعبہ سے روایت کرنے والوں میں سب سے اثبت ہیں اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود عالی سند کے موجود ہونے کے نازل سند بھی ذکر کر دی، معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی اہم فائدہ کیلئے سندِ نازل کو ذکر کر دیتے ہیں۔

④ راویوں کا تعارف:۔ **ابو الولید:** یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی باھلی بصری ہیں۔ امام مالک، شعبہ، حمادین، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ وغیرہ سے سماع حاصل ہے۔ ان سے ابوزرعہ، ابوحاتم، اسحاق بن راھویہ، محمد بن یحییٰ اور محمد بن مسلم رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں۔ علمائے جرح و تعدیل نے ان کو **ثقہ** اور **ثبت** قرار دیا ہے۔ ۱۳۶ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۲۲۷ھ میں انتقال ہوا۔

شعبة: یہ امیر المؤمنین شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی واسطی بصری ہیں۔ ابوبسطام کنیت ہے۔ ان کی جلالتِ قدر اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں **شعبة امير المؤمنين فى الحديث**۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں **كان أمةً وحده فى هذا الشأن**۔

عراق میں رجال کی تفتیش اور حدیث سے دفاع کا کام سب سے پہلے انہوں نے شروع کیا۔ بصرہ ہی میں ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ اصولِ ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات لی ہیں۔ (ایضاً ج ۱ ص ۶۷۸)

سلیمان: یہ ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی ہیں جو اعمش کے لقب سے معروف ہیں۔ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، البتہ ان سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے۔ زید بن وھب، ابووائل، ابراہیم تیمی اور شعبی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ، سفیان، زائدہ اور وکیع رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''امتِ محمدیہ کے لئے علم کو محفوظ طور پر پہنچانے والے چھ حضرات ہیں، ان میں سے ایک

0313 6377913 maktabazakariyamultan@gmail.com

سلیمان بن مہرام اعمش ہیں''۔قاسم بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **هذاالشيخ أعلم الناس بقول عبدالله بن مسعود** ۔ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **سبق الأعمش أصحابه بأربع خصال: كان أقرأهم للقرآن ، وأحفظهم للحديث ، وأعلمهم بالفرائض، وذكر خصلة أخرى** ۔زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ماأدركت أحداً أعقل من الأعمش ومغيرة** ۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **أبواسحاق والأعمش رَجُلا أهل الكوفة** ۔امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ماشفاني أحد في الحديث ماشفاني الأعمش** یعنی حدیث میں امام اعمش کی طرح کسی اور نے میری تشفی نہیں کی۔امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعمش کا ذکر کرتے تھے تو انکے صدق و دیانت کی وجہ سے **المصحف ، المصحف** کہا کرتے تھے۔احمد بن عبداللہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **كان ثقة ثبتافي الحديث** ۔امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **الأعمش ثقة** ۔امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ثقة ثبت**۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ثقة حافظ، عارف بالقرأت ، وَرع، لكنه يدلس** ۔امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ۶۱ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے اور ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔(ایضاً ج۲ص۲۵۲)

ابراهيم: یہ کوفہ کے مشہور تابعی فقیہ ابوعمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی ہیں۔ان کی والدہ مُلیکہ بنت یزید ہیں جو اسود بن یزید اور عبدالرحمٰن بن یزید کی بہن ہیں۔اپنے دونوں ماموں کے علاوہ عَبیدہ سلمانی، ہمام بن الحارث، علقمہ بن قیس نخعی اور مسروق بن الاجدع رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں حَکَم بن عُتَیبہ، حماد بن ابی سلیمان، زبید الیامی اور امام اعمش رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ہیں۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **كان ابراهيم صيرفي الحديث** اور فرمایا کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ شہرت اور نام ونمود سے ہمیشہ بچتے رہتے تھے، حتی کہ کسی ستون وغیرہ کے پاس حلقہ نہیں لگاتے تھے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ثقه الا أنه يرسل كثيرًا**۔

آخر عمر میں حجاج بن یوسف کی طرف سے ان کی تلاش جاری تھی اور وہ روپوش ہوگئے، اسی حال میں پہلے حجاج بن یوسف کا پھر کچھ ہی عرصہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔آخری وقت پر بہت اضطراب میں تھے، لوگوں نے پوچھا کہ کیا کوئی خطرہ درپیش ہے؟ آپ نے فرمایا اس وقت میں جس عظیم خطرہ سے دوچار ہوں اس سے بڑھ کر اور کیا خطرہ ہوسکتا ہے، ابھی میرے رب کا فرستادہ پہنچے گا پھر میرا ٹھکانہ یا تو جنت بنے گا یا جہنم، خدا کی قسم! میری خواہش ہے کہ بس میری روح قیامت تک حلق میں اٹکی رہے۔۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

علقمة: یہ کوفہ کے مشہور تابعی فقیہ وامام ابوشبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک نخعی رحمۃ اللہ علیہم ہیں یہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ اور ماموں اسود بن یزید اور عبدالرحمٰن بن یزید کے چچا ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے، آپ کی زیارت نہیں کی چنانچہ آپ کا شمار مخضرمین میں ہوتا ہے۔

طلبِ علم کیلئے سفر کیا حضرات خلفائے راشدین، حضرت سلمان، حضرت ابوالدرداء، حضرت خالد بن الولید، حضرت حذیفہ، حضرت خبّاب، حضرت عائشہ، حضرت سعد، حضرت عمار اور حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کی، کوفہ میں مقیم ہوگئے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت اختیار کی، تا آنکہ علم وعمل کے روشن مینار بن کر نکلے، بڑے بڑے علماء نے آپ سے فقہ کا علم حاصل کیا اور آپ کا نام دور دور تک پہنچا۔

آپ سے استفادہ کرنیوالوں میں امام ابراہیم نخعی، امام شعبی، سلمہ بن کُہَیل، ابووائل شقیق بن سَلَمہ اور ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہم بہت سے حضرات ہیں۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سب سے اخص ترین شاگرد سمجھے جاتے ہیں حتی کہ عادات واخلاق میں بھی انکے مشابہ تھے۔قرآن کریم بہت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے فرمائش کرکے قرآن کریم سنتے اور فرمایا کرتے تھے **زدنا، فداك أبي وأمي ، فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ان حسن الصوت زينة القرآن** ۔

قابوس بن ابوظبیان نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی مجالس کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ ابوظبیان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ان سے سوال کرتے اور استفادہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyanultan@gmail.com

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں **ثقة من أهل الخير**۔امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں **ثقه ثبت فقيه عابد**۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کی کہ جب میرا وقتِ نزع آئے تو کسی ایسے شخص کو میرے پاس بٹھاؤ جو مجھے **لااله الا الله** کی تلقین کرے،انتقال کے بعد مجھے جلد دفنا دینا،لوگوں میں اعلان نہ کرتے پھرنا کہ یہ جاہلیت کا طریقہ ہوجائے گا۔

آپ کا انتقال ۶۰ھ یا ۶۲ھ کے بعد ہوا۔(ایضاً)

عبداللہ: یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذَ لی ہیں،ابوعبدالرحمٰن آپ کی کنیت ہے۔

سابقین اولین میں آپ کا شمار ہے،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے ،ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں ہجرتیں کیں،علماءِ صحابہ میں سے تھے ان سے صحابہ وتابعین میں سے ایک جمِّ غفیر نے علم حاصل کیا۔

حضرات صحابہ میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری،حضرت ابوہریرہ،حضرت ابن عباس،حضرت ابن عمر،حضرت عمران بن حصین،حضرت جابر،حضرت انس اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔حضرات تابعین میں سے جن حضرات نے ان سے استفادہ کیا ان میں سے چند مشہور ہیں۔علقمہ،اسود،مسروق،عبیدہ،ابووائلہ،قیس بن ابی حازم رحمہم اللہ۔

آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے،خود فرماتے ہیں **لقد رأيتني سادس ستة، وما على ظهر الأرض مسلم غيرنا**۔

آپ کی والدہ ماجدہ بھی صحابیہ ہیں وہ **أم عبد** کہلاتی تھیں۔اسی نسبت سے آپ کو **ابن أم عبد** بھی کہا جاتا ہے۔یہ دونوں ماں بیٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **قدمت أنا وأخي من اليمن فمكثنا حينًا مانرى ابن مسعود وأمه الا من أهل البيت من كثرة دخولهم ولزومهم له**۔

سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک،مسواک،بستر اور وضو کا سامان آپ ہی اٹھاتے تھے،عام دنوں میں بھی آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتے پہناتے تھے،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوتے اتارتے تو آپ انہیں اپنی کلائیوں (یعنی آستین کی جیبوں) میں ڈال لیتے تھے۔

بدر کے موقعہ پر جب اللہ کے دشمن ابوجہل کو دو نوعمر صحابیوں نے زخمی کردیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کو اسے قتل کرنے کیلئے بھیجا،آپ نے اس امت کے فرعون کو قتل کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سناؤں،میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا قرآن سناؤں؟ قرآن تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں،کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ نساء سے پڑھنا شروع کیا،یہاں تک کہ **فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلآء شهيدًا** تک پہنچ گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روک دیا اور فرمایا کہ بس کافی ہے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ بھیجا اور اہلِ کوفہ کو لکھا **بعثت اليكم عمارًا أميرًا، وعبدالله بن مسعود معلمًا ووزيرًا، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ومن أهل بدر، فاقتدوا بهما، وقد آثرتكم بعبدالله على نفسي**۔

حضرت عمر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں **كنيف ملئ علمًا** کہ آپ ایک بڑا برتن ہیں جو لبالب علم سے بھرا ہوا ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے عیادت کی۔

پوچھا:**ماتشتكي**؟(آپ کیا تکلیف محسوس کرتے ہیں؟) فرمایا:**ذنوبي** (مجھے اپنے گناہوں کی تکلیف کا احساس ہے)

پوچھا:**فماتشتهي**؟(آپ کی کیا خواہش ہے؟) فرمایا:**رحمة ربي** (میں اپنے پروردگار کی رحمت کا خواستگار ہوں)۔

پوچھا:**ألا آمرلك بطبيب**؟(آپ کے لئے کسی طبیب کا انتظام نہ کردوں؟)

فرمایا:**الطبیب أمرضنی** (میرے لئے کیا طبیب کا انتظام کریں گے اصل ''طبیب'' ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے)
پوچھا:۔**ألاأمرلك بعطاء؟** (آپ کیلئے کچھ رقم کا بندوبست کردوں؟) فرمایا: **لاحاجة لی فیه** (مجھے ضرورت نہیں)
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو ضرورت نہ سہی آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گی۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کو میری بیٹیوں کے بارے میں فقر کا اندیشہ ہے؟ ایسی بات نہیں ہوگی کیونکہ میں نے انہیں روزانہ رات کو سورۂ واقعہ پڑھنے کی تلقین کی ہوئی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من قرأ سورة الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة أبدا۔**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کل آٹھ سو اڑتالیس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے چونسٹھ متفق علیہ ہیں، جب کہ امام بخاریؒ اکیس حدیثوں میں متفرد ہیں اور امام مسلمؒ پینتیس حدیثوں میں متفرد ہیں ۲۳ھ یا ۳۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(ایضاً)

⑤ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معاصی کو ظلم سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو ظلم قرار دیا، معلوم ہوا کہ بعض ظلم کفر ہیں اور بعض ظلم کفر نہیں ہیں اس سے ظلم کے مراتب معلوم ہوئے اور یہی **ظلم دون ظلم** ترجمۃ الباب تھا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں **ان الشرك لظلم عظیم** میں لفظِ عظیم مراتب پر صراحتاً دلالت کر رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چھوٹا ظلم بھی ہے جو شرک سے کم ہے۔(ایضاً ج۲ص۲۶۸)

الشق الثانی.....**باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة للّٰه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم..... عن جریر بن عبداللّٰه قال: بایعت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم علی اقام الصلاة وایتاء الزکوة والنصح لکل مسلم۔**(ص۱۳۔ج۱۔قدیمی)

انکرغرض المؤلف بهذه الترجمة۔ لماذالم یخرج البخاری هذاالحدیث فی کتابه موصولا وقد ترجم به الباب؟ ترجم لسیدنا جریر بن عبداللّٰه و اشرح الحدیث انکر معنی "النصیحة"۔ لکتب مناسبة الحدیث ومطابقته بترجمة الباب

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کو موصولاً ذکر نہ کرنے کی وجہ (۳) حضرت جریر بن عبداللہ رحمہ اللہ کا تعارف (۴) حدیث کی تشریح اور نصیحت کا معنی (۵) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض مراتبِ ایمان کو بیان کرنا ہے کہ ان میں تفاوت ہے اس لئے کہ یہاں **النصیحة** کا **الدین** پر حمل ہے گویا دین اور نصیحت ایک ہی چیز ہے اور نصیحت کے مختلف مراتب ہیں **نصیحت للّٰه، لرسوله، لأئمة المسلمین، لعامتهم**، نیز ان کی کیفیات میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے، لہٰذا جب نصیحت میں مراتب ہیں تو دین میں بھی مراتب ہونگے اور دین وایمان ایک ہی چیز ہے اس لئے ایمان میں بھی مراتب ثابت ہوئے۔
نیز امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد عمل کو ایمان میں داخل قرار دینا ہے کیونکہ یہاں **الدین** پر **النصیحت** کا حمل ہے اور نصیحت عمل ہے معلوم ہوا کہ عمل دین وایمان میں داخل ہے۔(کشف الباری ج۲ص۷۵۵)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حدیث کو موصولاً ذکر نہ کرنے کی وجہ:۔ اس حدیث کا مدار سہیل بن ابی صالح رحمہ اللہ پر ہے اور وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں ہیں۔ نیز اس میں اختلاف ہے کہ حدیث حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی مسانید میں سے ہے یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسانید میں سے ہے ان دو وجوہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موصولاً نقل نہیں کیا چونکہ یہ حدیث فی الجملہ قابلِ استدلال ہے اس لئے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس پر صرف ترجمۃ الباب قائم کردیا۔(ایضاً ج۲ص۷۵۶)

③ حضرت جریر بن عبداللہ رحمہ اللہ کا تعارف:۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت جریر بن عبداللہ احمسی بجلی کوفی رضی اللہ عنہ ہیں، آپ رضی اللہ عنہ رمضان ۱۰ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے آپ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے سردار تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا اکرام کیا اور انہیں چادر عطاء فرمائی اور فرمایا **اذاجاء کم کریم فاکرموه۔**
آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قبیلۂ خثعم کا بت خانہ **ذوالخلصه** قبیلۂ احمس کے شہسواروں کو ساتھ لیکر مسمار کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کی جسمانی صحت اور حسن و جمال کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے **جریر یوسف هٰذه الامة**۔
آپ رضی اللہ عنہ پہلے کوفہ منتقل ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کی بعد میں قرقیسیا نامی علاقہ میں منتقل ہو گئے تھے اور آخر حیات تک وہیں مقیم رہے۔حتیٰ کہ وہیں پر تدفین ہوئیں۔اور ۵۱ھ یا ۵۴ھ یا ۵۶ھ میں انتقال ہوا۔(ایضاً ج۲ص۷۶۴)
آپ رضی اللہ عنہ سے تقریباً سوا حادیث مروی ہیں۔ **(رضی اللّٰه تعالٰی عنه وعنهم اجمعین۔)**

④ حدیث کی تشریح اور نصیحت کا معنی:۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت کی ہے دراصل آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ بیعت کے وقت عام طور پر ارکانِ ظاہرہ شھادتین اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کو ذکر فرماتے اور پھر ان امور کو ذکر فرماتے جن کی بیعت کرنیوالے میں ضرورت محسوس فرماتے۔
چنانچہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے بھی بوقتِ بیعت شھادتین، اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ نصیحت و خیر خواہی کا عہد لیا۔ نصیحت کا معنی خیر خواہی ہے یہ لفظ یا **نصحت العسل** سے مشتق ہے جس کا معنی شہد کو صاف کرنا ہے۔
یا پھر **النصح** سے مشتق ہے جس کا معنی **منصحة** یعنی سوئی سے سینا ہے گویا جس طرح سوئی کے ذریعہ کپڑے کے پھٹن کو درست کیا جاتا ہے اسی طرح نصیحت کے ذریعہ اپنے بھائی کی پراگندگی کو ختم اور دور کیا جاتا ہے۔امام خطابی فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک مختصر مگر جامع کلمہ ہے جو اپنے اندر بہت سے جامع معانی رکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منصوح لہ کیلئے تمام حظوظِ خیر کو جمع کر دینا نصیحت ہے۔
حدیثِ اوّل میں اللہ تعالیٰ کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات وصفات پر آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایمان لانا، شرک کی تمام انواع سے اجتناب کرنا، اطاعت وفرمانبرداری کرنا، اخلاص کے ساتھ تمام اوامر کو بجالانا، تمام نواہی سے مکمل اجتناب کرنا، انعامات واحسانات کا اعتراف کرتے ہوئے شکر ادا کرنا، بعض شارحین نے اس جگہ نصیحت لکتاب اللہ کا بھی ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے کہ یہ وحیِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔یہ نہ مخلوق کی کلام کے مشابہ ہے اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی ایسے کلام پر قادر ہے نیز اسکے الفاظ وحروف کو درست کیا جائے۔محرفین کی تاویلات کو باطل کیا جائے۔زبانِ طعن دراز کرنے والوں کی زبان کو بند کیا جائے، اسکے بیان کردہ فرائض وسنن وآداب کا علم حاصل کیا جائے، اس کے محکمات پر عمل اور متشابہات کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اسکے مواعظ سے عبرت حاصل کی جائے، وعد ووعید کی تصدیق کی جائے، اسکے علوم کی تحصیل کی کوشش کی جائے۔رسول اللہ ﷺ کیلئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کی مکمل تصدیق کی جائے، آپ ﷺ نے جس چیز کی دعوت دی اس کو قبول کیا جائے آپ ﷺ نے جو شرائع واحکام بتلائے اور دین کی جو تشریح کی اس کے مطابق عمل کیا جائے آپ ﷺ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کیا جائے، آپ ﷺ کے حق کو تمام مخلوق کے حق پر مقدم کیا جائے اور آپ ﷺ کے طریقۂ دعوت کو اختیار کیا جائے، آئمۃ المسلمین سے مراد امراء وخلفاء ہیں ان کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ معروف میں ان کی اطاعت، انکے پیچھے نماز اور انکے ساتھ ملکر کفار سے جہاد کیا جائے، بغاوت نہ کی جائے، غفلت پر ان کو تنبیہ کی جائے، جھوٹی تعریف سے ان کو دھوکہ نہ دیا جائے، ان کی صلاح وہدایت کے لئے دعا کی جائے۔ائمۃ المسلمین سے مراد علماء ومجتہدین بھی ہو سکتے ہیں۔اب مطلب یہ کہ انکے علوم کو نشر کیا جائے، ان کے مناقب کو بیان کیا جائے، ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے اور ان کی تقلید کی جائے۔عامۃ المسلمین کے ساتھ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو دین کی تعلیم دی جائے، ان کی دینی ودنیاوی مصالح کی طرف رہنمائی کرنا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا، ان کے ساتھ شفقت و مہربانی کا معاملہ کرنا، بڑوں کے ساتھ توقیر اور چھوٹوں کے ساتھ ترحم کا رویہ رکھنا۔(کشف الباری کتاب الایمان ج۲ص۷۵۷)

⑤ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:۔ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے کہ حدیث میں **النصح لکل مسلم** کا ذکر ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور ترجمۃ الباب میں بھی **النصیحة لعامة المسلمین** کا ذکر ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٤١ھ

الشق الاوّل.....باب التقاضی والملازمة فی المسجد..... عَنْ كَعْبٍ اَنَّهٗ تَقَاضٰى اِبْنَ اَبِیْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِیْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰى يَا كَعْبُ قَالَ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا وَاَوْمَاَ اِلَيْهِ اَیْ الشَّطْرِ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: قُمْ فَاقْضِهٖ۔(ص٦٥۔ج١۔قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط ۔ثم ترجمه ۔ اذکر غرض المؤلف عن هذه الترجمة ۔ کیف ساغ للصحابیین رفع الصوت فی المسجد حتی خرج الرسول ﷺ من حجرته ۔ اذکرمناسبة الحدیث بالترجمة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں(۱)حدیث پر اعراب(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)ترجمۃ الباب کی غرض(۴)صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آواز پر برانگیختہ کرنے والی چیز(۵)حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت۔

جواب.....① حدیث پر اعراب:۔**کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا(اسی دوران)دونوں کی گفتگو تیز ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے گھر سے سن لیا پس آپ ﷺ ان کی طرف تشریف لائے اپنے حجرہ مبارکہ کا پردہ ہٹا کر پس آپ نے پکارا کہ اے کعب! حضرت کعب رضی اللہ عنہ بولے حاضر جناب اے اللہ کے رسول،آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے قرض میں سے اتنا کم کردو۔آپ ﷺ کا اشارہ تھا کہ آدھا کم کردو انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! میں نے کردیا، پھر آپ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا کہ اٹھو اور اس کو بقیہ ادا کردو۔

③ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ بتلانا ہے کہ مسجد میں قرض کا تقاضا و مطالبہ کرنا اور قرض خواہ کا قرض کی وصولی تک مقروض کے ساتھ چمٹے رہنا اور برابر اس سے مطالبہ کرتے رہنا جائز ہے۔(الخیر ساری ج۳ص۳۰۸)

④ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آواز پر برانگیختہ کرنے والی چیز:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آوز پر برانگیختہ کرنیوالی چیز قرض کا مطالبہ تھا۔ سوال ہوتا ہے کہ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، بیع وشراء کرنا وغیرہ ذلک،ان تمام امور کی ممانعت ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسجد میں اس قدر بلند آواز سے قرض کا مطالبہ کرنا کہ جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ بھی اپنے حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لے آئے یہ کیسے صحیح وجائز ہوا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں ان دنیاوی باتوں کی ممانعت ہے جو لغو ہوں یا انکا تعلق بالکلیہ دنیا سے ہو اور وہ امور جن کا تعلق بالکلیہ دنیا سے نہ ہو جیسے قرض کا مطالبہ کرنا یہ استثنائی چیزوں میں داخل ہے اگرچہ اس میں بیع وشراء سے زیادہ شور وشغف کیوں نہ ہوجائے مگر پھر بھی یہ جائز ہے اس لئے کہ یہ حق العبد ہے۔

⑤ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حدیث کے جملہ **انه تقاضی ابن ابی حدرددینا** کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے قرض کا تقاضا کیا اور یہی ترجمۃ الباب کا پہلا جزء تھا اور جب ان کی بات چیت طویل ہوگئی اور آوازیں بلند ہوگئیں تو آپ ﷺ نے حجرہ سے باہر تشریف لاکر ان میں صلح کروائی اس سے ملازمہ بھی ثابت ہوگیا۔(ایضاً ج۳ص۳۰۹)

الشق الثانی.....**عن ابی ذرّ قال: کنت مع النبی ﷺ فی المسجد عند غروب الشمس فقال یاابا ذر اتدری این تغرب الشمس؟قلت الله ورسوله اعلم، قال:فانها تذهب حتی تسجدتحت العرش فذلك قوله تعالٰی والشمس تجری لمستقرلها ذلك تقدیر العزیزالعلیم** ۔(ص۷۰۹۔ج۲۔قدیمی) **ترجم الحدیث واذکر معنی "المستقر" فی الآیة الکریمة ۔ حقق مسئلة سجود الشمس واشرح الحدیث بحیث تندحض به جمیع الشبهات ۔**

جواب.....① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غروبِ شمس کے

031-6357913 mailto:bazakariyamultan@gmail.com

وقت مسجد میں موجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! کیا تجھے معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک وہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ **والشمس تجری لمستقرلها** کا یہی مطلب ہے۔

② و ③ مستقر کا معنی، سجودِ شمس کی حقیقت اور حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں سجودِ شمس کا تذکرہ کیا گیا ہے، جدید فلکیات کی تحقیقات اور مشاہدات کی رو سے اس پر چند اشکالات ہوتے ہیں: ① سورج جب کسی ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو اسی وقت دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے، سورج کا طلوع وغروب ہر وقت جاری وساری ہے، جبکہ حدیث سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ پوری دنیا میں سورج ایک ہی وقت غروب ہوتا ہے اور اجازت ملنے پر پھر اپنا سفر شروع کر کے طلوع ہوتا ہے حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں غروب آفتاب سے پوری دنیا کا غروب مراد نہیں بلکہ دنیا کے بڑے حصہ کا غروب مراد ہے یعنی وہ مقام جہاں کے غروب پر دنیا کی اکثر آبادی میں غروب ہو جاتا ہے۔

یا اس سے خطِ استواء کا غروب مراد ہے اور یا افق مدینہ کا غروب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ سورج یہ سجدہ اور اجازت معظم معمورہ کے غروب، یا خط استواء کے غروب اور یا افق مدینہ کے غروب کے وقت طلب کرتا ہے۔

② عرشِ رحمٰن کی جو تفصیل قرآن وحدیث سے معلوم ہوتی ہے اس کی رو سے عرش تمام آسمانوں اور کائنات سماویہ کو محیط ہے، اس لحاظ سے سورج تو ہمیشہ ہر حال اور ہر وقت زیر عرش ہے جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف غروب کے وقت زیر عرش جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غروب کے وقت زیر عرش جانا اس کو مستلزم نہیں کہ باقی اوقات میں وہ زیر عرش نہیں ہوتا، یہ قید احترازی نہیں قید واقعی ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''.....اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ قید واقعی ہو اور اصلی مقصود **اخبار عن السجده** ہو اور اس تعبیر سے یہ فائدہ ہو کہ اس سے تحت الامر الالٰہی ہونے کی تصریح ہو گئی کیونکہ استواء علی العرش کا نفاذِ احکام وتصرفات سے کنایہ ہونا آیات عدیدہ میں مذکور ہے''۔

③ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج اپنے مستقر پر پہنچ کر سجدہ کرتا ہے، پھر اجازت مانگتا ہے، اسی طرح وہ وقفہ کرتا ہے حالانکہ سورج کا وقفہ علم فلکیات اور مشاہدہ کی رو سے درست نہیں اسکی حرکت دائمی اور مسلسل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن نے خود تصریح فرمادی ہے **کل قد علم صلاته وتسبیحه** اس لئے آفتاب کے سجدہ سے یہ معنی سمجھنا کہ وہ انسان کی طرح سجدہ کرتا ہوگا درست نہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''.....سجدہ بالمعنی المذکور کے لئے اوّل تو انقطاع حرکت ضروری نہیں، دوسرا ممکن ہے کہ یہ سکون آنی ہو اور حرکت زمانی ہو، اس لئے حساب رصدی مختل نہ ہوتا ہو اور نہ ہی وہ منضبط ومدرک ہوتا ہو''۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف القرآن'' میں اس کا خلاصہ نقل کر دیا ہے، انہوں نے ایک اور انداز سے اس حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ.....

0313.6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حدیث میں جو یہ بتلایا گیا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور پھر اگلا دورہ شروع کرنے کی اجازت مانگتا ہے اور اجازت ملنے کے بعد آگے چلتا ہے اور صبح جانب مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس کا مقصد اس سے زائد نہیں کہ آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے جس کا مدار آفتاب پر ہے رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کے لئے موزوں سمجھ کر یہ تلقین فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار اپنی قدرت سے چلنے والا نہ سمجھو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اجازت کے تابع ہے، اس کے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ غروب آفتاب کی تخصیص اور اس کے بعد زیر عرش جانے اور وہاں سجدہ کرنے اور اگلے دورے کی اجازت مانگنے کے جو واقعات اس روایت میں بتلائے گئے ہیں وہ پیغمبرانہ موثر تعلیم کے مناسب بالکل عوامی نظر کے اعتبار سے ایک تمثیل ہے

، نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ انسان کی طرح زمین پر سجدہ کرے اور نہ سجدہ کرنے کے وقت آفتاب کی حرکت میں کچھ وقفہ ہونا لازم آتا ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ وہ دن رات میں صرف ایک ہی سجدہ کسی خاص جگہ جا کر کرتا ہے اور نہ یہ کہ وہ صرف غروب کے بعد تحت العرش جاتا ہے مگر اس انقلابی وقت میں جبکہ سب عوام یہ دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب زیرِ عرش غائب ہو رہا ہے اس وقت بطور تمثیل ان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ درحقیقت آفتاب کے زیر علاج تابع فرمان چلتے رہنے سے ہو رہا ہے۔ آفتاب خود کوئی قدرت وطاقت نہیں رکھتا، تو اس طرح اس وقت اہلِ مدینہ اپنی جگہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ اب آفتاب سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت لے گا اس طرح جہاں جہاں وہ غروب ہوتا جائے گا سب کے لئے ہی سبق حاصل کرنے کی تلقین ہوگی اور حقیقت معاملہ یہ نکلی کہ آفتاب اپنے مدار پر حرکت کے درمیان ہر لحہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ بھی کرتا ہے اور آگے چلنے کی اجازت بھی مانگتا رہتا ہے اور اس سجدہ اور اجازت کے لئے اس کو کسی سکون اور وقفہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس تقریر پر مشاہدات، قواعد ہیئت وریاضی کے اعتبار سے کوئی شبہ اور اشکال باقی نہیں رہتا۔ (کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۵۴۵)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**باب فی الزکاۃ ولایفرق بین مجتمع ولایجمع بین متفرق خشیۃ صدقۃ ..... وقال بعض الناس فی عشرین ومائۃ بعیر حقتان،فان اھلکھا متعمدا او وھبھا او احتال فیھا فرارًا من الزکاۃ فلاشیئ علیہ۔ ماحکم الحیلۃ فی الشرع ۔ لماذا عقدالبخاری ھذاالباب فی کتاب الحیل؟عین المراد بقولہ"بعض الناس" ۔ اشرح موقف کل من البخاری وبعض الناس مع ادلتھا وترجیح ما ھو الراجح۔** (ص ۱۰۲۸و۱۰۲۹۔ج ۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حیلہ کا شرعی حکم (واقسام) (۲) کتاب الحیل میں یہ باب لانے کی وجہ (۳) بعض الناس کی مراد (۴) امام بخاریؒ اور بعض الناس کا موقف مع الدلائل۔

جواب..... ❶ حیلہ کا شرعی حکم (واقسام):۔ حیلہ لغت میں مخفی طور وطریقہ سے مقصود تک پہنچنے کا نام ہے اور اصطلاح میں جائز ومباح طریقہ سے مقصود تک پہنچنے کو حیلہ کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں حیلوں کی اقسام اور ان میں علماء کا اختلاف نقل کر کے فرماتے ہیں "جو لوگ حیلہ کو مطلق جائز کہتے ہیں اور ایسے ہی وہ لوگ جو مطلق ناجائز مانتے ہیں اپنے اپنے کثیر دلائل رکھتے ہیں مثلاً پہلوں کے دلائل میں سے ایک ارشاد باری تعالیٰ ہے **وخذ بیدك ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث** اور اس پر آنحضرت ﷺ نے اس ضعیف زانی کے حق میں عمل بھی فرمایا جیسا کہ سنن نے اسے ابوامامہ بن سہل سے نقل فرمایا ہے، نیز فرمایا **ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا** اور حیلوں میں مشکلات سے نکلنے کی راہیں موجود ہیں جیسا کہ استثناء کی مشروعیت مثلاً قسم کے ساتھ ساتھ کوئی انشاء اللہ بھی کہہ لے تو حانث ہونے سے بچ جائیگا، ایسے ہی شرط کا حال ہے کہ انکے ذریعہ بھی حرج میں پڑنے سے بچنے کی صورت موجود ہے، ایسے ہی حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن سعید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے پہلے سب کو دراہم کے عوض بیچ لو پھر حسب منشاء خرید لینا۔

ثانی قسم کے دلائل میں سے اصحاب السبت کا قصہ ہے اور وہ حدیث جس میں اہل کتاب پر چربی کی حرمت کا ذکر ہے اور وہ اسے پگھلا کر فروخت کرنے اور قیمت کھانے لگے تھے نیز **نھی عن النجش** والی حدیث اور **لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ** والی روایت ہے اور شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں حیلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ مسائل اجتہادیہ میں حیلہ جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے بعض شدت پسند اپنے جہل اور کتاب وسنت میں قلت تدبر کی وجہ سے اسے مکروہ کہتے ہیں کتاب اللہ میں اس کے جواز کی دلیل **خذ بیدك ضغثا الخ** ہے کہ اس میں حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنی یمین سے مخرج کی تلقین مذکور ہے، جبکہ انہوں نے اپنی بیوی کو سو درے لگانے کی قسم کھائی تھی اس بات پر کہ اس نے کہا تھا کہ شیطان کے نام پر جانور ذبح کرو، اہل تفسیر نے یہ طویل قصہ نقل فرمایا ہے اور ایسے ہی **کذلك کدنا لیوسف** کی آیت میں وہ حیلہ مذکور ہے جس کا سہارا لیکر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے ہاں روکنے کی تدبیر فرمائی اور بھائیوں کو علم تک نہ ہو سکا اور حضرت

0313 6357913 makkabazakariyamultan@gmail.com

موسیٰ علیہ السلام کی حکایت جس میں انہوں نے **ستجدنی ان شاء اللہ صابرا** فرمایا تھا اور صبر کر بھی نہ سکے کیونکہ ساتھ میں انشاء اللہ کی قید بھی تھی اور یہی صحیح مخرج ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ: ولا تقولن لشیئ انی فاعل ذلک غدا الا أن یشاء اللہ**، نیز حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں نعیم بن مسعود کو بنی قریظہ کے بارے میں فرمایا شاید ہم انہیں یہی حکم کر دیتے اور جب اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ عرض کیا تو فرمایا **الحرب خدعة** یہاں کلام کو لعل کے ساتھ مقید فرمایا یہ ایک حیلہ اور گناہ سے بچاؤ کی صورت تھی اور ایسے ہی جب ایک آدمی نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اس نے اپنے بھائی کے ساتھ کلام نہ کرنے کیلئے اپنی زوجہ پر تین طلاق کی قسم کھالی ہے تو ارشاد فرمایا کہ پہلے ایک طلاق دے دو جب عدت گزر جائے تو کلام کر لینا اور پھر اس سے نکاح کر لینا یہ بھی ایک حیلہ ہی کی تعلیم تھی اور اس سلسلہ میں آثار بھی بکثرت ملتے ہیں۔ اگر احکام شرعیہ میں غور کیا جائے تو معاملات تقریباً سبھی اسی طرح کے ملتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ احکام میں حیلہ کو مکروہ ماننے والا دراصل احکام شرع ہی کو مکروہ سمجھتا ہے اور اس قسم کی باتیں قلت تدبر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ جس تدبیر کے ذریعہ آدمی حرام سے بچ جائے یا حلال کی صورت کو حاصل کر پائے تو یہ حسن ہے، مکروہ تب ہے کہ کسی کے حق کو حیلہ کر کے باطل قرار دیا جائے یا باطل کو مزین صورت اور حسن میں پیش کیا جائے یا کسی حق کو بذریعہ حیلہ مشتبہ کر دیا جائے تو یہ مذکورہ صورتیں مکروہ ہوں گی اور جو اول الذکر میں داخل ہے اس میں کوئی حرج نہیں پایا جاتا ہے **لقولہ تعالی وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** اور باب الشفعۃ بالعروض کے آخر میں حیلہ کی بعض صورتیں ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ حق شفیع کو باطل کرنے کیلئے ایسے حیلے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ثبوت شفعہ سے پہلے تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اس کے بعد بھی کوئی مضائقہ نہیں جبکہ مشتری کا مقصود شفیع کو ستانا یا مضرت پہنچانا نہیں بلکہ اپنی ملک کو محفوظ کرنا اور بچانا ہے، یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے جیسا کہ اسقاط استبراء اور وجوب زکوٰۃ سے منع کے حیلہ میں ان حضرات کا اختلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بعض نے حیلہ کے منع کو ترجیح دی ہے اسے خداع کہا ہے اور بعض جواز کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے تفقہ سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ احکام میں حیلہ کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ درحقیقت احکام شرعیہ کو مکروہ کہتے ہیں۔ (حل قال بعض الناس: ۶۷)

احناف کے نزدیک حیلہ کی پانچ اقسام ہیں: ① واجب: کسی حق کو ثابت کرنے یا باطل کو رفع کرنے کیلئے حیلہ واجب ہے ② حرام: کسی حق کو باطل کرنے یا باطل کو ثابت کرنے کیلئے حیلہ کرنا حرام ہے۔ نیز مباح چیز کے حصول کیلئے حرام طریقہ اختیار کرنا بھی حرام ہے ③ مباح: مباح چیز کے حصول کیلئے مباح طریقہ اختیار کرنا مباح ہے ④ مکروہ: مباح چیز کے حصول کیلئے مکروہ طریقہ اختیار کرنا مکروہ ہے ⑤ مستحب: مکروہ چیز سے بچنے کیلئے مباح طریقہ اختیار کرنا مستحب ہے۔

② کتاب الحیل میں یہ باب لانے کی وجہ:۔ اس باب میں اسقاطِ زکوٰۃ کے حیلہ کا ذکر ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو کتاب الحیل میں لائے ہیں۔

③ بعض الناس کی مراد:۔ بعض الناس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

④ امام بخاری رحمہ اللہ اور بعض الناس کا موقف مع الدلائل:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس مثلاً ایک سو بیس اونٹ ہیں تو اس پر حولانِ حول کے بعد دو حقّے زکوٰۃ لازم ہے یا صرف بیس اونٹ ہیں تو اس پر چار بکریاں لازم ہیں لیکن مالک زکوٰۃ سے بچنے کیلئے سال مکمل ہونے سے چند دن پہلے نصاب کو ہلاک کر دے یا ہبہ کر دے یا کوئی اور ایسا تصرف کر دے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

0312 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسقاطِ زکوٰۃ کے لئے کسی بھی قسم کا حیلہ کرنا ناجائز ہے اور یہ حیلہ کرنے والا گناہ گار ہوگا کیونکہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے **لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة** کہ زکوٰۃ کے لازم ہونے کے خوف سے ایک ملک میں تفریق یا دو ملک میں جمع نہ کیا جائے۔ الغرض اس عبارت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے حیلہ کے ذریعہ زکوٰۃ کے ساقط کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ بدنیتی کی وجہ سے اگر کوئی شخص ایسا حیلہ کرے تو اس کی قباحت اپنی جگہ ہے مگر اس کا یہ فعل نافذ ہو جائے گا۔ اور زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

نیز اسقاطِ زکوٰۃ کا الزام اور وبال اس پر اس صورت میں ہے جب سال پورا ہو جائے اور سال پورا ہونے سے قبل اسے اپنے مال میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے لہٰذا اسکے تصرف کے نتیجہ میں جب نصاب ختم ہو گیا تو زکوٰۃ لازم ہی نہ ہوئی۔(مایتفع الناس ص ۱۲۱،جل قال بعض الناس ص ۴۵)

الشق الثانی.....بَابٌ اِنْ حَلَفَ اَنْ لَایَشْرَبَ نَبِیْذًا فَشَرِبَ طِلَاءً اَوْ سُکْرًا اَوْ عَصِیْرًا لَمْ یَحْنَثْ فِیْ قَوْلِ بَعْضِ النَّاسِ، وَلَیْسَتْ هٰذِهٖ بِاَنْبِذَةٍ عِنْدَهٗ.....عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ اَبَا اُسَیْدٍ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَعْرَسَ، فَدَعَا النَّبِیَّ ﷺ لِعُرْسِهٖ، فَکَانَتِ الْعُرُوْسُ خَادِمَهُمْ، فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ، هَلْ تَدْرُوْنَ، مَاسَقَتْهُ؟ قَالَ: اَنْقَعَتْ لَهٗ تَمَرًا فِیْ تَوْرٍ مِنَ اللَّیْلِ حَتّٰی اَصْبَحَ عَلَیْهِ فَسَقَتْهُ اِیَّاهُ.(ص ۹۸۹۔ج ۲۔قدیمی)

فسر معنی النبیذ والطلاء والسکر والعصیر۔ شکل العبارة کاملاً وترجمها ترجمة واضحة۔ ما هومراد المؤلف بقوله" بعض الناس" وماالذی ارادبهذه المقالة؟اشرح المسألة بایضاح وتفصیل.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) مذکورہ الفاظ کے معانی (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) بعض الناس کی مراد (۵) مؤلف کی غرض۔

جواب ..... ① مذکورہ الفاظ کے معانی:۔ ''نبیذ'' کھجور یا کشمش کا معمولی جوش دیا ہوا اور شہد یا کسی غلہ مثلاً گیہوں، چاول، جو وغیرہ کا وہ مشروب جو اتنا گاڑھا اور تیز ہو جائے کہ اس کی کثیر مقدار مسکر و نشہ آور ہو جائے۔

''طلاء'' انگور کا شیرہ جس کو آگ پر پکا لیا جائے اور اسکی ایک تہائی ختم ہو کر دو تہائی باقی رہ جائے اور اس کی کثیر مقدار مسکر ہو۔

''سکر'' خشک یا تر کھجور کا بھگویا ہوا وہ پانی جو جوش مار کر تیز ہو جائے۔ جھاگ پھینکے اور حد اسکار تک پہنچ جائے۔

''عصیر'' انگور کا نچوڑا ہوا کچا پانی جبکہ وہ مسکر ہو جائے۔(مایتفع الناس ص ۹۵)

② عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

③ عبارت کا ترجمہ:۔ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ نبیذ نہیں پیئے گا پھر اس نے طلاء یا سکر یا عصیر کو پی لیا تو بعض کے قول کے مطابق وہ حانث نہیں ہوگا اور ان کے نزدیک یہ مشروب نبیذ نہیں ہے، حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابو اسید نے شادی کی اور آپ ﷺ کو اپنی شادی پر بلایا اور ان کی زوجہ انکی خادمہ (کھانے پکانے کا انتظام کرنے والی) تھی، پس حضرت سھل رضی اللہ عنہ نے قوم سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ کو کیا پلایا گیا تھا؟ پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کیلئے رات کو ایک بڑے پیالہ میں کھجور بھگو دی گئی تھی حتی کہ صبح ہو گئی اور آنحضرت ﷺ کو اسکا پانی پلایا گیا تھا۔

④ بعض الناس کی مراد:۔ عام طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول بعض الناس سے مراد حنفیہ ہی ہوتے ہیں۔

⑤ مؤلف کی غرض:۔ اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود بقول حافظ ابن حجر وابن بطال وغیرہما مسئلہ حلف نبیذ میں احناف پر تعریض کرنا ہے حاصل اعتراض یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ ''میں نبیذ نہ پیوں گا''۔ لیکن پھر اس نے طلاء یا سکر یا عصیر (شیرہ) پی لیا تو احناف کے نزدیک یہ شخص حانث نہ ہوگا اور اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اسکے یہاں یہ چیزیں مفہوم نبیذ میں داخل نہیں باوجود یہ کہ صورت حال یہ ہے کہ طلاء سکر عصیر وغیرہ تمام مشروبات لغوی مفہوم اور اصل معنی کے اعتبار سے انبذہ ہی ہیں اسلئے کہ یہ تمام مشروبات خوفِ سکر میں نبیذ کے مشابہ ہیں نیز نبذ کا لغوی معنی مطلقاً پانی میں کسی چیز کو ڈالنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی نبیذ نیز طلاء سکر، عصیر سبھی میں مشترک وعام ہے معلوم ہوا کہ لفظِ نبیذ سبھی کو شامل وعام ہے لہٰذا (عموم واطلاق کی وجہ سے) حلف ٹوٹ جانی چاہیے۔ گویا یہ حالف اس شخص کی طرح ہے جس نے مطلقاً یہ حلف اٹھائی کہ **انه لا یشرب شرابا**، تو وہ ہر اس چیز کے پینے سے حانث ہو جائے گا جس پر بھی لفظِ شراب ومشروب واقع ہوتا ہے پس اسی طرح یہاں بھی ہے۔

جواب: لغت واصل حقیقت مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ لفظ نبیذ مطلق وعام ہے کہ لغۃً نبیذ ہر اس مشروب کا نام ہے جس کی تیاری میں کھجور وغیرہ کو پانی میں ڈالنے اور بھگونے کی صفت موجود ہو کیفیت وہیئت خواہ کچھ ہی ہو۔ نیز عام ہے کہ وہ مشروب مسکر ہو

خواہ نہ وہ لیکن یمین کا دارومدار عرف عام پر ہوتا ہے۔اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے عرف عام میں لفظ نبیذ ہرگز عام نہیں بلکہ غیر مسکر مشروب کے ساتھ مخصوص تھا۔جو مطلقاً مباح وحلال ہے جیسا کہ طلاء،سکر،عصیر مشروبات مسکر کے ساتھ مخصوص ہیں جو بقلیلہ وکثیرہ علی الاطلاق حرام ہیں۔اس بناء پر یہ مشروبات مفہوم نبیذ کے ضمن میں قطعاً نہیں آتے بلکہ ان کیلئے خاص اور مستقل نام مقرر ہیں لہٰذا ان مشروبات کے پینے سے **لا یشرب نبیذا** والی حلف میں حانث نہ ہوگا اور یہ حلف نہیں ٹوٹے گی۔اسلئے نہیں کہ لغت کے اعتبار سے یہ مشروبات مفہوم نبیذ میں داخل نہیں بلکہ اس بناء پر کہ عرف عام میں مفہوم نبیذ میں مشروبات شامل نہیں اسلئے یہ مشروبات اسکی حلف کے خلاف نہیں البتہ اگر کسی زمانہ یا کسی مقام میں عرف ہی تبدیل ہوجائے کہ لفظ نبیذ ان مشروبات کو بھی شامل ہوتا ہو جیسا کہ بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں عرف عام سابق کے برخلاف متغیر ہی معلوم ہورہا ہے تو اس صورت میں احناف کا فتویٰ بھی اسی عرف کے مطابق ہی ہوگا اور اس تقدیر پر ان مشروبات کے پینے سے بھی **لایشرب نبیذا** والی حلف یقیناً ٹوٹ جائیگی۔(ایضاً)

﴿الورقة الرابعة : صحیح بخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل.....**باب الرجل ینعی الی اهل المیت بنفسه:عن ابی هریرة انّ رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه وخرج الی المصلّی فصفّ بهم وکبّر اربعا. عن انس بن مالك قال قال النبی ﷺ: اخذ الرای زید فاصیب ثم اخذها جعفر فاصیب ثم اخذها عبد الله بن رواحة فاصیب وانّ عینی رسول الله ﷺ لتذرفان ثم اخذها خالد بن الولید من غیر اِمرة ففتح له.**

اذکرمراد الامام البخاری بترجمة الباب ۔ مَنِ النجاشی وما اسمه؟ اذکرنبذة من احواله. فی هذا الحدیث حجة لمن جوّزالصلاة علی الغائب. کیف أخبر النبی ﷺ باستشهاد زید وجعفر وعبدالله بن رواحة وهو لم یکن هناك؟ اکتب اختلاف الائمة فی الصلاة علی الغائب مع دلائلهم

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① ترجمۃ الباب کی مراد ② نجاشی کا نام وتعارف ③ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دینے کی وضاحت ④ غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی مراد:۔ ① بعض روایات میں نعی (موت کی خبر دینے) کی ممانعت ہے اور بعض روایات سے اس کا ثبوت ہے تو امام بخاریؒ نے سب روایات کو جمع کردیا کہ جاہلیت والی نعی (چھت پر چڑھ کر یا گدھے پر سوار ہوکر یا کپڑے پھاڑ کر) کی ممانعت ہے اور میت کے گھر والوں کو موت کی اطلاع دینے میں کوئی حرج نہیں ہے ② احادیث میں مسلمان کو تکلیف و ایذاء پہنچانے سے منع کیا گیا ہے اور موت کی خبر سے بھی میت کے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے تو امام بخاری نے بتلادیا کہ یہ موت کی اطلاع ایذاءِ حرام میں داخل نہیں ہے ③ حضرت حذیفہؓ وبعض تابعینؒ سے منقول ہے کہ کسی کی موت کی خبر واطلاع نہ دی جائے تو امام بخاریؒ نے ان پر رد کردیا کہ میت کے گھر والوں کو موت کی اطلاع دی جاسکتی ہے۔(تقریرِ بخاری)

② نجاشی کا نام وتعارف:۔ نام اصحمہ ،باپ کا نام ابجر تھا،نجاشی شاہی لقب ہے،حبشہ کے بادشاہ تھے۔

جب مسلمانوں پر قریش کے ظلم وستم بڑھتے گئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرجانے کا حکم دیا،چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کرگئی،حبشہ میں اس وقت یہی اصحمہ النجاشی بادشاہ تھا اور یہ عیسائی تھا،حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر کے نتیجہ میں نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفر کے ہاتھ پر اسلام بھی قبول کیا تھا۔مسلمانوں کے اس غمخوار اور محسن نے ۹ھ (اکتوبر ۶۳۰ء) میں وفات پائی،آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ اسی روز ان کی موت کی اطلاع ملی،آپ نے بڑے رنج وغم کے ساتھ مدینہ میں ان کی موت کا اعلان کیا،فرمایا:مسلمانو!تمہارے برادرِ صالح اصحمہ نے انتقال کیا،ان کے لیے دعا واستغفار کرو،پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔(گوگل)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ آپ ﷺ کے صحابہؓ کی شہادت کی خبر دینے کی وضاحت:۔ یہ غزوہ موتہ کا واقعہ ہے اور آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ ان کی شہادت کا علم ہوا ہوگا یا کشف ہوا ہوگا۔ (تقریر بخاری)

④ غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣٥ھ (ورقہ ثالثہ)

الشق الثانی.....باب اذا احصر المعتمر....عن نافع عن عبید اللّٰہ بن عبداللّٰہ و سالم بن عبداللّٰہ اخبراہ انہما کلّما عبداللّٰہ بن عمرؓ لیالی نزل الجیش بابن الزبیر فقالا: لا یضیرك ان لا تحج العام، انا نخاف ان یحال بینك وبین البیت، فقال: خرجنا مع رسول اللّٰہ ﷺ، فحال کفار قریش دون البیت فنحر النبی ﷺ ھدیہ وحلق رأسہ واشھدکم انی قد اوجبت عمرۃ ان شاء اللّٰہ، انطلق فَاِنْ خلی بینی وبین البیت طفت و ان حیل بینی وبینہ فعلت کما فعل النبی ﷺ وانا معہ، فاھلّ بالعمرۃ من ذی الحلیفۃ ثم سارساعۃ ثمّ قال: انما شانھما واحد اشھدکم انی قد اوجبت حجۃ مع عمرتی فلم یحل منھما حتی حل یوم النھر واھدی وکان یقول: لا یحل حتی یطوف طوافًا واحدًا یوم یدخل مکۃ۔ (ص٢٤٣۔ج١۔قدیمی)

اذکر غرض المؤلف بایراد الترجمۃ۔ ترجم الحدیث و عرّف الاحصار لغۃً وشرعًا۔ اذا احصر الحاجّ او المعتمر فما ذا یفعل؟ وکیف یحلّ من الاحرام؟ متی یتحقّق الاحصار اذکر اختلاف الفقھاء مدلّلاً۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① ترجمۃ الباب کی غرض ② حدیث کا ترجمہ ③ احصار کی لغوی وشرعی تعریف ④ محصَر کے لیے حلال ہونے کا طریقہ ⑤ احصار کے تحقق میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ ترجمۃ الباب سے امام بخاری کی غرض ان حضرات پر رد کرنا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ معتمر پر احصار نہیں ہوتا کیونکہ عمرہ حج کی طرح موقت نہیں ہے اسلئے معتمر اپنے احرام میں رہے گا اور جب بھی راستہ کھلے گا وہ طواف کے ذریعہ حلال ہوگا تو امام بخاری نے ترجمۃ الباب سے ان پر رد کردیا کہ جیسے حج میں احصار ہوتا ہے اسی طرح عمرہ میں بھی احصار ہوتا ہے۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ عبیداللہ بن عبداللہ اور سالم بن عبداللہ ان دونوں نے (جس زمانہ میں ابن زبیر پر لشکر کشی ہوئی تھی) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے گفتگو کی اور کہا کہ اس سال حج نہ کرنے میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے اور ہمارے لیے خطرہ ہے کہ آپ کے اور کعبہ کے درمیان رکاوٹ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو کفارِ قریش خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے مزاحم ہوئے، نبی کریم ﷺ نے اپنی ہدی کو ذبح کیا اور اپنا سر منڈایا۔ عبداللہ نے کہا کہ میں تم دونوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ کو واجب کیا ہے اللہ نے چاہا تو میں جاتا ہوں اگر راستہ میں میرے اور خانہ کعبہ کے درمیان رکاوٹ نہ ہوئی تو میں خانہ کعبہ کا طواف کروں گا، اگر مجھے لوگوں نے وہاں داخل ہونے سے روکا تو میں وہی کروں گا جس طرح نبی کریم ﷺ نے کیا تھا اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ذی الحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا پھر تھوڑی دیر چلے پھر کہا کہ دونوں کا ایک ہی حال ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ کے ساتھ حج واجب کرلیا، پھر ان دونوں کے احرام سے باہر نہ ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا اور ہدی بھیج چکے تھے اور کہتے تھے کہ احرام سے باہر نہ ہو جب تک کہ مکہ میں داخل ہو کر ایک طواف زیارت نہ کرے۔

0313 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ احصار کی لغوی وشرعی تعریف:۔ احصار کا لغوی معنی روکنا ہے اور اصطلاح میں محرم کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے حج یا عمرہ سے روک دیا جائے اور اس عذر میں دم دے کر حلال ہونا مباح ہو۔

④ محصَر کے لیے حلال ہونے کا طریقہ:۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محرم کو جہاں احصار پیش آئے وہ وہیں پر جانور ذبح کر کے حلال ہو جائے حرم میں جانور بھیجنا ضروری نہیں ہے۔ ائمہ حنفیہ کے ہاں ہدیِ احصار کو حرم میں بھیجنا ضروری ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جانور یا اس کی قیمت کسی ذریعہ سے حرم بھیجے اور وقت وتاریخ کا تعین کرلے، جب ہدی ذبح ہو جائے تو سر منڈا کر حلال ہو جائے۔

⑤ احصار کے تحقق میں اختلاف مع الدلائل:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣٠ھ ۔

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٤٢ھ

الشق الاوّل.....①عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسًا اَ خَضَبَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ اِلَّا قَلِيْلًا ②عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّهٗ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتِهٖ فِيْ لِحْيَتِهٖ ۔③حَدَّثَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ اَرْسَلَنِيْ اَهْلِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ وَقَبَضَ اِسْرَائِيْلُ ثَلَاثَ اَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ فِيْهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَيْنٌ اَوْ شَيْئٌ بَعَثَ اِلَيْهَا مِخْضَبَهٗ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَاَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا۔ ④عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَاَخْرَجَتْ اِلَيْنَا شَعَرًا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ مَخْضُوْبًا ۔(باب ما یذکر فی الشیب ۔ کتاب اللباس)

شکّل الآثار کلّها و ترجمها ۔ ادفع التعارض بین قول انس "اِنَّهٗ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ" وبین قول عثمان بن عبد اللّٰه "فَاَخْرَجَتْ اُمُّ سَلَمَةَ اِلَيْنَا شَعَرًا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ مَخْضُوْبًا ۔ اشرح الاثر الثالث:حدثنا اسرائیل...

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① آثار پر اعراب ② آثار کا ترجمہ ③ آثار سے رفعِ تعارض ④ اثرِ ثالث کی تشریح۔

جواب..... ① آثار پر اعراب:۔کما مر فی السوال آنفًا ۔

② آثار کا ترجمہ:۔ ① محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے خضاب لگایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے بال بہت کم سفید ہوئے۔ ② ثابتؒ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے نبی ﷺ کے خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو جواب دیا کہ آپ کے بال اتنے سفید نہیں ہوئے تھے کہ خضاب لگاتے، اگر آپ ﷺ کی داڑھی کے سفید بالوں کو میں گننا چاہتا تو گن لیتا۔ ③ اسرائیلؒ نقل کرتے ہیں کہ عثمان بن عبداللہ بن موہبؒ کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ دے کر بھیجا (اسرائیلؒ نے حدیث سمجھانے کیلئے تین انگلی سے اشارہ کیا) جس میں نبی ﷺ کے موئے مبارک تھے، جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہؓ کے پاس برتن بھیج دیتا، عثمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے چند سرخ بال نظر آئے۔ ④ عثمان بن عبداللہ بن موہبؒ نے بیان کیا کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو وہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک نکال کر لائیں جو خضاب کئے ہوئے تھے۔

③ آثار سے رفعِ تعارض:۔ یہ اثر مبنی بر حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کے بال مبارک سفیدی کی اس انتہاء کو نہ پہنچے تھے کہ ان کو خضاب لگایا جائے۔ام سلمہؓ والے اثر کی تاویل یہ ہے کہ وہ اپنے پاس موجود بالوں کو اعزاز واکرام کے ساتھ خوشبو لگا کر سنبھال کر رکھتی تھیں، تو ممکن ہے خوشبو کی کثرت سے وہ بال اس قدر متغیر ہو گئے ہوں، کیونکہ خوشبو کی کثرت بالوں کو سفید کر دیتی ہے۔(حاشیہ)

④ اثرِ ثالث کی تشریح:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث١٤٣٤ھ ۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....باب من رأى أن لا يخلط البسر والتمر، اذا كان مسكرًا وأن لا يجعل أدامين في أدام۔ حدثنا مسلم، حدثنا هشام، حدثنا قتادة، عن أنس رضى الله عنه، قال: أنى لأسقي أباطلحة، وابادجانة وسهيل بن البيضاء خليط بسر وتمر اذ حرمت الخمر، فقذفتها وانا ساقيهم واصغر هم وانا نعدها يومئذ الخمر، وقال عمرو بن الحارث حدثنا قتادة سمع أنسا ۔(ص٨٣٨۔ج٢۔قدیمی)

اذكر غرض الأمام البخارى من الترجمة و اذكر سبب أيراد التعليق آخرًا۔ حرّر اقوال العلماء الامة فى حكم الخليطين وادلتهم وما هى الحكمة فى النهى عن الخليطين ۔

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض خلیطین کی ممانعت اور اس کی دو علتوں کو بیان کرنا ہے کہ خلیطین کا استعمال ممنوع ہے اور اس کی علت اسکار اور اسراف ہے۔

② تعلیق کو ذکر کرنے کا سبب:۔ اس تعلیق کو ذکر کرنے کا مقصد اور سبب قتادہ کے سماع کی تصریح ہے کہ پہلی حدیث قتادة عن انس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدیث عنعنہ ہے تو قتادة سمع انسا کی تعلیق سے قتادہ کے سماع کی تصریح کر دی۔(ایضاً)

③ خلیطین کا حکم و خلیطین سے نہی کی حکمت:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٣٤ھ (ورقه ثالثه)

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٤٢ھ

الشق الاوّل.....عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: لا تنكح البكر حتى تستأذن ولا الثيب حتى تستأمر. فقيل: يا رسول الله كيف إذنها؟ قال إذا سكتت. وقال بعض الناس إن لم يستأذن البكر ولم تزوج فاحتال رجل فأقام شاهدى زور أنه تزوجها برضاها فأثبت القاضى نكاحها والزوج يعلم أن الشهادة باطلة فلا بأس أن يطأها وهو تزويج صحيح .(ص١٠٣٠۔ج٢۔قدیمی)

ترجم الحديث المبارك الى الأردية . اشرح ما يقصده البخارى بهذه العبارة، ثم اذكر على من يرد البخارى؟ وهل هذا الرد صحيح؟ اكتب ببسط و تفصيل .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (١) حدیث کا ترجمہ (٢) قال بعض الناس کی تشریح (٣) امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتراض کا جواب۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باکرہ و ثیبہ عورت کا نکاح انکے امر و اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ پس پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! باکرہ کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ (پوچھنے پر) خاموش رہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر باکرہ سے اجازت نہیں لی اور نکاح نہیں کیا پس کسی آدمی نے حیلہ کیا اور جھوٹے گواہ قائم کر دیئے کہ اس نے اس عورت سے اس کی رضامندی سے نکاح کیا ہے اور قاضی نے نکاح کو ثابت کر دیا حالانکہ زوج کو معلوم ہے کہ گواہ جھوٹے ہیں تو اسکے باوجود زوج کے اس عورت سے مباشرت کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ نکاح درست ہے۔

② قال بعض الناس کی تشریح:۔ اگر دو شخص جھوٹی گواہی دیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت سے اس کی رضامندی سے نکاح کیا ہے اور وہ قاضی اس پر نکاح کا فیصلہ دیدے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا جبکہ بننے والا زوج جانتا بھی ہے کہ شہادت باطل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نفی کرتے ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ نکاح کو ثابت کہتے ہیں۔ اسی کو امام بخاری رحمہ اللہ وقال بعض الناس سے بیان فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر باکرہ عورت سے نہ اذن لیا نہ نکاح کیا اور ایک شخص نے حیلہ کرتے ہوئے دو جھوٹے گواہ قائم کر دیئے کہ فلاں نے اس عورت کی رضامندی کیساتھ اس سے نکاح کیا اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ دے دیا تو یہ نکاح صحیح ہو جائیگا، زوج کو وطی کرنا جائز ہوگا خواہ جانتا بھی ہو کہ گواہ جھوٹے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی باب میں اس مسئلہ کو مختلف عبارات میں تین بار دہرایا ہے۔ دراصل یہ مسئلہ ایک اور اصول پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ عقود و فسوخ مثلاً نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ میں اگر قاضی شہادت کاذبہ پر فیصلہ دیتا ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہو جائیگا۔ (اگرچہ گواہ واقعتاً جھوٹے ہوں)۔ (حل قال بعض الناس ص٥٣)

③ امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتراض کا جواب:۔ یہ اعتراض ایک اصولی اختلاف پر متفرع ہے اسلئے ہم اسی اصولی اختلاف کو ہی دلائل کے ذریعہ حل کرتے ہیں۔

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک قضاءِ قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کے متعدد دلائل ہیں: ① اثرِ علی رضی اللہ عنہ یعنی بدائع میں شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کی مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی آدمی نے دو جھوٹے گواہ قائم کر دیئے کہ میرا فلاں عورت سے نکاح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس عورت سے اس شخص کے نکاح کا فیصلہ دے دیا، اِس پر اُس عورت نے بغرضِ عفت عرض کیا "یا امیر المؤمنین! حقیقتاً تو میرا اس آدمی سے نکاح نہیں ہے بلکہ یہ گواہ جھوٹے ہیں لیکن گر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے یہ مطالبہ کرتی ہوں کہ آپ اب میرا عقد نکاح اس سے کر دیجئے تا کہ میں اس کیلئے حقیقتاً حلال ہو جاؤں، حضرت

0313 6257913 maktabzakariyamultan@gmail.com

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا **شاهداك زوجاك** یعنی ان دونوں گواہوں کی بناء پر جو میں نے نکاح کا فیصلہ دیا ہے یہی فیصلہ نکاح کے قائم مقام ہے لہٰذا تجدیدِ عقد کی ضرورت نہیں۔تو معلوم ہوا کہ عقود وفسوخ میں قضاءِ قاضی ظاہراً وباطناً دونوں طرح نافذ ہے۔ **فتايدماقلنا بقضاء من كان اقضاهم وارضاهم له ومانقل منه فى هذاالباب كالمرفوع الى رسول الله** ﷺ **اذلا طريق الى معرفة ذلك حقيقةً بالرأى** ② قیاس علی تفریق المتلاعنین یعنی مسئلۂ لعان والی آیات واحادیث سے ثابت ومعلوم ہوتا ہے کہ قطعِ منازعت کیلئے قاضی کے تفریق والے فیصلہ سے باطنی وواقعی طور پر بھی فسخ ہوجاتا ہے، حالانکہ ان متلاعنین میں سے ایک یقیناً جھوٹا ہے یعنی یا تو زوج تہمتِ زنا میں کاذب ہے یا پھر زوجہ اپنے دعویٰ براءت میں، جس طرح کہ یہاں گواہانِ نکاح جھوٹے ہیں جسکی بناء پر تفریقِ قاضی باطناً نافذ نہ ہونی چاہیے مگر اسکے باوجود حقیقی تفریق واقع ہوجاتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جس طرح مسئلۂ لعان میں ''بغرضِ قطعِ منازعت'' قضاءِ قاضی سے فسخِ نکاح اور تحریمِ حلال منعقد ہوجاتا ہے اسی طرح یہاں مسئلۂ نکاح میں بھی ''بغرضِ قطعِ منازعت ہی'' قضاءِ قاضی بشہادۃ الزور سے اسکے برعکس عقدِ نکاح کا ثبوت اور تحلیلِ حرام کا انعقاد بھی لازماً ہوجانا چاہیے **والا فماذا وجه الفرق بينهما** ③ قیاس علی مسئلۃ وفاقیۃ یعنی اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی دوسرے شخص کے پاس فروخت کردی اور بیع پختہ ہوگئی لیکن پھر مشتری نے عدالتِ قاضی میں جھوٹے گواہوں سے فسخِ بیع ثابت کردی اور قاضی نے بھی فیصلہ دیدیا تو اس صورت میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اب وہ لونڈی اس بائع کیلئے بلاشبہ حلال ہے حالانکہ بائع اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اس لونڈی سے بچنے کی یہ تدبیر بھی کرسکتا ہے کہ وہ اُسے آزاد کردے مگر اس کے باوجود اس پر آزاد کرنا واجب نہیں بلکہ وہ اس لونڈی کو اپنی صحبت وخدمت میں رکھ سکتا ہے۔اسی طرح مشتری کو بھی واپس کی ہوئی رقم میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے پس جس طرح اس مسئلہ میں قضاءِ قاضی ظاہراً وباطناً نفاذ ہوجاتی ہے۔اسی طرح مسئلۂ نکاح میں بھی قضاءِ قاضی عندالاحناف ظاہراً وباطناً نافذ ہوجاتی ہے۔

دلیلِ جمہور: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مرفوع ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بات بنا کر اپنی چرب زبانی و زبان زوری سے ناحق کسی کا حق لے لے گا تو اس کا مال نار کی طرف ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ قضاءِ قاضی گو ظاہراً نافذ ہوجاتی ہے مگر باطناً اور فیمابینہٗ وبین اللہ اس کا انعقاد ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ایسا شخص ماخوذ وگنہگار رہوتا ہے۔

جوابات: ① یہ حدیث اموال املاک مرسلہ کے بارہ میں ہے نہ کہ عقود وانشاءات کے بارہ میں، پس املاک واموال مرسلہ میں قضاءِ قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے نہ کہ باطناً بھی۔باقی عقود وفسوخ میں قضاءِ قاضی ظاہراً وباطناً دونوں طرح نافذ وجاری ہوجاتی ہے ② عدم تعلق بمحل النزاع، یعنی اس حدیث کا تو سرے سے محلِ نزاع کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ یہ شہادۃ زور کے بارہ میں وارد نہیں ہوئی بلکہ یہ اُس شخص کے بارہ میں ہے جس کیلئے نبی کریم ﷺ محض اُسکی چرب لسانی وزبان زوری کی وجہ سے کسی مال کا فیصلہ فرمادیں اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص زبان زوری وچرب لسانی سے اپنے متعلق کسی چیز کا فیصلہ کرالے گا تو وہ چیز اس کیلئے باطناً اور فیمابینہٗ وبین اللہ ہرگز حلال نہیں ہوگی **وظاهرٌ ان اللحن بالحجة ليست بشهادة بضابطة الشرع**۔(ماینفع الناس ص۱۳۶)

0313 6557913 maktabazakariyapoltan@gmail.com

نوٹ: حنفیہ کے نزدیک قضاءِ قاضی کے ظاہراً وباطناً نافذ ہونے کی شرائط: **كما مرّفى الشق الاوّل من السوال الثانى ۱۴۲۷ھ۔(الورقة الثانية)**

﴿الورقة الرابعة : صحيح البخارى﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....بَابُ الْمَعَاصِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَ لَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: إِنَّكَ امْرَؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ. وَ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِيْ أَبُوْبَكْرَةَ فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قُلْتُ أَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ قَالَ: إِرْجِعْ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَ الْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟

قَالَ: اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ.

اشرح ترجمة الباب ومقصود البخاری منها۔شکّل العبارة ثم ترجمها۔ اشرح الجملة:اِنَّكَ امْرَؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ۔ومن هو مخاطبها ولماذا ؟ من هو المراد بهذا الرجل؟ هل يكون القاتل والمقتول كلاهما فی النار فی جميع الاحوال او فی حالة مخصوصة؟هل الحرص علی الذنب ذنب فی جميع الحالات؟ من ارتكب الكبيرة هل هوداخل فی المؤمنين ام خرج منهم؟ بيّنه بالتفصيل .

عبارت پراعراب لگا کرترجمہ کیجیے،انک امرؤفیک جاھلیۃ کا خطاب کس کوتھا؟ کبائر کے ارتکاب کے بعد آدمی کا ایمان باقی رہتا ہے یانہیں؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا مؤقف دلائل کے ساتھ ذکر کیجیےاورخوارج ومعتزلہ کے مؤقف کی تردید بھی کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں سات امور کا حل مطلوب ہے:①ترجمۃ الباب کی شرح وامام بخاریؒ کی غرض ②عبارت پر اعراب ③عبارت کا ترجمہ ④**انك امرؤ فيك جاهلية** کے مخاطب کی تعیین ⑤قاتل ومقتول کے جہنم میں جانے کی وضاحت ⑥حرص علی الذنب کے گناہ ہونے کی وضاحت ⑦مرتکبِ کبیرہ کے ایمان سے متعلق تفصیل۔

جواب.....① ترجمۃ الباب کی شرح وامام بخاریؒ کی غرض:۔ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ الباب سے یہ بتلایا کہ جس چیز کو ہم نے سابقہ ترجمہ میں "**كفر دون كفر**" سے تعبیر کیا جو کفرِ حقیقی سے نیچے کا مرتبہ ہے یہ سب معاصی ہیں، جاہلیت کے امور میں سے ہیں۔مگر کوئی شخص ان کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوگا، اسلئے کہ معاصی کے ارتکاب سے کفر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:**انّ اللّٰه لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذٰلك لمن يشاء** (اللہ تعالی شرک کے علاوہ جو گناہ چاہیں گے وہ معاف کردیں گے) شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو مشیّت کے تحت معاف کرنے کا ذکر فرمایا اور سب معاصی مادون الشرک میں داخل ہیں جبکہ کفروشرک کی بخشش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ دوترجمۃ الباب ہیں:**اَلْمَعَاصِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ... لَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا اِلَّا بِالشِّرْكِ**۔ اس مقام پر پہلا ترجمۃ الباب مقصود ہے دوسرا ترجمۃ الباب دفع دخلِ مقدر کیلئے ہے، مطلب یہ کہ جس طرح سابقہ ابواب سے معلوم ہوا کہ اعمالِ خیر امورِ ایمانیہ میں سے ہیں اور ایمان میں داخل ہیں اسی طرح معاصی امورِ جاہلیت یعنی امورِ شرکیہ میں سے ہیں۔ابوابِ سابقہ سے اعمالِ خیر کی ضرورت وحاجت ثابت ہوئی اِس باب سے معاصی کی قباحت ومضرت ثابت ہوگئی اور مرجئہ پر رد ہوگیا۔مگر چونکہ اس ترجمۃ الباب سے خوارج یا معتزلہ کے فائدہ اُٹھانے کا اندیشہ تھا تو دفع دخلِ مقدر کے طور پر ان کا رد بھی کردیا کہ خوارج کی طرح ارتکابِ معصیت سے اسکے کافر ہونے کا حکم بھی نہیں لگایا جائے گا اور معتزلہ کی طرح اس کو ایمان سے خارج بھی قرار نہیں دیا جائے گا۔(کشف الباری۔۲:۲۱۳)

② عبارت پراعراب:۔ **كما مر فی السوال آنفًا .**

③ عبارت کا ترجمہ:۔ معاصی امور جاہلیت میں سے ہیں اوران کا مرتکب کافر نہیں قرار دیا جائے گا مگر شرک کی وجہ سے۔آپ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کہ تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت ہے۔احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اس آدمی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کیلئے چلا (جنگِ جمل ۳۶ھ کا واقعہ ہے) تو مجھے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (نفیع بن حارث بن کلدہ) ملے اور پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ اس آدمی کی مدد کیلئے نکلا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ لوٹ جاؤ، اسلئے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو مسلمان آپس میں تلواریں سونت کر کھڑے ہوجاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں کا ٹھکانہ جہنم میں ہوتا ہے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے، مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل کا عزم کیے ہوئے تھا۔

④ **انك امرؤ فيك جاهلية** کے مخاطب کی تعیین:۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو **يا ابن السوداء** کہہ کر عار دلائی تھی، اس وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا **انك امرؤ فيك جاهلية** (کہ تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کی عادت پائی جاتی ہے)۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

⑤ قاتل ومقتول کے جہنم میں جانے کی وضاحت:۔ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی سزا دینا چاہیں تو یہ سزا دے سکتے ہیں،ان دونوں کا اصل بدلہ یہی ہے، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالی معاف فرمانا چاہیں تو معاف فرمادیں۔ پھر القاتل والمقتول فی النار اس صورت پر محمول ہے جب کہ قتال بغیر کسی تاویل سائغ کے ہو،مثلاً کسی گناہ کے کام پر یا اس جیسے کسی معاملہ پر قتال ہو تو یہ حکم ہے۔

آپ ﷺ نے مقتول کے جہنم میں جانے کا سبب بیان فرمایا کہ وہ اپنے مقابل ساتھی کو قتل کرنے کا پورا عزم کئے ہوئے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ جیسے ارتکابِ معصیت موجبِ مواخذہ ہے ایسے ہی معصیت کا عزمِ مصمم بھی موجبِ مواخذہ ہے اور آیت کریمہ **اِنَّ الذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ** سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

⑥ حرص علی الذنب کے گناہ ہونے کی وضاحت:۔ امام نوویؒ نے امام مازریؒ سے نقل کیا ہے کہ قاضی ابوبکر بن الطیبؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر معصیت کا ارادہ دل میں پختہ ہوجائے تو اس پر مواخذہ ہوگا، جہاں تک حدیث میں **انّ اللّٰہ تجاوز لی عن امّتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل او تتکلم ،اذا ھمّ عبد بسیّئۃ فلا تکتبوھا علیہ فاِنْ عملھا فاکتبوھا سیّئۃ واذا ھمّ بحسنۃ فلم یعملھا فاکتبوھا حسنۃ فاِنْ عملھا فاکتبوھا عشرا** اور ان جیسی دوسری احادیث کا تعلق ہے یہ سب احادیث اس صورت پر محمول ہیں جب عزم پختہ نہ ہو، بغیر استقرار کے خیال دل سے گذر گیا ہو۔امام مازریؒ فرماتے ہیں کہ یہ قاضی ابوبکر کا مسلک ہے جب کہ بہت سے فقہا ومحدثین نے ان کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے مذکورہ احادیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ جب تک فعل صادر نہ ہو،صرف خیال یا عزم کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ عامۃ السلف اور فقہاء ومحدثین اور اکثر اہلِ علم کا مذہب وہی ہے جو قاضی ابوبکرؒ نے بیان کیا ہے۔ البتہ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جس عزم پر مواخذہ ہوگا اور اس کو بطور سیئہ لکھا جائے گا وہ صرف عزم ہے،اس پر مواخذہ ہوگا،اس معصیت پر جس کا عزم کیا ہے ماخذہ نہ ہوگا کیونکہ معصیت کا تو ارتکاب ہی نہیں ہوا۔امام نوویؒ فرماتے ہیں عزمِ قلب پر مواخذہ کا پایا جانا یہ نصوصِ شرع سے ثابت ہے جیسے آیات کریمہ:**اِنّ الذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم، اجتنبوا کثیر من الظنّ اِنّ بعض الظنّ اِثم**،ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں،پھر حسد،احتقار مسلمین وغیرہ اعمال جن کا تعلق قلب سے ہے ان کی حرمت پر نصوصِ شرع ناطق ہیں اور ان پر مواخذے کیلئے علماء کا اجماع بھی ہے،معلوم ہوا کہ عزمِ مصمم پر مواخذہ ہوتا ہے۔لیکن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک عزم پر اس وقت تک کوئی مواخذہ نہیں جب تک اسکے مطابق عمل نہیں کرتا۔رہا حریص جو حدیث مذکور میں ہے تو اس کے متعلق میری سمجھ میں آتا ہے کہ اس کا مرتبہ عزم سے بڑھ کر ہے اور اس پر ضرور عذاب ہے۔حریص کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوشش کرے،اسباب مہیا کرے اور جدوجہد میں لگا رہے اور یہ عزم سے آگے کا مرتبہ ہے،عزم میں حب یا حسد وغیرہ کو داخل کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ اخلاقِ رذیلہ کی قبیل سے ہیں ان کا تعلق باطن اور قلب کے ساتھ ہے ان کو عزمِ معصیت کے معروف معنی میں شامل نہیں کیا جائے گا۔آیت کریمہ **اِنّ الذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ** کا یہی مفہوم ہے۔حبِ اشاعتِ فحش،سبب عذاب ہے،یہ عزم نہیں ہے۔(کشف الباری،کتاب الایمان:۲:۲۳۴)

⑦ مرتکبِ کبیرہ کے ایمان سے متعلق تفصیل:۔ گناہ کبیرہ کرنے والا یعنی مرتکبِ کبیرہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے یا نہیں؟اس میں اختلاف ہے،اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ارتکابِ کبیرہ کے باوجود مؤمن ہی رہتا ہے۔بخلاف معتزلہ اور خوارج کے کہ ان کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے لیکن انکا پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ کفر میں داخل ہوتا ہے یا نہیں؟ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ وہ کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ بندہ کفر اور ایمان کے درمیان میں رہتا ہے۔گویا کہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک مرتبہ اور منزل مانتے ہیں اور خوارج یہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان سے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

خارج ہوکر کفر میں داخل ہوجاتا ہے۔

اس اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ اہلِ حق کے نزدیک ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے اور اعمال ایمان کا جزء نہیں ہیں۔ اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب تصدیقِ قلبی کے منافی نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جب بندہ گناہ کا ارتکاب کرے تو تصدیقِ قلبی جو ایمان کی حقیقت ہے وہ فوت ہوجائے۔ جب تصدیقِ قلبی فوت نہیں ہوگی تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔

معتزلہ اور خوارج یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کا جزء ہیں جب مؤمن بندہ ارتکابِ کبیرہ کرتا ہے تو گناہِ کبیرہ سے اجتناب جو کہ ایک عمل ہے وہ فوت ہوگیا اور جزء کے فوت ہونے سے کل فوت ہوجاتا ہے۔ اس لئے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہے پھر معتزلہ کے ہاں کفر کی حقیقت جحود ہے اور ارتکابِ کبیرہ جحود کو مستلزم نہیں ہے لہٰذا ان کے نزدیک کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان سے تو خارج ہوجائے گا لیکن جحود کے متحقق نہ ہونے کی وجہ سے کفر میں داخل نہ ہوگا اور خوارج کے ہاں کفر کی حقیقت عدم الایمان ہے۔ چنانچہ جب ارتکابِ کبیرہ کرلیا تو ایمان نہ رہا جب ایمان نہ رہا تو وہ کفر میں داخل ہوگیا۔

مرتکبِ کبیرہ کے کافر نہ ہونے پر مصنف نے تین دلائل ذکر کئے ہیں: ① ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے جب تک تصدیق کا منافی امر یعنی تکذیب نہ پائی جائے تو بندہ تصدیق کے ساتھ متصف رہتا ہے اور مؤمن رہتا ہے اور محض گناہ کبیرہ کا ارتکاب یہ تصدیق کے منافی نہیں ہے بلکہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر جو وعید وارد ہوئی ہے یہ اس کی تصدیق کے منافی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں ہے۔ ② وہ آیات اور احادیث ہیں جن میں گناہ کے مرتکب پر مؤمن کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشادِ باری ہے **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى** ۔طریقِ استدلال یہ ہے کہ قصاص اس پر واجب ہوتا ہے جو قتلِ ناحق کا ارتکاب کرے اور قتلِ ناحق کا ارتکاب کرنے والا مرتکبِ کبیرہ ہے لیکن اس آیت میں اس کو **يٰايها الذين اٰمنوا** سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب اس کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ دوسری آیت **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا** ہے طریقِ استدلال یہ ہے کہ صغائر بغیر توبہ کے معاف ہوجاتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے **اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ** جب صغائر بغیر توبہ کے معاف ہوجاتے ہیں تو **تُوْبُوْا** سے جو امر ہے یہ مرتکبِ کبیرہ کو ہوگا اور ان کو **يٰايها الذين امنوا** کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے گناہ کبیرہ کا ارتکاب اس کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ تیسری آیت **وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا** ہے طریقِ استدلال یہ ہے کہ مؤمنین کا آپس میں قتال کرنا یہ گناہ کبیرہ ہے تو قتال کرنے والے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے لیکن آیت میں دونوں فریقوں کو مؤمن کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے اور کبیرہ کا ارتکاب اس کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ ③ حضور ﷺ کے زمانہ سے لیکر آج تک امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرتکب کبیرہ جو اہلِ قبلہ میں سے ہو اگر وہ بغیر توبہ کے مر جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اس کیلئے دعا کرنی اور استغفار کرنا جائز ہے حالانکہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو مؤمن نہ ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنی اور اس کیلئے دعا و استغفار کرنا جائز نہیں ہے۔ جب مرتکبِ کبیرہ کیلئے جو بغیر توبہ کے مر جائے دعا و استغفار کرنا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے گناہ کبیرہ کا ارتکاب اسے ایمان سے خارج نہیں کرتا۔

معتزلہ نے اپنے مذہب (مرتکبِ کبیرہ نہ مؤمن ہے اور نہ کافر) پر دو دلیلیں پیش کی ہیں:

① پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکبِ کبیرہ فاسق ہے۔ اس کے مؤمن ہونے، کافر و منافق ہونے میں اختلاف ہے۔ مؤمن ہونے کے قائل صرف اہل السنۃ ہیں باقی مخالف ہیں کافر ہونے کے قائل صرف خوارج ہیں باقی مخالف ہیں۔ منافق ہونے کے قائل صرف حسن بصری ہیں باقی مخالف ہیں۔ تو ہم نے متفق علیہ قول کو لیا ہے کہ مرتکبِ کبیرہ فاسق ہے اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیا ہے کہ مرتکبِ کبیرہ نہ کافر ہے نہ مؤمن ہے اور نہ منافق ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کا فرمان **اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ** ہے، دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ بالاتفاق فاسق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں فاسق کو مؤمن کا مقابل

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

قرار دیا ہے اور تقابل مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا فاسق جو مرتکبِ کبیرہ ہے وہ مؤمن کا مغایر ہے اور جب وہ مؤمن کا مغایر ہوا تو مؤمن نہ رہا پس معلوم ہوا کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے فرمان **لا یزنی الزانی و هو مؤمن** میں زانی جو مرتکبِ کبیرہ ہے اس سے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن نہیں ہے وغیرہ ذالک۔

خوارج کے دلائل: خوارج نے بھی اپنے مذہب (مرتکبِ کبیرہ کافر ہے) پر دو دلیلیں پیش کی ہیں ① وہ نصوص جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کافر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ** اور آپ ﷺ کے فرمان **من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر** طریقِ استدلال یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ بالاتفاق فاسق ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والا نہیں ہے اور آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے والا کافر ہے۔ اسی طرح آیت **وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ کافر ہے۔ ② وہ نصوص جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کافر کے ساتھ مختص ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "**اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى**" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا عذاب تکذیب کرنے والے کے ساتھ مختص ہے جو کافر ہے۔ اور مرتکبِ کبیرہ کو بھی عذاب ہوگا سب اس کے قائل ہیں، جب مرتکبِ کبیرہ کو آخرت میں عذاب ہوگا اور آخرت کا عذاب کافر کے ساتھ مختص ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مرتکبِ کبیرہ کافر ہے۔ (بیان الفوائد)

الشق الثانی..... **اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهٗ اَلَا و اِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِى اَرْضِهٖ مَحَارِمُهٗ** ۔(کتاب الایمان ۔باب فضل من استبرأ لدینه)

شكّل الحديث ثم ترجمه۔ اذكر عظيم موقع هذا الحديث ۔ اذكر أقوال العلماء الشارحين في تفسير هذا الحديث بايضاح وبيان و اذكر تفصيل صور الاشتباه وأحكامها ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیثِ مذکور کا مقام ④ حدیث کی تشریح ⑤ مشبہات کی تفصیل واحکام۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا ۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، ان دونوں کے درمیان میں کچھ شبہ کی چیزیں ہیں کہ جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچے اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں مبتلا ہو جائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ جانور شاہی چراگاہ کے قریب چر رہا ہو جس کے متعلق اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک دن اس کے اندر بھی داخل ہو جائے، آگاہ رہو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔

③ حدیثِ مذکور کا مقام:۔ اس حدیث کی عظمتِ مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن پر دینِ اسلام کا مدار ہے اور اکثر علماءِ دین نے اس حدیث کو اصولِ اسلام کا ایک تہائی حصہ قرار دیا ہے کیونکہ اصولِ اسلام کا خلاصہ یہ تین احادیث بتلائی جاتی ہیں: ① **انما الاعمال بالنيات** ② **من حسن اسلام المرء تركه مالايعنيه** ③ **الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشبهات۔**

علما نے اس حدیث کی عظمت کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے کھانے، پینے اور لباس وغیرہ کی صلاح و بہتری پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ان چیزوں کا حلال ہونا ضروری ہے، نیز آپ نے معرفتِ حلال کا راستہ بتایا ہے اور مشتبہات کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے اسلئے کہ اسی سے آدمی اپنے دین و آبرو کی حفاظت کرسکتا ہے، ان سب باتوں کو آپ نے مثال کے ذریعے بیان فرمایا، اور پھر آخر میں اہم ترین امر یعنی احوالِ قلب کی مراعات و نگرانی کے بارے میں تاکید فرمائی ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ حدیث کی تشریح:۔ حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ چیزیں حلال اور کچھ چیزیں حرام ہیں یعنی ان کی حلت وحرمت واضح ہے جیسے روٹی حلال ہے، زناء وچوری حرام ہیں، مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی حلت وحرمت واضح نہیں ہے ان کو صرف علماء ہی جانتے ہیں، عام آدمی ان سے ناواقف اور جاہل ہے، جو شخص بھی ان مشتبہ اشیاء وامور سے بچا رہے گا اس کی عزت اور اس کا دین محفوظ رہے گا اور جو شخص ان امور واشیاء میں مبتلا ہوجائے گا اس کا دین اور عزت داغدار ہوجائے گی ایک نہ ایک دن وہ مشتبہ امور سے تجاوز کرتے ہوئے حرام امور کا ارتکاب کرلے گا اسلئے ان مشتبہ امور سے بچنا ضروری ہے، اس کے بعد آپ ﷺ اسی بات کو مثال کے ذریعہ سمجھا رہے ہیں کہ جیسے شاہی چراگاہ کے اردگرد جو جانور چرتے ہیں اگر چرواہا انکو وہاں سے دور نہیں کرے گا تو کبھی وہ جانور اس شاہی چراگاہ کے اندر داخل ہوجائیں گے جس کی وجہ سے اس کو ان جانوروں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور جس طرح دنیا کے ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی ایک چراگاہ ہے اور وہ حرام کردہ اشیاء ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی چراگاہ سے بچنے کے لئے مشتبہ امور سے بچو تاکہ دین وعزت دونوں محفوظ رہیں۔

⑤ مشتبہات کی تفصیل واحکام:۔ مشتبہات سے کیا مراد ہے اس میں مختلف روایتیں ہیں: ① علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ امور ایسے ہیں جو کچھ لوگوں پر تو مشتبہ رہتے ہیں اور کچھ پر نہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ امور فی ذاتہا مشتبہ ہیں اور اصولِ شریعت میں ان کا کوئی بیان نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا حکم بیان فرمادیا ہے اور دلیل بھی قائم فرمادی ہے لیکن چونکہ بیان کبھی تو جلی ہوتا ہے اور تمام لوگ اسے جان لیتے ہیں اور کبھی خفی ہوتا ہے، خاص خاص علماء ہی اسے جان سکتے ہیں جو اصولِ فقہ میں مہارت رکھنے والے، نصوص کے معانی کا صحیح ادراک کرنے والے، قیاسِ استنباط اور کسی شے کو اس کی نظیر ومثل پر رد کرسکنے والے ہوں، اسلئے ان امور میں شبہ اور اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے ② امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتبہات سے وہ امور مراد ہیں جن میں دلائلِ حلت وحرمت متعارض ہوں حتی کہ اگر مجتہد اجتہاد کرکے کسی دلیل کی بنیاد پر جانب حلت کو ترجیح دے دے تب بھی وہ امر مشتبہ رہے گا۔ اس میں ورع یہ ہے کہ اس امر کا ارتکاب بالکل نہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے اجتہاد میں خطا واقع ہو۔ حاصل اس قول کا یہ ہے کہ مشتبہات سے مراد وہ امور اجتہادیہ ہیں جن میں کوئی نص یا اجماع موجود نہ ہو، اور ''توقی الشبہات'' سے مراد احتیاط وورع کو برسبیلِ تقویٰ اختیار کرنا ہے نہ کہ برسبیلِ فتویٰ۔

③ علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مشتبہات سے مکروہ امور مراد ہیں اور مقصود یہاں ان مکروہات کے ارتکاب سے بچنے پر آمادہ کرنا ہے کیونکہ بہت سے لوگ مکروہات کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہیں جبکہ ان کا یہ عمل محرمات تک پہنچا سکتا ہے۔

④ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مشتبہات سے یہاں وہ مباح امور مراد ہیں جن سے بچنا اور احتیاط کرنا اچھا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مباحات سے بھی کنارہ کش رہتے تھے چنانچہ وہ اچھے کھانے، اچھے لباس اور اچھے مکان سے بھی دور رہتے تھے اور کھردری زندگی گزارنے کے عادی تھے۔

ان اقوال میں سے آخری دونوں اقوال ضعیف ہیں، مکروہ ومباح مشتبہات میں داخل نہیں ہے البتہ پہلی دونوں صورتیں بلکہ اشتباہ کی تمام صورتیں مشتبہات میں داخل ہیں۔ (کشف الباری ج۲ص۶۸۲)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....باب:لایجمع بین متفرق ولایفرق بین مجتمع، ویذکر عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ مثلہ۔ (ص۱۹۵۔ج۱۔قدیمی)

اذکر غرض البخاری من ھذا الباب ۔ اشرح قولہ: لایجمع الخ حسب اختلاف الفقہاء فی ھذہ المسألۃ ۔ لماذا ذکر البخاری رحمہ اللہ قولہ "ویذکر....." بصیغۃ المجھول ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) باب کی غرض (۲) لایجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع کی تشریح (۳) یُذکر مجہول کا صیغہ ذکر کرنے کی وجہ۔

جواب..... ① باب کی غرض:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض یہ ہے کہ آدمی زکوٰۃ کے ڈر سے فقراء ومساکین کا حق مارنے کے لئے

فریب نہ کرے جو حق اس مال پر لاگو ہوتا ہے اس کو ادا کرے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں خشیہ کی قید نہیں لگائی اس لئے کہ اس کی مراد میں علماء کا اختلاف ہے۔(نصر الباری)

❷ **لایجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع** کی تشریح:۔ اس جملہ کی تشریح میں ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔اس اختلاف کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی مال دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو زکوٰۃ ہر شخص کے الگ الگ حصے پر نہیں بلکہ مجموعے پر واجب ہوتی ہے مثلاً اگر اسّی بکریاں دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہیں تو زکوٰۃ اسّی بکریوں پر واجب ہوگی یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ اسّی بکریاں ایک ہی شخص کی ملکیت ہیں اور چونکہ اسّی بکریوں پر نصاب نہیں بدلتا بلکہ وہی ایک بکری واجب رہتی ہے جو چالیس پر واجب تھی، اسلئے صرف ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہوگی حالانکہ اگر دونوں کے حصوں کا الگ الگ اعتبار کیا جائے تو ہر شخص کے حصہ میں چالیس بکریاں آتی ہیں۔اس صورت میں ہر شخص پر ایک ایک بکری واجب ہونی چاہیے لیکن دونوں کے اشتراک کی وجہ سے ہر شخص سے ایک ایک بکری وصول کرنے کے بجائے مجموعہ سے صرف ایک بکری وصول کرلی جائیگی اور اس سے دونوں کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

پھر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس اشتراک کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں شخص مال کی ملکیت میں شریک ہوں اور مال دونوں کے درمیان مشاع ہو، اس کو **خلطة الشیوع** کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اشخاص ملکیت میں تو باہم شریک نہ ہوں بلکہ دونوں کی ملکیتیں جدا جدا ہوں لیکن دونوں کا باڑا ایک ہو اور ان کی کم از کم چار چیزیں مشترک ہوں، چرواہا، چراگاہ، دودھ دوہنے والا اور بیانے والا نر (راعی، مرعی، حالب اور فحل)۔اس صورت کو **خلطة الجوار** کہتے ہیں۔ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک **خلطة الجوار** کا بھی اسی طرح اعتبار ہے جس طرح **خلطة الشیوع** کا ہے چنانچہ **خلطة الجوار** کی صورت میں بھی زکوٰۃ دونوں اشخاص کے مجموعی مال پر واجب ہوگی۔ اب ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے مذکورہ بالا جملے کا مطلب یہ ہے کہ ”زکوٰۃ زیادہ واجب ہونے کے خوف سے نہ دو آدمی مال کے اندر **خلطة الشیوع** یا **خلطة الجوار** پیدا کر کے اسے اکٹھا کریں اور نہ اسے علیحدہ کریں بلکہ جس حالت پر ہے اسی حالت پر رہنے دیں۔مثلاً اگر دو آدمیوں کی چالیس چالیس بکریاں ہوں تو الگ الگ ہونے کی صورت میں ہر شخص پر ایک بکری واجب ہوگی اور مشترک ہونے کی صورت میں مجموعہ (یعنی اسّی) پر صرف ایک واجب ہوگی اب اگر دو آدمی جن کے درمیان نہ خلطۃ الشیوع ہے نہ خلطۃ الجوار زکوٰۃ کم کرنے کی نیت سے آپس میں شرکت پیدا کرلیں تو یہ ناجائز ہے اور اسی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **لَایُجْمَعُ بَیْنَ مُتَفَرِّقٍ**۔

اس کے برعکس اگر دو آدمیوں کے پاس دو سو دو بکریاں مشترک ہوں تو ان کے مجموعہ پر تین بکریاں واجب ہوتی ہیں، اب اگر یہ شرکت کو ختم کر کے آدھی آدھی تقسیم کرلیں تو ہر ایک کے پاس ایک سو ایک بکریاں ہوں گی اور ہر شخص کے ذمہ صرف ایک ایک بکری واجب ہوگی، لہٰذا اگر اس غرض کے لئے جانوروں کو تقسیم کیا جائے کہ زکوٰۃ کم آئے گی تو یہ ناجائز ہے اور اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **وَلَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ**۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

یہ ساری تفصیل ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال حدیث الباب سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر خلطۃ الشیوع یا خلطۃ الجوار زکوٰۃ کی مقدار واجب میں مؤثر نہ ہوتے تو جمع وتفریق سے منع نہ کیا جاتا۔

اس کے برعکس حنفیہ کے نزدیک نہ خلطۃ الشیوع کا اعتبار ہے اور نہ خلطۃ الجوار کا، بلکہ ہر صورت میں زکوٰۃ ہر شخص کے اپنے حصے پر واجب ہوگی، مجموعہ پر نہیں چنانچہ اگر اسّی بکریاں دو افراد کے درمیان نصف نصف مشترک ہوں (خواہ ملکاً وشیوعاً، خواہ جواراً) تو ہر شخص پر ایک ایک بکری الگ واجب ہوگی۔

جہاں تک حدیث باب کے زیر بحث جملے **لایجمع بین متفرق الخ** کا تعلق ہے۔حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ”کوئی شخص زکوٰۃ کم کرنے کی غرض سے نہ متفرق اموال کو جمع کرے اور نہ اکٹھے اموال کو متفرق کرے، اسلئے کہ ایسا کرنے سے زکوٰۃ کی

مقدار واجب پر کوئی فرق نہ پڑے گا بلکہ زکوٰۃ ہر شخص کے اپنے حصہ پر واجب ہوگی''۔ گویا حنفیہ کے نزدیک تقدیرِ عبارت یوں ہے **لایجمع بین متفرق ، ولایفرق بین مجتمع مخافة الصدقة ، فان ذلك لایؤثر فی تغییر الزکوة**۔(درسِ ترمذی ج۳ص۴۱۷)

③ **یُذکر** مجہول کا صیغہ ذکر کرنے کی وجہ:۔ اس حدیث کے دو طریق ہیں۔ ① سفیان بن حسین عن الزہری ② یونس بن یزید عن الزہری۔ اوّل طریق سے یہ حدیث موصولاً منقول ہے جبکہ دوسرے طریق میں یونس بن یزید راوی نے اسکی مخالفت کی ہے اور زہری کے تلامذہ میں یونس راوی سفیان کی بنسبت احفظ ہے اور اسکی روایت میں تقویت ہے اسلئے کہ وہ ان الفاظ سے روایت کرتا ہے **اقرأینها سالم بن عبدالله بن عمر فوعیتها** اس میں یونس نے **ان ابن عمر حدثه** نہیں کہا، اس وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو عدمِ جد کے ساتھ مجہول کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کے شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے۔(حل)

الشق الثانی.....**عن جابرؓ قال کانوا یزرعونها بالثلث والربع والنصف فقال النبی ﷺ من کانت له ارض فلیزرعها او لیمنحها فان لم یفعل فلیمسك ارضه۔ (کتاب المزارعة)**

ماهی المزارعة؟ هل منع رسول الله ﷺ من المزارعة اطلاقا ؟ فان لم یکن المنع مطلقا فما هو المراد بهذا الحدیث ؟ اذکر اختلاف الفقهاء فی جواز المزارعة مع ادلتهم۔ ما هی شرائط لصحة المزارعة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① مزارعت کی تعریف ② مزارعت سے ممانعت کی وضاحت ③ مزارعت کے جواز میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل ④ مزارعت کی صحت کی شرائط۔

جواب..... ① مزارعت کی تعریف۔ لغوی اعتبار سے یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے جو زَرْعٌ (بمعنی اُگانا، کھیتی باڑی کرنا، ہل چلانا) سے مشتق ہے تو مزارعت کا معنی دو آدمیوں کا باہمی عقدِ زراعت کرنا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے **هی عقد علی الزرع ببعض الخارج** (زمین کی بعض پیداوار پر دو آدمیوں کا باہمی عقدِ زراعت کرنا) ہے یعنی مالکِ زمین و مزارع کا زمین کی بعض پیداوار پر باہمی عقد کرنا مزارعت کہلاتا ہے۔

② مزارعت سے ممانعت کی وضاحت:۔ جن روایات میں مزارعت کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بٹائی پر زمین دینے سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت علی وجہ التحریم نہیں فرمائی بلکہ یہ ممانعت علی وجہ الاولویت والافضلیت فرمائی ہے، یعنی جب صاحبِ زمین کے پاس زمین پر کاشت کاری کی گنجائش نہ ہو یا اسکی ضرورت سے زائد ہو تو بہتر یہ ہے کہ آدمی زمین کو مزارعت پر دینے کے بجائے اپنے بھائی کو ایسے ہی کاشت کرنے کیلئے دیدے۔ گویا کہ آپ ﷺ کا مقصد اس کی شرعی حرمت کو بیان کرنا نہیں تھا، بلکہ اس بات کی ترغیب دینا تھا کہ تم مواساۃ و غمخواری کرو، اور اپنے بھائیوں کو ایسے ہی مفت دیدیا کرو۔ نیز ممکن ہے کہ ممانعت ان خاص صورتوں کی ہو جن میں مخاطرہ پایا جاتا ہے کہ نالیوں پر جو پیداوار ہوگی وہ مالک کی ہوگی اور دوسرے حصے کی پیداوار مزارع کی ہوگی، یا نشیب کی پیداوار مالک کی ہوگی اور بالائی علاقے کی پیداوار زارع کی ہوگی، اس میں چونکہ اندیشہ ہوتا تھا کہ ایک حصۂ زمین پیداوار دے اور دوسرا حصہ پیداوار بالکل نہ دے اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

③ مزارعت کے جواز میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل:۔ امام اوزاعی، سفیان ثوری، سعید بن مسیّب، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن، امام احمد بن حنبل، داؤد ظاہری، طاؤس اور ابن ابی لیلی رحمہم اللہ کے نزدیک مزارعت و مساقات دونوں جائز ہے۔ دلیل وہ روایت ہے جو اصحابِ صحاح نے نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اہلِ خیبر کے ساتھ نصف پیداوار پر بٹائی کا معاملہ فرمایا تھا۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ عقدِ مزارعت مالک و مزارع کے درمیان مال و عمل کے اعتبار سے ایک عقدِ شرکت ہے اور جس طرح دفعِ ضرورت کی وجہ سے عقدِ مضاربت جائز ہے اسی طرح دفعِ ضرورت کی وجہ سے مزارعت بھی جائز ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، ابوثور اور لیث وغیرہم رحمہم اللہ مزارعت کے عدمِ جواز کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک ایسا کرنا نقلاً و عقلاً ممنوع ہے۔ نقلاً اسلئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے مخابرہ سے منع کیا ہے اور مخابرہ سے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

مراد مزارعت ہی ہے۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم مخابرہ کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی مضائقہ نہ دیکھتے تھے یہاں تک کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اِس لئے ہم نے اُسے چھوڑ دیا۔ نیز حدیث میں قفیز الطحان سے منع کیا گیا ہے اور مزارعت بھی اسی قبیل سے ہے۔ عقلا اسلئے ممنوع ہے کہ اس میں اجارہ کا بدل مجہول ہے۔

جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر کے یہود کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے تو وہ بطور جزیہ کے ہے، یا احسان وصلح کے طریق سے بطور خراج ومقاسمہ کے ہے، نہ کہ بطور مزارعت کے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے اور مزارعت کی طرف لوگوں کی احتیاج اور اس پر امت کے تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کرنا ہی مناسب ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے مزارعت کے فساد کا فیصلہ تو کیا ہے لیکن وہ سختی سے اس کی ممانعت نہیں فرماتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے مزارعت کے جو فروعی مسائل بیان کئے ہیں ان میں سے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے قول پر منطبق ہوتے ہیں۔ (کشف الباری وتسہیل الضروری)

④ مزارعت کی صحت کی شرائط:۔ مزارعت کی صحت کی آٹھ شرائط ہیں: ① زمین قابلِ کاشت ہو کیونکہ اسکے بغیر مقصود حاصل نہ ہوگا ② عاقدین عقد کے اہل ہوں، پس مجنون پاگل بچہ وغیرہ اہل نہیں ہیں ③ مدت بیان کی جائے کہ یہ عقد کب تک ہوگا اس لئے کہ یہ عقد زمین کے منافع پر یا عامل کے منافع پر ہے اور مدت ہی اس کیلئے معیار ہے ④ بیج ڈالنے والے کی تعیین ہو کہ بیج کون ڈالے گا ⑤ جس کا بیج نہیں ہے اس کا حصہ متعین ہو، کیونکہ وہ شرط کی وجہ سے ہی اپنے حصہ کا مستحق ہوتا ہے ⑥ زمین میں مالکِ زمین کا کوئی عمل دخل نہ ہو، خواہ بیج مالک کا ہو یا کاشتکار کا ہو لہٰذا ہر وہ شرط جو زمین میں مالک کے دخل کو ختم نہ کر سکے وہ مفسدِ عقد ہوگی ⑦ پیداوار میں مالک وعامل دونوں شریک ہوں، پس جو شرط اس شرکت کو ختم کرے وہ مفسدِ عقد ہوگی ⑧ کاشت کردہ چیز متعین ہو کہ کیا چیز کاشت کی جائے گی کیونکہ پیداوار ہی اُجرت ہے اور اُجرت کی جنس کا معلوم ہونا عقد میں شرط ہے۔ (ایضا)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....**باب ذبيحة الاعراب ونحوهم. حدثنا محمد بن عبيدالله حدثنا أسامة بن حفص المدنى عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضی اللہ عنہا أن قومًا قالوا للنبي صلی اللہ علیہ وسلم: أن قوما يأتوننا باللحم لاندرى أذكر اسم الله عليه أم لا؟ فقال: سموا عليه أنتم وكلوه. قالت: وكانوا حديثى عهد بالكفر. تابعه على عن الدراوردى وتابعه ابو خالد والطفاوى.** (کتاب الذبائح)

وضّح غرض الترجمة. انكر حكم التسمية على الذبيحة عند العلماء مع أدلتهم. اشرح قوله: سموا عليه أنتم وكلوه وانكر هل تجزئ تسمية الآكل دون الذابح؟ اشرح قوله: تابعه.....وتابعه..... وانكر سبب ايراد هٰذه المتابعة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) بوقتِ ذبح تسمیہ کا حکم مع الدلائل (۳) مذکورہ جملہ کا مطلب (۴) متابعت کی تشریح اور سبب۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ اگر کوئی اعرابی اور دیہاتی آدمی جانور ذبح کرنا چاہے تو اس کا ذبیحہ درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۲۷۲)

② بوقتِ ذبح تسمیہ کا حکم مع الدلائل:۔ جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) چھوڑنے میں اختلاف ہے۔

احناف ومالکیہ کے نزدیک عمداً بسم اللہ چھوڑنے سے ذبیحہ اور شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر نسیانا تسمیہ ترک ہو گیا تو ذبیحہ اور شکار حلال ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ کا ذبیحہ میں یہی مسلک ہے البتہ شکار میں انکے نزدیک عمد ونسیان دونوں حالتوں میں تسمیہ شرط ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ذبیحہ اور شکار دونوں پر تسمیہ مسنون ہے۔ واجب نہیں ہے لہٰذا ترکِ تسمیہ کی وجہ سے شکار اور ذبیحہ حرام نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس نے تسمیہ کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا یا ترکِ تسمیہ کا معمول بنالیا تو ایسی صورت میں ان کے نزدیک بھی ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

جمہور کی دلیل ① آیتِ کریمہ **ولاتاکلوا ممّا لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ**۔ ② آیت کریمہ **واذکروااسم اللّٰہ علیہ**۔ ③ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **وماصدت بقوسك فذكرت اسم الله فكل وماصدت بكلبك المعلم فذكرت اسم الله فكل**۔اور ترکِ تسمیہ نسیاناً میں ان احادیث کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہ ہوگا **ذبیحہ المسلم حلال سمی اولم یسم مالم یتعمد والصیدکذلك** نیز **المسلم یکفیه اسمه فان نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم ولیذکر اسم اللّٰہ علیه ثم لیأکل**۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل آیت کریمہ **حرمت علیکم المیتة الخ الّا ماذکیتم** ہے اس میں تذکیہ کا ذکر ہے اور تسمیہ کی شرط نہیں ہے اور تذکیہ لغت میں فتح وشق کو کہتے ہیں معلوم ہوا کہ تسمیہ شرط نہیں ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ تذکیہ سے شرعی تذکیہ مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے لغوی تذکیہ مراد نہیں کیونکہ درندہ کا مارا ہوا شکار ذبح کرنے سے بالاتفاق حلال نہیں ہے حالانکہ تذکیہ لغوی پایا گیا ہے معلوم ہوا کہ **الاماذکیتم** میں تذکیہ شرعی مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے۔

دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **ان قوما قالوا للنبی** صلی اللہ علیہ وسلم **ان قوما یاتوننا بلحم لاندری أذکر اسم اللّٰہ علیه ام لا؟فقال سمّوا علیه انتم وکلوه، قالت وکانوا حدیثی عهد بالکفر** یعنی ہمارے پاس کچھ نومسلم گوشت لاتے ہیں، معلوم نہیں کہ ان پر بوقتِ ذبح بسم اللہ پڑھی گئی ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ، معلوم ہوا کہ بوقتِ ذبح وشکار تسمیہ شرط نہیں ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کا مستدل ہونے میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو مقصد یہ کہ جب مسلمان گوشت لایا ہے تو اس کے بارے میں خواہ مخواہ بدگمانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے، جب تک صراحتاً ترکِ تسمیہ عمداً کا علم نہ ہوجائے بدگمانی نہیں کرنی چاہئے۔

نیز یہ ابتداءِ اسلام کا واقعہ ہے چنانچہ امام مالکؒ نے اس حدیث کے آخر میں **وذلك فی اول الاسلام** کا اضافہ ذکر کیا ہے۔(ایضا:۲۱۹)

③ مذکورہ جملہ کا مطلب:۔ اگر ذابح نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو تو اکل کی بسم اللہ کفایت نہیں کرے گی۔ باقی حدیث کے اس جملہ کا مطلب ابھی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے۔

④ متابعت کی تشریح اور سبب:۔ متابعت کی تشریح یہ ہے کہ علی بن المدینی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ اسامہ بن حفصی کی متابعت کی ہے کہ اسامہ نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے نقل کی ہے اور علی بن المدینی نے یہ روایت عبدالعزیز بن محمد دراوردی سے نقل کی ہے۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ اسامہ کی متابعت ابوخالد سلیمان بن حیان اور محمد بن عبدالرحمٰن طفاوی نے بھی کی ہے۔

متابعت ذکر کرنے کا سبب اور مقصد حدیث کے مرفوع ہونے کی تائید ہے کہ جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ اسامہ بن حفص نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے اسی طرح علی بن المدینی، ابوخالد سلیمان بن حیان اور محمد بن عبدالرحمٰن طفاوی نے بھی اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔(ایضاً ص ۲۸۳)

الشق الثانی.....**عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ النبیَّ** صلی اللہ علیہ وسلم **یَقُوْلُ لَا یَرْمِیْ رَجُلٌ رجلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا یَرْمِیْهِ بِالْکُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَیْهِ اِنْ لَمْ یَکُنْ صَاحِبُهٗ کَذٰلِكَ**۔(کتاب الادب۔باب ما یُنهٰی من السباب و اللعان)

شکّل الحدیث ثم ترجمه ۔ اذکر اقوال الشارحین فی شرح قوله: الّا ارتدت علیه۔ اکتب نبذة من ترجمة ابی ذر رضی اللہ عنہ مع بیان اسمه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ **الّا ارتدت علیه**...کی تشریح ④ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حالات۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا**۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کوئی شخص کسی کو فسق وکفر کے ساتھ متہم نہ کرے، اسلئے کہ اگر وہ اس کا اہل نہ ہوگا تو وہ فسق وکفر اسی متہم کی طرف لوٹ آئے گا۔

③ **الّا ارتدت علیہ...** کی تشریح:۔ ایک شخص نے دوسرے کو فاسق یا کافر کہا اور جس کو کہا ہے وہ حقیقت میں فاسق یا کافر ہے تو ایسی صورت میں کہنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا اگر اس نے خیر خواہی کے جذبے سے یا لوگوں کو اس کی حالت سے باخبر کرنے کیلئے یہ جملہ کہا ہے تو جائز ہے۔ لیکن اگر اس کا مقصد اس شخص پر طعنہ زنی اور بلاضرورت اس کے فسق یا کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شریعت نے برائیوں کے اچھالنے کا نہیں بلکہ ستر اور چھپانے کا حکم دیا ہے۔

جس شخص کو فاسق یا کافر کہا اور وہ حقیقت میں فاسق و کافر نہیں تو یہاں روایت میں فرمایا گیا کہ وہ کلمۂ تکفیر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس جملہ کے مختلف مطلب بیان کیے گئے ہیں: ① ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ وہ خود کافر ہو جائے گا، حالانکہ مسلمان کو کافر کہنے سے آدمی گناہ گار تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، اسلئے اس کی ایک تو وہی مشہور تاویل کی گئی کہ یہ حکم مستحل کیلئے ہے یعنی جو شخص مسلمان کو گالی دینا حلال اور جائز سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن سیاقِ کلام سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔ ② یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے، معنی حقیقی مراد نہیں۔ ③ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس جملے کا وبال اس پر آئے گا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جس شخص کو کافر کہا گیا وہ اگر واقعتاً کافر ہے، پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا وہ اس کا مستحق ہے لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئے گا، یہ اس حدیث کی سب سے اچھی توجیہ ہے۔ لعنت کے متعلق بھی اس طرح کی ایک حدیث امام ابوداؤدؒ نے حضرت ابوالدرداء سے نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی جب کسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے، آسمان کے دروازے اسکے سامنے بند ہو جاتے ہیں تو وہ پھر زمین کی طرف آجاتی ہے، وہاں دائیں بائیں گھومتی ہے، جب کوئی اور جگہ اسے نہیں ملتی تو اس چیز کی طرف لوٹ آتی ہے جس پر وہ لعنت بھیجی گئی ہے، اگر وہ اس کی اہل ہو تو اس پر لگ جاتی ہے، ورنہ لعنت بھیجنے والے کی طرف لوٹ اتی ہے۔ (کشف الباری، ادب: ۴۲۳)

④ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حالات:۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نام اور پھر ان کے والد کے نام میں بڑا اختلاف ہے: اصح قول کے مطابق ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ آپؓ چوتھے نمبر پر ایمان لائے، آپ خود فرماتے ہیں انا رابع الاسلام۔ ایک قول کے مطابق پانچویں فرد تھے۔ مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام ہوئے، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے علاقہ کی طرف لوٹ گئے، وہیں دعوت کا کام کرتے رہے، بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی، قدیم الاسلام تھے، لیکن ہجرت میں تاخیر کی وجہ سے بدر، احد اور خندق میں شریک نہیں ہوسکے۔ آپ کے فضائل بے شمار ہیں: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اُمرتُ بِحُبِّ اربعة من اصحابی واخبرنی اللّٰہ انّہ یحبھم** حضرت بریدہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ کون کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی، ابوذر، سلمان ومقداد رضی اللہ عنہم۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اُعطی کلُّ نبیّ سبعة نجباء ورفقاء واعطیتُ انا اربعة عشر نجیبا رفیقا** ان میں حضرت ابوذرؓ کا بھی ذکر فرمایا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: **ابو ذر وِعاءٌ مُلِیَٔ علما** (ابوذر علم سے بھرا ہوا برتن ہے)۔ ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: **کان یوازی ابن مسعود فی العلم** (ابوذر رضی اللہ عنہ علم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر تھے)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کی کل تعداد دوسو اکاسی (۲۸۱) ہے ان میں سے بارہ احادیث متفق علیہ ہیں، جب کہ امام بخاریؒ دو حدیثوں میں اور امام مسلمؒ انیس احادیث میں متفرد ہیں۔ آپ زہد و پارسائی، صدق وعفاف اور علم وعمل میں بڑے اونچے مقام پر فائز تھے، علی الاعلان حق کا اظہار فرماتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں وہ کبھی کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالی کے راستہ میں کثرت سے خرچ کرتے تھے اور مال جمع کرنے کو مطلقا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ربذہ میں انتقال ہوا، حضرت ابن مسعودؓ نے اہلِ کوفہ کے ایک قافلہ کے ساتھ جنازہ کی نماز پڑھی اور ان کو دفن کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار علماء صحابہ میں ہوتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو قراء کے درجہ میں قرار دیا تھا ۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (کشف الباری)

﴿حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل نعم المولٰی ونعم النصیر﴾

0313 6357913 maktabaalqariyasultan@gmail.com

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٢٨ھ

الشق الاوّل.....عن عبدالله بن مسعود ان النبی ﷺ قال له ليلة الجن مافی اداوتك؟ قال: نبيذ، قال تمرة طيبة وماء طهور۔ عرف النبيذ لغةً واصطلاحًا۔ انكرانواع النبيذ واحكامها وعيّن المراد به ههٰنا۔ اذكر ادلة الائمة على ما ذهبوا اليه ۔ اذكركلام العلماء على هذا الحديث وما اجيب عن هذا الحديث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) نبیذ کی لغوی واصطلاحی تعریف (۲) نبیذ کی اقسام واحکام (۳) ائمہ کے دلائل (۴) حدیث پر کلام اور اسکا جواب۔

جواب..... ① نبیذ کی لغوی واصطلاحی تعریف:۔ نبیذ نبذ سے ہے جس کے معنی ڈالنے کے ہیں، یہ فعیل کا صیغہ مفعول کے معنی میں ہے، یہ ایک قسم کا شربت ہے جو مختلف چیزوں تمر، زبیب، عسل، حنطہ، شعیر وغیرہ سے بنتا ہے لیکن زیادہ تر نبیذ تمر کی ہوتی تھی اسی کو آپ ﷺ نوش فرماتے تھے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی نبیذ بنانی ہو مثلاً کھجور یا کشمش اس کو شام کے وقت پانی میں بھگو کر رکھ دیا جائے صبح کو جب اس میں مٹھاس پیدا ہو جائے پی لیا جائے یا صبح کو پانی میں ڈال کر رکھ دیں اور شام کو پی لیں۔ (الدر المنضود ۱:۲۱۶)

② نبیذ کی اقسام واحکام:۔ احکام کے اعتبار سے نبیذ کی تین قسمیں ہیں ① یہ کہ کھجوریں تھوڑی دیر کیلئے پانی میں بھگو دی جائیں اور پھر نکال لی جائیں کہ ابھی تک مٹھاس کا اثر بھی پانی میں نہ آیا ہو ② یہ ہے کہ اتنی دیر پانی میں رکھی جائیں کہ اس پانی میں تغیر آجائے، حدت، تیزی، جھاگ اور نشہ پیدا ہو جائے ③ یہ ہے کہ اتنی دیر بھگوئی جائیں کہ پانی کے اندر صرف مٹھاس پیدا ہو اور کسی قسم کا تغیر تیزی یا جھاگ پیدا نہ ہو۔

قسم اوّل سے وضوء بالاتفاق جائز ہے اس لئے کہ فی الواقع عرفاً وہ نبیذ ہی نہیں ہے صرف لغۃً نبیذ ہے اور قسم ثانی کہ پانی میں سکر پیدا ہو جائے اس سے وضوء بالاتفاق جائز نہیں ہے اور قسم ثالث جو درمیان میں ہے اس میں اختلاف ہو رہا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک اس سے وضوء جائز نہیں ہے اور امام صاحب کا قول یہ ہے کہ اس سے وضوء جائز ہے۔ امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی نبیذ سے وضوء بھی کیا جائے اور تیمّم بھی کیا جائے۔

جاننا چاہیے کہ علماء کا اختلاف صرف نبیذِ تمر میں ہے۔ تمر کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو نبیذ بنائی جائے اس سے وضوء بالاتفاق جائز نہیں ہے اس لئے کہ وضوء بالنبیذ کا جواز امام صاحب کے نزدیک خلافِ قیاس حدیث کی بناء پر ہے۔ اور جو حکم خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہو وہ اپنے مورد پر منحصر ہوتا ہے دوسری شئی کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا۔ نیز امام صاحب رحمہ اللہ جو وضوء بالنبیذ کے جواز کے قائل ہیں وہ اس وقت میں ہیں جب ماءِ مطلق نہ ہو اور ماءِ مطلق کی موجودگی میں وہ بھی جواز کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک ماءِ مطلق کی موجودگی میں بھی نبیذ سے وضوء جائز ہے۔

نیز یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ امام صاحب ابتداء میں نبیذ سے جوازِ وضوء کے قائل تھے پھر بعد میں مسلکِ جمہور کی طرف ان کا رجوع ثابت ہے لہٰذا اب فتویٰ اسی قولِ اخیر پر ہے اسی کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اختیار فرمایا ہے۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب سے ہے جو لیلۃ الجن میں پیش آئی تھی کہ آپ ﷺ نے نبیذ کے بارے میں فرمایا **تمرة طيبة وماء طهور** اور پھر اس سے وضوء فرمایا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل آیت کریمہ **فان لم تجدوا ماءً فتيمّموا** ہے کہ اگر ماءِ مطلق نہ ہو تو تیمّم کرو اور نبیذ ماءِ مطلق نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ آیت مقید ہے کہ نہ پانی ہو اور نہ پانی کے حکم میں نبیذ وغیرہ ہو تو پھر تیمّم کرو۔ (ایضاً)

④ حدیث پر کلام اور اسکا جواب:۔ جمہور محدثین نے اس حدیث پر تین طرح کے نقد واعتراض کئے ہیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

① اسکی سند میں ابوزید راوی ہیں جو باتفاق محدثین مجہول ہیں، چنانچہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے انکے مجہول ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی نقل فرمایا ہے کہ یہ مجہول ہیں، حدیث نبیذ کے علاوہ کوئی اور حدیث ان سے مروی نہیں ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کو ابوزید سے راوی مذکور فی السند ابوفزارہ کے علاوہ ابوروق بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب ابوزید سے روایت کرنیوالے دو ہوگئے تو پھر ابوزید حدِّ جہالت سے خارج ہوگئے (اسلئے کہ مجہول العین اس کو کہتے ہیں **من لم یرو عنہ الا واحدٌ** پھر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے صرف ابوزید ہی نہیں ہیں بلکہ ابوزید کے علاوہ ایک جماعت بھی اسکو ان سے روایت کرتی ہے اور عینی رحمۃ اللہ علیہ نے **اربعة عشر رجلا** یعنی چودہ رواۃ مع کتب حدیث کے حوالہ کے ایسے شمار کرائے جو اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان چودہ رواۃ کا بیان بذل المجہود میں موجود ہے۔

② یہ حدیث اخبارِ آحاد سے ہے جو کتاب اللہ کے اطلاق کے خلاف ہے اسلئے کہ کتاب اللہ میں یہ ہے کہ اگر ماءِ مطلق نہ پاؤ تو تیمّم کرو اور ظاہر ہے کہ نبیذ ماءِ مطلق نہیں بلکہ ماءِ مقید ہے لہٰذا تیمّم کرنا چاہیے، وضوء کیلئے ماءِ مطلق کا ہونا ضروری ہے۔

اس اشکال کا جواب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بذل میں دیا ہے کہ چونکہ وضوء بالنبیذ کے بعض اکابر صحابہ قائل ہیں جیسے حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم لہٰذا اس حدیث کو عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تلقی بالقبول کی وجہ سے مشہور کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ اور اس قسم کی حدیث سے اطلاق کتاب اللہ میں ترمیم اور تخصیص جائز ہے۔

③ تیسرا اشکال اس حدیث پر جمہور کی طرف سے یہ ہے کہ صحیح مسلم اور خود سننِ ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ علقمہ نے اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لیلۃ الجن میں آپ حضرات میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا **ما کان معه منا احد**، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات کی کہ وضوء بالنبیذ کی وہ حدیث جو سننِ ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ لیلۃ الجن کا واقعہ جیسا کہ مشہور ہے کئی بار پیش آیا ہے جنات کے وفود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف زمانوں میں چھ مرتبہ حاضر ہوئے ہیں جیسا کہ آکام المرجان فی احکام الجان میں لکھا ہے پہلی بار خاص مکہ میں، اس وقت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔ دوسری مرتبہ بھی مکہ میں مقام حجون پر جو ایک پہاڑی ہے۔ تیسری مرتبہ مکہ کے ایک اور مقام میں، چوتھی مرتبہ مدینہ منورہ بقیع الغرقد میں، ان تینوں مرتبہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تھے، پانچویں مرتبہ خارجِ مدینہ، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے اور چھٹی مرتبہ بعض اسفار میں، اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ حضرت بلال بن الحارث تھے (یہ دوسرے بلال ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تو بلال بن رباح ہیں)۔

اس تیسرے اشکال کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ **ما کان معه منا احدًا ای غیری** یعنی میرے علاوہ اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھا یا یہ مراد ہے کہ خاص مقامِ تعلیم میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے مقدمات فیصل فرمائے تھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہ تھا اسلئے کہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے یہاں جانے کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو راستہ میں کسی جگہ میں روک کر بٹھادیا تھا کہ تم یہیں رہنا آگے مت بڑھنا اور اس جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حفاظت کی غرض سے حصار فرمادیا تھا چنانچہ یہ وہیں بیٹھے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے قریب جنات کے پاس سے واپس تشریف لائے، اس وقت چونکہ نماز کا وقت ہوچکا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے **مافی اداوتك** یہ مشہور ایرادات کے جوابات ہیں حاصل یہ ہے کہ حدیث ثابت ہے لہٰذا وضوء بالنبیذ جائز ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**عن ثعلبة بن زهدم قال كنامع سعيد بن العاص بطبرستان، فقام، فقال، ايكم صلّى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الخوف؟ فقال حذيفة انا فصلى بهولاء ركعة وبهؤلاء ركعة ولم يقضوا.....**

0316 6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

قال ابو داؤد،وكذا رواه عبيدالله بن عبدالله ومجاهد عن ابن عباس عن النبی ﷺ وعبدالله بن شقيق عن ابی هريرة عن النبی ﷺ ويزيد الفقير وابو موسٰی جميعا عن جابر عن النبی ﷺ فقد قال بعضهم فی حديث يزيد الفقير انهم قضوا ركعة (ص۱۷۵۔ج۱۔رحمانیہ)

مامعنی قوله "ولم يقضوا" ۔ اشرح قول ابی داؤد وبين مراده بايضاح۔ متی شرعت صلاة الخوف؟ و هل هی مشروعة بعد رسول الله ﷺ ام كانت خاصة به؟۔ كم مرّة صلّی رسول الله ﷺ صلاة الخوف۔ اذكر انواع صلاة الخوف التی اوردها ابوداؤد فی سننه ۔ ما هواختلاف الائمة فی طريق اداء صلاة الخوف؟ اذكر دلائلهم ببسط وتفصيل ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱)**ولم یقضوا** کا معنی (۲)امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح ومراد (۳)صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت اور آپ ﷺ کے صلوۃ الخوف پڑھنے کی تعداد (۴)صلوٰۃ الخوف کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل۔

جواب ..... ❶ **ولم یقضوا کا معنی:۔** بعض روایات میں **لم یقضوا** کی جگہ **لایقضون** کا لفظ ہے، مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ امام طائفتین میں سے ہر طائفہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے اور بس اسی پر اکتفاء کیا جائے وہ طائفہ از خود دوسری رکعت نہ پڑھے۔ائمہ اربعہ وجمہور رحمہم اللہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے اس لئے جمہور اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ بعد میں یعنی خوف زائل ہونے کے بعد صلوٰۃ الخوف کی قضاء نہیں ہے ایک مرتبہ جو نماز پڑھ لی وہ ٹھیک ہے اس کی قضاء نہیں ہے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ راوی کا اپنا فہم ہے کہ وہ اپنے علم کی بناء پر نفی کر رہے ہیں۔(الدر المنضود ج۲ص۵۰۷)

❷ **امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح ومراد:۔** اس قول کی تشریح یہ ہے کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ صورۃ مذکورہ جو کہ حدیث سعید بن العاص رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے اس کو ترجیح دیکر اس کی تائید میں تعلیقات بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کل سات کے قریب تعلیقات ذکر کی ہیں جن سے صورۃ مذکورہ کی تقویت ثابت ہوتی ہے۔نیز یہ بھی بتلانا ہے کہ یزید بن فقیر کے بعض طرق میں یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے ایک رکعت کی قضاء کی تھی۔

❸ **صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت اور آپ ﷺ کے صلوۃ الخوف پڑھنے کی تعداد:۔** صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت کس موقع پر اور کس سنہ میں ہوئی اس میں شدید اختلاف ہے،ابوداؤد میں اس سلسلہ کی ایک روایت ہے جس کی طرف حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی میلان ہے اور زاد المعاد میں ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ابوعیاش الزرقی کی روایت میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے مقام عُسفان میں پڑھی اور غزوۂ عسفان بالاتفاق ۶ھ میں ہے اور اوجز میں واقدی سے نقل کیا ہے کہ مقام عسفان میں آپ کی یہ نماز عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر تھی۔عمرہ حدیبیہ بھی بہرحال ۶ھ ہی میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس نماز کی مشروعیت ۶ھ میں ہوئی۔

یہ نماز آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے مشروع ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی متعدد مواقع پر یہ نماز پڑھی گئی۔ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت،ابن علیہ اور مزنی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نماز آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔

آپ ﷺ نے یہ نماز کتنی مرتبہ پڑھی ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے: بذل واوجز میں ۲۴ مرتبہ پڑھنا منقول ہے۔حافظ ابن قیم،ابن القصار مالکی اور علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ دس مرتبہ پڑھی ہے۔اصحابِ سیر وتاریخ کا جس قول پر استقرار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ نے زندگی میں چار مرتبہ (ذات الرقاع، بطنِ نخل، عسفان، ذی قرد) پڑھی ہے۔(الدر المنضود ج۲ص۴۹۶)

❹ **صلوٰۃ الخوف کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف:۔** صلوٰۃ الخوف کی کیفیت کیا ہے، صحاح ستہ میں سب سے زیادہ تفصیل امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔تقریباً بارہ کے قریب صورتیں بیان کی ہیں اور یہ سب صورتیں جائز ہیں صرف اولویت میں اختلاف ہے، البتہ ساتویں وآٹھویں باب میں مذکور صورتیں جمہور کے مسلک کے خلاف ہیں۔بیان کا طریقہ یہ ہے کہ ہر صورت کو اجمالی طور پر ترجمۃ الباب میں بیان فرمائیں گے پھر اس کا اثبات حدیث سے کرینگے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

① امام دوفریق بنائے (دوصفوں کی شکل میں) اور دونوں امام کے پیچھے ایک ہی وقت میں اقتداء کریں تکبیر تحریمہ کے ساتھ، تکبیر کے بعد رکوع میں جانے تک دونوں فریق امام کے ساتھ شریک رہیں اور رکوع میں بھی دونوں شریک رہیں، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام اور اگلی صف والے سجدہ میں چلے جائیں اور پچھلی صف والے قومہ کی حالت میں رہیں، امام اور اگلی صف والے جب دوسرے سجدہ سے اٹھ جائیں تو اب پچھلی صف والے سجدہ میں چلے جائیں جب یہ سجدہ سے سر اٹھائیں تو پھر پچھلی صف والے اگلی صف کی جگہ میں اور اگلی صف والے پچھلی صف کی جگہ میں آجائیں پھر امام دوسری رکعت پڑھائے اور دوسری رکعت میں دونوں امام کے ساتھ رکوع کریں، رکوع کے بعد امام اور وہ صف جو اب امام کے ساتھ متصل ہے جو پہلی رکعت میں پیچھے تھی وہ سجدہ میں چلے جائیں اور سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد یہ بیٹھ جائیں اور پچھلی صف والے جو پہلی رکعت میں پہلی صف تھی وہ اب سجدہ میں جائیں، پھر سجدہ سے اٹھ کر یہ بھی قعدہ میں بیٹھ جائیں پھر امام دونوں کے ساتھ اکٹھے سلام پھیر لے اسکے قائل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

② امام دوفریق بنائے ایک فریق دشمن کے مقابلے میں اور ایک فریق امام کے پیچھے رہے ایک فریق کو امام ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت پڑھانے کے بعد امام قیام کی حالت میں کھڑا رہے اور یہ فریق اپنی دوسری رکعت کو پڑھ لے، دوسری رکعت کے بعد بغیر سلام پھیرے دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آکر امام کی اقتداء کرے اور امام دوسری رکعت دوسرے فریق کو پڑھائے دوسری رکعت پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ قعدہ میں شریک ہو اسکے بعد امام بھی سلام پھیرے اور دونوں فریق بھی سلام پھیر دیں۔

③ امام دوفریق بنائے، ایک دشمن کے مقابلے میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ اس کو امام ایک رکعت پڑھائے اس کے بعد امام قیام کی حالت میں رہے اور فریق اول اپنی دوسری رکعت پڑھ لے دوسری رکعت کے بعد سلام پھیر لے نماز مکمل کر کے دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ خلف الامام آجائے امام دوسری رکعت ان کو پڑھائے اسکے بعد امام جلسہ کی حالت میں رہے اور فریق ثانی اپنی رہی ہوئی رکعت پڑھ لے اور قعدہ میں بیٹھ کر امام کے ساتھ سلام پھیر لے۔

④ صورت رابعہ یعنی یہی صورت ثالثہ ہے فرق اتنا ہے کہ امام دوسرے فریق کو دوسری رکعت پڑھا کر قعدہ کر کے سلام پھیر لے فریق ثانی کی فراغت کا انتظار نہ کرے بلکہ فریق ثانی خود اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ کر سلام پھیر لے۔

⑤ امام دوفریق بنائے۔ ایک فریق اپنے پیچھے اور ایک دشمن کے مقابلے میں ہو اور ہر دونوں فریق تکبیرِ تحریمہ کے اندر امام کیساتھ شریک ہوں وہ فریق جو دشمن کے مقابلے میں ہے وہ بھی تکبیرِ تحریمہ میں امام کیساتھ شریک ہو اس کے بعد امام فریق خلفہ کو ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت کے بعد یہ فریق اوّل اس فریق کی جگہ چلا جائے جو دشمن کے مقابلے میں ہے پھر وہ فریق جو دشمن کے مقابلے میں ہے وہ فریق آجائے اور اپنی رہی ہوئی پہلی رکعت تنہا پڑھے پھر امام دوسری رکعت پڑھائے پھر یہ قعدہ میں بیٹھ جائیں اب اسی حالت میں فریق اوّل جو دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آجائے اور اپنی باقی رکعت کو پڑھ لے پھر قعدہ میں بیٹھ جائے اور پھر امام دونوں کے ساتھ اکٹھے سلام پھیر لے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

⑥ صورتِ سادسہ یعنی صورت خامسہ ہے صرف فرق یہ ہے کہ پہلا فریق ایک رکعت پڑھنے کے بعد دشمن کے مقابلے میں جائے تو الٹے پاؤں جائے تاکہ قبلہ سے انحراف نہ ہو اور پانچویں صورت میں کوئی قید نہیں کہ انحراف عن القبلہ ہو یا نہ ہو۔

⑦ کہ امام دوفریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں اور ایک امام کے پیچھے۔ جو فریق خلف الامام ہے وہ تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ امام کے ساتھ شامل ہو جائے جب امام پہلی رکعت کا پہلا سجدہ کر لے تو امام جلسہ کی حالت میں رہے اسکے بعد فریق اوّل دوسرا سجدہ خود کر کے دشمن کے مقابلے میں جائے اور دشمن کے مقابلے میں الٹے پاؤں جائے پھر دوسرا فریق آجائے وہ پہلے اپنی رہی ہوئی رکعت پڑھے اور پہلی رکعت کے پہلے سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے پھر امام کھڑا ہو جائے اور یہ فریق دوسرا سجدہ خود کرے پھر یہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوں اور دوسری رکعت میں پہلا فریق بھی آجائے اور رکعت ثانیہ میں شریک ہو جائے اور یہ دوسری رکعت سب کے سب آناً فاناً، انتہائی مختصر پڑھیں (کیونکہ سارے امام کے ساتھ مشغول ہیں) پھر امام دونوں کے ساتھ سلام پھیر لے۔

⑧ کہ امام دوفریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں اور ایک خلف الامام۔ جو خلف الامام ہے اس کو امام پہلی رکعت پڑھائے پھر فریق اول دوسری رکعت پڑھے بغیر دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آجائے اور امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے۔ اسکے بعد امام قعدہ کر کے سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائے پھر فریق اوّل وثانی اپنے اپنے مقام میں اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ لیں۔ فریق ثانی اس جگہ پڑھ لے جہاں جماعت ہوئی ہے اور فریق اوّل وہاں پر پڑھے جہاں وہ موجود ہے، اس صورت ثامنہ میں دونوں فریقوں کی نماز میں فرق یہ ہے کہ دوسرے فریق کی نماز متوالیاً ہے اور پہلے فریق کی نماز وقفہ وقفہ سے ہے۔

⑨ امام دوفریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں اور ایک خلف الامام۔ جو خلف الامام ہے امام اس کو ایک رکعت پڑھائے پھر یہ فریق دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا فریق خلف الامام آجائے۔ امام اس کو دوسری رکعت پڑھائے پھر قعدہ میں بیٹھ کر امام تو سلام پھیر کر فارغ ہو جائے اور فریق ثانی اپنی رہی ہوئی رکعت کو یہیں پورا کر لے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور پھر فریق اوّل جہاں جماعت ہوئی ہے وہاں واپس آ کر اپنی باقی نماز پڑھے۔

⑩ امام دوفریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں ایک خلف الامام جو خلف الامام ہو۔ امام اس کو ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت کے بعد یہ دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آجائے اس کو امام دوسری رکعت پڑھائے اسکے بعد امام سلام پھیر کر فارغ ہو جائے اور یہ فریق دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور پہلا فریق اس جگہ پر آ کر اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ لے، لاحق ہونے کی حیثیت سے اسکے بعد یہ دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا فریق اس جگہ پر آ کر اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ لے مسبوق ہونے کی حیثیت سے۔ یہ صورتِ عاشرہ حدیث عبدالرحمٰن بن سمرہؓ میں بعض اجزا مذکور ہے اور احناف کے ہاں راجح ہے۔

حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حدیث عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ میں فرق یہ ہے کہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں فریق ثانی کا اتمام مقدم ہے اور فریق اوّل کا اتمام موخر ہے اور حدیث عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ میں فریق اوّل کا اتمام مقدم ہے اور فریق ثانی کا اتمام موخر ہے۔

⑪ امام دوفریق بنائے۔ ہر ایک کو ایک ایک رکعت پڑھائے تو امام کی دو ہو جائیں گی اور ہر فریق کی ایک رکعت ہوگی اور ہر فریق اسی رکعت پر اکتفاء کرے دوسری رکعت ملانے کی ضرورت نہیں۔ احناف کے ہاں یہ صورت جائز نہیں ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق کی ایک رکعت ہوئی ہے امام کے ساتھ باقی لم یقضوا یہ راوی کا اپنا فہم ہے اپنے علم کی بناء پر نفی کر رہے ہیں۔

⑫ امام ہر فریق کو دو رکعتیں پڑھائے تو امام کی چار ہو جائیں گی اور ہر فریق کی دو، دو رکعتیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ ظہر کی نمازِ خوف پڑھائی تو ایک فریق کو دو رکعتیں ہوئیں پھر سلام پھیر دیا پھر دوسرا گروہ آیا اس کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ نبی کریم ﷺ کی چار رکعتیں اور فریقین کی دو دو رکعتیں اور حسن بصری رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔

احناف کے ہاں مختار دسویں صورت ہے اور شوافع کے ہاں تفصیل ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ دشمن دو حال سے خالی نہیں، دشمن قبلے کی جانب ہوگا یا قبلے کی جانب نہیں ہوگا۔ اگر قبلے کی جانب ہو تو پھر پہلی صورت ہے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی ترتیب کے مطابق اور اگر دشمن غیر قبلہ میں ہو تو مختار صورت ثالثہ ہے، حنابلہ و مالکیہ کے ہاں مطلقاً تیسری صورت مختار ہے خواہ دشمن قبلے کی جانب ہو یا غیر قبلہ کی جانب ہو۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۴۹۶ تا ج ۲ ص ۵۰۸)

سوال: امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے تو کہا **قال مالك وحديث يزيد بن رومان احبّ ماسمعت الى** اس میں تو صورت ثالثہ کا ذکر ہے نہ کہ صورتِ رابعہ کا۔ جواب: امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مالکیہ کی طرف جو قول منسوب کیا ہے مرجوع عنہ ہے امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کر لیا اور مشہور قول جو ہے وہ صورتِ رابعہ ہے جسکی مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں تصریح ہے (ایضاً ۲:۵۰۳)

⑤ ائمہ کے دلائل:۔ احناف کی ادلہ: ① حدیث عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ بجمیع اجزائہ مستدل ہے۔

② و ③ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو احناف کے مستدلات میں ذکر کیا گیا ہے لیکن جمیع مدعیٰ کے اعتبار سے نہیں بلکہ بعض اجزاء کے لحاظ سے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں فریق اوّل کی رکعتین میں موالات نہیں

0313 3257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہے اس لحاظ سے موافقِ احناف ہے۔ اسی طرح احناف کی دلیل اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما، فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے جو کتاب الآثار للامام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے۔ یہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

شوافع کی دلیل: صورتِ اولیٰ میں کہ جب دشمن قبلے کی جانب ہو حدیث ابی عباس رضی اللہ عنہ الزرقی ہے جو پہلے باب میں ہے اور شوافع کی دلیل جب دشمن غیر قبلہ کی جانب ہو حدیث یزید بن رومان ہے۔

مالکیہ وحنابلہ رحمہم اللہ کی دلیل: حدیث یزید بن رومان ہے مطلقاً، عام ازیں دشمن قبلے کی جانب ہو یا نہ ہو۔

احناف کی اختیار کردہ صورت متعلقہ قواعد بالصلوٰۃ کے موافق ہے۔ قواعدِ صلوٰۃ میں سے ہے کہ کوئی مقتدی امام سے پہلے فارغ نہ ہو اور احناف کی مختار صورت میں کوئی فریق امام سے پہلے فارغ نہیں ہوتا۔ بخلاف باقی ائمہ رضی اللہ عنہم کی جو مختار صورتیں ہیں ان میں سے بعض میں امام سے پہلے فارغ ہونا لازم آتا ہے اور بعض میں تو امام کو انتظار کرنا پڑتا ہے جو قواعدِ متعلقہ بالصلوٰۃ کے خلاف ہے اگرچہ احناف کی مختار صورت میں مشی زیادہ ہے لیکن قواعدِ صلوٰۃ کی خلاف ورزی نہیں بخلاف دیگر ائمہ کی مختارات میں کہ ان میں اگرچہ مشی کم ہے لیکن قواعد صلوٰۃ کی خلاف ورزی ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل.....**عن انس بن مالك انه حدثهم ان شهداء احد لم يغسلوا، ودفنو بدما ئهم، ولم يصل عليهم. عرف الشهيد اصطلاحا ۔ ماهوحكم الشهيد هل يغسل ام لا؟ اذكرمذاهب العلماء وادلتهم على ذلك ماهوحكم الصلوٰة على الشهيد هل يصلى عليه ام لا، اذكربالادلة ورجح الراجح** ۔(ص۹۴۔ج۲۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) شہید کی تعریف (۲) شہید کے غسل کا حکم مع الدلائل (۳) شہید پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم مع الدلائل۔

جواب..... ① شہید کی تعریف:۔ شہید وہ شخص ہے جسے دارالحرب کے کسی کافر نے یا باغیوں نے یا ڈاکوؤں نے مار ڈالا ہو یا میدانِ جنگ سے نعش ملی ہو اور اس پر زخم ہو یا اس کو کسی مسلمان نے ظلماً مار ڈالا ہو اور اس کے عوض خون بہا واجب نہ ہوا ہو بلکہ قصاص ہی واجب ہوا ہو۔

② شہید کے غسل کا حکم مع الدلائل:۔ تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے گا بشرطیکہ اس کی شہادت حالتِ جنابت میں واقع نہ ہوئی ہو۔ دلیل یہی حدیث الباب ہے اور اس مضمون کی احادیث متعدد کتبِ حدیث میں موجود ہیں (چونکہ اتفاقی مسئلہ ہے اس لئے تفصیلی دلائل کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا)۔

اور اگر جنبی ہونے کی حالت میں شہادت واقع ہو تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا۔

دلیل حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے غسل والی روایات ہیں کہ جب جنبی ہونے کی حالت میں انکی شہادت واقع ہوئی تو فرشتوں نے انکو غسل دیا تھا۔

③ شہید پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم مع الدلائل:۔ شہید کی نمازِ جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ جبکہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ کی ایک ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، اہل حجاز کا قول بھی یہی ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے ہے جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداءِ اُحد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

حنفیہ کے دلائل: ① مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **فقد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حمزة حين جاء الناس من القتال.....ثم جئ بحمزة فصلّى عليه** ② سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **أنّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بحمزة وقد مثل به ولم يصلّ على أحد من الشهداء غيره**، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کا اخراج

کیا ہے اور اس روایت کی سند بھی قوی ہے۔ اس روایت میں **ولم یصلّ علی أحد من الشهداء** کا جملہ آیا ہے اسکا مطلب آگے آئے گا ③ صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **أن النبیّ ﷺ خرج یومًا فصلّٰی علٰی أهل أحد صلاته علی المیّت الخ**، یہ آنحضرت ﷺ کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے ④ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی ''مراسیل'' میں حضرت عطاء رحمہ اللہ سے مروی ہے **قال: صلی النبیّ ﷺ قتلٰی أحد** ⑤ سنن نسائی میں شدّاد بن الہاد رضی اللہ عنہ سے ایک قصہ مروی ہے جس میں انہوں نے ایک دیہاتی کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے، اسلام لانے اور غزوہ میں شریک ہوکر شہید ہونے کا ذکر کیا ہے اس میں وہ آگے فرماتے ہیں **ثم کفنه النبیّ ﷺ فی جبة النبیّ ﷺ ثمّ قدّمه فصلّی علیه الخ**، یہ روایت امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے۔

یہ تمام روایات شہید کی نماز جنازہ پر دال ہیں اگر ان میں سے کسی میں ضعف ہو بھی تب بھی کثرتِ روایات سے اسکی تلافی ہوجاتی ہے۔

جہاں تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب کا تعلق ہے جس میں شہدائے اُحد پر نماز کی نفی کی گئی ہے سو جب مذکورہ بالا متعدد روایات سے انکی نمازِ جنازہ کا ثبوت ہوگیا تو اس حدیث کی توجیہ کی جائے گی چنانچہ اسکے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ امکان ذکر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنفسِ نفیس تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اس لئے کہ آپ ﷺ زخمی تھے لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیدیا ہو لہٰذا جن روایات میں شہداءِ اُحد کی نمازِ جنازہ کی نفی ہے وہ اسی پر محمول ہے لیکن اس توجیہ پر تمام روایات منطبق نہیں ہوتیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیثِ باب میں **لم یُصلّ علیهم** سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر مستقلاً و منفرداً نماز نہیں پڑھی بلکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک ساتھ نماز پڑھی، یہ توجیہ احقر کے نزدیک درست اور بہتر ہے اس لئے کہ اس پر مجموعی طور پر روایات منطبق ہوجاتی ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں وصال سے کچھ پہلے دوبارہ شہدائے اُحد پر ''صلاۃ'' کا ذکر ہے اس میں اگرچہ ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس سے محض دعا مراد ہو جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے لیکن ایک قوی امکان یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ان پر باقاعدہ نماز جنازہ پڑھی ہو اور یہ دوسری دفعہ نمازِ جنازہ کا پڑھا جانا شہدائے اُحد کے ساتھ مخصوص ہو۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ غزوۂ اُحد کے وقت نماز جنازہ واجب نہیں تھی بعد میں جب اسکا وجوب ہوا تو آپ ﷺ نے دوبارہ نماز ادا فرمائی۔ (درسِ ترمذی ج۳ ص۳۱۲)

الشق الثانی.....**حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ وَمَنْصُوْرعَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِیْ النَّبِیُّ ﷺ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ اِذَا حَلَفْتَ عَلٰی يَمِيْنٍ فَرَاَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَاْتِ الَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ وَ كَفِّرْ يَمِيْنَكَ . قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ سَمِعْتُ اَحْمَدَ يُرَخِّصُ فِيْهَا الْكَفَّارَةَ قَبْلَ الْحِنْثِ .**

03733533679 maktabazakariyamultan@gmail.com

حَدَّثَنَا يَحْيٰی بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ نَحْوَهٗ قَالَ فَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ ثُمَّ ائْتِ الَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ . قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ اَحَادِيْثُ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ وَعَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فِیْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، رُوِیَ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِیْ بَعْضِ الرِّوَايَةِ الْحِنْثُ قَبْلَ الْكَفَّارَةِ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَايَةِ الْكَفَّارَةُ قَبْلَ الْحِنْثِ . (باب الحنث اذا کان خیرا)

شکّل العبارة و ترجمها . بیّن اقوال الائمة فی التکفیر قبل الحنث و بعده مع بیان سبب وجوب الکفارة . ما هی کفارة الیمین؟ و اذکر مراد ابی داؤد بقوله: قال ابو داؤد فی الموضعین .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ کفارہ قبل الحنث میں ائمہ کے اقوال و کفارہ کا سبب ④ کفارۂ یمین کی وضاحت ⑤ قال ابوداؤد کی غرض و مراد۔

جواب ..... ① عبارت پراعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عبدالرحمٰن بن سمرہ جب تو کسی بات پر قسم کھالے اور بھلائی اس کے خلاف ہو تو اس بھلائی کو اختیار کرلو اور اپنی قسم کا کفارہ دو۔ ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا وہ قسم توڑنے سے قبل کفارہ ادا کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔

(دوسری سند کے ساتھ) حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے اسی طرح مروی ہے اس میں یوں ہے کہ پہلے تو کفارہ ادا کر پھر اس بھلائی کو اختیار کر۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری، عدی بن حاتم اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات جو اس موضوع پر ہیں ان میں سے بعض میں کفارہ قبل الحنث ہے اور بعض میں حنث قبل الکفارہ ہے۔

③ کفارہ قبل الحنث میں ائمہ کے اقوال و کفارہ کا سبب:۔ تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کر دینا جائز ہے، مگر امام شافعیؒ کے ہاں اگر کفارہ کی ادائیگی روزہ کی صورت میں ہو تو قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر کفارہ کی ادائیگی غلام آزاد کرنے یا مستحقین کو کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے کی صورت میں ہو تو پھر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی جائز ہوگی (بالفاظِ دیگر امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ مالیہ میں تقدیم جائز ہے، کفارہ غیر مالیہ میں تقدیم جائز نہیں ہے) امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ باقی جن احادیث سے تقدیمِ کفارہ مفہوم ہوتا ہے ان میں حرف واو محض جمع کیلئے ہے اس سے تقدیم و تاخیر کا مفہوم مراد نہیں ہے اور نہ حقیقتاً وہ احادیث تقدیم و تاخیر پر دلالت کرتی ہیں۔ پس حانث ہونے سے پہلے کفارہ کے ادا کرنے سے کفارہ کی ادائیگی معتبر نہ ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ کفارہ کا سبب حانث ہونا ہے، نہ کہ قسم اٹھانا، لہٰذا جس طرح وقت سے پہلے نماز پڑھنا اور رمضان سے پہلے رمضان کا روزہ رکھنا درست نہیں ہے اسی طرح حانث ہونے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی بھی درست نہ ہوگی۔

④ کفارۂ یمین کی وضاحت:۔ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اگر کسی پر بھی قادر نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھنا ہے، **کما قال اللّٰہ تعالٰی: فکفّارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم اوکسوتهم او تحریر رقبة، فمن لم یجد فصیام ثلٰثة ایّام ذٰلك کفّارة ایمانکم اذا حلفتم۔**

⑤ قال ابوداؤد کی غرض و مراد:۔ پہلے **قال ابو داؤد** میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک قسم میں حانث ہونے سے پہلے بھی کفارہ ادا کرنا جائز ہے۔

دوسرے **قال ابو داؤد** میں اختلافِ روایات کی طرف اشارہ ہے کہ قسم کے کفارہ کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعری، عدی بن حاتم اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایات منقول ہیں اور سب روایات میں اختلاف ہے، ان میں سے ہر صحابی کی بعض روایات میں حانث ہونے سے پہلے کفارہ کا ذکر ہے اور بعض روایات میں کفارہ سے پہلے حانث ہونے کا ذکر ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۸ھ

الشق الاوّل ..... **اکتب ترجمة جامعة حول الامام ابی داؤد بحیث تکون الترجمة حاویة علی اسمه ونسبه ونسبته وشهرته ومولده ووفاته وشیوخه وتلامیذه ومصنفاته ومزایا کتابه وخصائصه ودرجته بین الصحاح الستة۔**

جواب ..... امام ابوداؤدؒ کے حالات اور سنن ابوداؤد کی خصوصیات:۔ آپ کا نام سلیمان، والد کا نام اشعث، کنیت ابوداؤد ہے، پورا نسب اس طرح ہے سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی۔

آپ تیسری صدی ہجری کے شروع ۲۰۲ھ میں سجستان میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے لئے مختلف ممالک و بلاد مثلاً مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان، بغداد کا سفر کیا۔ بغداد میں بار بار تشریف آوری ہوئی اور وہیں سکونت اختیار فرمائی اور اپنی اس کتاب کی روایت

بھی وہیں کی۔ اخیر زمانۂ عمر میں چار سال قبل ۲۷۱ھ میں امیرِ بصرہ کی درخواست پر بغداد سے بصرہ منتقل ہوگئے تھے پھر ۱۶ شوال ۲۷۵ھ بروز جمعہ کو انتقال فرمایا اور عباس بن عبدالواحد نے جنازہ پڑھایا اور حضرت سفیان ثوریؒ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔

آپ نے امام بخاریؒ وامام مسلم کے شیوخ سے حدیث حاصل کی۔ حافظ ابن حجرؒ نے آپ کے شیوخ کی تعداد ۳۰۰ کے قریب بتائی ہے۔ اربابِ صحاح ستہ میں سے آپ کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔ آپ کے شیوخ میں امام احمد بن حنبلؒ بھی ہیں حتیٰ کہ خود امام احمد بن حنبلؒ نے بھی امام ابوداؤدؒ سے حدیثِ عتیرہ سنی ہے۔ امام ابوداؤدؒ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہوگی مگر اُن میں مشہور شخصیات جو امامت کے درجہ کو پہنچیں اُن میں امام ترمذیؒ وامام نسائیؒ شامل ہیں۔

امام ابوداؤدؒ کے فقہی مسلک میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ آپ اصول وقواعدِ کلیہ میں امام احمدؒ کے متبع ہیں اور فروع میں ان کے تابع نہیں ہیں بلکہ امام احمدؒ کے وضع کردہ اصول کو سامنے رکھ کر خود استنباط کرتے ہیں خواہ وہ استنباط امام احمدؒ کے مسلک کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ اور ایسے مجتہد کو مجتہدِ منتسب کہا جاتا ہے اور جو فقیہ اصول وقواعد میں بھی کسی دوسرے امام کا ماتحت نہ ہو اُسے مجتہدِ مطلق کہا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ بعض نے آپ کو شافعی اور بعض نے حنبلی شمار کیا ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الحدیثؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ امام ابوداؤدؒ حنبلی ہیں۔ امام ابوداؤدؒ کی فنِ حدیث میں اس سنن کے علاوہ اور بھی تصنیفات ہیں: ① مراسیلِ ابی داؤد ② الردعلی القدریہ ③ الناسخ والمنسوخ ④ ماتفرد بہ اہل الامصار ⑤ فضائل الانصار ⑥ مسندِ مالک بن انس ⑦ المسائل۔

امام ابوداؤدؒ نے بعض عادات کو اپنی سنن میں خصوصیت کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ① قال ابوداؤد۔ اس کی غرض کبھی اختلافِ رواۃ فی الاسناد کو بیان کرنا ہوتا ہے اور کبھی اختلافِ رواۃ فی الفاظ الحدیث کو بیان کرتے ہیں اور کبھی صرف تعدد طرق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ② بعض مرتبہ کسی حدیث کی سند کو بیان کرتے ہوئے دوسری سند بھی ذکر کردیتے ہیں اور ہر سند کے جو الفاظ مروی ہوتے ہیں اُن کو الگ الگ ممتاز کردیتے ہیں۔ ③ بسا اوقات ترجمۃ الباب کے ذریعے جمع بین الروایات اور دفعِ تعارض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ④ اس کتاب میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی گئی جو امام ابوداؤدؒ کے نزدیک متروک ہو۔ ⑤ اگر کسی حدیث کی دو سندیں ہیں اُن میں سے ایک کے راوی مقدم ہیں یعنی وہ سند عالی اور کم وسائط والی ہے اور دوسری سند کے راوی احفظ ہیں تو سندِ عالی کو اختیار کرتے ہیں۔ ⑥ ترجمۃ الباب کو ثابت کرنے کے لئے ایک ہی روایت ذکر کرتے ہیں بشرطیکہ اُس سے پورا ترجمہ ثابت ہورہا ہو اگر کسی باب میں زائد احادیث ہیں تو وہ کسی خاص فائدہ کے تحت ہوں گی۔ ⑦ بسا اوقات طویل حدیث کا اختصار کیا جاتا ہے اور اس حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جاتا ہے جو ترجمۃ الباب کے مناسب ومتعلق ہو اس لئے کہ پوری حدیث ذکر کرنے میں جو جزو مقصود ہے وہ بعض لوگوں کے حق میں مخفی رہ سکتا ہے۔ ⑧ امام ابوداؤدؒ نے اپنی ان چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث میں سے کیا ہے۔ ⑨ سنن کے طرز پر یہ پہلی کتاب ہے اس سے پہلے حدیث کی جو تصانیف تھیں وہ جامع اور مسند تھیں۔ ⑩ احادیثِ احکام پر ایسی جامع کتاب پہلے نہیں لکھی گئی اور فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے وہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے چنانچہ ابن الاعرابی وامام غزالیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ کتبِ احادیث میں سے صرف یہ ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے۔ ⑪ اس کتاب کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں فرمایا جو میری سنت کے ساتھ تمسک یعنی اتباع کرنا چاہے اسے ابوداؤد پڑھنی چاہیے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ خواب ابوالعلی الوادریؒ نے دیکھا۔

عندالجمہور اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح بخاری شریف ہے، اُس کے بعد دوسرا مرتبہ مسلم شریف کا ہے پھر عندالجمہور تیسرا مرتبہ ابوداؤد کا ہے جبکہ ابن سید النساء کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد اور مسلم دونوں کا ایک ہی مرتبہ ہے مگر یہ جمہور کے خلاف ہے۔ اسکے بعد چوتھا مرتبہ ترمذی شریف کا ہے مگر بہت سے حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ نسائی شریف کا مرتبہ ترمذی سے اونچا ہے اور شیخ الحدیثؒ کی رائے اور قرینِ قیاس بھی یہی ہے۔ اور علامہ شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ نسائی شریف کا مرتبہ ابوداؤد سے بھی اونچا ہے۔ (الدرالمنضود)

0333 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

سوداء فزعمت انها ارضعتنا جميعا فاتيت النبی ﷺ فذكرت ذلك له، فاعرض عنی فقلت يارسول الله، انها لكاذبة ،قال ومايدريك وقد قالت ماقالت دعها عنك۔ (ص۱۵۱۔ج۲۔رحمانیہ)

ترجم الحديث المبارك ۔ هل يثبت الرضاع بشهادة امرأة واحدة؟انكر اختلاف العلماء وادلتهم على ماذهبوا اليه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت(۳)ائمہ کے دلائل۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امِ یحییٰ بنتِ ابی اھاب سے نکاح کیا تو ہمارے پاس ایک سیاہ رنگ کی عورت آئی اور اس نے گمان ظاہر کیا (کہا) کہ اس نے ہم دونوں (میاں بیوی) کو دودھ پلایا ہے تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے اعراض کیا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک وہ جھوٹی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیری کیا رائے ہے؟ (یعنی تو اس منکوحہ کو کیسے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے) حالانکہ کہی گئی ہے وہ بات جو کہی گئی ہے (یعنی وہ تیری رضاعی بہن ہے) پس تو اپنی منکوحہ کو چھوڑ دے۔

② ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت:۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر تنہاء مرضعہ شہادت دے تو صرف اس کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ امام احمد، امام اسحاق، امام اوزاعی اور امام زہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مرضعہ کی شہادت تنہاء معتبر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام اوزاعی کا ایک قول یہ ہے کہ اگر مرضعہ قبل التزوج شہادت دے تو معتبر ہے ورنہ معتبر نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے اثبات کیلئے دو عورتوں کی شہادت معتبر ہے، کسی مرد کا ہونا ضروری نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے باب میں کم از کم چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے، یہ امام شعبی اور عطاء رحمہما اللہ سے بھی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے اثبات کے لئے بھی نصاب شہادت ضروری ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اس کے بغیر رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ (کشف الباری ج۳ص۵۱۹)

③ ائمہ کے دلائل:۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حدیثِ باب سے استدلال کیا ہے کہ یہاں صرف ایک مرضعہ کی شہادت ہے اور اس بناء پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عقبہ کو فرمایا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ حنفیہ اس باب میں آیت کریمہ **واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان** سے استدلال کرتے ہیں۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے سو جمہور اس کو تنزہ اور توَرّع واحتیاط پر محمول کرتے ہیں۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ تنہا مرضعہ کی شہادت سے تفریق کرانا عام قانون نہیں اور نہ شریعت حرمت ثابت کرتی ہے، ہاں اس سے ایک قسم کا شک اور شبہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ شبہ پیدا ہو جانے کے بعد اس بیوی سے مخالطت میں انبساط نہ ہوگا، چونکہ عمر بھر کا معاملہ ہے اس لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انقباض رہے گا جس کا امورِ معاشرت وتربیتِ اولاد پر برا اثر پڑنا بھی ظاہر ہے، بناء بریں **الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشبهات** اور **دع مايريبك الى مالا يريبك** کا لحاظ کر کے تقویٰ وورع کی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے **كيف وقد قيل** اور **دعها عنك** فرمایا۔ محقق ابن الہمام اور علامہ سرخسی رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے شیخ خیر الدین رملی رحمہ اللہ کے حاشیۂ البحر الرائق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ تنہاء ایک عورت کی شہادت دیانۃً معتبر ہے، قضاءً معتبر نہیں۔ قضاء اور دیانت میں فرق یہ ہے کہ جب تک معاملہ عدالت میں نہ پہنچے تب تک دیانت ہی کا اعتبار ہوگا اور مفتی سے اگر اس معاملے کے متعلق استفتاء کیا جائے تو مفتی دیانت کے مطابق ہی فتویٰ دے گا، ہاں محکمۂ عدالت میں پہنچنے کے بعد قاضی اس کا اعتبار نہیں کرے گا، کیونکہ فیصلۂ قضاء تنہاء مرضعہ کی شہادت پر نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت ﷺ میں دونوں حیثیتیں جمع تھیں، آپ مفتی بھی تھے اور قاضی بھی، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ فیصلہ آپ نے کس حیثیت سے فرمایا۔ اگر قضاء کی حیثیت سے کیا ہے تو بے شک جواب دہی کی ضرورت ہوگی مگر قرائن اس کے مقتضی ہیں کہ آپ نے بحیثیت قضاء

0313 6267913 maktabazakariyamultan@gmail.com

یہ فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ بحیثیت افتاء کے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ اگر قضاءً یہ فیصلہ ہوتا تو آپ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے خبر دینے کے بعد اعراض نہ فرماتے بلکہ فوراً فیصلہ فرماتے، جبکہ روایات میں ہے کہ آپ نے خبر سننے کے بعد اعراض فرمایا جب انہوں نے دوبارہ بلکہ بعض روایات کے مطابق تیسری اور چوتھی مرتبہ باصرار کہا تو آپ نے فرمایا **کیف وقد قیل**۔

اسی طرح اگر یہ فیصلہ قضاءً ہوتا تو آپ شاہد کو باقاعدہ مجلس قضاء میں طلب فرماتے اور پھر حکم نافذ فرماتے، لیکن یہاں کچھ بھی نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ علامہ خیر الدین رملی کے بقول یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاءً نہیں بلکہ دیانۃً فیصلہ فرمایا ہے، گویا کہ کسی صورت میں قضاءً تو نہیں دیانۃً تفریق ضروری ہے۔

جبکہ محقق ابن الہمام اور امام سرخسی کے بقول یہاں دیانۃً بھی تفریق ضروری نہیں، محض تورّعاً اور تنزّھا تفریق کا حکم دیا گیا ہے۔

پھر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیثِ باب میں شہادت دینے والی عورت کی شہادت کسی کے نزدیک معتبر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **تزوجت بنت أبی اهاب، فجاء ت امرأة سوداء تستطعمنا فأبينا أن نطعمها، فجاء ت من الغد تشهد على الرضاع**..... ۔امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ومثل هذه الشهادة تكون عن ضغن ، فلاتتم الحجة بها**۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو جدا کر دیا "فارق" کے اندر یہ احتمال بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کرادی ہو، یہ احتمال بھی ہے کہ خود حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے طلاق دے کر جدا کر دیا ہو۔ (ایضاً)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٢٩ھ

الشق الاوّل.....**عن ابن عباس قال:اتى النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل وقصته راحلته فمات وهو محرم، فقال كفنوه فی ثوبيه واغسلوه بماء وسدر ولاتخمروا راسه فان الله يبعثه يوم القيامة يلبی قال ابوداؤد سمعت احمد بن حنبل يقول فی هٰذاالحديث خمس سنن**۔(ص١٠٧۔ج٢۔رحمانیہ)

ترجم الحديث الشريف ۔ اذكرالسنن الخمس التی استنبطها احمد من هذا الحديث ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (١) حدیث کا ترجمہ (٢) حدیث سے مستنبط سننِ خمسہ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے آدمی کو لایا گیا جس کو اسکی سواری نے گردن توڑ کر مار ڈالا تھا اور وہ محرم تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اس کے کپڑوں میں ہی کفن دو اور اسکو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کا سر نہ ڈھانپو، پس بیشک اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تلبیہ کہنے کی حالت میں ہی اٹھائیں گے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اس حدیث میں پانچ سنتوں کا ذکر ہے۔

② حدیث سے مستنبط سننِ خمسہ:۔ ① دو کپڑوں میں کفن دو ② بیری کے پتے پانی میں ڈال کر غسل دو ③ خوشبو نہ لگاؤ ④ سر نہ ڈھانپو ⑤ پورے مال سے کفن دو۔

الشق الثانی.....**عن جابِر قال قال رسول اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِن عِشتُ اِن شاء اللّٰه انهی امتِی ان يسموا نافِعا و افلح وبركة ۔ عن ابِی هريرة قال قال رسول اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تسموا بِاسمِی ولا تكتنوا بِكنيتِی۔**

ما حكم تسمية نافع و افلح و بركة،هل هذه اسماء قبيحة؟ ما وجه النهی عنها؟ اذكر اقوال الائمة فی حكم التسمية باسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و التكنی بكنيته مع دلائلهم ۔ اذكر وجوه اعراب "ولا تكنوه" ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① نافع، افلح و برکہ نام رکھنے کا حکم ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم والا اسم اور کنیت رکھنے کا حکم مع الدلائل ③ **لاتکنوہ** کی وجوہِ اعراب۔

0213 6357613 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① **نافع، افلح وبرکہ نام رکھنے کا حکم:۔** ان ناموں سے نہی شرعی نہیں بلکہ ارشادی ہے یعنی شرعاً یہ نام ناجائز نہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھے جائیں، کیونکہ ان ناموں میں ایک طرح سے بدفالی کا پہلو ہے، سائل پوچھے گا کہ گھر میں نافع، افلح و برکت (نفع، کامیابی و برکت) ہے؟ تو جواب ملے گا کہ نہیں۔ تو اس طرح گھر میں نفع کامیابی و برکت نہ ہونے کی بدفالی کا پہلو موجود ہے۔ باقی یہ نام بالکل ممنوع نہیں ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کثرت سے یہ نام رکھنا ثابت ہیں۔ (تحفۃ الالمعی ۶:۵۸۵)

② **آپ ﷺ والا اسم اور کنیت رکھنے کا حکم مع الدلائل:۔** جمہور علماء کے نزدیک محمد نام رکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے۔ بعض حضرات عدمِ جواز کے قائل ہیں اسلئے کہ نام کے ادب کے تقاضے پورے کرنا ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔

آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ یہ کنیت رکھنا درست ہے یا نہیں اس میں مختلف اقوال ہیں۔

① اہلِ ظواہر کے نزدیک ابوالقاسم کنیت رکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

② عند البعض ابوالقاسم کنیت رکھنا مکروہ تنزیہی اور خلافِ ادب ہے حرام نہیں ہے۔

③ جمہور کے نزدیک یہ نہی وممانعت آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی اس کی ایک وجہ التباس کا خطرہ تھا، حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے ابوالقاسم کہہ کر پکارا تو آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر! ﷺ میں نے آپ کو نہیں بلایا، بلکہ میں نے فلاں شخص کو بلایا ہے تو آپ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم میرے نام کے ساتھ اپنا نام محمد تو رکھ سکتے ہو مگر میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت ابوالقاسم نہیں رکھ سکتے، اس سے معلوم ہوا کہ ابوالقاسم کنیت رکھنے سے ممانعت التباس کی وجہ سے تھی مگر جب آپ ﷺ کا وصال ہوگیا تو التباس کا اندیشہ ختم ہوگیا اس وجہ سے اب بلاتردد ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ودرست ہے۔ دوسری وجہ مسلم کی روایت میں یہ آئی ہے "**لا تکنوا بکنیتی فانما بعثت قاسمًا اقسم بینکم**" یعنی میں تمہارے درمیان علم وبھلائی واموالِ غنیمت تقسیم کرتا ہوں اس لئے میں ابوالقاسم ہوں۔

پہلی وجہ تو آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی، لہٰذا اب کنیت ابوالقاسم رکھنا جائز ہے۔ اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے "**قلت یا رسول اللہ ان ولدلی من بعدك ولد اسمیه باسمك واکنیه بکنیتك**" **قال نعم** (اے اللہ کے رسول! اگر آپ ﷺ کے بعد میرا بیٹا پیدا ہو تو کیا میں آپ کا نام وکنیت دونوں اس کے لئے رکھ سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی ہاں)۔ دوسری وجہ عام ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت اب بھی نہیں رکھنی چاہئے ④ آپ ﷺ کا نام وکنیت دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔ (کشف الباری کتاب الادب ۶۰۶)

احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ ابتداءً آپ ﷺ نے ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع فرمایا تھا، پھر بعد میں ازخود اس کی اجازت بھی عنایت فرمادی۔ گویا ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں اور جواز واباحت والی احادیث ان کے لئے ناسخ ہیں۔

③ **لاتکنوہ کی وجوہ اعراب:۔** اس لفظ کو متعدد طریقوں سے پڑھا گیا ہے ① **لَاتَکَنُّوْا:** (تاء وکاف دونوں کا فتحہ اور نون مشدد) باب تفعل سے ہے، ایک تاء کو حذف کردیا گیا ہے۔ ② **لَاتَکْنُوْا:** (تاء کا فتحہ اور کاف کا سکون) کنیت سے ماخوذ ہے۔ ③ **لَاتُکَنُّوْا:** (تاء کا ضمہ، کاف کا فتحہ اور نون مشدد) باب تفعیل سے ہے۔ ④ **لَاتُکْنُوْا:** (دونوں تاء کا فتحہ اور کاف ساکن) باب افتعال سے ہے۔ (حاشیہ)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۹ھ

الشق الاوّل..... **عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال ایما رجل افلس فادرك الرجل متاعه بعینه فهو احق به من غیره۔** (ص ۱۴۱۔ ج ۲۔ رحمانیہ) **ترجم الحدیث ترجمة واضحة۔ ماهو اختلاف العلماء فی المسالة المذکورة فی الحدیث؟ اذکر ادلتهم علی ما ذهبوا الیه۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مفلس کے پاس اپنا مال پانے کا حکم (۳) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مفلس

ہوجائے اور دوسرا شخص بعینہٖ اپنا سامان اسکے پاس پائے تو وہ دوسرے لوگوں کی بنسبت اپنی چیز کا زیادہ حقدار ہے۔

❷ مفلس کے پاس اپنا مال پانے کا حکم:۔ اگر کسی کے دیوالیہ ہونے کا قاضی اعلان کردے اور کوئی شخص اپنا فروخت کیا ہوا سامان دیوالیہ کے پاس بحالہ پائے تو اس کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک شخص نے زید کو بکری فروخت کی، ابھی قیمت وصول نہیں ہوئی تھی کہ زید دیوالیہ قرار دیدیا گیا اور وہ بکری اسکے پاس بحالہ موجود ہے تو اسکا کیا حکم ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع وہ بکری لے لیگا، اس کو فروخت نہیں کیا جائیگا اور حنفیہ کے نزدیک اس بکری کو بھی فروخت کیا جائیگا اور بائع قرض خواہوں کی صف میں کھڑا ہوگا اور حصہ رسد پائے گا۔

❸ ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو آدمی دیوالیہ قرار دیدیا جائے اور کوئی شخص اپنا سامان اسکے پاس بحالہ پائے تو وہ اس سامان کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہے'' اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''فروخت کیا ہوا مال اس حدیث میں مراد نہیں کیونکہ وہ بائع کا مال نہیں رہا، وہ مشتری کا مال ہے بلکہ اس حدیث میں مراد امانتیں، عاریتیں اور مغصوبہ مال ہیں۔ یعنی اگر کسی نے دیوالیہ کے پاس کوئی چیز امانت رکھی یا عاریت دی یا کسی سے غصب کی اور وہ اس نے خرد برد نہیں کی بلکہ بحالہ موجود ہے تو وہ چیز فروخت نہیں کی جائے گی بلکہ مالک کو لوٹا دی جائے گی۔ (تحفۃ الالمعی ۴:۱۸۷)

حنفیہ کی پہلی دلیل: مسندِ احمد کی روایت ہے **من سرق له متاعه ووجده عنده مفلس بعينه فهو احق به من غيره** یعنی اگر کسی کا مال چوری ہوا اور بعینہٖ وہ مال مفلس کے پاس مل گیا تو یہ شخص دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے۔

دوسری دلیل: اسی حدیثِ باب میں ''بعینہٖ'' کا لفظ ہے۔ اس سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں بیع نہیں ہوئی اس لئے کہ بیع سے ملک بدل جاتی ہے اور تبدلِ ملک سے تبدلِ عین ہوجاتا ہے۔ (تقریر ترمذی)

الشق الثانی.....عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ: اُمِرْنَا اَنْ نَّسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَيْنِ وَلَانُضَحِّيَ بِعَوْرَآءَ وَلَامُقَابَلَةٍ وَلَامُدَابَرَةٍ وَلَا خَرْقَاءَ وَلَاشَرْقَاءَ ۔(ص۳۹۔ج۲۔رحمانیہ) **ماهى العيوب التى تمنع الاجزاء فى الاضاحى۔ اشرح الكلمات المخطوطة،وشكل الحديث المذكورثم ترجمه الى الاردية۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) وہ عیوب جن کی قربانی میں ممانعت ہے (۲) کلماتِ مخطوطہ کی تشریح (۳) حدیث پر اعراب (۴) حدیث کا ترجمہ۔

جواب.....❶ وہ عیوب جن کی قربانی میں ممانعت ہے:۔ قربانی کے جانور میں جس عیب کی وجہ سے متعلقہ عضو کی افادیت ومنفعت میں ایک ثلث (تہائی) کی کمی واقع ہوجائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (تقریر ترمذی ج۲ص۱۵۳)

مثلاً چوٹ سے آنکھ کی ایک ثلث بینائی چلی گئی کہ پہلے وہ جانور تیس فٹ کے فاصلہ سے چارہ وغیرہ کی پہچان کرلیتا تھا اور اب چوٹ کے بعد بیس فٹ کے فاصلہ سے چارہ کی پہچان نہیں کرتا تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

❷ کلماتِ مخطوطہ کی تشریح:۔ "مقابلة" وہ جانور جس کا کان آگے کی جانب سے کٹا ہوا ہو۔

"مدابرة" وہ جانور جسکا کان پیچھے کی جانب سے کٹا ہوا ہو۔ "شرقاء" وہ جانور جس کا کان کسی جانب سے لمبائی میں کٹا ہوا ہو۔

"خرقاء" وہ جانور جس کا کان کسی جانب سے گولائی میں پھٹا یا کٹا ہوا ہو۔

❸ حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا۔**

❹ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں اور ہم ایک آنکھ والے جانور کی قربانی نہ کریں، اسی طرح ہم مقابلہ، مدابرہ، خرقاء اور شرقاء کی بھی قربانی نہ کریں۔

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٢٩ھ

الشق الاوّل.....**عن ابى سعيد الخدرى قال كُنَّا نُخرِجُ اِذ كان فِينا رسول اللّٰهِ ﷺ زكاة الفِطرِ عن كل صغِير وكبير حرّ او مملوك صاعا مِن طعام او صاعا مِن اقِط او صاعا مِن شعِير او صاعا مِن تمر او**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

صاعا مِن زبِیب فلم نزل نخرِجه حتی قدِم معاوِیة حاجًّا او معتمِرا فکلّم الناس علی المِنبرِ فکان فِیما کلّم بِهِ الناسَ ان قال اِنّی اری انّ مُدّینِ مِن سمراءِ الشامِ تعدِل صاعا مِن تمر فاخذ الناسُ بِذٰلِك فقال ابو سعِید فامّا انا فلا ازال اخرِجه ابدا ما عِشتُ ۔ قال ابو داؤد رواه ابن علیّة وعبدة وغیرِهما عن ابنِ اِسحٰق عن عبدِ اللّٰهِ..... عن ابِی سعِید بِمعناه وذکر رجل واحِد فِیهِ عن ابنِ علیّة "او صاعا من حِنطة" ولیس بِمحفوظ ۔ (باب کم یؤدّی فی صدقة الفطر)

ترجم الحدیث ۔ بیّن مقدار صدقة الفطر فی ضوء اقوال الائمة مع توضیح حدیث معاویة و قول ابی سعید ۔ اذکر غرض ابی داؤد من قوله: قال ابو داؤد رواه ابن علیّة و عبدة وغیرهما عن ابن اسحاق عن عبد اللّٰه.... عن ابی سعید بمعناه و ذکر رجل واحد فیه عن ابن علیّة "اوصاع حنطة" ولیس بمحفوظ ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② صدقۂ فطر کی مقدار میں ائمہ کے اقوال ③ حدیثِ معاویہؓ وقولِ ابوسعید کی وضاحت ④ قال ابوداؤد کی غرض ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عہدِ رسالت میں ہم لوگ صدقہ فطر ہر چھوٹے بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے اناج یا پنیر یا جو یا کھجور یا کشمش کا ایک صاع دیتے تھے اور بعد میں بھی ہم اسی طرح دیتے رہے جب حضرت معاویہؓ حج یا عمرہ کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے منبر پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میری رائے میں دو مُد (نصف صاع) گیہوں جو شام سے آتے ہیں ایک صاع کھجور کے برابر ہیں پس لوگوں نے اسی کو اختیار کر لیا لیکن میں تو زندگی بھر ایک صاع ہی دیتا رہوں گا۔ ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ اس کو ابن علیہ اور عبدہ وغیرہ نے بطریق ابن اسحاق بروایت عبداللہ..... حضرت ابوسعیدؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے اس میں صرف ایک شخص نے **اوصاعا من حنطة** ذکر کیا ہے جو غیر محفوظ ہے۔

② صدقۂ فطر کی مقدار میں ائمہ کے اقوال:۔ صدقۂ فطر کی مقدار حدیث میں مذکور تمام اشیاء میں جمہور وائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ایک صاع ہے، صرف حنطہ میں حنفیہ کا جمہور سے اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک حنطہ کی مقدار نصف صاع ہے۔ ابن المنذر شافعی، سفیانِ ثوری، ابن المبارکؒ کا مذہب اور حافظ ابنِ قیم وابنِ تیمیہؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (الدر المنضود)

(نوٹ): طرفینؒ وائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک صاع کی مقدار آٹھ عراقی رِطل ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانچ رِطل مکمل اور چھٹے رِطل کی ایک تہائی ہے۔ ایک رطل کی مقدار ۳۹۸ گرام اور ۳۴ ملی گرام ہے۔ ایک مُد کی مقدار دو رطل ہے۔ (التکمیل الضروری)

③ حدیثِ معاویہؓ وقولِ ابوسعید کی وضاحت:۔ عرب میں گندم بہت کم یا ناپید تھی، گندم عموماً باہر سے آتی تھی، اسلئے مہنگی وگراں تھی، تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میری رائے میں دو مُد (نصف صاع) گیہوں جو شام سے آتے ہیں ایک صاع کھجور کے برابر ہیں یعنی نصف صاع گندم سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔

0313 6357613, maktabazakariyamultan@gmail.com

حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ میں جیسے آج سے قبل ایک صاع دیتا رہا ہوں میں زندگی بھر ایک صاع ہی دیتا رہوں گا۔ انہوں نے یہ اسلئے فرمایا کہ انہوں نے یہ گندم کی مقدار کو حضرت معاویہؓ کی رائے سمجھا، حالانکہ روایات کے مطابق گندم میں نصف صاع کی مقدار آنحضرت e کی طرف سے ہی مقرر کردہ ہے، مگر ان کو شاید اس کا علم نہ تھا۔ (تحفۃ الالمعی، درس ترمذی، الدر المنضود)

④ قال ابوداؤد کی غرض:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی مذکورہ حدیث کے ایک طریق میں **اوصاعا من حنطة** کا ذکر آیا ہے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہم ہے اور غیر محفوظ ہے، کیونکہ ابوسعید خدریؓ کی حدیث کے صحیح طُرق میں حنطہ اور اسکی مقدار کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ (ایضا)

الشق الثانی.....عن ابن عمر أن رسول اللّٰه ﷺ أسهم لرجل ولفرسه ثلاثة أسهم سهما له وسهمین لفرسه۔

ترجم الحدیث الشریف ۔ اذکر اختلاف العلماء فی المسألة المذکورة فی هذا الحدیث ۔ اذکر

دلائل العلماء وخاصة دلائل الإمام أبی حنیفة مع الجواب عن أدلة خصمه۔(ص۲۷۔ج۲۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② سہمِ رجل وفرس میں اختلاف ③ ائمہ کے دلائل وجوابات۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی اور اس کے گھوڑے کیلئے تین حصے مقرر فرمائے، ایک حصہ آدمی کیلئے اور دو حصے گھوڑے کیلئے۔

② سہمِ رجل وفرس میں اختلاف:۔ راجل کے لئے بالاتفاق ایک حصہ ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ فارس کے حصہ میں اختلاف ہے: امام مالک، امام شافعی، امام احمد، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، ابن سیرین، ثوری، لیث بن سعد، اسحاق، ابوثور، اوزاعی، ابنِ حزم ظاہری اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک راجل (سوار) کیلئے تین حصے ہونگے ایک حصہ سوار کیلئے اور دو حصے گھوڑے کیلئے ہونگے۔ حضرت عمر، علی بن ابی طالب، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم، امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمہم اللہ کے نزدیک سوار کے لئے دو حصے ہوں گے ایک سوار کے لئے اور دوسرا گھوڑے کے لئے۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے۔

امام ابوحنیفہ کے دلائل: ① **عن ابن عمر ان رسول ﷺ جعل للفارس سهمين ولصاحبه سهمًا**(بخاری)

② **عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان يقسم للفارس سهمين وللراجل سهما۔**(مصنف ابن ابی شیبہ)

③ غزوۂ خیبر کے مالِ غنیمت کی تقسیم میں کُل مال کے اٹھارہ سو حصے بنائے گئے لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی، بارہ سو پیدل اور تین سو سوار تھے، پیدل چلنے والوں کو ایک ایک حصہ اور سواروں کو دو دو حصے ملے اس طرح اٹھارہ سو حصوں میں وہ مال تقسیم ہوا۔(ابوداؤد)

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے کا واقعہ ہو جو خیبر کی تقسیم سے منسوخ ہو گیا۔

نیز قانون وضابطہ تو یہی ہے جو خیبر میں ہوا مگر کبھی آپ ﷺ بطور نفل استحقاق سے زیادہ بھی دے دیتے تھے اور یہ تقسیم بطور نفل تھی۔

نیز مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بسا اوقات عربی کتابت میں الف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی اسی طرح ہوا ہے اصل میں **للفارس سهمين** تھا تو الف حذف کر کے **للفرس سهمين** ذکر کر دیا گیا۔

نیز اگر فرس کے لئے دو حصے ہوں تو حیوان کی انسان پر فضیلت لازم آئے گی کہ انسان کے لئے ایک حصہ اور فرس کے لئے دو حصے ہیں لہٰذا مذہب حنفیہ راجح اور موافقِ قیاس ہے۔(کشف الباری جہاد ج۱ص۴۲۱، المسائل والدلائل ص۵۷۲)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٣٠ھ

الشق الاوّل.....**سمعت جابر بن عبدالله يقول: قربت للنبی ﷺ خبزًا ولحما فأكل، ثم دعا بوضوء فتوضأ ثم صلى الظهر، ثم دعا بفضل طعامه فأكل ثم قام الى الصلاة ولم يتوضأ، وعن جابر قال: كان آخر الأمرين من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما غيرت النار، قال أبوداؤد: هذا اختصار من الحديث الأول۔**

ترجم الحديثين الشريفين۔ اذكر اختلاف الصحابة والتابعين ومن بعدهم فی الوضوء مما مسته النار وتركه منه مع ذكر الأدلة لجميعهم۔ ماهو موقف الجمهور تجاه الأحاديث التی تخالفهم۔ اشرح قوله أبی داؤد شرحًا واضحًا بينًا مع ذكر مذهب أبی داؤد فی هذه المسألة۔(ص۳۷۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) **وضو مما مست النار** میں اختلاف مع الدلائل (۳) جمہور کی مخالف احادیث کا جواب (۴) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روٹی اور گوشت پیش کیا، پس آپ ﷺ نے اس سے (کچھ) کھایا پھر وضوء کا پانی منگوایا

اور وضو کیا، پھر ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ نے بچا ہوا کھانا منگوایا اور کھایا پھر نماز کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل ان دونوں اعمال میں سے ترک الوضوء مما غیرت النار تھا، امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلی حدیث کا اختصار ہے۔

② **وضو مما مست النار** میں اختلاف مع الدلائل:۔ جو چیز آگ سے پک کر متغیر ہو چکی ہو اس کا کھانا ناقضِ وضو ہے یا نہیں، اس کے کھانے کے بعد نماز کیلئے وضو واجب ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں اختلاف کے دو دور رہے ہیں۔

دورِ اوّل کا اختلاف: دور اوّل میں صحابہ کے درمیان اس سلسلہ میں دو جماعتیں ہو چکی تھیں۔ ① حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت انس، ابوطلحہ، زید بن ثابت، حضرت عائشہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہم وضوء کے قائل تھے ② حضرات خلفاء اربعہ، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، حضرت ام سلمہ، ابوسعید خدری، ابورافع، سوید بن نعمان، عمر بن امیہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نقضِ وضو کے منکر تھے، بعد میں یہ اختلاف ختم ہو گیا تھا اور سب صحابہ وضو کے عدمِ وجوب پر متفق ہو گئے۔

دورِ ثانی کا اختلاف: دور ثانی میں بھی دو جماعتیں ہو گئی ہیں۔ ① حضرت امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، ابن المنذر، ابن خزیمہ، ابوقلابہ رحمہم اللہ کے نزدیک آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا۔ بعض لوگوں نے امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک آگ سے پکی ہوئی چیز ناقضِ وضو نہیں ہے نیز اس پر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی ہے جیسا کہ اوجز المسالک (ص ۵۶ ج ۱) میں نقل فرمایا ہے۔

قائلینِ وجوب وضو کی دلیل: ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کے متعلق پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کرنا منقول ہے اور اس مضمون کی حدیث طحاوی میں سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اٹھارہ سندوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے، معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قائلینِ عدمِ وجوبِ وضو کی پہلی دلیل: وہ حدیث ہے جسمیں آپ ﷺ کا پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہ کرنا ثابت ہے اور اس مضمون کی حدیث بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پچیس سندوں کیساتھ طحاوی میں منقول ہے پس معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز ناقضِ وضو نہیں ہے۔

دوسری دلیل: آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، ابوہریرہ اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم) کا عمل اور فتویٰ ہے کہ پکی ہوئی چیز سے شرعی وضو لازم نہیں ہے۔

③ جمہور کی مخالف احادیث کا جواب:۔ قائلینِ وجوبِ وضو کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جو احادیث شریفہ تم نے پیش کی ہیں ان میں دو احتمال ہیں۔ ① وہاں وضو سے مراد وضوءِ شرعی ہے ② وضو سے مراد وضوءِ شرعی نہیں ہے بلکہ وضوءِ لغوی ہے۔

پہلے احتمال کے اعتبار سے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حضور ﷺ سے وضو کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہے، تو ان دونوں امروں میں سے کون پہلے کا اور کون بعد کا ہے، تو ہمیں اس سلسلے میں دو روایتیں مل گئیں۔ ① حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ **وکان آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ ترک الوضوء مما مست النار** ② دوسری حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں **ان رسول اللہ ﷺ اکل ثور اقط فتوضائم اکل بعدہ کتفا فصلی ولم یتوضأ** تو ان دونوں روایات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کا آخری عمل ترکِ وضو ہے، لہٰذا ترکِ وضو کے مخالف ثبوتِ وضو کے سلسلے میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب کی سب اس آخری عمل کی وجہ سے منسوخ ہیں۔ لہٰذا روایت ناسخہ کے مقابلہ میں روایات منسوخہ سے استدلال کس طرح درست ہو سکتا ہے یہ ناسخ و منسوخ کا حکم اس وقت ہے جب کہ وضو سے وضوءِ صلوٰۃ مراد ہو۔

دوسرے احتمال کی صورت میں اگر ماقبل کی روایات میں وضوءِ سے وضوءِ صلوٰۃ مراد نہ ہو بلکہ وضو لغوی مراد ہو تو ماقبل کی روایات کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان روایات سے وضوءِ شرعی کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ ہاتھ منہ دھونا مراد ہے اور

کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے سے ہمیں بھی انکار نہیں ہے لہٰذا پکی ہوئی چیزوں کا کھانا حدث نہیں ہوسکتا ہے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ اور ابی بن کعب اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم ان حضرات سے طحاوی میں ثبوت وضو کے سلسلہ میں روایات پیش کی گئی ہیں۔اب یہاں سے ان حضرات کا فتویٰ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں عراق سے آیا تو ان حضرات کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا تو میں کھانے کے بعد وضو کرنے لگا تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ انس رضی اللہ عنہ عراق سے ایک نیا حکم لے کر آیا ہے اور عراقی بن گیا اور وضو کرنے پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا، فرمایا کہ آپ پاک چیزوں سے وضو کرتے ہیں یقیناً آپ یہ حکم عراق سے لے کر آئے ہیں تو اس مضمون سے یہ پتہ چلا کہ ان حضرات کا یہ فتویٰ روایت کے خلاف ہے اور جب راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہو تو یہ روایت کے منسوخ ہونے پر دلیل ہوتی ہے۔لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا کہ ثبوتِ وضو کی روایات منسوخ ہیں۔(ایضاح الطحاوی ج ا ص ۲۰۹)

❹ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیثِ ثانی کوئی مستقل حدیث نہیں ہے بلکہ پہلی حدیث کا ہی اختصار ہے اور جب اصل حدیث سے وضو مما مست النار کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں ہے تو دوسری حدیث سے بھی وضو مما مست النار کے نسخ پر استدلال درست نہیں ہے۔

لہٰذا دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حدیث طویل سے نسخ پر استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیثِ سابق سے نسخ پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناولِ لحم کے بعد ظہر کی نماز کے لئے جو وضوء فرمایا اس میں دو احتمال ہیں۔ایک یہ کہ یہ وضوء مما مست النار کے اکل کی وجہ سے تھا۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ وضوء کرنا اس لئے تھا کہ پہلے سے آپ کو وضوء نہ تھا اور وضوء مما مست النار کا اس وقت تک حکم ہی نہیں ہوا تھا وہ اس قصہ کے بعد ہوا لہٰذا اس احتمال ثانی کی صورت میں نسخ پر استدلال صحیح نہیں، **واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** ۔ہاں اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث **کان آخر الامرین الخ** مستقل حدیث ہوتی تب بے شک اس سے نسخ پر استدلال صحیح تھا، یہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے کلام کی تشریح ہے۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی مصنف کے کلام کا یہی مطلب سمجھا اور یہی غرض بیان کی ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کی مزید وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مدار محمد بن المنکدر پر ہے ان کے دو شاگرد ہیں۔ابن جریج اور شعیب بن ابی حمزہ، ابن جریج نے تو محمد بن المنکدر سے اصل حدیث بلا کسی اختصار اور تغیر کے نقل کی اور شعیب بن ابی حمزہ نے اپنے نزدیک اس حدیث کا ایک مفہوم متعین کر کے اس کو مختصراً روایت کیا اور مفہوم سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی اور کہہ دیا کہ **کان آخر الامرین من رسول اللہ ترک الوضوء مما مست النار**۔

لیکن امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی یہ بات کہ ثانی حدیث، حدیثِ اول ہی کا اختصار ہے ہمیں تسلیم نہیں اس لئے کہ اختصار ماننے میں راوی کی طرف وہم کی نسبت لازم آتی ہے۔کیونکہ حدیث اول سے نسخ پر استدلال واقعی صحیح نہیں ہے جیسا کہ آپ بھی فرمارہے ہیں۔

الحاصل حدیث جابر مستقل حدیث ہے اور نسخ کے بارے میں صریح ہے۔(الدر المنضود ج ا ص ۳۲۷)

الشق الثانی.....**عن عبداللہ بن حبشی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع سدرة صوّب اللہ رأسه فی النار، عن عثمان بن ابی سلیمان عن رجل من ثقیف عن عروة بن الزبیر یرفع الحدیث الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه وفی روایة:لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع السدر وقال هشام بن عروة:کان عروة یقطعه من ارضه .**

ترجم الحدیث واشرحه شرحا تاما۔ اذکرمن المراد من:عن رجل من ثقیف؟ وردالنهی عن قطع السدر فی حدیث الباب وورد فی حدیث آخر:اغسلوه أی المیت بماء وسدر طبق بین الحدیثین۔(ص۳۶۵۔ج۲۔حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں۔(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) **رجل من ثقیف** کی مراد (۴) بیری کے درخت کو کاٹنے کی روایات میں تطبیق۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے بیری کو کاٹا اللہ تعالیٰ اُس کے چہرے کو آگ میں داخل کریں گے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اُس شخص پر جو بیری کو کاٹے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ عروہ اپنی زمین سے بیری کو کاٹا کرتے تھے۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں بیری کو کاٹنے والے کیلئے وعید کا ذکر ہے، اس سے کونسی بیری مراد ہے اور وعید کی وجہ کیا ہے؟ اس میں مختلف آراء ہیں۔ ① اس سے مراد حرم مکہ کی بیری ہے جسے کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ② اس سے حرم مدینہ کی بیری مراد ہے کہ وہ اُس کی طرف ہجرت کرنے والوں اور پناہ لینے والوں کیلئے سائے کا سبب ہے۔ مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ ③ اس سے مراد صحراء و میدان کی وہ بیری ہے جس سے مسافر چرواہے اور چوپائے وغیرہ سایہ و راحت حاصل کرتے ہوں تو مجرم اس بیری کو کاٹ کر اُن کو سایہ و راحت سے محروم کر رہا ہے اور ایذاء کا سبب بن رہا ہے اس لئے اُس کیلئے وعید ہے۔ یا پھر اس سے مراد دوسرے کی ملکیت سے بلا اجازت کاٹنے والا شخص مراد ہے۔ اس کا سبب ورود اور منشاء بذل المجہود میں یہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جو شخص کسی قوم کی ملک میں بیری کاٹنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اُسے کاٹنے پر تُلا ہوا ہے ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ تو حق تلفی، ظلم و زیادتی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُسے جہنم میں ڈالیں گے، راوی نے صرف جواب سنا سوال نہ سنا اس لئے اُس نے صرف جواب ہی نقل کر دیا جس کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا۔ (انعام المعبود ص ۹۶۱)

③ رجل من ثقیف کی مراد:۔ بیہقی نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس رجل سے مراد عمرو بن اوس ہے پھر انہوں نے اس حدیث کا یہ دوسرا طریق ذکر کیا ہے **عن عمرو بن دینار عن عمرو بن اوس عن عروة عن عائشة** اس طریق ثانی سے بیہقی کے شبہ کو تقویت ملتی ہے۔

④ بیری کے درخت کو کاٹنے کی روایات میں تطبیق:۔ سابقہ تشریح سے روایات میں تطبیق بھی واضح ہوگئی کہ عموماً مُردے کیلئے بیری کے پتے استعمال کرنے کا حکم ہے مگر بلا اجازت دوسرے کی زمین سے کاٹنا یا لوگوں کے سائے اور راحت والی جگہ سے بیری کو کاٹنا ممنوع ہے اور اسی پر وعید آئی ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٠ھ

الشق الاوّل .....**بَابُ مَا يُنْهٰى عَنْهُ اَنْ يُسْتَنْجٰى بِهٖ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ يَعْنِيْ اِبْنَ فَضَالَةَ الْمِصْرِيَّ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيِّ اَنَّ شِيَيْمَ بْنَ بَيْتَانَ اَخْبَرَهٗ عَنْ شَيْبَانَ الْقِتْبَانِيِّ قَالَ اِنَّ مَسْلَمَةَ بْنَ مُخَلَّدٍ اِسْتَعْمَلَ رُوَيْفِعَ بْنَ ثَابِتٍ عَلٰى اَسْفَلِ الْاَرْضِ قَالَ شَيْبَانُ فَسِرْنَا مَعَهٗ مِنْ كُوْمِ شَرِيْكٍ اِلٰى عَلْقَمَاءَ اَوْ مِنْ عَلْقَمَاءَ اِلٰى كُوْمِ شَرِيْكٍ يُرِيْدُ عَلْقَامَ فَقَالَ رُوَيْفِعٌ اِنْ كَانَ اَحَدُنَا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيَاْخُذُ نِضْوَ اَخِيْهِ عَلٰى اَنَّ لَهُ النِّصْفَ مِمَّا يَغْنَمُ وَلَنَا النِّصْفُ وَاِنْ كَانَ اَحَدُنَا لَيُعْطٰى الرِّيْشَ وَلِلْاٰخَرِ الْقِدْحَ ثُمَّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّهٗ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَابَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِيْءٌ.**

شکل الحدیث المبارك ثم ترجمه ، اذکر واقعة استعمال مسلمة بن مخلد رویفعا و اوضح قوله صلی اللہ علیہ وسلم من عقد لحیته ..... الٰی آخره بوضوح تام ، اشرح ما قاله ابو داؤد . (ص ۱۷۔ج ۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حضرت مسلمہ بن مخلد کے رویفع کو عامل مقرر کرنے کی وضاحت (۴) **من عقد لحیته الخ** کی وضاحت (۵) قال ابوداؤد کی تشریح۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت شیبم بن بیتان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کو

نشیبی زمین کا عامل مقرر کیا، شیبان کہتے ہیں کہ میں کومِ شریک سے مقامِ علقماء تک یا مقامِ علقماء سے قومِ شریک تک اُن کے ساتھ چلا علقام کا ارادہ کرتے ہوئے تو حضرت رویفع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دوسرے شخص کا اُونٹ اِس شرط پر لیتا کہ نفع میں سے نصف حصہ اُس کا ہوگا اور نصف میرا، اور پھر بسا اوقات ایک کے حصہ میں تیر کے پیکان آتے اور دوسرے کے حصے میں تیر کی لکڑی آتی، پھر فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے رویفع! شاید تم میرے بعد زیادہ عمر پاؤ، پس لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص اپنی داڑھی کو گرِہ لگائے یا جانوروں کے گلے میں تانت باندھے یا جانور کے لید گوبر سے استنجاء کرے یا کسی ہڈی سے استنجاء کرے تو (میں) محمد اُس سے بری ہوں۔

③ حضرت مسلمہ بن مخلد کے رویفع کو عامل مقرر کرنے کی وضاحت:۔ حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کو والیٔ مصر حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے اسفلِ ارضِ مصر کا عامل مقرر کیا تھا۔ (الدر المنضود)

④ من عقد لحیته الخ کی وضاحت:۔ "من عقد لحیته" عقد کا معنیٰ گرِہ لگانا ہے اسکے متعدد مطلب ہیں۔ ① داڑھی کو چڑھانا اور گھنگریالہ بنانا: یہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اس لئے کہ مسنون طریقہ داڑھی کے بالوں کو سیدھا رکھنا ہے۔

② گرِہ لگانا: یہ زمانۂ جاہلیت میں متکبرین کفار کی عادت تھی کہ وہ بوقتِ جنگ داڑھی میں گرِہ لگاتے تھے یہ عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے ممنوع ہے، بعضوں نے کہا کہ یہ عجمیوں کی عادت تھی جو کہ تغییرِ خلقت کی وجہ سے ممنوع ہے، بعضوں نے کہا کہ کفارِ عرب کی عادت تھی کہ جس کی ایک بیوی ہوتی وہ ایک گرِہ لگاتا اور جس کی دو بیویاں ہوتیں وہ دو گرِہ لگاتا، تو یہ تشبہ بالکفار کی وجہ سے ممنوع ہے۔

"او تقلد وترا" وِتر بمعنیٰ وہ تانت جس کو تیر کمان میں باندھتے ہیں، اہلِ جاہلیت اپنے بچوں اور جانوروں کے گلوں میں نظرِ بد سے بچنے اور دفعِ آفات کے لئے تانت میں تعویذ گنڈے اور منکے وغیرہ باندھتے تھے کہ اگر یہ عمل نہ کیا تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے گویا وہ انہیں مؤثر بالذات سمجھتے تھے، تو یہ شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے تانت وغیرہ میں گھنگرو گھنٹی وغیرہ پَرو کر جانوروں کے گلے میں ڈالنا مراد ہے کہ یہ مزمار الشیطان ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ "او استنجی برجیع دابة" اس سے گوبر لید وغیرہ سے استنجاء کرنا مراد ہے کہ اُن کے نجس ہونے کی وجہ سے استنجاء ممنوع ہے۔ (الدر المنضود ۱:۱۳۹)

⑤ قال ابوداؤد کی تشریح:۔ سوال میں موجود حدیث وعبارت میں قال ابوداؤد کا لفظ موجود نہیں ہے البتہ مابعد والی حدیث جو کہ اِسی حدیث کے مضمون پر مشتمل ہے اُس کے بعد دو مرتبہ قال ابوداؤد کا لفظ موجود ہے۔ پہلے قال ابوداؤد میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت میں موجود حصنِ اَلْیُوْن کی وضاحت کی ہے کہ یہ فسطاط (مصر) شہر کے پہاڑ پر واقع ایک قلعہ ہے، دوسرے قال ابوداؤد میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے راویِ حدیث شیبان کا تعارف کروایا ہے کہ اُن کے والد کا نام اُمیہ اور اُن کی کنیت ابوحذیفہ ہے۔

الشق الثانی.....عن ام قیس بنت محصن قالت، دخلت علی رسول الله ﷺ بابن لی، قد اعلقت علیه من العذرة، فقال: علام تدغرن اولادکن بهذا العلاق، علیکن بهذا العود الهندی، فان فیه سبعة اشفیة، منها ذات الجنب یسعط من العذرة ویلد من ذات الجنب۔ (ص۱۸۵۔ج۲۔رحمانیہ)

اشرح الکلمات المخطوطة ۔ ترجم الحدیث الشریف ترجمة واضحة.

جواب..... ① کلماتِ مخطوطہ کی تشریح:۔ "اعلقت" صیغہ واحد متکلم ماضی معروف از مصدر "اعلاق" (افعال) بمعنی تالو دبا کر علاج کرنا۔ "تدغرن" صیغہ جمع مؤنث حاضر بحث مضارع معروف از مصدر "دَغْرًا" (فتح) بمعنی انگلی سے دبانا۔

"العود الهندی" یہ ایک جڑی بوٹی کا نام ہے جسے اردو میں کوٹ کہتے ہیں۔

"ذات الجنب" یہ بیماری کا نام ہے بمعنی پہلو کی تکلیف۔ "العذرة والعلاق" یہ اسم ہیں بمعنی بچہ کے حلق کا ورم اور سوجن۔

"یسعط" صیغہ واحد مذکر مضارع مجہول از مصدر سعوطا (نصر وفتح) بمعنی ناک میں دوائی ڈالنا۔

"یَلَدُ" صیغہ واحد مذکر مضارع مجہول از مصدر لَدًّا و لُدُوْدًا (نصر) بمعنی منہ میں دوائی ٹپکانا۔ (کشف الباری، طب)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے بچہ کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس کا میں عذرہ بیماری کی وجہ سے گلہ وحلق دبا چکی تھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کس وجہ سے اس بیماری میں بچوں کا حلق دباتی ہو؟ تم عود ہندی لے لیا کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفاء ہے۔ان میں سے ایک پہلو کی تکلیف بھی ہے عذرہ بیماری کی وجہ سے ناک میں دوائی ڈالی جائے اور پہلو کی تکلیف کی وجہ سے منہ میں دوائی ٹپکائی جائے۔

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٠ھ

الشق الاوّل.....عن اسماعيل يعنى ابن أبى خالد عن أبيه عن جابر بن سمرة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايزال هذاالدين قائمًا حتى يكون عليكم اثنا عشر خليفة كلهم تجتمع عليه الأمة فسمعت كلاما من النبى ﷺ لم أفهمه فقلت لأبى:مايقول؟قال كلهم من قريش۔(ص٢٣٨۔ج٢۔رحمانیہ)

اشرح الحديث المذكور واذكر المراد من قوله "اثناعشرخليفه" فى ضوء أقوال العلماء مع ترجيح الراجح من هذه الأقوال ۔ ذكر أبوداود هذاالحديث فى فاتحة كتاب المهدى فمامناسبة هذاالحديث بكتاب المهدى ۔ اذكر حكم عقيدة ظهورالمهدى عندأهل السنة والجماعة، واكتب حكم من ينكره هذه العقيدة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (١) حدیث کی تشریح (٢) اثنا عشر خليفة کی مراد (٣) حدیث الباب کی کتاب المہدی سے مناسبت (٤) اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ظہورِ مہدی علیہ السلام کا عقیدہ ومنکر کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کی تشریح:۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دین اسلام درست چلتا رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلیفہ تم پر مقرر ہونگے ،سارے کے سارے امت کے اجماعی خلیفہ ہونگے۔پس سنی میں نے اسکے بعد آپ ﷺ سے ایک کلام کہ جس کو میں نہیں سمجھا، پس میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ ﷺ کیا فرمارہے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سارے کے سارے خلفاء قریش میں سے ہونگے۔

اس سے حدیث میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ بارہ قریشی خلفاء تک دین اسلام غالب رہے گا، مقصود غلبہ اسلام بیان کرنا ہے ان کی فضیلت بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ بعض فاسق بھی گزرے ہیں جیسے یزید بن معاویہ وغیرہ ہے۔

② و ③ اثنا عشر خليفة کی مراد اور حدیث الباب کی کتاب المہدی سے مناسبت:۔ اثنا عشر خليفة سے کون مراد ہیں ؟اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔① حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے عدد مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ امت مرحومہ زمانۂ طویل تک باقی رہے گی ② یہ ہے کہ مقصود روایت یہ ہے کہ خلافت علیٰ حسب السنۃ بارہ امیروں میں ہوگی اب بارہ امیروں کا پے درپے ہونا ضروری نہیں حتیٰ ینا قض بتخلل یزید ③ یہ ہے کہ امارت علی حسب سنۃ الخلفاء بارہ امیروں میں رہے گی اگرچہ ان میں بعض ظالم بھی ہوں گے مگر امورِ مملکت میں وہ خلفاء کا طریقہ اختیار کریں گے ④ یہ ہے کہ خلافتِ واحدہ پر لوگوں کا اجتماع بارہ امیروں تک ہوگا کما ذکرہٗ السیوطی ⑤ یہ ہے کہ اس سے اشارہ فرمایا حدیث خیر القرون کی طرف یعنی ان قرون میں غالب اخیار ہونگے اور وہ بارہ ہونگے ⑥ یہ ہے کہ اس سے مراد مہدی اور ان کے بعد کا زمانہ ہے اس وقت بارہ امیر ہوں گے ⑦ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں بارہ امیر ہوں گے اور سب کے سب دعویٰ خلافت کریں گے ⑧ یہ ہے کہ اس سے اشارہ ہے خلفاء بنوامیہ کی طرف جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہوئے اور وہ یہ ہیں۔

① یزید بن معاویہ ② معاویہ بن یزید ③ عبدالملک ④ ولید ⑤ سلیمان ⑥ عمرو بن عبدالعزیز ⑦ یزید بن عبدالملک ⑧ ولید بن یزید ⑨ یزید بن الولید ⑩ ابراہیم بن الولید (١١) مروان بن الحکم (١٢) حکم بن مروان۔(درسِ ترمذی ج٤ص١١)

④ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ظہورِ مہدی علیہ السلام کا عقیدہ ومنکر کا حکم:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حضرت مہدی علیہ السلام کا آنا قربِ قیامت میں برحق اور صحیح ہے اور اس بارے میں احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔علامہ شوقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ظہور مہدی علیہ السلام کے بارے

0313 0357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

میں (۵۰) احادیث مرفوعہ اور (۲۸) آثارِ صحابہ جمع کئے ہیں۔

ظہور مہدی علیہ السلام کا منکر فاسق ہے (اس لئے کہ اس کا ثبوت اخبارِ آحاد سے ہے جو کہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں اور ظنیات کا منکر فاسق ہوتا ہے)۔

الشق الثانی.....**عن أم كلثوم بنت عقبة قالت: ماسمعت رسول الله يرخص فى شيء من الكذب الا فى ثلاث كان رسول الله ﷺ يقول: لاأعده كاذبا الرجل يصلح بين الناس يقول القول ولايريد الا الاصلاح، والرجل يقول فى الحرب، والرجل يحدث امرأته والمرأة تحدث زوجها**۔ (ص۳۳۱۔ج۲۔رحمانیہ)

ترجم الحديث الشريف ترجمة واضحة ۔ اشرح الحديث المذكور شرحًا واضحًا واذكرهل يجوز الكذب الصريح فى هذه الأمور الثلاثة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) امورِ ثلاثہ میں کذبِ صریح کا حکم۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام کلثوم بنتِ عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی چیز میں جھوٹ کی اجازت دیتے ہوئے نہیں سنا مگر تین مواقع میں، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میں انہیں جھوٹا شمار نہیں کرتا (پہلا) اس شخص کو جو لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہو، وہ کوئی بات کہے اور صرف صلح کے ارادہ سے کوئی بات کہے، اور (دوسرا) وہ آدمی جو جنگ میں کوئی بات کہے، اور (تیسرا) وہ آدمی جو اپنی بیوی سے کوئی بات کہے اور عورت اپنے خاوند سے کوئی بات کہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ ① **والرجل ليصلح بين الناس** یعنی جب دو آدمیوں میں جھگڑا ہو، یا کوئی اختلاف ہو، تو ان کے درمیان صلح کرانے کیلئے فی الجملہ کذب کی اجازت ہے کہ ہر فریق سے دوسرے فریق کی اچھی باتیں نقل کرے خواہ ان میں مبالغہ ہی کرنا پڑے چونکہ اختلاف فتنہ ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے ظاہر ہے کہ مومول کذب یا فی الجملہ کذب سے اگر یہ فتنہ ختم ہو جائے تو کس قدر اصلاح کا ذریعہ ہوگا ② **والرجل يقول فى الحرب** جنگ کے موقع پر بھی کذب مؤول کی اجازت ہے مثلاً کہے **مات اما مكم الاعظم** اور نیت سابق امام کی کرے جو گزشتہ زمانہ میں مر چکا ہے ③ **الرجل يحدث امرأته** حسن معاشرہ کو برقرار رکھنے کے لئے شوہر کو اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ ایسی بات بیوی سے کہہ دے جو کذب کے مشابہ ہو صریح کذب نہ ہوتا کہ وہ خوش ہو جائے مثلاً یہ کہے کہ میں تجھے اس قدر رقم کا جوڑا بنا دوں گا انشاء اللہ اور نیت یہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا، یقینی نہیں۔

③ امورِ ثلاثہ میں کذبِ صریح کا حکم:۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان تین مواقع مذکورہ فی الحدیث میں جھوٹ کا استعمال جائز ہے البتہ اس جھوٹ سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرات علماء کے دو قول ہیں ① جمہور اہلِ علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلقاً کذب ہے یعنی صریح جھوٹ ان مواقع میں مصلحۃً جائز ہے۔

② محقق طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد صریح کذب نہیں بلکہ توریہ اور معاریض ہیں۔ فریق اوّل کا استدلال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سے ہے کہ انہوں نے تین مواقع پر کذب سے کام لیا (۱) اپنی بیوی حضرت سارہ کو اپنی بہن بتایا (۲) عید کے دن لوگوں کے ساتھ عدم شرکت کی وجہ میں فرمایا **انى سقيم** کہ میں بیمار ہوں (۳) جب انہوں نے بتوں کو توڑا تو قوم کے معلوم کرنے پر فرمایا **بل فعله كبيرهم**، ان تینوں مواقع کی تفسیر آپ پڑھ چکے ہیں۔

نیز حدیث شریف میں بھی ان تین کذبات کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اسی طرح ان حضرات کا استدلال حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ہے کہ منادی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب سے اعلان کیا تھا **ايتها العير انكم لسارقون** نیز ان کا مستدل یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے اگر کوئی ظالم کسی شخص کو ناحق قتل کے ارادہ سے آئے اور کسی سے پوچھے کہ فلاں کہاں ہے تو اس پر واجب ہے کہ یہ جواب دیدے میں نہیں جانتا ہوں وہ کہاں ہے، خواہ اس کو اسکے بارے میں علم ہو۔

فریق ثانی جو توریہ کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں یہ تینوں کذبات نہیں ہیں بلکہ توریہ ہی ہیں، بیوی کو بہن بنانے سے مراد ان کی اسلامی اور دینی بہن ہے اسی طرح **انى سقيم** کے معنی غمگین ومحزون کے ہیں اور **بل فعله**

0313 6367913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کبیرھم میں اسناد مجازی ہے مراد یہ ہے کہ جو میں نے بتوں کو توڑا ہے اس کا داعیہ یہ بڑا بت بنا ہے۔

رہا منادی یوسف علیہ السلام کا مقولہ اس کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں بعض نے فرمایا کہ منادی کا بھائیوں کو چور کہنا یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہیں تھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں ان کو چور اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والد سے چوری کر کے دھوکہ دیکر لائے تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ انکو چور کہنا بنیامین کی خواہش کا نتیجہ تھا حضرت یوسف علیہ السلام کی تجویز نہ تھی اس بارے میں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ حیلہ اور تدبیر سب کچھ بامر الٰہی ہوا ہے جو اس کی حکمت بالغہ کا مظہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے امتحان وابتلاء کی تکمیل تھی لہٰذا اب اس پر کوئی اشکال نہیں رہا۔

تیسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کو بچانا فرض ہے جس کے لئے بہر حال اس قدر اجازت ہونی ہی چاہیے۔ یا یہ مراد ہو کہ اس وقت مطلوب کہاں ہے مجھے معلوم نہیں یہ کہہ دیا جائے وغیرہ ذلک۔ بہر حال راجح قول یہ ہے کہ حتی الامکان صریح جھوٹ سے بچا جائے اور توریہ ومعاریض کو استعمال کیا جائے بالفاظ دیگر ایسے کلمات استعمال کریں جو ذو معنیین ہوں مخاطب اس سے ایسے معنی سمجھے جس سے اس کا دل خوش یا غمگین ہو جائے۔ (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۹۱)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل..... بَابٌ فِي الْجُنُبِ يُصَافِحُ: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَهٗ فَاَهْوٰى اِلَيْهِ فَقَالَ اِنِّيْ جُنُبٌ فَقَالَ اِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجِسُ۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَاَنَا جُنُبٌ فَاخْتَنَسْتُ فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ قُلْتُ اِنِّيْ كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجِسُ ۔ (كتاب الطهارت)

شكّل الحديثين و ترجمهما ۔ عيّن الكلمة المناسبة بالترجمة من الحديث ۔ كيف قال "انّ المسلم لا ينجس" مع انه يتنجّس بالنجاسة؟ ۔ اذكر معنى قوله تعالٰى: (انّما المشركون نجس)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ حدیث وترجمۃ الباب میں مناسبت ④ انّ المسلم لا ينجس، انّما المشركون نجس کا مفہوم۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔ **كما مر في السوال آنفا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملے تو (مصافحہ کرنے کی غرض سے) ان کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے (معذرت کرتے ہوئے) کہا کہ میں جنبی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مدینہ کی ایک گذرگاہ میں میری ملاقات ہوئی، میں جنابت کی حالت میں تھا پس میں پیچھے ہٹ گیا اور (گھر) چلا گیا اور غسل کر کے لوٹا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اے ابو ہریرہ! کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جنبی تھا، پس مجھے ناپاکی کی حالت میں آپ کے پاس بیٹھنا بُرا و ناپسند لگا، آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

③ حدیث وترجمۃ الباب میں مناسبت:۔ حدیث کے جملہ **انّ المسلم لا ينجس** کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہے کہ جب جنبی کا ظاہری جسم پاک ہے تو اس کے ساتھ اُٹھنا و بیٹھنا اور مصافحہ کرنا سب جائز ہے۔

④ **انّ المسلم لا ينجس، انّما المشركون نجس** کا مفہوم:۔ حدیث کے جملہ (مسلمان ناپاک نہیں ہوتا) کا مطلب یہ ہے کہ جنابت کا تعلق باطن سے ہے، ظاہر سے نہیں ہے، اس کی وجہ سے مسلمان کا ظاہری جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ نیز **ليس بنجس**

کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان وشعار یہ ہے کہ وہ نجاست سے بچتا ہے اور کافر کا یہ شعار نہیں ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین مجسمہ نجاست ہیں، عام طور پر مشرکین میں تینوں قسم کی نجاستیں ہوتی ہیں کہ بہت سی ظاہری ناپاک چیزوں کو وہ ناپاک نہیں سمجھتے اس لئے ان ظاہری نجاستوں سے بھی نہیں بچتے جیسے شراب اور اس سے بنی ہوئی چیزیں۔ اور معنوی نجاست سے غسلِ جنابت وغیرہ کے تو وہ معتقد ہی نہیں۔ اسی طرح عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ کو بھی وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (معارف القرآن)

الشق الثانی.....**باب فی الجعائل فی الغزو: عن ابی ایوب انه سمع رسول اللّٰه ﷺ یقول : ستفتح علیکم الامصار وستکون جنود یقطع علیکم فیها بعوثا فیکره الرجل منکم البعث فیها فیتخلص من قومه ثم یتصفح القبائل یعرض نفسه علیهم یقول:من اکفیه بعث کذا الاوذلك الاجیر الیٰ آخرقطرةمن دمه۔**

ترجم الحدیث وبین اسم ابی ایوب۔ حقق کلمة الجعائل حق تحقیق۔ اکتب اختلاف فقهاء الامة فی الجعائل فی الجهاد۔ (ص۳۴۹۔حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں: (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت (۳) جعائل کی لفظی تحقیق (۴) جعائل فی الجہاد میں فقہاء کا اختلاف۔

جواب..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ یہ باب اُجرت پر جہاد کرنے کے بیان میں ہے: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر بڑے بڑے شہر فتح کئے جائیں گے اور عنقریب لشکر اکٹھے کئے جائیں گے، اُن لشکروں میں سے تم پر فوجیں مقرر کی جائیں گی (یعنی ہر قبیلہ سے لشکر کا ایک حصہ فوج کے لئے طلب کیا جائے گا) پس ایک آدمی تم میں سے بلا اُجرت لشکر کے ساتھ جانے کو ناگوار سمجھے گا پس وہ شخص اپنے قبیلہ میں سے بھاگ پڑے گا پھر وہ قبیلوں کو تلاش کرے گا اور اپنے نفس کو یہ کہتے ہوئے اُن پر پیش کرے گا کہ کون شخص ہے کہ میں اُسے اُجرت کے بدلے میں کفایت کر جاؤں؟ (یعنی مجھے لشکر کی خدمت کے لئے اُجرت پر کون رکھے گا)۔ آگاہ رہو یہ شخص خون کے آخری قطرہ تک مزدور ہے۔

❷ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت:۔ آپ کا نام خالد بن زید بن کلیب انصاری ہے۔

❸ جعائل کی لفظی تحقیق: یہ **جعیلة** کی جمع ہے، جہاد کیلئے اپنی طرف سے جس مزدور کو بھیجا جائے اسکی اجرت کو **جعیلة** کہتے ہیں۔

❹ جعائل فی الجہاد میں فقہاء کا اختلاف:۔ امام مالکؒ جہاد کی مزدوری یا گھوڑے کی مزدوری کو مکروہ کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ بھی مزدوروں سے جہاد کروانے کو مکروہ کہتے ہیں مگر یہ کہ مسلمان کمزور ہوں اور بیت المال میں بھی کوئی چیز نہ ہو تو اس وقت مجاہد کو مزدوری دیکر جہاد کرانا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بادشاہ سے تنخواہ لینا جائز ہے، غیر بادشاہ سے مزدوری لینا جائز نہیں۔ وجہِ کراہت یہ ہے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے اور فرض کی ادائیگی پر اجرت لینا صحیح نہیں۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل.....**عن أبی الدرداء أن رسول اللّٰه ﷺ کان فی غزوة فرأی امرأة مجحا، فقال: لعل صاحبها ألم بها، قالوا: نعم، قال: لقد هممت أن ألعنه لعنة تدخل معه فی قبره!کیف یورثه وهو لایحل له ! وکیف یستخدمه وهولایحل له !** (ص۳۱۰۔ج۱۔رحمانیہ)

اشرح کلمة "مجحا"لغةً ثم ترجم الحدیث الشریف ۔ اشرح الحدیث کاملًا ووضح معنی قوله علیه الصلاة والسلام "کیف یورثه وهولایحل له، وکیف یستخدمه وهولایحل له"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) مجحا کی تشریح (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) مذکورہ جملہ کی وضاحت۔

جواب..... ❶ مُجحًا کی تشریح:۔ مجحا سے مراد وہ حاملہ عورت ہے جو قریب الولادۃ ہو۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں شریک تھے، آپ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جو حاملہ قریب الولادۃ تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید اس باندی کے مالک نے اسکے ساتھ (قبل الاستبراء) الملم (جماع) کیا ہے (آپ ﷺ کو شاید وحی یا کشف کے ذریعہ معلوم ہوا ہوگا)۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کی بعض حاضرین نے تصدیق بھی کردی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس شخص کو ایسی بددعا دوں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی داخل ہو (اب یہ شخص قبل الاستبراء مباشرت کی وجہ سے) کیسے وارث بنا سکتا ہے اسے حالانکہ اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے اور کیسے خدمت لے سکتا ہے اس سے حالانکہ یہ بھی اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

❸ حدیث کی تشریح:۔ ترجمہ سے حدیث کا مطلب وتشریح واضح ہے کہ ایک غزوہ میں آپ ﷺ نے ایک لونڈی کو دیکھا کہ وہ حاملہ ہے اور قریب الولادۃ ہے تو اس کی اس حمل کی حالت میں ہی اسکے مالک نے اسکے ساتھ مباشرت بھی کی ہے تو آپ ﷺ کے اس فرمان کے جواب میں بعض حاضرین نے آپ ﷺ کی تصدیق بھی کردی کہ واقعتاً اس کی حاملہ ہونے کی حالت میں اس کے مالک نے اس کے ساتھ مباشرت کی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسکے مالک کو چاہیے تھا کہ حمل کے اختلاط سے بچنے کیلئے حالتِ حمل میں اس سے مباشرت نہ کرتا بلکہ وضعِ حمل کا انتظار کرتا اور استبراء کے بعد اس سے مباشرت کرتا کیونکہ اس مباشرت قبل الاستبراء کی وجہ سے اگر چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوگیا تو وہ بچہ اس کا وارث بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ زوجِ اوّل کے نطفہ سے ہو اور اس کا نسب اس مالک سے ثابت نہ ہو اور چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہونے کی صورت میں اس سے خدمت نہیں لے سکتا کیونکہ اس میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ مالک کے نطفہ سے ہونے کی وجہ سے غلام نہ ہو بلکہ آزاد ہو، اسلئے اس کا مالک پیدا ہونے والے بچہ کو وارث بھی نہیں بنا سکتا اور غلام وخادم بنا کر اس سے خدمت بھی نہیں لے سکتا، یہ دونوں کام اس کیلئے حلال نہیں ہیں۔

لہٰذا میرا دل کرتا ہے کہ اس کے مالک کو ایسی بددعا دوں جو اس کی قبر میں بھی اس کے ساتھ داخل ہو۔ الحاصل قید کردہ باندی کے ساتھ قبل الاستبراء مباشرت کرنا انتہائی قبیح ومذموم فعل ہے۔ استبراء یعنی وضع حمل یا حیض کا انتظار کرنا چاہیے۔

❹ مذکورہ جملہ کی وضاحت:۔ مذکورہ جملہ کی وضاحت ابھی تشریح کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

الشق الثانی.....**عن أنس أن ثمانين رجلاً من أهل مكة هبطوا على النبی ﷺ وأصحابه من جبال التنعيم عند صلاة الفجر ليقتلوهم، فأخذهم رسول الله سلما، فأعتقهم رسول الله، فأنزل الله عزوجل: وهو الذى كف أيديهم عنكم وأيديكم عنهم ببطن مكة الخ** ۔(ص۱۹۔ج۲۔رحمانیہ)

اشرح كلمة "سلما" لغة، ثم ترجم الحديث الشريف ۔ اذكر اختلاف العلماء فى حكم الأسير هل يقتل صبرًا، أم يمن عليه، أو يفدى؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) سلما کی لغوی تحقیق (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) قیدی کے قتل، من اور فدیہ میں اختلاف۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ❶ سلما کی لغوی تحقیق:۔ اس کو سَلَم بفتح اللام اور سَلْم بسکون اللام دو طرح پڑھا جاسکتا ہے بمعنی قید اور قیدی۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسّی آدمی اہلِ مکہ میں سے پہاڑ سے اترے (حملہ آور ہوئے) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر جبلِ تنعیم سے تاکہ ان کو قتل کردیں، پس آپ ﷺ نے انکو قیدی بنالیا، پھر آزاد کردیا آپ ﷺ نے ان کو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی **وهو الذى كف ايديهم عنكم وايديكم عنهم ببطن مكة الخ**۔

❸ قیدی کے قتل، مَن اور فدیہ میں اختلاف:۔ سورۂ انفال کی اس آیت میں دشمن کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے جبکہ سورۂ محمد کی آیت میں اس کو جائز قرار دیا گیا ہے بظاہر دونوں حکم معارض ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کون سی آیت ناسخ اور کون سی منسوخ ہے چنانچہ عطاء بن ابی رباح، شعبی، حسن بصری، ضحاک اور امام

ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورۂ محمد کی آیت سے سورۂ انفال کی آیت منسوخ ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی قول مروی ہے۔

ان حضرات کے نزدیک امام مسلمین کو اختیار ہے کہ مالی معاوضہ یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دے یا احساناً کسی فدیے اور معاوضے کے رہا کردے یا ان مسلمانوں سے جو دشمن کی قید میں ہوں ان کا تبادلہ کیا جائے البتہ قتل جائز نہیں لیکن عبداللہ بن عباس، قتادہ، م جاہد، سدی، ابن جریج، عوفی اور اکثر اہل کوفہ کے نزدیک سورۂ محمد کی آیت سورۂ انفال کی آیت **اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** اور **فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم** سے منسوخ ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ اور ایک روایت میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ مشہور بھی یہی ہے۔

ان حضرات کے نزدیک سورۂ محمد کی آیت منسوخ ہونے کی وجہ سے جنگی قیدیوں کو احساناً یا فدیہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مفسرین کے نزدیک سورۂ انفال کی آیت پہلے اور سورۂ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے چونکہ متأخر، متقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے اس لئے سورۂ محمد کی آیت ناسخ اور سورۂ انفال کی آیت منسوخ ہوگی اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مسلک بھی ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دو قول منقول ہیں ایک یہی کہ قیدیوں کو فدیہ کے عوض رہا کرنا جائز نہیں دوسرا قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں جواز کا نقل کیا گیا ہے، یہی قول راجح اور اظہر ہے۔اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے اور انہوں نے بہت ہی عمدہ طرز استدلال کے ساتھ اس مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مضمون اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں آیات میں تعارض نہیں اور دونوں میں سے کسی آیت کو بھی ناسخ اور منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا چنانچہ ابن زید اور ابوعبید بن سلام نے فرمایا کہ یہ دونوں آیات محکم ہیں اور یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس وقت من وفداء کی ممانعت وارد ہوئی اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور ان کی شوکت وسلطنت میں اضافہ ہوا تو من وفداء کی اجازت دی گئی۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ غزوۂ بدر میں من وفداء کی ممانعت اور اثخان کے حکم سے کفر کی شوکت پامال کرنا مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوا کہ کفار کو فدیہ کے عوض زندہ چھوڑ دیا جائے لیکن کفر کی شوکت ملیا میٹ ہوکر جب اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور انکی شوکت و سطوت قائم ہوئی تو اثخان کی ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے من وفدیہ کی اجازت دی گئی۔گویا دونوں آیات محکم ہیں جب اہل اسلام کا مفاد اثخان اور خونریزی میں مضمر تھا اور حالات کا اقتضا بھی یہی تھا تو من وفداء کی ممانعت ہوئی اور اثخان کا حکم وارد ہوا تاہم جب اقتضائے حال بدل گیا اور اثخان کی ضرورت نہ رہی تو من وفداء کی اجازت دی گئی۔اسلئے یہاں کسی بھی آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں، نسخ کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب دو آیات میں جمع اور تطبیق ممکن نہ ہو۔

اسی بناء پر جمہور فقہاء نے فرمایا کہ امامِ وقت کو مصلحت کے پیشِ نظر احسان، فداء اور ترقیق میں سے کسی بھی فیصلہ پر عمل کا اختیار حاصل ہے۔خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ان سب کی نظیریں موجود ہیں۔(کشف الباری، جہاد ج۲ ص۳۳۸)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣١ھ

الشق الاوّل.....**عن ثابت بن وديعة قال كنا مع رسول الله فی جيش فأصبنا ضبابا قال: فشويت منها ضبا، فأتيت رسول الله ﷺ فوضعته بين يديه، قال: فأخذعودًا فعدبه أصابعه ثم قال: ان أمة من بنی اسرائيل مسخت دوابا فی الأرض وانی لاأدری أی الدواب هی ،قال: فلم يأكل ولم ينه.**(ص۱۷۶۔ج۲۔رحمانیہ)

ترجم الحديث الشريف ۔ اذكر حكم أكل الضب عند العلماء ۔ اذكر أدلتهم على ذلك ۔ كيف قال ﷺ: ان أمة من بنی اسرائيل مسخت.....الخ مع أنه قدورد أن الممسوخ لايعيش أكثرمن ثلاثه أيام.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ضب کا حکم اور ائمہ کے دلائل (۳) **ان امة من بنی اسرائيل مسخت** (احادیث میں تطبیق)۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم نے چند گوہ پکڑ لیں میں نے ان میں سے ایک کو بھونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی لے کر اس کی انگلیاں گنیں، پھر فرمایا بنی اسرائیل کی ایک جماعت زمین میں جانور کی شکل میں مسخ کر دی گئی تھی اور مجھے نہیں معلوم وہ کون سا جانور تھا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھایا اور نہ منع فرمایا۔

② ضب کا حکم اور ائمہ کے دلائل:۔ ضب مگر مچھ اور چھپکلی سے ملتا جلتا ایک جانور ہے جسے ہمارے معاشرہ میں گوہ اور سوسمار کہتے ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک ضب یعنی کفتار و گوہ کا گوشت مباح ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ظاہریہ رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ حضرات فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک گوہ حرام ہے۔ یہ مسلک اعمش، زید بن وھب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ضب کا گوشت مکروہ ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے مکروہ تنزیہی فرمایا اور بنایہ میں علامہ عینی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ جمہور کا استدلال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طویل روایت ہے جس میں انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ ضب حرام ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، لیکن یہ ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے اس لئے اس کو میری طبیعت پسند نہیں کرتی۔ جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء پر محمول ہے اور یہ منسوخ ہے نیز محرم مبیح سے راجح ہے۔ حرمت کے قائلین قرآن کریم کی آیت **ویحرم علیھم الخبائث** سے استدلال کرتے ہیں کہ ضب سے طبیعتِ سلیمہ نفرت کرتی ہے لہٰذا یہ خبائث میں داخل ہے نیز ابوداؤد میں عبدالرحمٰن بن شبل کی روایت سے استدلال کرتے ہیں **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن أکل الضب** ۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسماعیل بن عیاش کی وجہ سے معلول قرار دیا۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسماعیل بن عیاش کی شامیین سے روایات مقبول ہیں اور یہ حدیث وہ شامیین سے روایت کرتے ہیں اسکے علاوہ ابن عساکر نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے بھی نقل کیا ہے اور اسکی سند حسن ہے۔ اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ ان کو کسی نے ضب ہدیہ میں دیا۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا، اتنے میں ایک سائل آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے وہی ضب کھلانا چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اتطعمینہ مالا تأکلین** جو خود نہیں کھا رہی، وہ اسے کھلا رہی ہو۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں **وبہ نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ**۔ (کشف الباری کتاب الاطعمۃ ص ۹۶)

③ **ان امۃ من بنی اسرائیل مسخت** کی وضاحت:۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شاید یہ ضب بنی اسرائیل کی مسخ شدہ قوم کی ہی صورت نہ ہو جبکہ دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسخ شدہ قوم تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہتی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسخ کا علم تو ہو لیکن اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہتی، بعد میں اس کا بھی علم ہو گیا ہو۔ (انعام المعبود ص ۱۶۲)

0313 6057913 maktabazakariyamultan@gmail.com

مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم حشرات الارض میں سے کسی جانور کی شکل میں مسخ ہوئی ہے اب جو بھی ایسا جانور ہوگا اسکا کھانا حرام ہوگا جیسا کہ بندر اور خنزیر کی شکل میں بعض قوموں کو مسخ کیا گیا تھا اور یہ دونوں حرام ہیں۔ لیکن اس وقت تک گوہ کے بارے میں آپ کو یہ یقین نہ تھا کہ وہی ممسوخ شدہ شکل ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تردد فرمایا بعد میں جب یقینی طور پر گوہ کے بارے میں معلوم ہوا تو اسکے کھانے سے منع فرما دیا۔

الشق الثانی ..... **باب فی الکمناء: عن البراء قال جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الرماۃ..... عبداللہ بن جبیر وقال ان رأیتمونا تخطفنا الطیر فلا تبرحوا من مکانکم ھذا حتی ارسل الیکم وان رأیتمونا ھزمنا القوم واوطأناھم فلا تبرحوا حتی ارسل الیکم قال فھزمھم اللہ قال فانا واللہ رأیت النساء یسندن علی الجبل فقال اصحاب عبداللہ بن جبیر: الغنیمۃ ای قوم الغنیمۃ ظھر اصحابکم فما تنتظرون**

.....؟ والله لناتين الناس فلنصيبنّ من الغنيمة فاتوهم فصرفت وجوههم فاقبلوا منهزمين.

ترجم الحديث المبارك.اذكرعددالرماةوبأية غزوة يتعلق هذاالحديث؟ ترجم للبراء بن عازب ترجمة وجيزة.اشرح الكلمات الآتية لغة وصرفا الكمناء،اوطأنا،يسندن،تخطف،الرماة.

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) تیراندازوں کی تعداد اور غزوہ کی نشاندہی (۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا تعارف (۴) الکمناء،اوطأنا،یسندن،تخطف،الرماۃ کی لغوی وصرفی تحقیق۔

جواب ..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ یہ باب ہے کمین گاہ میں چھپنے والے کے بیان میں، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر کو تیراندازوں پر امیر مقرر فرمایا، اور فرمایا کہ اگر تم لوگ یہ دیکھو کہ ہم لوگوں کو پرندے اُچک رہے ہیں تب بھی تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک کہ تمہیں بلایا نہ جائے اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کی فوج کو شکست دے دی ہے اور ہم نے انہیں روند ڈالا ہے تب بھی تم لوگ اس جگہ سے نہ ہٹنا جب تک کہ تمہیں بلایا نہ جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ پس اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دیدی اور میں نے اُن لوگوں کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑوں پر چڑھنے لگیں (فرار ہونے لگیں)۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا کہ مالِ غنیمت لے لو تمہارے ساتھی غالب آگئے ہیں اب تم کیا دیکھ رہے ہو؟ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھول گئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ قسم بخدا ہم لوگ تو ضرور جائیں گے اور مالِ غنیمت سے حصہ حاصل کریں گے پس وہ گئے اور ان کے چہرے پھیر دیئے گئے اور ان کو شکست ہوگئی۔

❷ تیراندازوں کی تعداد اور غزوہ کی نشاندہی:۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں دیئے گئے تیراندازوں کی تعداد پچاس تھی اور یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے اندر پیش آیا۔

❸ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ آپ کا پورا نام براء بن عازب بن حارث بن عدی انصاری حارثی اوسی ہے۔ کنیت ابوعمارہ ہے، بعض نے ابوعمرو اور ابوطفیل بھی ذکر کی ہے۔

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت بلال حبشی، حضرت ثابت بن ودیعہ انصاری، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے۔ آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے، بدر کے موقع پر کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے البتہ بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ واقعۂ صفین، جمل اور قتالِ خوارج کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، آپ سے ۳۰۵ روایات مروی ہیں، آپ نے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۷۱ھ یا ۷۲ھ میں وفات پائی۔ (کشف الباری ج۲ ص۳۷۵)

❹ الکمناء،اوطأنا،یسندن،تخطف،الرماۃ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔

"اَلْكُمَنَاءُ" یہ کمین کی جمع ہے بمعنی وہ شخص جو دشمن کی تاک وگھات میں ہوتا کہ موقع پا کر حملہ کردے۔ کمین گاہ۔

"اَوْطَأْنَا" صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر اِیْطَاءٌ (افعال، مثال ومہموز) بمعنی روندنا۔

"يَسْنُدْنَ" صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر سُنُوْدًا (نصر، صحیح) اعتماد وبھروسہ کرنا، چڑھنا۔

"تَخْطِفُ" صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر خَطْفًا (سمع، صحیح) بمعنی اچکنا۔

"اَلرُّمَاةُ" یہ رَامِیٌ (اسم فاعل بمعنی تیرانداز) کی جمع ہے۔ از مصدر اَلرَّمْیُ (ضرب، ناقص) بمعنی پھینکنا۔

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل .....عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رجلًا أتى النبى ﷺ، فقال: يا رسول الله كيف الطهور؟ فدعا بماء في اناء، فغسل كفيه ثلاثا ثم غسل وجهه ثلاثاً، ثم غسل ذراعيه ثلاثًا ثم مسح

برأسه وأدخل اصبعيه السباحتين فی أذنيه، ومسح بابهاميه علی ظاهر أذنيه، وبالسباحتين باطن أذنيه ثم غسل رجليه ثلاثًا، ثم قال هكذا الوضوء، فمن زاد علی هذا أو نقص فقدأساء وظلم أو ظلم وأساء۔

اشرح قوله"فمن زاد علی هذاأونقص فقد أساء وظلم" شرحًا وافيًا فی ضوء ما أفاده العلماء والشراح

جواب.....فمن زاد علی هٰذا او نقص فقد اساء وظلم کی تشریح:۔اس حدیث میں مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ نقص عن الثلاث متعدد احادیث میں حضور ﷺ سے ثابت ہے، ہاں! البتہ زیادۃ علی الثلاث ثابت نہیں، تو جو چیز آپ سے ثابت ہے اس کو اساءۃ اور ظلم کیوں کہا جارہا ہے۔ نیز اس حدیث کی بناء پر ابوحامد اسفرائنی رحمہ اللہ نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نقص عن الثلاث ناجائز ہے اور ایسے ہی دارمی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک وضوء کے اندر زیادۃ علی الثلاث مبطلِ وضوء ہے جیسا کہ زیادۃ فی الصلوٰۃ مفسدِ صلوٰۃ ہے علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اس اختلاف کو غرائب میں شمار کیا ہے۔

بہرحال اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ نقص ثابت نہیں وہم راوی ہے، چنانچہ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور مسندِ احمد میں ہے۔ان تمام کتب میں اس حدیث میں لفظ نقص مذکور نہیں صرف لفظ زاد ہے۔

لیکن اگر اس لفظ کو ثابت مان لیا جائے تو اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ نقص سے مراد نقص عن مرۃٍ واحدۃٍ ہے یعنی ایک مرتبہ بھی تمام اعضاء کو اچھی طرح نہیں دھویا اس صورت میں نقص کا اساءۃ اور ظلم ہونا ظاہر ہے۔

دوسری تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں پر شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں ''زاد'' اور ''نقص'' اسی طرح جانبِ جزاء میں دو چیزیں مذکور ہیں ''اساء'' اور ''ظلم'' تو اساءۃ کا تعلق نقص سے اور ظلم کا تعلق زاد سے ہے۔اس صورت میں اشکال واقع نہ ہوگا اس لئے کہ نقصان کو اساءت اور زیادتی کو ظلم کہا جارہا ہے، یا یوں کہا جائے کہ مجموعہ مجموعہ پر مرتب ہورہا ہے، ہر ایک کو الگ الگ ظلم واساءۃ نہیں کہا جارہا ہے۔(الدر المنضود ج ا ص ۲۷۷)

الشق الثانی.....**عن قتادة عن الحسن عن سمرة قال:قال رسول الله ﷺ من توضأ ونعمت ومن اغتسل فهو أفضل** ۔(ص ۶۳۔ج ا۔رحمانیہ) **اذكر حكم الغسل يوم الجمعة عند الفقهاء واذكر أدلتهم۔ من الذی يستدل بهذا الحديث؟ وما هی العلل التی ذكرها من لايقول به ۔ ماهی أقوال العلماء فی"سماع الحسن عن سمرة"؟ و اذكرأدلتهم علی ذلك مع ذكروجوه ترجيح ماذهب اليه محمد رحمه الله تعالی۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) غسل یوم الجمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل (۲) امام محمدؒ کے نزدیک مذہب راجح (۳) حدیث کے مستدلین کی تعیین وجواب (۴) **سماع الحسن عن سمرة** کی وضاحت۔

جواب.....① غسلِ یوم الجمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل:۔ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔اہل ظاہر کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب ہے، حنابلہ و مالکیہ کا بھی ایک یہی قول ہے۔

0313 6457973 maktabazakariamultan@gmail.com

جمہور کی پہلی دلیل: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث **من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فهو افضل** اور یہ حدیث سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ دوسری دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **"من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعة فدنا واستمع وانصت غفرله"** اس حدیث میں غسل کا ذکر ہی نہیں ہے۔ تیسری دلیل: حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی مشہور حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیر سے جمعہ میں تشریف لائے اور غسل بھی نہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آئے دیر سے ہیں اور پھر آئے بھی بغیر غسل کے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے ہمیں غسل یوم الجمعہ کا حکم دیا ہے الحاصل اگر غسل واجب ہوتا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ از خود غسل کے لئے تشریف لے جاتے ورنہ کم از کم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ان کو غسل کے لئے واپس جانے کا حکم فرماتے ان دونوں امور میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے اور پھر اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی بھی ہوگیا کہ کسی نے اس موقعہ پر وجوب کی بات نہ کی،

ان تین وجوہ سے معلوم ہوا کہ غسل یوم الجمعہ واجب نہیں ہے۔

اہل ظاہر کی پہلی دلیل: یہ حدیث ہے **من اتی الجمعة فلیغتسل** اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ان رسول اللہ ﷺ قال غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم** اس میں صراحت کے ساتھ وجوبِ غسل کا ذکر ہے۔

جمہور کی طرف سے ان دلائل کا پہلا جواب: یہ ہے کہ غسل کا حکم عارض کی وجہ سے تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت مزدوری کرتے تھے، اون وغیرہ کے کپڑے پہنتے تھے جو پسینہ سے شرابور ہوتے تھے اور مسجد انتہائی تنگ تھی اور چھت بھی نیچی تھی تو پسینہ کی بدبو کی وجہ سے آپس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنگی ہوتی تھی اسلئے غسل کا حکم دیا گیا تھا، پھر وسعت ہوئی محنت مزدوری ختم ہوگئی مسجدیں وسیع ہوگئیں، اچھا کھانا پینا اور پہننا ہوگیا تو وہ عارض بدبو والا ختم ہوگیا، جب عارض ختم ہوگیا تو غسل والا حکم بھی ختم ہوگیا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۳۳۴)

② امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مذہب راجح:۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مذہب جمہور ہی راجح ہے کہ غسلِ یوم الجمعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ غسل یوم الجمعہ کے وجوب اور عدمِ وجوب دونوں طرح کی احادیث ہیں۔ گویا ان میں تعارض ہوگیا تو ہم نے عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف غور کیا تو ہمیں حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی عدمِ وجوبِ غسل پر معلوم ہوا۔ پس اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے عدمِ وجوبِ غسل راجح ہوا۔

③ حدیث کے مستدلین کی تعیین وجواب:۔ یہ حدیث الباب جمہور کی دلیل ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے بھی اچھا کیا، البتہ غسل کرنا افضل ہے۔ اگر غسل یوم الجمعہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ کبھی بھی وضو کرنے کے متعلق نعمت کے الفاظ ارشاد نہ فرماتے، چونکہ یہ حدیث جمہور کے موافق ہے اسلئے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

دیگر حضرات کہتے ہیں کہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا سماع حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف فیہ ہے اور یہاں پر حضرت حسن رحمہ اللہ بصیغہ عن روایت کرتے ہیں، لہٰذا یہ روایت قابلِ استدلال نہیں ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے متعدد شواہد و متابع موجود ہیں۔ یہ حدیث حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ پانچ صحابہ (حضرت انس، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، جابر، ابن عباس رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

④ سماع الحسن عن سمرة کی وضاحت:۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن کے سماع کے متعلق تین مذہب ہیں

① حضرت حسن رحمہ اللہ کا سماع سمرہ رضی اللہ عنہ سے مطلقاً ثابت ہے۔ امام ترمذی، امام بخاری اور ابنِ مدینی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

② حضرت حسن رحمہ اللہ کا سماع سمرہ رضی اللہ عنہ سے بالکل ثابت نہیں ہے، ابن حبان، ابن معین اور شعبہ رحمہم اللہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔

③ حضرت حسن رحمہ اللہ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے صرف حدیثِ عقیقہ سنی ہے، امام نسائی اور دارقطنی رحمہما اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔

(درسِ ترمذی ج ۱ ص ۴۲۳، تحفۃ الالمعی ج ۱ ص ۴۸۵)

03126357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل..... **حدثنا عبداللہ بن مسلمة، حدثنا مالك وقرأه على مالك أيضًا عن نافع عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ فرض زكاة الفطر، قال فيه: فيما قرأه على مالك: زكاة الفطر من رمضان صاع من تمر أو صاع من شعير على كل حر أو عبد ذكر أو أنثى من المسلمين.** (ص ۲۳۸۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

هل لصدقة الفطر نصاب؟ اذكر أقوال العلماء فيه. اذكر أدلتهم. اذكر مايترتب على قوله "من المسلمين" من الأحكام واكتب أقوال العلماء فى زيادة "من المسلمين" هل هى زيادة ثابتة أم لا؟ ولوثبتت فما هو محمله الصحيح؟ اذكر اختلاف الفقهاء في وقت وجوب صدقة الفطر.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) **من المسلمین** کا ثبوت اور محمل (۴) **من المسلمین** پر مرتب حکم (۵) صدقۂ فطر کے وجوب کے وقت میں اختلاف۔

جواب ..... ① صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف:۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک صدقۂ فطر کیلئے کوئی نصاب شرط نہیں ہے بلکہ جس شخص کے پاس بھی ایک دن کی ضروریات سے زائد مال ہو اس پر صدقۂ فطر لازم ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصابِ زکوٰۃ شرط ہے اور البتہ نامی ہونا اور حولانِ حول شرط نہیں ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: ① آیتِ کریمہ **قدافلح من تزکی** ہے۔ اس میں صدقۂ فطر پر زکوٰۃ کا لفظ مستعمل ہے اور زکوٰۃ کے لئے بالاتفاق نصاب شرط ہے۔ ② **اٰتوا الزکوٰۃ** والی آیاتِ قرآنیہ ہیں، حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا عموم صدقۂ فطر کو بھی شامل ہے، لہٰذا اس کے لئے نصاب شرط ہونا چاہیے۔ ③ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے **قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم **لاصدقۃ الّا عن ظھرغنی** کہ صدقۂ فطر غنی پر لازم ہے اور ایک دن کی ضرورت سے زائد مال والے شخص کو غنی نہیں کہا جاتا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ روایات میں صدقۂ فطر کیلئے کوئی نصاب بیان نہیں کیا گیا۔

دوسری دلیل: حضرت ابوثعلبہ عن ابیہ رضی اللہ عنہ کی صدقۂ فطر والی طویل حدیث ہے جسکے آخر میں یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے **اما غنیکم فیزکیہ اللہ واما فقیر کم فیرد علیہ اکثر ممااعطاہ**، اس سے معلوم ہوا کہ فقیر پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اگر فقیر پر صدقۂ فطر واجب کیا جائے انقلابِ موضوع لازم آئے گا کہ آج فقیر صدقۂ فطر ادا کرے اور اگلے ہی دن لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوا نظر آئے۔ نیز ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کو دینے کا حکم ہے اس سے لینے کا حکم نہیں ہے۔

نیز محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں نعمان بن بشیر راوی ضعیف ہے اور ابن ابی صغیر راوی مجہول ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیز اکثر روایات میں فقیر کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ روایت شاذ ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۴۱۶، درسِ ترمذی ج ۲ ص ۴۹۷)

③ و ④ **من المسلمین** کا ثبوت اور محمل اور اس پر مرتب حکم:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ **من المسلمین** کی قید روایت میں ثابت ہے چنانچہ اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوگا کہ کافر غلام کی طرف سے مسلمان مالک پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، البتہ مسلمان غلام کی طرف سے ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق مسلمان مالک پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر کی روایات میں عبد کا لفظ مطلق اور عام ہے، مسلم و کافر دونوں کو شامل ہے بلکہ بعض روایات میں کافر اور نصرانی کے لفظ کی تصریح بھی ہے، لہٰذا کافر غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

نیز **من المسلمین** کی زیادتی بعض روایات میں نہیں ہے جیسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ورواہ غیر واحد عن نافع ولم یذکروا فیہ من المسلمین**، لہٰذا یہ روایت مضطرب ہے۔ نیز خود راویِ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اس کے خلاف ہے لہٰذا یہ روایت مرجوح ہے۔ نیز علی سبیل التسلیم اگر اس قید **من المسلمین** کو درست و ثابت بھی تسلیم کرلیں تو پھر اس قید کا تعلق مخرجینِ صدقہ سے ہے جنہوں نے صدقۂ فطر ادا کرنا ہے، مخرج عنھم سے اس کا تعلق نہیں ہے جن کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اور مالک کا مسلمان ہونا ضروری ہے، غلام اور مملوک کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ (ایضاً)

⑤ صدقۂ فطر کے وجوب کے وقت میں اختلاف:۔ صدقۃ الفطر کے وجوب کا وقت وقتِ افطار ہے۔

افطار سے کون سا افطار مراد ہے؟ تو حنابلہ کہتے ہیں کہ رمضان کے آخری روزے کا وقتِ غروب مراد ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ افطار تو شروع رمضان سے ہی ہو رہا ہے یہ مراد نہیں ہے بلکہ وہ خاص وقتِ افطار مراد ہے جو ایک ماہ کے بعد ہو رہا ہے یعنی عید کے دن طلوعِ فجر کا وقت۔ پس جو شخص اس وقت موجود ہوگا اُس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا اور جو شخص اس سے پہلے مرجائے یا جو بچہ اس وقت کے بعد پیدا ہوا اُس پر صدقۂ فطر لازم نہ ہوگا۔ مالکیہ کے دونوں قول ہیں۔ اسی طرح امام شافعیؒ کا قولِ جدید امام احمدؒ کی مثل ہے

021-36357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اوروہ قولِ قدیم میں ہمارے ساتھ ہیں۔(الدرالمنضود ج۳ص۸۰)

الشق الثانی.....**حدثنی صالح مولی التوأمة عن أبی هريرة قال:قال رسول اللهﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلاشیء علیه۔**(ص۱۰۱۔ج۲۔رحمانیہ) **اذکرحکم الجنازة فی المسجد عند الفقهاء۔ اذکرأدلتهم۔ هذاالحدیث لمن یشهد؟ واذکر ماتکلم به العلماء فی هذاالحدیث ببیان واضح۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں(۱)جنازہ فی المسجد کے حکم میں اختلاف (۲)ائمہ کے دلائل (۳)حدیث کے متدلین کی وضاحت اوراس پرکلام۔

جواب.....**①** جنازہ فی المسجد کے حکم میں اختلاف:۔امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے ہاں بلاعذر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے ہاں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو۔امام اسحاق،ابوثور اوردا ؤدظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے دلائل:①**عن ابی هريرة قال قال رسول اللهﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلاشیء له**۔②۱۱ھ میں آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر سے فارغ ہوکراس کی شرقی جانب جنازہ گاہ مقررفرمائی تھی اگرمسجد میں نماز جنازہ جائز ہوتی تو الگ جگہ مقرر نہ فرماتے جب کہ مسجد نبوی میں ثواب بھی زیادہ ہے۔

امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کی پہلی دلیل:یہ حدیث ہے**عن عائشةؓ قالت صلی رسول اللهﷺ علی سهیل بن البیضاء فی المسجد**۔ دوسری دلیل:حدیث الباب ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دیگراحادیث کلیہ کے مقابلہ میں مرجوح ہےاور **فلاشیء له** والی قوی روایت اس سے راجح ہے نیز ممکن ہے کہ آپ ﷺ اس وقت معتکف ہوں اس وجہ سے آپ ﷺ نے مسجد میں ہی نمازِ جنازہ ادا کی ہو۔نیز یہ بھی ممکن ہے کہ باہر بارش ہو،توبارش کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی بالکلیہ اسکے جواز کی دلیل نہیں ہے۔الغرض نفی کی روایات اصل پرمحمول ہیں اوراثبات کی روایات حالتِ عذروبیانِ جواز پرمحمول ہیں۔(المسائل والدلائل ص۵۰۴،درسِ ترمذی۳۰۷:۳)

③ حدیث کے متدلین کی وضاحت اوراس پرکلام:۔بظاہر یہ حدیث شافعیہ وحنابلہ کی دلیل ہے اسلئے کہ اس میں آپ ﷺ نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے والے کے متعلق فرمایا کہ **فلاشیء علیه** اس پرکوئی چیز نہیں ہے یعنی مسجد میں بلاکراہت نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے۔ جواب یہ ہے کہ اصل عبارت ونسخہ **فلاشیء له** ہےاوراس کی تائید دیگرروایات سے بھی ہوتی ہے کہ سنن ابن ماجہ،مسند احمد بن حنبل اورطحاوی وغیرہ سب کتب میں **فلاشیء له** یا **فلیس له شیء** کے الفاظ ہیں۔

نیز خطیب بغدادی جوسنن ابی داؤد کے اصل راوی ہیں وہ بھی فرماتے ہیں **المحفوظ: فلاشیء له** یعنی **فلاشیء** والی روایت ہی صحیح اورمحفوظ ہے۔(درسِ ترمذی ج۳ص۳۰۸)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاوّل.....**عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ عَلِيّاً أَحْرَقَ نَاسًا اِرْتَدُّوْا عَنِ الْاِسْلَامِ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ اِبْنَ عَبَّاس، فَقَالَ: لَمْ أَكُنْ لِأُحْرِقَهُمْ بِالنَّارِ، اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِﷺ قَالَ: لَاتُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ، وَكُنْتُ قَاتِلَهُمْ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِﷺ، فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِﷺ قَالَ: مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِيًّا فَقَالَ: وَيْحَ اِبْنَ عَبَّاسٍ۔** (ص۲۴۹،ج۲۔رحمانیہ)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه بالأردیة ترجمة واضحة ۔ ماهوحکم المرتد عند العلماء؟ واذکر أدلتهم ۔ کیف أحرقهم سیدنا علیؓ بالنار مع النهی الصریح من قبل رسول اللهﷺ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امورحل طلب ہیں(۱)حدیث پراعراب(۲)حدیث کا ترجمہ(۳)مرتدہ کاحکم مع الدلائل(۴)حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتدین کواحراق بالنار کی سزادینے کی توجیہ۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو آگ سے جلا ڈالا تھا جو کہ اسلام سے مرتد ہوگئے تھے (جب) یہ بات حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ میں آگ سے نہ جلاتا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے قتل کرتا، اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنا دین (دینِ اسلام) تبدیل کرلے (مرتد ہوجائے) تو اس کو قتل کردو، (جب) یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ **ویح ابن عباس** (اور بعض روایات میں **صدق ابن عباس** کے الفاظ بھی ہیں اور ویح کا لفظ بعض مواقع پر مدح وتعریف کیلئے بھی آتا ہے اور یہاں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ۲:۳۵۵)

③ مرتدہ کا حکم مع الدلائل:۔ حنفیہ کے نزدیک مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ ارتداد سے توبہ کرلے یا پھر قید ہی میں اس کی موت واقع ہوجائے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد مرد کی طرح مرتدہ عورت کو بھی قتل کیا جائے گا اور دلیل یہی حدیث ہے **من بدل دینہ فاقتلوہ** کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو، اس میں مرد وعورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حربی کافروں سے لڑائی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل سے منع فرمایا ہے حالانکہ حربی واجب القتل ہے جب حربیہ عورت کے قتل سے منع فرمادیا تو مرتدہ عورت بھی قتل سے مستثنیٰ ہوگئی۔ (ترمذی باب فی المرتد)

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتدین کو احراق بالنار کی سزا دینے کی توجیہ:۔ حضرت علی اور حضرت خالد بن ولید، حضرت معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے نزدیک تحریق بالنار جائز ہے۔ علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **لاتعذبوا بعذاب اللہ** والی نہی تحریمی نہیں بلکہ علی سبیل التواضع ہے یعنی تواضعاً اللہ اس کی ممانعت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں زانی عورتوں کو جلایا تھا۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بعض مرتدین کو جلایا۔ اکثر فقہاءِ مدینہ قلعہ بند دشمنوں کے جلانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی فریق نے نہی تحریمی و وجوبی نہیں ہے بلکہ ندب واستحباب کیلئے ہے (ایضاً)۔

اس ساری تفصیل کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس نہی کا علم نہ تھا نیز فتنۂ ارتداد وسبائیت کی قباحت وشفاعت اور انکو نشان عبرت بنانے کے لئے انہوں نے یہ عمل کیا تھا۔ (تفصیل کشف الباری کتاب الجہاد ۲:۳۳۰)

الشق الثانی ..... **عن أبی شریح الخزاعی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من أصیب بقتل أو خبل، فانہ یختار احدی ثلاث، اما أن یقتص، واما أن یعفو، واما أن یأخذ الدیۃ، فان أراد الرابعۃ فخذوا علی یدیہ، ومن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب ألیم۔** (ص ۲۷۱۔ ج ۲۔ رحمانیہ) **ترجم الحدیث بالأردیۃ ثم اشرحہ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قتل کیا گیا یا اس کا کوئی عضو کاٹا گیا تو اسے تین باتوں کا اختیار ہے چاہے تو قصاص لے لے اور چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو دیت لے لے، پس اگر وہ (ان تین کے علاوہ) کسی چوتھی چیز کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو، اور جو شخص اس کے بعد حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص قتل کردیا جائے یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو اس کے ورثاء کو تین امور میں اختیار ہے۔ ① یہ کہ قتل کی صورت میں اسکے ورثاء قاتل کو قتل کردیں یا عضو کاٹ دینے کی صورت میں اسکا بھی وہی عضو کاٹ دیا جائے ② یہ کہ قاتل اور مخالف کو معاف کردیا جائے ③ یہ کہ

قاتل سے دیت وصول کی جائے۔اسے ان تین باتوں میں سے کسی ایک میں اختیار حاصل ہے اور اگر وہ ان تین امور کے علاوہ کوئی چوتھا امر اختیار کرے اور تین امور پر کسی اعتبار سے زیادتی کرے تو اس کو منع کرو اور اگر اس ارشاد اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود وہ حد سے تجاوز کرے تو پھر آگاہ رہو حد سے تجاوز کرنے والوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٣٣ھ

الشق الاوّل.....عن ثعلبه بن زهدم قال: كنا مع سعيد بن العاص بطبرستان فقام فقال: أيكم صلى مع رسول الله ﷺ صلاة الخوف؟ فقال حذيفة أنا فصلى بهؤلاء ركعة وبهؤلاء ركعة ولم يقضوا، قال أبوداؤد: وكذا رواه عبيدالله بن عبدالله ومجاهد عن ابن عباس عن النبى ﷺ وعبدالله بن شقيق عن أبى هريرة عن النبى ﷺ، ويزيد الفقير وأبو موسٰى ـ قال أبوداؤد رجل من التابعين ليس بالأشعرى ـ جميعًا عن جابر عن النبى ﷺ، وقد قال بعضهم عن شعبة فى حديث يزيد الفقير انهم قضوا ركعة أخرى وكذلك رواه سماك الحنفى عن ابن عمر عن النبى ﷺ، وكذلك رواه زيد بن ثابت عن النبى ﷺ، قال: فكانت للقوم ركعة وللنبى ﷺ ركعتين ۔(ص١٨٥۔ج١۔رحمانیہ)

من هو سعيد بن العاص؟ترجم له موجزا ـ اشرح الحديث.

جواب..... ① حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ان کا پورا نام سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ اموی ہے،انکے والد جنگِ بدر میں کافر ہونے کی حالت میں قتل کئے گئے،آپ ﷺ کے وصال کے وقت انکی عمر نو برس تھی،صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار کیا گیا ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ کے گورنر رہے۔مصحفِ عثمانی کے کاتبوں میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔(تقریب التہذیب)

② حدیث کی تشریح:۔حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ثعلبہ بن زہدم کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے،اسی دوران حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ الخوف ادا کی ہے تو بتلائے؟مجلس میں موجود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پڑھی ہے پھر انہوں نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت پڑھائی اور انہوں نے کوئی رکعت قضاء نہیں کی۔

الشق الثانی.....حدثنا عبدالله بن محمد النفيلى حدثنا أبو معاوية عن هشام بن عروة عن عمرو بن خزيمة عن عمارة بن خزيمة عن خزيمة بن ثابت قال: سئل النبى ﷺ عن الاستطابة؟ فقال: بثلاثة أحجار ليس فيها رجيع، قال أبوداؤد:كذا رواه أبوأسامة وابن نمير عن هشام ۔(ص١٧۔ج١۔رحمانیہ)

ترجم الحديث المبارك الى الأردية ـ اشرح قول أبى داؤد ووضح مراده بذلك.

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے استنجاء کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ استنجاء تین پتھروں کے ذریعہ کیا جائے کہ ان میں گندگی نہ ہو۔

② قال ابوداؤد کی شرح وغرض:۔امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض میں دو اقوال ہیں۔① بذل المجہود میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض حدیث کی سند میں اختلاف کو بیان کرنا ہے،اکثر رواۃ نے ہشام بن عروہ اور عمرو بن خزیمہ کے درمیان واسطہ نقل نہیں کیا جبکہ بعض رواۃ نے ان دونوں کے درمیان عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ کا واسطہ نقل کیا ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے۔

②صاحبِ منہل نے لکھا ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض سند کے اختلاف کو ہی بیان کرنا کہ ہشام کے اکثر تلامذہ ابومعاویہ،ابواسامہ،ابن نمیر اپنے استاذ ہشام بن عروہ کے شیخ کا نام عمرو بن خزیمہ ذکر کرتے ہیں جبکہ ہشام کے ہی چوتھے شاگرد

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

سفیان بن عیینہ ہشام بن عروہ کے شیخ کا نام ابووجزہ ذکر کرتے ہیں لہٰذا یہ سفیان کا وہم ہے۔(الدرالمنضود ج۱ص۱۴۶)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....عن عاصم عن أبی عثمان عن ابن مسعود قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: من أسبل أزارہ فی صلاتہ خیلاء فلیس من اللّٰہ جل ذکرہ فی حل ولا حرام، قال أبو داؤد: روی ھذا جماعۃ عن عاصم موقوفًا علی ابن مسعود منھم: حماد بن سلمۃ وحماد بن زید وأبوالأحوص وأبومعاویۃ۔

ترجم الحدیث الشریف ترجمۃ واضحۃ بالأردیۃ ۔ اشرح الحدیث ووضح معنی قولہ: فلیس من اللّٰہ جل ذکرہ فی حل ولا حرام واذکر أقوال الشراح فیہ ۔ اشرح قول أبی داؤد وبین غرضہ۔ (ص۱۰۳۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) فلیس من اللّٰہ فی حل ولا حرام کے معنی میں شراح کے اقوال (۴) قال ابوداؤد کی شرح وغرض۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنی نماز میں تکبر وغرور کی وجہ سے اسبالِ ازار کیا تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ حلال میں ہے اور نہ حرام میں ہے۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے تکبر وغرور کی وجہ سے اپنا ازار نماز وغیرہ میں ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اس کا یہ فعل حرام ہے اور اگر اس نے یہ عمل بے توجہی وغفلت کی وجہ سے کیا تو مکروہ ہے اور اگر کسی عذر ومجبوری کی وجہ سے کیا ہے تو پھر مکروہ بھی نہیں ہے۔(الدرالمنضود)

③ فلیس من اللّٰہ فی حل ولاحرام کے معنی میں شراح کے اقوال:۔ اس جملہ کے مطلب میں شراح کے مختلف اقوال ہیں۔ یہ ماخوذ ہے عرب کے قول فلان لاینفع للحلال ولاللحرام یعنی فلاں شخص ناکارہ اور بیکار ہے، لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں اور نہ اس کا کوئی فعل قابلِ اعتبار ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص نہ کوئی جائز اور حلال کام کر رہا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کوئی احترام ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کیلئے نہ جنت حلال ہے اور نہ جہنم حرام۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے کہ اس کو نہ حلال کی خبر اور پرواہ اور نہ حرام کی۔(الدرالمنضود ج۲ص۱۷۴)

④ قال ابوداؤد کی شرح وغرض:۔ قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض اختلافِ رواۃ کو بیان کرنا ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے مرفوعاً نقل کیا ہے جبکہ دیگر متعدد رواۃ حماد بن سلمہ، حماد بن زید، ابوالاحوص اور ابومعاویہ وغیرہ اسی حدیث کو عاصم کے واسطہ سے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مرقوفاً نقل کرتے ہیں گویا کہ اس حدیث کو مرفوعاً نقل کرنے میں ابوداؤد طیالسی منفرد ہے، لہٰذا یہ موقوفاً ہی راجح ہے۔

الشق الثانی.....عن نافع بن جبیر عن سھل بن ابی حثمۃ یبلغ بہ النبی ﷺ قال: اذا صلی احدکم الی سترۃ فلیدن منھا لایقطع الشیطان علیہ صلاتہ، قال ابو داؤد: ورواہ واقد بن محمد عن صفوان عن محمد بن سھل عن ابیہ، اوعن محمد بن سھل عن النبی ﷺ، وقال بعضھم عن نافع بن جبیر عن سھل بن سعد واختلف فی اسنادہ۔(ص۱۱۰۔ج۱۔رحمانیہ) ماھوحکم السترۃ فی الصلاۃ عند الائمۃ ۔ مامقدارھا ومافائدتھا ۔ ماحکم فی جعل الدابۃ سترۃ فی الصلاۃ؟ اشرح ماقالہ ابو داؤد شرحا واضحًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) سُترہ فی الصلوٰۃ کا حکم (۲) سُترہ کی مقدار اور فائدہ (۳) جانور کو سُترہ بنانے کا حکم (۴) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① سُترہ فی الصلوٰۃ کا حکم:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک نمازی کے آگے سترہ قائم کرنا سنت ہے، ابن العربی نے امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک وجوبِ سترہ کا نقل کیا ہے مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قول درست نہیں

ہے بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب جمہور والا ہی ہے۔(الدر المنضود ج ۲ ص ۱۹۴)

❷ سُترہ کی مقدار اور فائدہ:۔ طُولاً (لمبائی میں) سترہ کی مقدار ایک ذراع ہے اور عرضاً (موٹائی و چوڑائی میں) ایک انگلی کی مقدار ہے۔ سترہ کا فائدہ نمازی اور آگے سے گزرنے والے دونوں حضرات کے لئے ہے، نمازی کے لئے اس کا فائدہ یہ ہے کہ کسی کے گزرنے سے خشوع وخضوع زائل نہ ہوگا اور اسی طرح گزرنے والے کو ہٹانے کی حاجت بھی پیش نہ آئے گی۔

آگے سے گزرنے والے کیلئے سترہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے گزرنے سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔(ایضاً)

❸ جانور کو سُترہ بنانے کا حکم:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلوٰۃ الی الدابۃ مکروہ ہے اور جس حدیث میں صلوٰۃ الی الدابۃ کا ذکر ہے وہ ضرورت پر محمول ہے اور عند الضرورۃ جائز ہے۔ مالکیہ کے نزدیک جانور کو سترہ بنانا خلافِ مستحب ہے۔

حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک جانور کو سترہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ جائز ہے۔(ایضاً ج ۲ ص ۱۹۶)

❹ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح:۔ **قال ابوداؤد** سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس حدیث کی سند پر کلام کرنا ہے کہ بعض رواۃ اس حدیث کو **عن محمد بن سهل عن ابيه عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے روایت کرتے ہیں اور بعض رواۃ **عن محمد بن سهل عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے روایت کرتے ہیں اس میں محمد بن سہل تابعی ہیں اور ان کے والد حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ پہلی سند کی صورت میں یہ روایت متصل ہوگی کیونکہ صحابی کا واسطہ مذکور ہے اور دوسری سند کی صورت میں یہ روایت مرسل ہوگی اور مرسلاتِ محمد سے ہوگی۔

نیز دوسری غرض سند کے اضطراب کو بیان کرنا ہے کہ بعض رواۃ اس کو سہل بن سعد نقل کرتے ہیں اور بعض رواۃ سہل بن ابی حثمہ نقل کرتے ہیں۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل.....**عن أنس بن مالك قال: ان نبی الله** صلی اللہ علیہ وسلم **دخل نخلاً لبنی النجار فسمع صوتا ففزع، فقال: من أصحاب هذه القبور، قالوا يا رسول الله، ناس ماتوا فی الجاهلية، فقال: تعوذوا بالله من عذاب النار ومن فتنة الدجال قالوا ومم ذاك يارسول الله؟ قال: ان المؤمن اذا وضع فی قبره أتاه ملك فيقول له ماكنت تعبد؟ فان الله هداه قال: كنت أعبدالله..... وان الكافر اذا وضع فی قبره أتاه ملك فينتهره، فيقول له ماكنت تعبد، فيقول: لاأدری، فيقال له: لادريت ولا تليت** (ص ۳۰۹۔ ج ۲۔ رحمانیہ)

ما المراد "بالقبر" فی الحديث، عرّفه واضحًا۔ ماهی الطائفة المسعودية؟ وما نظريتها فی "عذاب القبر"؟ اذكر موقفها وأدلتها وفنّد مزاعمها بدلائل واضحه۔ ورد فی هذا الطريق "أتاه ملك" وقد ورد فی طريق آخر: فيأتيه الملكان، فكيف وجه التوفيق بينهما۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) قبر کی مراد وتوضیح (۲) مسعودی فرقہ کا تعارف اور نظریہ عذابِ قبر (۳) مسعودی فرقہ کا رد (۴) **اتاه ملك وملكان** کی روایات میں تطبیق۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ❶ قبر کی مراد وتوضیح:۔ قبر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں آدمی کی میت واعضاء موجود ہیں خواہ وہ قبر متعارف (گڑھا) ہو یا مچھلی کا پیٹ ہو یا سمندر کا پانی ہو، جہاں بھی میت کے اعضاء موجود ہیں وہ اس کیلئے قبر ہے۔ باقی اس حدیث میں قبر سے مراد قبرِ متعارف ہے۔

❷ مسعودی فرقہ کا تعارف اور نظریہ عذابِ قبر:۔ اس فرقہ کا موجد وبانی مسعود احمد نامی شخص ہے، اسکی جماعت کا نام جماعت المسلمین ہے، ان کی دعوت کے چند نکات یہ ہیں۔ ① جو شخص خدا کو حاکم مانے مگر مسعود احمد کو حاکم وامیر نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے ② جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھے مگر مسعود احمد کو امام مفترض الطاعت نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے ③ جو دینِ اسلام کو مانے مگر مسعود احمد کے لٹریچر کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے۔

الغرض اس مسعودی فرقہ کا ایمان صرف اور صرف مسعود احمد پر ہی محیط ہے۔(تجلیاتِ صفدر ۱:۲۶۰)

اور یہ فرقہ عذابِ قبر کا منکر ہے اور ان کے نزدیک قبر معروف ومتعارف کا بالکل اعتبار نہیں ہے اور ان کے نزدیک مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے بالکل ختم ہو جاتا ہے، کوئی عذابِ قبر نہیں ہے۔

③ مسعودی فرقہ کا رد:۔ متعدد نصوصِ قطعیہ سے عذابِ قبر کا اثبات ہوتا ہے۔

① اسی حدیث الباب کا جملہ **تعوذوا باللّٰہ من عذاب النار**، عذابِ قبر کے اثبات کی دلیل ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ قبر سے مراد قبرِ متعارف ہی ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ مُردے قدموں اور جوتوں کی آواز کو سنتے ہیں۔

② مشہور واقعہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے دو قبروں پر تازہ ٹہنیاں گاڑی تھیں۔

④ اتاہ ملك وملكان کی روایات میں تطبیق:۔ اس حدیث میں مَلک (واحد) کا صیغہ ہے جبکہ دیگر معروف احادیث میں ملکان (تثنیہ) کا صیغہ ہے تو بظاہر روایات متعارض ہیں۔

تطبیق ورفعِ تعارض کا حاصل یہ ہے کہ یہ مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہے کہ بعض لوگوں کے پاس دونوں فرشتے اکٹھے آتے ہیں تا کہ سوال وجواب کے ذریعہ ان کو ہیبت ودبدبہ میں مبتلا کریں اور واقعتاً اس کے حق میں یہ سوال وجواب انتہائی شدید فتنہ ہوتا ہے اور بعض لوگوں کے پاس ان کے نیک اعمال کی وجہ سے انفرادی طور پر اکیلے اکیلے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور یہ سوال وجواب کا معاملہ ان کے حق میں آسان ہوتا ہے اور ان پر ہیبت وخوف طاری نہیں ہوتا۔ (حل)

الشق الثانی.....عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْفَغْوَاءِ الْخُزَاعِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ اَرَادَ اَنْ يَبْعَثَنِيْ بِمَالٍ اِلَى اَبِيْ سُفْيَانَ يَقْسِمُهٗ فِيْ قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ بَعْدَ الْفَتْحِ فَقَالَ الْتَمِسْ صَاحِبًا قَالَ فَجَاءَنِيْ عَمْرُو بْنُ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيُّ، فَقَالَ: بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تُرِيْدُ الْخُرُوْجَ وَتَلْتَمِسُ صَاحِبًا؟ قَالَ قُلْتُ اَجَلْ قَالَ فَاَنَا لَكَ صَاحِبٌ قَالَ: فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قُلْتُ: قَدْوَجَدْتُ صَاحِبًا قَالَ: فَقَالَ مَنْ؟ قُلْتُ: عَمْرُو بْنُ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيُّ قَالَ: اِذَا هَبَطْتَ بِلَادَ قَوْمِهٖ فَاحْذَرْهُ، فَاِنَّهٗ قَدْ قَالَ الْقَائِلُ اُخْوُكَ الْبِكْرِيُّ وَلَاتَأْمَنْهُ، فَخَرَجْنَا حَتّٰى اِذَا كُنْتُ بِالْاَبْوَاءِ قَالَ اِنِّيْ اُرِيْدُ حَاجَةً اِلَى قَوْمِيْ بِوَدَّانَ، فَتَلَبَّثْتُ لِيْ، قُلْتُ: رَاشِدًا فَلَمَّا وَلّٰى ذَكَرْتُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَدَدْتُ عَلَى بَعِيْرِيْ حَتّٰى خَرَجْتُ اُوْضِعُهٗ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ بِالْاَصَافِرِ اِذَا هُوَ يُعَارِضُنِيْ فِيْ رَهْطٍ قَالَ: وَاَوْضَعْتُ فَسَبَقْتُهٗ فَلَمَّا رَآنِيْ قَدْ فُتُّهٗ انْصَرَفُوْا وَجَاءَنِيْ فَقَالَ: كَانَتْ لِيْ اِلَى قَوْمِيْ حَاجَةٌ قَالَ قُلْتُ اَجَلْ وَمَضَيْنَا حَتّٰى قَدِمْنَا مَكَّةَ فَدَفَعْتُ الْمَالَ اِلٰى اَبِيْ سُفْيَانَ۔ (ص۳۲۴۔ج۲۔رحمانیہ)

شكل الحديث بالضبط ثم ترجمه ترجمة واضحة. ترجم لعمرو بن أمية الضمرى موجزًا واذكر أليس هو صحابيًا؟ فكيف أراد قطع الطريق على صاحبه ؟ اشرح بايضاح.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کا تعارف (۴) صحابی ہونے کے باوجود ساتھی کا سامان چوری کرنے کے ارادہ کرنے کی وضاحت۔

0313 6357913 maktabahazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فغواء خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے بلایا آپ مجھے کچھ مال دے کر ابوسفیان کے پاس بھیجنا چاہتے تھے تا کہ وہ اس مال کو مکہ میں فتح مکہ کے بعد قریش میں تقسیم کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنا دوسرا ساتھی تلاش کر لو، میرے پاس حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ تم مکہ معظمہ جانا چاہتے ہو اور کسی ساتھی کی تلاش کر رہے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ میں خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس وقت تم اسکی قوم کے ملک میں پہنچو تو تم ذرا بچ کر جانا (یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے خلاف سازش کر کے تم کو قتل کرا دیں) اسلئے کہ ایک شخص کا قول ہے کہ اپنے حقیقی بھائی سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ عمرو بن غفوا

رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر ہم لوگ نکلے (یعنی چل دیئے) جب ہم لوگ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع مقام ابواء میں پہنچے تو حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک ضرورت کی بناء پر اپنی قوم کے پاس (مقام) ودان میں جارہا ہوں تو تم میرا انتظار کرنا میں نے کہا خوشی سے جاؤ جب وہ چلا گیا تو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آیا۔ میں اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور اسکو زور سے (یعنی تیزی سے) دوڑاتا ہوا نکل آیا۔ جب میں (مقام) اصافر میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ عمرو بن امیہ ضمری اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو لئے ہوئے میرے مقابلہ کیلئے آرہا ہے، میں نے اونٹ کو اور زیادہ دوڑایا یہاں تک کہ میں ان سے بہت زیادہ آگے نکل گیا۔ جب اسنے دیکھا کہ میں اسکی پہنچ سے باہر ہوگیا ہوں تو انکے ساتھی واپس ہوگئے اور وہ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ مجھے اپنے لوگوں سے کچھ کام تھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کام ہوگیا۔ پھر ہم لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ مکہ معظّمہ میں پہنچ گئے اور میں نے وہ مال ابوسفیان کے حوالے کردیا۔

③ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ ان کا پورا نام حضرت ابوأمیہ عمرو بن أمیہ بن خویلد ضمری رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ مشہور صحابیٔ رسول ہیں، اور قدیم الاسلام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور یہ سب سے پہلے بئرِ معونہ کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انتقال ہوا۔

④ صحابی ہونے کے باوجود ساتھی کا سامان چھیننے کا ارادہ کرنے کی وضاحت:۔ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے وہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو فغواء خزاعی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہوں اُن کو رخصت کرنے کے لئے لیکن انہوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ یہ میرا مال چھیننے کے لئے آئے ہیں اور ممکن ہے کہ اُن کا گمان صحیح ہو کہ وہ لوگ مال چھیننے کے لئے ہی آئے ہوں۔ **واللّٰہ اعلم بالصواب** (بذل المجہود کتاب الآداب، باب فی الحذر من الناس)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٣٤ھ

الشق الاوّل ..... **حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْ عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ اِبْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهٗ ، قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ وَاِنَّمَا يُعْرَفُ عَنْ اِبْنِ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ ثُمَّ اَلْقَاهُ، وَالْوَهْمُ فِيْهِ مِنْ هَمَّامٍ وَلَمْ يَرْوُهُ اِلَّا هَمَّامٌ** ۔ (ص۴ ج۱۔ رحمانیہ)

شکّل العبارة ۔ ما هو المراد بقوله "اذا دخل الخلاء وضع خاتمه" لماذا لا يدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخلاء مع الخاتم۔ اشرح غرض أبی داؤد بهذه العبارة ۔ انكر هل أصاب أبوداؤد فی كلامه هذا؟ وما هو وجه الرد عليه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں: ① عبارت پر اعراب ② جملہ کی مراد اور خاتم کے ساتھ بیت الخلاء میں نہ جانے کی وجہ ③ امام ابوداؤد کے قول کی تشریح ④ امام ابوداؤد کے قول کی صحت وعدمِ صحت کی وضاحت۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② جملہ کی مراد اور خاتم کے ساتھ بیت الخلاء میں نہ جانے کی وجہ:۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی خاتم مبارک باہر اُتار کر جاتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں **محمد رّسول اللّٰہ** کے الفاظ نقش تھے، (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بطورِ مہر خطوط میں استعمال کرتے تھے) چونکہ بیت الخلاء نجاست وگندگی کی جگہ ہے اور خاتم پر اسمِ الٰہی کے نقش ہونے کی وجہ سے اس میں بے ادبی کا پہلو ہے، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اپنی خاتم مبارک باہر اُتار کر جاتے تھے۔

③ امام ابوداؤد کے قول کی تشریح:۔ ابوداؤد نے اس عبارت میں حدیثِ باب کو منکر کہا ہے اور نکارت کی تین وجوہ بیان کی ہیں ① اس کی سند میں ابن جریج اور زہری کے درمیان زیاد کا واسطہ متروک ہے ② اسکے متن میں تبدیلی ہوگئی ہے اور دراصل متن یوں ہے **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ خاتمًا من ورق ثم القاه** ③ یہ ہمام بن یحییٰ کی غلطی ہے جس میں وہ منفرد ہیں۔ (زبدۃ المقصود)

④ امام ابوداؤد کے قول کی صحت وعدم صحت کی وضاحت:۔ امام ماردینی الجواہر النقی میں فرماتے ہیں کہ یہاں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا ہے ورنہ یہ حدیث منکر نہیں کیونکہ منکر کی تعریف یہ ہے **ماروٰہ الضعیف مخالفًا للثقة**، حالانکہ ہمام کی یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل وشیخین رحمۃ اللہ علیہم نے توثیق کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

پہلی وجہ کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ابن جریج کو زہری سے بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح سماع حاصل ہو۔

دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ یہ دو مستقل احادیث ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔

تیسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ ہمام کے دو متابعین موجود ہیں ① یحییٰ بن متوکل بصری، یہ بیہقی میں ہے ② یحییٰ بن ضریس، یہ دارقطنی کی کتاب العلل میں موجود ہے۔ بلکہ ابوداؤد جس حدیث کو معروف کہہ رہے ہیں وہ خود محدثین کے یہاں غلط ہے کیونکہ صحیح احادیث کی بناء پر آپ ﷺ نے جو انگوٹھی پھینکی تھی وہ سونے کی تھی اور چاندی کی انگوٹھی تو آپ ﷺ کے پاس آخر عمر تک بلکہ آپ کے بعد بھی خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ تک باقی رہی حتیٰ کہ ایک موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بئرِ اریس میں گر گئی۔ (زبدۃ المقصود ص ۲۲)

الشق الثانی..... **حدثنا هارون بن معروف حدثنا ابن وهب عن جرير بن حازم أنه سمع قتادة بن دعامة حدثنا أنس بن مالك أن رجلا جاء الى النبى ﷺ وقد توضأ وترك على قدميه مثل موضع الظفر فقال له رسول الله ﷺ ارجع فأحسن وضوءك . قال أبوداؤد : وهذا الحديث ليس بمعروف عن جرير بن حازم ولم يروه الا ابن وهب وحده وقد روى عن معقل بن عبيدالله الجزى عن أبى الزبير عن جابر عن عمر عن النبى ﷺ نحوه . قال: ارجع فأحسن وضوءك .** (ص ۳۵۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

اذكر حكم الموالاة فى الوضوء عندالعلماء مع دلائلهم . ماهو الجواب عن هذا الحديث عند من لا يقول به؟ اشرح غرض أبى داؤد بقوله هذا شرحًا واضحًا .

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) موالاۃ فی الوضوء میں اختلاف مع الدلائل (۲) حدیث الباب کا جواب (۳) امام ابوداؤد کے قول کی تشریح۔

جواب..... ① موالاۃ فی الوضوء میں اختلاف مع الدلائل:۔ مالکیہ کے نزدیک موالاۃ فی الوضوء واجب اور شرطِ صحتِ وضوء ہے اگر کوئی شخص عمداً تفریق کرے تو اس کا وضوء باطل ہے۔ البتہ نسیان کی صورت میں معاف ہے اور کتب مالکیہ میں موالاۃ کو فور سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح حنابلہ کے یہاں بھی موالاۃ فرض ہے ان کے یہاں نسیان سے بھی ساقط نہیں ہوتی اور حنفیہ کے نزدیک موالاۃ صرف سنت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں قول ہیں۔ ابن ارسلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قولِ قدیم میں موالاۃ واجب ہے اور اصح الروایتین عن احمد بھی یہی ہے اور قولِ جدید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اور روایتِ ثانیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مثل حنفیہ کے ہے۔

امام خطابی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن بطال مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیثِ باب سے وجوبِ موالاۃ پر استدلال کیا ہے۔

اسی طرح حدیثِ حیوۃ میں آپ ﷺ نے اعادۂ وضوء کا حکم فرمایا جس سے بظاہر قائلین موالاۃ کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن اوّل تو یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں بقیۃ بن الولید راوی ہیں جو حجت نہیں، ابومسہر غسانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں **احاديث بقية ليست بنقية فكن منها على تقية** نیز وہ مدلس ہیں اور یہاں بطریقِ عنعنہ روایت کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ اعادۂ وضوء کا حکم آپ نے بطریقِ استحباب فرمایا ہو۔

جو حضرات وجوبِ موالاۃ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ وضوء میں صرف غسلِ اعضاء اور مسحِ رأس کا حکم فرمایا ہے، اس میں موالاۃ کا کہیں ذکر نہیں۔ نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر صحیح ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے بازار میں وضوء کیا اور صرف غسلِ وجہ ویدین اور مسح رأس کیا اور نمازِ جنازہ پڑھانے کیلئے مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر جملہ حاضرین کے سامنے مسح علی الخفین کیا، جب کہ وضوء خشک ہو چکا تھا اور اس پر حاضرین میں سے کسی نے نکیر نہیں کی۔ (الدر المنضود ۱:۳۰۹)

0313 6357913 maktabahakriyamultan@gmail.com

② حدیث الباب کا جواب:۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے استدلال کو رد فرمایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ استدلال کم از کم ضعیف ورنہ باطل ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احسانِ وضو کا حکم فرمایا ہے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ استیناف وضو کیا جائے، دوسرا یہ کہ جتنا حصہ خشک رہ گیا ہے اس کو تر کرلیا جائے۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** البتہ اگر آپ اعادۂ وضو کا حکم فرماتے تب استدلال صحیح تھا اگرچہ اس وقت بھی یہ احتمال ہے کہ اعادہ کا حکم بطریق استحباب ہو نہ کہ بطریقِ وجوب۔

③ امام ابوداؤد کے قول کی تشریح:۔ اس قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی غرض سندِ مذکور کے اعتبار سے حدیثِ قتادہ کی غرابت کو بیان کرنا ہے۔ وجہِ غرابت یہ ہے کہ جریر سے نیچے ابن وہب راوی ہے جریر سے نقل کرنے میں ابنِ وہب راوی متفرد ہے، سند میں تفرد آ گیا تو تفرد کی وجہ سے یہ حدیث غریب ہے۔

دوسری وجہ بعض محدثین نے یہ بیان کی ہے کہ قتادہ سے روایت کرنے والے بجز جریر کے اور کوئی نہیں ہے اگرچہ حدیث میں غرابت ہے لیکن امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مضمونِ حدیث صحیح ہے کیونکہ یہ دوسری سندوں سے بھی مروی ہے (ثابت ہے)۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل..... **عن سليمان الأحول عن عطاء عن أبي هريرة أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن السدل في الصلاة وأن يغطي الرجل فاه. قال أبو داؤد: رواه عسل عن عطاء عن أبي هريرة أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن السدل في الصلاة. حدثنا محمد بن عيسى بن الطباع حدثنا حجاج عن ابن جريج قال أكثر ما رأيت عطاء يصلي سادلًا. قال أبو داؤد: وهذا يضعف ذلك الحديث.** (ص۱۰۳۔ج۱۔رحمانیہ)

اذكر أقوال العلماء في تعريف السدل. ماهو حكم السدل في الصلاة. ماهو غرض أبي داؤد بقوله: "رواه عسل..... الخ" وبقوله: "وهذا يضعف ذلك الحديث" واذكر حكم عمل الراوي وفتياه خلاف ما رواه

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) سدل کی تعریف (۲) سدل فی الصلوٰۃ کا حکم (۳) امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی غرض (۴) راوی کے اپنی روایت کے خلاف عمل وفتویٰ کا حکم۔

جواب..... ① سدل کی تعریف:۔ سدل کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں ① **ارسال الثوب وجرّة خيلاء** یعنی قمیص وازار کو تکبر کی وجہ سے دراز کرنا، اس کو اسبال بھی کہتے ہیں ② چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ دونوں ہاتھ بھی اسکے اندر بندھ جائیں ③ اسکی معروف تعریف یہ ہے کہ چادر یا رومال کے وسط کو سر یا کندھوں پر ڈال لیا جائے اور پھر اس کی طرفین کو لپیٹا نہ جائے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ صاحبِ ہدایہ، صاحبِ مغنی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (الدر المنضود ۲:۱۷۷)

② سدل فی الصلوٰۃ کا حکم:۔ یہ جمہور کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تو صرف نماز میں مکروہ ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے خواہ داخلِ نماز ہو یا خارجِ نماز ہو۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

امام مالک، عطاء، حسن اور ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک اس میں مطلقاً کراہت نہیں ہے۔

ابنِ ارسلان فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب نمازی کے بدن پر صرف ایک ہی کپڑا ہو۔ اور اگر کوئی شخص قمیص پر سدل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جبکہ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اگر قمیص پر سدل کرے تو یہ تشبہ بالیہود کی وجہ سے مکروہ ہے اور اگر بغیر قمیص سدل کرے تو یہ کشفِ ستر کے احتمال کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (ایضاً)

③ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی غرض:۔ اس عبارت میں دو جگہ پر قال ابوداؤد کا لفظ آیا ہے۔

پہلے قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد کی غرض نہی عن السدل والی روایت کے دوسرے طریق کو بیان کرنا ہے کہ عسل راوی نے بھی نہی عن السدل کی روایت نقل کی ہے مگر پہلی سند راجح وبہتر ہے اس لئے کہ دوسری سند میں عسل راوی ضعیف ہے۔

دوسرے قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی غرض کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک علت کی طرف اشارہ کرنا ہے، وہ

علت یہ ہے کہ اگر راوی حدیث کا عمل یا فتویٰ اس کی اپنی روایت کے خلاف ہو تو یہ اس حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے۔
چنانچہ یہاں پر بھی حدیث نہی عن السدل کے راوی حضرت عطاء ہیں جبکہ ان کا اپنا عمل یہ ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ سدل فی الصلوٰۃ کرتے تھے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ کسی خارجی علت کی وجہ سے خلافِ حدیث عمل کرنے سے ضعف پیدا نہیں ہوتا۔
باقی یہاں پر وہ علت کیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عطاء کے نزدیک سدل کی کراہت صرف ایک کپڑا کی صورت میں ہو اور اگر سدل قمیص یا ازار پر ہو تو کراہت وممانعت نہ ہو جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ سدل قمیص یا ازار پر ہی کرتے ہوں۔
امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یا تو حضرت عطاء اس حدیث کو بھول گئے یا پھر انکے نزدیک وہ سدل ممنوع ہوگا جو تکبر کے طور پر ہو۔ (ایضاً)

④ راوی کے اپنی روایت کے خلاف عمل وفتویٰ کا حکم:۔ امام ابوداؤد کی عبارت **وھو یضعف ذلك الحدیث** سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے یا فتویٰ دے تو اس کی وجہ سے روایت مجروح ہوجاتی ہے اور اس میں ضعف پیدا ہوجاتا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تدریب میں نقل کرتے ہیں کہ راوی کا روایت کے مطابق عمل وفتویٰ اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے اور راوی کا روایت کے خلاف عمل وفتویٰ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (حل)

الشق الثانی.....**عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبدالله بن عمرو بن العاص عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انه سئل عن الثمر المعلق فقال: من اصاب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شیئ علیه ومن خرج بشیئ منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة ومن سرق منه شیئا بعد ان یؤویه الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیه القطع وذکر فی ضالة الابل والغنم کما ذکره غیره قال: وسئل عن اللقطة فقال: ما کان منها فی طریق المیتاء او القریة الجامعة فعرفها سنة فان جاء طالبها فادفعها الیه وان لم یأت فهی لك وما کان فی الخراب یعنی ففیها وفی الرکاز الخمس.** (ص۲۵۲۔ج۱۔رحمانیہ)

اشرح کلا من الکلمات التالیة خبنة، الجرین، المیتاء۔ ترجم الحدیث المبارك بکامله۔ ماهو حکم الانتفاع باللقطة عند الائمة ؟ اذکر مع ادلتهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) **خبنة، الجرین، المیتاء** کی تشریح (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) لقطہ سے انتفاع کا حکم مع الدلائل۔

جواب..... ① **خبنة، الجرین، المیتاء** کی تشریح:۔ **اَلْخُبْنَةُ**: یہ مفرد ہے اس کی جمع **خُبَنٌ** ہے بمعنی کپڑے کی تہ، جھولی، وہ خوراک جو دامن وجھولی میں ڈالی جائے، مطلب یہ ہے کہ ضرورتمند وحاجت مند آدمی بامرِ مجبوری گزارہ کیلئے باغ کے اندر پھل کھا سکتا ہے، اس کو جھولی میں ڈال کر نہیں لیجا سکتا۔ **اَلْجَرِیْنُ**: یہ مفرد ہے اس کی جمع ہے **جُرُنٌ** ہے بمعنی کھلیان، کھجور وغیرہ خشک کرنے کی جگہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب میوہ خشک ہونے کے لئے کھیت میں کسی جگہ ڈالا گیا ہو تو اُس کو اُٹھانا جائز نہیں ہے۔
اَلْمِیْتَاءُ: یہ **اِتْیَانٌ** سے اسم ظرف ہے بمعنی لوگوں کی عام گزرگاہ، مطلب یہ ہے کہ شارعِ عام سے کوئی چیز ملے تو ایک سال تک اس کی تشہیر کی جائے۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ درختوں پر میوہ لٹکتا ہے اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس کو کھالے اور وہ شخص ضرورت مند ہو تو (درست ہے) لیکن اس کو چھپا کر نہ لے جائے تو کچھ حرج نہیں اور جو شخص چھپا کر کچھ لے جائے تو وہ دوہرا جرمانہ ادا کرے اور اس کو سزا اس کے علاوہ ملے گی اور جب میوہ پختہ ہو کر کھیت میں خشک ہونے کیلئے ڈالا جائے اور کوئی شخص وہاں سے اتنا چوری کر کے لے جائے کہ جس کی مالیت (تلوار کی) ڈھال کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا اسکے بعد گم شدہ بکری اور اونٹ کا حال بیان کیا جیسا کہ دیگر حضرات

نے بیان کیا۔اس کے بعد آپ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جو لقطہ عام راستے پر آباد علاقہ میں پایا جائے تو ایک سال تک تشہیر کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو مالک نہ آئے تو وہ تمہارا (یعنی پانے والے کا ہے) اور جو لقطہ کسی ویران جگہ سے ملے یا کان سے ملے تو اس میں سے پانچواں حصہ دینا ہوگا (باقی سب لقطہ پانے والے کا حق ہے)۔

③ لقطہ سے انتفاع کا حکم مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ملتقط خواہ غنی ہو یا فقیر وہ لقطہ اس کیلئے حلال ہے اور وہ خود اسے استعمال کرسکتا ہے۔البتہ استعمال کے بعد اگر مالک آگیا تو پھر مالک کو اس کی ضمان ادا کرنا لازم ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ملتقط فقیر اور مستحقِ زکوۃ ہے تو پھر اس کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور اگر وہ غنی وغیر مستحق ہے تو پھر اسے اختیار ہے چاہے امانت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے اور اگر چاہے تو صدقہ کردے۔البتہ اگر صدقہ کے بعد مالک آگیا تو پھر اس کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو نافذ کردے اور اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا اور اگر چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے اس صورت میں ملتقط کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل:① حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ اُن کو راستہ سے سو دینار کی تھیلی ملی تھی اور اُن کے غنی ومالدار ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اُن کو انتفاع کی اجازت دی تھی۔② حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک دینار ملا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اُس کا اعلان کیا، جب اُسکا مالک نہ ملا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُس دینار سے انتفاع کی اجازت دی۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بنو ہاشم میں سے تھے اُن کیلئے صدقہ کھانا جائز نہیں تھا۔معلوم ہوا کہ اُن کے غیر مستحق ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اُن کو فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی۔

حنفیہ کے دلائل:① حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **من اصاب لقطة فليشهد ذا عدل او ذوی عدل ولا يكتم ولا يغيب فان وجد صاحبها فليردها عليه والافهو مال الله يوتيه من يشاء** ۔اس حدیث میں **فهو مال الله يوتيه من يشاء** کا جملہ ہے، یہ تعبیر عموماً اُس چیز کیلئے ہوتی ہے جس کے مستحق فقراء ہوتے ہیں نہ کہ اغنیاء۔② حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ضالة المسلم حرق النار** ۔③ حضرت جارود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ضالة المسلم حرق النار فلايقربنها**۔④ حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **من التقط لقطة يسيرة ثوبا او شبهه فليعرفه ثلاثة ايام ومن التقط اكثر من ذلك ستة ايام فان جاء صاحبها والا فليتصدق بها فان جاء صاحبها فليخيره**۔

ان احادیث میں سے بعض صریح نہیں ہیں اور بعض سنداً ضعیف ہیں مگر متعدد آثارِ صحابہ سے تائید ہونے کی وجہ سے یہ احادیث بے اصل نہیں ہیں چنانچہ آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات ثابت ہے کہ ملتقط کو لقطہ سے فائدہ اٹھانے اور اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بوقتِ انتفاع حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فقراء صحابہ میں سے تھے۔چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اپنا باغ صدقہ کرنے کے بعد وہ غنی ہوئے تھے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُن کو صرف بامرِ مجبوری گھر میں کچھ نہ ہونے کی وجہ سے استعمال کی اجازت دی تھی۔اور حنفیہ کے نزدیک عدمِ انتفاع کا مطلب یہ ہے کہ ملتقط کے لئے اُس لقطہ کو اپنی چیز سمجھ کر کھانا جائز نہیں۔البتہ اگر وہ اس شرط کے ساتھ استعمال کرے کہ جب مالک کو ضرورت ہوگی میں اُس کو قیمت ادا کردوں گا تو اُس چیز کا استعمال جائز ہے۔(کشف الباری ج۳ص۵۵۱، تقریر ترمذی ج۱ص۳۲۰)

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٤ھ

الشق الاوّل ..... "بَابُ مَا يُقْطَعُ فِيْهِ السَّارِقُ۔ ..... عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْطَعُ فِيْ رُبُعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا۔ ..... عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَطَعَ فِيْ مِجَنٍّ ثَمَنُهٗ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ ۔ ..... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَطَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَ رَجُلٍ فِيْ مِجَنٍّ قِيْمَتُهٗ دِيْنَارٌاَوْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ"۔

ترجم الاحاديث الثلاثة بعد تشكيلها۔ عرّف السرقة شرعًا وهل في الاختلاس والانتهاب يجب القطع ام لا؟

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

انکر اختلاف الائمة فی قدر ما یقطع به ید السارق وانکر أدلتهم مع ترجیح ما ذهب الیه الحنفیة۔ (ص۲۵۵۔ج۲۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ سرقہ کی تعریف اور اختلاس وانتہاب میں قطع کا حکم ④ نصابِ سرقہ میں اختلاف اور احناف کی وجہ ترجیح۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔ **کما مر فی السوال آنفًا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین درہم کی ڈھال چوری کرنے (کی صورت) میں ہاتھ کاٹا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال چوری کرنے کے بدلہ میں جس کی مالیت ایک دینار یا دس درہم ہوگی۔

③ سرقہ کی تعریف اور اختلاس وانتہاب میں قطع کا حکم:۔ سرقہ کا لغوی معنی چُرانا ہے اور شرعی اعتبار سے سرقہ کسی کے مالِ محفوظ کو اس طرح لینا کہ مسروق منہ کو پتہ ہی نہ چلے اور یہ لینا خفیہ طور پر ہو، کھلم کھلا نہ ہو۔ اور حفاظت کی دو قسمیں ہیں ① مخصوص جگہ ومکان میں محفوظ کرنا مثلاً گھر، کمرہ، باڑہ، صندوق وغیرہ ② مال اگرچہ عام کھلی جگہ میں ہو مگر اس کی حفاظت پر آدمی مقرر ہو۔ مال اُچکنے و چھیننے کی صورت میں قطعِ ید کا حکم جاری نہ ہوگا کیونکہ یہاں خفیہ طور پر مال نہیں اٹھایا گیا۔

④ مقدارِ سرقہ میں اختلاف مع الدلائل وحنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب تین درہم ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب جس پر حد جاری ہوتی ہے ربعِ دینار ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصابِ سرقہ دس درہم یا ایک دینار یا اتنی مالیت کے بقدر کوئی قیمتی مال ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقطع فی ربع دینار فصاعدًا** کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربع دینار یا اس سے زیادہ پر ہاتھ کاٹتے تھے۔ (اسی روایت کے دوسرے طریق میں تین درہم کا ذکر ہے جو کہ مالکیہ کی دلیل ہے)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ **لاقطع الافی دینار فصاعدًا** یعنی قطع ید ایک دینار یا اس سے زیادہ میں ہوتا ہے۔ دوسری دلیل وہ روایت ہے جس میں ڈھال کی قیمت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع ید فرمایا اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی یہ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس باب میں مختلف طریقوں سے مروی ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف اتنا فرمایا **قطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن المجن** کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مجن کی قیمت میں قطع ید فرمایا اور بعض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اس مجن کی قیمت تین درہم تھی اور بعض میں ہے کہ اس کی قیمت ربع دینار تھی، ان تمام روایتوں کو مدنظر رکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اصل روایت میں صرف اتنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن المجن میں قطعِ ید فرمایا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ اس مجن کی قیمت ربع دینار یا تین درہم تھی لیکن ان کا یہ خیال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے معارض ہے جس میں انہوں نے مجن کی قیمت دس درہم ارشاد فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن المجن میں قطعِ ید فرمایا۔ باقی رہی یہ بات کہ ثمن المجن کتنی تھی تو اس کی تعیین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں اختلاف ہوگیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دس درہم تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ربع دینار تھی یا تین درہم تھی تو اس اختلاف کی وجہ سے حنفیہ نے اس روایت کو لیا جو حد کو ساقط کرنے والی تھی کیونکہ اگر تین درہم والی روایت کو لیں تو اسکی وجہ سے حد زیادہ اور جلدی نافذ ہوگی اور دس درہم والی روایت کو لینے کی صورت میں حد دیر سے نافذ ہوگی اور نو درہم کی چوری تک حد نہیں لگے گی اور حدود کے باب میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صورت اختیار کی جائے جس سے حد دور ہوتی ہو اس وجہ سے حنفیہ رحمہم اللہ نے حضرت عبداللہ بن

0313 6357913 maktabayakariyamultan@gmail.com

عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو دس درہم کی تھی اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت پر ترجیح دیتے ہوئے اس پر عمل کیا اور اس کی تائید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا **لاقطع الافی دینار** یعنی ایک دینار سے کم میں قطعِ ید نہیں ہوتا اور اس زمانے میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کے برابر ہوتی تھی۔ (تقریر ترمذی ج۲ص۹۸)

حنفیہ کی وجہ ترجیح: مذہب احناف کو دوسرے ائمہ کے مذاہب کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے، اس لئے کہ یہ حدیث مبارکہ **الحدود تندرؤ بالشبہات** کے موافق ہے کہ ربع دینار اور تین درہم پر قطعِ ید میں شبہ ہو گیا کہ قطع ید ہے یا نہیں ہے، تو احناف رحمہم اللہ نے یقینی قطعِ ید والی صورت کو اختیار کیا اور دوسری صورت کو ترک کر دیا۔

نیز دلیلِ شوافع و مالکیہ مضطرب ہے۔ نیز مذہب حنفیہ مؤید بآثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ (حل)

الشق الثانی.....**عن ابن شهاب قال: كان جابر بن عبدالله يحدث أن يهودية من أهل خيبر سمت شاة مصلية، ثم أحدتها لرسول الله ﷺ فأخذ رسول الله ﷺ الذراع فأكل منها وأكل رهط من أصحابه معه ثم قال لهم رسول الله ﷺ : ارفعوا أيديكم وأرسل رسول الله ﷺ الى اليهودية فدعا ها فقال لها : أسممت هذه الشاة؟ قالت اليهودية من أخبرك؟ قال أخبرتنى هذه فى يدى للذراع، قالت نعم قال فما أردت الى ذلك؟ قالت قلت ان كان نبينا فلن يضره وان لم يكن نبيا استرحنا منه، فعفا عنهارسول الله ﷺ ولم يعاقبها وتوفى بعض اصحابه الذين اكلوا من الشاة واحتجم رسول الله ﷺ على كاهله من أجل الذى اكل من الشاة. حجمه أبوهند بالقرن والشفرة وهو مولى لبنى بياضة من الأنصار.**

ترجم الحديث بالأردية. ماهواختلاف العلماء فيمن سقى رجلا سما أو أطعمه أيقاد منه؟ لمن يشهد هذا الحديث؟ وماهو الجواب عنه عند من لايقول به؟ (ص۲۷۴۔ج۲۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) زہر دینے والے آدمی کے قصاص میں اختلاف (۳) مستدلین کی تعیین (۴) حدیث الباب کا جواب۔

جواب ..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کی رہنے والی ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وہ (زہر آلود بکری) ہدیتاً بھیجی، آپ نے اس میں سے (شانہ کا کچھ گوشت لے کر) کھایا اور آپ کے ہمراہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کھایا پھر آپ ﷺ نے ان حضرات سے فرمایا ہاتھ اُٹھا لو اور آپ ﷺ نے اس عورت کے پاس کسی کو بھیج کر اسے طلب فرمایا پھر اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا۔ اس نے عرض کیا آپ کو یہ بات کسی نے بتلائی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ سے شانے نے بتلایا جو کہ میرے ہاتھ میں ہے (یعنی معجزہ کے طور پر خود دست کے گوشت نے بتلادیا کہ میرے اندر زہر ملا ہوا ہے) اس عورت نے جواب دیا بلاشبہ میں نے زہر ملایا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا (زہر ملانے سے) تمہارا کیا مقصد تھا؟ اس عورت نے جواب دیا میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ اگر تو یہ اللہ کے پیغمبر ہیں تو ان کو زہر نقصان نہیں دے گا اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں تو ہم لوگوں کو آپ کی طرف سے آرام مل جائے گا یعنی ہم سب آپ سے نجات حاصل کرلیں گے) تو نبی کریم ﷺ نے اس عورت کا جرم معاف فرما دیا اور اس عورت کو کوئی سزا نہیں دی اور نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کہ جنہوں نے گوشت تناول کیا تھا وہ (زہر آلود گوشت کھانے کی وجہ سے) وفات پا گئے اور نبی کریم ﷺ نے اسی زہر کی وجہ سے اپنے دونوں مونڈھے کے درمیان سینگی لگوائی اور ابو ہند نے گائے کے سینگ اور چھری سے آپ ﷺ کے سینگی لگائی اور ابو ہند قبیلہ بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

❷ زہر دینے والے آدمی کے قصاص میں اختلاف:۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر قصاص لازم ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ جب اُس نے کسی کھانے یا پینے کی چیز میں کوئی زہر ملایا اور اُسی شخص کو کھلایا یا پلایا اور اُس کو زہر کا علم نہیں تھا

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تو اس صورت میں قصاص لازم ہے۔اور اگر کھانے میں زہر ملایا مگر اُس کو کھانے کا حکم نہیں دیا اور اُس نے کھالیا تو پھر قصاص لازم نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اُس نے زہر پلایا اور اُسکی موت واقع ہوگئی تو قصاص لازم نہیں ہے۔اور امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر منہ میں زہر ٹپکایا تو اس صورت میں عاقلہ پر دیت لازم ہے۔

③ مستدلین کی تعیین:۔ یہ حدیث اُن ائمہ کی دلیل ہے جن کے نزدیک قصاص لازم نہیں ہے۔

④ حدیث الباب کا جواب:۔ مخالفین کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ اسکی سند متصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ قابلِ استدلال نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بکری یہودی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں دی تھی چنانچہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مِلک ہوگئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اس لئے بذاتِ خود اُس عورت کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بکری نہیں دی گئی تھی۔اس وجہ سے یہاں پر قصاص لازم نہیں ہوا۔(حل)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٣٥ھ

الشق الاوّل.....حدثنا عثمان بن ابی شیبه ثنا وکیع بن الجراح ثنا الولید بن عبدالله حدثتنی جدتی وعبدالرحمن بن خلاد عن ام ورقة بنت نوفل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لماغزابدرا قالت:قلت له یارسول الله ائذن لی فی الغزومعك اُمَرِّضُ مرضاکم لعل الله ان یرزقنی شهادة.قال:قِرِّیْ فی بیتك فان الله یرزقك الشهادة. قال فکانت تسمّٰی الشهیدة قال وکانت قد قرأت القرآن فاستاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تتخذفی دارها مؤذنا فأذن لها قال وکانت دبرت غلاما لها وجاریة فقاماالیها باللیل فَغَمّا بقطیفة لهاحتّٰی ماتت وذهبا فاصبح عمر فقام فی الناس قال:من کان عنده من هٰذین علم أومن رأٰهما فلیجئ بهما فامر بهمافصلبا وفی روایة:وامرها ان تؤم اهل دارها۔(ص۹۴۔ج۱۔حقانیہ)

ترجم الحدیث بتمامه وحقق الکلمات التالیة لغة وصرفا۔ امرض،قری،غما،صلبا۔ اذکر کلام المحدثین فی الولید بن عبدالله وعبدالرحمن بن خلاد وجدة الولید جرحا وتعدیل۔ حدیث الباب یدل علی جواز امامة المرأة للنساء اذکر مسئلة امامة المرأة بالدلائل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں۔(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)امرض،قری،غما،صلبا کی لغوی وصرفی تحقیق(۳)ولید بن عبداللہ،عبدالرحمٰن بن خلاد،جدۂ ولید کے متعلق محدثین کا کلام(۴)عورت کی امامت کا مسئلہ مع الدلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام ورقہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ بدر میں تشریف لے گئے تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ مجھے بھی جہاد میں شرکت کی اجازت عنایت فرمائیں، میں مریض مجاہدین کی خدمت کروں گی،شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت کا مقام عطاء فرمائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو پس بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت مرحمت فرمادیں گے۔راوی کہتے ہیں کہ پس اُن کا نام شہیدہ ہوگیا۔راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم پڑھا ہوا تھا پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں مؤذن مقرر کرنے کی اجازت مانگی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی اور انہوں نے اپنے ایک غلام اور ایک باندی کو مدبر بنایا تھا،وہ دونوں ایک رات اُٹھے اور چادر کے ساتھ اُن کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ انتقال کر گئیں اور وہ دونوں فرار ہوگئے،پس صبح کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہ کھڑے ہوئے لوگوں میں اور فرمایا جس شخص کے پاس اُن دونوں کے متعلق کوئی خبر ہو یا جس شخص نے ان دونوں کو دیکھا ہو وہ اُن کو پیش کرے،پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق حکم دیا اور وہ دونوں سولی پر چڑھائے گئے اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اِنہی کو سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

② امرض،قری،غما،صلبا کی لغوی وصرفی تحقیق:۔

"اُمَرِّضُ" صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر تمریض (تفعیل،صحیح) بمعنی علاج کرنا، تیمارداری کرنا۔

"قِرِّیْ" صیغہ واحد مؤنث امر حاضر معلوم از مصدر قَرَارًا ،قَرًّا، قُرُوْرًا (سمع وضرب،مضاعف) قرار پکڑنا وٹھہرنا۔

"غَمَّا" صیغہ تثنیہ مذکر ومؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر غَمًّا (نصر،مضاعف) بمعنی ڈھانپ لینا،غمگین کرنا۔

"صُلِبَا" صیغہ تثنیہ مذکر ومؤنث غائب فعل ماضی مجہول از مصدر صَلْبًا (نصر وضرب،صحیح) بمعنی سولی دینا۔

③ ولید بن عبداللہ،عبدالرحمٰن بن خلاد،جدۂ ولید کے متعلق محدثین کا کلام:۔ ولید بن عبداللہ کا نام ولید بن عبداللہ بن جمیع الزہری المکی ہے۔یہ کوفہ کا رہنے والا تھا، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ سچا تھا لیکن اس کو وہم ہوتا تھا اور اِس پر شیعہ ہونے کا الزام بھی ہے۔عبدالرحمٰن بن خلاد انصاری مجہول الحال راوی ہے،ابن قطانؒ فرماتے ہیں کہ **لایعرف حالھما**۔جدۂ ولید کا نام لیلیٰ بنت مالک ہے،حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ **لاتُعرف**۔(تقریب التہذیب)

④ عورت کی امامت کا مسئلہ مع الدلائل:۔ شوافع وحنابلہ کے نزدیک عورتوں کا مستقل اپنی علیحدہ جماعت کروانا اور عورت کا امامت کروانا مستحب ہے۔حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک عورت کی امامت اور صرف عورتوں کی جماعت مکروہ ہے(میزان)

مغنی میں لکھا ہے امام احمدؒ سے اس میں استحباب وعدمِ استحباب کی دونوں روایتیں ہیں جبکہ ہمارے بعض فقہاء کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر عورتیں باہر نکل کر جماعت کریں تب تو مکروہ ہے اور اگر گھر ہی میں جماعت کرلیں تو یہ جائز ہے۔

الغرض بعض روایات سے عورتوں کی جماعت ثابت ہے۔ابن ہمامؒ نے مستدرک اور کتاب الآثار محمد سے اُن روایات کو نقل کیا ہے۔ ہمارے فقہاء نے اُن روایات (مثلاً اُن میں سے ایک یہی روایت ہے) کو منسوخ مانا ہے۔

ابن ہمامؒ نے نسخ پر طویل کلام کیا ہے اور نسخ کو اوّلاً تو تسلیم ہی نہیں کیا اور فرمایا کہ اگر نسخ مان لیا جائے تو سنیت کا نسخ کراہیتِ تحریمیہ کا مقتضی نہیں ہے بلکہ عدمِ استحباب اور خلافِ اولیٰ کا مقتضی ہے۔ ہمارے نزدیک ناسخ ابوداؤد کی یہ مشہور حدیث ہے **صلوۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا**۔ظاہر بات ہے کہ مخدع بہت مختصر جگہ ہوتی ہے جبکہ جماعت کے لئے وسیع جگہ درکار ہے۔(الدرالمنضود ج۲ص۱۴۷)

الشق الثانی.....**عن ابن عباس ان ضباعة بنت الزبیر بن عبدالمطلب اتت رسول اللہ ﷺ فقالت یارسول اللہ انی ارید الحج اشترط؟قال نعم،قالت فکیف اقول؟ قولی لبیك اللھم لبیك ومحلی من الارض حیث حبستنی۔**(ص۲۶۰۔ج۱۔رحمانیہ) **مامعنی الاشتراط فی الحج؟ انکراختلاف الائمة فی ھذاالاشتراط۔ من الذی یستدل بھذا الحدیث؟وماھو الجواب عنه عند من لایقول به؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں(۱)اشتراط فی الحج کا معنی (۲)اشتراط فی الحج میں ائمہ کا اختلاف (۳)حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① اشتراط فی الحج کا معنی:۔اشتراط فی الحج کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ وہ احرام باندھنے کے بعد خیر وعافیت سے حج یا عمرہ ادا کرسکے گا یا نہیں تو وہ شخص اسکا حل نکالتا ہے اور احرام کی نیت اس طرح کرتا ہے کہ اگر میں خیر وعافیت سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو میں حج یا عمرہ کرونگا اور اگر بالفرض میں مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکا تو راستہ میں جہاں بھی عذر پیش آیا تو میں وہیں حلال ہوجاؤنگا۔(الدرالمنضود ۱۸۸:۳)

② اشتراط فی الحج میں ائمہ کا اختلاف:۔اس میں ائمہ کا اختلاف ہے شافعیہ وحنابلہ اس اشتراط کے قائل ہیں حنفیہ ومالکیہ قائل نہیں اور یہ اختلاف متفرع ہے ایک دوسرے اختلاف یعنی احصار پر،احصار میں ائمہ کا یہ اختلاف ہے کہ حنفیہ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ دشمن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عذر اور مرض کو شامل ہے لہٰذا جس عذر کی وجہ سے بھی محرم حرم جانے سے رک جائے گویا اس کو احصار لاحق ہوگیا ہے اور جو حکم احصار کا قرآن پاک میں مذکور ہے یعنی دم دے کر حلال ہوجانا اس کا بھی یہی حکم ہے۔لہٰذا احرام کے وقت کسی

شرط لگانے کی ضرورت نہیں بغیر ہی شرط کے حسبِ قاعدہ ہدی ذبح کر کے محرم حلال ہوسکتا ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ احصار اور اس کا جو حکم قرآن میں مذکور ہے وہ دشمن کے ساتھ خاص ہے۔ دشمن کے علاوہ کوئی اور مانع پیش آئے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ آیتِ احصار صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اور اس موقع پر دشمن کی وجہ سے احصار ہوا تھا۔ آخر اس کا حل کیا ہے؟ تو شافعیہ وحنابلہ نے کہا کہ اس کا حل اشتراط عندالاحرام ہے جو حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی احرام کے وقت یہ نیت کرے **اللھم مَحِلّی من الارض حیث حَبَسْتَنِیْ** یا اللہ جس جگہ راستہ میں تو مجھے آگے جانے سے روک لے تو میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہوگی۔ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اشتراط سے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک یہ کہ اب اس کیلئے حلال ہونا جائز ہو جائے گا دوسرا یہ کہ دم بھی واجب نہ ہوگا بغیر ہی ھدی کے حلال ہوسکتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک اشتراط مطلقاً غیر مفید ہے اس لئے کہ حلال ہونا انکے نزدیک ویسے بھی جائز ہے اور ہدی جس طرح بغیر اشتراط کے واجب ہوتی ہے اسی طرح بعد الاشتراط بھی واجب ہے۔ لہٰذا اشتراط کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

عند المالکیہ بھی اشتراط غیر مفید ہے ان کے نزدیک اگر حابس و مانع دشمن کے علاوہ ہے تو پھر طواف کے بغیر کسی طرح بھی حلال ہونا جائز نہیں چاہے شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ (ایضاً)

③ حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ وحنابلہ کی دلیل ہے اور اسکا جواب یہ ہے کہ اشتراط کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور آپ ﷺ نے اشتراط کا حکم حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کی تسلی اور تطییب کیلئے دیا تھا۔ **کما مرّ آنفا** (ایضاً)

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٥ھ

الشق الاوّل..... **حدثنا علی بن صالح عن سلمة بن کهیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر أنه صلی خلف رسول الله ﷺ فجهر بآمین وسلم عن یمینه وعن شماله حتی رأیت بیاض خده۔**

ترجم الحدیث الشریف بالأردیة۔ اذکر مذاهب العلماء فی الجهر بآمین والسر به، وسُق أدلتهم مع بیان واضح لترجیح مذهب أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ۔ (ص۱۴۲۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) آمین جہراً وسراً میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی اور آپ ﷺ نے جہراً آمین کہی، اور اپنی دائیں و بائیں جانب سلام پھیرا حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کے رخسار کی سفیدی و چمک کو دیکھا۔

② آمین جہراً وسراً میں اختلاف:۔ حنفیہ اور مالکیہ رحمہما اللہ کے ہاں آمین میں اخفاء سنت ہے۔

شوافع اور حنابلہ رحمہما اللہ کے ہاں آمین میں جہر سنت ہے البتہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے ہاں جائز دونوں ہیں صرف افضلیت کا اختلاف ہے۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ یوں تو اس مسئلہ میں فریقین کی طرف سے بہت سی روایت دلیل کے طور پر پیش کی گئی ہیں لیکن ایسی تمام روایات یا صحیح نہیں یا صریح نہیں اسلئے اس مسئلہ میں حضرت وائل بن حجر کی حدیثِ باب مدار بن گئی ہے، شوافع اور حنابلہ رحمہما اللہ بھی اسی سے استدلال کرتے ہیں اور حنفیہ و مالکیہ رحمہما اللہ بھی اسی سے استدلال کرتے ہیں، دراصل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب میں روایات کا اختلاف ہے یہ روایت دو طریق سے مروی ہے ایک سفیان ثوری رحمہ اللہ اور دوسرے شعبہ رحمہ اللہ کے طریق سے، سفیان ثوری کا طریق یہ ہے **عن وائل بن حجر قال سمعت النبی ﷺ قرء غیر المغضوب الخ ..... ومدبها صوته** اور شعبہ رحمہ اللہ کے طریق کے الفاظ اس طرح ہیں **ان النبی ﷺ قرء ..... وخفض بها صوته** ۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں طریق سے روایت کو اپنی جامع میں تخریج کیا ہے، شوافع اور حنابلہ، سفیان رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ حنفیہ اور مالکیہ شعبہ رحمہما اللہ کی روایت کو اصل قرار دیکر سفیان رحمہ اللہ کی روایت میں تاویل کرتے ہیں کہ اس میں مد بھا سے مراد جہر نہیں بلکہ آمین کی ''ی'' کو کھینچنا ہے۔

0313 6267916 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ ① سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی جلالتِ شان کے باوجود کبھی کبھی تدلیس بھی کرلیا کرتے تھے اسکے برخلاف شعبہ رحمۃ اللہ علیہ تدلیس (شیخ کے نام کو چھپانا) کو اشد من الزنا سمجھتے تھے تو اس سے انکی غایتِ احتیاط معلوم ہوتی ہے ② سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ جہرِ تامین کے راوی ہیں لیکن خود ان کا اپنا مسلک شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق اخفاءِ تامین کا ہے ③ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اوفق بالقرآن ہے کیونکہ ارشادِ ربانی ہے **ادعوا ربکم تضرعًا و خفیة** اور آمین بھی دعا ہے لہٰذا آمین میں خفاء ہے نہ کہ جہر ④ اگر سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو جہر پر محمول کر کے اختیار کیا جائے تو شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا لازم آتا ہے اسکے برخلاف اگر شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو اختیار کیا جائے تو سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا لازم نہیں آتا بلکہ اسکی مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں مثلاً ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ **مدبها صوته** سے مراد جہر نہیں بلکہ حرفِ مدہ یعنی آمین کے الف اور یا کو کھینچنا مراد ہو۔

الشق الثانی.....**عن ثوبان قال : بعث رسول اللّٰہ ﷺ سریة فاصابهم البرد فلما قدموا علی رسول اللّٰہ ﷺ امرهم ان یمسحوا علی العصائب والتساخین۔** (ص۲۱۔ج۱۔حقانیہ)

ترجم الحدیث وحقق کلمة العصائب والتساخین ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا تو اُسے سردی لگ گئی، پس جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں موزوں اور عماموں پر مسح کا حکم فرمایا۔

② عصائب وتساخین کی تحقیق:۔ عَصَائِبُ : یہ عِصَابَةٌ کی جمع ہے بمعنی پٹی و پگڑی، مَردوں گھوڑوں اور پرندوں کی جماعت۔ پٹی و پگڑی کو عصابہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو سر و زخم پر بل دیئے جاتے ہیں۔

تَسَاخِیْن: یہ جمع ہے اس کا مفرد نہیں ہے یا اس کا مفرد تَسْخِیْنٌ تَسْخَانٌ ہے بمعنی موزے و چادر کی مانند مخصوص کپڑا جس کو علماء سر پر ڈالتے ہیں۔ (مصباح اللغات)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**عن جابر بن عبداللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من باع عبدا وله مال فالمال للبائع الا ان یشترط المبتاع ۔** (ص۱۳۱۔ج۲۔رحمانیہ)

ههنا مسئلتان اذکرهما بتفصیل وبسط: الاولیٰ هل اضافة المال الی العبد اضافة مجازیة او ملکیة، الثانیة هل یجوز للمشتری اشتراط مال العبد عند الشراء لنفسه مطلقًا ام فیه تفصیلٌ مّا ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) عبد کی طرف مال کی اضافت حقیقی یا مجازی ہونے کی وضاحت (۲) مشتری کے بوقتِ بیع غلام کے مال کی اپنے لئے شرط لگانے کی وضاحت۔

جواب..... ① عبد کی طرف مال کی اضافت حقیقی یا مجازی ہونے کی وضاحت:۔ عبد کی طرف مال کی اضافت حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے کیونکہ بذاتِ خود عبد اور اس کا مال یہ سب کچھ مولیٰ کی مملوک ہی ہے۔

② مشتری کے بوقتِ بیع غلام کے مال کی اپنے لئے شرط لگانے کی وضاحت:۔ غلام کا مال بلا اختلاف مولیٰ و مالک کا ہوگا، البتہ اگر مشتری نے اپنے لیے شرط لگادی تو اس صورت میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قسم کا بھی مال ہو وہ شرط لگانے سے مشتری کا ہوجائے گا۔

امام مالک و حنفیہ رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ مال عروض (سامان یا کپڑا، برتن وغیرہ) کی صورت میں ہے تو وہ مشتری کا ہو جائے گا اور اگر غلام کے پاس مال نقد (درہم و دینار) کی صورت میں ہو تو پھر اس بات کا اہتمام کرنا پڑے گا کہ نقد کا تبادلہ نقد سے کرنے کی صورت میں رباء و سود لازم نہ آئے، مثلاً ایک ہزار میں غلام خریدا اور اسکے پاس ڈیڑھ ہزار روپے نقد موجود ہیں، اب اگر کہا جائے کہ ایک ہزار میں غلام و نقد دونوں چیزیں فروخت ہوئے ہیں تو اس صورت میں ڈیڑھ ہزار ہزار کے مقابل ہوگئے اور

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

غلام مفت میں آ گیا، یہ ربا ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اسکے جائز ہونے کیلئے ضروری ہے کہ قیمت والے نقود اس نقود سے زائد ہوں جو غلام کے پاس موجود ہیں تا کہ نقود کے مقابلہ میں نقود ہو جائیں اور زائد نقود غلام کے مقابلہ میں ہو جائیں۔ (تقریر ترمذی ۱:۱۵۵)

الشق الثانی.....عن زینب امرأة عبدالله عن عبدالله قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ان الرقی والتمائم والتولة شرك قالت قلت لم یقول هٰذا والله لقد كانت عینی تقذف فكنت اختلف الی فلان الیهودی یرقینی فاذا رقانی سكنت فقال عبدالله انما ذلك عمل الشیطان كان ینخسها بیده فاذا رقاها كف عنها انما یكفیك ان تقولی كما كان رسول الله ﷺ یقول اذهب الباس رب الناس اشف انت الشافی لاشفاء الا شفاء ك شفاء لا یغادر سقما۔ (ص۱۸۶۔ج۲۔رحمانیہ)

ترجم الحدیث رائعة و حقق الكمات التالیة لغةً و صرفًا، الرقی والتمائم والتولة والغیلة، اشرح الحدیث واوضح الفرق بین الرُقٰی والتمائم المحرمة والمباحة ایضاحًا كاملًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) رقی، تمائم، تولة، غیلة کی لغوی وصرفی تحقیق (۳) حدیث کی تشریح (۴) رُقی وتمائم محرمہ ومباحہ میں فرق۔

جواب..... (۱) حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے منتر، گنڈا اور تولہ (جو ایک قسم کا جادو ہوتا ہے دھاگے یا کاغذ میں عورتیں مرد سے محبت کیلئے منتر وغیرہ کرتی ہیں) یہ سب شرک ہے، زینب رضی اللہ عنہا نے کہا یہ تم کیسے کہتے ہو اللہ کی قسم درد کی شدت سے میری آنکھ نکل جاتی تھی اور میں فلاں یہودی کے پاس دم کرانے کیلئے آتی جاتی تھی تو جب وہ میرے اوپر دَم کرتا تھا تو میرا درد ٹھہر جاتا تھا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کام تو شیطان ہی کرتا تھا شیطان اپنے ہاتھ سے آنکھ کو چھوتا تھا جب اس کو دَم کیا جاتا تو وہ اس سے رُک جاتا تمہارے لئے تو یہی کافی تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے اے انسانوں کے پروردگار امراض کو رفع فرما اور شفا عطا فرما، آپ ہی شفا عطا فرمانے والے ہیں آپ وہ شفا عطا فرمائیں کہ کسی مرض کو باقی نہ چھوڑیں۔

(۲) رقی، تمائم، تولة، غیلة کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ رُقٰی: رقیہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ جھاڑ پھونک ہے جو غیر اللہ کے نام پر ہو خواہ کسی بت یا بزرگ کے نام پر ہو یا کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی اور کی کلام ہو۔

تمائم: یہ تمیمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ تعویذ ہیں جو بچہ کے گلہ میں اس غلط نظریہ اور عقیدہ سے لٹکایا جائے کہ وہ تعویذ ہی اثر کرتا اور نظرِ بد کو دفع کرتا ہے۔

تِوَلَةٌ: علامہ خطابی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ بھی جادو کی ایک قسم ہے اور امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عمل ہے جس کی وجہ سے بیوی اپنے خاوند کی محبوبہ بن جاتی ہے۔ غیلة: دورانِ حمل یا رضاعت عورت سے جماع کرنا۔

(۳) حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے وغیرہ یہ مشرکین کے اعمالِ شنیعہ میں سے ہیں اور غلط اعتقاد اور اِن کو مؤثر حقیقی سمجھنے کی وجہ سے یہ شرک ہیں۔ جب اُن کی اہلیہ زینب نے یہ بات سنی تو بولی کہ تم کیسے یہ بات کہتے ہو؟ اللہ کی قسم میں درد کی شدت کی صورت میں فلاں یہودی کے پاس جاتی تھی اور اُس کے دَم کے نتیجہ میں میرا درد ختم ہو جاتا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُس کی وضاحت فرمائی کہ دراصل یہ شرارت شیطانی تصرف ہے کیونکہ شیطان جسمِ انسانی میں تصرف کر کے وسوسہ ڈال سکتا ہے، بدنظری کرا سکتا ہے اور یہ یہودی اُس کی اعانت اور شرارت سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو عامل ظاہر کرتا ہے حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں ہے، پس اس بیماری کا اصل علاج آنحضرت ﷺ کی تعلیم کردہ یہ دعا ہے **اِذْهَبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا**۔

(۴) رُقی وتمائم محرمہ ومباحہ میں فرق:۔ تعویذات وغیرہ کے استعمال اور اسکی اباحت وصحت اور قباحت کا تعلق اعتقاد اور توکل پر ہے،

0341 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اگر آدمی تعویذ، دواء اور دم درود وغیرہ میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھے کہ شفاء من جانب اللہ ہوتی ہے اور دم، درود، دواء اور تعویذ وغیرہ کو سبب سمجھے تو پھر انکے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر انہی اشیاء کو مؤثر حقیقی سمجھا جائے تو پھر انکا استعمال ممنوع ہے۔

(نوٹ) جھاڑ پھونک کی چند قسمیں ہیں: ① وہ کلام جس میں شرکیہ کلمات اور غیر اللہ سے استمداد ہو ایسے کلمات سے دَم کرنا اور کرانا حرام ہے ② جو مبہم اور غیر واضح الفاظ ہوں جن کا مطلب سمجھ نہ آتا ہو کہ یہ صحیح ہیں یا غلط ہیں ان الفاظ سے دَم کرنا مکروہ تحریمی قریب بحکم اول ہے ③ وہ کلمات جو صحیح المفہوم ہوں لیکن منقول و ماثور نہ ہوں تو ان سے دَم کرنا مباح اور جائز ہے ④ وہ آیات، دعائیں اور کلمات جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان سے دَم کرنا مندوب ہے۔ (انعام المعبود: ۲۸۰)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل.....**عن ام عطية وكانت بايعت النبي ﷺ قالت: كنا لانعد الكدرة والصفرة بعد الطهر شيئا. ما هي الوان الحيض المعتبرة عند العلماء. اشرح الحديث المبارك، واذكر اختلاف العلماء في الصفرة والكدرة في ايام الحيض و بعدها، هل هما من الحيض ام هما استحاضة، وما هي ادلتهم؟** (ص۵۵۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حیض کے الوان معتبرہ میں علماء کے اقوال (۲) حدیث کی تشریح (۳) ایامِ حیض و بعد میں صفرۃ و کدرۃ کے حیض و استحاضہ ہونے میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① حیض کے الوان معتبرہ میں علماء کے اقوال:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کے چھ رنگ ہیں **سواد، حمرة، صفرة، خضرة، كدرة، تربية** (سیاہ، سرخ، زرد، سبز، گدلا، مٹیالہ)۔ جس رنگ کا بھی خون ہوگا وہ حیض ہی ہے۔

امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف سرخ و سیاہ رنگ کا خون حیض ہے باقی استحاضہ کے رنگ ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ صفرۃ و کدرۃ (زرد و گدلا) کو بھی حیض قرار دیتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صفرۃ و کدرۃ ایامِ حیض میں حیض ہیں۔ (درسِ ترمذی ج۱ص۳۶۲)

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم طہر کے بعد صفرۃ و کدرۃ کو کچھ شمار نہیں کرتی تھیں، یعنی اگر دورانِ حیض کوئی عورت صفرۃ و کدرۃ دیکھتی تو اس کو حیض سمجھا جاتا تھا، مگر پاک ہونے کے بعد ہم اس کو کچھ نہیں سمجھتی تھیں۔

③ ایامِ حیض و بعد میں صفرۃ و کدرۃ کے حیض و استحاضہ ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ اس میں مختلف اقوال ہیں: ① جمہور علماء (جن میں حنفیہ بھی ہیں) کا مسلک یہ ہے کہ عورت صفرۃ و کدرۃ اگر مدت حیض میں دیکھے تب تو وہ حیض ہے ورنہ استحاضہ، اور یہی بات مصنف رحمہ اللہ ترجمۃ الباب میں بھی کہہ رہے ہیں لہٰذا یہ ترجمہ مسلکِ جمہور کے موافق ہوا ② ابن حزم ظاہری کا ہے کہ یہ دونوں رنگ مطلقاً استحاضہ ہیں اگرچہ مدتِ حیض کے اندر دیکھے ③ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے کہ صفرۃ و کدرۃ مطلقاً حیض ہیں، خواہ عادت کے اندر دیکھے یا اسکے پورا ہونے کے بعد اور دوسری روایت امام مالک رحمہ اللہ کی مثل جمہور کے ہے ④ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کدرۃ حیض ہے بشرطیکہ شروع میں اثرِ دم (اسود یا احمر) دیکھے ورنہ یہ محض ایک رطوبت ہے جسکا کوئی اعتبار نہیں۔

جمہور کی دلیل: ابوداؤد رحمہ اللہ کی حدیث الباب ہے۔ ابن حزم کی دلیل: بھی یہ حدیث الباب ہے یعنی حدیث ام عطیہ ہے لیکن بروایتِ بخاری و نسائی، اس لئے کہ ان دونوں میں اس روایت کے الفاظ میں ''بعد الطہر'' مذکور نہیں بس اس طرح ہے **كنا لانعد الكدرة والصفرة شيئا**۔ اسی لئے امام نسائی رحمہ اللہ نے اس پر ترجمہ بھی مطلق ہی قائم کیا ہے۔

جمہور کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا جائے گا کہ ابوداؤد کی روایت میں بعد الطہر کی زیادتی موجود ہے اسی لئے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں بھی یہ قید ذکر فرمائی ہے اور اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی بخاری شریف میں ترجمۃ الباب ابوداؤد ہی کی روایت کے مطابق بعد الطہر کی قید کے ساتھ قائم کیا ہے لہٰذا ابن حزم کیلئے اب اس سے استدلال کی گنجائش نہیں رہی۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تیسرے قول کی دلیل بخاری شریف کی وہ مشہور حدیث ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **لاتعجلن حتی ترین القصة البیضاء** کیونکہ بظاہر اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے صفرۃ وکدرۃ کا مطلقاً حیض ہونا ثابت ہوتا ہے، مدت حیض کی قید نہیں، اس کا جواب بھی حدیثِ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے خود بخود نکل آیا کہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو زمانۂ حیض پر محمول کیا جائیگا، لہٰذا اب حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا وحدیثِ ام عطیہ رضی اللہ عنہا دونوں کو ملا کر حاصل یہ ہوا کہ صفرۃ وکدرۃ قبل الطہر حیض ہیں یعنی زمانِ حیض میں اور بعد الطہر استحاضہ ہیں یعنی غیر ایامِ حیض میں۔ (الدر المنضود ج ۱ ص ۳۱۶)

الشق الثانی.....**عن عبداللّٰہ قال: صلی رسول اللّٰہ ﷺ الظھر خمسًا فقیل له: ازید فی الصلاۃ؟ قال وما ذالك! قال صلیت خمسا، فسجد سجدتین بعد ما سلم**۔ (ص ۱۵۴۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

اشرح الحدیث واذکر حکم من لم یقعد فی الرکعة الرابعة وقام للخامسة عند الأئمة مع ادلتھم

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) قعدۂ اخیرہ کے بغیر پانچویں رکعت میں کھڑے ہونے والے کا حکم مع الدلائل۔

جواب ..... ❶ حدیث کی تشریح:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ غلطی سے پانچ رکعت نماز پڑھا دی، بعد میں کسی صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز کی رکعت میں تعداد کے اعتبار سے زیادتی واضافہ ہوگیا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے نماز پانچ رکعت پڑھائی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے سلام کے بعد دو سجدے کر کے نماز کو مکمل کیا۔

گویا حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا۔

❷ قعدۂ اخیرہ کے بغیر پانچویں رکعت میں کھڑے ہونے والے کا حکم مع الدلائل:۔ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تو یہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خواہ چوتھی رکعت میں بیٹھے یا نہ بیٹھے بہر صورت نماز صحیح ہوجائے گی، سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے اور احناف یہ کہتے ہیں کہ چوتھی رکعت پر بیٹھنے کی صورت میں تو نماز صحیح ہوجائے گی، سجدۂ سہو کر لینا کافی ہوگا اور اگر بغیر قعدہ کے آدمی کھڑا ہوجائے تو اگر سجدہ میں جانے سے پہلے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے نماز درست ہوجائے گی اور اگر سجدہ میں چلا گیا تو حنفیہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ شیخین تو یوں فرماتے ہیں کہ اس کا فرض باطل ہوگا ویسے اس کی یہ نماز نفل ہوجائے گی لہٰذا ایک رکعت اور شامل کرلے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً نماز ہی باطل ہوجائے گی۔ جمہور علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خلط بین الفرض والنفل مفسدِ صلوٰۃ ہے اگر کوئی شخص فرض نماز کو اس کی تکمیل سے پہلے نفل کے ساتھ خلط کردے تو نماز باطل ہوجائے گی۔ قعدۂ اخیرہ نہ کرنے کی صورت میں پانچویں رکعت میں داخل ہونے سے جس کا تحقق سجدہ سے ہوتا ہے خلط بین الفرض والنفل قبل تکمیل الفرض لازم آتا ہے اس لئے نماز باطل ہوجائے گی۔ بخلاف اس کے کہ قعدۂ اخیرہ کر چکا ہو وہاں گو خلط لازم آئے گا لیکن بعد تکمیل الفرض، لہٰذا نماز درست ہوجائے گی، یہ بات تو حنفیہ کی اصولی ہے۔

لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تفصیل حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث تو مطلق ہے؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو مذکور ہے یہ واقعۂ جزئیہ ہے اب ظاہر ہے کہ مطلق کا تحقق اس کے دو فردوں میں سے کسی ایک فرد کے ضمن میں ہوگا لہٰذا یہاں اس واقعہ میں اب دو احتمال ہیں قعدۂ اخیرہ کرنے کا اور نہ کرنے کا، لیکن وقوع ان میں سے یقیناً ایک ہی کا ہوا ہوگا اس لئے ہم نے صرف ایک ہی صورت اختیار کی اور وہ صورت وہ ہے جس کا قرینہ ہمارے پاس موجود ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ راوی کہہ رہا ہے **صلی الظھر خمسًا** اب ظہر تو ظہر جبھی ہوگی جب اسکے جملہ فرائض پائے جاچکے ہوں اور ان میں ایک قعدۂ اخیرہ بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ قعدۂ اخیرہ کر چکے تھے اسی لئے صرف سجدۂ سہو کیا۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۳۸۵)

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٦ھ

الشق الاوّل.....ان ابا الصهباء قال لابن عباس اتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبی ﷺ وابی بكر وثلاثا من امارة عمر؟قال ابن عباس نعم .

اذكر اختلاف العلماء فی ان الطلقات الثلاث هل تعتبر واحدة ام ثلاثا؟ ماهی دلائلهم علی ما ذهبوا اليه؟ اشرح هذاالحديث الشريف واذكر كيف خالف عمررسول الله ﷺ وخليفته ابابكرؓ.

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں(۱)طلاقِ ثلاثہ کے معتبر ہونے میں اختلاف (۲)ائمہ کے دلائل (۳)حدیث کی تشریح (۴)مخالفتِ عمر رضی اللہ عنہ کی وضاحت۔

جواب..... ❶ طلاقِ ثلاثہ کے معتبر ہونے میں اختلاف:۔ایک کلمہ سے یا ایک ہی مجلس میں دفعۃً واحدہ دی جانے والی تین طلاقیں ائمہ اربعہ کے نزدیک تین ہی واقع ہوتی ہیں۔جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے،ابن العربی اور ابوبکر رازی نے تین طلاق کے وقوع پر اجماع نقل کیا ہے۔

البتہ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی وبدعت ہے اور امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ خلافِ اولیٰ ہے۔

ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ، بعض اہلِ ظاہر اور آج کل کے لامذہب لوگوں کے نزدیک اس سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے اور روافض کے نزدیک ایک بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

❷ ائمہ کے دلائل:۔اہلِ ظواہر وغیرہ کی پہلی دلیل:واقعہ عبد یزید یا واقعہ رکانہ ہے۔امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کو رجوع کا حکم دیا۔تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقیں تین شمار نہیں ہوتیں ورنہ رجوع کا حکم نہ دیتے۔

قال ابوداؤد وحدیث نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا کہ عبد یزید یا رکانہ نے طلاق بتۃ دی تھی۔

اور استدلال تب ہوتا جب تین طلاقیں دیتے۔وجہ ترجیح یہ ہے کہ طلاق بتۃ کا ذکر کرنے والے گھر کے آدمی ہیں اور ضابطہ ہے **صاحب البيت ادری مافيه**۔ دوسری دلیل:واقعۂ ابوالصہباء ہے جو حدیث الباب کے ترجمہ سے واضح ہے۔

جوابات:① یہ حدیث ابوالصہباء خاص صورت (غیر مدخول بھا عورت) پر محمول ہے اور غیر مدخول بھا تو ایک طلاق سے بائنہ ہوجاتی ہے۔دوسری اور تیسری طلاق دینے کی ضرورت ہی نہیں رہتی ② حدیث ابوالصہباء کا مصداق ایک خاص صورت ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی یوں طلاق دیتا **انت طالق، طالق، طالق** تو ثانی وثالث سے اوّل کی تاکید مقصود ہوتی تھی نہ کہ تاسیس اور وہ زمانہ خیر القرون کا تھا۔اس لئے بقول ان کے ثانی وثالث کو اول کی تاکید پر محمول کرتے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ اس میں غلو کرنے لگ گئے تو فرمایا اب جو تین دفعہ لفظ طلاق کہے گا تو اب ہم اس کو تاسیس پر محمول کرینگے تاکید پر محمول نہیں کرینگے ③ نیز یہ حدیث ابوالصہباء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کی گئی حالانکہ ان کا فتویٰ تو تین طلاق کا ہے۔تو ان کا اس روایت کیخلاف فتویٰ دینا، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ منسوخ ہے یا مصروف عن الظاہر ہے یا غیر مدخول بھا عورت پر محمول ہے یا اس خاص صورت پر محمول ہے جس کا اوپر بیان ہوا ④ اس میں حضور ﷺ کے زمانہ کا ذکر ہے آپ ﷺ کے قول وفعل کا کوئی ذکر نہیں ⑤ یہ حدیث سنداً بھی کوئی وزنی نہیں کہ اس کی بناء پر نصوص کثیرہ کو چھوڑا جائے۔

جمہور کے دلائل:حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی،بعد میں ان کو افسوس ہوا اور فرمانے لگے **لولا أنی سمعت جدی أو حدثنی أبی أنه سمع جدی يقول :أيما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الأقراء أوثلاثا مبهمة لم تحل له حتی تنكح زوجا غيره، لراجعتها**۔ سنن دارقطنی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں،اس کے بیٹے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو

0313 6377973 maktabazakariyamultan@gmail.com

کر کہنے لگے، ہمارے باپ نے ہماری والدہ کو ہزار طلاقیں دی ہیں تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا **ان أباکم لم یتق اللّٰہ تعالی فیجعل له من أمره مخرجا، بانت منه بثلاث علی غیر السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون اثم فی عنقه۔**

پھر اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں تین طلاقیں بنیت تاکید ایک شمار ہوتی تھیں اور قضاءً اس سلسلے میں طلاق دینے والے کے قول کا اعتبار کیا جاتا تھا تاہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مطلقاً تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع منعقد ہوگیا، انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اگرچہ وہ بنیتِ تاکید ہوں اور تمام صحابہ نے اس کو تسلیم کرلیا کسی نے مخالفت نہیں کی چنانچہ امام طحاوی، حافظ ابن عبدالبر، ابن العربی، حافظ ابن حجر اور علامہ ابن الھمام رحمہم اللہ نے طلقات ثلاث کے وقوع پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۴۲۳، المسائل والدلائل ص ۵۳۷)

③ حدیث کی تشریح:۔ ابوالصہباء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کثرت سے سوال کرتے تھے تو ایک مرتبہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو عہدِ نبوی ﷺ، عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ اور عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ کی ابتداء میں ان تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، پھر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق کو تین ہی قرار دیا؟ تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ جی ہاں! عہدِ نبوی ﷺ، عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ اور عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

الغرض ابوالصہباء رضی اللہ عنہ کے اس سوال وجواب کا مقصد یہ ہے کہ ہم عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ والے معمول پر ہی عمل کرینگے۔

④ مخالفتِ عمر رضی اللہ عنہ کی وضاحت:۔ سوال ہوتا ہے کہ جب عہدِ نبوی ﷺ وصدیقی رضی اللہ عنہ میں تین طلاق کو ایک شمار کیا جاتا تھا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے عمل کے خلاف فیصلہ کیوں دیا کہ آج کے بعد تین طلاق تین ہی شمار ہونگی۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کوئی انوکھا نیا فیصلہ یا حکم صادر نہیں فرمایا تھا، بلکہ صورتحال یہ تھی کہ عہدِ نبوی ﷺ وعہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں لوگ **انت طالق** کا لفظ تین بار کہتے تھے اور انکا مقصود انشاءِ جدید نہ ہوتا تھا بلکہ تاکید کیلئے وہ دوسری اور تیسری مرتبہ اس کو ذکر کرتے تھے اور وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور لوگوں کی دیانت پر اس وقت اعتماد تھا اسلئے تاکید وتاسیس کے سلسلہ میں ان کے قول کا اعتبار ہوتا تھا اور اس کا قول قضاءً بھی قبول کیا جاتا تھا بعد میں جب خیر القرون کا زمانہ دور ہوتا چلا گیا اور لوگوں کی دیانت کا معیار پہلے کی طرح نہ رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ آج کے بعد تین طلاق دینے والے شخص کی طرف سے تاکید کا قول معتبر نہ ہوگا بلکہ الفاظ کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اس کو تین طلاق ہی شمار کیا جائے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول وفعل کا ذکر نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۴۲۴)

الشق الثانی.....**عن معمر بن ابی معمر احد بنی عدی بن کعب قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: "لا یحتکر الا خاطئ" فقلت لسعید: فانك تحتکر؟ قال: ومعمر کان یحتکر۔** (ص ۱۳۲۔ج ۱۔رحمانیہ)

عرف الاحتکار لغة و شرعًا۔ متی یتحقق الاحتکار؟ اذکره باختلاف العلماء۔

جواب..... ① احتکار کا لغوی وشرعی معنی:۔ احتکار کا لغوی معنی کسی چیز کو ذخیرہ کرنا، جمع کرنا اور روکنا ہے اصطلاحِ شریعت میں احتکار یہ ہے کہ کسی چیز کو اس نیت سے ذخیرہ کرنا کہ میں اس کو اس وقت نکالوں گا جب اس کی قلت ہوجائے گی اور پھر لوگوں سے زیادہ قیمت وصول کروں گا۔ (تقریر ترمذی)

② احتکار کے تحقق میں اختلاف:۔ کھانے پینے کی اشیاء میں تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں احتکار جائز نہیں لیکن ان کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک غذائی اجناس کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک احتکار ہر ضرورت کی چیز میں ناجائز ہے جو حضرات فقہاء احتکار کو غذائی اجناس کیساتھ خاص کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "احتکار" کا لفظ لغت میں غذائی اجناس کی ذخیرہ اندوزی ہی پر دلالت کرتا ہے، دوسری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی پر "احتکار" کا لفظ دلالت نہیں کرتا ہے، اسلئے صرف غذائی اجناس کے احتکار کی ممانعت ہوگی۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے

0313 6357913 maktabazakriyamultan@gmail.com

ہیں کہ غذائی اجناس کے احتکار کی ممانعت میں جو علت پائی جارہی ہے وہ یہ کہ لوگوں کو اس چیز کی ضرورت ہے لیکن محتکر نے لوگوں سے اسکے منہ مانگے دام وصول کرنے کی خاطر اپنے گودام میں اس کا ذخیرہ کیا ہوا ہے، تو یہ علت جس طرح غذائی اجناس میں پائی جاتی ہے اسی طرح دوسری اشیاء میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے تمام ضرورت کی اشیاء میں احتکار ناجائز ہے۔ (تقریر ترمذی ۱:۲۰۴)

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٦ھ

الشق الاوّل.....**عن سلمة بن الاكوع قال لما نزلت هٰذه الآية وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين كان من اراد منا ان يفطر يفتدى فعل حتى نزلت الآية بعدها فنسختها** ۔(ص ۳۳۷۔ج ۱۔رحمانیہ)

ترجم الحديث اوّلًا ثم بين اسم ابى سلمة وجده ثانيًا ، اذكر القرائتين لقوله تعالٰى وعلى الذين يطيقونه فدية و تفسيرهما ، هل هٰذه الآية منسوخة او محكمة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد اور دادا کا نام (۳) **وعلى الدين يطيقونه فدية الخ** کی دو قراءتیں اور تفسیر (۴) آیتِ فدیہ کے منسوخ یا محکم ہونے کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت **وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين** نازل ہوئی تو ہم میں سے جو شخص روزہ افطار کرنا (چھوڑنا) چاہتا وہ فدیہ دے کر روزہ افطار کرلیتا، حتیٰ کہ جب اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی تو اُس نے اِسے منسوخ کردیا۔

② حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد اور دادا کا نام:۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی مدنی ہے، ان کے والد کے نام میں عمرو کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں جبکہ دادا اکوع کا نام سنان بن عبداللہ بن قشیر ہے۔ (کشف الباری ج ۴ ص ۱۸۳)

③ **وعلى الدين يطيقونه فدية الخ** کی دو قراءتیں اور تفسیر:۔ مذکورہ آیت کریمہ **وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين** میں مختلف قرآتیں ہیں۔

(الف).....سب سے مشہور اور جمہور کے نزدیک یہی قرآت ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر روزہ نہیں رکھتے ان کے ذمہ فدیہ کی ادائیگی واجب ہے، چونکہ یہ مذہب کسی کا بھی نہیں اس لئے اس قرآت کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

① عند الجمہور یہ آیت منسوخ ہے اور اس کیلئے ناسخ آیت کریمہ **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** ہے ② **يطيقونه** کا لفظ باب افعال سے ہے اور اس میں سلب ماخذ والی خاصیت پائی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ان سے طاقت سلب ہوگئی ہے وہ لوگ فدایہ ادا کریں لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں ہے ③ **يطيقونه** سے پہلے لا نافیہ محذوف ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہی قرآت **وعلى الذين لايطيقونه** مروی ہے، اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(ب).....حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک آیت کریمہ **وعلى الذين يطوّقونه** (جمع مذکر غائب مضارع مجہول باب تفعیل) ہے، مطلب یہ کہ جو لوگ روزہ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوجائیں ان پر فدیہ ہے، اس صورت میں بھی یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

④ آیتِ فدیہ کے منسوخ یا محکم ہونے کی وضاحت:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت محکم ہے جبکہ جمہور کے نزدیک یہ آیت مابعد والی آیت کی وجہ سے منسوخ ہے **كمامرّ آنفا**۔

الشق الثانی.....**عن ابن عمر قال اصاب عمر ارضا بخيبر فاتى النبى ﷺ فقال: اصبت ارضا لم اصب مالا قط انفس عندى منه فكيف تامرنى به؟ قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها فتصدق بها عمر انه لا يباع اصلها ولا يوهب ولا يورث ، للفقراء والقربى والرقاب وفى سبيل الله وابن السبيل وزاد عن بشر والضيف ثم اتفقوا: لاجناح على من وليها ان ياكل منها بالمعروف ويطعم صديقا غير متمول فيه زاد عن بشر قال : وقال محمد غير متاثل مالا**۔(ص ۵۰۔ج ۲۔رحمانیہ)

0323 6357913 maktabazalariyamultan@gmail.com

ترجم الحدیث ۔ ماھو حکم الوقف ھل یلزم علی التابید ام یجوز للواقف ان یرجع فیما وقفه اذکر المذاھب منقحة واضحة ۔ من الذی یستدل بھذا الحدیث وما ھو الجواب عنه عند من لایقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں(۱)حدیث کا ترجمہ(۲)وقف کے حکم میں ائمہ کے مذاہب (۳)مستدلین کی تعیین وجواب۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر کی ایک زمین ملی، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے زیادہ قیمتی ونفیس مال مجھے آج تک نہیں ملا، پس آپ ﷺ مجھے اسکے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اسکی اصل کو روک لو یعنی وقف کردو اور اسکے منافع کو صدقہ کردو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو صدقہ کردیا (زمین کو وقف اور منافع کو صدقہ کردیا) اس شرط پر کہ اسکی اصل کو بیچا نہیں جائے گا، ہبہ نہیں کیا جائیگا، میراث جاری نہیں ہوگی۔ اسکے منافع فقراء، رشتہ دار، غلاموں کی آزادی، جہاد وحج فی سبیل اللہ، مسافر اور مہمانوں کیلئے ہوں گے جو شخص اس کا متولی اور نگران ہو اس کیلئے معروف طریقہ کے مطابق کھانے میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے اور وہ اپنے دوست کو بھی کھلا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تونگری حاصل نہ کرے۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے (اس لفظ ''غیر متمول فیہ'' کی جگہ) ''غیر متاثل مالا'' کہا ہے یعنی وہ متولی اس مال کے ذریعہ جڑ پکڑنے والا نہ ہو۔

② وقف کے حکم میں ائمہ کے مذاہب:۔ وقف کی چار صورتیں ہیں۔ ① کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے مسجد بنا کر اس کو وقف کرے یعنی اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدے تو ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھتے ہی مسجد وقف ہوجائے گی ② موت پر وقف کو معلق کرے مثلاً یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ مکان دارالعلوم کے لئے وقف ہے پس واقف کے مرتے ہی وہ مکان وقف ہوجائے گا ③ قاضی کسی چیز کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے۔ ان تین صورتوں میں بالاجماع موقوفہ چیز اور اس کے منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہوجائیں گے اور موقوفہ چیز بندے کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلی جائے گی اور اب اس کا کوئی مجازی مالک نہیں رہے گا اس لئے اس کی بیع اور ہبہ جائز نہیں، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی ④ واقف کسی زمین کے صرف منافع وقف کرے، اصل زمین وقف نہ کرے اس صورت میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی اصل زمین اور منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہوجائیں گے، اور موقوفہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہوجائے گی اور اللہ کی ملک میں چلی جائے گی اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف منافع وقف ہونگے اور اصل چیز واقف کی ملک میں رہے گی مگر احناف کے یہاں فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے کیونکہ اس میں وقف کی مصلحت ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں وقف کی بیع اور ہبہ صحیح ہے اگرچہ مکروہ ہے چونکہ وقف کے خرد برد ہونے کا احتمال ہے، اسلئے بربنائے مصلحت صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ پس فتویٰ کی رو سے اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔ (تحفۃ الالمعی ج۴ص۳۰۷)

0313 6257913, maktabazakariyamultan@gmail.com

③ مستدلین کی تعیین وجواب:۔ اس حدیث کے متعلق ہر دو فریق نے اپنے مستدل ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر بظاہر یہ امام صاحب رحمہ اللہ کیلئے مؤید ہے چونکہ اب حنفیہ کے نزدیک فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے اسلئے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنی جگہ درست ہے مگر آج کل کے دور میں موقوفہ چیز کے خرد برد ہونے کا احتمال ہے اسلئے اس پر ہمارا عمل نہیں۔ (واللہ اعلم)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال: "انما جعل الامام لیؤتم به "بھذا الخبر زاد "واذا قرأ فانصتوا" قال ابوداؤد وھذه الزیادة "واذا قرأ فانصتوا" لیست بمحفوظة، الوھم عندنا من ابی خالد۔ اذکر شروط صحة الاقتداء بالامام المعذور عند من یقول بانھم یقتدون جالسین ۔ اشرح قول**

ابی داؤد شرحًا کاملاً و حقق: هل هٰذه الزیادة محفوظة ام لا۔ (ص۹۹۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) اقتداء جالسًا کی صحت کی شرائط (۲) امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح (۳) زیادتی کے محفوظ ہونے کی تحقیق۔

جواب ..... ① اقتداء جالسًا کی صحت کی شرائط:۔ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح التقریب میں اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے المغنی میں نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتدیوں کا بیٹھ کر اقتداء کرنا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

① امام ابتداء ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو یعنی اس کا عذر ابتداء ہی سے ہو درمیان نماز میں طاری نہ ہوا ہو ② امام راتب یعنی مقرر کردہ ہو ③ اُس کا عذر مرجوّ الزوال (زائل ہونے کی امید) ہو۔ (درسِ ترمذی ج۲ص۱۳۲)

② امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح:۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حدیث **انما جعل الامام لیؤتم به** میں **واذا قرأ فانصتوا** کا اضافہ غیر محفوظ ہے۔ صحیح حدیث صرف پہلا جملہ ہی ہے، دوسرا جملہ شاید ابوخالد راوی کا وہم ہے۔

③ زیادتی کے محفوظ ہونے کی تحقیق:۔ حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ابوخالد الاحمر جن کا نام سلیمان بن حیان ہے یہ صحیحین کے راوی ہیں۔ شیخین نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے، بالکل ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے، اگرچہ وہ متفرد ہو اور یہاں تو تفرد بھی نہیں بلکہ محمد بن سعد الانصاری نے ابوخالد کی متابعت کی ہے جیسا کہ نسائی کی روایت میں موجود ہے لہٰذا یہ زیادتی صحیح اور ثابت ہے۔

جاننا چاہیے کہ **واذا قرأ فانصتوا** اس کتاب میں آگے چل کر باب التشہد میں بھی آرہا ہے لیکن وہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہاں جو حدیث ہے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، وہاں بھی مصنف نے اس لفظ پر کلام کیا ہے اور اس کو غیر محفوظ قرار دیا ہے اور فرمایا **ولم یجیئ به الا سلیمان التیمی۔**

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث (جس میں یہ زیادتی موجود ہے) کی تخریج کی ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی شاگرد نے اس لفظ پر تردد کا اظہار کیا ہے اور وہ تردد یہی ہوسکتا تھا کہ اس زیادتی کے ساتھ سلیمان تیمی متفرد ہیں تو اس پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا **اتریـد احـفـظ مـن سلیمـان** یعنی اگر سلیمان تیمی اس کے ساتھ متفرد ہیں تو کیا حرج ہے وہ تو بڑے ثقہ اور حافظِ حدیث ہیں، اسکے بعد اسی سائل نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ یہ لفظ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں بھی ہے کیا وہ بھی آپ کے نزدیک صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں، صحیح ہے سائل نے کہا کہ پھر آپ نے اس کی یہاں اس کتاب میں تخریج کیوں نہیں کی؟ تو انہوں نے فرمایا **لیس کل شیئ عندی صحیح وضعته ههنا وانما وضعت ههنا ما اجمعو علیه** کہ یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث میرے نزدیک صحیح ہو اس کو میں یہاں اپنی صحیح میں ذکر کروں، اپنی اس صحیح میں تو میں صرف وہ احادیث لاتا ہوں جن کی صحت پر مشائخ کا اجماع ہوتا ہے، یہ تمام عبارت صحیح مسلم کے اندر متن میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں یہ زیادتی موجود ہے وہ بقول امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بالاجماع صحیح ہے (مگر یہ ذہن میں رہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اجماع سے چند مخصوص مشائخ کا اجماع ہے) حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود میں **واذاقرأ فانصتوا** کی زیادتی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے کتابوں کے حوالہ کے ساتھ ایک درجن طرق سے ثابت فرمائی ہے اور اخیر میں ہے کہ ان طرق میں بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں۔ اگر یہ تمام بھی ضعیف ہوتے تب بھی تعدد کی وجہ سے ضعف کا انجبار ہوجاتا، پھر چہ جائیکہ بعض طرق ان میں سے صحیح ہیں۔ (الدر المنضود ج۲ص۱۵۵)

الشق الثانی.....**حـدثنا عثمان بن ابی شیبة حدثنا وکیع عن سفیان عن عاصم یعنی ابن کلیب عن عبـدالـرحمن بن الاسود عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعود "الا اصلی بکم صلاة رسول الله ﷺ ؟ قال: فصلی فلم یرفع یدیه الا مرة"۔** (ص۱۱۸۔ج۱۔رحمانیہ)

0313-6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ما هی مذاهب العلماء فی رفع الیدین عند الرکوع والرفع منه؟ اذکر ادلتهم ۔ من الذی یستدل بهٰذا الحدیث؟ وما الذی اورد الخصم من الایرادات؟ وما هو الجواب عنها؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں(۱)رفع یدین عندالرکوع میں اختلاف (۲)ائمہ کے دلائل (۳)مستدلین کی تعیین(۴)حدیث پراعتراضات مع جوابات۔

جواب .....① و② رفع یدین عندالرکوع میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔مالکیہ حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ وامام احمد رحمہ اللہ سے رفع یدین کے قائل ہیں۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل:① **قوله قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلٰوتهم خاشعون** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خاشعون کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں **مخبتون متواضعون لایلتفتون یمینا ولا شمالا ولایرفعون ایدیهم** ②**قال ابن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی ولم یرفع الافی اول مرة وقال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن وصححه ابن حزم فی المحلی** ③**عن جابر قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذ ناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة،** یہ قولی صحیح مرفوع حدیث ہے جس میں رفع یدین سے روکا گیا ہے اور سکون کا حکم دیا گیا ہے، گویا یہ **فی صلوتهم خاشعون** کی تفسیر ہے ④**عن البراء بن عازب قال کان النبی ﷺ اذا کبر لافتتاح الصلوة رفع یدیه..... ثم لایعود** ⑤**عن ابن مسعود قال صلیت مع رسول الله ﷺ وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیهم الا عند استفتاح الصلوة۔**

شوافع وحنابلہ رحمہم اللہ کی دلیل: **عن ابن عمر قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة یرفع یدیه حتی یحاذی منکبیه واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع** ۔اس مضمون کی حدیث حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں، حضرت ابوحمید الساعدی فی عشرۃ من اصحاب رسول اللہ ﷺ کی حدیث ابوداؤد میں، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مسلم میں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنن اربعہ میں، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں موجود ہے۔

جواب: اختلاف ثبوت میں نہیں بلکہ دوام وبقاء میں ہے جو ان احادیث سے ثابت نہیں۔مذکورہ ترکِ رفع کے دلائل کے قرینہ سے یہ احادیث ابتداء پر محمول ہیں بعد میں رفع یدین متروک ہوگئی اور اس کی سنیت منسوخ ہوگئی۔خصوصاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ترکِ رفع کا ثبوت تین روایات سے اور بعض خلفاء راشدین حضرت عمر وعلی رضی اللہ عنہما سے ترکِ رفع اس پر بہت قوی قرینہ ہے۔

نیز جیسے دیگر مختلف مقامات کی رفع یدین باتفاق ائمہ وجمہور علماء دوسری صحیح احادیث کی وجہ سے متروک ومنسوخ ہے اسی طرح مختلف فیہ رفعِ یدین بھی صحیح احادیث کی وجہ سے حنفیہ ومالکیہ کے ہاں متروک ومنسوخ ہے۔واضح رہے سنیت منسوخ ہے جواز باقی ہے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کی حدیث اگرچہ صحیحین میں مروی ہے مگر مضطرب ہے اور چھ وجوہ سے مروی ہے۔

① صرف تحریمہ کی رفع یدین کا ذکر ہے ② تحریمہ اور بعدالرکوع رفع یدین کا ذکر ہے عندالرکوع رفع کا ذکر نہیں ہے ③ مواضع ثلاثہ کی رفع کا ذکر ہے ④ مواضع ثلاثہ کیساتھ بعدالرکعتین کی رفع کا ذکر بھی ہے ⑤ مواضع اربعہ کے ساتھ رفع السجودکا ذکر بھی ہے ⑥**فی کل خفض ورفع و رکوع و سجود و قیام وقعود و بین السجدتین** کی رفع کا ذکر ہے۔

لہٰذا ایسی مضطرب حدیث کو مدارِ حکم بنانا مشکل ہے۔

ترکِ رفع کی وجوہِ ترجیح:① اوفق بالقرآن ہے ② اسکنوا فی الصلوٰۃ قولی حدیث ہے جو فعلی سے راجح ہے ③ فعلی احادیث متعارض ہیں جبکہ قولی احادیث تعارض سے سالم ہیں ④ ترکِ رفع کے راوی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو **لیلینی منکم اولو**

0313.6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الاحلام والنهی کے تحت صف اول میں تھے جیسے حضرت عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم، بخلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے وہ صغار صحابہ میں سے ہیں ⑤ ترک کے راوی افقہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ و امام اوزاعی رحمہما اللہ محدثِ شام کا اسی مسئلہ پر مذاکرہ ہوا۔ امام اوزاعی نے علوِ اسناد کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش کی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ رواۃ کی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی **فسکت الاوزاعی** ۔ امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں **حدیث یتد اوله الفقهاء خیر من حدیث یتداوله الشیوخ**۔

علی ابن المدینی اور ابن معین کا ایک مسئلہ میں مذاکرہ ہوا تو ابن المدینی نے فرمایا **اذا اجتمع ابن عمر وابن مسعود واختلفا فابن مسعود اولی**۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ابن المدینی کی موافقت کی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **وکذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الاحادیث**۔ (المسائل والدلائل ص ۲۶۶)

③ مستدلین کی تعیین:۔ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے **کما مرّ آنفا**۔

④ حدیث پر اعتراضات مع جوابات:۔ یہ حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حنفیہ کے مسلک پر صریح بھی ہے اور صحیح بھی، لیکن اس پر مخالفین کی طرف سے متعدد اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ① امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن المبارک کا قول نقل کیا ہے کہ عدمِ رفع یدین والی حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ درحقیقت ترکِ رفع کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں مروی ہیں، ایک کے الفاظ یہ ہیں **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع الا فی اول مرة** اور دوسری کے الفاظ یہ ہیں **الا اصلی بکم صلوٰة رسول اللّٰه فصلی فلم یرفع یدیه الافی اول مرة**۔ حضرت عبداللہ بن المبارک کا قول پہلی روایت کے بارے میں ہے کہ وہ ثابت نہیں، نہ کہ دوسری روایت کے بارے میں، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سنن نسائی میں یہی حدیث خود حضرت عبداللہ بن المبارک سے اسی طرح مروی ہے۔ لہٰذا ان کے قول کو دوسری روایت پر چسپاں کرنا درست نہیں ہے۔

② اس حدیث پر یہ کیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے اور یہ اُن کا تفرد ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو عاصم بن کلیب مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اور ثقہ ہیں لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں، نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کی متابعت کی ہے چنانچہ مسندِ امام اعظم رحمہ اللہ میں یہ حدیث **حماد عن ابراهیم عن الاسود** کے طریق سے مروی ہے اور یہ سلسلۃ الذہب ہے۔

③ یہ کیا جاتا ہے کہ اس حدیث کو عاصم بن کلیب سے روایت کرنے میں سفیان اور ان سے روایات کرنے میں وکیع متفرد ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سفیان اور وکیع جیسے ائمۂ حدیث کے تفردات کو بھی رد کیا جانے لگے تو دنیا میں کس کا تفرد قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟ نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے طریق میں نہ سفیان ہیں نہ وکیع، نیز سفیان سے روایت کرنے میں وکیع کے متفرد ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے بہت سے متابعات موجود ہیں چنانچہ نسائی میں عبداللہ بن المبارک اور ابوداؤد میں معاویہ، خالد بن عمرو اور ابوحذیفہ وغیرہ نے وکیع کی متابعت کی ہے۔

④ یہ کیا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن الاسود کا سماع علقمہ سے نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن الاسود ابراہیم نخعی کے معاصر ہیں اور ابراہیم نخعی کا سماع علقمہ سے ثابت ہے لہٰذا عبدالرحمٰن بن الاسود بھی علقمہ کے معاصر ہوئے اور امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث کی صحت کے لئے نفسِ معاصرت کافی ہے لہٰذا یہ حدیث صحیح علیٰ شرط مسلم ہے۔ علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ حدیث عبدالرحمٰن بن الاسود کے بجائے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے اور علقمہ سے ان کا سماع شبہ سے بالاتر ہے۔

⑤ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع الیدین میں کیا ہے اور وہ یہ کہ یہ حدیث معلول ہے اور معلول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں **ثم لم یعد** کی زیادتی عاصم بن کلیب کے شاگردوں میں سے صرف سفیان ثوری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں اور عاصم بن کلیب کے ایک دوسرے شاگرد عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں یہ زیادتی موجود نہیں۔

اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر یہ زیادتی ثابت نہ ہو تب بھی حنفیہ کیلئے مضر نہیں کیونکہ ان کا استدلال اس کے بغیر بھی پورا ہوسکتا

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادتی ثابت ہے،اسلئے کہ یہ سفیان ثوری کی زیادتی ہے اور سفیان عبداللہ بن ادریس کے مقابلہ میں احفظ ہیں **ویاللعجب سفیان اذا روٰی لھم الجھر بآمین کان احفظ الناس ثم اذا روٰی ترك الرفع صارانسی الناس۔**

⑥ ابوبکر بن اسحٰق شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور اعتراض یہ کہا ہے کہ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تطبیق فی الرکوع کے نسخ کا علم نہ ہوا تھا اسی طرح رفع یدین کے مسئلہ میں بھی وہ لاعلم رہے، یا ان سے سہو ہو گیا۔

لیکن اس گستاخانہ اعتراض کی لغویت اتنی ظاہر ہے کہ جواب دینے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف عدم علم کی نسبت خود معترض کے وقار کو مجروح کرتی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ظاہر ہے کہ ''افقہ الصحابہ'' اور ''حبر الامۃ'' ہیں اور سالہا سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے رہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بچوں کی صف میں کھڑے ہوتے تھے لہٰذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف عدم علم اور سہو کی نسبت تحکم محض کے سوا کچھ نہیں۔

لہٰذا صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عائد کئے جانے والے تمام اعتراضات غلط ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو بہت سے محدثین نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے،جن میں امام ترمذی،علامہ ابن عبدالبر،علامہ ابن حزم اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ بھی داخل ہیں۔لہٰذا اس حدیث کے قابل استدلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔(درسِ ترمذی ج۲ص۲۸)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....**عن ابی یونس انه قال أمرتني عائشة ان اکتب لها مصحفا وقالت اذا بلغت هٰذه الآیة فاذنني حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطی فلما بلغتها اذنتها فاملت علی حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطی وصلوة العصر وقوموا للّٰه قانتین ثم قالت سمعتها من رسول اللّٰه** صلی اللہ علیہ وسلم۔(ص۷۰۔ج۱۔رحمانیہ)

ترجم الحدیث و اذکر مذاهب العلماء فی تعیین الصلوٰة الوسطی بتفصیل، اکتب ادلتهم علی ماذهبوا الیه

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) صلوٰۃ الوسطیٰ کی تعیین (۳) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ میں اُن کے لئے مصحف لکھوں اور فرمایا کہ جب تُو آیت کریمہ **حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطی** پر پہنچے تو مجھے مطلع کرنا،پس جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے اُن کو مطلع کیا پس انہوں نے مجھے **حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطی وصلوٰة العصر** لکھوایا۔پھر فرمایا کہ میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

② صلوٰۃ الوسطیٰ کی تعیین:۔ صلوٰۃ الوسطیٰ کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں ① حضرت انس،حضرت جابر،عکرمہ اور مجاہد رضی اللہ عنہم وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے صلوٰۃِ فجر مراد ہے،امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے ② حضرت عائشہ،حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس سے ظہر کی نماز مراد ہے،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مغرب کی نماز مراد ہے ④ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس سے تمام نمازیں مراد ہیں،یہ حضرات کہتے ہیں کہ **حافظوا علی الصلوات** میں فرائض اور نوافل سب شامل ہیں اور **والصلاة الوسطی** کہہ کر فرائض پنج وقتہ کی تاکید کر دی ہے۔علامہ ابن عبدالبر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ⑤ ابن حبیب مالکی اور ابوشامہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے نماز جمعہ مراد ہے ⑥ ابن التّین اور علامہ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اس سے عشاء کی نماز مراد ہے ⑦ اس سے صبح اور عصر کی نمازیں مراد ہیں ⑧ بعض کا خیال ہے کہ اس سے صبح اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں ⑨ علم الدین سخاوی اور تقی الدین اخنائی فرماتے ہیں کہ اس سے صلوٰۃِ وتر مراد ہے ⑩ بعض کہتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف مراد ہے ⑪ بعضوں نے صلوٰۃ عیدالاضحیٰ مراد لیا ہے۔ ⑫ بعض حضرات نے چاشت کی نماز مراد لی ہے ⑬ سعید بن جبیر اور امام الحرمین رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے لاعلی التعیین پانچ نمازوں میں سے کوئی ایک مراد ہے ⑭ بعضوں نے اس سے تہجد کی نماز مراد لی ہے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

⑮ لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے، یہی قول حنفیہ اور حنابلہ کا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں **ھو قول اکثر علماء الصحابۃ** ۔ماوردی کہتے ہیں **ھو قول جمھور التابعین** ،اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا **ھو قول اکثر اھل الاثر** ۔ یعنی راجح قول کے مطابق اس سے نمازِ عصر مراد ہے۔ (کشف الباری کتاب التفسیر ص ۸۵)

③ ائمہ کے دلائل:۔ ان میں سے سب سے مشہور تین قول ہیں۔ ① حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک اس سے مراد نمازِ عصر ہے ② شوافع ومالکیہ کے نزدیک اس سے مراد نمازِ فجر ہے ③ حضرت عروہ بن زبیر، ابوسعید خدری اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس سے مراد نمازِ ظہر ہے۔

شوافع ومالکیہ کی پہلی دلیل: حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ **الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ الصبح**۔

جواب یہ ہے کہ مرفوع احادیث کو آثارِ صحابہ پر ترجیح حاصل ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ **الصلوٰۃ الوسطی ھی الصبح تصلی بین سواد اللیل و بیاض النھار**۔

جواب یہ ہے کہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری جگہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد صلوٰۃ العصر مروی ہے، **اذا تعارضا تساقطا**۔

قولِ ثالث کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر ہے **الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ الظھر**۔

نیز نمازِ ظہر دن کے درمیان میں پڑھی جاتی ہے۔ جواب: احادیثِ مرفوعہ کے مقابلے میں یہ اثر مرجوح ہے۔ نیز وسطیٰ سے مراد درمیان نہیں بلکہ ہر چیز کے اعلیٰ وافضل کو وسطیٰ کہا جاتا ہے جیسے **وکذالك جعلنٰكم اُمة وسطًا**۔

حنفیہ وحنابلہ کے دلائل: ① سوال میں مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ② ترمذی وبخاری میں حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں **قال رسول اللہ** ﷺ **صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر** ③ بخاری ومسلم میں حضرت علیؓ کی روایت ہے **عن رسول اللہ** ﷺ **قال یوم الخندق حبسونا عن صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ملأ اللہ بیوتھم وقبورھم نارا**۔ پس معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق صلوٰۃ العصر ہی ہے۔ (خیر التوضیح ج ا ص ۵۱۳)

الشق الثانی..... **عن عائشة "ان زوج بريرة كان حرا حين اعتقت وانها خيرت فقالت: ما احب ان اكون معه، وان لى كذا و كذا** ۔ (ص ۳۲۲۔ ج ا۔ رحمانیہ)

ترجم الحديث۔ متى تخير المملوكة خيار العتق؟ انكر مذاهب العلماء وادلتهم۔ زوج بريرة كان حرا او عبدا عند عتقها؟ حقق الامر فى ضوء الروايات، وبين كيف التوفيق بين الروايات المختلفة فى هٰذا الصدد

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مملوکہ کے خیارِ عتق میں اختلاف مع الدلائل (۳) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت زوج کے غلام یا آزاد ہونے کی روایات میں تطبیق۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے زوج ان کی آزادی کے وقت آزاد تھے اور ان کو خیار دیا گیا تھا اور انہوں نے عرض کیا کہ مجھے مغیث کے ساتھ رہنا منظور نہیں، اگرچہ مجھے اتنا اتنا مال ملے۔

② مملوکہ کے خیارِ عتق میں اختلاف مع الدلائل:۔ عندالاحناف باندی جب آزاد ہو تو اس کو خیارِ عتق ملے گا خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام۔ عندالجمہور باندی جب آزاد ہو تو خاوند کی حالت کا اعتبار ہوگا یعنی اگر خاوند آزاد ہے تو خیارِ عتق نہ ملے گا اور اگر خاوند غلام ہے تو خیارِ عتق ملے گا۔ محلِ اختلاف یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئیں تو ان کے خاوند آزاد تھے یا غلام۔

عندالجمہور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت ان کے خاوند حضرت مغیث رضی اللہ عنہ غلام تھے اور احناف کے نزدیک ان کے خاوند حضرت مغیث رضی اللہ عنہ آزاد تھے۔ احناف رحمہم اللہ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں ہے **ان زوجھا كان حرّا**۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں ہے **ان زوجھا كان عبدًا**، نیز واقعہ ایک ہی ہے اور روایات میں یہ بھی ہے کہ **لو كان حرًا لم يخيرھا**۔ جواب: **ان زوجھا كان عبدًا** ماضی کے اعتبار سے ہیں، اور وہ روایات جن میں **لو كان حرًا لم يخيّرھا** ہے یہ حضرت عروہ کا مقولہ ہے جیسا کہ نسائی شریف میں اس کی تصریح بھی موجود ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقولہ نہیں ہے۔

0313 6257913 maktabazakariyamaltan@gmail.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو اسود رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں جس میں ان زوجها كان حرا حين اعتقت ہے اس کو اس وجہ سے ترجیح حاصل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صاحبِ واقعہ ہیں اور وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے حالات کو دوسرے حضرات سے زیادہ جانتی ہیں، پس ان کی اس روایت کو ترجیح ہوگی جس میں نہ تو شک کے الفاظ ہیں اور نہ ہی راوی کی روایت میں تضاد ہے۔

نیز اسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت تسلیم کرنے کی صورت میں دونوں قسم کی روایات میں تطبیق اور ان میں جمع کرنا ممکن ہے۔

(درسِ ترمذی ج ۳ ص ۴۵۰، کشف الباری کتاب الطلاق ص ۴۸۴، المسائل والدلائل ص ۵۲۸، الدر المنضود ج ۴ ص ۱۱۲)

③ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت زوج کے غلام یا آزاد ہونے کی روایات میں تطبیق:۔ کما مرّ آنفا۔

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....عن فضالة بن عبيد قال اتى النبى ﷺ عام خيبر بقلادة فيها ذهب و خرز، قال ابوبكر وابن منيع: فيها خرز معلقة بذهب ابتاعها رجل بتسعة دنانير او بسبعة دنانير، قال النبى ﷺ : لا، حتى تميز بينه وبينه، فقال: انما اردت الحجارة، فقال النبى ﷺ لا، حتى تميز بينهما، قال: فرده حتى ميز بينهما۔ (ص ۱۲۱۔ج ۲۔رحمانیہ) ترجم الحديث۔ هل يجوز بيع الشئ المركب بالذهب وغير الذهب بدون الفصل بينهما؟ اذكر مذاهب العلماء۔ اذكر ادلتهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سونے وغیر سونے سے مرکب چیز کی سونے کو جدا کئے بغیر بیع کا حکم (۳) ائمہ کے دلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس خیبر کے دن ایک ہار لایا گیا اس میں سونا اور نگینے تھے۔ حضرت ابوبکر اور ابن منیع نے کہا کہ اس میں نگینے تھے جو سونے سے ڈھکے ہوئے تھے اس کو ایک آدمی نے نو یا سات دینار کے بدلہ میں خریدا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بیع درست نہیں ہے جب تک کہ سونے کو نگینوں سے علیحدہ نہ کیا جائے، اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے پتھر (نگینے) خریدنے کا ارادہ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بیع درست نہیں ہے، جب تک کہ سونے کو نگینوں سے علیحدہ نہ کیا جائے، راوی کہتے ہیں کہ اس شخص نے وہ ہار واپس کر دیا حتیٰ کہ سونا نگینوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔

② و ③ سونے وغیر سونے سے مرکب چیز کی سونے کو جدا کئے بغیر بیع کا حکم مع الدلائل:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز ذہب اور غیر ذہب سے مرکب ہو تو اس کی بیع ذہب کے عوض جائز نہیں، جب تک کہ ذہب کو غیر ذہب سے علیحدہ نہ کر لیا جائے کیونکہ اس صورت میں ربا لازم آجانے کا احتمال رہے گا۔ اسلئے ذہب کو الگ کرنے کے بعد ذہب کو برابری کے ساتھ فروخت کرو اور غیر ذہب کو جس طرح چاہو فروخت کرو لہٰذا مرکب حالت میں بیع کرنا جائز نہیں۔

0213 6357913 makkabazarriyaultan@gmail.com

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذہب کو علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں البتہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں ذہب کی مقدار کتنی ہے؟ اگر سونے کی مقدار علیحدہ کئے بغیر معلوم ہو سکتی ہے تو پھر علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس مرکب چیز کو جس سونے کے عوض فروخت کیا جا رہا ہے وہ سونا اس مرکب چیز میں لگے ہوئے سونے سے کچھ زیادہ ہونا ضروری ہے تا کہ سونے کے مقابلے میں سونا ہو جائے اور زائد سونا دوسری چیز کے مقابل ہو جائے لہٰذا اگر سونا برابر یا کم ہو تو اس صورت میں بیع جائز نہیں مثلاً ایک ہار ذہب اور غیر ذہب سے مرکب ہے اور اس ہار میں پانچ تولہ سونا ہے اب اس ہار کو چھ تولہ سونے یا ساڑھے پانچ تولہ سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے تا کہ پانچ تولہ سونا پانچ تولے سونے کے مقابل ہو جائے اور ثمن میں جو نصف تولہ سونا زائد ہے وہ غیر ذہب کے مقابلے میں ہو جائے، اس لئے یہ معاملہ درست ہو جائے گا لیکن اگر اس ہار کو ساڑھے چار تولہ سونے یا پانچ تولہ سونے کے عوض فروخت کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں یا تو ساڑھے چار تولہ سونے کا مقابلہ پانچ تولہ سونے سے ہو رہا ہے جس

کی وجہ سے تماثل نہ رہا بلکہ تفاضل ہوگیا، اس لئے حرام ہوگیا اور جس صورت میں قیمت پانچ تولہ سونا مقرر کی تو وہ صورت بھی ناجائز ہوگی، اس لئے کہ پانچ تولہ سونا تو پانچ تولہ سونے کے مقابلے میں ہوجائے گا اور ہار کے اندر جو غیر ذہب ہے وہ خالی عن العوض ہوجائے گا اور خالی عن العوض رہنا بھی ربا ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ پونے پانچ تولہ سونا تو پانچ تولہ سونے کے مقابلے میں ہوگیا، اور پاؤ تولہ سونا غیر ذہب کے مقابل ہوجائے گا اور یہ صورت بھی ربا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اس لئے حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جو سونا اس ہار میں لگا ہوا ہے، اگر علیحدہ کئے بغیر اس کا وزن معلوم کیا جاسکتا ہے تو پھر علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جتنا سونا اس ہار میں ہے اس سے تھوڑا زیادہ سونا اس کی قیمت میں دے دیا جائے تو یہ بیع جائز ہوجائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسئلہ کی تائید میں حدیثِ باب کو پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف بیان فرمادیا کہ **لاتباع حتی تفصل**۔

احناف کی طرف سے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث میں یہ بات صاف صاف موجود ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے یہ ہار بارہ دینار میں خریدا تھا اور اس میں سے سونا بارہ دینار سے زائد نکلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرمت کی اصل وجہ یہ تھی کہ قیمت کم تھی اور ہار میں پایا جانے والا سونا زیادہ تھا، جس کی وجہ سے تفاضل پایا گیا۔ اسلئے یہ بیع ناجائز ہوگئی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز قرار دیا اور پھر بطور مشورہ کے فرمایا کہ آئندہ اس وقت تک بیع مت کرنا جب تک سونے کو الگ نہ کرلو تاکہ صحیح پتہ لگ جائے کہ سونا کتنا ہے اور غیر سونا کتنا ہے؟ اور مرکب ہونے کی صورت میں صحیح پتہ لگانا مشکل ہے کہ اس میں سونا کتنی مقدار میں ہے اور غیر سونا کتنی مقدار میں ہے؟ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایسی صورت پیش آجائے تو تم صرف اندازے اور تخمینے سے کام مت لو بلکہ سونے کو الگ کرکے فروخت کرو اور غیر سونے کو الگ کرکے فروخت کرو۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے بکثرت آثار موجود ہیں جن میں انہوں نے وہی بات فرمائی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے یعنی ان آثار کے اندر انہوں نے علی الاطلاق اس بیع کو ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا کہ ثمن اگر ذہب مرکب کے مقابلہ میں زیادہ ہے تو بیع جائز ہے۔

ویسے بھی اس بیع کے عدمِ جواز کی علت تفاضل ہے بلکہ اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ آیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''قلادہ'' کا مسئلہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ساتھ ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا **لا الذهب بالذهب مثلا بمثل**، اس سے معلوم ہوا کہ اصل علتِ حرمت تفاضل کا پایا جانا ہے لہٰذا تماثل کا پایا جانا ضروری ہے اور جہاں تماثل مفقود ہوگا وہاں عقد ناجائز ہوگا اور حنفیہ یہ جو فرمارہے ہیں کہ ایسے عقد کے اندر ثمن کی طرف والا سونا اور چاندی مبیع میں مرکب سونے چاندی سے زائد ہونی چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں تماثل یقینی طور پر موجود ہے اور جب تماثل موجود ہے تو بیع جائز ہونی چاہیے، چاہے اس سونے کو جدا کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ (تقریر ترمذی ج ا ص ۱۸۰)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....**عن اسحاق بن عبدالله بن الحارث عن ابيه (وكان الحارث خليفة عثمان على الطائف) فصنع لعثمان طعاما فيه من الحجل واليعاقيب ولحم الوحش قال: فبعث الى على بن ابى طالب فجاء ه الرسول وهو يخبط لاباعر له فجاء ه وهو ينفض الخبط عن يده فقالوا له : كل فقال اطعموه قوما حلاله فانا حرم فقال على انشد الله من كان ههنا من اشجع اتعلمون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اهدى اليه رجل حمار وحشى وهو محرم فابى ان ياكله ؟قالو: نعم .** (ص ۲۶۹۔ ج ا۔ رحمانیہ)

ترجم الحديث الشريف ترجمة واضحة .اشرح لغويا الكلمات التالية اباعر، الخبط،الحجل، اليعاقيب .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) اباعر، خبط، حجل، یعاقیب کا لغوی معنی (۲) حدیث کا ترجمہ۔

جواب..... (۱) **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقام طائف میں خلیفہ

تھے، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے چکور، چڑیوں اور گورخر کے گوشت سے کھانا تیار کیا۔ انہوں نے وہ کھانا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تو وہ اس وقت اپنے اونٹوں کے لئے چارہ تیار کررہے تھے اور وہ اپنے ہاتھ سے چارہ جھاڑ رہے تھے۔ جس وقت وہ شخص پہنچا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ کھانا تناول فرمالیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم وہ کھانا ان لوگوں کو کھلا دو جو کہ حالتِ احرام میں نہ ہوں، ہم نے تو احرام باندھ رکھا ہے۔ اس وجہ سے (میں وہ کھانا نہیں کھاسکتا) اور میں ان لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو کہ (قبیلہ) اشجع کے ہیں کیا تم لوگ اس بات سے واقف نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے گورخر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھانے سے انکار فرمایا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھے ہوئے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا، جی ہاں۔

❷ <u>اباعر، خبط، حجل، یعاقیب کا لغوی معنی:۔</u> "اَبَاعِرُ" یہ جمع ہے اسکا مفرد بَعِیْرٌ ہے بمعنی اونٹ۔

"خَبَطٌ" بمعنی درخت کے پتے جو ڈنڈے مار کر گرائے جائیں۔ "حُجَلٌ" یہ جمع ہے اس کا مفرد حَجَلَةٌ ہے بمعنی چکور۔

"یَعَاقِیْبُ" یہ جمع ہے اس کا مفرد یعقوب ہے بمعنی نر چکور۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....عَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ كُنْتُ وَافِدَ بَنِي الْمُنْتَفِقِ اَوْ فِيْ وَفْدِ بَنِي الْمُنْتَفِقِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ نُصَادِفْهُ فِيْ مَنْزِلِهٖ وَ صَادَفْنَا عَائِشَةَ اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ فَاَمَرَتْ لَنَا بِخَزِيْرَةٍ فَصُنِعَتْ لَنَا قَالَ وَاُتِيْنَا بِقِنَاعٍ ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ هَلْ اَصَبْتُمْ شَيْئًا قَالَ فَقُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَبَيْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم جُلُوْسٌ اِذْ دَفَعَ الرَّاعِيْ غَنَمَهٗ اِلَى الْمُرَاحِ وَ مَعَهٗ سَخْلَةٌ تَيْعَرُ فَقَالَ مَا وَلَّدْتَ يَا فُلَانُ قَالَ بَهْمَةً قَالَ فَاذْبَحْ لَنَا مَكَانَهَا شَاةً ثُمَّ قَالَ لَا تَحْسِبَنَّ وَلَمْ يَقُلْ لَاتَحْسَبَنَّ اَنَّا مِنْ اَجْلِكَ ذَبَحْنَا هَا، لَنَا غَنَمٌ مِاَةٌ لَا نُرِيْدُ اَنْ تَزِيْدَ فَاِذَا وَلَّدَ الرَّاعِيْ بَهْمَةً ذَبَحْنَا مَكَانَهَا شَاةً قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ اِمْرَاَةً وَاِنَّ فِيْ لِسَانِهَا شَيْئًا يَعْنِيْ اَلْبَذَاءَ قَالَ فَطَلِّقْهَا اِذًا، قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لَهَا صُحْبَةً وَلِيْ مِنْهَا وَلَدٌ ؟قَالَ فَمُرْهَا يَقُوْلُ عِظْهَا فَاِنْ يَكُ فِيْهَا خَيْرٌ فَسَتَفْعَلُ وَلَا تَضْرِبْ ظَعِيْنَتَكَ كَضَرْبِكَ اُمَيَّتَكَ ۔(ص۳۰۔ج۱۔رحمانیہ) شکل الحدیث ثم ترجمه بالاردية ،

اشرح كلا من الكلمات التالية خزيرة عصيدة قناع سخلة امية ثم قال لَاتَحْسِبَنَّ ولم يقل لَاتَحْسَبَنَّ ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مذکورہ کلمات کی تشریح۔

جواب..... ❶ <u>حدیث پر اعراب:۔</u> كمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ <u>حدیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بنی منتفق کا نمائندہ تھا یا بنی منتفق کے وفد میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں نہ پایا اور ہم نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گھر میں پایا، فرماتے ہیں پس حکم دیا انہوں نے ہمارے لئے خزیرہ تیار کرنے کا، پس وہ ہمارے لئے تیار کردیا گیا، فرماتے ہیں اور ہمارے پاس ایک بڑی پلیٹ لائی گئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کیا تمہارے لئے کچھ تیار کیا گیا؟ ہم نے کہا جی ہاں اے اللہ کے رسول، فرماتے ہیں پس اِسی دوران کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرواہا بکریوں کو باڑے کی طرف لیکر چل دیا اور اُس کے ساتھ ایک بکری کا بچہ تھا جو ممیا رہا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے فلاں تو نے کیا (کتنے بچے) جنوایا؟ اُس نے کہا کہ ایک مادہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس اُسکی جگہ ہمارے لئے ایک بکری کو ذبح کرو، پھر (مجھے) فرمایا کہ یہ خیال نہ کرنا کہ ہم تیری وجہ سے اِس بکری کو ذبح کررہے ہیں بلکہ ہمارے لئے سو بکریاں ہیں ہم نہیں چاہتے کہ اُس پر زیادتی ہو، پس جب چرواہا کوئی بچہ جنواتا ہے تو ہم اُسکی جگہ ایک بکری کو ذبح کردیتے ہیں۔

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول بیشک میری ایک بیوی ہے اور بیشک وہ زبان دراز ہے،

0313 6157913 maktabazakriyamultan@gmail.com

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب تو اُسے طلاق دے دو، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! بیشک میرا اور اُس کا عرصہ دراز کا تعلق ہے اور میرا اُس سے ایک بچہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس کو نصیحت کرو پس اگر اُس میں خیر و بھلائی ہوگی تو وہ تمہاری نصیحت کو قبول کرے گی اور اپنی بیوی کو باندی کی طرح نہ مارو۔

③ مذکورہ کلمات کی تشریح:۔ **خزیرۃ:** گوشت ملا ہوا دلیہ یا حریرہ۔ **قِنَاعٌ:** کھانا و کھجور وغیرہ رکھنے کی پلیٹ۔
عَصِیْدَۃٌ: مخصوص کھانا جو بغیر گوشت آٹا و گھی وغیرہ کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ **سَخْلَۃٌ:** بکری و بھیڑ کا بچہ نر ہو یا مادہ۔
"ثم قال لَاتَحْسِبَنْ الخ" اس عبارت سے راوی کا مقصود اس کا صحیح تلفظ یا اپنا تیقظ بتلانا ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ ﷺ نے **سین** کے کسرہ کے ساتھ **لاتحسِبن** کا لفظ استعمال کیا تھا، نہ کہ سین کے فتحہ کے ساتھ **لاتحسبن**۔

الشق الثانی.....**عن زید بن ارقم قال: کان احدنا یکلم الرجل الی جنبه فی الصلاة فنزلت : وقوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام** ۔(ص۱۴۴۔ج۱۔رحمانیہ) **اذکر مذاهب العلماء فی حکم الکلام فی الصلاة ۔ اذکر ادلة الحنفیة مع مناقشة مبسوطة لادلة الائمة الآخرین۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) نماز میں کلام کرنے کا حکم (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حنفیہ کے مخالف دلائل کا جواب۔

جواب..... ① نماز میں کلام کرنے کا حکم:۔ اس پر اجماع ہے کہ کلام اگر عمداً او اور اصلاحِ صلوٰۃ کے لئے نہ ہو تو وہ مفسدِ صلوٰۃ ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کلام خواہ عمداً ہو یا نسیاناً، جہلاً عن الحکم ہو یا خطاً، اصلاحِ صلوٰۃ کی غرض سے ہو یا اس غرض سے نہ ہو بہر صورت مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام اگر نسیاناً ہو یا جہلاً عن الحکم ہو تو وہ مفسدِ صلوٰۃ نہیں بشرطیکہ طویل نہ ہو (نووی)، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ کلام اگر اصلاحِ صلوٰۃ کے لئے ہو تو مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت حنفیہ کے مطابق ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں چار روایتیں ہیں، تین روایات تو مذاہبِ ثلاثہ ہی کی طرح ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کلام کرے کہ ابھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی تو ایسا کلام مفسدِ صلوٰۃ ہوگا خواہ وہ کلام امام کو اتمامِ صلوٰۃ کا حکم دینے کے لئے ہی ہو ہاں البتہ اگر کوئی شخص اس یقین کے ساتھ کلام کرے کہ اس کی نماز پوری ہو چکی اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ ابھی نماز پوری نہیں ہوئی تھی تو ایسا کلام مفسدِ صلوٰۃ نہ ہوگا۔

بہر حال ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں کلام فی الصلوٰۃ کے غیر مفسد ہونے کے قائل ہیں۔

② ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے مشہور واقعۂ سہو فی الصلوٰۃ سے استدلال کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ذوالیدین کا یہ کلام جہلاً عن الحکم تھا اور نبی کریم ﷺ کا یہ کلام نسیاناً تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت اصلاحِ صلوٰۃ کیلئے تھی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت یہ سمجھ کر تھی کہ نماز پوری ہو چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تو یہی سمجھ کر حکم فرمایا تھا کہ چار رکعات پوری ہو چکی ہیں اور حضرت ذوالیدین بھی یہی سمجھ کر بولے تھے کہ نماز پوری ہو چکی ہے کیونکہ اس وقت یہ احتمال موجود تھا کہ نماز کی تعدادِ رکعات میں کمی ہو گئی ہے۔

حنفیہ اس واقعہ کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

① آیت کریمہ **وقوموا لله قانتین** یہاں قنوت سے مراد سکوت ہے اور بکثرت روایات اس پر دال ہیں کہ یہ آیت سکوت فی الصلوٰۃ کے لئے ہی نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا ہمہ قسم کلام ممنوع ہے ② حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صحاح میں حدیث ہے کہ ہم کلام فی الصلوٰۃ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت **وقوموا لله قانتین** نازل ہوئی تو ہم کلام فی الصلوٰۃ سے روک دیئے تھے ③ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سلام کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ ہمارے سلام

0313 6357713 maktabazakariyamultan@gmail.com

کا جواب دیتے تھے حتیٰ کہ جب ہم حبشہ سے لوٹے میں نے سلام کیا مگر حضور ﷺ نے جواب نہ دیا اور نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعد جو احکامات نازل کئے ہیں ان میں سکوت فی الصلوٰۃ کا حکم بھی ہے۔

③ حنفیہ کے مخالف دلائل کا جواب:۔ ① ان نصوص و روایات کے ذریعہ واقعۂ ذوالیدین منسوخ ہے۔

② اس میں متعدد طرح سے اضطراب ہے۔ پہلا اضطراب: یہ ہے کہ ظہر، عصر و عشاء کی مختلف نمازوں کا ذکر ہے۔

دوسرا اضطراب: یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کتنی رکعت پر سلام پھیرا۔ دو اور تین مختلف رکعت کا ذکر ہے۔

تیسرا اضطراب: یہ ہے کہ آپ ﷺ سلام کے بعد کہاں تک تشریف لے کر گئے تھے۔ بعض روایات میں خشبہ معروفہ اور بعض روایات میں حجرہ کے اندر داخل ہونے کا ذکر ہے۔

چوتھا اضطراب: یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا یا نہیں؟ دونوں طرح مروی ہے۔

اتنے اضطرابات کی وجہ سے بعض محدثین نے اس واقعہ کو ان واقعات میں شمار کیا ہے جن میں تطبیق ممکن نہیں ہے۔

بہر حال ان اضطراباتِ شدیدہ کی موجودگی میں ذوالیدین کے واقعہ میں اتنی قوت باقی نہیں رہ جاتی کہ اس کو **قوموا للہ قنتین** اور ممانعت کلام فی الصلوٰۃ کی صحیح و صریح احادیث کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔

پھر یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس حدیث کے تمام اجزاء پر کسی کا بھی عمل نہیں، خاص طور سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس سے کسی صورت ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک بھی کلام فی الصلوٰۃ اس صورت میں غیر مفسد ہے جبکہ نسیاناً جہلاً ہو اور اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر خاص طور پر ذوالیدین کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے نسیاناً گفتگو کی تھی۔

اس کے علاوہ اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ کا خشبہ معروضہ تک تشریف لے جانا بلکہ حجرہ میں داخل ہو جانا اور وہاں سے واپس آنا یہاں تک کہ بعض سرعان الناس کا مسجد سے باہر نکل جانا ثابت ہے۔ جس میں انحراف عن القبلہ اور عمل کثیر کا تحقق لازمی ہے اور عمل کثیر شافعیہ کے نزدیک بھی قولِ مختار کے مطابق مفسدِ صلوٰۃ ہے۔

بہر حال جب اس واقعہ کے یہ اجزاء متروک العمل ہو سکتے ہیں تو صرف کلام ہی کا کیوں مامور بہ ہو؟ خلاصہ یہ ہے کہ ذوالیدین کا واقعہ ایک واقعۂ جزئیہ ہے جس میں نسخ کا قوی احتمال موجود ہے نیز اس میں اضطراب و تعارض بھی بکثرت ہے اور اسکے متعدد اجزاء پر عمل اجتماعی طور سے متروک ہے، ایسی حالت میں اس واقعہ کو کسی مستقل فقہی مسئلہ کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا چنانچہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں بھی اس واقعہ جزئیہ کے بجائے آیتِ قرآنی اور ان احادیث پر عمل کیا ہے جو قولی ہیں اور قواعد کلیہ بیان کر رہی ہیں۔ (درسِ ترمذی ۲:۱۵۰)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....**بَابُ الرَّجُلِ يَبْتَاعُ صَدَقَتَهُ:عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَجَدَهُ يُبَاعُ فَاَرَادَ اَنْ يَبْتَاعَهُ فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ .**

بَابٌ فِي الْخَرْصِ: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ سَهْلُ بْنُ اَبِيْ حَثْمَةَ اِلٰى مَجْلِسِنَا، قَالَ :اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَاِنْ لَمْ تَدَعُوْا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ .

شكّل الحديثين ثم ترجمهما ماهو رأى الجمهور فى شراء الرجل صدقته ؟ من تصدق بصدقة ثم ورثها فهل هى حلال له؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز خریدنے کا حکم ④ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کے وارث بننے کا حکم۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا .**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گھوڑا اللہ کی راہ میں دے دیا اس کے

03136247913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بعدانہوں نے اس کو بکتا ہوا دیکھا تو اس کوخریدنے کا ارادہ کیا مگر پہلے انہوں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کومت خریدو اپنے صدقہ میں رجوع مت کرو۔

یہ باب پھل کے اندازہ کرنے کے بیان میں ہے: عبدالرحمٰن بن مسعودؒ کہتے ہیں کہ حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ ہماری مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب تم خرص کرلو تو پھل توڑ لو یعنی مالک کو پھل توڑنے کی اجازت دیدو اور ثلث چھوڑ دو، پس اگر تم ثلث نہ چھوڑو یا ترکِ ثلث کو مناسب نہ سمجھو تو پھر ربع ہی چھوڑ دو۔

③ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز خریدنے کا حکم:۔ جمہور کے نزدیک اپنی ہی صدقہ کی ہوئی چیز کو خریدنا جائز ہے اور دلیل حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: غنی کیلئے پانچ صورتوں میں صدقہ لینا جائز ہے، ان میں سے ایک وہ غنی ہے جو فقیر سے مالِ زکوٰۃ کو کرید لے تو یہ مالِ زکوٰۃ اس کیلئے جائز ہے۔ امام احمد کے نزدیک اپنی ہی صدقہ کی ہوئی چیز کو خریدنا جائز نہیں ہے۔ دلیل یہی حدیث ہے۔

④ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کے وارث بننے کا حکم:۔ اگر کوئی شخص کسی رشتہ دار کو زکوٰۃ یا کوئی نفلی خیرات دے پھر اس کا انتقال ہوجائے اور وہ صدقہ کی ہوئی چیز بشکلِ میراث واپس ملے تو اُسے لینا جائز ہے۔ اس کا صدقے کا ثواب باطل نہیں ہوگا اسکی وجہ یہ ہے کہ ملکیت کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور یہ قاعدہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث سے بنایا گیا ہے کہ اُن کو صدقہ میں گوشت ملا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بریرہ اس میں سے ہمیں دے گی تو وہ ہمارے لئے ہدیہ ہوگا اور اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

الشق الثانی.....**باب البول قائما:حدثنا حفص بن عمر ومسلم بن براهيم قالا حدثنا شعبة ح و حدثنا مسدد حدثنا ابو عوانة وهذا لفظ حفص عن سليمان عن ابى وائل عن حذيفة قال اتى رسول اللهﷺ سباطة قوم فبال قائما ثم دعا بماء فمسح على خفيه قال ابو داؤد قال مسدد قال فذهبت اتباعد فدعانى حتى كنت عند عقبه.**

ما هو المراد بقوله:هٰذا لفظ حفص . ما معنى سباطة قوم؟ واضافة سباطة الى قوم اضافه اختصاص ام اضافة ملك؟ فان كانت الاضافة للملك فكيف فعل النبىﷺ هذا العمل بدون اذن اصحابها . ما هو مذهب عامة العلماء فى البول قائما و ما هو سبب بوله قائما ؟ اذكر غرض المصنف من قوله: قال ابو داؤد .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① هٰذا لفظ حفص کی مراد ② سباطة کا معنی، اضافت کی وضاحت ③ اذنِ اصحاب کے بغیر آپ ﷺ کے اس پر پیشاب کرنے کی وضاحت ④ بول قائما میں ائمہ کے مذاہب ⑤ آپ ﷺ کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی وجہ ⑥ قال ابو داؤد کی غرض۔

جواب..... ① هٰذا لفظ حفص کی مراد:۔ امام ابوداؤد کے اس حدیث میں تین استاذ ہیں: حفص بن عمر، مسلم بن ابراہیم، مسدد۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کے الفاظ حفص کے ہیں۔ مسلم بن ابراہیم و مسدد کے نہیں ہے۔

② سباطة کا معنی، اضافت کی وضاحت:۔ سباطۃ کا معنی گندو کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ ہے۔ اور بظاہر اضافت سے اضافتِ ملک معلوم ہوتی ہے۔

③ اذنِ اصحاب کے بغیر آپ ﷺ کے اس پر پیشاب کرنے کی وضاحت:۔ اشکال ہوتا ہے کہ جب وہ جگہ اس قوم کی ملکیت تھی تو آپ ﷺ نے ان کی اجازت کے بغیر وہاں پیشاب کیسے کیا؟ یہ بغیر اجازت اسکی ملک میں تصرف ہے؟

جواب ① آپ ﷺ کو دلالۃً اجازت تھی۔ ② آپ ﷺ کے بول و براز طاہر تھے اس سے نجاست واقع نہیں ہوتی۔

③ سباطہ پیشاب پاخانہ کے واسطے ہوتا ہی ہے، اسلئے وہاں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ آج کل بھی اگر کوئی کسی کی ایسی جگہ پر گندگی پھینک دے تو وہ ناراض نہیں ہوتا۔ (تقریر بخاری وانعام الباری)

④ بول قائما میں ائمہ کے مذاہب:۔ حنفیہ وشوافع کے نزدیک کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مطلقا مکروہ ہے، حنابلہ و مالکیہ کے نزدیک اگر

0313 6357913 mawlabazakariyamultan@gmail.com

چھینٹوں کا اندیشہ نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے، بعض تابعین سعید بن مسیّب اور عروہ بن زبیرؒ وغیرہ کے نزدیک مطلقاً بلا کراہت جائز ہے۔

⑤ آپ ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجہ:۔ ① بیانِ جواز کیلئے ایسا کیا گیا ② عذر کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔

پھر عذر کی تفصیل میں متعدد اقوال ہیں: ① گھٹنے میں درد کی وجہ سے بیٹھنا دشوار تھا ② عرب میں کمر درد کی صورت میں بول قائما کو مفید سمجھا جاتا تھا اور شاید آپ کی کمر میں درد تھا ③ بامرِ مجبوری آبادی کے قریب استنجاء کرنا پڑا، تو خروجِ ریح سے امن کیلئے ایسا کیا ④ جگہ کے ناپاک ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ تھا ⑤ وہ جگہ ایسی تھی کہ بیٹھ کر پیشاب کی صورت میں اپنے ہی طرف پیشاب لوٹنے کا اندیشہ تھا۔ (الدر المنضود ۱:۱۱۹)

⑥ **قال ابو داؤد کی غرض:۔** امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ مسدد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے قریب استنجاء کیلئے پانی رکھ کر پیچھے ہٹنے لگا تا کہ آپ ﷺ تنہائی میں پیشاب کرلیں، مگر پردہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں اڑ کی ضرورت تھی اسلئے آپ ﷺ نے ان کو جانے سے روک دیا اور اپنے قریب پیچھے کی جانب کھڑے ہونے کا حکم دیا تا کہ لوگوں سے تستّر و پردہ ہو جائے۔ (ایضا)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَعْمَرَ شَيْئًا فَهُوَ لِمُعَمَّرِهٖ مَحْيَاهُ وَمَمَاتُهٗ وَلَاتُرْقِبُوْا فَمَنْ اَرْقَبَ شَيْئًا فَهُوَ سَبِيْلُهٗ۔ (ص۱۴۵۔ج۲۔رحمانیہ) **شکل الحدیث وترجمه۔ عرف العمری والرقبی وحکمهما واختلاف العلماء فیهما مع ادلتهم۔ اشرح الحدیث شرحا واضحًا۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عمریٰ ورقبیٰ کی تعریف وحکم (۴) حدیث کی تشریح۔

جواب.....① **حدیث پر اعراب:۔** **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کوئی چیز بطورِ عمری دی تو وہ معمرلہ (جس کو بطورِ عمری دی گئی ہے) کیلئے ہے اس کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی اور تم رقبیٰ نہ کیا کرو، پس جس شخص نے رقبیٰ کیا تو وہ اس کا مالک ہوگا۔

③ **عمریٰ ورقبیٰ کی تعریف وحکم:۔** عمریٰ: زمانہ جاہلیت میں بھی ''عمریٰ'' مشہور ومعروف تھا اور اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ ''عاریت'' ہے، ہبہ نہیں ہے۔ لہٰذا جب تک معمرلہ زندہ ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا اور جب اس کا انتقال ہو جائے گا تو اس وقت وہ جائیداد معمر کے پاس واپس آجائے گی۔ حدیث باب نے زمانہ جاہلیت کے عمریٰ میں تبدیلی پیدا کی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمریٰ کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ① ''عمریٰ'' کرنے والا یہ تصریح کردے کہ **اعمرتك هذه الداروهی لك ولعقبك** یعنی یہ گھر تمہیں عمریٰ کے طور پر دے دیا، یہ تمہارا اور تمہارے وارثوں کا ہے۔ ② پہلی صورت کے بالکل برعکس صراحت کردے مثلاً یہ کہے **داری لك عمری ماعشت فان مُتّ فهی راجعة الی** یعنی میں اپنا یہ گھر تمہیں عمریٰ کے طور پر دیتا ہوں، جب تک تم زندہ ہو اور جب تمہارا انتقال ہو جائیگا تو میرے پاس واپس آجائیگا۔ ③ صرف اتنا کہے کہ **اعمرتك هذه الدار یا داری لك عمری** لیکن معمرلہ کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ کیا اس کے ورثاء کو ملے گا، یا معمر کے پاس واپس لوٹ آئے گا، اسکے بارے میں کوئی صراحت نہیں کرتا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں عمریٰ کو عاریت ہی سمجھا جائے گا، ہبہ نہیں کہا جائیگا۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے جس میں معمر نے یہ صراحت کردی تھی کہ **هی لك ولعقبك** تمہارے مرنے کے بعد تمہارے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء اس گھر سے صرف انتفاع کے حقدار ہوں گے، ملکیت ان کی طرف منتقل نہیں ہوگی،

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

یہاں تک کہ جب معمرلہ کے تمام ورثاء انتقال کر جائیں اور کوئی وارث باقی نہ رہے تو اس وقت یہ گھر معمر کی طرف واپس آجائے گا اور اگر وہ زندہ نہیں ہوگا تو اس کے ورثاء کو مل جائے گا اور دوسری صورت جس میں اس نے یہ صراحت کردی تھی کہ معمرلہ کے انتقال کے بعد میرے پاس واپس آجائے گا اس میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے اسی طرح تیسری صورت جس میں اس نے صراحت نہیں کی تھی بلکہ مطلق رکھا تھا، اس صورت میں بھی معمر کے پاس واپس آجائے گا۔

حنفیہ، شافعیہ اور صحیح قول کے مطابق حنابلہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تینوں صورتوں میں عمریٰ ہبہ ہے اور جب عمریٰ کا لفظ استعمال کر کے کسی شخص نے اپنا گھر دوسرے کو دے دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معمرلہ کو اس گھر کا مالک بنا دیا۔ پہلی صورت میں بالکل ظاہر ہے اس لئے کہ اس میں معمر نے صراحت ہی کردی ہے کہ **هی لك ولعقبك** اور دوسری صورت میں جب اس نے یہ صراحت کردی کہ تمہارے مرنے کے بعد یہ گھر میرے پاس لوٹ آئے گا تو اس صورت میں بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہبہ ہی ہے اور معمر نے یہ جو شرط لگائی ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد یہ میرے پاس واپس آجائے گا یہ شرط فاسد ہے لہٰذا وہ مکان ہمیشہ کیلئے معمرلہ کی طرف منتقل ہوجائے گا اور وہ شرط لغو ہوجائے گی اور تیسری صورت جس میں اس نے کوئی صراحت نہیں کی اس میں بھی بطریق اولیٰ ہبہ منعقد ہوجائے گا لہٰذا اب یہ مکان کسی بھی حال میں معمر کی طرف لوٹ کر نہیں جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **العمری جائزة لاهلها** ۔ان الفاظ کے ذریعے جب آپ نے عمریٰ جائز قرار دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے وقت عمریٰ کا جو مفہوم مشہور و معروف تھا آپ نے اس کی تقریر فرمادی اور زمانہ جاہلیت میں عمریٰ کا جو مفہوم معروف تھا وہ یہ تھا کہ عمریٰ ایک عاریت ہے ہبہ نہیں ہے اور وہ چیز کسی نہ کسی وقت واپس معمر کے پاس آجاتی تھی اور جب آپ نے اس کی تقریر فرمادی تو اب وہی مفہوم شریعت کے اندر بھی معتبر مانا جائے گا لہٰذا عمریٰ کو عاریت ہی سمجھا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ **العمری جائزة** کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے طریقے کی تقریر فرمائی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ فرمادیا کہ اب آئندہ جو شخص عمریٰ کرے گا تو وہ ہبہ سمجھا جائے گا چنانچہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں **او میراث لاهلها** اس میں آپ نے عمریٰ کو اہل عمریٰ کے لئے میراث قرار دیا اور اگلی حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ آئے ہیں وہ یہ کہ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو **له ولعقبه** کہہ کر عمریٰ دیا گیا تو وہ اس شخص کا ہوگیا جس کو وہ دیا گیا ہے اور دینے والے کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا، اسلئے کہ اس نے ایسی چیز دی جس میں میراث جاری ہوتی ہے۔ اس روایت میں صراحت کردی کہ وہ عمریٰ معمر کی طرف نہیں لوٹے گا''۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ ہیں وہ یہ کہ **لاتفسدوا عليكم اموالكم من اعمر عمری فهی له ولورثته** یعنی اپنے اموال کو خراب مت کرو اور جو شخص آئندہ عمریٰ کرے گا وہ اس کو اور اس کے ورثاء کو ملے گا۔ ان احادیث سے صاف واضح ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ رائج طریقے کی تقریر نہیں فرمائی بلکہ اس میں تبدیلی فرمائی اور اس کو عاریت کے بجائے آپ نے ہبہ قرار دیا۔

البتہ یہ سارا اختلاف اور ساری تفصیل اس وقت ہے جب کوئی شخص صرف ''عمریٰ'' کا لفظ تنہا استعمال کرے مثلاً یوں کہے **اعمرتك هذه الدار** یا **داری لك عمری** لیکن اگر کوئی عمریٰ کے بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرے مثلاً یہ کہے **داری لك ماعشت** تو اس صورت میں یہ ہمارے نزدیک بھی عاریت ہے یا یہ کہے **داری لك عمری سکنی** سکنی کا لفظ بڑھا دیا تو اس صورت میں بھی عاریت ہے ہبہ نہیں ہے۔ اسلئے معمرلہ کے انتقال کے بعد وہ مکان معمر کی طرف لوٹ آئیگا۔

رقبیٰ: کے دو معنی ہوتے ہیں ایک معنی جو زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یہ کہے **داری لك رقبی** میں اپنا گھر تمہیں رقبیٰ کے طور پر دیتا ہوں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں اس کو استعمال کرو، اگر تمہارا انتقال پہلے ہوگیا تو یہ گھر

لوٹ کر واپس میرے پاس آجائے گا اور اگر میرا انتقال پہلے ہوگیا تو یہ مکان ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جائے گا۔ اس کو رقبیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ **کل واحد منهما یرتقب موت صاحبه** ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا رہتا ہے، اسمیں پتہ نہیں ہوتا کہ کون پہلے مرے گا؟ اور بالآخر یہ گھر کس کے پاس جائے گا؟

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک رقبیٰ کا بھی وہی حکم ہے جو عمریٰ کا ہے یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حکم عاریت کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے ہبہ منعقد ہو جائیگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ ہے کہ رُقبیٰ باطل ہے یعنی یہ الفاظ کہنے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور وہ مکان بدستور رقبیٰ کرنیوالے کی ملکیت میں رہے گا، وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ صورت غدر کو مستلزم ہے جب تک ان دونوں میں سے ایک کا انتقال نہیں ہوگا اس وقت تک یہ معاملہ لٹکا رہے گا، لہٰذا غدر پائے جانے کی وجہ سے یہ معاملہ باطل ہے جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے جس میں فرمایا کہ **الرقبی جائزہ لاهلها** اس کے معنی وہ نہیں جو آپ نے بیان کئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ کہا **ارقبتك هذه الدار** تو اس کے معنی یہ ہیں **اعطیتك رقبة هذه الدار** یعنی یہ مکان پوری زمین سمیت تمہیں دیدیا۔ اسکے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ **الرقبی جائزة لاهلها** لہٰذا اگر کوئی شخص **ارقبتك** کے لفظ سے ہبہ کریگا تو عمریٰ کی طرح ہبہ منعقد ہو جائیگا لیکن جہاں رقبیٰ کے وہ معنی مراد ہوں جس میں غدر پایا جاتا ہو تو وہ رقبیٰ باطل ہے۔ (تقریر ترمذی ۱:۲۹۱)

④ حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز دوسرے شخص کو عمری یا رقبی کے طور پر دی تو جس شخص کو وہ چیز عمری یا رقبی کے طور پر دی گئی ہے وہ شخص ہی اسکا مالک بن جائیگا۔ اپنی زندگی میں وہ خود مالک ہوگا اور اسکی موت کے بعد اسکے ورثاء اس کے مالک ہونگے۔ باقی اس مسئلہ کی مکمل وضاحت ابھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔

الشق الثانی..... **"حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالك عن عمه ابی سهیل بن مالك عن ابیه قال: انه سمع طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ يُسْمَعُ دُوِيُّ صَوْتِهٖ وَلَا يُفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى اِذَا دَنَا فَاِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِی الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: لَا، اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ. قَالَ: وَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِيَامَ رَمَضَانَ..... فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَ هُوَ يَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَ لَا اَنْقُصُ..... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ. و فی روایة: "قَالَ: اَفْلَحَ وَاَبِيْهِ اِنْ صَدَقَ دَخَلَ الْجَنَّةَ".**

شکل الحدیث واکتب معنی الصلاة لغة و شرعا و متی فرضت هی؟ . هل الاستثناء متصل ام منقطع فی قوله: "فقال: لا، الّا ان تطوع"؟ وهل النفل یلزم بالشروع ام لا؟ اذکر اختلاف الائمة مع الدلائل. کیف قال ﷺ: افلح و ابیه مع ان الحلف بالآباء ممنوع فی شریعته ﷺ.

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② صلاۃ کا لغوی و شرعی معنی اور فرضیت ③ استثناء کی تعیین ④ نفل شروع کرنے سے لزوم میں اختلاف مع الدلائل ⑤ حلف بالآباء ممنوع ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے افلح وابیہ کہنے کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا.**

② صلاۃ کا لغوی و شرعی معنی اور فرضیت:۔ صلوٰۃ کا لفظ صلی بمعنی دعا سے ماخوذ ہے پس اس کا اصلی اور لغوی معنی دعاء ہے اور اس سے نقل ہو کر خاص قسم کے افعال کو صلوٰۃ کہتے ہیں کیونکہ یہ افعال بھی دعا پر مشتمل ہوتے ہیں اور علامہ زمخشری رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ صلوٰۃ تصلیہ سے ماخوذ ہے اور تصلیہ کا معنی تحریکِ صلوین (سرینوں کو حرکت دینا) ہے پھر اس کا اطلاق ارکانِ مخصوصہ رکوع سجدہ وغیرہ پر ہونے لگا اس لئے کہ ان ارکان میں بھی آدمی اپنی سرینوں کو حرکت دیتا ہے۔

نماز کی فرضیت کے متعلق تمام اہلِ سیر واہلِ حدیث متفق ہیں کہ یہ شبِ معراج میں فرض ہوئی مگر شبِ معراج کے وقوع میں

(313) 6357913, maktabazakariyamultan@gmail.com

مؤرخین کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ۵ھ میں معراج کا واقعہ پیش آیا۔ (المسائل والدلائل)

③ استثناء کی تعیین:۔ حنفیہ کے نزدیک یہ استثناء متصل ہے کیوں کہ استثناء میں اصل یہ ہے کہ متصل ہو، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے کیوں کہ یہاں استثناء کو متصل پر محمول نہیں کر سکتے۔ (مزید تفصیل مابعد میں مسئلہ کے ضمن میں آ رہی ہے)

④ نفل شروع کرنے سے لازم ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ نفل نماز شروع کرنے سے حنفیہ و مالکیہ کے ہاں واجب ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے، اگر پورا نہ کرے تو قضا واجب ہے حنفیہ کے ہاں مطلقاً اور مالکیہ کے ہاں اس صورت میں کہ جب اسے بلا عذر توڑ دے ورنہ نہیں۔ اور شافعیہ وحنابلہ کے ہاں نفل نماز کا حکم جو شروع کرنے سے پہلے ہے وہی شروع کرنے کے بعد ہے اس کا اتمام واجب نہیں۔ ہماری دلیل حدیث مذکور ہے، اس لیے کہ استثناء میں اصل اتصال ہے اور مستثنیٰ متصل وہ ہے جو ماقبل کی جنس سے ہو، اور یہاں ماقبل میں واجبات وفرائض کا ذکر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔

شافعیہ وحنابلہ اپنے مسلک کے پیشِ نظر اس استثناء کو منقطع مانتے ہیں، استثناء منقطع ماقبل کی جنس سے نہیں ہوتا، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ صلواتِ خمسہ کے علاوہ جو نماز بھی پڑھی جائے گی وہ واجب نہ ہوگی بلکہ مستحب ہوگی، ماقبل میں فرض کا ذکر تھا اور یہاں مستحب کا ذکر ہے اس لیے یہ استثناء منقطع ہے۔ ہمارے علماء نے کہا کہ استثناء میں اصل اتصال ہے لہٰذا وہی مراد ہونا چاہیے لیکن شافعیہ کی جانب سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس استثناء کو اتصال پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے جب کہ آپ ﷺ صلواتِ خمسہ کے علاوہ جو بھی نماز ہے اس پر تطوع کا اطلاق فرما رہے ہیں؟ اسلئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "**الا أن تطوع**" معلوم ہوا کہ باقی سب نمازیں تطوع ہیں۔

ہماری طرف سے اس کا جواب دیا گیا کہ استثناء متصل ہی ہے اور "**الا ان تطوع**" کا مطلب یہ ہے کہ "**الا ان تشرع فی التطوع**" تو حدیث میں تطوع سے مراد شروع فی التطوع ہے، لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ صلواتِ خمسہ کے علاوہ باقی سب نمازیں تطوع ہیں کہ حدیث میں ان کو تطوع کہا جا رہا ہے، **فلا اشکال**۔

حنفیہ و مالکیہ کے مسلک کی تائید آیت کریمہ "**لا تبطلوا أعمالکم**" سے بھی ہوتی ہے اس لیے کہ نفل کو شروع کرنے کے بعد اگر پورا نہ کیا جائے تو یقیناً اس میں ابطالِ عمل ہے جس سے احتراز ضروری ہے، لہٰذا اتمام واجب ہوا۔

اور نفل نماز میں اختیار ابتداء اور شروع کرنے کے اعتبار سے ہے کہ اس کے شروع کرنے اور نہ کرنے کا آدمی کو اختیار ہے، شروع کرنے کے بعد یعنی انتہاءً اختیار نہیں ہے یہی اختلاف صومِ تطوع میں بھی ہے لیکن واضح رہے کہ حجِ نفل شروع کرنے سے بالاتفاق واجب ہو جاتا ہے، یہاں آ کر شافعیہ ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ (الدر المنضود)

⑤ حلف بالآباء کی ممانعت کے باوجود آپ ﷺ کے "**افلح وابیہ**" کہنے کی وضاحت:۔ ① آپ ﷺ کا یہ ارشاد حلف بالآباء کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ② یہاں مضاف محذوف ہے، اصل عبارت **ورب ابیہ** ہے۔ ③ یہ ممانعت صرف امت کے لیے ہے، شارع کے لیے نہیں ہے۔ ④ اصل عبارت "**و اللّٰہ**" ہے، کاتب سے غلطی ہوئی اور اس نے **و ابیہ** لکھ دیا، نقطوں کو حذف کرنے کے بعد دونوں کی شکل ایک طرح ہے۔ (الدر المنضود: ج۲ ص۸)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل ..... "**عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْبَلُ الْھَدِیَّةَ وَ یُثِیْبُ عَلَیْھَا ۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّعْطِیَ عَطِیَّةً اَوْ یَھَبَ ھِبَةً فَیَرْجِعَ فِیْھَا اِلَّا الْوَالِدَ فِیْمَا یُعْطِیْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِیْ یُعْطِیْ الْعَطِیَّةَ ثُمَّ یَرْجِعُ فِیْھَا کَمَثَلِ الْکَلْبِ یَاْکُلُ فَاِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِیْ قَیْئِهٖ**"۔

شکّل الحدیثین و ترجمھما الی الاردیة۔ لما ذا کان ﷺ یقبل الھدیة ولما ذا یعطی عوضھا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ آپ ﷺ کے ہدیہ قبول کرنے اور اس کا عوض دینے کی وجہ۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔ **کما مر فی السوال آنفًا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ عنایت فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کے لیے کوئی شیئ کسی کو دے کر یا کوئی شیئ ہبہ کر کے واپس لینا حلال نہیں کہ پھر اس کے ہبہ سے رجوع کرے لیکن اس شیئ میں کہ جو والد لڑکے کو دیتا ہے، اور جو شخص ہبہ کر کے واپس لے اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ جس نے پیٹ بھر کر کھایا اور قے کی پھر آ کر اس نے قے کو کھالیا۔

③ آپ ﷺ کے ہدیہ قبول کرنے اور اس کا عوض دینے کی وجہ:۔ خطابی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ہدیہ قبول کرنا محاسنِ اخلاق کے باب سے ہے جس کے ذریعہ آپ ﷺ لوگوں کی تالیفِ قلب فرماتے تھے، اور ہدیہ قبول کر کے اس کو کھانا آپ ﷺ کی ایک خاص شان وعلامت تھی جس کا تذکرہ گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے، یعنی یہ کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور صدقہ قبول نہ کریں گے، اور ہدیہ قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کے اس ہدیہ دینے والے کو ہدیہ دینے کی مصلحت یہ ہے کہ آپ ﷺ دوسرے کے احسان مند ہو کر اس سے نہ دبیں۔ (الدر المنضود بحوالہ بذل)

الشق الثانی.....**عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَیْنَ فَرَسَیْنِ یَعْنِیْ وَهُوَ لَا یَؤْمَنُ اَنْ یَسْبِقَ فَلَیْسَ بِقِمَارٍ، وَمَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَیْنَ فَرَسَیْنِ وَقَدْ أَمِنَ اَنْ یَسْبِقَ فَهُوَ قِمَارٌ۔** (ص۳۷۲۔ج۱۔رحمانیہ)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه واضحة۔اشرح الحدیث شرحًا مبسوطًا۔ عرّف القمار ماهو؟ماهی الحکم التی من اجلها نهی الشرع عن المقامرة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) قمار کی تعریف وحکم۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص دو گھوڑوں (متسابقین) کے درمیان تیسرا گھوڑا شامل کرے اس حال میں کہ اس گھوڑے کے سبقت کرنے سے امن نہ ہو تو یہ قمار نہیں ہے اور جو شخص دو گھوڑوں میں ایسا گھوڑا شامل کرے جس کے سبقت کرنے سے امن ہو تو یہ قمار ہے۔

③ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر متسابقین کسی تیسرے ایسے شخص کو مسابقت میں شامل کرلیں جس میں سابق ومسبوق دونوں احتمال موجود ہوں تو پھر یہ مسابقت کا معاملہ قمار میں داخل ہو کر حرام نہ ہوگا بلکہ یہ قمار سے خارج ہو جائیگا اور اگر اس گھوڑے میں دونوں احتمال نہ ہوں بلکہ فقط مسبوق ہونیکا تعین ہو یا فقط سابق ہونیکا تعین ہو تو پھر یہ قمار ہوگا اور حرام ہوگا۔

④ قمار کی تعریف وحکم:۔ **هو استواء الجانبین فی احتمال الغرامة** یعنی وہ معاملہ جس میں متعاقدین میں سے ہر ایک پر ضمان آنے کا امکان ہو۔ دو میں سے کسی ایک پر ضمان آنا ضروری ہو۔ اب دیکھئے محلل نہ ہونے کی صورت میں ضمان متسابقین میں سے کسی ایک پر ضرور آئے گی۔ یعنی صرف ایک پر اور ادخال محلل کے بعد ایک شق ایسی نکل آئی کہ اس میں ضمان ان دونوں پر ہے صرف ایک پر نہیں، اس تشریح سے یہ بات سامنے آئی کہ قمار اس قسم کے معاملہ کا نام ہے جس میں جانبین میں سے لاعلی التعیین کسی ایک کا نفع دوسرے کے ضرر کو مستلزم ہو یعنی جس ایک کا بھی نفع ہوگا وہ اپنے اندر دوسرے کے ضرر کو لئے ہوئے ہوگا، کس قدر تکلیف دہ اور خبیث معاملہ ہے اسکی حرمت محاسن شریعت میں سے ہے، ہماری شریعت میں تو محاسن ہی محاسن ہیں، عبادات ہوں یا معاملات، لیکن لوگ لالچ اور مال کی حرص وطمع میں نفع موہوم کی خاطر اس قمار بازی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (الدر المنضود ج۴ ص۳۴۹)

0313 6537913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤٠ھ

الشق الاوّل.....عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَیُقَالُ لَہٗ اَنَّہٗ یُسْتَقٰی لَکَ مِنْ بِئْرِبُضَاعَۃَ وَھِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْھَا لُحُوْمُ الْکِلَابِ وَالْمَحَایِضُ وَعَذْرُالنَّاسِ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ الْمَاءَ طَھُوْرٌ لَایُنَجِّسُہٗ شَیْئٌ۔قال أبوداؤد: وسمعت قتیبة بن سعید قال: سالت قیم بئر بضاعة عن عمقها قال : اکثر مایکون فیها الماء الی العانة قلت: فاذا نقص؟ قال: دون العورة"۔(ص٢١۔ج١۔رحمانیہ)

شکل العبارة وترجمها۔ اشرح المسئلةمع اختلاف الائمة ودلائلهم۔ وضّح ماقال ابو داؤد : سمعت قتیبة ..... الخ

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ وقوعِ نجاست کی وجہ سے پانی کے حکم میں اختلاف ④ ائمہ کے دلائل وجواب ⑤ قال ابوداؤد کی وضاحت۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ کے پینے کے لئے بیئر بضاعہ سے پانی لایا جاتا ہے حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے کہ کتوں کے گوشت، حیض کے چیتھڑے اور لوگوں کی گندگی وغیرہ اس میں ڈالے جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک پانی طہور (طاہر) ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

③ وقوعِ نجاست کی وجہ سے پانی کے حکم میں اختلاف:۔ حضرت حسن بصری اور داؤد ظاہری رحمہما اللہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر وقوعِ نجاست سے اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک اس کی طبیعت یعنی رقت وسیلان باقی رہے خواہ اس کے اوصاف ثلاثہ متغیر ہو گئے ہوں۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ماء قلیل ہو تو وہ وقوعِ نجاست سے نجس ہو جائے گا اور اگر کثیر ہو تو اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک متغیر الاوصاف نہ ہو اور اگر متغیر الاوصاف ہو جائے تو نجس ہو جائیگا خواہ قلتین سے کم ہو یا زیادہ ہو اور احناف کے نزدیک قلت وکثرت کا مدار مبتلی بہ کی رائے پر ہے اگر اس کا ظنِ غالب یہ ہو کہ ایک طرف واقع ہونے والی نجاست کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے گا تو یہ ماءِ قلیل ہے اور اگر ایک طرف واقع ہونے والی نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچے گا تو یہ ماءِ کثیر ہے اور اس قلت وکثرت کی پہچان کے مختلف طریقے ہیں۔ ① ایک طرف وضو کرنے کی حرکت دوسری طرف پہنچے تو قلیل ہے وگرنہ کثیر ہے ② ایک طرف رنگ ڈالنے کا اثر دوسری طرف پہنچے تو قلیل ہے وگرنہ کثیر ہے ③ ایک طرف مٹی ڈالنے کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے تو قلیل ہے وگرنہ کثیر ہے ④ اگر مساحت طولاً وعرضاً مشہور قول کے مطابق دس ذراع ہو تو کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہو تو قلیل ہے۔

0313 6357913 maktabazkariyamultan@gmail.com

مالکیہ کے نزدیک وقوعِ نجاست سے اس وقت تک پانی نجس نہیں ہوتا جب تک احد الاوصاف متغیر نہ ہو، اگر احد الاوصاف متغیر ہو جائے تو پانی نجس ہو جائیگا، گویا مالکیہ کے نزدیک نجاست وطہارت کا مدار تغیر پر ہے اگر تغیر ہو تو نجس ہے وگرنہ طاہر ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر پانی کی مقدار قلتین یا اس سے زائد ہو تو وہ وقوعِ نجاست سے نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اسکے اکثر اوصاف متغیر نہ ہوں اور اگر قلتین سے کم ہو تو وہ نجس ہو جائیگا، عام ازیں اوصاف متغیر ہوں یا نہ ہوں گویا انکے نزدیک قلت وکثرت کا مدار قلتین پر ہے، قلتین اور مافوق القلتین کثیر ہے اور مادون القلتین قلیل ہے۔(درسِ ترمذی ج١ص٢٦٦، المسائل والدلائل ص١٤٧)

④ ائمہ کے دلائل وجواب:۔ حنفیہ کی پہلی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ٹھہرے ہوئے پانی میں بول وغسل سے منع فرمایا گیا ہے حالانکہ ایک آدھ مرتبہ بول سے تغیر نہیں ہوتا اسی طرح وہ ٹھہرا ہوا پانی جس میں غسل کیا جاسکے، ظاہر ہے کہ وہ پانی قلتین سے زیادہ ہوگا مگر پھر بھی غسل سے منع فرمایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ اگر پانی قلتین سے زائد ہو تو پھر بھی وقوعِ نجاست سے نجس ہو جائیگا۔

دوسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں یہ حکم ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈالے تو اس کو دھوؤ، حالانکہ کتے کے منہ ڈالنے سے وہ متغیر الاوصاف نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ نجس ہونے کا مدار تغیر پر نہیں ہے۔

تیسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں یہ حکم ہے کہ سونے سے بیدار ہونے کے بعد برتن میں ہاتھ داخل نہ کرو بلکہ پہلے ہاتھ دھوؤ، حالانکہ ہاتھوں پر نجاست کا وھم ہے، جب نجاست کے وھم ہونے سے غسل ید کا حکم ہے تو وقوعِ نجاست سے بطریق اولیٰ پانی نجس ہو جائیگا اور ادخالِ ید سے وہ متغیر الاوصاف نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ ماءِ قلیل متغیر الاوصاف ہو یا نہ ہو بہر صورت وہ وقوعِ نجاست سے نجس ہو جائیگا۔

چوتھی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ ایک حبشی بئر زمزم میں گر کر مر گیا تھا تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ سارا پانی نکالو، معلوم ہوا کہ وہ پانی نجس ہو گیا تھا حالانکہ وہ متغیر الاوصاف بھی نہیں ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ بیئر زمزم میں پانی قلتین سے زیادہ ہوگا اس کے باوجود پانی نجس ہو گیا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتویٰ پر موجود صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو گویا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہو گیا کہ وقوعِ نجاست سے پانی نجس ہو جائے گا اگرچہ قلتین سے زائد ہو۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل حدیثِ قلتین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحراء میں موجود پانی کے متعلق سوال ہوا کہ اس پر درندے آتے رہتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اذاکان الماء قلتین لم یحمل الخبث** کہ جب پانی قلتین ہو جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ اس حدیث کا مدار تین شخصوں پر ہے۔ ① ولید بن کثیر ② محمد بن اسحاق ③ حماد بن سلمہ۔

حنفیہ کی طرف سے حدیثِ قلتین کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں سنداً، متناً، معنًی، مصداقاً اور رفعاً ووقفاً اضطراب ہے اس لئے یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں ہے۔ سنداً اضطراب اس طرح ہے کہ اس حدیث شریف کا مدار تین شخصوں پر ہے:

راوی نمبر ① ولید ابن کثیر ہے اور ولید ابن کثیر سے چار طریقہ سے یہ سند مروی ہے۔

۱۔ ولید ابن کثیر عن محمد بن جعفر ابن زبیر۔ ۲۔ ولید ابن کثیر عن محمد ابن عباس ابن زبیر۔
۳۔ ولید ابن کثیر عن عبیداللہ ابن عمر۔ ٤۔ ولید ابن کثیر عن عبداللہ بن عمر۔

راوی نمبر ② محمد بن اسحاق ہے تو محمد ابن اسحاق سے یہ حدیث دو طریقہ سے مروی ہے۔

۱..... محمد ابن اسحاق عن محمد ابن جعفر ابن زبیر۔ ۲..... محمد ابن اسحاق عن محمد ابن عباد ابن الزبیر۔

محمد بن اسحاق کو علی ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حفاظِ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔

راوی نمبر ③ حماد ابن سلمہ ہے، یہ معتبر راوی ہے اور ان کی سند میں اضطراب بھی نہیں ہے لیکن ان کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور تمہارے نزدیک موقوف حدیث ایسے اختلافی مسئلہ پر قابل استدلال نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے حماد ابن سلمہ کی روایت سے استدلال درست نہیں ہو سکتا ہے۔

متناً اضطراب اس طرح ہے کہ اس میں چھ طرح کے الفاظ ہیں: **①اذاکان الماء قلتین لم یحمل الخبث ②اذکان الماء قلتین اوقدر ثلاث ③اذاکان الماء قلة ④اذاکان الماء اربعین قلة ⑤اذاکان الماء اربعین دلوًا ⑥ اذاکان الماء اربعین غربا۔** اب ان چھ الفاظ میں سے کس متن پر عمل کریں؟

معنًا اضطراب اس طرح ہے کہ لغت میں قلة کے متعدد معانی ہیں۔ مثلاً **قامة الانسان** (قدِ آدم) **رأس الجبل** (پہاڑ کی چوٹی) **مایحمل البعیر** (اونٹ کا سامان) **جرّہ** (مٹکا) اس لئے ان معانی میں سے کس معنی کو مراد لیں؟

مصداقاً اضطراب اس طرح ہے کہ مٹکے مختلف مقدار میں ہیں، بعض مٹکے دو مشکیزے کے برابر، بعض تین مشکیزے کے برابر، بعض چار اور پانچ مشکیزے کے برابر ہیں تو کس مقدار والے مٹکے کو حدیث کا مصداق ٹھہرائیں؟

رفعًا ووقفًا اضطراب اس طرح ہے کہ حماد بن سلمہ اور حماد بن زید میں سے ایک اسے موقوف اور دوسرے اسے مرفوع قرار دے رہے ہیں لہٰذا جس حدیث میں اس قدر شدید اضطراب ہو وہ اتنے اہم مسئلہ میں دلیل نہیں بن سکتی۔

0313 6357693 maktabazakariyamultan@gmail.com

دوسرا جواب: حدیثِ قلتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعِ سکوتی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے کیونکہ بئرِ زمزم میں حبشی کے گرنے کے وقت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت اختیار کیا تھا، معلوم ہوا کہ قلتین سے زائد پانی بھی وقوعِ نجاست سے نجس ہوجاتا ہے۔ تیسرا جواب: **لم یحمل الخبث** کا معنی یہ ہے کہ جب پانی کم ہوتے ہوتے قلتین ہوجائے تو وہ حاملِ نجاست نہیں ہوسکتا یعنی وہ نجاست کو برداشت نہیں کرسکتا وہ نجس ہوجاتا ہے۔ (ایضاً)

مالکیہ کی دلیل: حدیث بئر بضاعہ ہے کہ صحابہ کرام کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **ان الماء طھور لاینجسہ شیئ** اس میں **الماء** کا الف لام جنسی ہے، معلوم ہوا کہ جنسِ ماء نجس نہیں ہوتا، عام ازیں کہ ماءِ قلیل ہو یا کثیر ہو۔

حدیث بیئر بضاعہ کا پہلا جواب: جمہور کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ مالکیہ کا استدلال حدیث بیئر بضاعہ سے تب تام ہوگا جب الف لام جنسی ہو حالانکہ یہ الف لام جنسی نہیں ہے بلکہ الف لام عہدِ خارجی کا ہے اس سے پورے جہاں کا پانی مراد نہیں بلکہ بیئر بضاعہ کا پانی مراد ہے کہ بیئر بضاعہ کا پانی وقوعِ نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، باقی بیئر بضاعہ کا پانی نجس کیوں نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ماءِ جاری کے حکم میں ہے باقی ماءِ جاری اس طرح ہے کہ اس کے ذریعے باغوں اور کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا اور کثرتِ سیرابی کی وجہ سے اس میں استقرار نہیں تھا یعنی اس میں پانی ٹھہرتا نہیں تھا ہر وقت نکالا جاتا تھا تو استقرار نہ ہونے کی وجہ سے یہ ماءِ جاری کے حکم میں ہے۔

سوال: اگر بیئرِ بضاعہ کا پانی جاری تھا تو پھر نہر بضاعہ کیوں نہیں کہا، نہر بضاعہ کہنا چاہیے؟

جواب: ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ نہر اور دریا کی طرح جاری تھا بلکہ اس وجہ سے کہ کثرت سے پانی نکالا جاتا تھا ماءِ جاری کے حکم میں ہے اور ماءِ جاری کا حکم یہ ہے کہ جب تک متغیر الاوصاف نہ ہو نجس نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے یہ ثابت کیا کہ اس کا پانی جاری تھا کہ کثرت سے اس سے پانی نکالا جاتا تھا۔

سوال: واقدی تو ایسا شخص ہے کہ اس پر سخت قسم کی جرح کی گئی ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی ساری کتابیں جھوٹ سے بھری ہوئی ہیں۔

جواب: محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ امور جو احادیث صحیحہ یا اجماعِ امت سے ثابت ہوں اس کے خلاف واقدی کا قول قبول نہیں اور وہ امور جو احادیث صحیحہ یا اجماع امت سے ثابت ہوں اس کے خلاف نہ ہوں اس کا تعلق سیر و مغازی سے ہو یا امکنہ کے احوال سے متعلق ہو تو قابل قبول ہے اور ظاہر ہے کہ ہم جو یہاں واقدی کا قول لے رہے ہیں ایک کنویں کی حالت معلوم کرنے کے لئے کہ اس کا پانی جاری تھا یا نہیں تو اس بارے میں اس کا قول لینا کوئی باعثِ اشکال نہیں ہے۔

حدیث بیئر بضاعہ کا دوسرا جواب: یہ حدیث بوجوہِ ثلاثہ سنداً قابل استدلال نہیں ہے۔

(پہلی وجہ) سند میں ولید بن کثیر کا موجود ہونا، یہ متکلم فیہ راوی ہے، **لأنّہٗ خارجیٌ**۔

(دوسری وجہ) سند میں محمد بن اسحاق کا موجود ہونا، جسکے فضائل ومناقب بحمداللہ سب کو معلوم ہیں خصوصا مدلس بھی ہے۔

(تیسری وجہ) جس کی طرف امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشارہ کیا یعنی اس میں اضطراب ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا راوی کون ہے یہ راوی مجہول ہے اس میں پانچ قول ہیں ① عبیداللہ بن عبداللہ بن رافع بن خدیج ② عبداللہ بن عبداللہ بن رافع ③ عبیداللہ بن عبدالرحمان بن رافع ④ عبداللہ بن عبدالرحمان بن رافع ⑤ عبدالرحمان بن رافع تو گویا راوی کے نام میں بھی اختلاف ہے اور اس کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔

حدیث بیئر بضاعہ کا تیسرا جواب: **ان الماء طھورٌ لاینجسہ شیئ** نجاستوں کے نکال دینے کی بعد کی حالت پر محمول ہے یعنی جب نجاستوں کو تو نکال دیا تھا لیکن **طینُ البئر** (کنویں کی مٹی) اور مابین الجدران (رہے ہوئے اجزاء نجاسۃ) باقی تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صحابہ تم جن چیزوں کو منجس سمجھ رہے ہو ماءِ طاری (نئے آنے والے پانی) کے لئے یہ چیزیں منجس نہیں کیونکہ اس میں حرج ہے اور دین میں حرج مدفوع ہے۔ یہ جواب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور انہوں نے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کچھ نظائر بھی پیش کئے ہیں مثلاً **المؤمن لاینجس، الارض لاتنجس** ان کو بھی جاری کرلو۔(ایضاً ج۱ص۲۶۸)

حنفیہ کی وجہ ترجیح: شوافع وحنابلہ کی سب سے قوی ومضبوط دلیل حدیثِ قلتین ہے اور اس میں سند، متن، معنی، مصداق اور رفع و وقف ہر اعتبار سے اضطراب ہے۔ نیز یہ مسلک اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے اس لئے حنفیہ کا مسلک راجح ہے۔

⑤ "قال ابو داؤد" کی وضاحت:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنے استاذ وشیخ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ بئر بضاعہ بڑا کنواں تھا اور اس میں پانی بھی کثیر تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نجاست کا حکم نہیں لگایا، جب کہ احناف کہتے ہیں کہ اس پر عدمِ نجاست کا حکم اس کے جاری ہونے کی وجہ سے ہے اس کے کبیر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ شیخ قتیبہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ میں بئرِ بضاعہ کی تحقیق کے لیے اس کے نگران سے جا کر ملا اور میں نے اس میں پانی کی کثرت اور کنویں کی گہرائی کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ اس میں زیادہ سے زیادہ ناف تک پانی ہوتا ہے اور کم سے کم گھٹنوں تک ہوتا ہے۔

الشق الثانی..... **عن عائشة قالت مات ابراهيم ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو ابن ثمانية عشر شهرا فلم يصل عليه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ عن عطاء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی ابنه ابراهيم وهو ابن سبعين ليلة۔**

طبق بين الحديثين تطبيقا حسنا واذكر توجيهات عدم صلاته عليه السلام على ابنه ابراهيم بالتفصيل ۔ ماهو حكم الصلاة على الطفل الصغير والسقط ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حضرت ابراہیم کی عمر کی روایات میں تطبیق (۲) حضرت ابراہیم پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی توجیہات (۳) چھوٹے وضائع شدہ بچے پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم۔

جواب..... ① حضرت ابراہیم کی عمر کی روایات میں تطبیق:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی عمر کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں اٹھارہ ماہ اور بعض میں ستر دن کا ذکر ہے تو ان میں سے پہلی روایت صحیح ہے۔(الدر المنضود ج۵ص۲۵۹) صاحبِ بذلؒ لکھتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ اُن کی پیدائش ذوالحجہ ۸ھ میں ہوئی اور وفات ۱۰ ربیع الاوّل ۱۰ھ میں ہوئی، اور بعض شرّاح نے سبعین لیلۃ والی روایت کی طرف ہی تعرض نہیں کیا اور بعض نے اس تعارض کے حل کی طرف تعرض نہیں کیا۔(بذل ج۱۰ص۴۷۱)

② حضرت ابراہیم پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی توجیہات:۔ ① آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس دن صلوٰۃ الکسوف میں مشغول تھے۔ ② حضرت ابراہیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبزادہ ہونے والی فضیلت کی وجہ سے نماز جنازہ سے مستغنی تھے جس طرح شہداء شہادت والی فضیلت کی وجہ سے مستغنی ہوتے ہیں۔ ③ نبی نبی پر نماز نہیں پڑھتا کیونکہ اُن کے بارے میں آیا ہے **اوعاش لكان نبيًا**۔ ④ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بقیہ لوگوں نے پڑھی تھی۔(ایضاً بحوالہ زیلعی)

③ چھوٹے وضائع شدہ بچے پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:۔ امام احمدؒ کے نزدیک ہر اُس بچہ کی نماز جنازہ ہے جس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مرا ہوا (تخلیق مکمل ہونے کی علامت یہ ہے کہ اُسکے سر پر بال نکل آئیں) اور اگر بچہ ادھورا پیدا ہوا ہو اور اس کی تخلیق مکمل نہ ہوئی ہو تو پھر اُس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ جمہور کے نزدیک اگر بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا تو اسکی نماز جنازہ ہے اور اگر بچہ مرا ہوا ہی پیدا ہو تو اُس کو دھو کر کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے، اُسکی نماز جنازہ نہیں ہے۔(تحفۃ الالمعی ج۳ص۴۳۷)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل..... **حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ ثَنَا اَبُوْخَالِدٍ عَنْ اِبْنِ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ اِلْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَاشَكَّ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلَاتِهٖ فَلْيُلْقِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ،فَاِذَا اسْتَيْقَنَ التَّمَامَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ فَاِنْ كَانَتْ صَلٰوتُهٗ تَامَّةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ نَافِلَةً وَالسَّجْدَتَانِ وَاِنْ كَانَتْ نَاقِصَةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ تَمَامًا لِصَلَاتِهٖ وَكَانَتِ السَّجْدَتَانِ مُرْغِمَتَيِ الشَّيْطَانِ۔ قال ابوداؤد رواه هشام بن سعد**

ومحمد بن مطرف عن زید عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ وحدیث ابن خالد اشبع۔

شکل الحدیث وترجمه ۔ اذکرصورة المسئلة ومذاهب العلماء فی حکمها مع دلائلهم ۔ ماذا اراد المؤلف بقوله "قال ابوداؤد رواه هشام ..... الخ"۔ (ص۱۵۵۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) صورتِ مسئلہ اور اس کا حکم (۴) ائمہ کے دلائل (۵) امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مراد۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ شک کو ختم کردے اور یقین پر بنا کرے اور جب مکمل ہونے کا یقین ہوجائے تو دو سجدے کرے، پس اگر اس کی نماز مکمل ہوچکی تھی تو یہ رکعت اور دو سجدے نفل ہوجائیں گے اور اگر اس کی نماز ناقص تھی یہ رکعت اس کی نماز کو مکمل کرنے والی ہوگی اور دو سجدے شیطان کو رسوا کرنے والے ہوں گے۔

③ و ④ صورتِ مسئلہ اور اس کا حکم اور ائمہ کے دلائل:۔ اگر نماز میں شک واقع ہو تو ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں بناء علی الاقل کرے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اور روایات بھی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تفصیل ہے اگر شک کی عادت نہ ہو تو استیناف کرے۔ اگر عادت ہو تو تحری کرے اور غلبۂ ظن پر عمل کرے اگر غلبۂ ظن حاصل نہ ہو تو بناء علی الاقل کرے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **اذا سها احدکم فی صلوته فلم یدر واحدة صلی او اثنتین فلیبن علی واحدة** ۔ دوسری دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **اذا شك احدکم فی صلوته فلم یدرکم صلی فلیبن علی الیقین۔**

حنفیہ کی دلیل: احادیث تین قسم کی ہیں ① استیناف ② تحری ③ بناء علی الاقل۔

استیناف کی احادیث: ① **عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ سئل عن رجل سها فی صلوته فلم یدرکم صلی فقال لیعد صلوته** ۔ مرسل جمہور کے ہاں حجت ہے ② **عن میمونة بنت سعد انها قالت افتنا یارسول الله فی رجل سها فی صلوته فلا یدری کم صلی قال ینصرف ثم یقوم فی صلوته وهو مؤید بالآثار** ③ **عن ابن عمر قال فی الذی لایدری کم صلی ثلاثا ام اربعا قال یعید وفی روایة عنه انه قال اما انا اذا لم ادرکم صلیت فانی اعید واخرج ابن ابی شیبة نحوه عن طاؤس و ابن جبیر والشعبی وشریح واخرج مالك نحوه عن عطاء واخرج الامام محمد نحوه فی کتاب الآثار عن ابراهیم النخعی۔**

تحری کی احادیث: ① **عن ابن مسعود مرفوعا اذا شك احدکم فی صلوته فلم یدر ا ثلاثا صلی ام اربعا فلیتحر الصواب وکذالك اخرج ابوداؤد و النسائی وابن ماجة و آخرون وقد بوب ابوداؤد علیه باب من قال یتم علی اکبر ظنه** ۔ اس تبویب سے واضح ہوا کہ تحری سے مراد بناء علی اکبر الظن ہے۔ فریقِ ثانی اس کو بناء علی الیقین و بناء علی الاقل پر محمول کرتا ہے۔ علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لغت دوسرے معنی کی مساعدت نہیں کرتی۔

② **سئل ابن عمر وابوسعید الخدری عن رجل سها فلم یدرکم صلی قالا یتحری اصوب ذالك۔**

③ **عن ابن مسعود قال اذا شك احدکم فی صلوة فلا یدری ثلاثا صلی ام اربعا فلیتحر فلینظر افضل ظنه** ۔

بنا علی الاقل کی احادیث گزر چکی ہیں جن سے فریقِ ثانی استدلال کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ ضعیف حدیث کو بھی ترک نہیں کرتے ان مختلف احادیث کو مختلف احوال پر محمول کرتے ہیں۔ باقی ائمہ کرام نے **اصح ما فی الباب** کو لیا ہے۔ دیگر بعض احادیث کو ترک کیا اور بعض کی تاویل کی، ظاہر ہے اِعمال اِہمال سے راجح ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

⑤ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مراد:۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں اس حدیث کی سند کے متعلق بحث فرمارہے ہیں۔اس میں اختلاف ہے کہ یہ روایت مسند ہے یا مرسل۔زید بن اسلم کے بہت سے تلامذہ موصولاً ذکر کررہے ہیں یعنی درمیان میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر کررہے ہیں جیسے ابن عجلان، ہشام بن سعد اور مطرّف سب مسنداً ذکر کررہے ہیں اور امام مالک زید بن اسلم سے مرسلاً روایت کررہے ہیں اور امام مالک کے اکثر تلامذہ بھی مرسلاً روایت کررہے ہیں جیسے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا **قال ابوداؤد رواہ ابن وھب عن مالك وحفص بن میسرہ عن مالك ، وداؤد بن قیس عن مالك،** یہ سارے مرسلاً روایت کررہے ہیں لیکن ہشام بن سعد امام مالک سے مسنداً موصولاً ذکر کررہے ہیں۔

نوٹ: ہشام بن سعد براہِ راست زید بن اسلم سے بھی نقل کرتے ہیں اور بواسطہ امام مالک بھی زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں تو گویا ہشام، زید بن اسلم کے بھی تلمیذ ہیں اور امام مالک کے بھی تلمیذ ہیں۔

الشق الثانی..... **عن علی قال:ما کتبنا عن رسول اللہ ﷺ الاالقرآن وما فی ھذہ الصحیفۃ، قال قال رسول اللہ ﷺ المدینۃ حرام مابین عائر الی ثورفمن احدث حدثا اوآوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لایقبل منہ عدل ولاصرف۔** (ص۲۹۴۔ج۱۔رحمانیہ)

ترجم الحدیث المبارك ترجمۃ واضحۃ ۔ این یقع "ثور" من مدینۃ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ''ثور'' کا محلِ وقوع۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نہیں لکھا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مگر قرآن کریم اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کا بھی حرم ہے مقام عیر سے ثور تک، پس جس شخص نے دین میں کوئی نئی بدعت و چیز ایجاد کی یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی اور اس سے کوئی فرض و نفل عبادت قبول نہ کی جائے گی۔

② ثور کا محلِ وقوع:۔ اس حدیث میں دو لفظ مذکور ہیں: عائر (جس کو عَیر بھی کہتے ہیں) اور ثور۔ یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں یعنی انکا درمیانی حصہ سب کا سب حرم مدینہ ہے، صحیح بخاری میں ایک جگہ **من کذا الی کذا** اور ایک جگہ **ما بین عائر الی کذا** ہے، گویا ایک جگہ تو دونوں ہی مبہم ہیں اور دوسری جگہ اوّل معین اور دوسرا مبہم ہے۔غرضیکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثور کا لفظ اختیار نہیں فرمایا۔اور صحیح مسلم کی ایک روایۃ میں **من کذا الی کذا** اور ایک روایت میں **مابین عیر الی ثور** ہے۔حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض شراح کا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثانی کی تعیین قصداً نہیں فرمائی کیونکہ ثور کا لفظ ان کے نزدیک صحیح نہیں تھا اسی لئے بجائے **الی ثور** کے **الی کذا** نقل کیا۔اسلئے کہ عائر کا مدینہ میں ہونا تو معروف ہے اور ثور کا وہاں ہونا غیر معروف ہے بلکہ اس کا مکہ میں ہونا مشہور و معروف ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس کے غار میں حضور ﷺ بوقت ہجرت کفار سے چھُپ کر ٹھہرے تھے۔اسلئے بعض نے کہا کہ یہ لفظ وہم راوی ہے اسکے بجائے کچھ اور ہوگا مثلاً الی احد، چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں اسی طرح ہے۔بعض شراح نے اسکی یہ توجیہ فرمائی کہ یہ کلام قیاس و تشبیہ پر محمول ہے کہ جس طرح مکہ میں جبل ثور معروف ہے اسی طرح وہاں جبلِ عائر بھی ہے اور حدیث میں یہ مکہ کے دو پہاڑ مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ جتنی مکہ میں ان دو پہاڑوں کے درمیان مسافت ہے اتنی ہی وسیع جگہ مدینہ میں اسکا حرم ہے بعض محققین و صاحبِ قاموس کی تحقیق کے مطابق بعض علماء سے منقول ہے کہ ہم نے خود مدینہ میں جا کر اسکی تحقیق کی تو بعض عمر رسیدہ لوگوں سے پتہ چلا کہ واقعتاً اُحد پہاڑ کے پیچھے ایک پہاڑی کو ثور کہتے ہیں۔(الدر المنضود ۳:۳۲۴)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل..... **حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ عن زید بن الحباب عن مطیع بن راشد عن توبۃ العنبری انہ سمع انس بن مالك ان رسول اللہ ﷺ شرب لبنا فلم یمضمض ولم یتوضأ وصلی قال زید دلنی شعبۃ علی ھذا الشیخ ۔ اشرح الحدیث بایجاز ۔ماذا یرید المؤلف بقولہ**

0333 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

قال زید دلنی شعبة علی هذا الشیخ؟ من المراد بالشیخ المذکور؟ ورد فی حدیث آخر ان النبی ﷺ شرب لبنا فدعا بماء فمضمض ثم قال ان له دسما فتعارضت الروایتان ؟ ارفع التعارض بین الروایتین .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) **قال زید دلنی شعبة علی هذا الشیخ** کی مراد (۳) شیخ مذکور کی مراد (۴) دودھ پینے کے بعد کُلی کرنے کی روایات سے رفع تعارض۔

جواب ..... ① حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ دودھ پیا مگر دودھ پینے کے بعد نہ ہی کُلی کی اور نہ ہی وضو کیا۔ آپ ﷺ نے بغیر کُلی اور وضو کئے اُسی سابقہ وضو کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

② **قال زید دلّنی شعبة علی هذا الشیخ** کی مراد:۔ اس حدیث کی سند میں زید بن حباب کے استاد مطیع بن راشد ہیں۔ زید بن حباب کہتے ہیں کہ سماعِ حدیث کے لئے مجھے مطیع بن راشد کی نشاندہی شعبہ نے کی تھی۔ غالباً زید کا مقصود اس جملہ کے ذریعے اپنے شیخ کی توثیق کرنا ہے اور وہ دو طرح سے ہو رہی ہے۔ ① اُن کو شیخ کے لفظ سے تعبیر کیا جو کہ الفاظِ توثیق میں سے ہے اگرچہ ادنیٰ درجہ ہی ہے۔ ② شعبہؒ جیسے بڑے محدث نے جب اُن کی طرف رہنمائی کی تو وہ یقیناً ثقہ راوی ہیں۔

③ شیخ مذکور کی مراد:۔ اس شیخ مذکور سے مراد زید بن حباب کے استاذ مطیع بن راشد ہیں جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔

④ دودھ پینے کے بعد کُلی کرنے کی روایات سے رفع تعارض:۔ دودھ پینے کے بعد وضو اور کُلی کے متعلق دونوں طرح کی روایات ہیں چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے اس پر علماء کا اجماع منعقد کیا ہے کہ لبن سے وضوءِ شرعی واجب نہیں ہے۔ مگر امام ترمذیؒ کے کلام سے اس میں اختلاف معلوم ہوتا ہے چنانچہ ائمہ اربعہؒ کے نزدیک وضوء لازم نہیں۔ اور بعض صحابہ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ وجوبِ وضوء کے قائل تھے۔ ابو سلمٰی بن عبدالرحمٰنؒ اس کو مستحب بھی نہیں کہتے تھے۔ جب اُن سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا ایسی خوشگوار شراب کی وجہ سے بھی وضوء کیا جاتا ہے؟ (الدر المنضود)

پس جن روایات میں کُلی کرنے اور ہاتھ دھونے کا ذکر ہے وہ وجوب پر دال نہیں ہے۔

نیز وضوء والی روایات میں وضوءِ لغوی (ہاتھ دھونا و کلی کرنا) مراد ہے اور عدمِ وضوء والی روایات میں وضوءِ شرعی مراد ہے۔

الشق الثانی ..... **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَاتَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِیَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ۔** **شکل الحدیث و ترجمه . ظاهر هذا الحدیث ومثله من الاحادیث تقتضی ان النساء لاتمنع المساجد لکن بشروطٍ مستنبطة من الاحادیث انکرها مبسوطة مفصلة .**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عورتوں کے مساجد میں جانے کی شرائط۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ منع کرو تم اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے اور لیکن وہ نکل سکتی ہیں اس حال میں کہ وہ خوشبو وغیرہ نہ لگائیں۔

③ عورتوں کے مساجد میں جانے کی شرائط:۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں نماز کے لئے مسجد میں جاتی تھیں مگر وہ خیر کا زمانہ تھا اس لئے اُس میں اجازت تھی، بعد میں شر کے غلبہ کی وجہ سے فقہاء نے اس اجازت کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے۔

① مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط نہ ہو۔ ② زیب و زینت اختیار نہ کی جائے۔ ③ خوشبو وغیرہ نہ لگائی جائے۔ ④ فتنے کا خوف اور اندیشہ نہ ہو (نووی)۔ چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ لیتے تو اُن کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۱۳۷)

0313 6357913 maktabah

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....عن عبدالله بن عمروؓ ان رسول اللهﷺ قال:الشؤم فی الدار والمرأة والفرس قال ابو داؤد قرئ علی الحارث بن مسکین وانا شاهداخبرك ابن القاسم قال: سئل مالك عن الشؤم فی الفرس والدار قال کم من دارسکنها قوم فهلکوا ثم سکنها آخرون فهلکوا:فهذا تفسیره فیما نری والله اعلم۔

ترجم الحدیث الشریف ۔ اذکراقوال العلماء فی معنی هذاالحدیث ۔ اشرح ماقاله ابوداؤد ۔(ص۱۹۱۔ج۲۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں(۱) حدیث کا ترجمہ(۲) حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال(۳) امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح۔

جواب..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نحوست گھر، عورت اور گھوڑے کے اندر ہے۔

❷ حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال:۔ علماء نے اس حدیث کے مختلف معنی وتوجیہات بیان کی ہیں۔① امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث باب اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور یہ احادیث **لاعدوی ولا طیرہ** والے عام قانون سے مستثنیٰ ہیں ② یہ کلام حرفِ شرط کے ساتھ ہے جیسا کہ باب کی دوسری روایت میں **ان کان الشؤم** حرفِ شرط کے ساتھ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر شؤم ونحوست کسی چیز میں ہوسکتی ہے تو وہ عورت، گھر اور گھوڑا میں ہوسکتی ہے مگر شؤم کسی چیز میں نہیں ہوتی اس لئے ان تینوں چیزوں میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ③ شوم کی دو قسمیں ہیں (۱) عدم موافقت (۲) نحوست۔ حدیث میں معنی اوّل مراد ہے اب شومِ دار کا مطلب یہ ہے کہ وہ تنگ ہو، پڑوسی اچھے نہ ہوں اور آب وہوا اچھی نہ ہو۔ **شوم مرأة** کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو، زبان دراز ہو اور عفت وپاکدامنی کا خیال نہ رکھتی ہو، شومِ فرس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہاد میں کام نہ آئے اور سرکش ہو ④ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سنی تو ناراض ہوگئیں اور فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صحیح یاد نہیں رہا، رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد نہیں فرمایا تھا بلکہ لوگ زمانہ جاہلیت میں عورت، گھر اور گھوڑے میں بدشگونی کا عقیدہ رکھتے تھے تو آپ ﷺ نے اس عقیدہ کی تردید فرمائی تھی۔(کشف الباری، نکاح ص۱۸۱)

❸ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تشریح:۔ خلقی اور ذاتی اعتبار سے کسی چیز میں کوئی نحوست وشؤم نہیں ہے بلکہ عوارضِ خارجیہ کی وجہ سے شؤم ونحوست ہوتی ہے مثلاً تربیت یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے عورت کا خاوند کو تنگ کرنا، گھوڑے کا سرکش ہونا، گھر کی فضاء وماحول کا اچھا نہ ہونا وغیرہ۔ اسی چیز کی وضاحت کیلئے امام ابوداؤد، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان سے شؤم کے متعلق پوچھا گیا تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ کتنے گھر ایسے ہیں کہ ان میں ایک قوم رہتی ہے وہ ہلاک ہوجاتی ہے، پھر دوسری قوم رہتی ہے وہ بھی ہلاک ہوجاتی ہے پھر تیسری قوم رہتی ہے وہ بھی ہلاک ہوجاتی ہے تو یہ اس گھر کی ذاتی تاثیر نہیں ہے بلکہ عوارضِ خارجیہ کی وجہ سے ہے اور ہماری رائے کے مطابق اس حدیث کی یہی تفسیر اور وضاحت ہے۔

الشق الثانی.....المؤمنون تتکافأ دماؤهم، وهم یدعلی من سواهم ویسعی بذمتهم أدناهم ألا لایقتل مؤمن بکافر ولاذوعهد فی عهده من أحدث حدثًا فعلی نفسه، ومن أحدث حدثا أو آوی محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس أجمعین۔(ص۲۷۷۔ج۲۔رحمانیہ)

اذکر حکم قتل المؤمن بالکافر عند الفقهاء ۔ اذکر أدلتهم ۔ اشرح الحدیث کاملاً ببسط وتفصیل ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں① کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کا حکم مع دلائل ② حدیث کی تشریح۔

جواب..... ❶ کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کا حکم:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۴۰ھ (ورقة رابعة)

0311 6257973 mohabbatkariyamultan@gmail.com

② حدیث کی تشریح:۔ **المؤمنون تتكافأ دماؤهم** آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں ،شریف اور وضیع ،اونچی اور نیچی قوم کا کوئی فرق نہیں، جان کا بدلہ جان ہی ہے، چاہے کوئی بھی ہو۔

وهم يد على من سواهم تمام مسلمان ایک دوسرے کے معاون ہیں، ہر ایک کو دوسرے کی امرِ حق میں معاونت کرنی چاہیے، اور اس اعانت میں امان دینا بھی داخل ہے لہٰذا اس کی بھی رعایت کرنی چاہیے۔

ويسعى بذمتهم أدناهم مسلمانوں کی طرف سے پناہ اور امن دینے میں ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی سعی کرسکتا ہے یعنی اگر ادنیٰ درجہ کا مسلمان کسی کافر کو امان دیدے تو پھر یہ امن ہر مسلمان کو تسلیم کرنا ہوگا۔ ادنیٰ خواہ عدد کے اعتبار سے ہو، جیسے صرف ایک آدمی امان دے، یا مرتبہ کے لحاظ سے ادنی ہو جیسے غلام یا عورت امان دے۔

ألا لايقتل مؤمن بكافر ولاذوعهد فى عهده حربی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

(اس جملہ کی مزید تشریح حوالہ پر گزر چکی ہے)۔

من أحدث حدثًا فعلى نفسه، ومن أحدث حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين جو شخص دین میں کوئی نئی بات یعنی بدعت جاری کرے تو اس کا وبال اسی پر ہے اور جو شخص کسی بدعت کو ایجاد کرے یا بدعت ایجاد کرنے والے کی حمایت اور اعانت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اسی مفہوم کو دوسری جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جانے کا سبب ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**بَابُ يُقَادُ مِنَ الْقَاتِلِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ جَارِيَةً وُجِدَتْ قَدْ رُضَّ رَأْسُهَا بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيْلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا؟ اَفُلَانٌ اَفُلَانٌ؟ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَاَوْمَتْ بِرَأْسِهَا فَاُخِذَ الْيَهُوْدِيُّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّرَضَّ رَأْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ۔**

شكّل الحديث وترجمه۔ اذكر اختلاف الائمة فى صفة القود مع ادلتهم ۔ هل يجب القصاص فى القتل بالمثقل ؟ وضّحه كاملا ۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا ۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لڑکی اس حالت میں پائی گئی کہ اس کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا گیا تھا (مگر وہ ابھی زندہ تھی) اس سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ یہ کس نے کیا؟ کیا فلاں نے؟ کیا فلاں نے؟ (نام لے کر پوچھا جاتا رہا کیونکہ وہ خود بولنے کی حالت میں نہیں تھی) یہاں تک کہ ایک یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا (ہاں) چنانچہ اسے پکڑ لیا گیا تو اس نے اعترافِ جرم کرلیا پس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح کچل دیا جائے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

نوٹ: بقیہ جواب **كما مرّ فى الشق الثانى من السوال الثانى ۱۴۳۴ھ (ورقه ثانيه)**

الشق الثانی.....**عن ابن عباس انه قال يازيد بن ارقم،هل علمت ان رسول الله ﷺ اهدى اليه عضو صيدفلم يقبله وقال انا حرم؟قال: نعم، عن جابر بن عبدالله قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: صيدالبرلكم حلال مالم تصيدوه أويصادلكم، قال ابوداؤد اذاتنازع الخبران عن النبى ﷺ ينظربما اخذبه اصحابه۔** (ص۲۷۰۔ج۱۔رحمانیہ) **اذكر مذاهب الائمة فى اكل الصيد للمحرم مع بسط دلائلهم ۔ ماهووجه التوفيق بين الحديثين؟ اشرح ماقاله ابوداؤد و وضح مراده۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف مع دلائل (۲) احادیث میں تطبیق (۳) امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مراد۔

جواب..... ① محرم کے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف:۔ **کمامرّ فی الورقة الثالثة الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۰**

② احادیث میں تطبیق:۔ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں بعض سے شکار کا قبول کرنا ثابت ہے اور بعض سے رد کرنا جمع بین الروایات المختلفہ میں علماء مختلف ہیں۔ حضرت امام بخاری و بیہقی رحمہما اللہ نے تطبیق اس طرح کی کہ رَدّ کی روایات زندہ شکار پر محمول ہیں اور قبول کی روایات لحم صید پر، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا **اذا اَهدی للمحرم حمارًا وحشیًا حیاً لم یقبل** لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس توجیہ پر سخت رد کیا ہے کیونکہ صحیح مسلم کی بعض روایات میں لحم صید کی تصریح کے باوجود یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد فرمایا اسی طرح یہاں ابوداؤد میں عضو صید کے بارے میں عدم قبول روایت میں مذکور ہے لہٰذا یہ توجیہ تو واقعی درست نہیں اور دوسری توجیہ وہ ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور رحمہم اللہ نے اپنے اپنے مسلک کے پیش نظر فرمائی ہے کہ رد کی راویات کو **مَا صِیْدَ لاجل المحرم** پر محمول کیا ہے اور قبول کی روایات کو اسکے علاوہ پر۔ (ایضاً ج۳ ص۲۲۱)

③ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی مراد:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیثِ مرفوعہ متعارض ومختلف ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھا جائے کہ انکا کیا عمل ہے، اختلافِ احادیث کی صورت میں جو خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ (الدر المنضود ج۳ ص۲۲۲)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**عن عبدالله بن عبدالله بن عمر عن أبیه قال: سئل رسول الله ﷺ عن الماء وما ینوبه من الدواب والسباع فقال ﷺ إذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث. قال أبو داود. وهذا لفظ ابن العلاء وقال عثمان والحسن بن علی عن محمد بن عباد بن جعفر. قال أبو داود: وهو الصواب .**

اذکر مذاهب العلماء فی طهارة الماء وعدمها عند وقوع شیئ نجس فیه.اشرح الحدیث مع شرح ما قاله ابو داؤد رحمه الله تعالی. (ص۲۰۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) وقوعِ نجاست سے پانی کی طہارت ونجاست کا حکم (۲) حدیث کی تشریح (۳) قال ابوداؤد کی تشریح۔

جواب..... ① **کمامرّ فی الشق الاوّل من السوال الاوّل ۱۴۲۷ھ۔**

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحراء وغیرہ کے پانی کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس پر چوپائے اور درندے وغیرہ آتے رہتے ہیں تو اس پانی کی طہارت ونجاست کا کیا حکم ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب پانی قلتین ہو جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا اگر قلتین سے کم ہو تو وہ نجس ہو جاتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ صحراؤں کا پانی آہستہ آہستہ کم ہوتا ہے اور پانی جب کم ہوتے ہوتے قلتین رہ جائے تو وہ نجاست کو برداشت نہیں کرتا یعنی وہ نجس ہو جاتا ہے۔

0313 6[illegible]7912 makkabazakariyasultan@gmail.com

③ قال ابوداؤد کی تشریح:۔ نجس کی وجہ سے پانی کی نجاست وطہارت میں شوافع وحنابلہ کی دلیل حدیثِ قلتین ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے تین طریق سے نقل کیا ہے ① بطریقِ ولید بن کثیر ② بطریقِ محمد بن اسحاق ③ بطریقِ عاصم بن منذر۔

اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں متعدد طرح سے اضطراب ہے اور سند کے حوالہ سے پہلے طریق پر اعتراض یہ ہے کہ ولید بن کثیر کے شیخ میں اختلاف ہے کہ وہ محمد بن جعفر ہے یا محمد بن عباد بن جعفر ہے۔ بعض روات محمد بن جعفر بتلاتے ہیں جیسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے استاد محمد بن العلاء محمد بن جعفر ذکر کرتے ہیں اور بعض روات محمد بن عباد بن جعفر ذکر کرتے ہیں جیسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے باقی دو استاد عثمان بن ابی شیبہ اور حسن بن علی اس کو محمد بن عباد بن جعفر ذکر کرتے ہیں۔

قال ابوداؤد هو الصواب سے امام ابوداؤد نے بطریقِ تصحیح سندًا اضطراب کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ **وهو الصواب** میں **هو** ضمیر کا مرجع محمد بن عباد بن جعفر ہے کہ صحیح اور درست یہ ہے کہ ولید بن کثیر کا شیخ محمد بن عباد بن جعفر ہے۔ اور صواب

کا مقابل خطاء ہے تو اس سے اشارہ کیا کہ جو رواۃ ولید بن کثیر کے شیخ کا نام محمد بن جعفر بتلاتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے تو لہٰذا کوئی اضطراب باقی نہیں رہا۔لیکن یہ کوشش زیادہ فائدہ مند نہیں ہے اسلئے کہ قال ابوداؤد پر جو دوسرا نسخہ ہے اس میں **الصواب محمد بن جعفر** ہے مطلب یہ ہے کہ ولید بن کثیر کے استاد محمد بن جعفر ہیں اور اسکے مقابلہ میں محمد بن عباد بن جعفر یہ رواۃ کی خطاء ہے۔

نیز تیسرے نسخہ میں **لاهٰذا ولا ذاك به** ہے یعنی نہ یہ عبارت ہے اور نہ وہ یعنی کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ رفع اضطراب میں خود مضطرب ہیں۔

الشق الثانی.....حدثنا أحمد بن أبی بكر أبومصعب الزهری قال: نا الدراوردی عن ربيعة بن أبی عبدالرحمن، عن سهيل بن أبی صالح عن أبيه عن أبی هريرة، أن النبی ﷺ قضى باليمين مع الشاهد، قال أبوداود: وزادنی الربيع بن سليمان المؤذن فی هذا الحديث قال أن الشافعی عن عبدالعزيز قال فذكرت ذلك لسهيل، فقال أخبرنی ربيعة وهو عندی ثقة أنی حدثته اياه ولا أحفظه، قال عبدالعزيز: وقد كان أصابت سهيلا علة أذهبت بعض عقله ونسی بعض حديثه فكان سهيل بعد يحدثه عن ربيعة عنه عن أبيه۔(ص۱۵۳۔ج۲۔رحمانیہ)

اذكر حكم القضاء باليمين والشاهد عند الأئمة ۔ اسرد أدلة الفريقين بايضاح مع ترجيح ماذهب اليها الحنفية فی ضوء الأدلة ۔ وضح غرض أبی داود بهذه المقالة واذكر حكم حديث من حدث ونسی۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) قضاء باليمين والشاہد کا حکم مع دلائل وحنفیہ کی وجہ ترجیح (۲) **قال ابوداؤد الخ** کی غرض (۳) محدث کی انکار کردہ روایت کا حکم۔

جواب.....❶ **كمامرّ الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٤٣ھ۔ (ورقه ثالثه)**

❷ **قال ابوداؤد الخ کی غرض:۔** اس قال ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تضعیف کرنا چاہتے ہیں چنانچہ دو وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ① اس حدیث کے راوی عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو سہیل کے سامنے ذکر کیا اور یہ بات کہی کہ ربیعہ اس حدیث کو آپ کی طرف سے بیان کرتے ہیں تو سہیل نے کہا کہ ربیعہ نے مجھے خبر دی ہے کہ میں نے اس حدیث کو اسکے سامنے بیان کیا ہے اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس کو بیان کیا ہے یا نہیں ② قال عبدالعزیز سے دوسری وجہ بیان کر رہے ہیں کہ سہیل بن صالح کو کوئی مرض لاحق ہوگئی تھی جس کی وجہ سے انکے حافظہ میں ضعف واقع ہوگیا تھا اور وہ حدیث کا بعض حصہ بھول گئے اسکے بعد سہیل اس حدیث کو ربیعہ سے بیان کرتے اور ربیعہ سہیل سے اور اصل سند کا معلوم نہ ہونا حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے۔

❸ **محدث کی انکار کردہ روایت کا حکم:۔** اگر کسی راوی نے اپنے شیخ سے کوئی حدیث روایت کی لیکن شیخ انکار کرتا ہے کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں کی تو اگر شیخ نے یقین کے ساتھ انکار کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں کی یا میرے اوپر جھوٹ بولا گیا ہے یعنی ایسا جملہ کہا جس سے یقینی انکار سمجھ آتا ہو تو ایسی صورت میں دونوں میں سے کسی ایک کے یقینی جھوٹا ہونے کی وجہ سے یہ روایت مردود ہوگی، اور اگر شیخ نے شک کے ساتھ انکار کیا مثلاً یہ کہا مجھے یاد نہیں تو پھر اصح قول کے مطابق یہ روایت مقبول ہوگی اور اِس صورت میں شیخ کے انکار کو نسیان پر محمول کیا جائیگا، اگرچہ بعض حنفی علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت بھی مقبول نہیں ہے۔(نخبۃ الفکر)

0313 6357 [illegible] makkabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤٢ھ

الشق الاوّل.....حدثنا محمد بن آدم المصيصي حدثنا أبو خالد عن ابن عجلان عن زيد بن أسلم عن أبي صالح عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: انما جعل الامام ليؤتم به' بهذا الخبر' زاد: "واذا قرأ فأنصتوا" قال أبو داود: وهذه الزيادة "واذا قرأ فأنصتوا" عندنا ليست بمحفوظة' الوهم عندنا

من أبي خالد ۔(ص۹۹۔ج۱۔رحمانیہ)

اذكر مذاهب العلماء في الامام يصلي جالسًا فما حكم المقتدين؟ ايقتدون قيامًا أم قعودًا ۔ اذكر دلائل الأئمة علىٰ ذلك ۔ اشرح ماقاله أبوداود ببسط ثم اذكر هل أصاب في قوله هذا ام لم يصب؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں(۱)امام جالساً کے پیچھے اقتداء کی کیفیت میں اختلاف مع دلائل (۲)امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وضاحت اوراس کا حکم۔

جواب..... ① امام جالسًا کے پیچھے اقتداء کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔

كمامرّ فی الشق الاوّل من السوال الاول ۱۴۴۱ھ۔(الورقة الثالثة)

② امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وضاحت اوراس کا حکم:۔**وزاد اذاقرأ فانصتوا** یہ جملہ عدم قراءت خلف الامام کے سلسلے میں احناف کا مستدل ہے تو اس پر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ زیادتی غیر محفوظ ہے یہ ابوخالد کا وہم ہے۔لیکن یہ غیر محفوظ کا قول خود غیر محفوظ ہے اولاً صاحب الترغیب والترھیب حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوخالد ثقات میں سے ہے اور ثقہ کی زیادتی محفوظ میں سے ہوتی ہے نہ کہ غیر محفوظ،ثانیاً ابوخالد ان رواۃ میں سے ہے جنکی احادیث سے شیخین بخاری ومسلم رحمۃ اللہ علیہما نے استدلال کیا ہے۔ثالثاً یہ ابوخالد متفرد نہیں بلکہ ان کا متابع موجود ہے نسائی کی روایت میں تابع محمد بن سعید ہے اور دار قطنی کی روایت میں دو اور متابع بھی ہیں ایک متابع کافی ہوتا ہے یہاں تین متابع ہیں۔رابعاً اس زیادتی کا شاہد بھی موجود ہے اور وہ شاہد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس جملہ کا مذکور ہونا ہے چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان تیمی کے طریق سے روایت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں یہ جملہ نقل کیا ہے تو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ زیادتی وجملہ محفوظ ہے تو جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ زیادتی محفوظ ہے تو ابوخالد کی روایت میں بھی محفوظ ہے۔خامساً تقابل ہورہا ہے امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اس کو غیر محفوظ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کو محفوظ قرار دے رہے ہیں اور محدثین کے ہاں زیادہ درجہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لہٰذا امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مقابلے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح ہوگی۔(الدرالمنضود ج۲ص۱۵۵،زبدۃ المقصود ص۸۹)

الشق الثانی.....**"عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ نهى عن الشغار"۔**

اكتب معنى الشغار لغةً وشرعًا ۔ ما هو حكم الشغار بعد انعقاده؟ اذكر اقوال الائمة فی ذلك و اذكر مذهب الاحناف مع الدليل واجب عما استدل به الائمة علی بطلان الشغار ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① شغار کی لغوی واصطلاحی تعریف ② انعقاد کے بعد نکاحِ شغار کا حکم،اختلاف،احناف کی دلیل اور مخالفین کی دلیل کا جواب۔

جواب..... ① شغار کی لغوی وشرعی تعریف:۔ شغار لغت میں **شغر البلد من السلطان** سے ماخوذ ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب شہر سلطان(بادشاہ) سے خالی ہوجائے،چونکہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے اس لیے اس کو شغار کہتے ہیں۔

شغار کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ آدمی اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح دوسرے سے اس شرط پر کرے کہ دوسرا اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس سے کرے گا اس میں مہر مقرر نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی بضع ہی دوسرے کے مقابلے میں مہر بنتی ہے۔

② انعقاد کے بعد نکاحِ شغار کا حکم،اختلاف،احناف کی دلیل اور مخالفین کی دلیل کا جواب:۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے ہاں نکاح شغار اگرچہ جائز نہیں لیکن اگر کیا جائے تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور مہر مثلی واجب ہوگا۔

جمہور کے نزدیک اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جمہور کی دلیل حدیث مذکورہ حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں یہ بات لازم آئیگی کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی ہو اور یہ درست نہیں۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ افعالِ شرعیہ سے نہی یہ منھی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا نکاح درست ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے اس لئے کہ بضع مال نہ ہونے کی وجہ سے مہر نہیں بن سکتی اس لئے ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہرِ مثلی کی مستحق ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرطِ فاسد ہے اور نکاح شرطِ فاسد سے منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے اور خود شرط باطل ہو جاتی ہے۔

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں شغار سے منع کیا گیا ہے، باطل قرار نہیں دیا گیا ہے یعنی یہ حدیث ممانعت پر محمول ہے نہ کہ ابطال پر۔ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں مہر مثلی کا اعتبار ہے لہٰذا ہر عورت کی بضع محض منکوح کی حیثیت رکھتی ہے، نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی۔ (درسِ ترمذی ج ۳ ص ۴۱۰)

(نوٹ: نکاحِ شغار سے متعلق مزید مواد کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۲۸) (ورقة رابعة)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل..... ① عن معاوية قال سمعتُ رسول الله يقول:لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة ولا تنقطع التوبة حتّى تطلع الشمس من مغربها ۔ ②عن ابن عباس قال : قال رسول اللهﷺ يوم الفتح فتح مكة :لا هجرة ولٰكن جهاد ونية واذا استنفرتم فانفروا ۔ ③ عن انس انّ النبیﷺ مرّ بحمزة و قد مثّل به ولم يُصلّ علٰى احد من الشهداء غيرهٗ ۔ ترجم الاحاديث مع التطبيق بين الحديثين الاوّلين ۔ وضّح حكم الصلاة على الشهيد عند الائمة بدلائلهم فی ضوء الحديث الثالث ۔(باب فی الهجرة هل انقطعت)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث میں تطبیق ③ شہید کی نمازِ جنازہ کا حکم مع الاختلاف۔

جواب..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت موقوف نہیں ہوگی تاوقتیکہ توبہ موقوف نہ ہو اور توبہ اس وقت تک موقوف نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب کی طرف سے نہ نکلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اب ہجرت فرض نہیں ہے البتہ جہاد اور عمل میں نیت کا اخلاص ضروری ہے، پس جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت حمزہؓ کے پاس سے گزر ہوا (آپ ﷺ نے ان کو دیکھا) کہ کافروں نے ان کا مُثلہ کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے سوا کسی شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

② احادیث میں تطبیق:۔ لا هجرة کا مطلب یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں پر جو ہجرت فرض تھی کہ وہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں جائیں مکہ کے فتح ہونے کے بعد یہ ہجرت اب باقی نہیں رہی۔ دیگر ہجرتوں کا حکم تو اب بھی ہے جیسا کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوا مثلاً طلبِ علم کیلئے ہجرت کرنا اور اسی طرح دین کی حفاظت اور اس پر عمل کرنا مشکل ہو تو اسکی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کیلئے ہجرت کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے۔ نیز جہاد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے نکلنے کا حکم بھی باقی ہے۔ نیز ہجرت سے مراد گناہوں سے توبہ کی طرف رجوع ہے کہ وہ موقوف نہ ہوگی تاوقتیکہ توبہ موقوف نہ ہو اور توبہ موقوف نہ ہوگی جب تک کہ آفتاب مغرب کی طرف سے نہ نکلے۔

③ شہید کی نمازِ جنازہ کا حکم مع الاختلاف:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۷ھ (ورقه ثالثه)

﴿الورقة الخامسة: السنن لابی داؤد﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل..... باب من لم يرالجهربسم اللّٰه الرحمن الرحيم:سمعتُ انس بن مالك يقول: قال رسول اللّٰه: اُنزلت علیّ آنفا سورة فقرأ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم انّا اعطيناك الكوثر حتّٰى ختمها۔

عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة وذكر الافك قالت: جلس رسول اللّٰه وكَشَفَ عن وجهه وقال:

0313 6367913 maktabpazkhariyamultan@gmail.com

اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم انّ الذین جاء وا بالافك عصبة منكم....(كتاب الصلاة)

اذكروا مذاهب الفقهاء فی الجهر بالتسمية وعدمه مع سرد ادلتهم وترجيح الراجح۔ اوضحوا المناسبة بين ترجمة الباب وبين هٰذين الحديثين اللذين اوردهما المصنف تحت هذا الباب۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① نماز میں تسمیہ کے سراً و جہراً پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل ② ترجمۃ الباب واحادیث میں تطبیق۔

جواب..... ① نماز میں تسمیہ کے سراً و جہراً پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام مالکؒ کے نزدیک نماز میں تسمیہ بالکل مشروع ہی نہیں ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں تسمیہ مسنون ہے اور اسے سری نمازوں میں سرًّا اور جہری نمازوں میں جہراً پڑھا جائیگا، امام ابوحنیفہؒ وامام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک تسمیہ مسنون ہے، اور ہر حال میں سرًّا پڑھنا ہی افضل ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جس میں انہوں نے اپنے بیٹے کو ''بسم اللہ'' پڑھنے سے روکا اور اسے بدعت قرار دیا ''**قد صليت مع النبی ﷺ و مع ابی بكر و عمر وعثمان رضی اللہ عنہم فلم اسمع احدا منهم يقولها فلا تقلها اذا انت صليت فقل الحمد لله رب العالمين**''۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''**قال كان رسول الله ﷺ و ابوبكر و عمر و عثمان يفتتحون القراءة بالحمدلله رب العالمين**''

حنفیہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں مطلقاً تسمیہ کی نفی نہیں ہے، بلکہ تسمیہ بالجہر کی نفی ہے، اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ صاحبزادہ نے جہر کے ساتھ تسمیہ کو پڑھا تھا جس پر ''**سمعنی ابی و انا فی الصلوة اقول بسم الله الخ**'' کے الفاظ دال ہیں، لہٰذا حدیث الباب میں ''**فلا تقل ، فلا تجهر**'' کے معنی پر محمول ہے اور اس روایت کے بعض طرق میں قول کی جگہ جہر کے الفاظ موجود ہیں۔

امام شافعیؒ نے تسمیہ بالجہر کی تائید میں متعدد روایات پیش کی ہیں، مگر ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے کہ جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی ہو۔ امام شافعیؒ کی سب سے مضبوط دلیل سنن نسائی میں حضرت نعیم المجمر کی روایت ہے کہ ''**صليت و راء ابی هريرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ..... و اذا سلم قال والذی نفسی بيده انی لا شبهكم صلوة برسول الله ﷺ**''

حافظ زیلعیؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ روایت شاذ ومعلول ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعدد شاگردوں نے یہ واقعہ بیان کا ہے مگر ابونعیم المجمر کے علاوہ کوئی بھی یہ قراءۃ تسمیہ والا جملہ نقل نہیں کرتا۔

نیز یہ روایت صریح نہیں ہے کیونکہ اس سے نفسِ قراءت ثابت ہو رہی ہے، نہ کہ قراءت بالجہر، اس لیے کہ قراءت کے لفظ میں قراءت بالسر کا بھی احتمال ہے۔ شافعیہؒ کی دوسری دلیل مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ''**قال كان رسول الله ﷺ يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم**'' حافظ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ قریب قریب موضوع ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس حدیث کے صحیح ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ثابت ہے ''**الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم قراءة الاعراب**''

شافعیہؒ کی تیسری دلیل یہی حدیث ہے ''**قال كان النبی ﷺ يفتتح صلوته ببسم الله الخ**''

اس کا ایک جواب تو امام ترمذیؒ نے دیدیا کہ **ليس اسناده بذاك**۔ نیز اس میں جہر کی تصریح نہیں ہے۔

حنفیہؒ وحنابلہؒ کے دلائل: ① مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''**قال صليت مع رسول الله ﷺ و ابی بكر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم فلم اسمع احدا منهم يقرأ ببسم الله الرحمن الرحيم**'' اور نسائی میں ''**يقرأ**'' کی جگہ ''**يجهر**'' کے الفاظ آئے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے کسی کو بھی تسمیہ بالجہر پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ ② حضرت ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے جو ماقبل میں مالکیہ کی دلیل میں گزری ہے، اس میں ''**لا تقلها**'' سے مراد ''**لا تجهر ها**'' ہے اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہوا ہے۔ ③ طحاوی کی روایت ہے ''**عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الجهر ببسم**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اللّٰہ الرحمٰن الرحیم قال ذلك فعل الاعراب "④ طحاوی میں حضرت ابووائل کی روایت ہے" **قال كان عمر و علی لا يجهران ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و لا بالتعوذ و لا بالتامین** "

یہ تمام روایات صحیح وصریح ہونے کی بناء پر امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے مستدلات کے مقابلہ میں راجح ہیں۔(درس ترمذی ۱:۴۹۹)

② ترجمۃ الباب واحادیث میں تطبیق:۔ پہلی حدیث کی بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں اس میں جہر یا عدم جہر پر کوئی دلالت نہیں پائی جارہی ہے البتہ بتکلف اسمیں دلالت نکل سکتی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی اور پھر اسکی تشریح میں آپ ﷺ نے بسم اللہ کیساتھ سورۃ الکوثر پڑھی، تو گویا کہہ سکتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے سورۃ کے مصداق میں بسم اللہ کو شامل کیا تو بسم اللہ جزءِ سورت ہوئی اور یہ جہر وعدم جہر کا مسئلہ اسی پر متفرع ہے۔لیکن اس صورت میں اس کا مقتضی یہ ہوگا کہ بسم اللہ جہر ہونی چاہئے جو ترجمہ الباب کے خلاف ہے، تو اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ ترجمۃ الباب سے مقصود دونوں طرح کی روایات کو ذکر کرنا ہے، اور ترجمۃ الباب سے مراد یہ ہے **باب من لم یر الجهر ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ومن رأی الجهر بها**، اسلئے کہ بعض مرتبہ احد الضدین کے ذکرہ پر اکتفا کرلیا کرتے ہیں۔

دوسری حدیث کی بھی ترجمۃ الباب سے مطابقت بظاہر کچھ نہیں، اسکی مطابقت رقیق استنباط کے طور پر ہوسکتی ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے آیات کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی، اگر بسم اللہ کا پڑھنا سورتوں کی ابتدا میں محض تبرک کیلئے ہوتا تو آپ یہاں بھی اس کو پڑھتے، معلوم ہوا کہ سورتوں کے شروع میں بسم اللہ جزء ہونیکی حیثیت سے پڑھی جاتی ہے اور بسم اللہ کے جہر میں اختلاف اسی پر متفرع ہے۔ یہ مناسبت کھینچ تان کر ہے ورنہ یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ سورتوں کے شروع میں بسم اللہ فصل کیلئے ہے اور یہاں فصل کی حاجت نہ تھی۔ بہرحال ایک لحاظ سے حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ہوگئی۔(الدر المنضود ۲:۲۶۲)

الشق الثانی.....**عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ: لا يحلّ سلف وبيع ولاشرطان فی بيع ولا ربح مالم تضمن ولابيع ماليس عندك۔**

بيّنوا المعانی المحتملة فی قوله:لا يحلّ سلف و بيع۔ حرّروا مذاهب الائمة فی مسئلة البيع بالشرط۔ ما هی الاشياء التی يجوز البيع فيها قبل القبض ؟ بيّنه بالتفصيل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① لایحلّ سلف وبیع کے معانی محتملہ ② بیع بالشرط میں ائمہ کے مذاہب ③ وہ اشیاء جن میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

جواب..... ① و ② لایحلّ سلف وبیع کے معانی محتملہ اور بیع بالشرط میں ائمہ کے مذاہب:۔

كما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۴۲ھ (الورقة الثالثة)

③ وہ اشیاء جن میں بیع قبل القبض جائز ہے:۔ طعام میں تو بالاتفاق بیع قبل القبض جائز نہیں ہے۔باقی اشیاء میں علماء کا اختلاف ہے، اس میں چار قول مشہور ہیں ① امام شافعیؒ ومحمدؒ کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے، خواہ وہ مکیلی ہو یا موزونی، ماکولات میں سے ہو یا مشروبات میں سے ہو، خواہ منقولی ہو یا غیر منقولی ہو۔کسی چیز کا کوئی استثناء نہیں۔ ② امام ابوحنیفہ وابویوسفؒ کے نزدیک عقار یعنی مین کے علاوہ تمام منقولی اشیاء کا یہی حکم ہے، اس مذہب میں صرف عقار کا استثناء ہے۔ ③ امام احمدؒ کے نزدیک تمام مکیلی وموزونی چیزوں کا یہی حکم ہے۔اس کے علاوہ باقی دوسری چیزوں کا یہ حکم نہیں ہے۔ ④ امام مالکؒ کے نزدیک یہ حکم صرف ماکول اور مشروب کا ہے۔باقی چیزوں کا نہیں۔(الدر المنضود ۵:۴۰۸)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....**عن المهاجر المكی قال سئل جابر بن عبد اللّٰہ عن الرجل يرى البيت يرفع يديه فقال ما كنت ارٰی احدا يفعل هٰذا الّا اليهود وقد حججنا مع رسول اللّٰہ ﷺ فلم يكن يفعله۔**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

عن ابی هریرةَ قال اقبل رسول اللّٰہ ﷺ فدخل مکة فاقبل رسول اللّٰہ ﷺ الی الحجر فاستلمه ثم طاف بالبیت ثم اتی الصفا فعلاه حیث ینظر الی البیت فرفع یدیه فجعل یذکر اللّٰہ ما شاء ان یذکره ویدعوه قال والانصاب تحته۔(کتاب المناسك۔باب رفع الید اذا رآی البیت)

ترجموا الحدیثین بیّنوا اختلاف الائمة فی رفع الیدین عند رؤیة البیت۔ طبّقوا بین روایة الرفع و النفی ۔ هل الیهود یطوفون بالبیت ویرفعون ایدیهم؟ ما معنی الانصاب تحته؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① احادیث کا ترجمہ ② بیت اللہ کو دیکھتے وقت رفع یدین کا حکم ③ رفع ونفی کی روایات میں تطبیق ④ یہود کے طواف کرنے اور رفعِ ایدی کی وضاحت ⑤ **الانصاب تحته** کا معنی۔

جواب..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت مہاجر مکی سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا گیا کہ جو شخص خانہ کعبہ کو دیکھے تو کیا وہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے؟ انہوں کہا کہ میں نے تو یہودیوں کے سوا کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا ہے لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا یعنی آپ ﷺ نے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ مدینہ سے مکہ میں آئے تو پہلے حجر اسود کے پاس گئے اور اس کو بوسہ دیا پھر خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر کوہِ صفا کے پاس آئے اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ خانہ کعبہ دکھائی دینے لگا اور دونوں ہاتھ اٹھائے پھر جو چاہا اللہ کا ذکر کیا اور اس پر دعا کی۔ابو ہریرہؓ کہتے ہیں انصاب (پتھر یا بُت) آپ ﷺ کے قدموں تلے پڑے ہوئے تھے۔

② بیت اللہ کو دیکھتے وقت رفع یدین کا حکم:۔ بیت اللہ کو دیکھتے وقت امام احمد رفع یدین کے قائل ہیں ایک روایت حنفیہ کی بھی یہی ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک راجح نفی ہی ہے۔ مالکیہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں، شافعیہ کی دونوں روایتیں ہیں امام نووی اور بیہقی نے ثبوت کو ترجیح دی ہے۔(الدرالمنضود ۱۳۲:۳)

③ رفع ونفی کی روایات میں تطبیق:۔ روایات متعارضہ کے درمیان کئی طرح سے تطبیق دی گئی ہے ① ملا علی قاری فرماتے ہیں ثبوتِ رفع کی روایات اول بار پر محمول ہیں اور نفی کی روایات ہر مرتبہ پر یعنی بیت اللہ پر جب پہلی بار نظر پڑی تو آپ ﷺ نے رفع یدین کیا اور پھر ہر مرتبہ میں نہیں کیا۔ ② حضرت سہارنپوری فرماتے ہیں ثبوتِ رفع کی روایات کا تعلق اس رفع یدین سے ہے جو دعا کے وقت ہاتھ پھیلا کر ہوتا ہے اور نفی کا تعلق اس رفع سے ہے جو تعظیماللبیت ہو جس طرح افتتاح صلوۃ میں ہوتا ہے۔(ایضا)

④ یہود کے طواف کرنے اور رفعِ ایدی کی وضاحت:۔ یہود کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب اپنے قبلہ کو دیکھتے ہیں جو کہ بیت المقدس ہے تو رفع یدین کرتے ہیں اور اگر مراد یہی ہے کہ وہ بیت اللہ کو دیکھ کر رفع یدین کرتے ہیں تو اس صورت میں بظاہر مطلب یہ ہوگا کہ وہ تحقیراً ایسا کرتے ہیں، نہ کہ تعظیماً۔ کیونکہ وہ تو مسلمانوں کے قبلہ کے مخالف اور دشمن ہیں۔

⑤ **الانصاب تحته** کا معنی:۔ الانصاب تحتہ: یہ احجار کی صفت ہے یعنی احجار منصوبہ (نصب کردہ پتھر) آپ ﷺ کے نیچے تھے، غالباً اس سے وہ پتھر مراد ہیں جو صفا پہاڑی پر چڑھنے کیلئے سیڑھیوں کی طرح وہاں رکھے گئے ہوں گے۔ بذل میں حضرت کی رائے یہ ہے کہ شاید اس سے اصنام (مورتیاں) مراد ہیں جو صفا پر پہلے سے کفار نے رکھے ہوں گے اور ''تحتہ'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کو پامال کرنے کیلئے ان پر کھڑے ہوگئے۔ بعض نسخوں میں انصاب کی جگہ انصار کا لفظ ہے یعنی آپ ﷺ صفا پر تھے اور بعض انصاری صحابہ آپ کے سامنے پہاڑی سے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع کا ہے۔(ایضا)

0311 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....**عن عائشةَ اَنَّ رسولَ اللّٰہِ ﷺ اَمَرَ بِکَبْشٍ اَقْرَنَ یَطَأُ فِیْ سَوَادٍ وَیَنْظُرُ فِی سَوَادٍ وَیَبْرُكُ فِی سَوَادٍ فَاُتِیَ بِهٖ فَضَحّٰی بِهٖ فقال یَا عَائِشَةُ هَلُمِّی الْمُدْیَةَ ثُمَّ قال اِشْحَذِیْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ فَاَخَذَهَا وَ اَخَذَ الْکَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ وَ ذَبَحَهٗ وقال بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ محمدٍ وآلِ محمدٍ وَمِنْ اُمَّةِ محمدٍ ثُمَّ ضَحّٰی بِهٖ ۔(کتاب الضحایا۔ باب ما یستحب من الضحایا)**

شكّل الحديث ثم ترجمه ـ هل تكفى اضحية واحدة عن جميع اهل البيت؟ اذكر اقوال الائمة الكرام.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ پورے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی میں ائمہ کا اختلاف۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کیلئے ایک دو سینگوں والا مینڈھا منگوایا جو سیاہی میں چلتا ہو (پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں دیکھتا ہو (آنکھیں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھتا ہو (پیٹ وسینہ سیاہ ہو) آپ نے فرمایا اے عائشہ! چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کرو، پس ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے چھری لی مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا اور اس کو ذبح کرنے سے قبل فرمایا: اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں، اے اللہ اس کو قبول فرما محمد کی طرف سے آلِ محمد اور امتِ محمد کی طرف سے۔ یہ کہہ کر آپ نے قربانی فرمائی۔

② پورے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی میں ائمہ کا اختلاف:۔ حنفیہ کے نزدیک چھوٹے جانور (بکری، بھیڑ، دنبہ، مینڈھا وغیرہ) میں بطور قربانی واجب ایک سے زائد افراد کی شرکت جائز نہیں ہے، البتہ ثواب میں پوری امت کو بھی ایک جانور میں شریک کیا جاسکتا ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ایک ہی بکری ومینڈھا (جو بھی قربانی والا چھوٹا جانور ہے) آدمی کی طرف سے اور اس کے اہلِ خانہ کی طرف سے جائز ہے، اگرچہ ان کی تعداد سات یا اس سے بھی زائد ہو۔ جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قربانی تو ذبح کرنے والے کی طرف سے سمجھی جائے گی اور ثواب کا استحقاق بھی اُسی کیلئے ہوگا لیکن چونکہ ان ائمہ کے نزدیک قربانی سنت علی الکفایہ ہے اسلئے ایک ہی شخص کا قربانی کرنا تمام اہلِ خانہ کی طرف سے کفایت کر جائے گا۔ اِسے وہ سقوط الطلب کہتے ہیں یعنی اس قربانی کے بعد بقیہ گھر والوں سے شرعاً قربانی کا مطالبہ نہیں رہا۔ (الدر المنضود ۲۳:۵)

امام مالک وامام احمدؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص پوری فیملی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے تو جائز ہے، سب کی طرف سے قربانی ہو جائے گی، بشرطیکہ وہی تنہا اس بکری کا مالک ہو اور سب گھر والے ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔ حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں، ہر صاحبِ نصاب پر مستقل قربانی واجب ہے، اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں، کیونکہ قربانی ایک عبادت ہے اور عبادت ہر شخص پر لازم ہے اس میں ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

امام مالک وغیرہ کا استدلال عطا بن یسارؒ کی اس حدیث سے ہے: میں نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے پوچھا: آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قربانیاں کیسے ہوتی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: ایک آدمی اپنی طرف سے اور گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتا تھا پس وہ اس کو کھاتے تھے اور دوسروں کو کھلاتے تھے، یہاں تک کہ لوگوں میں مفاخرت شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں وہ صورت حال ہوگئی جو تم دیکھ رہے ہو۔ پس اگر کسی فیملی میں کئی افراد صاحبِ نصاب ہوں اور سب کی طرف سے ایک بکری ذبح کردی جائے تو سب کی قربانی ہو جائے گی سب پر الگ الگ قربانی کرنا واجب نہیں۔ احناف فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں لوگ عام طور پر غریب ہوتے تھے اور گھر کے ایک شخص پر ہی قربانی واجب ہوتی تھی، وہی قربانی کرتا تھا اور ایک ہی قربانی کرتا تھا جس کو سب کھاتے تھے، پھر مفاخرت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور لوگ کئی کئی قربانیاں کرنے لگے (مفاخرت کبھی بیش قیمت جانور میں ہوتی ہے اور کبھی قربانیوں کی تعداد میں) پس اس حدیث سے امام مالک وغیرہ کا استدلال درست نہیں۔

مالکیہ کی دوسری دلیل یہی حدیث السوال ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اور اس میں امت کے ان لوگوں کو شریک کیا جو استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کرسکے تھے، معلوم ہوا اپنی قربانی میں دوسروں کو شریک کرسکتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے، پوری روایت یہ ہے کہ آپ نے دو مینڈھے قربان کئے تھے، ایک اپنی طرف سے واجب قربانی کی تھی، اور دوسری نفل قربانی کی تھی جس میں امت کو شریک کیا تھا یعنی ان کو ایصالِ ثواب کیا تھا اور ایسا کرنا جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، مسئلہ واجب قربانی میں دوسروں کو شریک کرنے کا ہے، اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (تحفۃ الالمعی ۴۳۷:۴)

0313 6377913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل.....حدثنا عبد اللّٰه بن المبارك عن يونس عن الزهرى عن ابى سلمة عن عائشة انّ النبىّ ﷺ قال: لا نذر فى معصية وكفّارته كفارة يمين. قال ابو داؤد سمعتُ احمد بن شبوية يقول: قال ابن المبارك يعنى فى هٰذا الحديث حدّث ابو سلمة،فدلّ ذٰلك على انّ الزهرى لم يسمعه من ابى سلمة قال ابو داؤد : سمعتُ احمد بن حنبل يقول: افسدوا علينا هٰذا الحديث، قيل له وصح فساده عندك وهل رواه غير ابن ابى اويس، قال ايوب: كان امثل منه يعنى ايوب بن سليمان.

اذكروا حكم نذر المعصية وهل ينعقد نذر المعصية اذكروا اقوال الائمة الكرام مع ادلتهم . اشرحوا ما ذكره المصنف بقوله: قال ابو داؤد..... .(كتاب الايمان و النذور.باب من رأى عليه كفارة اذا كان فى معصية)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① معصیت کی نذر کا حکم ② نذر کے انعقاد میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل ③ قال ابوداؤد کی تشریح۔

جواب..... ① معصیت کی نذر کا حکم:۔ معصیت کی دو قسمیں ہیں ① **معصیت لعینها:** جو اپنی ذات میں ہی معصیت و گناہ ہو جیسے شراب پینا، چوری کرنا، قتل کرنا۔ ② **معصیت لغیرها:** جو اپنی ذات میں تو معصیت و گناہ نہ ہو مگر کسی عارض کی وجہ سے معصیت بن جائے جیسے عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا۔ حنفیہ کے نزدیک پہلی قسم کی نذر ماننے یا قسم کھانے سے نذر و قسم منعقد ہی نہ ہوگی، جب نذر و قسم منعقد نہ ہوگی تو وہ کام کرنا جائز بھی نہ ہوگا اور نہ کرنے کی صورت میں کفارہ بھی لازم نہ ہوگا۔ اور دوسری قسم میں نذر و قسم منعقد ہو جاتی ہے، مگر اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس میں حانث ہو کر کفارہ ادا کرے گا۔ ارشاد نبوی ہے: **من حلف على يمين و رأى غيرها خيرا منها فليأت بالذى هو خير ثم ليكفر عن يمينه** ۔ نیز قسم توڑ کر کفارہ سے کچھ تلافی ہو جائے گی اور معصیت پر عمل کی صورت میں نقصان و ضرر کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ (تلخیص از تقریر ترمذی)

② نذر کے انعقاد میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ اس پر اجماع ہے کہ نذرِ معصیت کا ایفاء (پورا کرنا) جائز نہیں۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ نذر معصیت منعقد بھی ہوتی ہے یا نہیں اور ایسے ہی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور ان کے اصحابؒ کے نزدیک نذرِ معصیت کا ایفاء بالاجماع جائز نہیں اور ناذر پر کفارہ یمین واجب ہوتا ہے۔ امام احمد سے مروی ایک روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور یہی امام مالک اور شافعیؒ کا مذہب ہے۔ امام خطابی نے بھی امام مالک اور شافعی کا مذہب عدمِ وجوب کفارہ لکھا ہے۔ حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن میں امام احمد کا مسلک حنفیہ کے مثل لکھا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ کلام کرتے ہوئے روایۃً و درایۃً وجوبِ کفارہ کو ترجیح دی ہے۔ آپ ﷺ ایک مرتبہ خطاب فرما رہے تھے اچانک آپ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو دھوپ میں کھڑا ہوا تھا آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ شخص ابو اسرائیل ہے اس نے اس بات کی نذر مانی ہے کہ یہ دھوپ میں کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور یہ کسی سے بات نہیں کریگا اور یہ کہ روزہ سے رہے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے اور سایہ میں چلا جائے، اور بیٹھے، کھڑا نہ رہے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نذر نذرِ طاعت اور نذر معصیت دونوں پر مشتمل تھی، آپ ﷺ نے نذر میں سے جو نذرِ طاعت تھی اسکے پورا کرنے کا اور جو نذرِ معصیت تھی اسکے ترک کرنے کا حکم فرمایا، صوم تو نذرِ طاعت تھی اور قیام فی الشمس اور ترکِ کلام و ترکِ استظلال یہ نذرِ معصیت تھی، اسلئے کہ ان میں عبادت اور قربت کا کوئی معنیٰ نہیں ہے، اسی لئے آپ نے ان کے ترک کا حکم فرمایا۔

③ قال ابوداؤد کی تشریح:۔ (یہ حدیث مذکورہ مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل ہے، اسلئے امام ابوداؤد اس کی سند پر کلام کر رہے ہیں) اس قال ابوداؤد کی تشریح و تنقیح سمجھنے کیلئے اس حدیث کی دوسری سند جو آگے آرہی ہے اس کو دیکھیں: **عن ابن شهاب عن سليمان**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بن ارقم انّ یحییٰ بن ابی کثیر اخبرہ عن ابی سلمة ۔اس سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے (سلیمان بن ارقم اور یحییٰ بن ابی کثیر) مذکور ہیں جبکہ اس پہلی سند میں ان دونوں واسطوں میں سے ایک بھی واسطہ مذکور نہیں بلکہ براہ راست زہری ابوسلمہ سے روایت کررہے ہیں۔اب امام ابوداؤدؒ فرمارہے ہیں میں نے اپنے استاذ احمد ابن شبویہ سے سنا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے اس حدیثِ ابوسلمہ پر کلام کیا ہے (مگر وہ کلام مذکور نہیں ہے)۔تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ابن المبارک کا حدیث پر نقد اور کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زہری نے اس حدیث کو ابوسلمہ سے براہ راست نہیں سنا، یہ بات مصنف نے اسلئے سمجھی کہ اس حدیث کی سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جو غیر ثقہ ہو، لہٰذا یہ کلام کسی اندر کے راوی کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ انقطاعِ سند کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے اسی لئے اس کے بعد والی حدیث میں مصنف ایسے طریق کو لائے جس میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں، پس ثابت ہوا کہ سند میں انقطاع ہے۔مصنفؒ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آگے امام احمد کا نقد جو اس حدیث پر ہے اس کو ذکر فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ احمد بن حنبل سے سنا وہ فرماتے تھے بعض لوگوں نے اس حدیث کی سند میں گڑبڑ کرکے اس کو ہم پر فاسد اور خراب کردیا، کسی نے ان سے پوچھا کیا آپ کے نزدیک اس کی سند کا گڑبڑ ہونا حق ہے؟ دراصل سائل سمجھ گیا تھا کہ اس حدیث کی سند کا فساد وہ اس سند اور طریق کے پیش نظر ہے جو آگے کتاب میں آرہی ہے جس کا راوی ابوبکر بن اویس ہے جس نے اس حدیث کی سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے ذکر کئے ہیں، تو سائل امام احمد سے یہ سوال کررہا ہے کہ جس حدیث کی بنا پر آپ اس حدیث کی سند کا فساد ثابت کررہے ہیں اس کا راوی ابن ابی اویس ہے تو کیا ابن ابی اویس کا کوئی متابع بھی اس میں ہے یا نہیں تاکہ ہم اس دوسری سند کو جو آنے والی ہے جس میں دو واسطے موجود ہیں اس کو راجح قرار دے سکیں، اسلئے کہ جس حدیث کی سند کو وہ فاسد کہہ رہے ہیں اس کا راوی تو زہری سے یونس ہے جو کہ ثقہ اور قوی ہے اور وہ دوسری سند جس کے پیش نظر وہ اس سند کو منقطع قرار دے رہے ہیں اس کا راوی ابن ابی اویس ہے جو متکلم فیہ ہے، تو تاوقتیکہ اس کا کوئی متابع نہ مل جائے اسکو کیسے راجح قرار دیا جاسکتا ہے؟ تو اس اصولی سوال کا امام صاحب نے عجیب سا جواب دیا ہے، وہ یہ کہ وہ بجائے متابع پیش کرنے کے یہ فرمارہے ہیں کہ ابن ابی اویس کا جو شاگرد ہے یعنی ایوب وہ ابن ابی اویس سے زیادہ ثقہ ہے تو گویا ثقاہتِ شاگرد کو متابع کا قائم مقام قرار دے رہے ہیں یعنی امام صاحب کے ذہن میں ابن ابی اویس کا کوئی متابع تو نہیں تھا جو اس کو بیان کرتے بلکہ یہ فرمایا کہ ایوب جو ابن ابی اویس سے روایت کررہے ہیں وہ بہت ثقہ ہیں مگر یہ بات بس ایسی ہی ہے چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ شاگرد کی ثقاہت وقوت استاذ کے ضعف کو دور نہیں کرسکتی جب یہ بات ہے تو پھر ابوبکر بن ابی اویس کی حدیث، حدیث یونس عن الزہری کی مقاومت نہیں کرسکتی، لہٰذا حدیثِ یونس عن الزہری کا مدلس یا منقطع ہونا ثابت نہ ہوا جو یہ حضرات ثابت کرنا چاہ رہے ہیں۔پھر آگے حضرتؒ فرمارہے ہیں: **ان النسائی روی حدیث یونس بسند ھارون بن موسی المدنی قال ثنا ابو ضمرة عن یونس عن ابن شھاب قال ثنا ابو سلمة عن عائشة**، دیکھئے اس سند میں ابن شہاب ابوسلمہ سے سماع کی تصریح کررہے ہیں، لہٰذا اس حدیث کا نہ انقطاع ثابت ہوا نہ تدلیس۔(الدر المنضود ۵:۳۰۵)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الثانی.....**عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مسعودٍ قَالَ جَاءَ سَهْلُ بْنُ اَبِیْ حَثْمَةَ اِلٰی مَجْلِسِنَا قَالَ :اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَاِنْ لَمْ تَدَعُوْا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ** ۔(ص۲۳۷۔ج۱۔رحمانیہ)

ترجم الحدیث المبارک ۔ ماھو الخرص لغة واصلاحًا ۔ ماھوحکم الخرص عندالعلماء اذکر بادلتھم ۔ اشرح قولہ "ودعواالثلث، فان لم تدعوا اوتجدوا الثلث فدعواالربع۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) خرص کا لغوی واصطلاحی معنی (۳) خرص کا حکم مع الدلائل (۴) مذکورہ قول کی تشریح۔

جواب..... (۱) حدیث کا ترجمہ:۔(حضرت عبدالرحمٰن بن مسعود کہتے ہیں کہ) حضرت سہل بن ابی حثمہ ہماری مجلس میں تشریف

لائے اور فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب تم خرص کرلو تو پھل توڑ لو یعنی مالک کو پھل توڑنے کی اجازت دیدو اور ثلث چھوڑ دو، پس اگر تم ثلث نہ چھوڑو یا ترکِ ثلث کو مناسب نہ سمجھو تو پھر ربع ہی چھوڑ دو۔

② خرص کا لغوی واصطلاحی معنی:۔ خرص کا لغوی معنی اندازہ لگانا ہے اور کتاب الزکوٰۃ کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کھیتوں اور باغوں میں پھلوں کے پکنے سے پہلے ایک آدمی بھیجے جو یہ اندازہ لگائے کہ اس سال کتنی پیداوار ہورہی ہے۔ خرص کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کو پہلے سے اندازہ ہوجائے کہ اس سال کتنی پیداوار ہونی ہے اور اس پر کتنا عشر واجب ہوگا نیز اس طرح مالکوں کے پیداوار کو چھپانے کا سدّ باب بھی ہوجاتا ہے۔

③ خرص کا حکم مع الدلائل:۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک خرص کا حکم یہ ہے کہ اندازہ سے جتنی پیداوار ثابت ہو اتنی پیداوار کا عشر اسی وقت پہلے سے کٹے ہوئے پھلوں سے وصول کیا جاسکتا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ محض اندازہ سے عشر نہیں وصول کیا جاسکتا بلکہ پھلوں کے پکنے کے بعد دوبارہ وزن کرکے حقیقی پیداوار معین کی جائے گی اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔ مالکیہ کا مسلک بھی شافعیہ کے مطابق ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں حنفیہ کا مسلک بھی شافعیہ کے مطابق ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال حدیث باب میں **اذا خرصتم فخذوا** کے الفاظ سے ہے۔ نیز اسی باب میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ان کا استدلال ہے **ان النبی ﷺ قال فی زکوۃ الکروم انها تخرص کما یخرص النخل ثم تؤدی زکوته زبیبًا کما تؤدی زکوٰۃ النخل تمرًا۔** جمہور کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں بیع مزابنہ سے منع کیا گیا ہے اور یہ احادیث صحیح اور تقریباً مشہور کے درجہ میں ہیں جبکہ اس باب کی بیشتر احادیث سنداً متکلم فیہ ہیں لہٰذا ان کی وجہ سے مزابنہ کی صحیح اور صریح احادیث کو نہیں چھوڑا جاسکتا بالخصوص جبکہ وہ ایک اصل کلی پر مشتمل ہوں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ جب خرص کے ذریعہ عشر وصول کیا جارہا ہو تو اندازہ سے جتنی پیداوار ثابت ہوئی ہو عشر وصول کرتے وقت اس میں سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی کا عشر وصول کرنا چاہیے کیونکہ ایک تو اندازہ میں غلطی کا احتمال ہے دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ پھلوں کے پکتے پکتے کچھ مقدار خراب ہوجائے لہٰذا احتیاطاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی سے عشر وصول کیا جائیگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ پیداوار کی کوئی مقدار عشر سے مستثنیٰ نہیں لہٰذا ان کے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت پیداوار کا اندازہ لگایا رجارہا ہو تو اندازہ لگانے میں حقیقی مقدار سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی کم کا اندازہ لگانا چاہیے کیونکہ پھلوں کے پکنے تک اتنی مقدار کے سوکھ جانے یا جھڑ جانے کا احتمال ہے۔

مالکیہ میں سے ایک جماعت کے نزدیک حدیث باب کے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک تہائی یا چوتھائی مقدار کے بارے میں مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ خود فقراء کو دے اور اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس مقدار کو بھی بیت المال کے سپرد کردے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ مذکورہ قول کی تشریح:۔ **وَدَعُوا الثلث** اور خرص کے وقت ایک ثلث زکوٰۃ مالکِ باغ کے پاس چھوڑ دو، ابن عربی مالکی ثلث یا ربع کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ جب خرص کے بعد پھل پک جائیں اور عشر وصول کرنے کا وقت آجائے تو زمیندار یا کاشتکار نے جتنی مؤونت پیداوار کے لئے اٹھائی ہے اس کو مستثنیٰ کرکے باقی پر عشر لگایا جائے گا اور چونکہ اس دور میں مؤونت عموماً پیداوار کا ثلث یا ربع ہوتی تھی اس لئے اس مقدار کا ذکر کردیا گیا۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مؤنت کی مقدار تو عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی البتہ اتنی مقدار مستثنیٰ ہوتی ہے جتنی مالک اور اس کے اہل وعیال کے گزارہ کیلئے کافی ہو اور یہ مقدار چونکہ ثلث یا ربع کے مساوی ہوتی تھی اسلئے خاص طور پر ثلث یا ربع کا ذکر کردیا گیا ہے۔

﴿جزی اللّٰہ عنّا سیّدنا و مولانا محمّدًا ما ھو اھلہ

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والمؤطین﴾

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والمؤطین﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (شرح معانی الآثار) ١٤٣٤ھ

الشق الاوّل.....عن المغيرة رفعه قال: كنا مع رسول الله ﷺ في سفر فتوضأ للصلاة فمسح على عمامته وقد ذكر الناصية بشيئ ۔ (ص٢٦۔ج١۔رحمانیہ) انكر اختلاف العلماء في القدر الواجب مسحه من الرأس في الوضوء۔ انكر أدلة الفقهاء على ماذهبوا اليه ۔ ماهو النظر الذى رآه الطحاوى فى هذه المسألة۔

جواب..... ① مسح علی الرأس کی مقدار:۔ امام مالک، امام مزنی اور شیخ ابوعلی جبائی رحمہم اللہ کے نزدیک پورے سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر **فذهب ذاهبون** کے مصداق ہیں۔

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور جمہور محدثین وفقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک بعض رأس پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہوجاتی ہے اور پورے سر پر مسح کرنا مسنون اور کمالِ فضیلت ہے، یہی لوگ کتاب کے اندر **خالفهم فى ذٰلك آخرون** کے مصداق ہیں۔

② ائمہ کے دلائل:۔ پورے سر پر مسح کے قائلین کی دلیل: وہ حدیث ہے جسکے اندر مقدم رأس سے شروع کرکے گردن تک کھینچ کر لے جانا ثابت ہے اس حدیث کو صاحبِ کتاب نے تین صحابی سے چار سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے ① حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے ایک سند کیساتھ ② حضرت طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ نے اپنے دادا سے دو سندوں کیساتھ ③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سند کیساتھ۔

دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وضو کے اندر پورے سر کا مسح فرمایا ہے اور ہم بھی ہر وضو کرنے والے سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ پورے سر کا مسح کرلیا کریں لیکن یہ حکم بطور فرض نہیں ہے بلکہ بطور کمالِ فضیلت ہے۔ اور حضور ﷺ کے فعل کے اندر فرضیت کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے تین تین مرتبہ حضور ﷺ سے وضو کرنا ثابت ہے لیکن یہ تین مرتبہ فرض نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ فرض ہے اور بقیہ کمالِ فضیلت کیلئے ہے۔ ایسا ہی مسح کا حکم ہوگا کہ بعض سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بقیہ کمالِ فضیلت کیلئے ہے۔

بعض سر پر مسح کے قائلین کے دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عمامہ اور ناصیہ پر مسح فرمایا ہے۔ ناصیہ پر مسح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پیشانی کی مقدار سر کے حصہ پر مسح فرمایا ہے۔ اور عمامہ پر مسح کرنے کی توجیہ ماقبل میں گزر چکی ہے۔ تو اس حدیث شریف سے سر کے بعض حصہ پر مسح ثابت ہے لہٰذا کہنا ہوگا کہ پورے سر پر مسح کرنا فرض نہیں ہے بلکہ کمالِ فضیلت ہے۔

③ نظرِ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح:۔ اعضاءِ وضوء دو قسم پر ہیں اعضاءِ مغسولہ، اعضاءِ ممسوحہ۔ اعضاءِ مغسولہ کا حکم یہ ہے کہ جس عضو کے بعض حصہ کے دھلنے کا حکم ہے اس میں پورا دھونا واجب ہے تو سر کے مسح کو بعض لوگوں نے اعضاء مغسولہ پر قیاس کرکے کہا کہ بعض سر کے مسح کا حکم ثابت ہوجائے تو پورے سر کا مسح واجب ہوگا تاکہ حکم یکساں ہوجائے اور بعض لوگوں نے کہا کہ ممسوح کو مغسول پر قیاس کرنا درست نہیں ہوسکتا ہے بلکہ ممسوح کو ممسوح ہی پر قیاس کرنا درست ہوگا تو ہم نے مقیس علیہ کو تلاش کیا تو مسح علی الخفین مل گیا اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ بعض خف پر مسح کرنا کافی ہوتا ہے تو ایسا ہی بعضِ سر پر مسح کرنا کافی ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی ١:١٣٣)

الشق الثانی.....عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال: اذا ولغ الكلب فى الاناء فاغسلوه سبع مرات .....فذهب الى هذاالاثر.....وخالفهم فى ذلك آخرون..... واماالنظر فقد كفانا الكلام فيه مابينا من حكم اللحمان فى باب سورالهرة۔ (ص١٩۔ج١۔رحمانیہ) اشرح كلمة "ولغ" لغة ۔ انكر مصداق قوله "فذهب قوم وخالفهم فى ذلك آخرون" ۔ اشرح نظرالطحاوىؒ وترجيح ماذهب اليه الحنفية فى ضوء الأدلة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (١) ولغ کا لغوی معنی (٢) ذهب قوم، خالفهم آخرون کا مصداق (٣) نظرِ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح (٤) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

جواب ..... ① **ولـــغ کا لغوی معنی:۔** یہ ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور باب فتح، ضرب اور حسب ہے بمعنی برتن میں منہ ڈالنا اور اطرافِ زبان سے پینا۔

② **ذهب قوم، خالفهم آخرون کا مصداق:۔** "ذهب قوم" کا مصداق امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ ایک قول کے مطابق، محمد بن سیرین، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابوعبید، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

"خالفهم آخرون" کا مصداق امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد اور جمہور احناف رحمہم اللہ ہیں۔

③ **نظرِ طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح:۔** نظر طحاوی کی شکل میں مسئلہ سؤر ہرہ میں گزر چکا ہے کہ خنزیر کے جھوٹے سے بھی برتن ناپاک ہوجاتا ہے لیکن تین مرتبہ دھونے سے سؤر خنزیر سے بھی برتن پاک ہوجاتا ہے جو سؤر کلب کے مقابلہ میں زیادہ اغلظ ہے تو جب سؤر خنزیر سے برتن تین مرتبہ میں پاک ہوسکتا ہے تو سؤر کلب سے کیوں پاک نہ ہو۔ لازمی طور پر آپ کو کہنا پڑے گا کہ سؤر کلب سے بھی تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے اور یہی تین مرتبہ واجب ہے اور سات مرتبہ دھونا اور مٹی سے رگڑنا زیادہ سے زیادہ استحباب کے درجہ میں ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ (ایضاح الطحاوی۔ ج ا ص ۱۱۱)

④ **حنفیہ رحمہم اللہ کی وجہِ ترجیح:۔** حنفیہ رحمہم اللہ کے مذہب کی وجہ ترجیح کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی حدیث میں تسبیع میں اس لحاظ سے بہت اختلاف ہے کہ بعض روایات میں اولاھن بالتراب آیا ہے اور خود ترمذی کی روایت الباب میں یہ الفاظ ہیں اولاھن اواخراھن بالتراب اور بعض میں السابعۃ بالتراب اور بعض میں والثامنۃ عفّر واہ فی التراب بہرحال اختلافِ روایات کی وجہ سے تطبیق دینا ضروری ہے اور تسبیع والے حکم کو وجوب پر محمول کرنے کے بعد تطبیق پیدا کرنا تکلف سے خالی نہیں البتہ اگر تسبیع والے حکم کو استحباب پر محمول کیا جائے تو بغیر کسی تکلف کے انکے درمیان تطبیق ہوسکتی ہے کہ ان میں سے ہر طریقہ جائز ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالک رحمہ اللہ) ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل ..... عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَتَوَضَّأُ بِالْمَاءِ لِمَا تَحَتَ اِزَارِهٖ قَالَ يَحْيٰي: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ فَنَسِيَ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ قَبْلَ اَنْ يُمَضْمِضَ اَوْ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ اَنْ يَغْسِلَ وَجْهَهٗ، فَقَالَ: اَمَّا الَّذِيْ غَسَلَ وَجْهَهٗ قَبْلَ اَنْ يُمَضْمِضَ فَلْيُمَضْمِضْ وَلَا يُعِدْ غَسْلَ وَجْهِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ وَجْهِهٖ فَلْيَغْسِلْ وَجْهَهٗ ثُمَّ لِيُعِدْ غَسْلَ ذِرَاعَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ غَسْلُهُمَا بَعْدَ وَجْهِهٖ اِذَا كَانَ فِيْ مَكَانِهٖ اَوْ بِحَضْرَةِ ذٰلِكَ۔ (ص ۱۳۔ نور محمد)

شكل الأثر ثم اشرحه ۔ اشرح ما ذكره مالك رحمه الله واذكر وجه الفرق بين المسألتين.

جواب ..... ① **حدیث پر اعراب:۔** كمامرّ فی السوال آنفا۔

② **مذکورہ اثر کی تشریح:۔** اثر کا حاصل یہ ہے کہ عثمان بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ موضعِ استنجاء کی پانی کے ذریعہ طہارت حاصل کی جائے گی اور اس اثر سے غرض ان لوگوں پر رد ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استنجاء بالماء کے قائل نہ تھے۔

③ **امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:۔** یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو وضو میں بھول گیا اور اس نے کلی کرنے سے قبل چہرہ دھولیا یا چہرہ دھونے سے قبل اس نے اپنے بازو دھولئے تو اب وہ کیا کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں وہ صرف کلی کرلے دوبارہ چہرہ کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے اور دوسری صورت میں چہرہ دھونے کے بعد وہ دوبارہ بازو دھوئے گا بشرطیکہ وہ ابھی اپنی وضو کی جگہ پر موجود ہو یا وضو کی جگہ کے قریب ہی ہو اور اگر وہ وضو کی جگہ سے دور جاچکا ہے تو پھر تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا وضو مکمل ہوگیا ہے۔

④ **دونوں مسئلوں میں فرق:۔** دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں کلی کرنے اور منہ دھونے میں نسیان ہوا ہے۔ اسمیں

0315 6257993 maktabazakariyamultan@gmail.com

سے کلی کرنا سنت اور منہ دھونا فرض ہے گویا سنت اور فرض کی ترتیب میں خلط ہورہا ہے اور سنت وفرض کی ترتیب مستحب ہے اور دوسرے مسئلہ میں منہ دھونا اور بازو دھونا دونوں فرض ہیں اور فرائض میں ترتیب مسنون ہے اس لئے منہ دھونے کے بعد دوبارہ بازو دھوئے گا تاکہ فرائض میں ترتیب سنت کے مطابق ہوجائے۔

الشق الثانی.....**عن نافع ان عبداللّٰہ بن عمر کان اذا رعف انصرف فتوضأ ثم رجع فبنی ولم یتکلم۔ عن عبدالرحمن بن المحبر انہ رای سالم بن عبداللّٰہ یخرج من انفہ الدم تختضب اصابعہ ثم یفتلہ ثم یصلی ولا یتوضأ۔** (ص ۲۷۔نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب کراچی) **ترجم الاثرین۔**

اذکر حکم الرعاف والدم والقیح عند العلماء واذکر دلائلھم۔ کیف الجمع بین الاثرین المذکورین۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) آثار کا ترجمہ (۲) رعاف، دم اور قیح کا حکم مع الدلائل (۳) آثار میں تطبیق۔

جواب..... ❶ آثار کا ترجمہ:۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب نکسیر پھوٹتی تو لوٹ جاتے پس وضو کرتے پھر لوٹ آتے پس بناء کرتے اور بات چیت نہ کرتے، حضرت عبدالرحمٰن بن محبر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انکے ناک سے خون نکل رہا ہے رنگین ہوگئی انکی انگلیاں پھر نماز پڑھی انہوں نے اور وضو نہ کیا۔

❷ رعاف، دم اور قیح کا حکم مع الدلائل:۔ قیح، رعاف اور دم سے وضوء کا مسئلہ ایک اصولی اختلاف پر متفرع ہے وہ یہ کہ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی نجاست جسم کے کسی بھی حصہ سے خارج ہو وہ ناقض وضو ہے خواہ خروج نجاست عادتاً ہو یا بیماری کی وجہ سے، امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے برعکس امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف اس نجاست کا خروج ناقض ہوتا ہے جو خود بھی معتاد ہو اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو جیسے بول وبراز، لہٰذا قیح، رعاف اور خون ان کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ انکا مخرج معتاد نہیں اور اگر سبیلین سے بول وبراز، منی، مذی، ودی اور ریح کے علاوہ کوئی اور چیز خارج ہو تو وہ بھی ان حضرات کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ مخرج تو معتاد ہے لیکن خارج ہونے والی چیز معتاد نہیں البتہ دم استحاضہ اگرچہ خارج غیر معتاد ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے قیاساً تو وضو نہ ٹوٹنا چاہیے مگر وہ امر تعبدی کے طور پر اس کو ناقضِ وضو مانتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مخرج کا معتاد ہونا تو ضروری ہے لیکن خارج کا معتاد ہونا ضروری نہیں لہٰذا اگر سبیلین سے غیر معتاد یعنی بول وبراز کے علاوہ کوئی اور چیز خارج ہو تو وہ ان کے نزدیک ناقض ہے لہٰذا غیر سبیلین سے کسی نجاست کے خروج سے نہ مالکیہ رحمہم اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹتا ہے جبکہ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک جسم کے کسی بھی حصے سے کسی بھی قسم کی نجاست وغیرہ کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۳۱۶)

احناف کی دلیل احادیث متعلقہ بالرّعاف ہیں یعنی وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ جب نماز کے دوران نکسیر جاری ہوجائے تو وضو کرکے قاعدہ شرعیہ کے مطابق بناء کرلے چنانچہ یہ چار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعیدی خدری، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ اگر نماز کے دوران نکسیر جاری ہوجائے تو نمازی نماز سے پھر کر وضو کرے اور شرائطِ معروفہ کے ساتھ بناء کرے۔ مالکیہ وشافعیہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اس میں واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے ہم بھی ساتھ گئے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مشرک کی بیوی کو قتل کردیا تو اس مشرک نے قسم اٹھائی کہ جب تک بدلہ نہ لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعاقب میں لگ گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر پڑاؤ ڈالا اور فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو ہمارا پہرہ دے تو اس پر ایک مہاجر اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ تیار ہوگئے، انصاری عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ تھے اور مہاجر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک گھاٹی پر متعین کیا تو مہاجر نے آرام کیا اور انصاری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھنی شروع کردی تو اس شخص نے دیکھ لیا اور تیرے مارنے شروع کردیئے ان کو تین تیر لگے اور وہ نکال کر پھینکتے رہے تو انہوں نے نماز مکمل کی اور پھر مہاجر ساتھی کو اٹھایا اس نے کہا سبحان اللہ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ

0313 6357313 maktabazakariyamultan@gmail.com

بیدار کیا تو انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایسی سورت میں مشغول تھا میں نے پسند نہیں کیا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے نماز توڑوں تو دیکھو اس صحابی رضی اللہ عنہ نے خون کے جاری ہوتے ہوئے بھی نماز کو جاری رکھا تو معلوم ہوا کہ خروجِ دم من غیر سبیلین ناقض نہیں ہے۔

جوابات: ① یہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور دلیل تام تب ہوگی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اسکو حاصل ہو حالانکہ تقریر حاصل نہیں ہے ② اس صحابی رضی اللہ عنہ نے مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے ایسا کیا جیسا کہ الفاظ اس پر دال ہیں **کنت فی سورة اقرء ها فلم احبّ ان اقطعها** ③ ان کو تین تیر لگے ہیں تو ظاہر ہے کہ تین تیر لگنے کی وجہ سے کپڑے بھی خون آلود ہوئے ہونگے تو کپڑے ناپاک ہونے کے باوجود کیسے نماز پڑھی **فما هوجوابكم فهو جوابنا** اگر تم کہو خون فوارے کی شکل میں نکلا تو جواب یہ کہ یہ احتمال بعید ہے ④ سنداً ابھی یہ حدیث ضعیف ہے اس میں محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تشریف فرما ہے جو کہ متکلم فیہ اور ضعیف راوی ہے۔

شوافع و مالکیہ رضی اللہ عنہما کی دوسری دلیل: واقعۂ سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ اور واقعۂ سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے نکسیر کے باوجود نماز کو مکمل کیا۔ جوابات: ① یہ معذور پر محمول ہے انکو نکسیر کا مرض ہوگا ② درھم سے کم مقدار تھی اسلئے یہ ناقض نہیں ہے۔

③ آثار میں تطبیق:۔ دونوں حدیثوں میں سے اوّل حدیث مسئلہ کے مطابق ہے جبکہ دوسری حدیث میں حضرت سالم بن عبداللہ معذور تھے ان کو نکسیر کا مرض تھا اس لئے انہوں نے نماز کو اسی طرح مکمل کیا۔

﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمدؒ) ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل.....**عن نافع انه اقبل هو وعبدالله بن عمر من الجرف حتى اذا كان بالمربد نزل عبدالله فتيمم صعيدا فمسح وجهه ويديه الى المرفقين ثم صلى۔** (ص۷۶۔قدیمی)

من هو نافع؟ ترجم له باختصار۔ هل يجوز التيمم فى الحضر؟ ماهو اختلاف العلماء فيه؟ اذكر اختلاف العلماء فى مقدار مسح اليدين واسرد ادلتهم مع ترجيح الراجح في ضوء الادلة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) نافع کا تعارف (۲) حضر میں تیمّم کے جواز میں اختلاف (۳) مسح یدین کی مقدار میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① نافع کا تعارف:۔ یہ مدینہ کے مشہور عالم و مفتی نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر القرشی العدوی العمری ہیں، ان کے والد کا نام ''ہرمز'' یا ''کاؤس'' منقول ہے، ان کا اصل تعلق المغرب، نیشاپور، کابل یا طالقان سے تھا۔ بہرحال کسی غزوہ میں قید ہوکر آئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خرید لیا تھا۔

یہ حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ام سلمہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہم سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔ بڑے بڑے ائمۂ وقت ان سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ابن سعد، امام بخاری، امام مالک، عجلی، ابن خراش، امام نسائی، ابن عینیہ، احمد بن صالح، خلیلی اور ذہبی رحمہم اللہ نے توثیق کی ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے ان کی ثقاہت پر اجماع نقل کیا ہے۔ اصح قول کے مطابق ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ (کشف الباری ۴:۶۵۴)

② حضر میں تیمّم کے جواز میں اختلاف:۔ تیمّم فی الحضر کے مختلف اسباب اور وجوہ ہوسکتی ہیں اور وہ ہمارے تتبع کے اعتبار سے چار ہیں۔

① **لعدم وجدان الماء**، حنفیہ کے یہاں عدم وجدان ماء کی وجہ سے شہر میں تیمّم کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض متونِ احناف سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم وجدان الماء فی الحضر معتبر نہیں کیونکہ یہ بہت نادر ہے، صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے اور بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ نادر ہے لیکن اتفاقاً ایسا ہوجائے تو راجح قول کی بناء پر ہمارے یہاں جائز ہے۔ درِمختار میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے اور لامع میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے لیکن انکے یہاں وجوب اعادہ میں اختلاف ہے یعنی جب پانی مل جائے تو اعادۂ صلوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ امام احمد رحمہ اللہ کے اس میں دونوں قول ہیں کمافی المغنی لیکن الروض المربع میں عدم وجوبِ اعادہ کی تصریح ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی راجح قول عدم اعادہ ہی ہے اور یہی حنفیہ کا

مذہب ہے۔البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وجوب اعادہ کے قائل ہیں **فالائمة الثلاثة فی جانب والامام الشافعی فی جانب۔**

②**تیمم فی الحضر لاجل المرض**،ایک شخص مریض ہے اس کو استعمال ماء یا حرکت وغیرہ کی وجہ سے اشتد ادِمرض کا اندیشہ ہے سوایسا مریض جمہور علماء ومنہم الائمۃ الثلثہ حنفیہ مالکیہ حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک تیمّم کرسکتا ہے البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اشتد ادمرض کا اندیشہ کافی نہیں تاوقتیکہ تلفِ نفس یا تلفِ عضو کا خوف نہ ہو(کمافی الہدایہ) لیکن کتبِ شافعیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف تلف کی قید انکے یہاں بھی نہیں ہے لہٰذا وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور ہی کے ساتھ ہوئے۔داؤد ظاہری کے نزدیک **تیمم لاجل المرض** مطلقاً جائز ہے خواہ استعمال ماء مضر ہو یا نہ ہو اور یہی امام مالک سے ایک روایت یہ ہے **کما فی العینی۔**

③**تیمم الجنب لاجل البرد** یعنی پانی کے موجود ہوتے ہوئے سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمّم کرنا،اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک تو ایسے شخص کے لئے تیمّم ہی ضروری ہے البتہ حنفیہ میں سے صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سردی کی وجہ سے جنبی کا تیمّم کرنا مصر میں جائز نہیں خارج مصر جاءز ہے کیونکہ شہر میں گرم پانی کا انتظام ہوسکتا ہے بخلاف صحراء کے۔پھر اس میں اختلاف ہورہا ہے کہ اگر کسی شخص نے سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو پھر زوال عذر کے بعد غسل کرکے اعادۂ صلوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک واجب نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واجب ہے **وعن احمد روایتان** لیکن الروض المربع میں صرف عدم وجوبِ اعادہ مذکور ہے لہٰذا اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ ایک طرف ہوئے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف۔یہ تو مذاہب ہوئے ائمہ اربعہ کے اور عطاء ابن ابی رباح وحسن بصری کے نزدیک اصل مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے یہاں تیمّم الجنب لاجل البرد مطلقاً جائز نہیں۔

④وہ تیمّم جو اس عبادت کے لئے کیا جائے جو فائت لا الی خلف ہو۔ردالسلام کیلئے تیمّم کرسکتے ہیں اسلئے کہ ردِسلام ایک فوری چیز ہوتی ہے جس میں تراخی کی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں سلام کا جواب طہارت کے ساتھ دوں تو اب ظاہر ہے کہ وضوء کرتا رہے گا تو رد کا وقت نکل جائے گا لہٰذا تیمّم کرکے جواب دے دے۔(الدرالمنضود ج۱ص۴۳۱)

③ مسح یدین کی مقدار میں اختلاف مع الدلائل:۔ مقدارِ مسح یدین میں چار مذاہب ہیں۔①مرفقین تک مسح واجب ہے،یہ قول امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی،لیث بن سعد اور جمہور رحمہم اللہ کا ہے ②صرف رسغین تک مسح واجب ہے،یہ امام احمد،اسحاق بن راہویہ،امام اوزاعی اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کا مسلک ہے ③رسغین تک واجب ہے اور مرفقین تک مسنون،علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت قرار دیا ہے اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قرار دیا ہے ④علامہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ یدین کا تیمّم مناکب وآباط تک ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے،جس سے ایک ضربہ اور صرف مسح الرسغین کا پتہ چلتا ہے **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ بالتیمم للوجہ والکفین**۔اس میں ہاتھوں کے لئے کفین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جن کا اطلاق صرف رسغین تک ہوتا ہے۔

جمہور کے دلائل:①**عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربة للوجہ وضربة للذراعین الی المرفقین** ②مسند بزار میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں **کنت فی القوم حین نزلت الرخصة فامرنا فضربنا واحدة للوجہ ثم ضربة اخریٰ للیدین والمرفقین** ③حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربتان ضربة للوجہ وضربة للیدین الی المرفقین۔**

امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی جس حدیثِ باب سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں حدیث مختصر ہے،صحیحین میں اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ناواقفیت کی بناء پر حالتِ جنابت میں زمین پر لوٹ لگائی تھی اور تمعک کیا تھا،اسکی اطلاع جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انما کان یکفیك ان تضرب بیدیك الارض ثم تنفخ ثم تمسح بهما وجهك**۔اس حدیث کا سیاق صاف بتلارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا اصل مقصد تیمّم کے پورے طریقہ کی تعلیم دینا نہیں بلکہ تیمّم کے معروف طریقہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمّم کا وہی طریقہ کافی ہے جو حدثِ اصغر میں ہے۔امام زہری رحمہ اللہ نے تیمّم کے مناکب وآباد تک مشروع ہونے پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث **تیممنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المناکب والآباط** سے استدلال کیا ہے۔ جمہور کی طرف اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ نزول حکم تیمّم کی ابتداء میں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنا اجتہاد تھا، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں لہٰذا صریح اور صحیح روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔(درسِ ترمذی ج۱ص۳۸۴)

الشق الثانی.....**عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا استیقظ احدکم من نومہ فلیغسل یدہ قبل ان یدخلھا فی وضوئہ فان احدکم لایدری این باتت یدہ.**(ص۴۸۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث بوضوح ۔ اذکرمذاھب العلماء فی ھذاالباب مع تعیین محل الاختلاف ۔ اکتب دلائلھم علی ماذھبوا الیہ ۔ اذکر وجوہ ترجیح ماذھب الیہ الحنفیۃ۔واشرح کلمۃ الوضوء لغۃ

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہوتو وہ اپنے ہاتھ کو وضو کے برتن یا وضو کے پانی میں داخل کرنے سے پہلے دھولے، اس لئے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔

② بیدار ہونے والے کیلئے ہاتھ دھونے میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم مطلقاً مسنون ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً مستحب اور حنفیہ کے نزدیک اگر ہاتھوں پر نجاست کا یقین ہوتو غسل یدین فرض، اگر ظنِ غالب ہوتو واجب، اگر شک ہوتو مسنون اور اگر شک بھی نہ ہوتو مستحب ہے۔

امام احمد بن حنبل، امام اسحٰق اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے اور رات کی نیند سے بیدار ہونے والے شخص کے لئے ہاتھوں کا دھونا واجب اور لازم ہے۔(درسِ ترمذی ص۲۲۸) دلیل یہ ہے کہ **فلیغسل** امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔ نیز **فلایدخل یدہ** میں نہی تحریمی ہے کیونکہ عموماً نہی تحریم کے لئے ہوتی ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ مذکورہ تعلیل کے قرینہ سے یہ نہی تنزیہی ہے اور **فلیغسل** کا امر استحباب کیلئے ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیث کا آخری جملہ **فان احدکم لایدری الخ** ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محض احتمالِ نجاست کیوجہ سے ہے اور ہاتھ کی طہارت یقینی ہے اور یقینی حکم شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا، لہٰذا یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔

③ **الوضوء** کی لغوی تحقیق:۔ "وُضُوْء" (ضمہ کے ساتھ) یہ فُعُوْلٌ کے وزن پر مصدر ہے بمعنی پاکیزگی وپاکی حاصل کرنا۔ "وَضُوْء" (فتحہ کے ساتھ) مَایُتَوَضَّؤُبِہٖ بمعنی پاکیزگی حاصل کرنے کا پانی۔بعض حضرات نے کہا کہ یہ بھی مصدر ہے۔

﴿الورقۃ السادسۃ: شرح معانی الآثار والمؤطین﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (شرح معانی الآثار) ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَ عَلَیَّ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَقَدْ اَرَاقَ الْمَاءَ فَدَعَا بِاِنَاءٍ فِیْہِ مَاءٌ فَقَالَ: یَاابْنَ عَبَّاسٍ، اَلَا اَتَوَضَّأُلَکَ کَمَارَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَتَوَضَّأُ قُلْتُ: بَلٰی فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ، فَذَکَرَحَدِیْثًا طَوِیْلًا ذَکَرَ فِیْہِ اَنَّہٗ اَخَذَ حَفْنَۃً مِنْ مَاءٍ بِیَدَیْہِ جَمِیْعًا فَصَکَّ بِھِمَا وَجْھَہٗ، ثُمَّ الثَّانِیَۃَ مِثْلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ الثَّالِثَۃَ، ثُمَّ اَلْقَمَ اِبْھَامَیْہِ مَااَقْبَلَ مِنْ اُذُنَیْہِ، ثُمَّ اَخَذَ کَفًّا مِنْ مَاءٍ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی فَصَبَّھَا عَلٰی نَاصِیَتِہٖ ثُمَّ اَرْسَلَھَا تَسْتَنُّ عَلٰی وَجْھِہٖ، ثُمَّ غَسَلَ یَدَہُ الْیُمْنٰی اِلَی الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا وَالْیُسْرٰی مِثْلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَہٗ وَظُھُوْرَ اُذُنَیْہِ، قَالَ الطَّحَاوِیُ، فَذَھَبَ اِلٰی ھٰذِہِ الْاٰثَارِ.....وَخَالَفَھُمْ فِیْ ذٰلِکَ آخَرُوْنَ.**(ص۲۷۔ج۱۔رحمانیہ)

شکل العبارۃ و ترجمھا ۔ اذکراختلاف العلماء فی ھذہ المسألۃ مع تعیین من ذھب الی ھذا الاثرو من

خالفهم ۔ اذكر دلائل الفريقين ۔ اذكر آثار الصحابة ونظر الطحاوی التی تؤيد ماذهب اليه الحنفية ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) کانوں کے مسح میں اختلاف مع الدلائل (۴) حنفیہ کی تائید میں آثارِ صحابہ (۵) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ قضاءِ حاجت سے فارغ ہوکر آئے تھے پس آپ رضی اللہ عنہ نے برتن منگوایا اس میں پانی تھا اور فرمایا کہ اے ابنِ عباس! کیا میں تجھے اس طرح وضو کرکے دکھاؤں؟ جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا! جی ہاں آپ رضی اللہ عنہ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے طویل حدیث بیان کی اس میں یہ بات ذکر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا چلولیا اور اسے اپنے چہرے پر مارا (پھینکا) پھر دوسری مرتبہ اسی طرح کیا، پھر تیسری مرتبہ اسی طرح کیا، پھر اپنے انگوٹھوں کو کانوں کی سامنے کی جانب میں، پھر اپنے بائیں ہاتھ سے پانی کا چلولیا اور اسے اپنی پیشانی پر ڈالا کہ وہ ان کے چہرہ سے ٹپکنے لگا، پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک دھویا پھر بایاں ہاتھ بھی اسی طرح پھر اپنے سر کا مسح کیا اور دونوں کانوں کے ظاہری حصہ کا۔

③ کانوں کے مسح میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام عامر شعبی رحمہ اللہ اور حسن ابن صالح کے نزدیک اذنین کا اگلا حصہ چہرہ کے حکم میں ہوکر چہرہ کے ساتھ دھونا لازم ہوگا اور پچھلا حصہ سر کے حکم میں ہوکر سر کے ساتھ مسح کرنا لازم ہوگا، یہی لوگ کتاب کے اندر **فذهب قومٌ الى هذا الاثر** کے مصداق ہیں۔

ائمہ اربعہ، سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک اذنین کے اگلے اور پچھلے دونوں حصے سر کے حکم میں ہوکر سر کے ساتھ مسح کرنا لازم ہے، یہی کتاب کے اندر **خالفهم فی ذالك آخرون** کے مصداق ہیں۔

قولِ اوّل کے قائلین کی دلیل یہی حدیث ہے اسمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا وضو کرکے دکھایا اور آخر میں مسح علی الرأس فرمایا اور دونوں کانوں کے پچھلے حصہ پر مسح فرمایا، معلوم ہوا کہ اگلے حصہ پر مسح نہیں ہے بلکہ اگلے حصہ کو چہرہ کے ساتھ دھونا لازم ہے۔

قولِ ثانی کے قائلین یعنی ائمہ اربعہ اور جمہور کی پہلی دلیل وہ حدیثِ مرفوع ہے جس میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کانوں کے اگلے پچھلے حصہ پر مسح کرنے کا ذکر ہے اور یہ روایت آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چودہ سندوں کے ساتھ منقول ہے اور اس مضمون کی روایت کثرت وتواتر سے مروی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فعل موجود ہے لہٰذا ان متواتر روایات کے مقابلہ میں دوسری روایات پر عمل نہیں ہوسکتا۔ فریقِ اوّل کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے اور راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے لہٰذا اس حدیث کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ بقیہ دو دلائل اور اقوالِ صحابہ لتائید الحنفیہ مابعد میں آرہے ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۱۳۷)

④ حنفیہ کی تائید میں آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا عمل وفتویٰ واضح طور پر ائمہ اربعہ اور جمہور کی تائید کرتے ہیں۔ ①**عن حميد قال رأيت انس بن مالك توضأ فمسح اذنيه ظاهر هما وباطنهما مع رأسه** ②**وقال انس ان ابن مسعود كان يامر بالاذنين** ③ **عن ابی حمزة قال رأيت ابن عباس توضا فمسح اذنيه ظاهرهما وباطنهما** ④**عن ابن عمرانه كان يقول الاذنان من الرأس فامسحوهما** ⑤**عن نافع ان ابن عمر كان يمسح اذنيه ظاهرهما وباطنهما۔** (ایضاً)

⑤ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ نظرِ طحاوی کا حاصل یہ ہے کہ جو عورت حج کیلئے احرام باندھ لے اس پر حکم یہ ہے کہ وہ چہرے کو کھلا رکھے اور سر کو ڈھانپے رکھے اور تمام علماء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ سر کے ساتھ ساتھ دونوں کانوں کے اگلے پچھلے دونوں حصوں کو ڈھانپ لینا واجب ہے تو یہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ دونوں کانوں کا حکم سر کے حکم میں داخل ہے۔ لہٰذا حکمِ مسح کے اندر بھی

0313 6267913 maktabazakriyamultan@gmail.com

دونوں کانوں کا حکم سر کے حکم میں ہو کر اگلے پچھلے دونوں حصوں پر مسح لازم وضروری ہوگا اور اگلے حصے کو دھونا درست نہیں ہوگا۔

دوسری عقلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے فریق مخالف اس بات پر اختلاف نہیں کرتے کہ دونوں کانوں کے پچھلے حصے کا سر کے ساتھ مسح کیا جائے البتہ اگلے حصے کا سر کے ساتھ مسح کرنے میں ان کو اختلاف ہے کہ اگلے حصے کو دھولیا جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے ہم نے تمام اعضاء وضو کا مطالعہ کیا تو ہم نے دیکھا کہ وضو کے اندر اعضاء مفروضہ کل چار ہیں۔ تین ان میں سے اعضاء مغسولہ ہیں (چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں پیر) اور ایک عضو (سر) ممسوح ہے۔ تو ہم نے دیکھا کہ جن اعضاء کو دھونے کا حکم ہے، پورے پر دھونے کا ہی حکم ہے ایسا نہیں ہے کہ کچھ حصہ دھویا جائے اور کچھ حصے پر مسح کیا جائے اور جن اعضاء پر مسح کا حکم ہے ان میں پورے پر مسح ہی کا حکم ہے ایسا نہیں ہے کہ کچھ پر مسح کیا جائے اور کچھ کو دھویا دیا جائے، اور اذنین کے پچھلے حصے کے بارے میں فریق مخالف بھی مسح پر متفق ہیں البتہ اگلے حصے میں اختلاف کرتے ہیں اور اعضاء وضو کے اندر اصول یہ ملا ہے کہ جس کے بعض حصے کو دھونے کا حکم ہے اسکے بعض پر مسح جائز نہیں ہے اور اسی طرح جس کے بعض حصے پر مسح کا حکم ہے اسکے بعض حصے کو دھونا جائز نہیں ہے تو اذنین میں بھی لازمی طور پر یہی حکم ہونا چاہیے کہ جب پچھلے حصے پر مسح کا حکم ہے تو اگلے حصے پر بھی مسح کا حکم ہوگا۔ (ایضاً ۱:۱۳۹)

الشق الثانی.....**باب الاقامة كيف هي عن خالد الحذاء عن ابي قلابة عن انس بن مالك قال امر بلال ان يشفع الاذان ويوتر الاقامة وفي رواية عن انس قال امر بلال ان يشفع الاذان ويوتر الاقامة الا الاقامة قال ابوجعفر فذهب قوم الى هٰذه فقالوا هٰكذا الاقامة تفرد مرة مرة وخالفهم آخرون فى حرف واحد من ذلك فقالوا قوله قد قامت الصلوٰة فانه ينبغى له ان يثنى ذالك مرتين وخالفهم فى ذلك آخرون فقالوا الاقامة كلها مثنى مثنى۔** (ص ۹۱۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

لماذا يقال لخالد الحذاء، اذكر اقوال العلماء فى مسئلة الايتار والتثنية فى الاقامة كما ذكرها الامام الطحاوى فى ضوء الدلائل، حرّر هٰذه المسئلة من حيث النظر ايضًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) **خالد الحذاء** کی وجہ تسمیہ (۲) الفاظِ اقامت کے ایتار وتکرار میں اختلاف مع الدلائل (۳) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

جواب..... ❶ **خالد الحذاء کی وجہ تسمیہ:۔** خالد الحذاء کا نام خالد بن مہران اور کنیت ابوالمنازل ہے۔ حذاء موچی کو کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ خالد حذاء نے کبھی جوتے نہیں گانٹھے البتہ وہ ایک موچی کے پاس بیٹھتے تھے جس کی وجہ سے اُن کا لقب حذاء پڑ گیا۔ (تحفۃ الألمعی ج ۱ ص ۵۵۶)

❷ **الفاظِ اقامت کے ایتار وتکرار میں اختلاف مع الدلائل:۔** مذہب نمبر ①: امام مالک، ربیعۃ الرای اور اہلِ مدینہ رحمہم اللہ کے نزدیک کلماتِ اقامت دس ہیں۔ لفظ اللہ اکبر دو مرتبہ، شہادتین دو مرتبہ، حیعلتین دو مرتبہ، قد قامت الصلوٰۃ ایک مرتبہ، پھر لفظ اللہ اکبر دو مرتبہ پھر کلمۂ توحید ایک مرتبہ۔ یہ کل دس کلمات ہوئے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر **فذهب قوم** کے مصداق ہیں۔

مذہب نمبر ②: امام شافعی، امام احمد، اسحٰق ابن راہویہ، امام اوزاعی، حسن بصری، اہلِ مصر، اہلِ یمن، اہلِ شام اور اہلِ حجاز رحمہم اللہ کے نزدیک کلماتِ اقامت گیارہ ہیں یعنی مذہب نمبر ایک کے نزدیک جس طریقے پر اقامت ہے ان کے نزدیک بھی اسی طریقے پر ہے البتہ قد قامت الصلوٰۃ فریق اوّل کے نزدیک ایک مرتبہ ہے اور فریقِ ثانی کے نزدیک دو مرتبہ ہے۔ یہی لوگ **خالفهم آخرون فى حرف واحد من ذالك** کے مصداق ہیں۔ مذہب نمبر ③: امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور اہلِ کوفہ رحمہم اللہ کے نزدیک کلماتِ اقامت سترہ ہیں، یعنی اقامت میں وہ تمام کلمات ہوتے ہیں جو اذان میں کہے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ بھی ہے، یہی لوگ **و خالفهم فى ذالك آخرون** کے مصداق ہیں۔

مذہبِ اوّل کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کلماتِ اذان جفت (دو مرتبہ) اور کلماتِ

0313 6757913 maktabajadeedmultan@gmail.com

اقامت طاق (ایک مرتبہ) کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حدیث سات اسناد سے مروی ہے۔

مذہبِ ثانی کے دلائل: ① حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ کلماتِ اذان جفت طریقہ سے اور کلماتِ اقامت طاق طریقہ سے کہیں مگر قد قامت الصلوٰۃ میں جفت کریں۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دوسندوں کے ساتھ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک سند کے ساتھ منقول ہے ② کلماتِ اذان دو قسم پر ہیں ایک وہ کلمات جو صرف ایک مقام میں کہے جاتے ہیں دوسرے وہ کلمات جو دو مقام میں کہے جاتے ہیں جیسے کہ کلمۂ تکبیر اور کلمۂ شہادت یہ دوسرے قسم کے کلمات جو دو مقام میں ذکر کئے جاتے ہیں وہ مقام نمبر دو میں مقام نمبر ایک کے مقابلہ میں نصف ذکر کئے جاتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ جو بعد میں ذکر کئے جاتے ہیں وہ نصف ہو جاتے ہیں اور اقامت فی نفسہٖ ابتداء اور شروع میں نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ اذان کے بعد ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا وہ کلماتِ اقامت جو اذان میں مذکور ہوتے ہیں وہ اقامت میں مذکور ہوتے ہیں وہ اقامت میں اذان کے مقابلہ میں آدھے ہو جائیں گے اور وہ کلماتِ اقامت جو اذان میں مذکور نہیں ہوتے وہ اقامت میں دو دو مرتبہ ہوا کریں گے جیسا کہ قد قامتِ الصلوٰۃ ہے۔ لہٰذا اقامت کے اندر نو کلمات اذان میں سے لئے گئے اور دو کلمات قد قامتِ الصلوٰۃ ہوں گے تو کُل گیارہ کلمات ہو جائیں گے۔

مذہبِ ثالث کے دلائل: ① حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی واضح روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اُسی طریقہ پر اقامت سکھلائی تھی جس طریقہ پر اذان سکھلائی تھی چنانچہ جب انہوں نے اذان سکھلائی تو دو دو مرتبہ اذان دی اور جب اقامت سکھلائی تو وہ بھی دو دو مرتبہ کہی۔ پس یہ مفصل روایت تمہاری مجمل روایت کے مقابلہ میں راجح ہے اور یہ روایت تین سندوں کے ساتھ منقول ہے ② زمانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ دو دو مرتبہ اذان دیا کرتے تھے اور دو دو مرتبہ ہی اقامت کہا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل اس روایت کے مخالف ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے متعلق نقل فرمائی ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل سید المؤذنین ہونے کی وجہ سے دوسروں کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوگا، لہٰذا عملِ بلال رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہوگی اور اذان واقامت میں صرف اتنا فرق ہے کہ اقامت میں دو مرتبہ قد قامتِ الصلوٰۃ کا اضافہ ہوگا ③ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ سکھلائی ہے اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظِ اقامت سب کے سب موجود ہیں، لہٰذا کہنا ہوگا کہ اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور دو مرتبہ قد قامتِ الصلوٰۃ کا اضافہ کر کے اقامت میں سترہ کلمات ہونگے ④ زمانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے اقامت دو دو مرتبہ منقول ہے، یہاں تین صحابہ (حضرت سلمہ بن اکوع، ثوبان، ابومحذورہ رضی اللہ عنہم) کا عمل منقول ہے ⑤ امام مجاہد کا فتویٰ ہے کہ اصل اقامت دو مرتبہ ہے۔ امراء نے اپنی تخفیف کیلئے ایک مرتبہ کا رواج ڈالا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۳۷۷)

③ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ نظرِ طحاوی کا حاصل یہ ہے کہ جعلتین کے بعد لفظِ اللہ اکبر کے دو مرتبہ کہے جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس میں تنصیف ممکن ہے، تو ہم نے غور کر کے دیکھا کہ جس طرح اذان کے اندر حی علی الفلاح کے بعد کلمۂ تکبیر دو مرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح اقامت میں بھی کلمۂ تکبیر دو مرتبہ کہا جاتا ہے، لہٰذا اقامت کے بقیہ کلمات بھی اذان کے بقیہ کلمات کی طرح مستعمل ہونگے، اسلئے کہ یہاں پر تنصیف ممکن ہونے کے باوجود اقامت میں تنصیف نہیں کی گئی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کا حکم برابر ہے تو جس طرح اذان دو دو مرتبہ دی جاتی ہے اسی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ ہی کہی جائے گی۔ (ایضاً)

0313 6357993 maktabazakariyanuri@gmail.com

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل ..... عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنها قالت: ان كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ليصلى الصبح فينصرف النساء متلفعات بمروطهن ، مايعرفن من الغلس۔ (ص ۳۔ نور محمد)

ترجم الحديث المذكور بالأردية ۔ اذكر الوقت المستحب لصلاة الصبح عند العلماء ۔ اسرد ادلة كل فريق ۔ من يستدل بهذاالحديث المذكور؟ وما الجواب عنه عند من لايقول به؟

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے اور لوٹتی تھیں عورتیں اپنے دوپٹوں میں لپٹی ہوئی کہ غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

② صلوٰۃ الصبح کا مستحب وقت:۔ حنفیہ کے نزدیک صلوٰۃ الفجر میں ابتداءً وانتہاءً اسفار افضل ہے بایں طور کہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد فساد معلوم ہو تو سورج نکلنے سے پہلے پہلے اعادہ ممکن ہو جبکہ امام طحاوی کے نزدیک ابتداءً غلس اور انتہاءً اسفار افضل ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک فجر میں بدایۃً ونھایۃً غلس افضل ہے۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ احناف کے دلائل: ① صحاح میں حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ ہے اس میں ہے **اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر** جو وقت اجر کی زیادتی کا ذریعہ ہے وہی وقت افضل ہوگا۔ ② بخاری میں حدیث ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہے **كان النبى ﷺ يصلى الصبح ويعرف احدنا جليسه** اگرچہ ابوداؤد رحمہ اللہ کی روایت معروف ہے لیکن یہ مرجوح ہے۔ راجح روایت **يعرف جليسه** ہے ظاہر ہے کہ یہ پہچان تب ہو سکتی ہے جب اسفار میں نماز پڑھی جائے۔ ③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مزدلفہ میں نمازِ فجر ادا کرنیوالی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں **وصلى الفجر يومئذ قبل ميقاتها** اس کا یہ مطلب نہیں کہ وقت شروع ہونے سے پہلے نماز پڑھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وقت معتاد سے پہلے پڑھی تو اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ ایام کے اندر آپ ﷺ کی عادت مبارکہ اسفار میں صبح کی نماز پڑھنے کی تھی یعنی وقت معتاد اسفار میں نماز پڑھنے کا تھا صرف مزدلفہ میں غلس میں پڑھی ہے اور ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جو عادتِ مبارکہ اور معمول تھا وہی وقت افضل ہوگا اور وہ وقت اسفار ہے۔ ④ **او فقيت بالقرآن** ہے اس لئے کہ ارشادِ باری **وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس** ہے اور قبلیت اسفار میں پڑھنے کا قرینہ ہے نہ کہ غلس میں۔ ⑤ جماعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد تکثیر جماعت ہے اور یہ تکثیر رمضان کے ماسوا اسفار میں ہے تو جس وقت میں تکثیر جماعت کا فائدہ ہوگا وہی وقت افضل ہوگا اور وہ وقت اسفار ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: احادیث غلس ہیں جن میں سے ایک دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اس میں **فينصرف النساء متلففات بمروطهن مايعرفن من الغلس** کہ عورتیں نماز سے واپسی میں غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع بھی غلس میں کرتے اور ختم بھی غلس میں کرتے تھے۔ دوسری دلیل حدیث اسامہ بن زید لیثی جو پیچھے گزر چکی ہے **ثم كانت صلوٰته بعد ذالك التغليس حتىٰ مات ولم يعد الىٰ ان يسفر**۔

اس کا جواب امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے دیا کہ یہ شاذ ہے اس کو ذکر کرنے والے صرف اسامہ بن زید لیثی ہیں اور زہری کے حفاظ تلامذہ اس کو نقل نہیں کر رہے۔ دوسرا جواب کہ اسفار اشد کی نفی ہے مطلق اسفار کی نفی نہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب: **مايعرفن من الغلس** ہم تسلیم نہیں کرتے کہ عدم معرفت کی علت غلس تھی بلکہ عدمِ معرفت کی علت پردہ کا ہونا تھا کہ عورتیں پردہ کا اتنا اہتمام کرتی تھیں کہ پردہ کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں جس کا وزنی قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے **مايعرفن تعنى من الغلس** تو تعنی کا لفظ ذکر کر کے یہ بتلانا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ مراد ہوگی لیکن یہ راوی کا اپنا اجتہاد ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحابیات کی کمالِ احتیاط کو بیان کر رہی ہیں تلفّف عام ہے مطلق چادر پہننا اور ایک نسخہ ہے متلفعات، تلفع کہتے ہیں کہ چادر کو اس طور پر پہنے کہ جسم مکمل طور پر چھپ جائے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ عدمِ معرفت کی علت غلس تھی پھر ہم کہتے ہیں کہ کونسا غلس مراد ہے داخل مسجد کا یا فضاء کا غلس مراد ہے، اگر کہو کہ فضاء کا غلس مراد ہے تو پھر بیشک یہ اسفار کے منافی ہے لیکن یہ مسلّم نہیں ہے کیونکہ واقعہ اس پر منطبق نہیں ہوتا۔ تفصیل اس طرح ہے کہ صبح صادق کے بعد نبی کریم ﷺ سنتیں پڑھتے پھر اگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بیدار ہوتیں تو ان سے بات چیت کرتے وگرنہ آرام کرتے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آکر نماز کی اطلاع دیتے پھر آپ ﷺ تشریف لے جاتے اور ۴۰ سے ۶۰ یا ۱۰۰ تک آیات کی قرأت کرتے اور ترتیل سے پڑھتے تھے تو اتنے امور ہو جائیں اور پھر بھی غلس باقی ہو یہ انتہائی مستبعد ہے۔ لہٰذا داخل مسجد کا غلس مراد ہے اور یہ مسلّم تو ہے لیکن اسفار کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں روشنی کا انتظام نہیں ہوتا تھا اور چھت بھی قریب تھی اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے

0310 6357913 maktabazakariyahtando@gmail.com

بھی مشرقی جانب تھے ہوسکتا ہے کہ باہر اسفار ہو اور اندر غلس ہو ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

جوابات مشترکہ: ① احادیثِ اسفار میں سے حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ قولی ہے اور احادیث غلس تمام فعلی ہیں اور تعارض کے وقت قولی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے ② غلس کی جانب عمل ہی عمل ہے اور اسفار کی جانب عمل بھی ہے قول بھی ہے، ظاہر ہے کہ تعارض کے وقت قول وعمل کے مجموعہ کو ترجیح ہوگی ③ احادیثِ غلس اس زمانہ کی ہیں جب عورتیں بھی مسجد میں نماز کیلئے آتی تھیں اور **قرن فی بیوتکن** کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جب یہ حکم ہوا تو پھر نمازِ فجر میں اسفار پر عمل ہونے لگا۔

④ مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے اور اس کا جواب ابھی دلائل کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ (درسِ ترمذی ج ۱ ص ۴۰۱، المسائل والدلائل ص ۲۱۵، الدر المنضود ج ۲ ص ۳۷، ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۴۹۱)

الشق الثانی.....**عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ ﷺ حین قفل من خیبر اسری، حتی اذا کان من آخر اللیل عرس، و قال لبلال: اکلأ لنا الصبح، ونام رسول اللہ ﷺ واصحابہ وکلأ بلال ما قدر لہ، ثم استند الی راحلتہ وھو مقابل الفجر، فغلبتہ عیناہ فلم یستیقظ رسول اللہ ﷺ ولا بلال ولا احد من الرکب حتی ضربتھم الشمس، ففزع رسول اللہ ﷺ فقال بلال: یا رسول اللہ، أخذ بنفسی الذی أخذ بنفسک، فقال رسول اللہ ﷺ: اقتادوا، فبعثوا رواحلھم واقتادوا شیئا ثم امر رسول اللہ ﷺ بلالا فأقام الصلاۃ فصلی بھم رسول اللہ ﷺ الصبح، ثم قال حین قضی الصلاۃ: من نسی الصلاۃ فلیصلھا اذا نکرھا: فان اللہ تبارک و تعالی یقول فی کتابہ: اقم الصلاۃ لذکری.**

ترجم الحدیث۔ متی وقعت لیلۃ التعریس؟ و ھل ھی قصۃ واحدۃ ام متعددۃ؟ حقق الامر فی ضوء الروایات۔ ھٰذا الحدیث یدل علی ان قضاء الصلوات یجوز حتی فی الاوقات المکروھۃ فما ھو الجواب السدید عن ذلک؟ (ص ۸۔ نور محمد)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) روایات کی روشنی میں لیلۃ التعریس کا وقوع (۳) اوقاتِ مکروہہ میں قضاءِ صلوٰۃ کے متعلق حدیث الباب کا جواب۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب لوٹے جنگِ خیبر سے رات کو چلے جب اخیر رات ہوئی تو آپ ﷺ اتر پڑے اور بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا صبح کی نماز کا تم خیال رکھو اور آپ سو رہے اور جب تک خدا کو منظور تھا بلال رضی اللہ عنہ جاگتے رہے۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ نے تکیہ لگایا اپنے اونٹ پر اور منہ اپنا صبح کی طرف کئے رہے اور لگ گئی آنکھ بلال رضی اللہ عنہ کی تو نہ جاگے رسول اللہ ﷺ اور نہ بلال رضی اللہ عنہ اور نہ کوئی شتر سوار یہاں تک کہ پڑنے لگی ان پر تیزی دھوپ کی۔ تب چونک اُٹھے رسول اللہ ﷺ اور فرمایا کیا ہے یہ اے بلال! کہا بلال رضی اللہ عنہ نے زور کیا مجھ پر اس چیز نے جس نے آپ ﷺ پر زور کیا (یعنی نیند نے) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کوچ کرو تو لادے لوگوں نے کجاوے اپنے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ حکم کیا رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کہنے کا تو تکبیر کہی بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی پھر نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے فجر کی بعد اس کے فرمایا جب نماز پڑھ چکے جو شخص بھول جائے نماز کو تو چاہیے کہ پڑھ لے اس کو جب یاد آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے قائم کر نماز کو جس وقت یاد کرے مجھ کو۔

② روایات کی روشنی میں لیلۃ التعریس کا وقوع:۔ اصیلیؒ کہتے ہیں کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ صرف ایک مرتبہ غزوۂ حنین سے واپسی پر پیش آیا۔ اکثر محدثین جن میں قاضی عیاضؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ سیوطیؒ وغیرہ شامل ہیں یہ تعددِ واقعہ کے قائل ہیں۔ ابنِ العربیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ تین مرتبہ پیش آیا۔ ظاہرِ احادیث سے بھی تعددِ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے سفر میں پیش آیا۔ بعض میں حدیبیہ کا ذکر ہے، بعض میں طریق تبوک اور بعض میں حنین کا ذکر ہے۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ بیدار ہوئے۔ بعض میں ہے کہ سب سے پہلے ذو مخبرؓ بیدار ہوئے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ بیدار ہوئے لہٰذا تعددِ واقعہ کو تسلیم کئے بغیر روایات میں جمع وتطبیق مشکل ہے۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۴۸)

③ اوقاتِ مکروہہ میں قضاءِ صلوٰۃ کے متعلق حدیث الباب کا جواب:۔ حدیث الباب **من نسی الصلوٰۃ فلیصلھا اذا**

0213-3257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ذکرھا اوراس مضمون کی دیگراحادیث کااحناف رحمہم اللہ کی طرف سے جوابات:① یہ احادیث اخبارِآحاد ہیں اورنہی کی احادیث متواتر ہیں لہٰذا یہ احادیث منسوخ ہیں یا مکروہ اوقات کے ماسوا کے ساتھ مخصوص ہیں ②**اذاذکرھا** میں جوظرف ہے وہ ظرف موسع ہے عین تذکر کے وقت نماز پڑھنا ممکن ہی نہیں ہے ③ **اذاذکرھا** میں **اذا** ظرفیت کیلئے نہیں بلکہ **اذا** بمعنی اِنْ ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ اگر یاد آئے تو قضاء لازم ہے ورنہ نہیں۔

﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمدؒ) ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل.....**عن عثمان بن عبدالرحمن ان أباه اخبره انه سمع عمر بن الخطاب يتوضأ وضوء لماتحت ازاره ترجم الأثر ووضح مراده ۔ انكرحكم الاستنجاء بالماء عندالعلماء مع نكر الأدلة۔ انكر سبب ايراد مالك هذاالأثر۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) اثر کا ترجمہ (۲) اثر کی توضیح (۳) استنجاء بالماء کا حکم مع الدلائل (۴) اثرِ مذکور کو ذکر کرنے کی وجہ۔

جواب..... ① اثر کا ترجمہ:۔ حضرت عثمان بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کو اس بات کی خبر دی کہ انہوں نے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موضعِ استنجاء کی پانی سے طہارت حاصل کرتے تھے۔

② اثر کی توضیح:۔ اثر کا حاصل یہ ہے کہ اس میں **يتوضأ** بمعنی **يتطهر** ہے اور یہ استنجاء بالماء سے کنایہ ہے اور **لما تحت ازاره** موضعِ استنجاء سے کنایہ ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موضعِ استنجاء کی پانی سے طہارت حاصل کرتے تھے۔

③ استنجاء بالماء کا حکم مع الدلائل:۔ ابن حبیب مالکی، حضرت ابنِ عمر ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے متعلق منقول ہے کہ وہ استنجاء بالماء کے قائل نہ تھے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی استنجاء بالماء نہ کرتے تھے۔ جبکہ عندالجمہور استنجاء بالماء مسنون ہے اور احادیثِ مرفوعہ سے ثابت ہے۔ استنجاء بالماء کے مسنون ہونے کی پہلی دلیل: حدیثِ انس رضی اللہ عنہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا تھا اس نے پانی کا برتن بیری کے پاس رکھ دیا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے تو استنجاء بالماء کرکے آئے تھے معلوم ہوا کہ استنجاء بالماء مسنون ہے۔ دوسری دلیل: یہ کہ جب آیت کریمہ **فيه رجال يحبون ان يتطهروا**، اہلِ قباء کی تعریف میں نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کون سا عمل کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم استنجاء بالماء کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان پر کوئی رد وغیرہ نہ فرمایا۔

جو حضرات استنجاء بالماء کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ پانی مشروب ومطعوم ہے اور دوسری حدیث میں جنات کی خوراک یعنی ہڈی وگوبر سے استنجاء کرنے سے منع کیا گیا ہے تو انسانوں کی خوراک سے بطریقِ اولیٰ استنجاء ممنوع ہوا۔

جوابات:① جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء بالماء کا عمل ثابت ہے تو پھر محض مشروب ومطعوم ہونے کو علت قرار دیکر استنجاء بالماء کو مکروہ کہنا غیر معقول بات ہے ② باقی مطعوم ومشروب اشیاء کی الگ بات ہے پانی کا تو مقصدِ اصلی ہی طہارت ہے، کما قال اللہ **وانزلنا من السماء ماءً طهورًا** لہٰذا پانی کو دوسری مطعوم ومشروب چیزوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے (الدرالمنضود ۱:۱۴۸، درسِ ترمذی ۱:۲۱۷)

④ اثرِ مذکور کو ذکر کرنے کی وجہ:۔ اس اثر کو ذکر کرنے سے مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استنجاء بالماء کے قائل نہ تھے، اسی طرح مہاجرین بھی استنجاء بالماء نہ کرتے تھے تو اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استنجاء بالماء کرتے تھے۔ نیز وہ مہاجرین میں سے بھی تھے۔

الشق الثانی.....**عن نافع مولى عبدالله بن عمر: ان عمر بن الخطاب كتب الى عماله ان اهم امركم عندى الصلاة فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه ومن ضيعها فهو لما سواها اضيع ثم كتب ان صلوا الظهر اذا كان الفئ ذراعا الى ان يكون ظل احدكم مثله والعصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية قدر ما يسير الراكب فرسخين او ثلاثة قبل غروب الشمس والمغرب اذا غرب الشمس والعشاء اذا غاب الشفق الى ثلث الليل**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

فمن نام فلانامت عینه فمن نام فلا نامت عینه والصبح والنجوم بادیة مشتبکة۔

ترجم العبارة واذکر الاختلاف بین الأئمة فی انتهاء وقت المغرب بأدلتهم ۔(ص۴۱۔قدیمی)

جواب ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمّال کی طرف خط لکھا تھا کہ تمہارے امور میں سے سب سے اہم امر میرے نزدیک نماز ہے پس جو شخص اس کی حفاظت کرے گا اور اس پر محافظت کرے گا وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور جو شخص اس کو ضائع کرے گا وہ دیگر امور کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ پھر لکھا کہ تم نمازِ ظہر ادا کرو جب کہ سایہ ایک ذراع ہو یہاں تک کہ تمہارا سایہ ایک مثل ہوجائے اور عصر ادا کرو اس حال میں کہ سورج بلند ہو اور صاف واضح ہو سورج غروب ہونے سے اتنا پہلے کہ سوار آدمی دو یا تین فرسخ چل سکے اور مغرب ادا کرو جب سورج غروب ہوجائے اور عشاء ادا کرو جب شفق غائب ہونے سے ثلث لیل تک، پس جو شخص (اس نماز کے بغیر) سوجائے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں (تین مرتبہ) ارشاد فرمایا) اور فجر ادا کرو اس حال میں کہ ستارے واضح اور باہم خلط ہوں۔

② نمازِ مغرب کے انتہائی وقت میں اختلاف مع الدلائل:۔ مغرب کی نماز کے ابتدائی وقت میں جمہور کا اتفاق ہے کہ اس کا وقت غروبِ شمس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ البتہ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے؟

امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک غروب شمس کے بعد پانچ رکعات یا تین رکعات کا اندازہ مغرب کا وقت ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم ہے۔

امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: امامت جبرائیل کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں دنوں میں ایک ہی وقت کے اندر مغرب کی نماز پڑھائی اگر مروقت میں وسعت ہوتی تو الگ الگ وقت میں پڑھتے۔

جمہور کی پہلی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: **مالم یغب الشفق** کہ مغرب کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غروب نہ ہوجائے۔ دوسری دلیل: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **وصلی المغرب قبل این یغب الشفق**۔

امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل کے جوابات: ① یہ حدیث افضل وقت پر محمول ہے یا یوں کہو کہ اس سے مستحب وقت مراد ہے ② یہ حدیث مرجوح ہے اسکے مقابلے میں دوسری روایات راجح ہیں ③ یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر کردیا گیا۔

شفق سے کونسی شفق مراد ہے؟ جمہور حضرات کا آپس میں شفق کے بارے میں اختلاف ہوگیا کہ شفق سے شفق احمر مراد ہے یا شفق ابیض۔

امام مالک وامام شافعی کے نزدیک شفق سے شفق احمر مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ امام شافعی کے دلائل: ① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث **انه صلی اللہ علیہ وسلم قال لاشفق الا الحمرة** ۔ ② حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ وہ حضرات شفق سے حمرۃ مراد لیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل: ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ترمذی شریف میں کہ **آخر وقت المغرب حین یغیب الافق** ② ابوداؤد شریف میں **حین یسود الافق** کی صراحت موجود ہے اور افق سے سفیدی مراد ہے ③ معجم طبرانی میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے عشاء کی آذان دی جب بیاض النہار غائب ہوگئی تھی یہ روایت اسناد حسن کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ شفق سے مراد بیاض ہے حمرۃ نہیں۔ نیز شفق سے بیاض مراد ہونے میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے ہے۔ (خیر التوضیح جلد اوّل ص۴۸۲)

0313 6357913 maktabazakriyamultan@gmail.com

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والمؤطین﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (شرح معانی الآثار) ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل .....عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لایقرأ الجنب ولاالحائض القرآن۔ (ص۶۶۔ج۱۔رحمانیہ)

هل یجوز الذکر للمحدث ۔ ماهوالاختلاف فی حکم القرأة للجنب والحائض ۔ اذکر دلائل الائمة فی المسألتین۔

جواب ..... ① و ② محدث، جنبی اور حائضہ کے ذکر وتلاوت میں اختلاف:۔ اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں ① ابن المنذر، امام بخاری اور داؤد ظاہری کے نزدیک محدث، حائض اور جنبی کیلئے ہر حال میں تمام اذکار اور تلاوتِ قرآن کریم جائز ہے (درسِ ترمذی) ② حسن بصری، عکرمہ، مجاہد اور عطاء وغیرہ کے نزدیک خواہ حدثِ اصغر کی حالت ہو یا حدثِ اکبر کی حالت ہو بہر صورت سب کچھ ممنوع ہے، گویا انکے نزدیک ذکر وتلاوت وغیرہ ان میں سے کسی ایک کیلئے بھی جائز نہیں ہے ③ امام حمید اور اہلِ حدیث کے نزدیک سلام کے علاوہ بقیہ تمام اذکار یعنی سلام کا جواب دینا، دیگر اذکار اور تلاوتِ قرآن کریم کیلئے طہارت حاصل کرنا لازم ہے۔ البتہ سلام کا جواب دینے کیلئے پانی کے موجود ہونے کے باوجود تیمّم کفایت کر جائیگا کیونکہ وضوء کرتے کرتے سلام کرنے والے کا غائب ہونا ممکن ہے ایسی صورت میں سلام کا جواب فوت ہو جائیگا اور اسکی تلافی ممکن نہیں ہے ④ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک حدثِ اصغر و اکبر ہر حال میں سلام کرنا، جواب دینا اور دیگر تمام اذکار جائز ہیں البتہ حدثِ اکبر میں جنبی اور حائض کے لئے صرف تلاوتِ قرآن کریم ناجائز ہے البتہ حنفیہ کے نزدیک تلاوت کے ارادہ کے بغیر ٹکڑے ٹکڑے کر کے قرآن کریم پڑھنا بھی جائز ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۲۵۱)

③ فریقین کے دلائل:۔ مذہبِ اوّل کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے **کان رسول اللہ یذکر اللہ عزوجل علی کل احیانہ** کہ آپ ﷺ تمام اوقات میں ذکر اللہ کرتے تھے اور ذکر اللہ میں تعمیم ہے، تلاوت ہو یا ذکر ہو۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ذکر سے تلاوت کے ماسواء مراد ہے کیونکہ عرف میں تلاوت کو ذکر نہیں کہا جاتا۔

نیز **علی کل احیانہ** میں تعمیم نہیں ہے بلکہ حینِ طہارت مراد ہے یا حینِ حدثِ اصغر مراد ہے اور اس پر قرینہ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ ہے۔

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ قضائے حاجت کے بعد وضو کیلئے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا اور وضوء کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں بغیر طہارت کے ذکر اللہ کو مکروہ سمجھتا ہوں اسلئے جواب نہ دیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے وضوء کے بعد سلام کا جواب دیا، معلوم ہوا کہ بغیر طہارت ذکر اللہ وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں ہے۔

مذہب ثالث کی دلیل: حضرت ابنِ عباس، ابن عمر اور ابو الجہم رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں کہ آپ ﷺ نے سلام کا جواب جلدی سے تیمّم کر کے دیا تا کہ جواب فوت نہ ہو جائے۔ نیز جس طرح پانی کی موجودگی میں جنازہ اور عیدین کے فوت ہونے کے خوف سے تیمّم جائز ہے اسی طرح سلام کے جواب کیلئے بھی تیمّم جائز ہے کیونکہ اس کی بھی قضاء نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ بغیر طہارت ذکر اللہ جائز نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کا جواب فوت ہونے کے خوف سے جنازہ وعیدین کی طرح تیمّم جائز ہے۔

ان دونوں مذاہب کے دلائل کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ سب روایات آیتِ وضوء سے منسوخ ہیں جیسا کہ آیتِ وضوء کے شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قضاء حاجت کے بعد وضوء سے پہلے اور جنابت کے بعد غسل سے پہلے ہم سے کلام نہ کرتے تھے حتیٰ کہ آیتِ وضوء نازل ہوگئی کہ جب نماز کے لئے اٹھو تو پھر وضوء واجب ہے، معلوم ہوا کہ ذکر اللہ اور سلام کا جواب دینے کے لئے وضوء اور طہارت واجب نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بغیر وضوء کے تلاوت کرتے تھے گویا راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ یہ روایات منسوخ ہیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ اولویت پر محمول ہے کہ بہتر و اولیٰ یہ ہے کہ وضوء کرے ورنہ بغیر وضوء بھی ذکر وتلاوت جائز ہے۔

مذہب رابع یعنی ائمہ اربعہ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قضاء حاجت کے بعد وضوء سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ قضاءِ حاجت کے بعد وضو سے پہلے ہمیں قرآن کریم سکھلاتے تھے اور حالتِ جنابت کے علاوہ ہر حال میں قرآن کریم پڑھتے اور پڑھاتے تھے، معلوم ہوا کہ جنبی اور حائض کے لئے تلاوت جائز نہیں ہے ان کے علاوہ سب کے لئے ذکر وتلاوت وغیرہ سب کچھ جائز ہے۔ نیز کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کا مؤمن بندہ حالتِ طہارت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے پھر سونے سے بیدار ہو کر طہارت سے پہلے دنیا وآخرت کے امور میں اللہ تعالیٰ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا کریں گے اور اللہ سے مانگنا ذکر اللہ ہے، معلوم ہوا کہ حالتِ حدث میں ذکر اللہ جائز ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يكبّرُ لِلصَّلَاةِ قَائِمًا وَ قَاعِدًا فَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا رَكَعَ قَائِمًا وَ إِذَا صَلّٰى قَاعِدًا رَكَعَ قَاعِدًا ۔ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِعَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتّٰى اَسَنَّ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا حَتّٰى إِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِيْنَ آيَةً اَوْ اَرْبَعِيْنَ آيَةً ثُمَّ رَكَعَ ۔

شكّل الحديثين ثم ترجمهما۔ الحديث الثانی يعارض الحديث الاول فكيف دفع التعارض؟ هل يكره للرجل الذی يفتتح الصلاة قاعدا ان يركع قائما ام لا؟ ۔

جواب..... ① احادیث پر اعراب:۔ كما مر فی السوال آنفًا ۔

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر نماز شروع کیا کرتے تھے، پس جب کھڑے ہوکر نماز شروع کرتے تو رکوع بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ہی کرتے اور جب بیٹھ کر نماز شروع کرتے تو رکوع بھی بیٹھنے کی حالت میں ہی کرتے۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُنہیں خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو عمر رسیدہ ہونے تک رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، پس (بڑھاپہ کی حالت میں) بیٹھ کر قرائت کرتے تھے حتی کہ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہوجاتے اور تیس چالیس آیات کی بقدر تلاوت کرتے پھر رکوع کرتے۔

③ احادیث سے رفعِ تعارض:۔ آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی تین حالتیں تھیں: ① صحت وتندرستی کی حالت، اس میں آپ ﷺ کھڑے ہوکر نماز شروع کرتے اور رکوع بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ہی کرتے تھے ② مرض کی حالت، اس میں آپ ﷺ بیٹھ کر نماز شروع کرتے اور رکوع بھی بیٹھنے کی حالت میں ہی کرتے تھے ③ بُڑھاپہ وضعف، اس مین آپ ﷺ بیٹھ کر نماز شروع کرتے تھے اور قرائت کرتے تھے، حتی کہ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہوجاتے اور تیس چالیس آیات کی بقدر تلاوت کرکے رکوع کیا کرتے تھے۔ پس ان حالتوں میں غور کرنے سے تمام تعارض رفع ہوجاتے ہیں۔ (ایضاح الطحاوی)

④ قاعدا نماز شروع کرنے کی صورت میں قائما رکوع کرنے کا حکم:۔ محمد بن سیرین، اشہب مالکی اور بعض اصحابِ ظواہر کے نزدیک اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز شروع کرے تو بوقتِ رکوع کھڑے ہوکر رکوع کرنا مکروہ تحریمی ہے اور دلیل سوال میں موجود پہلی حدیث ہے کہ آپ ﷺ جس حال میں نماز شروع کرتے تھے اُسی حالت میں رکوع کرتے تھے۔

حسن بصری، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز شروع کرے تو بوقتِ رکوع کھڑے ہوکر رکوع کرنا جائز ہے اور دلیل سوال میں موجود دوسری حدیث ہے کہ آپ ﷺ جب بیٹھ کر نماز شروع کرتے تو بوقتِ رکوع کھڑے ہوکر کچھ تلاوت کے بعد رکوع کیا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ عمل جائز ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل.....وحدثنی مالك عن زيد بن أسلم أن تفسير هذه الآية: "يأيها الذين آمنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم الى المرافق وامسحوابرء وسكم وأرجلكم الى الكعبين" أن ذلك اذاقمتم من المضاجع يعنى النوم، قال يحيى: قال مالك: الأمر عندنا أنه لايتوضأ من رعاف ولا من دم ولا من قيح يسيل من الجسد، ولايتوضأ الامن حدث يخرج من ذكر أودبر أونوم۔ (ص۱۵۔نور محمد)

ترجم العبارة المذكورة ترجمة دقيقة واضحة ۔ اذكر اختلاف العلماء فی معنى الآية ۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیتِ وضو یا ایها الذين آمنوا اذاقمتم الى الصلوٰة الخ کی تفسیر یہ ہے کہ جب تم آرام گاہ یعنی نیند سے اٹھو، یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ رعاف دم اور قیح (جو جسم سے نکلے) کی وجہ سے وضو لازم نہیں ہے اور نہ وضو کیا جائے مگر صرف اس حدث کی وجہ سے جو نکلے

ذکر یا دبر سے یا نیند کی وجہ سے۔

② آیت کے معنی میں اختلاف:۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا ظاہری معنی یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو نماز کیلئے کھڑا ہو اس پر وضو کرنا واجب ہے اگر چہ وہ محدث نہ ہو۔ عندالجمہور محدث پر وضو واجب ہے۔ امام بیضاویؒ کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے اور اسکے متعدد جوابات ہیں: ① آیت میں مطلق قیام کا ذکر ہے مگر مراد قیام المحدثین ہے یعنی جب تم میں سے محدث لوگ نماز کیلئے اٹھیں تو وہ وضو کریں ② فاغسلوا کا امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے ③ اولاً یہی حکم تھا پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اب صرف محدث کیلئے یہ حکم ہے۔ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں آیت میں محدثین کا لفظ محذوف ہے ای اذاقمتم الی الصلوٰۃ محدثین جب تم محدث ہونے کی حالت میں نماز کیلئے اٹھو تو وضو کرو ④ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف نہیں یہ حکم اپنے عموم پر ہے البتہ محدث کیلئے یہ حکم وجوبی اور غیر کیلئے استحبابی ہے ⑤ بعض حضرات کے نزدیک یہ حکم اولاً وجوبی تھا، اب استحبابی ہے۔ (تلخیص تفسیر مظہری ۳:۲۵۷)

الشق الثانی.....**عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب أنه سمعه ورجل یسأله، فقال: انی لأجد البلل وأنا أصلی أفأنصرف؟ فقال له سعید، لوسال علی فخذی ماانصرفت حتی أقضی صلاتی۔ ماهوحکم خروج المذی عندالعلماء هل یجب بذلك غسل الذکر کله أم غسل ماأصابه المذی أم غیر ذلك؟ ترجم الأثر المذکور بالأردیة واشرحه شرحًا وافیًا واضحًا۔** (ص۲۹۔نور محمد)

جواب..... ① خروجِ مذی کا حکم:۔ امام ابوحنیفہ وامام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک موضعِ نجاست کو دھویا جائے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ مذی کی وجہ سے آلۂ تناسل کے ساتھ خصیوں کو بھی دھویا جائے گا۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ پورے آلۂ تناسل کو دھویا جائے۔ (الدرالمنضود ج۱ ص۳۴۰)

② اثر کا ترجمہ:۔ حضرت یحییٰ بن سعید، سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا اس حال میں کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ بے شک میں نماز پڑھنے کی حالت میں تَرِی محسوس کرتا ہوں تو کیا میں لوٹ جاؤں؟ (وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھوں؟) تو سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ اگر وہ میری ران پر بہہ پڑے تو بھی میں نہیں لوٹوں گا حتی کہ میں اپنی نماز پوری کروں۔

③ اثر کی تشریح:۔ ترجمہ سے تشریح واضح ہے کہ حضرت سعید بن مسیّب کے نزدیک مذی ناقضِ طہارت نہیں ہے اگر چہ بہہ پڑے اور صحتِ صلوٰۃ سے بھی مانع نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس اثر کو مسلسل مذی پر محمول کیا ہے یعنی یہ اس شخص کے متعلق ہے جسے ہر وقت مذی کے قطرات آتے رہتے ہوں اور انکا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کو مسلسل بول، مسلسل منی یا مسلسل مذی کا مرض ہو تو یہ اس کے لئے ناقضِ طہارت نہیں ہے مگر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ناقضِ وضو ہے۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو مرض ہو وہ ہر نماز کیلئے طہارت حاصل کریگا اور امام ابوحنیفہ وحنابلہ رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ مریض شخص ہر نماز کے وقت کیلئے طہارت حاصل کرے گا اور اس وقت میں جتنی مرضی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

0313 635 0913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمدؒ) ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل.....**عن ابن عمر ان رسول اللّٰه ﷺ قال اذا اتی احدکم الجمعة فلیغتسل۔** (ص۷۲۔قدیمی)

هل غسل یوم الجمعة لیوم الجمعة ام لصلاة الجمعة وما هی ثمرة الاختلاف فی هذا الامر۔

جواب..... غسل کے یوم جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کیلئے ہونے میں اختلاف اور ثمرۂ اختلاف:۔ جمہور علماء ائمہ اربعہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک غسل نمازِ جمعہ کے لئے ہے، امام محمد، حسن بن زیاد اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک غسل یومِ جمعہ کے لئے ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ غسل للصلوٰۃ ہے۔ فرق اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ فریقِ اول کے نزدیک جس شخص پر جمعہ نہیں ہے اس پر غسل بھی نہیں ہے اور فریقِ ثانی کے نزدیک غسل کا حکم سب کیلئے ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حدیث **حق علی کل مسلم ان یغتسل الخ** کا تقاضا عموم ہے اور دوسری حدیث **اذا**

اتی احدکم الجمعة فلیغتسل کا تقاضا خصوصیت ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث اور اقوالِ ائمہ سے تین غسل ثابت ہیں:

① ہر ہفتہ میں صفائی کیلئے غسل کرنا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے حق اللّٰہ علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے علی کل رجل مسلم فی کل سبعة ایام غسل یوم ھو یوم الجمعة یہ غسل ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ہے۔ ② یوم جمعہ کیلئے غسل کرنا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے من اغتسل یوم الجمعة فی طھارة الی الجمعة الاخری۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم۔ ③ نمازِ جمعہ کے لئے غسل کرنا، اسی غسل کے وجوب اور سنیت میں ائمہ کا اختلاف ہے حضرت ابنِ عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی مرفوع حدیث ہے من اتی الجمعة فلیغتسل۔

الغرض جو شخص نمازِ جمعہ کے متصل غسل کرے اور تینوں غسلوں کی نیت کرے تو اس کو تینوں غسلوں کا ثواب مل جائیگا (الدر المنضود ۱:۴۴۳)

الشق الثانی.....عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِیْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ مَوْلَاةٍ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ اِلٰى عَائِشَةَ بِالدَّرْجَةِ فِيْهَا الْكُرْسُفُ فِيْهِ الصُّفْرَةُ مِنَ الْحَيْضِ، فَتَقُوْلُ: لَاتَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضِ۔ (ص۸۱۔قدیمی) شکل الحدیث۔ ترجمہ ترجمة سلسة۔ اذکر الوان الحیض المعتبرة عندالعلماء۔ اذکر ھل یعتبر التمییز باللون ام لا، اکتب جمیع ذلك بالدلائل

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حیض کے الوانِ معتبرہ (۴) تمییز بالالوان کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں وہ فرماتی ہیں کہ عورتیں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ڈبیہ بھیجا کرتی تھیں جس میں کرسف ہوتا تھا اس میں دم حیض کی زردی ہوتی تھی اور وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نماز کے متعلق سوال کرتی تھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے فرماتی کہ جلدی نہ کریں، حتی کہ وہ بالکل سفیدی نہ دیکھ لیں اور وہ اس سے حیض سے پاک ہونا مراد لیتی تھیں۔

③ حیض کے الوانِ معتبرہ:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حیض کے چھ رنگ ہیں، سواد، حمرة، صفرة، خضرة، کدرة، تربیة (سیاہ، سرخ، زرد، سبز، گدلا، مٹیالا)۔

④ تمییز بالالوان کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ حنفیہ اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک رنگ کے ذریعہ تمییز معتبر نہیں ہے بلکہ صرف عادت کا اعتبار ہے۔ امام مالک کے نزدیک صرف تمییز معتبر ہے۔ امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تنہا تنہا دونوں کا اعتبار ہے البتہ اگر کسی عورت میں یہ دونوں باتیں جمع ہوجائیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رنگ معتبر ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عادت معتبر ہے۔ الغرض ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رنگ معتبر ہے اور حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حنفیہ کے دلائل: ① آیت کریمہ ہے قل ھو اذًی اس میں حیض کے ہر رنگ کے خون پر اذًی کا لفظ بولا گیا ہے ② بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لفاطمة بنت ابی حبیش دعی الصلٰوة قدر الایام التی کنت تحیضین فیھا اس میں ایام کے ساتھ اندازے کا حکم ہے کوئی رنگ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے ③ سوال میں مذکور حدیث ہے کہ سفیدی کے دیکھنے تک جلدی نہ کریں معلوم ہوا کہ سفیدی کے علاوہ ہر رنگ کا خون حیض ہوسکتا ہے ④ یہ کہ نفاس حیض کا ہی بقیہ ہے اور نفاس میں بالاتفاق رنگ معتبر نہیں ہے اور حیض ونفاس بقیہ احکام میں برابر ہیں لہٰذا اس حکم میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور نفاس کی طرح حیض میں بھی رنگ معتبر نہیں ہونا چاہیے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: ابوداؤد میں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **انها كانت تستحاض فقال لها النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا كان دم الحيض فانه دم اسود يعرف فاذا كان ذلك فامسكی عن الصلوٰة۔**

حنفیہ کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد نے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسکی سند میں اضطراب ہے، ابوحاتم نے اس کو منکر، ابن القطان نے منقطع کہا ہے لہٰذا مذکورہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں یہ حجت نہیں ہے۔ (درسِ ترمذی ۱:۳۶۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حال وحی سے معلوم ہوگیا ہوگا، تو یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت پر محمول ہے۔

دوسری دلیل: اقبال وادبار والی احادیث کثیرہ ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث ہے **فاذا اقبلت الحيضة فاتركی الصلوٰة**

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اقبال وادبار والی احادیث میں رنگ وعادت دونوں کا احتمال ہے مگر مراد عادت ہے کیونکہ دوسری جگہ **ولكن دعی الصلوٰة قدر الايام التی كنت تحيضين فيها** کے الفاظ ہیں لہٰذا ان روایات سے استدلال درست نہیں ہے۔

نیز حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک بھی معتادہ تھیں مگر ان کی حدیث میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ تمییز بالالوان معتبر نہیں ہے۔

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والمؤطين﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (شرح معانی الآثار) ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ كَانَ نَازِلًا عَلٰى عَائِشَةَ فَاحْتَلَمَ فَرَاَتْهُ جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ وَ هُوَ يَغْسِلُ اَثَرَ الْجَنَابَةِ مِنْ ثَوْبِهٖ اَوْ يَغْسِلُ ثَوْبَهٗ فَاَخْبَرَتْ بِذٰلِكَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ لَقَدْ رَاَيْتُنِیْ وَ مَا اَزِيْدُ عَلٰى اَنْ اَفْرُكَهٗ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَهَبَ ذَاهِبُوْنَ اِلٰى اَنَّ الْمَنِیَّ طَاهِرٌ وَ اَنَّهٗ لَا يُفْسِدُ الْمَاءَ وَاِنْ وَقَعَ فِيْهِ وَاَنَّ حُكْمَهٗ فِیْ ذٰلِكَ حُكْمُ النُّخَامَةِ.....وَ خَالَفَهُمْ فِیْ ذٰلِكَ آخَرُوْنَ فَقَالُوْا بَلْ هُوَ نَجَسٌ۔ (۱:۳۹۔رحمانیہ)

شكّل الحديث ثم ترجمه۔المنی طاهر ام نجس؟ اسرد دلائل الفريقين ۔ هل يصح قول القائلين بالنجاسة ان الآثار انما جاء ت فی نكر ثياب ينام فيها ولم تات فی ثياب يصلی فيها مع ان عائشة قالت: كنت افرك المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يابسًا باصابعی ثم يصلی فيه ولا يغسله ۔ انكر نظرالطحاویؒ فی هذه المسئلة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) منی کی طہارت ونجاست کا حکم مع دلائل (۴) قائلینِ نجاست کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کا جواب (۵) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مر فی السوال آنفًا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ ہمام بن حارث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہر گئے تو اتفاق سے ان کو احتلام ہوگیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے اُنہیں اپنے کپڑے سے منی کے اثرات کو دھوتے ہوئے دیکھ لیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو سمجھتی ہوں یعنی مجھے یاد ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔ پس کچھ حضرات اسی کی طرف گئے ہیں کہ منی پاک ہے اور وہ پانی کو خراب وناپاک نہیں کرتی اگرچہ وہ پانی میں گر جائے اور اس کا حکم ناک کے رینٹ کی مثل ہے اور دیگر حضرات نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ منی نجس ہے۔

③ منی کی طہارت ونجاست کا حکم:۔ شافعیہ، حنابلہ، اسحٰق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے، یہی لوگ کتاب کے اندر **فذهب ذاهبون الى ان المنی طاهر** کے مصداق ہیں۔ نیز ان کے نزدیک منی ناک کے رینٹ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا ماء قلیل میں منی گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

حنفیہ، مالکیہ، امام اوزاعی، لیث بن سعد اور حسن بن صالح رحمہم اللہ کے نزدیک منی ناپاک ہے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر **وخالفهم**

0343 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

فی ذلك آخرون کے مصداق ہیں،لیکن ان کے درمیان تفصیل یوں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تر منی کا دھونا واجب ہے اور خشک منی کا کھرچ دینا کافی ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خشک وتر ہر طرح کی منی کو پانی سے دھونا واجب ہے البتہ چھینٹا مارنا بھی کافی ہے اور امام لیث بن سعد کے نزدیک منی ناپاک تو ہے لیکن اگر اسکے ساتھ نماز پڑھ لی تو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔اور امام حسن ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کپڑے میں منی لگی ہے تو اعادہ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بدن میں لگی ہے تو اعادہ صلوٰۃ ضروری ہے۔

شافعیہ وحنابلہ رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث الباب ہے۔

ہمام بن حارث رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہر گئے تو اتفاق سے ان کو احتلام ہو گیا،انہوں نے صبح اٹھ کر اپنے کپڑے سے منی کے اثرات کو دھونا شروع کر دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو سمجھتی ہوں یعنی مجھے یاد ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔تو اس حدیث شریف کے مضمون سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ منی کو کھرچ دینے کی صورت میں کپڑے کے ریشوں کے اندر لازمی طور پر منی کا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اگر منی ناپاک ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کپڑے کو کھرچنے کی بجائے ضرور دھو دیتیں اور کھرچنا کافی نہ سمجھتیں۔لہٰذا کہنا پڑے گا کہ منی پاک ہے،ناپاک نہیں ہے اور کپڑے کے اوپر سے منی کے ظاہری اثرات کو طبعی نفرت کی بناء پر کھرچ دیا جاتا ہے نہ کہ ناپاک ہونے کی بناء پر۔

حنفیہ ومالکیہ کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ فرک (کھرچنا) مسلّم ہے مگر منی کی طہارت مسلم نہیں ہے اسلئے کہ اگر منی پاک ہوتی تو اس کو کھرچنے کی ہی ضرورت نہ تھی،پس کھرچنا دلیلِ طہارت نہیں ہے بلکہ منی سے طہارت کا ایک طریقہ ہے،مثلاً جوتے پر پالیدی لگ جائے تو رگڑنے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ پالیدی نجاست ہی نہیں ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ اس پالیدی کو زائل کرنے کا ایک طریقہ رگڑنا ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ کپڑے پہن کر نماز کیلئے تشریف لے جاتے تھے،معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے اسی لئے تو اس کو کپڑے سے دھویا جاتا تھا۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نیند والے کپڑوں میں نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت ان میں نماز پڑھتے تھے جب ان پر نجاست نہ لگی ہوتی تھی،معلوم ہوا کہ منی نجاست ہے کیونکہ انہوں نے منی کو اذی (نجاست) سے تعبیر کیا ہے۔

③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے لحافوں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ایسے لحافوں میں عام طور پر منی کا دھبہ لگ جایا کرتا ہے اور منی چونکہ ناپاک ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے۔

④ قائلینِ نجاست کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کا جواب:۔ حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شافعیہ کی دلیل نہیں بلکہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تطہیرِ نجاست کے متعدد طریقے ہیں،دھونا،رگڑنا،مَل ڈالنا،خشک ہو جانا اور کھرچنا،معلوم ہوا کہ کھرچنا بھی طہارت کا ایک طریقہ ہے پس جب منی خشک ہو جائے تو اس میں رگڑنا اور کھرچنا کافی ہے لہٰذا یہ کھرچنا منی کی نجاست پر دال ہے جیسا کہ دھونا منی کی نجاست پر دال ہے۔(ایضاح الطحاوی ج ا ص ۱۷۷)

⑤ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابہ کے درمیان مذکورہ اختلاف واقع ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی قولی مرفوع روایت کسی ایک جانب پر دلالت کرنے والی صراحت سے وارد نہیں ہوئی ہے تو ہمیں نظر وفکر سے کام لینے کی ضرورت پیش آئی ہے تو ہم نے دیکھا کہ ہر وہ چیز جس کا خروج حدث بنتا ہے وہ چیز فی نفسہٖ پاک ہے یا ناپاک،تو ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ خروجِ غائط،خروجِ بول،خروج دمِ حیض،خروجِ دمِ استحاضہ،خروجِ دمِ مسفوح،سب حدث ہیں اور یہ سب چیزیں فی نفسہٖ نجاست غلیظہ ہے اور خروجِ منی بھی بالاتفاق حدث ہے بلکہ اکبر احداث ہے اس لئے منی کی وجہ سے بدن کے ایک ایک بال کو دھونے

0343-6537913 maktabazakariyasultan@gmail.com

کی ضرورت ہوتی ہے۔لہٰذا نفسِ منی کو بھی غلیظ ترین نجس ہونا چاہیے۔البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ دفع مشقت کیلئے منی سے طہارت حاصل کرنے کیلئے کھرچ دینے کو کافی قرار دیا گیا ہے، یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔(ایضاً)

الشق الثانی.....**عن سلیمان بن بریدة عن أبیه أن النبی ﷺ کان یتوضأ لکل صلاة، فلما کان الفتح صلی الصلوات بوضوء واحد.** (ص۳۴۔ج۱۔رحمانیہ) **اذکر اختلاف العلماء فی الوضوء هل یجب لکل صلاة أم یجوز أداء الصلوات بوضوء واحد؟ اذکر أدلة العلماء۔ اشرح النظر الطحاوی۔**

جواب..... ① ہر نماز کیلئے وضو واجب ہونے کا حکم:۔ ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمازی کل دو قسموں پر ہیں ① مقیم نمازی ② مسافر نمازی۔تو مسافر نمازی کے اوپر ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا واجب نہ ہونے کے سلسلے میں سب کا اتفاق ہے لیکن اختلاف مقیم نمازی کے سلسلے میں ہے۔ اہل تشیع اور اصحابِ ظواہر کے نزدیک مقیم پر ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب ہے، یہی لوگ کتاب میں **فذهب قوم الی ان الحاضرین الخ** کے مصداق ہیں۔ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک مقیم ومسافر دونوں پر ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب نہیں بلکہ پہلے وضو سے کوئی تقرب حاصل کرنے کے بعد دوسری نماز کیلئے نیا وضو کرنا حصولِ فضیلت اور استحباب کے طور پر ہے۔یہی لوگ کتاب میں **وخالفهم فی ذالك اکثر العلماء** کے مصداق ہیں۔

② ائمہ کے دلائل:۔ اہلِ تشیع واہل ظواہر کی پہلی دلیل: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو شروع باب میں تین سندوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے نیا وضو فرمایا کرتے تھے اور جب فتح مکہ کا سفر فرمایا تو اس سفر کے موقع پر فتح مکہ کے دن ایک وضو سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سوال فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنے معمول کے خلاف عمل کیوں فرمایا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو اس حدیث شریف سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ حالتِ اقامت میں ہر نماز کیلئے نیا وضو فرمایا کرتے تھے اور حالتِ سفر میں ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا فرمایا کرتے تھے لہٰذا کہنا پڑے گا کہ مقیم پر ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب ہے۔ دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے **یاایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم الایة** کے اندر صاف طور پر فرمادیا ہے کہ جب بھی تم نماز کے لئے تیار ہو جاؤ تو پہلے وضو کرلو تو اس آیت کریمہ سے ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے۔

جمہور کے دلائل: ① حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دعوت میں ایک ہی وضو سے ظہر وعصر کی نماز ادا کی اور ایک وضو سے ظہر اور عصر دونوں نمازوں کا ادا فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر نماز کیلئے وضوء جدید کرنا واجب نہیں اور یقیناً یہ بات ممکن ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو ہر نماز کیلئے وضو کرنا ثابت ہے وہ طلبِ فضیلت پر موقوف ہے نہ کہ وجوب پر۔ ② حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کیلئے نیا وضو فرمایا کرتے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ایک وضو سے مختلف نمازیں ادا کرتے تھے۔ ③ ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا شروع اسلام میں واجب تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔لیکن اس وجوب کے منسوخ ہونے پر کوئی نقلی دلیل ہونی چاہیے تو ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ کوئی روایت اس حکم کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ تو ہم کو حضرت عبداللہ ابن حنظلہ ابن ابی عامر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مل گئی کہ حضور ﷺ کو ہر نماز کیلئے وضو کا حکم کیا گیا تھا چاہے طہارت کی حالت میں ہوں یا نہ ہوں۔ پھر جب ہر نماز کیلئے وضو کرنا دشوار ہو گیا تو ہر نماز کیلئے مسواک کا حکم کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر نماز کیلئے وضو کرنے پر قدرت رکھتے تھے اسلئے وہ نئے وضو کو نہیں چھوڑتے تھے تو اس حدیث شریف کے اندر بالکل واضح ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو کا حکم پہلے تھا پھر وہ منسوخ ہو چکا۔لہٰذا ایک وضو سے جتنی چاہیں نمازیں ادا کر سکتے ہیں جب تک کہ حدث لاحق نہ ہو جائے۔ ④ مسواک کا حکم ہر نماز کے وقت حضور ﷺ پر بطور وجوب کے تھا اور صحابہ پر یہ حکم واجب نہیں ہوا۔تو معلوم ہوتا ہے کہ جب مسواک صحابہ پر واجب نہیں تھی تو مسواک سے پہلے ہر نماز کیلئے وضو بھی صحابہ پر واجب نہیں تھا بلکہ ایک وضو سے جتنی نمازیں چاہیں پڑھ سکتے تھے۔اور جب مسواک کرنا حضور ﷺ پر واجب تھا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم مسواک سے پہلے ہر نماز کیلئے وضو کرنا بھی واجب تھا لہٰذا ہر نماز کیلئے وضو کرنے

03136337913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کا وجوب اور بعد میں مسواک کا وجوب دونوں حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھے، صحابہ اور امتی اس حکم وجوبی سے مستثنیٰ ہیں۔

اہل تشیع واصحابِ ظواہر کی پہلی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہر نماز کیلئے وضو کا وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اگر ہر نماز کیلئے وضو واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حالتِ اقامت میں دعوت کے موقع پر ظہر کے وضو سے عصر کی نماز ادا نہ کرتے۔ دوسری دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آیت کریمہ سے ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ وضو کے آخر میں **ولٰکن یرید لیطھرکم** کے ذریعے سببِ وضو کو بیان کیا ہے کہ وضو وغیرہ کے ذریعے تمہیں حرج میں ڈالنا مقصود نہیں بلکہ حصولِ طہارت مقصود ہے اور جب کہ پہلے سے وضو کی وجہ سے طہارت حاصل ہے تو نیا وضو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا آیتِ کریمہ سے تجدیدِ وضو کا حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۱۵۸)

③ نظرِ طحاوی کی تشریح:۔ پہلی نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ جن حدثوں کی وجہ سے طہارت واجب ہوتی ہے انکو ہم نے جستجو کر کے دیکھا کہ وہ دو قسموں پر ہیں: ① حدثِ اکبر: جیسا کہ جنابت اور احتلام وغیرہ ② حدثِ اصغر: جیسا کہ پیشاب، پاخانہ، خروجِ ریح وغیرہ اور یہ احداث جن طہارتوں کو واجب ہوتے ہیں وہ بھی دو قسموں میں ہیں: ① طہارتِ اکبر: جیسا کہ غسل ② طہارتِ اصغر: جیسا کہ وضو۔ تو طہارت اکبر کا ازالہ حدث اکبر ہی سے ہوسکتا ہے یعنی غسل سے جو طہارت حاصل ہوتی ہے اس طہارت کو جنابت واحتلام ہی زائل کرسکتا ہے، مرورِ اوقات اس کو زائل نہیں کرسکتے۔ اسی طرح طہارت اصغر کا ازالہ بھی حدثِ اصغر ہی کرسکتا ہے یعنی وضوء سے جو طہارت حاصل ہوتی ہے اس کو پیشاب، پاخانہ اور خروجِ ریح وغیرہ زائل کرسکتے ہیں، مرورِ اوقات اس کو زائل نہیں کرسکتا، لہٰذا ایک وضو سے جو طہارت حاصل ہوئی ہے اس سے اس وقت تک نماز ادا کی جاسکتی ہے جب تک کہ وضو کو زائل کرنے والا حدث نہ لاحق ہوجائے لہٰذا ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا لازم نہ ہوگا۔

دوسری نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ مسافر کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ ایک وضو سے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے جب تک کہ حدث لاحق نہ ہوجائے لیکن اختلاف مقیم کے بارے میں ہے کہ مقیم کے اوپر ہر نماز میں وضو کرنا لازم ہے یا نہیں؟ تو ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ جن حدثوں کی وجہ سے مقیم کے اوپر طہارت لازم ہوتی ہے انہیں حدثوں کی وجہ سے مسافر کے اوپر بھی طہارت لازم ہوتی ہے اور جو جو حدث مقیم کی طہارت کو ختم کردیتے ہیں وہی مسافر کی طہارت کو بھی ختم کردیتے ہیں جیسا کہ جماع، احتلام، بول وبراز وغیرہ اور جس طرح ان حدثوں کی وجہ سے مقیم پر نئی طہارت لازم ہوتی ہے اسی طرح مسافر کے اوپر بھی نئی طہارت لازم ہوتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ باب ازالۂ طہات اور حصولِ طہارت میں مقیم ومسافر کا حکم یکساں ہے لہٰذا جب خروج وقت مسافر کی طہارت کیلئے ناقض نہیں ہے تو مقیم کی طہارت کیلئے بھی ناقض نہ ہونا چاہیے۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۱۶۵)

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل..... **مالك عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب انصرف من صلاة العصر، فلقى رجلا لم يشهد العصر، فقال: ماجسك عن صلاة العصر؟ فذكر له الرجل عذرًا، فقال له عمر: طففت، قال مالك: ويقال لكل شيئ وفاء وتطفيف۔ مالك عن يحيى بن سعيد أنه كان يقول: ان المصلى ليصلى الصلاة ومافاته وقتها، ولما فاته من وقتها أعظم وأفضل من أهله وماله۔**

ترجم الأثرين المذكورين واذكر معنى "التطفيف" لغويا۔ اشرح اثر يحيى بن سعيد شرحًا واضحًا

جواب..... ① آثار کا ترجمہ:۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نمازِ عصر سے لوٹے اور ایک آدمی سے ملے جو نمازِ عصر میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تجھے نمازِ عصر سے کس چیز نے روکا؟ اس آدمی نے اپنا عذر بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اجر کو کم کردیا۔ امام مالک، یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ نمازی اس حال میں نماز پڑھتا ہے کہ نماز کا وقت فوت نہیں ہوتا اور نماز کا جو وقت فوت ہوگیا وہ (اجر کے اعتبار سے) اس کے اہل ومال سے اعظم وافضل ہے۔

② تطفیف کا لغوی معنی:۔ یہ باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی کم کرنا، مطلب یہ ہے کہ تیرے نفس نے اپنا اجر ضائع وکم کردیا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے اثر کی تشریح:۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ وقتِ استحباب کے بعد نمازی آدمی وقت کے اندر جب بھی نماز پڑھے گا وہ درست ہے اس کا وقتِ جواز ختم نہیں ہوا، البتہ اس کا جو وقتِ استحباب فوت ہوگیا ہے وہ اجر وفضیلت کے اعتبار سے اسکے اہل ومال سے افضل واعلیٰ ہے یعنی وقتِ استحباب میں نماز پڑھنا انتہائی اجر وفضیلت کا باعث ہے۔

الشق الثانی.....مالك عن عمه ابی سهيل بن مالك عن ابيه أنه قال: كنت ارى طنفسة لعقيل بن أبی طالب يوم الجمعة تطرح الى جدار المسجد الغربی، فاذا غشی الطنفسة كلها ظل الجدار خرج عمر بن الخطاب فصلی الجمعة، قال: ثم نرجع بعد صلاة الجمعة، فنقيل قائلة الضحاء۔

اشرح كلمة "طنفسة" و"قائلة" و"الضحاء" لغويًا۔ اشرح الأثر المذكور واذكر من الذی يستدل به؟ وماهو الجواب عنه عند من لايقول به؟ (ص۶۔نورمحمد)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) طنفسة، قائلة، ضحاء کی لغوی تشریح (۲) اثر کی تشریح (۳) مستدلین کی تعیین وجواب۔

جواب..... ① طنفسة، قائلة، ضحاء کی لغوی تشریح:۔ "طَنْفَسَةٌ" یہ مفرد ہے اس کی جمع طَنَافِسُ ہے بمعنی فرش، چٹائی، کپڑا۔ "قَائِلَةٌ" یہ باب ضرب کا مصدر ہے بمعنی قیلولہ کرنا، دوپہر کو سونا۔ "ضَحَاءٌ" بمعنی چاشت کا وقت۔

② اثر کی تشریح:۔ اثر کا حاصل یہ ہے کہ ابو سہیل بن مالک اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی چٹائی کو دیکھا کرتا تھا جسے وہ مغربی مسجد کی دیوار کی طرف بچھایا کرتے تھے۔ جب سورج ڈھل جاتا اور دیوار کا سایہ اچھی طرح چٹائی کو ڈھانپ لیتا تھا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لاتے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے، اس کے بعد ہم واپس اپنے گھروں کو لوٹتے تھے اور کھانا وغیرہ کھا کر قیلولہ کرتے تھے یعنی نمازِ جمعہ کی ادائیگی زوال کے بعد ہوتی تھی۔

③ مستدلین کی تعیین وجواب:۔ اس اثر میں موجود لفظ **ثم نرجع بعد صلوٰة الجمعة فنقيل قائلة الضحاء** سے حنابلہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا جمعہ قیلولہ سے مقدم ہوتا تھا۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں جمعہ کی تقدیم کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ قیلولہ کی تاخیر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد والا آرام باقی ایام میں زوال سے پہلے والے آرام کے قائم مقام ہوتا تھا اس وجہ سے اس کو قیلولہ سے تعبیر کردیا۔ اس تاخیرِ قیلولہ بعد الزوال پر قرینہ خود روایت کے الفاظ ہیں کہ جب سورج مغربی جانب ڈھل جاتا تھا اور سایہ چٹائی پر چھا جاتا تھا یعنی زوال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔

﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمدؒ) ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل.....حدثنا يزيد بن عبدالله بن قسيط أنه رأى سعيد بن المسيب رعف وهو يصلی، فأتی حجرة أم سلمة زوج النبی ﷺ فأتی بوضوء فتوضأ ثم رجع فبنی علی ماقدصلی۔ (ص۶۲۔قدیمی)

اذكر اختلاف العلماء مع أدلتهم علی مسألة البناء۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب.....مسئلۂ بناء میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کسی شخص کو نماز کے اندر حدث پیش آ گیا یعنی غیر اختیاری حدث پیش آیا جسکو حدثِ سماوی کہا جاسکتا ہے تو ایسی صورت میں فی الفور بلا کسی توقف کے پھر جائے۔ فی الفور نماز سے پھر جانے کا حکم اسلئے دیا ہے کہ حدث کے بعد اگر ایک ساعت ٹھہرا رہا تو یہ شخص نماز کا ایک جزء حدث کیساتھ ادا کرنیوالا ہوگا اور حدث کیساتھ نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

اور قیاس یہ ہے کہ از سر نو نماز پڑھے۔ یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ حدث نماز کے منافی ہے کیونکہ نماز طہارت کو مستلزم ہے اور حدث طہارت کے منافی ہے اور لازم کا منافی ملزوم کے منافی ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدث طہارت کے واسطے سے نماز کا منافی ہے اور قاعدہ ہے کہ شئے اپنے منافی کے ساتھ باقی نہیں رہتی لہٰذا نماز حدث کیساتھ باقی نہیں رہے گی اور جب حدث کیساتھ نماز باقی نہیں رہی تو از سر نو پڑھنا واجب اور لازم ہوگا۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ بناء کرنے کی صورت میں نماز کے دوران وضو کیلئے چلنا اور قبلہ سے منحرف ہونا لازم آتا ہے اور یہ دونوں فعل نماز کو فاسد کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز نماز کو فاسد کردے نماز اسکے ساتھ باقی نہیں رہتی، جیسا کہ حدث عمد کے ساتھ نماز باقی نہیں رہتی۔ پس ثابت ہوا کہ مشی اور انحراف عن القبلہ کے ساتھ نماز باقی نہیں رہے گی اور جب نماز باقی نہ رہی تو اس کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری حدث، حدثِ عمد کے مشابہ ہے اور حدثِ عمد میں بالاتفاق بناء جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدث میں بھی بناء جائز نہیں ہوگی بلکہ استیناف (از سر نو پڑھنا) ضروری اور لابدی ہوگا۔

ہماری پہلی دلیل: یہ حدیث ہے **من قاء او رعف او امذی فی صلاته فلینصرف ولیتوضا ولیبن علی صلاته مالم یتکلم۔** دوسری دلیل: رسول کریم ﷺ کا یہ قول ہے **اذا صلی احدکم فقاء او رعف فلیضع یده علی فمه ولیقدم من لم یسبق بشیئ** یعنی جب تم میں کوئی نماز پڑھے پس اس نے قئے کی یا نکسیر چھوٹی تو اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور غیر مسبوق یعنی مدرک کو آگے بڑھائے یعنی خلیفہ کردے۔

بہرحال حدیثِ مذکور سے جوازِ بناء کا ثبوت اس طور پر ہوگا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **ولیبن علی صلوٰته** اور امر کا ادنیٰ مرتبہ اباحت ہے۔ اسلئے بناء کا مباح ہونا ثابت ہوگا لیکن یہاں ایک اشکال ہوگا وہ یہ کہ حدیث میں **ولیتوضأ** صیغہ امر وجوب کیلئے ہے لہٰذا **ولیبن علی صلوٰته** بھی مفید وجوب کیلئے ہونا چاہیے حالانکہ فقہاءِ احناف وجوب کے قائل نہیں ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک **قِران فی النظم قِران فی الحکم** کو واجب نہیں ہوتا اسلئے یہ اعتراض لغو ہے۔

علاوہ ازیں خلفاءِ راشدین اور فقہاء صحابہ (حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم) نے اسی بات پر اجماع کیا ہے جس کے ہم قائل ہیں۔ یعنی جواز بناء پر نہ کہ وجوبِ بناء پر اور اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے لہٰذا **ولیبن علی صلوٰته** کو **ولیتوضأ** پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

دوسری حدیث میں صرف استخلاف کا بیان ہے اور حضور ﷺ کا قول **من لم یسبق بشیئ** افضلیت کا بیان ہے کیونکہ مدرک (غیر مسبوق) بہ نسبت مسبوق کے نماز پوری کرانے پر زیادہ قادر ہے، لہٰذا مسبوق کو خلیفہ بنانا خیانت ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ حدثِ بالا یعنی غیر اختیار حدث کو حدثِ عمد پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان فارق موجود ہے۔ اس لئے کہ غیر اختیاری حدث میں ابتلاء ہے کیونکہ وہ بغیر اس کے فعل کے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس کو معذور قرار دینا جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف حدثِ عمد کہ اس میں یہ بات نہیں ہے۔ پس اس فرق کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا کس طرح درست ہوگا۔ اور از سر نو پڑھنا افضل ہے تاکہ اختلاف کے شبہ سے احتراز ہوجائے اور کہا گیا کہ منفرد استیناف کرے اور امام اور مقتدی بناء کریں تاکہ جماعت کی فضیلت محفوظ رہے۔ (اشرف الہدایہ ج ۲ ص ۱۰۹)

الشق الثانی.....**عن سالم بن عبدالله وسلیمان بن یسار: أنهم سئلا عن الحائض هل یصیبها زوجها إذا رأت الطهر قبل أن تغتسل؟ فقالا: لا حتی تغتسل۔ قال محمد: وبهذا نأخذ لا تباشر حائض عندنا حتی تحل لها الصلاة أو تجب علیها وهو قول أبی حنیفة رحمه الله**

ترجم العبارةو اذکر مذاهب العلماء فی أن الزوج متی یحل له مباشرة امرأته الحائض؟ واذکر أدلتهم۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے حائضہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا اس کا زوج طہر دیکھنے کے بعد غسل سے پہلے اس سے مباشرت کرسکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک غسل نہ کرلے اس وقت تک نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی کو ہم لیتے ہیں (ہمارا عمل ہے) کہ ہمارے نزدیک حائضہ سے مباشرت نہیں کی جاسکتی، یہاں تک کہ اس پر نماز کا وقت گزر جائے یا اس پر نماز لازم ہوجائے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

② حائضہ سے مباشرت کے وقتِ جواز میں اختلاف:۔ حنفیہ کے نزدیک اگر عادت کے مطابق دس روز سے کم پر حیض کا خون منقطع ہوگیا تو اِس عورت کے ساتھ مباشرت حلال نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ عورت غسل کرلے۔ دلیل یہ ہے کہ خون کبھی بہنے لگتا

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہےاور کبھی منقطع ہوجاتا ہے۔پس انقطاع کی جہت کو ترجیح دینے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے۔

اگرعورت نے انقطاع کے بعد غسل نہیں کیا البتہ اتنا وقت گزر گیا کہ وہ اُس وقت میں غسل کر کے تحریمہ باندھ سکتی تھی تو اُس کے ساتھ مباشرت حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام زفر رحمہم اللہ کے نزدیک غسل سے قبل مباشرت جائز نہیں ہے۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل آیتِ کریمہ **لاتقربوا ھنّ حتی یطھرن** ہے اس سے معلوم ہوا کہ غسل سے پہلے مباشرت جائز نہیں ہے۔حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ غسل اور تحریمہ کا وقت گزرنے سے نماز اُسکے ذمے لازم ہوگئی اور یہ عورت حکماً پاک ہوگئی،اسلئے کہ جب شریعت نے اس پر نماز واجب ہونے کا حکم کردیا تو گویا اُسکے پاک ہونے کا بھی حکم کردیا۔کیونکہ حالتِ حیض میں نماز درست نہیں ہوتی۔

جہاں تک آیتِ کریمہ کا تعلق ہے حنفیہ کے نزدیک یہ مادون العشرہ کی صورت پر محمول ہے۔اس صورت میں ہمارے نزدیک بھی بغیر غسل مباشرت کرنا جائز نہیں ہے،اور دس دن کے بعد خون منقطع ہونے کی صورت میں یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔(اشرف الہدایہ ۱:۲۵۹)

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والمؤطین﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (شرح معانی الآثار) ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....**عن كبشة بنت كعب بن مالك وكانت تحت ابن ابى قتادة ان ابا قتادة دخل عليها فسكبت له وضوء ا ، فجاء ت هرة فشربت منه فاصغى لها ابو قتادة الاناء حتى شربت قالت كبشة : فرآنى انظر اليه فقال: اتعجبين يا ابنة اخى؟ قالت نعم ، قال فان رسول الله ﷺ قال انها ليست ينجس انها من الطوافين عليكم او الطوافات..... قال ابو جعفر : فذهب قوم الى هذه الآثار.....وخالفهم آخرون.....** (ص۱۷۔ج۱۔رحمانیہ)

اذكر مذاهب الائمة فى سور الهرة ۔ اذكر ادلتهم ۔ اشرح ما اثبته الطحاوى من حيث النظر فى هذا الباب۔

جواب..... ① سورِ ہرہ میں اختلاف:۔ سورِ ہرہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک نجس ہے۔ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک بلا کراہت پاک ہے۔امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے پھر امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہِ تحریمی اور امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہِ تنزیہی ہے۔اکثر حنفیہ نے امام کرخی رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دی ہے اور کراہتِ تنزیہی پر فتویٰ دیا ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے،آپ ﷺ نے فرمایا **السنور سبع** اس میں آپ ﷺ نے بلی کو درندہ قرار دیا اور درندوں کا سور نجس ہوتا ہے۔حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جمہور کا استدلال حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں **انها ليست بنجس انما هى من الطوافين عليكم** کے الفاظ ہیں۔

حنفیہ کے دلائل:① طحاوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث **عن النبى ﷺ قال طهور الاناء اذا ولغ فيه الهران يغسل مرة او مرتين** ہے ② طحاوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے **يغسل الاناء من الهر كما يغسل من الكلب** ③ طحاوی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے **لاتوضؤا من سور الحمار ولا الكلب ولا السنور۔**

0313 6557913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ کراہتِ تنزیہی بھی جواز کا ہی ایک شعبہ ہے لہٰذا تمام روایات بیانِ جواز پر محمول ہیں اور طحاوی کی روایت کراہت پر محمول ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خود حدیثِ باب میں آپ ﷺ نے عدمِ نجاست کی علت طواف کو قرار دیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سورِ ہرہ اپنی اصل کے اعتبار سے نجس ہے لیکن عمومِ بلویٰ کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔یہ علت خود کراہتِ تنزیہی پر دال ہے۔(درسِ ترمذی ج۱ص۳۲۶)

③ نظرِ طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح:۔ نظرِ طحاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ سؤر گوشت کے تابع ہوا کرتا ہے،اگر گوشت پاک ہے تو سؤر بھی پاک ہے، اگر گوشت ناپاک ہے تو سؤر بھی ناپاک ہے کیونکہ سؤر گوشت کو مس کرتے ہوئے آتا ہے۔اس اعتبار سے گوشت کی چار اقسام ہیں:① طاہر ماکول گوشت: جیسے اونٹ،گائے،بکری،ان کا گوشت پاک ہونے کی وجہ سے سؤر بھی پاک ہے ② طاہر غیر ماکول گوشت:

جیسے بنی آدم،اس کا گوشت پاک ہونے کی وجہ سے سؤر بھی پاک ہے ③ نجس حرام گوشت: جیسے خنزیر وکتا،ان کا گوشت حرام وناپاک ہونے کی وجہ سے سؤر بھی ناپاک ہے ④ وہ گوشت جو خیبر سے پہلے حلال تھا بعد میں حرام ہوگیا جیسے اہلی گدھا اور ہر ذی ناب ومخلب۔

انہی ذی ناب جانوروں میں سے بلی ہے، جب ان ذی ناب جانوروں کا گوشت حرام ہے تو ان کا سؤر بھی حرام وناپاک ہونا چاہیے مگر اس کو حرام ونجس قرار دینے کی صورت میں مشقت لازم آتی ہے کیونکہ یہ گھریلو آنے جانے والے جانوروں میں سے ہے اور قاعدہ ہے کہ مشقت کی وجہ سے سہولت وآسانی پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اس مشقت کی وجہ سے سؤرِ ہرہ میں تخفیف پیدا کرتے ہوئے اسکو مکروہ قرار دیا جائے گا کیونکہ اس میں علتِ طواف کی وجہ سے تخفیف پیدا ہوگئی ہے۔(ایضاح الطحاوی ج۱ص۱۰۳)

الشق الثانی.....**عن عائشة قالت استحيضت ام حبيبة بنت جحش فاستفتت رسول الله ﷺ فقال لها رسول الله ﷺ ان هٰذه ليست بحيضة ولكنه عرق فتقه ابليس فاذا ادبرت الحيضة فاغتسلى وصلى واذا اقبلت فاتركى لها الصلاة قالت عائشة فكانت ام حبيبة تغتسل لكل صلاة وكانت تغتسل احيانا فى مركن فى حجرة اختها زينب وهى عند رسول الله ﷺ حتى ان حمرة الدم لتعلو الماء فتصلى مع رسول الله ﷺ فما منعها ذلك من الصلاة۔**(ص۷۲۔ج۱۔رحمانیہ)

انكر اقسام المستحاضات واكتب معنى الاقبال والادبار؟ انكر خلاصة الاحكام الواردة فى وضوء وغسل المستحاضات ۔ حرر من حيث النظر ما هو الناقض فى حق المعذورين هل هو الصلاة ام وقت الصلاة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں(۱)مستحاضہ کی اقسام مع الاحکام(۲)اقبال و ادبار کا معنی (۳)معذورین کے لئے وقت یا نماز کے ناقضِ وضو ہونے میں نظرِ طحاوی۔

جواب..... ① مستحاضہ کی اقسام مع الاحکام:۔ مستحاضہ کی تین اقسام ہیں: مبتدأہ، معتادہ، متحیرہ۔

مبتدأہ: وہ عورت جس کو بالغ ہوتے ہی خون شروع ہوا اور اکثر مدتِ حیض گزرنے کے بعد بھی بند نہیں ہو رہا یہ عورت ابتداءِ خون سے دس دن حیض شمار کرے نماز وغیرہ نہ پڑھے اور بقیہ بیس ایام استحاضہ شمار کرے سب سے پہلی نماز کیلئے غسل کرے اور اسکے بعد ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھے۔ معتادہ: وہ عورت جس کو عادت کے مطابق کچھ دن حیض آتا رہا ہو پھر اسکے بعد کبھی خون آیا اور اکثر مدت حیض گزرنے کے باوجود بھی بند نہیں ہو رہا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ عادت کے مطابق جتنے دن حیض آتا تھا اتنے دن حیض شمار کرے اور غسل کے ذریعہ پاک ہونے کے بعد بقیہ ایام ہر مہینہ میں استحاضہ شمار کرے اور وضو کر کے نماز پڑھتی رہے۔

متحیرہ: وہ عورت جس کی حیض کی کوئی عادت نہ ہو کبھی پانچ دن، کبھی سات دن اور کبھی دس دن حیض آتا ہو اور اب مسلسل خون آنا شروع ہوگیا، یا پھر اس کی عادت تو مقرر تھی مگر اس کو عادت بالکل یاد نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت تحری کرتے ہوئے ظن غالب پر عمل کرے اور اگر تحری سے کوئی جہت غالب اور راجح نہ ہو تو پھر اس پر تین طرح کے وقت آئیں گے:

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

① وہ وقت جس میں اس کو طہر ہونے کا یقین ہو اس میں وہ نماز وغیرہ پڑھتی رہے۔ ② وہ وقت جس میں اس کو حیض ہونے کا یقین ہو اس میں وہ نماز وغیرہ ترک کردے۔ ③ وہ وقت جس میں اس کو حیض یا طہر ہونے میں تردد ہو، اس تردد کی دو قسمیں ہیں۔

اگر دخول فی الحیض میں تردد ہو تو جب تک حیض کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک بدستور نماز وغیرہ پڑھتی رہے اور اگر خروج من الحیض میں تردد ہو تو پھر ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھے یہاں تک کہ طہر کا یقین ہو جائے۔

② اقبال وادبار کا معنی:۔ اقبال سے مراد دمِ حیض کا شروع ہونا اور ادبار سے مراد دمِ حیض کا ختم ہونا ہے چونکہ یہاں پر یہ لفظ مستحاضہ کے متعلق مستعمل ہے اور اس کا دم مستقل طور پر جاری ہے اسلئے اقبال وادبار سے سابقہ عادت کے مطابق ایامِ حیض کا آنا وختم ہونا مراد ہے۔

③ معذورین کیلئے وقت یا نماز کے ناقضِ وضو ہونے میں نظرِ طحاوی:۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں ① وہ طہارت جو حدث کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ پیشاب، پاخانہ کیوجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

② وہ طہارت جوخروج وقت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ مسح علی الخفین کی طہارت خروج وقت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔
اور یہ طہارتیں متفق علیہ ہیں اوران طہارتوں میں سے کوئی بھی طہارت ایسی نہیں ہے جس کونماز توڑ دیتی ہے بلکہ ان طہارتوں کو یا تو حدث توڑتا ہے یا خروجِ وقت۔اور یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ مستحاضہ عورت کی طہارت کو حدث پیشاب، پاخانہ بھی توڑ دیتا ہے اور غیر حدث بھی توڑ دیتا ہے لیکن غیر حدث جو مستحاضہ عورت کی طہارت کو توڑ دیتا ہے وہ کون سی چیز ہے اس میں اختلاف واقع ہوا۔
بعض لوگوں نے کہا کہ غیر حدث وہ خروجِ وقت ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ غیر حدث وہ خروجِ وقت نہیں ہے بلکہ فراغ عن الصلوٰۃ ہے۔تو ہم نے جستجو کر کے دیکھا کہ ان دونوں میں کس کے لئے نظیر ملتی ہے تو معلوم ہوا کہ خروجِ وقت کیلئے نظیر موجود ہے جیسا کہ مسئلہ مسح علی الخفین میں ہے اور فراغ عن الصلوٰۃ کے لئے کوئی نظیر نہیں ملی ہے لہٰذا فراغ عن الصلوٰۃ کو ناقضِ وضو نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ خروجِ وقت کو ناقضِ وضو قرار دینا زیادہ اولیٰ ہوگا۔ لہٰذا اس توجیہ سے ان لوگوں کی دلیل مضبوط ہوجاتی ہے جو لوگ نماز کے ہر وقت کے لئے وضو کو لازم قرار دیتے ہیں۔یہی ہمارے علماء ثلاثہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔(ایضاح الطحاوی ۱:۳۱۵)

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر اغمی علیه فذهب عقله فلم یقض الصلوٰة قال مالك وذلك فیما نری والله اعلم ان الوقف قد ذهب فاما من افاق وهو فی وقت فانه یصلی۔

ترجم الاثر الی الاردیة۔ ما هو الاغماء؟ اذکر اختلاف فی المغمی علیه اذا فاتته الصلوات هل یقضیها ام لا ۔ اذکر ادلة الامام ابی حنیفةؒ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اغماء کی تعریف (۳) مغمیٰ علیہ پر قضاء نمازوں کے لزوم میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت نافعؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر بیہوشی طاری ہوگئی جس کی وجہ سے اُن کی عقل جاتی رہی چنانچہ انہوں نے نماز کی قضاء نہ کی۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے کہ وقت جب جاچکا ہو اور جب اُسے وقت کے اندر افاقہ ہو تو وہ نماز پڑھے گا۔

② اغماء کی تعریف:۔ اغماء کا معنی ہے غلیظ بارد بلغم سے دماغ کے خلیوں کا بھر جانا۔بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک سہو ہے جو کسی بیماری کی وجہ سے فتورِ اعضاء کے ساتھ انسان کو لاحق ہوجاتا ہے۔ نہر میں تحریر کے حوالے سے مذکور ہے کہ اغماء دل یا دماغ کی اُس بیماری کا نام ہے جو قواءِ مدرکہ اور محرکہ کو اپنے افعال سے معطل کردے اور عقل باقی رہے لیکن مغلوب ہو۔

③ مغمیٰ علیہ پر قضاء نمازوں کے لزوم میں اختلاف مع الدلائل:۔ حنابلہ کے نزدیک اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ بہرصورت قضاء کرنا واجب ہے اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اگر اغماء نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا اور ایک ہی نماز فوت ہوئی تو بھی قضاء واجب نہ ہوگی یعنی اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں قضاء واجب نہ ہوگی۔ہمارے علماء نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں قلیل ہیں تو ان کی قضا کرنا واجب ہے اور اگر کثیر ہیں تو قضاء کرنا واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کی دلیل: یہ ہے کہ اغماء ایک قسم کا مرض ہے اور مرض کے اندر جس قدر نمازیں فوت ہوجائیں ان کی قضاء واجب ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں بھی قضاء واجب ہوگی خواہ فوت شدہ نمازیں کثیر ہی کیوں نہ ہوں۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل: یہ ہے کہ جب اغماء نے نماز کا پورا وقت گھیر لیا تو عجز متحقق ہوگیا اور بقولِ بعض جنون کے مشابہ ہوگیا۔پس بعض حضرات کے نزدیک جس طرح ایک نماز کے پورے وقت کا جنون قضاء واجب نہیں کرتا اسی طرح اغماء کی صورت میں بھی قضاء واجب نہ ہوگی۔ حنفیہ کی دلیل: (وجہ استحسان) یہ ہے کہ مدتِ اغماء جب دراز ہوجائے

0313 0357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

گی تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہوجائیں گی اب اگر ان فوائت کثیرہ کی قضاء کا حکم دیا جائے گا تو وہ شخص حرج میں پڑ جائے گا اور چونکہ شریعت اسلام میں حرج کو دور کیا گیا ہے اس لئے ان فوائت کثیرہ کی قضا واجب نہیں کی گئی اور اگر مدت اغماء کم ہے تو فوت شدہ نمازیں قلیل ہوں گی اور فوائت قلیلہ کی قضا کرنے میں چونکہ کوئی حرج نہیں ہے اس لئے فوائت قلیلہ کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے۔

احناف کی دلیل کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ عذر تین طرح کے ہیں۔ ① ممتد جیسے بچپن، تو یہ بالاجماع مانع فرضیت ہے ② قاصر جیسے نیند کہ وہ بالاتفاق مانع نہیں حتیٰ کہ نیند کی وجہ سے اگر نماز فوت ہوگئی تو اس کی قضاء واجب ہے ③ جو درمیانی درجہ پر ہے جیسے جنون اور اغماء پس اگر یہ دراز ہوجائیں تو ممتد کے ساتھ لاحق ہوں گے، حتیٰ کہ قضاء ساقط ہوجائے گی اور اگر کم ہوں تو قاصر کے ساتھ لاحق ہوں گے حتیٰ کہ قضاء واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ کثیر کی حد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں ایک رات ودن سے بڑھ جائیں حتیٰ کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جائے کیونکہ جب چھٹی نماز کا وقت نکل گیا تو نمازوں میں تکرار شروع ہوگیا اور تکرار کے بعد کثرت کا ظاہر ہونا امر لابدی ہے۔

صاحب ہدایہ نے **والجنون کالاغماء** سے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے قیاس کا جواب دیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اغماء جنون کے مانند نہیں بلکہ جنون اغماء کے مانند ہے یعنی جنون اگر پانچ نمازوں سے زائد رہا تو قضاء ساقط ہوگی اور اگر کم ہے تو ساقط نہ ہوگی۔ ابوسلیمان رحمہ اللہ نے یہی ذکر کیا ہے۔ بخلاف نیند کے کہ اگر وہ زائد بھی ہو تب بھی قضاء ساقط نہ ہوگی کیونکہ نیند کا ممتد ہونا نادر ہے لہٰذا اس کو عذر قاصر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا نہ کہ عذرِ ممتد کے ساتھ۔ (اشرف الہدایہ ج۲ ص۲۵۳)

الشق الثانی..... **اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَتِيْكٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ يَعُوْدُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ ثَابِتٍ فَوَجَدَهٗ قَدْ غُلِبَ فَصَاحَ بِهٖ فَلَمْ يُجِبْهُ فَاسْتَرْجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ غُلِبْنَا عَلَيْكَ يَا اَبَا الرَّبِيْعِ فَصَاحَ النِّسْوَةُ وَ بَكَيْنَ فَجَعَلَ اِبْنُ عَتِيْكٍ يُسَكِّتُهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعْهُنَّ فَاِذَا وَجَبَ فَلَا تَبْكِيَنَّ بَاكِيَةٌ قَالَتْ اِبْنَتُهٗ وَاللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ لَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ شَهِيْدًا فَاِنَّكَ قَدْ كُنْتَ قَضَيْتَ جَهَازَكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَ صَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَ صَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ۔** (ص۱۶۴۔قدیمی)

عرّف الشهادة لغةً وشرعًا، شكل الحديث بتمامه وترجمه الى الاردية واضحة، اشرح قوله ﷺ والمرأة تموت بجمع شهيد والمبطون شهيد.

جواب..... ① شہادت کا لغوی وشرعی معنیٰ:۔ شہادت کا لغوی معنیٰ یقینی خبر، گواہی، قسم، عالمِ ظاہر، اللہ کے راستہ میں قتل ہونا ہے۔ اور اصطلاحِ شریعت میں شہادت اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے میدانِ جنگ میں دشمن کے ہاتھوں قتل ہونا ہے۔

② حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فی السوال آنفا۔**

③ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے تشریف لائے پس اُس کو اس حال میں پایا کہ اُس پر غلبہ پایا جاچکا تھا پس وہ اُس کی وجہ سے چیخے اور رسول اللہ ﷺ نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا اور آنحضرت ﷺ نے **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** پڑھا اور فرمایا اے ابوالربیع! ہم تجھ پر مغلوب ہوگئے ہیں پس عورتوں نے چیخنا اور رونا شروع کردیا، پس ابنِ عتیک انکو خاموش کروانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اُنکو چھوڑ دو پس جب واجب ہوجائے تو کوئی رونے والی بلند آواز سے ہرگز نہ روئے، مریض کی بیٹی نے کہا قسم بخدا میں اُمید کرتی ہوں کہ آپ شہید ہونگے اسلئے کہ آپ نے اپنا ساز وسامان پورا کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شہادت کی اللہ کے راستے میں شہید ہونے کے علاوہ سات قسمیں ہیں، طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، غرق ہونے والا شہید ہے، پہلو کی تکلیف سے مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، دیوار کے نیچے آکر یا دیوار سے گر کر مرنے والا شہید ہے اور وہ عورت جو زچگی کی وجہ سے مرجائے وہ شہید ہے اور پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ المرأة تموت بجمع شهيد والمبطون شهيد کی تشریح:۔ "المرأة تموت بجمع شهيد" ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کی زچگی وولادت کی وجہ سے موت واقع ہوخواہ بچہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔اور دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ وہ عورت جس کی زچگی کے دوران موت واقع ہوجائے اور بچہ بھی اسکے پیٹ میں ہی ہو، بچہ پیدا نہ ہوا ہو۔

"المبطون شهيد" وہ انسان جو پیٹ کی بیماری مثلاً استسقاء یا اسہال وغیرہ کی وجہ سے مرجائے۔(حاشیہ)

ان کے شہید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اُخروی اعتبار سے شہید ہیں، ان کو شہادت کا اجر وثواب ملے گا، باقی دنیاوی اعتبار سے ان کے ساتھ دنیاوی میت والا معاملہ ہی کیا جائے گا۔

﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمدؒ) ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل.....باب:الخلع كم يكون من الطلاق؟عن ام بكرالاسلمية انهااختلعت من زوجها عبدالله بن اسيد،ثم اتيا عثمان بن عفان فى ذلك فقال:هى تطليقه الاان تكون سمت شيئا فهوعلى ماسمت .

ترجم العبارة ثم اشرحهاعرف الخلع لغة وشرعا انكراقول العلماء فى ان الخلع تطليقةأم لا؟مع دلائلهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں۔(۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت کی تشریح (۳) خلع کی لغوی وشرعی تعریف (۴) خلع کے طلاق ہونے یا نہ ہونے میں علماء کے اقوال مع الدلائل۔

جواب.....① عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب خلع کے بیان میں ہے کہ وہ کتنی طلاق ہے: ام بکر اسلمیہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے زوج عبداللہ بن اُسید سے خلع لیا، پھر وہ دونوں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اس معاملے میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ عورت کچھ ذکر کردے تو وہ اُس کے ذکر کے مطابق ہے۔

② عبارت کی تشریح:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ خلع ایک طلاق ہے البتہ اگر عورت نے تین طلاق کا ذکر کیا یا تین طلاق کی نیت کی تو پھر اُس کے ذکر یا اس کی نیت کے موافق تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔

③ خلع کی لغوی وشرعی تعریف:۔ خلع کا لغوی معنیٰ نزع واُتارنا ہے اور اصطلاحی طور پر مختلف تعریفیں منقول ہیں۔**هو فراق الرجل امرأته على عوض يحصل له ۔هو مفارقة الرجل امرأته على مال ۔هو ازالة الزوجية بما يعطيه من المال**۔ان تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ شوہر بیوی کو کسی چیز کے عوض چھوڑ دے اور اپنی زوجیت سے اُس کو نکال دے یہ خلع کہلاتا ہے۔

④ خلع کے طلاق ہونے یا نہ ہونے میں علماء کے اقوال مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور جمہور علماء کے نزدیک خلع سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی اور دوبارہ نئے نکاح کی صورت میں ہی وہ عورت اُس کے لئے حلال ہوگی۔امام شافعیؒ کا اصح قول اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ ظاہر یہ کے نزدیک خلع طلاقِ رجعی کے حکم میں ہے نئے نکاح کے بغیر شوہر بیوی سے رجوع کرسکتا ہے۔ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور ابوثور کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے۔

0213-6257913 maktabazalariyasultan@gmail.com

امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ اگر شوہر نے خلع سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو فرقت وجدائی واقع نہ ہوگی اور کتاب الام میں امام شافعیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔علامہ تقی الدین سبکی نے اس کو قوی قرار دیا ہے اور محمد بن نصر مروزی نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کا یہ آخری قول ہے۔(کشف الباری کتاب النکاح)

(امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے جدید قول میں خلع طلاق ہے اور امام احمدؒ کا مشہور قول اور امام شافعیؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ خلع فسخِ نکاح ہے۔ جمہور کی دلیل:①**عن ابن عباسؓ ان امرأة ثابت ابن قيس اتت النبى ﷺ قال رسول الله ﷺ اقبل الحديقة وطلقها تطليقة** (بخاری)۔②**عن ابن عباسؓ ان النبى ﷺ جعل الخلع تطليقة بائنة** (دارقطنی وبیہقی)۔③ خلفائے ثلاثہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے **ان امرأة ثابت ابن قيس اختلعت من زوجها على عهد**

النبی ﷺ فامرها ان تعتد بحیضة (ترمذی، ابوداؤد)۔اس روایت میں خلع والی عورت کی عدت ایک حیض قرار دی گئی ہے اگر خلع طلاق ہوتا تو اس کی عدت تین حیض ہوتی۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حیضة میں تائے وحدت نہیں ہے، یہ کلمہ اسم جنس ہے جو قلیل وکثیر پر ثابت آتا ہے۔(المسائل والدلائل ص ۵۳۳))

الشق الثانی.....عن جابر بن عبدالله انه سئل عن العمامة، فقال:لاحتی یمس الشعر الماء قال محمد وبهذا ناخذ وهوقول ابی حنیفة۔(ص ۷۰۔ج ۱۔قدیمی)هل یجوز المسح علی العمامة۔ انکرمذاهب الائمة بدلائلهم۔

جواب..... مسح علی العمامہ کا حکم اور ائمہ کے دلائل:۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری، اوزاعی، ابوثور اور محمد بن خزیمہ رحمہم اللہ کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہوجاتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ و جمہور محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنے سے فرضیت ادا نہیں ہوتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سر پر مسح کرنے کے بعد عمامہ پر مسح کرنا مسنون ہے۔

ائمہ کے دلائل: قائلینِ جواز کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے جس میں عمامہ پر مسح کرنا ثابت ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل: آیت کریمہ وامسحوا برؤسکم ہے اس میں سر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔

جمہور کی طرف سے حدیث مغیرہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں عمامہ پر مسح کا ذکر ہے اس میں ناصیہ پر بھی مسح کا ذکر ہے لہٰذا فقط عمامہ پر مسح کو اداءِ فرضیت کیلئے کافی قرار دینا درست نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سر پر ہی مسح کیا تھا، مگر بعد میں جب عمامہ درست کرنے لگے تو دیکھنے والا یہ سمجھا کہ شاید عمامہ پر مسح کیا ہے حالانکہ یہ فی الواقع عمامہ پر مسح نہیں کیا تھا۔(ایضاح الطحاوی ص ۱۳۲)

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار و المؤطین﴾

﴿السوال الاوّل﴾(طحاوی) ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....قال ابو جعفر: کره قوم ان یقال فی اذان الصبح "الصلاة خیر من النوم" ..... وخالفهم فی ذلك آخرون"۔ اکتب معنی التثویب لغة و اصطلاحا۔کم قسما للتثویب وما هو المراد بالتثویب المختلف فیه الذی اشار الیه الطحاوی۔ عیّن مصداق "کره قوم و خالفهم فی ذلك آخرون" اذکر خلاصة دلائل الفریقین التی ذکرها الامام الطحاوی مع ترجیح قول الجمهور"۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① تثویب کا معنی واقسام اور معنی مختلف فیہ کی مراد ② کره قوم وخالفهم فی ذلك آخرون" کا مصداق ③ فریقین کے دلائل کا خلاصہ اور جمہور کے قول کی وجہ ترجیح۔

جواب..... ① تثویب کا لغوی واصطلاحی معنی، اقسام اور معنی مختلف فیہ کی مراد:۔ لغت میں تثویب کا معنی اعلان بعد الاعلان ہے۔ اور اصطلاحی معنی دو قسم پر ہے:① فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا، اور اسے تثویبِ قدیم کہا جاتا ہے۔② تثویبِ حادث جو زمانۂ نبوت کے بعد کے لوگوں نے ایجاد کیا ہے اور وہ جعلتین کو اذان واقامت کے درمیان کہنا ہے اور اس میں اختلاف ہے۔

② کره قوم وخالفهم فی ذلك آخرون" کا مصداق:۔ تثویب حادث کے جواز میں تین اقوال ہیں:

① امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہر نماز کیلئے تثویب (اذان کے بعد الصلوٰۃ کا لفظ پکارنا) مستحب ہے۔② امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر نماز کیلئے مکروہ ہے۔③ عام مشائخ کے نزدیک فجر کیلئے لاباس بہ کے درجہ میں ہے اور بقیہ نمازوں کیلئے مکروہ ہے۔

اور تثویب قدیم یعنی فجر کی نماز میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا جائز ہے یا نہیں اور یہی مسئلہ زیرِ بحث بھی ہے۔ اور اس سلسلہ میں اوجز المسالک اور امانی الاحبار میں دو مذاہب نقل کیے گئے ہیں:

① امام عطاء، ابن رباح، طاؤس، اسود بن یزید رحمہم اللہ کے نزدیک یہ تثویب مکروہ ہے، اور یہی لوگ "کره قوم" کا مصداق ہیں۔

② ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک یہ تثویب مسنون ہے، اور یہی لوگ "خالفهم آخرون" کا مصداق ہیں۔(ایضاح الطحاوی)

③ فریقین کے دلائل:۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواذان سکھائی تھی اس میں تثویب نہیں تھی۔ جواب یہ ہے کہ جس ذات نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اذان کو مشروع کیا ہے اسی ذات نے دوسرے موقع پر تثویب کو بھی مشروع فرمایا ہے اس لیے تثویب پر کراہت کا حکم لگانا جائز نہیں ہوسکتا۔

فریق ثانی کی دلائل: ① حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھلائی اس وقت فجر کی اذان میں تثویب بھی سکھلائی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اس کو فجر کی اذان میں شامل کردو تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زید کی اذان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تثویب کا اضافہ فرمایا ہے۔ ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تثویب کو صبح کی اذان میں استعمال فرمایا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور مثال حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت انس رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ دو سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے، اور یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول بھی ہے۔ (ایضاً)

الشق الثانی.....**عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الرضیع یغسل بول الجاریة وینضح بول الغلام؟ ماھوحکم بول الغلام الرضیع؟ھل ھونجس ام لا ۔ ماحکمه اذا اصاب ثوبا اوبدناھل یجب غسله ام یکفی له النضح؟ مامعنی "النضح" الوارد فی الحدیث عند الحنفیة ومماالدلیل علی ذلك؟ اذکر ماذکره الطحاوی عن طریق النظر لتأیید مذھب الامام ابی حنیفة"۔** (ص ۶۸۔ج ۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) رضیع کے بول کا حکم (۲) بولِ رضیع کی وجہ سے کپڑے یا بدن کے غسل یا نضح کا حکم (۳) نضح کا معنی اور دلیل (۴) نظرِ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت۔

جواب..... ① رضیع کے بول کا حکم:۔ داؤد ظاہری، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے ایک قول کے مطابق بولِ غلام پاک ہے اور بول جاریہ ناپاک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قولِ ثانی اور امام ابوحنیفہ، امام مالک رحمہم اللہ و جمہور فقہاء و محدثین کا مذہب یہ ہے کہ بولِ غلام اور جاریہ دونوں نجس ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۲۶۵)

② بولِ رضیع کی وجہ سے کپڑے یا بدن کے غسل یا نضح کا حکم:۔ بولِ غلام و بولِ جاریہ سے طہارت کی کیا صورت ہے؟ امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا ایک قول امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، امام زہری اور ابن وہب رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ بول غلام سے طہارت صرف چھینٹا مارنے سے حاصل ہوجاتی ہے اور بول جاریہ سے اہتمام کے ساتھ دھونا واجب ہے یہی لوگ کتاب کے اندر فذہب قوم کے مصداق ہیں۔

امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کا غیر مشہور اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں میں چھینٹا مارنا کافی ہے۔ اس مذہب کو سابقہ مذہب کے ساتھ لاحق کرکے فریق اوّل قرار دیا جائے گا تاکہ آئندہ بحث کرنے میں آسانی ہو۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، حسن بن حی اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں سے طہارت کیلئے غسل واجب ہے یہی لوگ کتاب کے اندر **خالفهم فی ذلك آخرون** کے مصداق ہیں اب ہم ان کو فریق ثانی قرار دیں گے۔

0313 6357 3 maktabazakariyamultan@gmail.com

فریقِ اوّل کی دلیل: شروع باب کی وہ حدیث شریف ہے جس کے اندر بولِ غلام کے لئے نضح کا لفظ اور بول جاریہ کے لئے غسل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ بول غلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھینٹا مارنے کا حکم فرمایا ہے اور بولِ جاریہ میں غسل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ صاحبِ کتاب نے اس حدیث کو باب کے شروع میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔

فریق ثانی کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ نضح کا معنی یہاں پر چھینٹے مارنا نہیں ہے بلکہ الصب یعنی پانی بہانا ہے۔

فریق ثانی (بولِ غلام اور جاریہ دونوں سے طہارت کیلئے غسلو اجب ہے) کی پہلی دلیل اجلہ تابعین حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو پیشاب ایک لائن کے ساتھ گرتا ہے اس کے اوپر سے اسی طرح پانی گزارنے سے پاک ہوجاتا ہے اور جو پیشاب وسیع اور کئی لائنوں سے گرتا ہے، پیشاب چاہے کسی کا بھی ہو، اسکے اوپر پانی بھی اسی طرح گرانا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر پیشاب ناپاک ہے چاہے غلام کا ہو یا جاریہ کا۔ لیکن ان دونوں کی طہارت میں مخرج کے تنگ ہونے

اور وسیع ہونے کے اعتبار سے کچھ فرق کیا ہے نیز حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ بول جاریہ کو اہتمام کے ساتھ دھویا جائے اور بول غلام کو جہاں لگا ہے وہ تلاش کر کے دھویا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بول جاریہ اور بول غلام دونوں ناپاک ہیں اور دونوں سے پاکی حاصل کرنے سے غُسل لازم ہے۔ دوسری دلیل مابعد میں نظرِ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ضمن میں آئے گی۔(ایضاح الطحاوی ۱:۲۶۵)

③ نضح کا معنی اور دلیل:۔ عندالحنفیہ اس حدیث مبارکہ میں نضح کا معنی چھینٹے مارنا نہیں بلکہ **صبّ الماء** یعنی فقط پانی بہانا ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں۔① **قول النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **انی لاعرف مدینة ینضح البحر بجانبها** یہاں پر **ینضح** بمعنی **صب** ہے اسلئے کہ دریا کا پانی مذکورہ شہر کے کنارے پر چڑھ جاتا ہے نہ کہ پانی کا چھینٹا کنارے پر پڑتا ہے۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **نضح** بول کر صبّ مراد لیا ہے ② حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے دعا کریں تو ایک مرتبہ ایک بچہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **صبوا علیه الماء صبًّا** یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ جن سے ماقبل میں حدیث **تحنیك** گزری ہے جسکے اندر بچہ کے پیشاب سے طہارت کیلئے نضح کا لفظ آیا ہے ،لہٰذا وہاں پر نضح بمعنی صبّ کے ہوگا ③ حضرت ابولیلیٰ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو لوگوں نے جلدی سے ان کو لینے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرا بیٹا! میرا بیٹا! کوئی حرج نہیں ہے، پیشاب کرنے دو **فلما فرغ من بوله صَبّ علیه الماء** جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گئے تو اس پر پانی بہا دیا۔یہاں بھی نضح کی جگہ پر صبّ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔پس معلوم ہوا کہ حدیث الباب میں نضح صبّ کے معنیٰ میں ہے۔(ایضاً)

④ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت:۔ دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام اور جاریہ کے پیشاب کے متعلق کھانا شروع کرنے کے بعد بالاتفاق یہ حکم ہے کہ دھویا جائے اور دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو جب کھانا شروع کرنے کے بعد دونوں کا حکم یکساں ہے تو کھانا شروع کرنے سے پہلے بھی دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے۔لہٰذا فرق کرنا صحیح نہ ہوگا۔(ایضاً ج ا ص ۲۷۲)

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَهٗ مُصَدِّقًا فَكَانَ يَعُدُّ عَلَى النَّاسِ بِالسَّخْلِ فَقَالُوْا اَتَعُدُّ عَلَيْنَا بِالسَّخْلِ وَلَا تَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا فَلَمَّا قَدِمَ عَلٰى عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ ذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ عُمَرُ: نَعَمْ نَعُدُّ عَلَيْهِمْ بِالسَّخْلَةِ يَحْمِلُهَا الرَّاعِيْ وَلَا نَأْخُذُهَا وَلَا نَأْخُذُ الْاَكُوْلَةَ وَلَا الرُّبَا وَلَا الْمَاخِضَ وَلَا فَحْلَ الْغَنَمِ وَنَأْخُذُ الْجَذَعَةَ وَالثَّنِيَّةَ وَذٰلِكَ عَدْلٌ بَيْنَ غِذَاءِ الْغَنَمِ وَخِيَارِهٖ۔ **ترجم الاثر واضبطه بالشكل. حقق الكلمات المعلمة.**

جواب..... ① اثر کا ترجمہ:۔ سفیان بن عبداللہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے روانہ فرمایا تو وہ لوگوں کے بڑے مویشیوں کے ساتھ بچوں کو بھی شمار کرتے تھے،لوگوں نے عرض کیا کہ تم بچوں کو زکوٰۃ کی گنتی میں تو شمار کر لیتے ہو اور اُن کے ذریعے زکوٰۃ وصول نہیں کرتے، جب وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُن سے اس بات کا تذکرہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں ہم بچوں کو شمار کرتے ہیں حتیٰ کہ اُس بچے کو بھی شمار کرتے ہیں جسے چرواہا اُٹھا کر چلتا ہے مگر اُسے بھی ہم زکوٰۃ میں وصول نہیں کرتے اور نہ ہم موٹا تازہ جانور وصول کرتے ہیں اور نہ ہی حاملہ وصول کرتے ہیں اور نہ ہی نَر بکرا وصول کرتے ہیں بلکہ ہم ایک سالہ اور دوسالہ مادہ بکری وصول کرتے ہیں اور یہ کمزور بکریوں اور بہترین بکریوں کے درمیان عدل (درمیانے جانور) ہے۔

② اثر پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

③ خط کشیدہ کلمات کی تحقیق:۔ "**خِيَارٌ**" یہ جمع ہے اس کا مفرد **خَيْرٌ** (اسم تفضیل) ہے بمعنی افضل و بہتر۔

"**اَلسَّخْلَةُ**" یہ مفرد ہے اس کی جمع **سَخْلٌ، سِخَالٌ، سُخْلَانٌ** ، **سِخْلَةٌ** ہے بمعنی بکری کا چھوٹا بچہ۔

"**اَلْاَكُوْلَةُ**" وہ بکری جو کھانے کے لئے موٹی کی جائے یا بھیڑیے کے شکار کے لئے کھڑی کی جائے۔

"**اَلرُّبَّا**" یہ مفرد ہے اس کی جمع **ربابٌ** ہے بمعنی وہ بکری جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔

0313 6257933 maktabatalfiriyamultan@gmail.com

"اَلْمَاخِضُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر مَخَاضًا بمعنی دردِزہ میں مبتلا ہونا۔حاملہ بکری۔

"فَحْلُ الْغَنَمِ" بمعنی نَر بکرا۔مصدر فَحْلًا (فتح) بمعنی جفتی کیلئے عمدہ سانڈ ڈھونڈنا۔

"اَلْجَذَعَةُ" وہ اونٹ جو پانچویں سال میں ہو۔وہ گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ جو دوسرے سال میں ہو۔

"اَلثَّنِيَّةُ" یہ مفرد ہے اس کی جمع ثَنَايَا ہے بمعنی سامنے کے اوپر والے دو دانت۔وہ جانور جس کے سامنے کے دو دانت گرے ہوئے ہوں۔ "غِذَاءٌ" یہ جمع ہے اس کا مفرد غَذِیٌّ ہے بمعنی ردّی وکمزور بکری۔

الشق الثانی.....**"مالك عن ابن شهاب عن عبد الله بن عمرو بن العاص أنه قال: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ نَالَنَا وَبَاءٌ مِنْ وَعْكِهَا شَدِيْدٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ وَ هُمْ يُصَلُّوْنَ فِيْ سَبْحَتِهِمْ قُعُوْدًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَلَاةُ الْقَاعِدِ مِثْلُ نِصْفِ صَلَاةِ الْقَائِمِ".**

شكّل الحديث ثم ترجمه واذكر معنى الالفاظ المخطوطة ۔ عيّن مصداق الحديث و هل المراد بـ "صلاة القاعد مثل نصف صلاة القائم" صلاة المفترض ام المتنفل؟ وهل يراد به المعذور أو غيره؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ الفاظِ مخطوطہ کے معانی ④ حدیث کا مصداق۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔**كما مر في السوال آنفًا**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو ہم وباء کی وجہ سے شدت بخار میں مبتلا ہوگئے، رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے تو وہ کھال کے کپڑوں میں بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی نصف نماز کی مثل ہے۔

③ الفاظِ مخطوطہ کے معانی:۔ قَدِمْنَا: صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر قُدُوْمًا (سمع) بمعنی آنا۔

نَالَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر نَيْلًا (ضرب وسمع۔اجوف) بمعنی پانا۔

وَعْكٌ: یہ باب ضرب کا مصدر ہے بمعنی گرمی تیز ہونا و بخار چڑھنا۔ سَبْحَةٌ: یہ سَبَحٌ کا اسم مرہ ہے بمعنی کھال کے کپڑے۔

④ حدیث کا مصداق:۔ یہ حدیث مفترض کے بارے میں ہے یا متنفل کے بارے میں؟ اگر مفترض کے حق میں مانا جائے تو وہ اگر قادر علی القیام ہے تو اس کے لیے قاعد انماز پڑھنا جائز ہی نہیں ہے اور اگر مفترض قادر علی القیام نہیں تو اس کا قاعد انماز پڑھنا اس کے اجر وثواب میں کمی کا باعث نہیں، چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ معذور کو پورا اجر ملتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت معذور کی دو قسمیں ہیں:① وہ جو قیام یا قعود پر مطلقاً قادر ہی نہ ہو۔② وہ جو قادر تو ہو لیکن انتہائی مشقت وتکلیف کے ساتھ، اور حدیث باب میں دوسری قسم کا بیان ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص شدید مشقت کے ساتھ قیام یا قعود پر قادر ہو اس کے لیے قعود یا اضطجاع جائز تو ہے لیکن عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے، لہٰذا یہاں نصف اجر سے مراد یہ نہیں کہ تندرستوں کے مقابلہ میں اسے آدھا اجر ملے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شدید مشقت اٹھا کر عزیمت پر عمل کرتا اس صورت میں اس کو جتنا اجر ملتا رخصت پر عمل کرنے کی صورت میں اس عزیمت کا آدھا ملے گا، اگرچہ یہ آدھا بھی تندرستوں کے اجر کے برابر ہوگا، گویا عزیمت کی صورت میں یہ شخص تندرستوں سے دگنے ثواب کا مستحق ہوگا اور رخصت کی صورت میں اسے ایک گنا ثواب ملے گا جو عزیمت کے مقابلے میں نصف ہے۔(درس ترمذی)

﴿السوال الثالث﴾(مؤطا امام محمد) ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل.....**عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْعَمَامَةِ، فَقَالَ: لَا حَتّٰى يَمَسَّ الشَّعْرُ الْمَاءَ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَقَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ قَالَ رَاَيْتُ صَفِيَّةَ اِبْنَةَ اَبِيْ عُبَيْدَةَ**

0313 6351913 mutabazkkariyamultan@gmail.com

تَتَوَضَّأُ وَ تَنْزَعُ خِمَارَهَا ثُمَّ تَمْسَحُ بِرَأْسِهَا ۔ شكّل العبارة وترجمها ۔ اذا قال مالك: بلغنى فهل اسناد قوى ام لا؟ من المراد ب "الصفية" فى قوله: رايت صفية؟ كيف راى نافع صفية مع انه غير محرم لها؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ بلاغاتِ امام مالک کا حکم ④ صفیہ کی مراد اور نافع کے غیر محرم کو دیکھنے کی وضاحت۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ كما مرّ فى السوال آنفا ۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عمامہ پر مسح کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے، جب تک کہ پانی بالوں کو نہ پہنچ جائے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ نافعؒ سے مروی ہے کہ میں نے صفیہ بنت ابوعبیدہ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اپنا دوپٹہ اتار کر سر کا مسح کیا۔

③ بلاغاتِ امام مالکؒ کا حکم:۔ بلاغ کا مطلب یہ ہے کہ کسی اثر یا خبر کو سند کے بغیر ذکر کرنا مثلاً اسی حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلغنى عن جابر بن عبدالله ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان سند تھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو ذکر نہیں کیا۔ ردِ مختار میں لکھا ہے کہ بلاغاتِ امام مالک ومحمد رحمۃ اللہ علیہما سند ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بلغنى کا لفظ استعمال کریں وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور اس کی سند قوی ہوتی ہے اور اس کتاب میں کوئی بھی موضوع حدیث نہیں ہے، البتہ بعض احادیث میں معمولی ضعف ہے اور وہ بھی کثرتِ طرق کی وجہ سے مضر نہیں ہے۔

④ صفیہ کی مراد اور نافع کے غیر محرم کو دیکھنے کی وضاحت:۔ صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں اور نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔ اس اثر کے آخری جملہ (وانا يومئذ صغير) میں غیر محرم کو دیکھنے کی وضاحت موجود ہے کہ نافع اس وقت بچے تھے، بالغ نہ تھے، اسلئے اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

﴿الورقة السادسة : شرح معانى الآثار والمؤطين﴾

﴿السوال الاول﴾ (شرح معانى الآثار) ١٤٤٠ھ

الشق الاوّل.....عن علقمة والاسود انهما دخلا على عبدالله فقال اصلى هؤلاء خلفكم فقالا نعم فقام بينهما وجعل احدهما عن يمينه والآخر عن شماله ثم ركعنا فوضعنا ايدينا على ركبنا فضرب ايدينا فطبق ثم طبق بيديه فجعلهما بين فخذيه فلما صلى قال هكذا فعل النبى ﷺ .... قال ابو جعفر فذهب قوم الى هٰذا و احتجوا بهٰذا الحديث و خالفهم فى ذٰلك آخرون .....

ترجم العبارة ۔ اذكر اختلاف الائمة فى التطبيق فى الركوع و عدمه مع بيان الادلة و اذكر مصداق قول الطحاوى: فذهب قوم و خالفهم فى ذٰلك آخرون ۔ اذكر نظر الطحاوى فى المسئلة المذكورة ۔

0313 6757573 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② رکوع کی تطبیق میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل ③ قوم و آخرون کا مصداق ④ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت۔

جواب..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت علقمہ واسودؒ سے مروی ہے کہ یہ دونوں حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؓ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پیچھے والوں نے نماز پڑھی ہے انہوں نے کہا کہ ہاں پھر حضرت عبداللہؓ ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور ایک کو دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا پھر رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا حضرت عبداللہؓ نے ہمارے ہاتھوں پر مارا اور دونوں ہاتھوں کو ملا کر رانوں کے درمیان رکھا پھر جب نماز پڑھ لی تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔

② رکوع کی تطبیق میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، اسود بن یزید رضی اللہ عنہما، علقمہ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے

نزدیک یہ تطبیق مسنون ہے، یہی لوگ کتاب میں **فذهب قوم** کے مصداق ہیں۔ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک یہ تطبیق مسنون نہیں ہے بلکہ مسنون یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قدرے کشادہ کر کے گھٹنوں پر رکھ دیا جائے اور ایسا معلوم ہو کہ جیسے گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہے، یہی لوگ کتاب کے اندر "**وخالفهم فی ذٰلك اٰخرون**" کے مصداق ہیں۔

فریقِ اوّل کی دلیل حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے تین سندوں کیساتھ مروی وہ روایات ہیں جن سے تطبیق کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

فریقِ ثانی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تطبیق نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے تھے اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہے اور اس مضمون کی حدیث امام طحاویؒ نے پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چھ اسناد سے نقل کی ہے اور یہ روایات تواترِ سند کے ساتھ ثابت ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب روایات میں تعارض ہے یعنی بعض سے تطبیق کا جواز اور بعض سے عدمِ جواز معلوم ہوتا ہے تو ہم نے نسخ کو جاننے کیلئے جستجو کی تو ہمیں حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت مل گئی وہ فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رکوع میں تطبیق کیا کرتے تھے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی اس روایت سے معلوم ہوا کہ تطبیق والی روایات منسوخ ہیں۔

تیسری دلیل (نظرِ طحاوی) کا ماحصل یہ ہے کہ تطبیق کے اندر دونوں ہاتھوں کو ملا کر رکھنا پایا جاتا ہے اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں دونوں ہاتھوں کو دور دور رکھنا پایا جاتا ہے اور ہم نے نماز کے اندر ارکانِ صلوٰۃ کی ہیئت کے سلسلہ میں غور کر کے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارکانِ صلوٰۃ میں اپنے اعضاء کو کس ہیئت پر رکھا کرتے تھے تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود کے اندر اعضاء کے درمیان تجافی اور تفریق اختیار کرتے تھے اور تمام علماء کا اس طرح اعضاء کا کشادہ اور دور دور رکھنے پر اجماع ہے۔

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو ثبوت تطبیق کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی کو حکم دیا گیا اپنے قدمین کے درمیان مراوحت کریں یعنی دونوں قدموں کو قدرے فاصلہ پر رکھ کر تھوڑی تھوڑی دیر ایک ایک قدم پر ٹیک لگا کر آرام کیا جائے اور دونوں قدموں کو دور دور رکھنے کی صورت میں تطبیق ممکن نہیں ہے بلکہ تفریق لازم آتی ہے اور اس طرح بعض اعضاء کو بعض سے تجافی اور دور دور رکھنا بالاتفاق جائز اور اولیٰ ہے اور رکوع کے بارے میں الصاق اور تفریق کے سلسلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے لہٰذا مسئلہ اختلافی کو مسئلہ اجماعی پر قیاس کرنا لازم ہوگا کہ جس طرح دیگر ارکان کے اندر تطبیق درست نہیں ہے بلکہ تجافی اور تفریق لازم ہے اسی طرح رکوع میں بھی تفریق لازم ہوگی یعنی دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا جائے اور یہی مطلوب اور مسنون ہوگا۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے اس طرح دور رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل کی سفیدی نظر آجاتی تھی تو جس طرح سجدے کی حالت میں مبالغہ کے ساتھ اعضاء کو دور دور رکھنا ثابت ہے اسی طرح رکوع میں بھی اپنے اعضاء کو دور دور رکھنا فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضہ اور دلالت سے ثابت ہے۔لہٰذا تطبیق درست نہیں ہوگی بلکہ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا لازم وثابت ہوگا۔

روایت الباب کا جواب یہ ہے کہ شاید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تطبیق کو عزیمت سمجھتے ہوں، کیونکہ تطبیق میں عاجزی اور ذلّت کا اظہار ہوتا ہے اور ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا جو طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کو شاید ابن مسعود رضی اللہ عنہ اباحت اور جواز پر محمول کرتے ہونگے اور انکو تطبیق کے نسخ کی قولی روایت نہ پہنچی ہوگی۔(بذل المجہود بحوالہ اکمال)

③ و ④ **قوم و آخرون کا مصداق اور نظرِ طحاویؒ کی وضاحت:۔** ابھی ان کی وضاحت گزر چکی ہے۔

الشق الثانی.....**عن عائشة انّ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم دفن ابنه ابراهيم و لم يصلّ عليه.... قال ابو جعفر فذهب قوم الى انّه لا يصلّى على الطفل..... و خالفهم فى ذٰلك آخرون فقالوا بل يصلّٰى على الطفل .**

ترجم العبارة ۔ اذكر اختلاف الائمة فى الصلاة على الطفل مع بيان الادلة واذكر مصداق قول الطحاوى: فذهب قوم و خالفهم فى ذٰلك آخرون ۔ اذكر نظر الطحاوى فى المسئلة المذكورة .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① عبارت کا ترجمہ ② بچہ کی نمازِ جنازہ میں اختلاف مع

الدلائل ③قوم و آخرون کا مصداق ④نظرِ طحاویؒ کی وضاحت۔

جواب ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی تدفین کی اوران پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی.....ابوجعفر(امام طحاویؒ) نے فرمایا کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ بچہ پرنمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے....اور دیگر احباب نے ان کی مخالفت کی ہے،انہوں نے کہا کہ بچہ پرنمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

② بچہ کی نمازِ جنازہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ فوت شدہ نابالغ بچہ کی نمازِ جنازہ میں اختلاف ہے۔سوید بن غفلہ،سعید بن جبیر،عمرو بن حرہ(ایک روایت کے مطابق زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم) کے نزدیک نابالغ بچہ کی نمازِ جنازہ نہیں ہے۔ **ذهب قوم** کا مصداق یہی لوگ ہیں ۔ان کی دلیل ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

ابنِ ابی لیلی، ابنِ مسیّب، ابنِ سیرین، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، ائمہ اربعہ، ائمہ حنفیہ، جمہور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے نزدیک نابالغ بچہ پر بھی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ **خالفهم فی ذٰلك آخرون** کا مصداق یہی لوگ ہیں۔ان کی دلیل حضرت ابوبکر صدیق، عائشہ صدیقہ، ابوطلحہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ بچہ پر بھی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔(حاشیہ)

ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آثار کے تعارض کے وقت عمل المسلمین دیکھا جاتا ہے اور عمل المسلمین یہ ہے کہ وہ نابالغ بچہ پر نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں۔(مزید جوابات مابعد والے حوالہ کے تحت گزر چکے ہیں)

③ قوم و آخرون کا مصداق:۔ **كما مرّ فی الاختلاف آنفا۔**

④ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت:۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ بالاتفاق فوت ہونے والے نابالغ بچہ کو غسل دیا جاتا ہے اور ہم نے غور وفکر کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ جس کو غسل دیا جاتا ہے اس پر بالاتفاق نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے اور جس (شہید) کے غسل میں اختلاف ہے اسکی نمازِ جنازہ میں بھی اختلاف ہے، گویا غسل کے بعد نماز لازم ہے اور کبھی نماز ہوتی ہے مگر اس سے پہلے غسل نہیں ہوتا، پس جب بالاتفاق فوت ہونے والے نابالغ بچہ کو غسل دیا جاتا ہے تو بالغین کی طرح اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی، یہی جمہور کا مسلک ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا للامام مالکؒ) ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل .....مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ اَنَّ كَانَ الرِّجَالُ وَ النِّسَاءُ لَيَتَوَضَّؤُوْنَ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ جَمِيْعًا۔

شكّل الحديث و ترجمه۔ هذا الحديث يدلّ على انّ الرجل والنساء كانوا يتوضّؤون مجتمعين مع انّ الحجاب مانع فما هو الجواب؟ هل يجوز تطهّر الرجل بفضل المرأة ما هو مذهب الجمهور؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حجاب کے مانع ہونے کے باوجود مرد وخواتین کے اکٹھے وضوء کرنے کا جواب (۴) عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے طہارت حاصل کرنے کا حکم۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مر فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مرد وعورتیں اکٹھے وضوء کیا کرتے تھے۔

③ حجاب کے مانع ہونے کے باوجود مرد وخواتین کے اکٹھے وضوء کرنے کا جواب:۔ ① پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے ② جمیعا کا مطلب یہ ہے ایک ہی جگہ (حوض سے) وضوء کرتے تھے مگر مرد ایک طرف ہوتے تھے اور عورتیں دوسری طرف ہوتی تھیں ③ ایک ہی جگہ (حوض سے) وضوء کرتے تھے مگر پہلے مرد وضوء کر کے چلے جاتے تھے اور پھر عورتیں وضوء کرتی تھیں ④ جمیعا کا مطلب یہ ہے کہ باہم زوج وزوجہ اکٹھے وضوء کرتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ سب مرد وعورتیں ملکر مخلوط وضوء کرتے تھے۔(حاشیہ مؤطا امام محمد)

④ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے طہارت حاصل کرنے کا حکم:۔ جمہور کے نزدیک مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت اور عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد وضوء وغسل کر سکتے ہیں اس میں سب صورتیں جائز ہیں۔اور دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ازواج

مطہرات کے غسل کے بعد باقی ماندہ پانی سے آپ ﷺ کے وضوء وغسل کرنے کا ذکر ہے۔ نیز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت ہے کہ میں اور آپ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔ گویا ہر ایک دوسرے کا پانی استعمال کرتا تھا۔

امام احمد وامام اسحٰقؒ کے نزدیک عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضوء وغسل کرنا مکروہ ہے۔ دلیل حضرت حکم غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **نهى رسول الله ﷺ عن فضل طهور المرأة** (آپ ﷺ نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع کیا)۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس نہی کا تعلق معاشرت سے ہے، چونکہ عورت مرد کے مقابلہ میں طہارت ونظافت اور پاکیزگی کا اہتمام کم کرتی ہے اسلئے اسکے بچے ہوئے پانی سے شوہر کو تکلیف ہوسکتی ہے اور یہ عمل زوجین میں سوءِ معاشرت کی طرف مفضی ہوسکتا ہے اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ (درس ترمذی ۱:۲۶۵)

کبھی عورت بے سلیقہ ہوتی ہے، پاکی وناپاکی کے مسائل سے واقف نہیں ہوتی یا محتاط نہیں ہوتی، ایسی صورت میں مرد پانی استعمال کرے گا تو اسکی طبیعت میں وسوسے پیدا ہونگے اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ (تحفۃ الألمعی ۱:۲۹۶)

الشق الثانی.....**عن عبدالله بن عمر انه قال ذكرعمر بن الخطاب لرسول الله ﷺ انه تصيبه الجنابة من الليل فقال له رسول الله ﷺ توضأ واغسل ذكرك ثم نم عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا اراد ان ينام او يطعم وهوجنب غسل وجهه ويديه الى المرفقين ومسح برأسه ثم طعم اونام** ۔(ص۳۴۔نورمحمد)

اذكر مرجع الضمير الغائب فى قوله"انه تصيبه الجنابة من الليل" ۔ ماهوحكم الوضوء للجنب اذا اراد ان يلكل او يشرب او ينام؟ اذكر بدلائل الفقهاء ۔ هل بين الحديثين تعارض؟ ان كان فيهما التعارض فكيف رفعه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ضمیرِ غائب کا مرجع (۲) جنبی کیلئے کھانے، پینے اور سونے کے وقت وضو کا حکم (۳) احادیث میں تطبیق۔

جواب..... ❶ ضمیرِ غائب کا مرجع:۔ اس عبارت میں **تصيبه** کی ضمیرِ غائب کا مرجع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ضمیر اقرب کی طرف نہیں بلکہ ابعد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (الدر المنضود)

سوال ہوتا ہے کہ جب مرجع حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ہیں تو پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیسے ارشاد فرمایا **توضأ واغسل ذكرك** (ضمیرِ خطاب کے ساتھ)۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس مجلس میں موجود ہوں تو آپ ﷺ نے انکو خطاب کرتے ہوئے ہی یہ جملہ ارشاد فرمایا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اس وجہ سے آپ ﷺ نے انکو خطاب کرتے ہوئے سوال کا جواب دیدیا کہ ایسی صورت میں غسلِ ذکر کے بعد وضو کرو۔

❷ جنبی کیلئے کھانے، پینے اور سونے کے وقت وضو کا حکم:۔ جمہور کے نزدیک سونے سے پہلے وضو کرنا واجب نہیں ہے محض مستحب ہے اسی طرح کھانے پینے سے پہلے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مستحب ہے وضو کرنا ضروری نہیں ہے اسی طرح جماع کے بعد دوبارہ جماع کرنے کے لئے بھی وضو کرنا مستحب ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

مالکیہ میں سے ابنِ حبیب مالکی اور اہل ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ جنبی کیلئے سونے سے پہلے وضو کرنا واجب ہے اور جماع کے بعد دوبارہ جماع کیلئے بھی ابنِ حبیب مالکی، داؤد ظاہری، عطاء بن رباح، حسن بصری، محمد بن سیرین اور حضرت عکرمہ کے نزدیک وضو کرنا واجب ہے۔

جمہور کی دلیل: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا **أينام احدنا وهو جنب** ؟ کہ کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں سوسکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **نعم ويتوضأ ان شاء** ۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حالتِ جنابت میں فقط دونوں ہاتھوں کو دھوکر کھانا کھالیا کرتے تھے۔

قائلینِ وجوب کی دلیل: یہ حدیث ہے **توضأ واغسل ذكرك**۔

جواب یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کیلئے ہے، اگر امر وجوب کے لئے ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ جنبی

ہونے کی حالت میں کبھی بھی بغیر وضو نہ سوتے اور اسی طرح کبھی بھی بغیر وضو کچھ نہ کھاتے پیتے، حالانکہ آپ ﷺ سے بغیر وضو سونا اور کھانا پینا ثابت ہے، معلوم ہوا کہ امر استحباب کیلئے ہے۔ (الدر المنضود ج۱ ص۳۴۶ تا ص۳۵۱، درسِ ترمذی ج۱ ص۳۵۲)

③ احادیث میں تطبیق:۔ بظاہر احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کھانے کے لئے فقط ہاتھ دھوئے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کھانے سے پہلے وضو کرے۔

تطبیق: ① وضو سے مراد وضو لغوی ہے یعنی ہاتھ وغیرہ دھونا، وضوا صطلاحی مراد نہیں ہے۔ ② جہاں فقط ہاتھ دھونے کا ذکر ہے وہ بیانِ رخصت ہے اور جہاں وضو کا ذکر ہے وہ بیانِ عزیمت ہے۔ ③ آپ ﷺ بعض اوقات وضو فرماتے اور بعض اوقات محض ہاتھ دھوتے تھے۔ لہٰذا روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (الدر المنضود ج۱ ص۳۵۰)

﴿السوال الثالث﴾ (مؤطأ امام محمدؒ) ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل.....قال محمد:اخبرنا ابوحنيفة عن ابی اسحاق السبيعی عن الاسود بن يزيد عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ يصيب من اهله ثم ينام ولايمس ماء فان استيقظ من آخر الليل عاد واغتسل. ماهوحكم النوم والاكل والشرب والعود الى الجماع للجنب عندالعلماء و ماهی ادلتهم ؟ مامعنى قوله: ولايمس ماء ؟وهل هٰذاالجزء ثابت فی الحديث ام اخطأفيه احد الرواة؟ .(ص۷۲۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) جنبی آدمی کیلئے کھانے پینے، سونے اور دوبارہ جماع سے پہلے وضو کا حکم مع الدلائل (۲) ولایمس ماءً کا معنی اور تحقیق۔

جواب..... ① جنبی آدمی کیلئے کھانے پینے، سونے اور دوبارہ جماع سے پہلے وضو کا حکم مع الدلائل:۔

كمامرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۴۰ھ۔

② ولایمس ماءً کا معنی اور تحقیق:۔ اس جملہ کا معنی یہی ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے مباشرت کرتے تھے اور پھر پانی چھوئے بغیر ہی سو جاتے تھے اور پھر بیدار ہو کر مباشرت کرتے اور پھر غسل کرتے تھے بظاہر یہ جملہ آپ ﷺ کی شان طاہر کے خلاف ہے کہ پانی کو چھوئے بغیر ہی سو گئے اور اٹھ کر اسی حالت میں پھر مباشرت کرتے۔ علماء نے اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں۔ متعدد جلیل القدر محدثین اس جملہ کو روایت نہیں کرتے صرف ابو اسحٰق نے اسکو ذکر کیا، اس لئے محدثین نے اس کو ابو اسحٰق کا وہم قرار دیا ہے۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ یہ حدیث خطاء ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ سبیعی راوی کی خطاء ہے۔ اسی سے ملتا جلتا جواب اور حضرات نے بھی دیا ہے کہ یہ سبیعی کی تدلیس ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سبیعی راوی مدلس ہے مگر مدلس راوی جب ثقہ سے روایت کرے اور اسکا سماع اس سے ثابت بھی ہو تو پھر اس روایت کو رد نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زیادتی کی تحسین کی ہے دارِ قطنی و بیہقی نے بھی اسکی تصحیح کی ہے۔ حدیث کے اس جملہ کو صحیح ماننے کی صورت میں اس کے دو جواب ہیں:

① اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ لایمس ماءً للغسل کہ آپ ﷺ غسل کیلئے پانی کو نہیں چھوتے تھے ویسے وضوء وغیرہ تو کرتے ہی تھے۔ ② آپ ﷺ بیانِ جواز کے لئے بعض اوقات وضوء وغیرہ کو ترک کر دیتے تھے۔ (تلخیص درسِ ترمذی ۱:۳۵۳)

الشق الثانی.....بَابُ الْوَضُوْءِ فِی الْاِسْتِنْجَاءِ :اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عن يَحْيٰى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَحْلَاءَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَتَوَضَّأُ وَضُوْءً لِمَا تَحْتَ اِزَارِهٖ . قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَ الْاِسْتِنْجَاءُ بِالْمَاءِ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ غَيْرِهٖ وَ هُوَ قَوْلُ اَبِی حَنِيْفَةَ .

شكّل العبارة وترجمها۔ ما هو المقصود بهذا الباب؟ وما هو المراد بالوضوء ههنا؟ وهل يثبت الاستنجاء بالماء عن النبی ﷺ؟ ان كان الجمع بين الماء والحجر افضل فاذكر فی ضوء الدليل.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ باب کا

0313 6579797 molanazakariyamultan@gmail.com

مقصد ووضوء کی مراد ④ استنجاء بالماء کا ثبوت وافضل ہونے کی وجہ۔

جواب..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ عثمان بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انکے والد عبدالرحمٰن نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق سنا کہ وہ موضعِ استنجاء کو دھوتے تھے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور استنجاء بالماء ہمارے نزدیک اسکے علاوہ سے افضل ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

③ باب کا مقصد ووضوء کی مراد:۔ اس باب کا مقصد استنجاء بالماء کے جواز وثبوت کو بیان کرنا ہے اور ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو استنجاء بالماء کا انکار کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استنجاء بالماء ثابت ہے۔ اس جگہ وضوء سے مراد موضعِ استنجاء کو دھونا ہے۔

④ استنجاء بالماء کا ثبوت وافضل ہونے کی وجہ:۔ **كما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ١٤٣٥ھ۔**

و كما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ١٤٣١ھ (ورقه اولٰی)

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والمؤطین﴾

﴿السوال الاوّل﴾(طحاوی) ١٤٤١ھ

الشق الاوّل.....**سمعت رباح بن عبدالرحمن بن ابی سفیان بن حویطب یقول: حدثتنی جدتی، أنها سمعت أباها یقول: سمعت رسول الله ﷺ یقول: لاصلاة لمن لاوضوء له، ولا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه۔** (ص۲۳۔ج۱۔رحمانیہ) **اذکر حکم التسمیة علی الوضوء عند العلماء مع أدلتهم ۔ ماهو "النظر" الذی ذکره الطحاوی فی هذا الباب؟ اذکره بایضاح ۔ اذکر مصداق "جدتی" و "أباها"۔**

جواب..... ① تسمیہ علی الوضوء کا حکم:۔ **كمامرّ فی الشق الثانی من السوال الاوّل ١٤٣٠ھ (الورقة الرابعة)**

② نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت سی چیزوں کو دیکھا ہے جن کے اندر بغیر کلام کے دخول نہیں ہوسکتا تو جن چیزوں کے اندر داخل ہونے کے لئے کلام کا ہونا ضروری ہے وہ دو قسموں پر ہیں۔

① وہ چیزیں جن کے اندر کلام رکنِ شئی میں داخل ہے جیسا کہ عقود مثلاً بیع، اجارہ، نکاح، خلع وغیرہ جیسی چیزوں میں ایجاب وقبول کرنے کیلئے کلام کا ہونا ضروری ہے اور کلام ان اشیاء کے اندر رکن کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے ان اشیاء کا وجود بغیر کلام کے نہیں ہوسکتا۔

② وہ اشیاء جن کے اندر کلام کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا ہے، اسلئے کلام ان اشیاء کیلئے شرط کے درجہ میں ہوتا ہے لہٰذا اگر بھول کر بھی یا غلطی سے بغیر کلام کے داخل ہوجائے تو دخول صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ دخولِ صلوٰۃ کے لئے تکبیرِ تحریمہ اور دخولِ احرام فی الحج کیلئے تلبیہ، تو ہم نے دیکھا کہ جن اشیاء کیلئے کلام ضروری ہے ان میں کلام یا تو رکن کے درجہ میں ہوتا ہے یا شرط کے درجہ میں اور تسمیہ فی الوضوء نہ رکن وضوء میں داخل ہے اور نہ شرائط وضوء میں۔ لہٰذا وضوء میں تسمیہ کو واجب کہنا درست نہیں ہوسکتا۔

0213 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

نیز وضو من جملہ اسبابِ صلوٰۃ میں سے ہے جیسا کہ اسبابِ صلوٰۃ میں ستر عورت اور استقبالِ قبلہ وغیرہ ہے۔ اسی طرح وضو بھی اسبابِ صلوٰۃ میں سے ایک سبب ہے تو ہم نے تمام اسبابِ صلوٰۃ کا مطالعہ کیا ہے کہ انمیں سے کسی سبب کو اختیار کرنے کے وقت تسمیہ واجب نہیں ہوتا ہے مثلاً سترِ عورت اور استقبالِ قبلہ کے وقت بالاتفاق تسمیہ واجب نہیں ہے اور یہ سب وضو کی طرح اسبابِ صلوٰۃ میں سے ہیں، لہٰذا جب سترِ عورت اور استقبالِ قبلہ وغیرہ میں تسمیہ واجب نہیں ہے تو وضوء میں بھی تسمیہ واجب نہ ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی ۱۲۵ و ۱:۱۲۷)

③ جدتی، اباها کا مصداق:۔ "جدتی" سے مراد اسماء بنت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔ بعض حضرات نے ان کو صحابیات میں سے اور بعض نے مجہولات میں سے شمار کیا ہے۔ "اباها" سے مراد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ (درسِ ترمذی)

الشق الثانی.....**عن سلمان قال: نهینا أن نکتفي بأقل من ثلاثة أحجار۔ فذهب قوم إلی أن الاستجمار لایجزئ بأقل من ثلاثة أحجار واحتجوا فی ذلك بهذه الآثار وخالفهم فی ذلك آخرون.....**

ترجم الحديث المذكور ۔ اذكر مصداق كل من "قوم" و"آخرون" ۔ اذكر دلائل الفريقين باستيعاب اذكر ترجيح ماذهب اليه الامام الطحاوى في ضوء النظر الذى رآه في هٰذه المسألة۔(ص۸۵۔ج۱۔رحمانیہ)

جواب ..... ① ، ③ حدیث کا ترجمہ، فریقین کا مذہب ودلائل:۔

كما مرّ فى الورقة الاولٰى الشق الاوّل من السوال الاوّل ۱۴۴۱ھ۔

② قوم وآخرون کا مصداق:۔ "قوم" کا مصداق امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابن شعبان، ابوالفرج اور ابن حزم ظاہری اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ ہیں جنکے نزدیک تثلیث واجب ہے بغیر تثلیث استنجاء جائز نہیں ہوسکتا۔

"آخرون" کا مصداق امام ابوحنیفہ، امام مالک، داؤد ظاہری رحمہم اللہ ہیں جنکے نزدیک تثلیث واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

④ نظرِ طحاوی رحمہ اللہ کی وضاحت:۔ ہم نے پیشاب پاخانے کے سلسلہ میں غور کرکے دیکھا کہ پیشاب پاخانہ کرنے میں اگر استنجاء بالماء کیا جائے تو اس میں تعداد متعین ہے یا نہیں؟ تو تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ایک دفعہ استنجاء بالماء سے نجاست کا رنگ و بو ختم ہوجائے تو سب کے نزدیک طہارت حاصل ہوجاتی ہے اور اگر ایک دفعہ سے ازالۂ نجاست نہ ہو تو دو دفعہ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر دو دفعہ سے نہ ہو تو تین دفعہ کی ضرورت ہے اور اگر تین دفعہ سے بھی نہ ہو تو چار دفعہ کی ضرورت ہے تو معلوم ہوا کہ تعداد کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے بلکہ انقاء اور صفائی کی حیثیت ہے جتنی مرتبہ سے صفائی حاصل ہوجائے اتنی مرتبہ صفائی کرنا لازم ہوگا۔ اسی طرح استنجاء بالاحجار میں بھی انقاء اور صفائی ہی مقصود ہے تعداد کا اعتبار نہیں ہے اسی طرح اگر تین ڈھیلوں سے صفائی حاصل نہیں ہوتی تو زائد کی ضرورت ہوا کریگی تو معلوم ہوا کہ مقصود انقاء ہے نہ کہ تثلیث یہی ہمارے علماء ثلاثہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔(ایضاح الطحاوی ج۱ص۳۵۴)

﴿السوال الثانی﴾ (مؤطأ امام مالکؒ) ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل .....عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَرَجَ فِيْ رُكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِصَاحِبِ الْحَوْضِ ، يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ، هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ؟ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ:يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ: لَاتُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا ۔ (ص۱۷۔نورمحمد)

شكل الاثر المذكور بالضبط وترجمه الى الاردية۔ اشرح الحديث المذكور شرحا مبسوطا۔

جواب ..... ① اثرِ مذکور پر اعراب:۔ كما مرّ فى السوال آنفا۔

② اثر کا ترجمہ:۔ حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کسی سفر میں) نکلے سواروں کے ساتھ اور ان میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تھے یہاں تک پڑاؤ ڈالا (اترے وہ) کسی حوض پر تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حوض کے مالک سے کہا کہ اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے آتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (فوراً) کہا کہ اے حوض والے! ہمیں اس بات کی خبر واطلاع نہ دینا اسلئے کہ ہم درندوں پر آتے جاتے ہیں اور درندے ہم پر آتے جاتے ہیں۔

③ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک قافلہ کسی منزل کی طرف جارہا تھا کہ اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس حوض کے قریب نماز کیلئے پڑاؤ ڈالا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس حوض کے مالک سے کہا کہ کیا تمہارے حوض پر درندے اور جانور وغیرہ بھی پانی پینے کیلئے آتے ہیں؟ اگر صورتحال ایسی ہے تو پھر ہم اس پانی سے وضو نہ کریں کیونکہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سوال سُن کر فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ اے حوض کے مالک! ہمیں اس بات کی اطلاع نہ دینا کیونکہ ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں، اگر ہم نے اس طرح کی تحقیق شروع کردی تو پھر ہم خواہ مخواہ کی تکلیف اور مشقت میں مبتلا ہوجائیں گے۔ ہم حالتِ سفر میں ہیں، اسلئے درندوں کی بات چھوڑو کیونکہ درندے ہمارے پاس آتے جاتے ہیں اور ہم سواری اور گوشت وغیرہ کیلئے انکے پاس آتے جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مستور الحال پانی میں اصل طہوریت ہے لہٰذا اس کو استعمال کرسکتے ہیں اور بعض روات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درندوں کیلئے وہ ہے جو انہوں نے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اپنے پیٹوں میں لے لیا اور جو کچھ انہوں نے بچا دیا وہ ہمارے لئے پاک بھی ہے اور پینے کے قابل بھی ہے۔(خیر المفاتیح ج ۱ ص ۴۴۳)

الشق الثانی.....مَالِكٌ عَنْ عَمِّهِ أَبِيْ سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَرٰى طَنْفُسَةً لِعَقِيْلِ ابْنِ أَبِيْ طَالِبٍ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ تُطْرَحُ إِلٰى جِدَارِ الْمَسْجِدِ الْغَرْبِيِّ، فَإِذَا غَشَّى الطُّنْفُسَةُ كُلُّهَا ظِلَّ الْجِدَارِ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَصَلَّى الْجُمُعَةَ قَالَ مَالِكٌ: ثُمَّ نَرْجِعُ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنَقِيْلُ قَائِلَةَ الضُّحَاءِ۔(ص ۶۔نور محمد)

شكل الحديث وترجمه ترجمة واضحة ۔ اذكر اختلاف العلماء فی وقت الجمعة متى يبتدى ومتى ينتهى؟ اذكر دلائلهم على ماذهبوا اليه۔ من هو المراد من "قال مالك"؟

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچا ابو سہیل سے اور سہیل اپنے والد مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں عقیل بن ابی طالب کی چادر کو دیکھتا تھا کہ ڈالی ہوئی ہوتی تھی مسجد کی مغربی دیوار پر پس جب ڈھانپ لیتی ساری چادر دیوار کے سائے کو تو نکلتے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور جمعہ کی نماز پڑھاتے۔ کہا مالک نے پھر لوٹتے ہم جمعہ کی نماز کے بعد پس ہم قیلولہ کرتے تھے چاشت کے وقت۔

③ جمعہ کے وقت میں علماء کا اختلاف:۔ جمہور کے نزدیک جمعہ کی نماز کا بھی وہی وقت ہے جو ظہر کی نماز کا ہے یعنی زوالِ شمس سے شروع ہو کر مثلِ اول یا مثلِ ثانی تک علی القولین، حتیٰ کہ علامہ ابن عبدالبر نے قبل الزوال جمعہ کے عدمِ جواز پر اجماع نقل کیا ہے، البتہ حنابلہ کے نزدیک زوال سے پہلے بھی جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

④ ائمہ کے دلائل:۔ جمہور کے دلائل: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **كان رسول الله ﷺ يصلى الجمعة اذا مالت الشمس اى زالت الشمس** یعنی رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے جبکہ سورج زائل ہو چکا ہوتا تھا۔ ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **كان رسول الله اذا زالت الشمس صلى الجمعه۔** ③ و ④: حضرت سعد و بلال رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں **انه يؤذن لرسول الله ﷺ يوم الجمعة اذا كان العنز قدر الشراك۔**

حنابلہ کی پہلی دلیل: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **كنا نصلى مع رسول الله ﷺ ثم ننصرف وليس للحيطان فيئ** یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر لوٹتے تھے حالانکہ حیطان کیلئے کوئی سایہ نہ ہوتا تھا۔

دوسری دلیل: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ما كنا نقيل ولانتغدى الا بعد الجمعة** یعنی ہم جمعہ کے بعد قیلولہ بھی کرتے تھے اور کھانا بھی کھاتے تھے اور قیلولہ و کھانا زوال سے پہلے ہی ہوتا ہے گویا ہم زوال سے پہلے جمعہ پڑھنے کے بعد قیلولہ بھی کرتے تھے اور کھانا بھی کھاتے تھے، معلوم ہوا کہ قبل الزوال جمعہ کی نماز جائز ہے۔

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں مطلق سایہ کی نفی نہیں ہے بلکہ ایسے سایہ کی نفی ہے جس سے نفع اٹھایا جائے لہٰذا یہ کوئی سایہ وزنی دلیل نہیں ہے۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ راوی کا مقصد یہ بتلانا نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز قیلولہ سے پہلے ہوتی تھی اور ہمارا قیلولہ اپنے وقت پر ہوتا تھا بلکہ راوی کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ ہمارا قیلولہ جمعہ کے دن اپنے وقتِ معین سے مؤخر ہوتا تھا گویا راوی کا مقصد جمعہ کے وقت کو بیان کرنا نہیں بلکہ قیلولہ کے مؤخر ہونے کو بیان کرنا ہے چونکہ جمعہ کے دن زوال کے بعد والا آرام باقی ایام میں زوال سے پہلے والے آرام کے قائم مقام ہوتا تھا اس وجہ سے اس کو قیلولہ سے تعبیر کر دیا۔(المسائل والدلائل ص ۳۳۷)

⑤ قال مالك کی مراد:۔ اس سے مراد راوی حدیث ابو سہیل کے والد اور امام مالک کے دادا ابو انس مالک بن ابی عامر اصبحی ہیں۔

﴿السوال الثالث﴾ (مؤطأ امام محمدؒ) ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل.....**أن عمر بن الخطاب خرج فی ركب فيهم عمرو بن العاص حتى وردوا حوضا، فقال عمرو بن العاص: ياصاحب الحوض، هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمربن الخطاب، ياصاحب**

0313 1385913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الحوض! لاتخبرنا، فانّا نرد علی السباع وتردعلینا۔(ص٦٦۔قدیمی)

ترجم لعمرو بن العاص۔ اذکر حکم سؤر السباعمع اقوال الائمة و الادلة ۔ مامعنی قول عمر:"یاصاحب الحوض لاتخبرنا" هل هذا یفید فی عدم تنجس الماء؟واذکر المعنی الذی أشار الیه الامام محمد بقوله: ألاتری ان عمر بن الخطاب کره ان یخبره ونهاه عن ذلك۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل تین امور ہیں ① حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف ② درندوں کا جھوٹا پاک وناپاک ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی ④ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی مراد۔

جواب.....① حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ یہ عمرو بن العاص سہمی قریشی ہیں، ۵ھ میں اسلام لائے اور بعض نے کہا ہے کہ ۸ھ میں۔ حضرت خالد بن الولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور یہ سب اکٹھے اسلام لائے۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کا حاکم بنایا تھا یہ برابر وہاں حاکم رہے، یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، انہوں نے حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی بڑے بڑے کام انجام دیئے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انہیں کے ہاتھ مصر فتح ہوا اور برابر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یہ مصر کے حاکم رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انکو وہاں کا حاکم تقریباً چار سال تک برقرار رکھا، اسکے بعد معزول فرمایا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب امیر بنے تو انکو پھر مقرر کیا۔ مصر میں ہی ۴۳ھ میں جبکہ ان کی عمر نوے (۹۰) سال تھی وفات پائی اور انکے بیٹے عبداللہ کو حاکم بنادیا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انکو معزول کردیا، ان سے انکے بیٹے عبداللہ اور عبداللہ بن عمر اور قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہیں۔(خیر التوضیح ج۱ص۱۱۵)

② درندوں کا جھوٹا پاک وناپاک ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ ہمارے نزدیک درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

پہلی دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ انہوں نے حوض کے مالک سے کہا تھا کہ ہمیں اس حوض پر درندوں کی آمد کی خبر نہ دینا کیونکہ اگر ہمیں یہ خبر دی گئی تو ہم پر اس کا استعمال متعذر ہوجائے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع کیا ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب بھی گوشت سے ہی پیدا ہوتا ہے لہٰذا وہ بھی ناپاک ہے

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتے وخنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے اور دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے متعلق سوال کیا گیا جن پر درندے پانی پینے کے لئے آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو انہوں نے اپنے پیٹوں میں لیا وہ ان کا ہے اور جو بچ گیا وہ ہمارے پینے کے لئے ہے اور پاک ہے۔

ہماری طرف سے پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث ماءِ کثیر پر محمول ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ درندوں کے جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا حکم ابتداءِ اسلام میں ان کے گوشت کی تحریم سے پہلے تھا، پھر بعد میں منسوخ ہوگیا تھا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ان کا سوال بڑے حوضوں کے بارے میں تھا اور اسکے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حوض ناپاک نہیں ہوتا۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ سباع سے مراد سباعِ طیور ہیں اور سباعِ طیور کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوتا۔(خیر التوضیح ج۱ص۴۲۲)

③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی:۔ بظاہر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کی وجہ سے پانی نجس ہوجاتا ہے اسی وجہ سے انہوں نے سوال کیا ہے اگر درندوں کے واقع ہونے سے پانی پر کوئی اثر نہ پڑتا تو پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یہ سوال ہی نہ کرتے، انکا یہ سوال کرنا عبث اور بے فائدہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا بظاہر یہی معنی ہے کہ پانی نجس نہیں ہے بلکہ اپنی طہارت اصلیہ پر ہے کیونکہ ہم اس وقت حالتِ سفر میں ہیں اور پانی ہماری ضرورت ہے، اگر ہم اس طرح کی تحقیق میں شروع ہوئے تو پھر ہم خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف اور مشقتِ عظیمہ میں ڈال دینگے، اس وجہ سے اس بات کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بس ہم پانی کو اصلی حالت پر طاہر سمجھتے ہوئے استعمال کرینگے۔

④ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی مراد:۔ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حوضِ صغیر سے وقوعِ

03136257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

نجاست کی وجہ سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حوض کے مالک کو اس کے متعلق خبر دینے سے منع فرمایا کیونکہ اگر وہ خبر دے دیتا تو پھر معاملہ مشکل ہو جاتا اور پانی کو ترک کرنا لازم ہو جاتا۔

الشق الثانی.....اخبرنا مالك اخبرنا زيد بن اسلم قال اذا نام احدكم و هو مظطجع فليتوضأ ۔ اخبرنا مالك اخبرني نافع عن ابن عمر انه كان ينام و هو قاعد فلا يتوضّأ ۔ قال محمد وبقول ابن عمر في الوجهين جميعا نأخذ و هو قول ابي حنيفةؒ ۔ (باب الرجل ينام هل ينقض ذٰلك وضوئه)

ترجم العبارة. هل النوم ينقض الوضوء؟ بيّن اقوال العلماء بالدلائل ۔ من هو زيد بن اسلم ؟ انكر نبذة من احواله

جواب..... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ ہمیں امام مالکؒ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہمیں زید بن اسلم نے خبر دی، فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پہلو کے بل لیٹ کر سو جائے تو وہ وضو کرے۔ ہمیں امام مالکؒ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہمیں نافع نے ابنِ عمرؓ کے متعلق خبر دی، کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو جاتے اور وضو نہ کرتے تھے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں ہم ابنِ عمرؓ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

❷ نوم کے ناقضِ وضو ہونے میں اختلاف:۔ **كما مرّ في الشق الثاني من السوال الاول ١٤٣١ھ (ورقه اولٰى)**

❸ زید بن اسلم کا تعارف:۔ نام: زید بن اسلم، کنیت ابوعبداللہ یا ابواسامہ، نسبت العدوی المدنی ہے۔ ثقہ عالم تھے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، قرآن وحدیث اور فقہ کے بلند پایہ عالم تھے، مسجد نبوی میں درسِ حدیث دیا کرتے تھے، تیسرے درجہ کے رواۃ میں سے ہیں، ۱۳۶ھ میں انتقال ہوا۔ (تقریب التہذیب وگوگل)

﴿الورقة السادسة: شرح معاني الآثار والمؤطين﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (شرح معاني الآثار) ١٤٤٢ھ

الشق الاوّل.....عن جابر بن عبدالله ان رسول الله ﷺ أمر بدفن قتلٰى احد بدمائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلوا۔ قال ابوجعفر: فذهب قوم الٰى هذا الحديث فقال: لايصلٰى علٰى من قتل من الشهداء في المعركة وخالفهم في ذٰلك آخرون فقالوا: بل يصلٰى على الشهيد۔

اذكر الاختلاف بين الأئمة المتبوعين في مسئلة الصلاة على الشهيد كما ذكرها الامام ابوجعفر الطحاوي۔ اكتب ادلتهم في ذلك ولاتنس ذكر نظر الامام الطحاوي في هذا الباب۔

جواب..... ❶ شہید کی نماز جنازہ میں اختلاف:۔ **كما مرّ في الشق الثاني من السوال الاوّل ١٤٣٧ھ (الورقة الثالثة)**

❷ نظرِ طحاویؒ کی تشریح:۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے غور وخوض کیا تو تمام میتوں کی نماز کا حکم دفن سے پہلے ثابت ہوا اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے البتہ میت پر بطورِ نفل بعض لوگ دفن سے پہلے اور بعض دفن کے بعد نماز جنازہ کو جائز کہتے ہیں اور بعض لوگ نفلی نماز جنازہ کو مکروہ کہتے ہیں جبکہ دفن سے پہلے تمام میتوں کی نماز کے مسنون ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے پس اگر شہدائے اُحد ایسے لوگوں میں سے ہیں جن پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو اس نفل کے ثبوت کی وجہ سے اُن پر نفل سے پہلے مسنون نمازِ جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہوگا اسلئے کہ ہر نفل کیلئے بابِ فرض میں کوئی نہ کوئی اصل اور حقیقت ہوا کرتی ہے تو اگر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور ﷺ کی طرف سے نماز بطورِ نفل ثابت ہے تو تمام میتوں کی طرح شہداء کی نماز جنازہ کا بھی مسنون طریقہ ثابت ہوگا یعنی اگر شروع میں نمازِ جنازہ کے بغیر شہداء کو دفن کر دینا ہی مسنون ہے تو یہ بات واجب اور لازم ہو جائے گی کہ آٹھ سال کے بعد حضور ﷺ کا قبر پر جا کر نماز ادا کرنا اسلئے تھا کہ پہلا حکم منسوخ ہو کر نماز کا حکم نازل ہو چکا ہے اور اگر حضور ﷺ کا آٹھ سال کے بعد نماز پڑھنا اس لئے تھا کہ شہداء کی نماز کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آٹھ سال کے بعد جا کر قبر پر نماز پڑھی جائے تو ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ ہر شہید کا حکم شہدائے اُحد کی طرح ہی ہو کہ سات آٹھ سال کے بعد قبروں پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ شہدائے اُحد کو چھوڑ کر دیگر تمام شہداء کی نماز میں ایسی تاخیر کا حکم نہیں ہے

03136537913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بلکہ دفن سے قبل جلد از جلد نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ بہرحال شہید کی نمازِ جنازہ کا ثبوت مسلّم ہے۔(ایضاح الطحاوی ج۳ص۴۷)

الشق الثانی.....عن عبدالله بن مسعود انه كان مع رسول الله ﷺ ليلة الجن وان رسول الله ﷺ احتاج الى ماء يتوضأ به ولم يكن معه الا النبيذ فقال رسول الله ﷺ تمرة طيبة وماء طهور.

عرف النبيذ وبين الاختلاف بين الأئمة المجتهدين أن الرجل اذ لم يجد ماء الانبيذ التمرهل يتوضأ به اويتيمم؟في ضوء الأدلة.اشرح ماأثبته الامام الطحاوى من حيث النظر فى هذاالباب.

جواب.....① و② كمامرّ فى الشق الاوّل من السوال الاوّل ۱۴۲۸ھ۔(الورقة الخامسة)

③ نظرِ طحاوی کی تشریح:۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جب نبیذِ تمر سے وضو کے سلسلہ میں اختلاف واقع ہوا تو ہم نے غور وخوض کر کے نبیذِ تمر کے نظائر کو دیکھا مثلاً نبیذِ زبیب اور سرکہ وغیرہ یہ نبیذِ تمر کے نظائر ہیں، ان سے وضو کرنا بالاتفاق ناجائز ہے بلکہ تیمّم کرنا ضروری ہوتا ہے تو اسی طرح نبیذِ تمر سے بھی وضو کرنا ناجائز ہونا چاہیے۔ نیز تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماءِ مطلق کی موجودگی میں نبیذِ تمر سے وضو جائز نہیں ہے اسلئے کہ ماءِ مطلق کی موجودگی میں نبیذِ تمر پانی کے حکم سے خارج ہے جب ماءِ مطلق کی موجودگی میں نبیذِ تمر پانی کے حکم سے خارج ہے تو پانی کی غیر موجودگی کے وقت بھی نبیذ کو پانی کے حکم سے خارج ہونا چاہیے۔(ایضاح الطحاوی ج۱ص۲۷۷)

﴿السوال الثانی﴾(مؤطأ امام مالکؒ) ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل.....عن هشام بن عروة عن ابيه انّ المِسور بن مخرمة اخبره انه دخل رجل علىٰ عمر بنِ الخطابِ مِن الليلةِ التِى طُعِن فِيها فايقظ عمر لِصلاةِ الصبحِ فقال عمر نعم ولا حظّ فِى الاِسلامِ لِمَنْ ترك الصلاة فصلّى عمر وجرحه يثعب دما . عن يحيى بنِ سعِيد انّ سعِيد بن المسيبِ قال ما ترون فِيمن غلبه الدم مِن رعاف فلم ينقطِع عنه قال مالِك قال يحيى بن سعِيد ثم قال سعِيد بن المسيبِ ارىٰ ان يؤمى برأسِهٖ اِيماء . قال مالِك وذلِك احبّ ما سمِعتُ اِلىّ فِى ذلِك.(كتاب الطهارة. العمل فى الرعاف) ترجم العبارة. اذكر اختلاف الائمة فى نقض الوضوء من خروج الدم مع الادلة واشرح عبارتين المعلمتين.

جواب.....① عبارت کا ترجمہ:۔ ہشام بن عروہؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مسور بن مخرمہؓ نے ان کو خبر دی کہ ایک آدمی حضرت عمرؓ کے پاس اس رات کو آیا جس میں وہ زخمی ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ کو نماز صبح کے واسطے جگایا تو فرمایا کہ ہاں اور فرمایا کہ اس شخص کا اسلام میں کامل حصہ نہیں جو نماز کو ترک کرے تو حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیّبؒ نے کہا کہ جس شخص کا خون نکسیر پھوٹنے سے جاری رہے اور خون بند نہ ہو تو اس کے حق میں تم کیا کہتے ہو؟ یحیی بن سعیدؒ نے کہا، پھر سعید بن مسیّبؒ نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ نماز اشارہ سے پڑھ لے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ سنا ہے یہ جواب مجھے سب سے پسندیدہ ہے۔

② خروجِ دم کے ناقضِ وضو ہونے میں اختلاف:۔ کما مرّ فى الشق الثانى من السوال الثانى ۱۴۳۴ھ

③ عبارتِ مخطوطہ کی تشریح:۔ پہلی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا، اسلئے آپ معذور کے حکم میں تھے اور خون نکلنے کی وجہ سے معذور کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ دوسری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا کہ میری رائے میں مذکورہ شخص جس کی نکسیر وخون بند ہی نہیں ہو رہا ایسا شخص اشارہ سے نماز پڑھ لے۔ کیوں کہ رکوع سجدہ کی حرکت کی وجہ سے خون بند نہ ہو اور کپڑے آلودہ ہونے کا اندیشہ وخطرہ ہو تو یہ معذور ہے اور معذور آدمی سر کے اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

الشق الثانی.....مالِك انّه بلغه انّ عمر بن الخطابِ قال اتّجِروا فِى اموالِ اليتامى لا تأكلها الزكاة.

مالِك عن عبدِ الرحمنِ بنِ القاسِمِ عن ابِيهِ انهٗ قال كانت عائِشة تلِينِى انا واخًا لِى يتِيمينِ فِى حجرها فكانت تخرج مِن اموالِنا الزكاة. عن مالِك انه بلغه انّ عائِشة زوج النبى ﷺ كانت

0313 6351913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تعطِی اموال الیتامٰی من یتجِر لهم فِیها۔ (زکاۃ اموال الیتامٰی و التجارۃ لهم فیها)

ترجم العبارۃ۔ هل تجب الزکاۃ فی مال الصّبیّ؟ بیّن اقوال الائمۃ مع الدلائل۔ اشرح العبارۃ المعلمۃ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② بچہ کے مال میں زکوٰۃ کا حکم

جواب ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ امام مالکؒ سے مروی ہے ان کو یہ حدیث پہنچی کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا یتیموں کے مال میں تجارت کرو تا کہ زکوٰۃ ان کو تمام نہ کردے۔ قاسم بن محمد سے روایت ہے ام المومنین حضرت عائشہؓ میری اور میرے بھائی کی پرورش کرتی تھیں کہ ان کی گود میں دونوں یتیم تھے تو وہ ہمارے مالوں میں سے زکوٰۃ نکالتی تھیں۔

امام مالک کو حدیث پہنچی کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ یتیموں کا مال ان لوگوں کو دیتی تھیں جو اس میں تجارت کریں۔

② بچہ کے مال میں زکوٰۃ کا حکم:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۴۱ھ (ورقہ ثالثہ)**

③ عبارت مخطوطہ کی تشریح:۔ پہلے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ یتیم کے مال میں تجارت کرو تا کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی وجہ سے رفتہ رفتہ ختم نہ ہوجائے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے یہ ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل ہے جو بچہ کے مال میں وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ حنفیہ بچہ کے مال میں وجوبِ زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں وہ اس حدیث میں زکوٰۃ کو نفقہ پر محمول کرتے ہیں۔ اولاً اسلئے کہ زکوٰۃ سارے مال کو ختم نہیں کرسکتی، نفقہ سارے مال کو ختم کرسکتا ہے۔ ثانیاً اسلئے کہ اصل حدیث میں صدقہ کا لفظ ہے ارشاد ہے: **ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولّی یتیما له مال فلیتّجر فیه ولا یترکه حتی تاکله الصدقۃ**، تو راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے زکوٰۃ کا لفظ استعمال کردیا۔ دوسرے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ یتیم کا مال کسی تاجر وغیرہ کے سپرد کرتی تھیں تا کہ تجارت کے ذریعہ اس میں اضافہ و بڑھوتری ہوتی رہے، رفتہ رفتہ نفقہ میں استعمال کی وجہ سے وہ مال ختم نہ ہوجائے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۲ھ

الشق الاوّل .....**مالك عن یحیٰی بن سعید ان رجلا کان یؤم الناس بالعتیق فارسل الیه عمر بن عبدالعزیز فنهاه۔قال مالك:وانما نهاه لانه کان لایعرف ابوه۔**

ترجم العبارۃ ثم اذکر اقوال العلماء فی امامۃ ولد الزنا بالتفصیل۔

جواب ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ امام مالکؒ یحیٰی بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی مقام عتیق میں لوگوں کو امامت کرواتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اُس کی طرف پیغام بھیجا اور اُسے امامت سے منع کردیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اُسے اس لئے منع کیا کہ اُس کے باپ کا علم نہیں تھا۔

② **ولد الزنا کی امامت میں علماء کے اقوال کی تفصیل:۔** امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ولد الزناء کی امامت مکروہ ہے لیکن اگر اُس نے امامت کروادی تو نماز جائز ہوجائے گی۔ امام لیثؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام عیسیٰ بن دینارؒ کہتے ہیں کہ ولد الزنا کی امامت مکروہ نہیں جبکہ بذاتہٖ اُس میں امامت کی اہلیت پائی جائے۔ امام اوزاعیؒ، سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ ولد الزنا کی امامت جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ باقاعدہ ولد الزنا کا امام ہونا مکروہ ہے۔ ائمہ حنفیہ کے نزدیک غلام اور ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے اس لئے کہ اُن میں ایک طرح کا عیب موجود ہے لیکن اگر انہوں نے امامت کروادی تو نماز جائز ہوجائے گی (حل)۔؟؟؟

الشق الثانی .....(**مؤطا للامام محمدؒ**) **اخبرنا مالك حدثنا الزهری قال کان رسول الله ﷺ یمشی امام الجنازۃ۔ عن ربیعة بن عبدالله انه رأی عمر بن الخطاب یقدم الناس امام جنازۃ زینب بنت جحش۔**

ترجم الحدیثین۔المشی مع الجنازۃ امامها افضل ام خلفها؟ اذکر اختلاف الفقهاء الکرام مع ادلتهم۔ اذکراسماء امهات المؤمنین بتمامها۔

0313 6267913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① احادیث کا ترجمہ ② جنازہ کے ساتھ چلنے میں اختلاف مع الدلائل ③ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے اسماء۔

جواب ..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ امام زہریؒ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جنازے کے آگے چلا کرتے تھے۔ ربیعہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جنازہ سے مقدم کررہے تھے (آگے چلا رہے تھے)۔

② جنازہ کے ساتھ چلنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۱ھ (ورقة رابعة)**

③ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے اسماء:۔ ① حضرت خدیجہ بنت خویلد ② حضرت سودہ بنت زمعہ ③ حضرت عائشہ صدیقہ ④ حضرت حفصہ بنت فاروق اعظم ⑤ حضرت زینب بن خزیمہ ⑥ حضرت ام سلمہ ⑦ حضرت زینب بنت جحش ⑧ حضرت جویریہ بنت حارث ⑨ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان ⑩ حضرت صفیہ ⑪ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن۔

﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والمؤطینؒ﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل ..... **قال رسول اللہ ﷺ من اکل لحما فلیتوضأ، قال ابو جعفر فذهب قوم الی الوضوء مما غیرت النار واحتجوا فی ذلك بهذه الآثار وخالفهم فی ذلك آخرون فقالوا: لاوضوء فی شئ من ذلك..... وقد فرق قوم بین لحوم الغنم ولحوم الابل.....وخالفهم فی ذلك آخرون۔** (ص۴۹۔ج۱۔رحمانیہ)

اذکر مصداق قوله "فذهب قوم وخالفهم آخرون" وقوله "وقد فرق قوم وخالفهم آخرون"۔ اذکر دلائل الفقهاء فی هاتین المسالتین ۔ اذکر ما رجحه الطحاویؒ عن طریق النظر فی کلتا المسالتین۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چھ امور ہیں (۱) وضو مما غیرت النار میں **قوم وآخرون** کا مصداق (۲) فقہاء کے دلائل (۳) نظرِ طحاوی کی وضاحت (۴) لحم غنم ولحم ابل کے فرق میں قوم وآخرون کا مصداق (۵) فقہاء کے دلائل (۶) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

جواب ..... ① و ② وضو مما غیرت النار میں **قوم وآخرون** کا مصداق اور فقہاء کے دلائل:۔

کمامرّ فی الشق الاوّل من السوال الاوّل ۱۴۳۰ھ۔ (الورقة الخامسة)

③ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے دیکھا کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے سلسلے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہی چیز اگر آگ میں پکنے سے پہلے کھائی جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو ہم نے غور کر کے دیکھا کہ کیا آگ کے لئے اشیاء کے اندر کوئی ایسا اثر ہوتا ہے جو اشیاء کے حکم کو دوسری طرف منتقل کردے تو ہم نے خالص پانی کو دیکھا کہ اس سے طہارت حاصل کر کے فرض ادا کیا جاسکتا ہے۔

0213.6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

پھر ہم نے اس کو دیکھا کہ اگر خالص پانی کو گرم کردیا جائے تو پانی اپنی اصلی حالت پر باقی رہ جاتا ہے آگ میں پکنے کی وجہ سے اس کا حکم دوسری طرف منتقل نہیں ہوتا ہے اور نہ آگ اس پانی میں کوئی نیا حکم پیدا کرتی ہے بلکہ پانی پہلے حکم پر باقی رہتا ہے تو ایسا ہی غور وفکر کا تقاضا یہ ہے کہ جب پاک کھانا پکنے سے پہلے اسکا کھانا حدث نہیں ہے تو آگ میں پکنے کے بعد بھی کھالینا حدث نہ ہونا چاہیے اور اپنے اصلی حکم میں کوئی تغیر نہیں ہونا چاہیے۔ یہی قیاس ونظر کا تقاضا ہے اور یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول بھی ہے۔

④ لحم غنم ولحم ابل کے فرق میں قوم وآخرون کا مصداق:۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کے نزدیک اونٹ کے گوشت کا کھانا ناقضِ وضو ہے، دوبارہ وضو کرنا واجب ہے اور بکرے وغیرہ کے گوشت کھانے میں تفصیل یہ ہے کہ کچا گوشت کھانا ان کے نزدیک ناقضِ وضو نہیں ہے اور پکا ہوا کھانے کی صورت میں ان کے دو قول ہیں جو کہ ماقبل میں گزرے ہیں یہی لوگ **وقد فرق قوم** کے مصداق ہیں۔ ائمہ ثلاثہ، جمہور فقہاء، محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک عام جانوروں کی طرح اونٹ کا گوشت کھانے سے

بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے، یہی لوگ **وخالفهم فی ذلك اٰخرون** کے مصداق ہیں۔(ایضاح الطحاوی ج ا ص ۲۱۹)

⑤ فقہاء کے دلائل:۔ فریقِ اوّل کی دلیل حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس کے اندر اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا گوشت کھا کر وضوء کا حکم فرمایا تھا اور بکرے کا گوشت کھا کر وضو کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ اس روایت کو صاحب کتاب نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے چار سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

فریقِ ثانی کی پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کے لئے جو حکم فرمایا ہے اس سے غسل ید مراد ہو، اور اونٹ اور غنم کے گوشت کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے وہ اس لئے ہے کہ اونٹ کے گوشت کے اندر چکنائی زیادہ ہوتی ہے اور اس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے اسلئے ازالہ بو کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ منہ دھونے کا حکم فرمایا ہے اور لحم غنم کے اندر اس طرح کی غلیظ چکنائی اور بو نہیں ہوتی اس لئے اسکے گوشت کو کھا کر وضو یعنی غسل ید وغیرہ کا حکم نہیں فرمایا ہے۔

دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترکِ وضو ہے جو کہ آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے سلسلے میں تھا اور اس حکم کے اندر اونٹ اور دوسرے تمام جانوروں کا گوشت داخل ہے۔ لہٰذا اونٹ کے گوشت کے لئے علیحدہ حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا یہی اس باب کی احادیث شریفہ کو صحیح قرار دینے کے لئے بہترین توجیہ ہے۔(ایضاً)

⑥ نظرِ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت:۔ دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ اور بکرے بہت سے حکم میں یکسانیت کا درجہ رکھتے ہیں، مثلاً دونوں کی فروختگی کا جائز ہونا اور دونوں کے دودھ کا حلال ہونا اور دونوں کے گوشت کا پاک ہونا وغیرہ، جب ہر چیز میں دونوں کا حکم یکساں ہے تو نظر کا تقاضا بھی یہی ہوگا کہ گوشت کھا کر وضو میں کوئی فرق نہ آنے میں بھی دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے۔

الشق الثانی.....**عن اوس بن ابی اوس قال: رأیت ابی توضأ ومسح علی نعلین له، فقلت له اتمسح علی النعلین؟ فقال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی النعلین..... قال ابوجعفر: فذهب قوم الی المسح علی النعلین..... وخالفهم فی ذلك آخرون ۔(ص ۱۷۔ج ۱۔رحمانیہ) من هم المجوزون للمسح علی النعلین ومن هم المخالفون؟ اذکرادلتهم ۔ اشرح النظر الذی ذکره الطحاوی فی هذه المسألة۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) مسح علی النعلین کے مجوزین اور مخالفین کی تعیین (۲) فریقین کے دلائل (۳) نظرِ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح۔

جواب..... ① مسح علی النعلین کے مجوزین اور مخالفین کی تعیین:۔ حضرت عبداللہ بن عمر، خزیمہ بن اوش، عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم، ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک نعل اور چپل پر مسح کرنا جائز ہے یہی لوگ **فذهب قوم** کا مصداق ہیں۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ کے نزدیک نعل اور چپل کے اوپر مسح کرنا جائز نہیں ہے، یہی لوگ کتاب کے اندر **وخالفهم فی ذالك آخرون** کا مصداق ہیں۔

② فریقین کے دلائل:۔ اہل ظواہر وغیرہ کی طرف سے دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ ① حدیث الباب جس کو صاحب کتاب نے حضرت اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ سے دو سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ اس حدیث شریف کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نعلین پر مسح کرنا ثابت ہے۔ لہٰذا کہنا ہوگا کہ نعلین پر مسح کرنا جائز ہے ② **وقالوا قد شذذالك ماروی عن علیؓ الخ** سے دو سطروں کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل پیش کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوظبیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا۔ پھر نعلین پر مسح کیا پھر مسجد میں داخل ہوکر نعلین کو اتار کو نماز ادا فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نعلین پر مسح کرنا ثابت ہے، لہٰذا نعلین پر مسح کرنا جائز ہوگا۔

جوابات:① حضرت اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ طہارت میں تھے اور نفلی یا تبرید کیلئے وضو فرمارہے تھے تو چپل کو پاؤں سے اتارا نہیں بلکہ اسی پر مسح فرمایا جبکہ پاؤں پر نہ مسح کرنا واجب تھا اور نہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہی پاؤں کو دھونا واجب تھا② قد یجوز ان یکون رسول اللہ ﷺ مسح علی النعلین الخ سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ درحقیقت حضور ﷺ جراب پہنے ہوئے تھے اور حضور ﷺ نے نعلین کو قدم مبارک سے نکالے بغیر جوربین پر مسح فرمالیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ نعلین کے تسمہ پر بھی مسح فرمالیا تھا اور ایسا کرنا جائز ہے کہ جوربین پر مسح ادائے فرض کیلئے ہوجاتا ہے اور چپلوں کے تسمہ کے اوپر بالتبع جو مسح ہوجاتا ہے وہ زائد ہے، لہٰذا اوس ابن ابی اوس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرکے چپلوں پر مسح کو جائز قرار دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ درحقیقت جراب پہنے ہوئے تھے اسکے اوپر نعلین بھی پہنے ہوئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درحقیقت جوربین پر مسح کیا تھا اس کے تابع ہوکر تسمہ پر بھی مسح ہوگیا۔(ایضاح الطحاوی ج ا ص ۲۸۰)

③ نظرِ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح:۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے جواز کیلئے شرط یہ ہے کہ پورے کا پورا موزہ یا اکثر موزہ پھٹا ہوا نہ ہو، اگر پورا یا اکثر موزہ پھٹا ہوا ہو تو ایسے موزے پر بالاجماع مسح کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ موضع مسح سے قدم کا حصہ چھپا رہنا جواز مسح کیلئے شرط ہے اور خرق کثیر سے قدم ظاہر ہونے کی وجہ سے گویا کہ موضع مسح ہی باقی نہیں رہتا ہے تو معلوم ہوا کہ جواز مسح کیلئے موضع مسح میں قدمین کا موزہ کے ذریعہ چھپا ہوا ہونا شرط ہے اور نعل وچپل کے پہننے کی صورت میں قدموں کا چھپا ہوا نہ ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ پھٹے ہوئے موزے سے جہاں تک قدم ظاہر ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ نعل وچپل پہننے کی صورت میں قدم ظاہر رہتا ہے تو جب پھٹے ہوئے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے تو چپل اور نعل پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔(ایضاً)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

الشق الاوّل..... "اکتب ترجمة الامام مالك" تذكر فيها اسمه وكنيته ولقبه ونسبه ونسبته ومولده ونشأته وصفته الخلقية وفضائله ومناقبه"۔ واكتب كلمة حول الكتاب الموطأ تبين فيها سبب تسميته بـ "الموطأ" ومنزلته بين كتب الاحاديث ومزاياه وعدد مروياته وشروحه المشهورة۔

جواب..... ① امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف:۔ نام مالک، والد کا نام انس، کنیت ابوعبداللہ، لقب امام دار الهجرة ہے۔

سلسلۂ نسب مالک بن انس بن مالک بن انس ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی ہے۔

آپ کے بزرگوں کا وطن یمن تھا، سب سے پہلے آپ کے پردادا ابوعامر نے مدینۃ الرسول میں آکر سکونت اختیار کی، یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ اصبح سے تعلق تھا۔ آپ کی ولادت صحیح ومعتبر روایات کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی، اگرچہ بعض حضرات نے ۹۰ھ، ۹۴ھ اور ۹۵ھ بھی نقل کی ہے۔ آپ دراز قد، فربہ جسم، سفید رنگ مائل بہ زردی، کشادہ چشم اور بلند وخوبصورت ناک کے مالک تھے، پیشانی میں بال کم اور داڑھی گنجان وسینہ تک تھی۔

آپ نے قرآن کریم کی تعلیم امام القراء نافع بن عبدالرحمٰن سے حاصل کی۔ آپ نے نوسو سے زائد شیوخ سے علم حاصل کیا جن میں سے تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے، بارہ سال تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام اور حدیث کے امام حضرت نافع کے حلقۂ درس میں رہے اور مؤطا کی اکثر روایات انہی سے ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں صرف چھ شیوخ غیر مدنی ہیں باقی سب مدنی شیوخ ہیں۔ امام مالک نے صرف ان شیوخ سے استفادہ کیا جو صدق وطہارت میں معروف اور حفظ وفقہ میں ممتاز تھے۔

حافظ ابن ذہبی کہتے ہیں کہ جو پانچ باتیں امام مالک کے حق میں جمع ہوگئیں وہ میرے علم کے مطابق کسی اور میں جمع نہیں ہوئیں: ① دراز عمر وعالی سند ② عمدہ فہم اور وسیع علم ③ آپ کے حجت وصحیح الروایہ ہونے پر ائمہ کا اتفاق ④ آپ کی خدمت، اتباعِ سنت ودین داری پر محدثین کا اتفاق ⑤ فقہ وفتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت۔

آپ کی سب سے مشہور وسلسلۃ الذہب سند "مالك عن نافع عن ابن عمر" ہے۔ مدینہ منورہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بعد ان کی علمی درس گاہ کے جانشین حضرت نافع ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین امام مالک ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں مجلسِ افادہ وتعلیم کی ابتداء کی اور مسلسل باسٹھ برس تک اس میں مشغول رہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں لکھا کہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تیرہ سو سے زائد ہے۔ ویسے عمومی شاگردوں کی تعداد وفہرست بہت طویل ہے۔

آپ کی وفات ۱۱یا۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں مدینۃ الرسول میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔(رحمه الله رحمة واسعة)

② مؤطا امام مالک کا تعارف:۔ کتب خانۂ اسلام میں یہ دوسری کتاب ہے جو قرآن کریم کے بعد باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب و ابواب کے موافق منصۂ شہود پر آئی، علامہ ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ مؤطا ہی نقشِ اول و بنیادی کتاب ہے بخاری کی حیثیت نقشِ ثانی کی ہے اور ان دونوں کتابوں پر بعد کے مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ہے۔

مدینۃ الرسول مقام تالیف ہے اور اس کی تالیف خلیفہ ابومنصور عباسی کی فرمائش پر اسی کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کے بیٹے مہدی کے دور میں اس کی تکمیل ہوئی۔ مؤطا کا لفظ توطیۃ بمعنی روندنا، تیار کرنا، نرم وسہل بنانا سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس میں مذکورہ تمام معانی بطور استعارہ مراد لیے جاسکتے ہیں، ابوحاتم کہتے ہیں کہ امام مالک نے اس کو مرتب کرکے سہل وآسان بنادیا ہے اس لیے اس کو مؤطا مالک کہتے ہیں، امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو لکھ کر مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا اور سب نے مجھ سے اتفاق کیا اس لیے میں نے اس کا نام مؤطا رکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتبِ حدیث کے پانچ طبقات میں مؤطا کو پہلے طبقے میں رکھا ہے اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے، صاحبِ مفتاح السعادۃ کہتے ہیں کہ عندالجمہور اس کا درجہ ترمذی کے بعد ہے۔ مؤطا کی صحت اور مرتبہ کا اندازہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے لگایا جاسکتا ہے کہ ”روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے“۔ مؤطا کی مرویات کے متعلق ابوبکر ابہری کہتے ہیں کہ اس کی کل احادیث ۱۷۲۰ ہیں، جن میں سے ۶۰۰ مسند ومرفوع، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۳ موقوف، ۲۸۵ تابعین کے اقوال وفتاویٰ ہیں۔

مؤطا تیس طریقوں سے مروی ہے مگر ان میں سے سولہ نسخ مشہور ہیں اور ان میں سے بھی چار نسخے زیادہ اہم ہیں۔ قاضی عیاض نے مؤطا کے شروح وحواشی کی تعداد چھیانوے ذکر کی ہے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: **المنتقیٰ، الاسماء، الاستیفاء** (ابوالولید باجی) **کتاب التمهید لما فی المؤطا من المعانی و الاسانید، الاستذکار** (حافظ ابن عبدالبر مالکی) **القبس** (ابومحمد بن السمید بطلیوسی نحوی) **الموعب** (ابوالولید بن صفاء) **المقتبس فی شرح مؤطا مالك بن انس** (قاضی ابوبکر ابن العربی) **کشف المغطا عن المؤطا، تنویر الحوالك، تجرید احادیث المؤطا** (جلال الدین سیوطی) **المعرب** (محمد بن ابی زمنین) **المستقصیه** (یحییٰ بن مزین) **المالك** (ابوبکر بن سابق صقلی) **شرح مؤطا** (محمد بن عبدالباقی زرقانی) **المصفیٰ، المسویٰ** (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) **الفتح الرحمانی** (ابومحمد ابراہیم بن حسین شیخ بیری زادہ) **المصفی شرح المؤطا** (ابو یوسف یعقوب البیانی الاہوری) **المحلیٰ** (شیخ سلام اللہ حنفی) **اوجز المسالك الیٰ مؤطا مالك** (شیخ الحدیث مولانا زکریا) **التعلیق الممجد علیٰ مؤطا محمد** (مولانا عبدالحی لکھنوی)۔ (ظفر المحصلین)

الشق الثانی.....**قال یحیی سُئل مالك عن رجل توضّأ وضوء الصلاة ثم لبس خفیه ثم بال ثم نزعهما ثم ردّهما فی رجلیه ا یستأنف الوضوء ؟ فقال لینزع خفیه و لیغسل رجلیه و انما یمسح علی خفیه من ادخل رجلیه فی الخفین و هما طاهرتان تطهّر الوضوء، فاما من ادخل رجلیه فی الخفین و هما غیر طاهرتین تطهّر الوضوء فلا یمسح علی الخفین ۔ قال یحیی و سئل مالك عن رجل غسل قدمیه ثم لبس خفیه ثم استأنف الوضوء ، قال لینزع خفیه ثم لیتوضّأ و یغسل رجلیه ۔**

ترجم العبارة واشرح العبارة التی فوقها خطّ۔اکتب مشروعیة المسح علی الخفّین ۔ اکتب الاختلاف فی المسح علی الخفین مفصّلا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② عبارت مخطوطہ کی تشریح ③ مسحِ خفین کی مشروعیت ④ مسحِ خفین میں اختلاف کی تفصیل۔

جواب ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے نماز کیلئے وضوء کیا پھر موزے پہن لئے، پھر پیشاب کیا اور موزوں کو اتار کر دوبارہ پہن لیا تو کیا یہ دوبارہ وضوء کرے؟ فرمایا کہ وہ موزے اتار کر پاؤں دھولے، (اسلئے کہ) موزوں پر وہ شخص مسح کرسکتا ہے جس نے طہارت کی حالت میں پاؤں پر موزے پہنے ہوں اور جس نے طہارت کے بغیر پاؤں پر موزے پہنے ہوں یہ شخص موزوں پر مسح نہیں کرسکتا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے پاؤں دھوئے پھر موزے پہن کر وضوء کرنے لگا تو فرمایا کہ وہ موزے اتار کر وضوء کرے اور پاؤں دھوئے۔

② عبارت مخطوطہ کی تشریح:۔ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے پاؤں دھوکر موزے پہنے پھر اسنے وضوء کیا تو اس کے وضوء و مسح کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ شخص موزے اتار کر پہلے مکمل وضوء کرے، پاؤں بھی دھوئے، اسکے بعد یہ شخص موزے پہن سکتا ہے۔

③ مسحِ خفین کی مشروعیت:۔ مسح علی الخفین اس امت کے خصائص میں سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا **صلّوا فی خفافکم فانّ الیھود لا یصلّون فی خفافھم** (اپنے موزوں میں نماز پڑھا کرو اسلئے کہ یہود اپنے موزوں میں نماز نہیں پڑھتے)۔

مسح علی الخفین کی مشروعیت ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوئی، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اجماع میں جن لوگوں کا قول معتبر ہوسکتا ہے ان سب کا مسح علی الخفین کے جواز پر اجماع ہے۔ خواہ سفر ہو یا حضر ہو، ضرورت ہو یا نہ ہو۔ (الدر المنضود)

④ مسحِ خفین میں اختلاف کی تفصیل:۔ **مسح علی الخفین** (موزے) کے جواز پر اجماع ہے، بعض حضرات نے امام مالکؒ کی طرف عدمِ جواز کی نسبت کی ہے لیکن وہ غلط ہے، صرف روافض **مسح علی الخفین** کو آیتِ وضو کے ذریعہ منسوخ کہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ **حدثنی سبعون من اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ انہ کان یمسح علی الخفین** (ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے میں نے موزوں پر مسح کی روایات سنی ہیں)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے **ما قلت بالمسح علی الخفین حتی جائنی مثل ضوء النھار** اور انہوں نے اسے اہل السنۃ والجماعۃ کی علامات میں سے قرار دیا ہے **فقال نفضل الشیخین (ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما) و نحب الختنین (عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) و نری المسح علی الخفین**"

قال العینی روی المسح علی الخفین اکثر من ثمانین صحابیا (مسح کی روایات اسّی سے زائد صحابہ سے مروی ہیں)

اہل السنۃ والجماعۃ کی دلیل وہ احادیثِ متواترہ ہیں جن سے مسح علی الخفین ثابت ہے اور احادیثِ متواترہ کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ روافض کی دلیل آیتِ وضو کا ایک جواب تو ابھی گزرا کہ احادیثِ متواترہ سے اس پر زیادتی کی گئی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیتِ وضو کے نزول کے بعد بھی خفین پر مسح کرنا ثابت ہے چنانچہ حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ آیتِ وضو کے نزول کے بعد آپ ﷺ کے وصال سے صرف پچاس دن پہلے مسلمان ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کا حکم منسوخ نہیں ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۱ ص ۳۵۸)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

الشق الاوّل .....**اکتب ترجمۃ جامعۃ موجزۃ للامام محمد بن الحسن الشیبانی ثم عرف بموطئہ ھذا بحیث تذکر خصائصہ ومیزاتہ وتفوقہ علی بقیۃ الموطات۔**

جواب ..... ① امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف:۔ نام ونسب: کنیت ابوعبداللہ، نام محمد ہے۔ والد کا نام حسن اور دادا کا نام فرقد ہے اور شیبانی نسبت ہے۔ اصل مسکن جزیرۂ شام ہے، آپ کی ولادت واسط میں ۱۳۲ھ میں ہوئی، آپ کے والدین وغیرہ مستقل طور پر کوفہ منتقل ہوگئے تھے، یہیں آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی۔

تحصیل علوم: چودہ سال کی عمر میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر علم حاصل کیا، چار سال تک خدمت میں رہے پھر امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل کی، ان کے علاوہ امام اوزاعی، سفیان ثوری اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علم حدیث میں استفادہ فرمایا، یہاں تک کہ باتفاق اہلِ علم فقہ کے بلند پایہ امام، تفسیر وحدیث کے ماہر وحاذق اور لغت وادب کے نازش روزگار مسلّم استاد بنے۔

معمولاتِ زندگی: محمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے، ایک حصہ سونے کے لئے، ایک نماز کے لئے اور ایک درس کے لئے۔ وہ بہت زیادہ جاگتے تھے، کسی نے کہا کہ آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا میں کس طرح سو جاؤں جبکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں۔

تصنیفات: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ جن میں سے سب سے مشہور کتابیں یہ ہیں مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، کتاب الحج، سیر صغیر، سیر کبیر، رقیات وغیرہ۔

وفات: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۷ سال کی عمر پا کر ۱۸۹ھ میں ''ری'' شہر میں وفات پائی۔

② مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف وخصائص:۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے مشہور کتاب ''مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ'' ہے۔ یہ حدیث کی وہ مشہور کتاب ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری مؤطاؤں سے علمی اور فنی اعتبار سے زیادہ بلند پایہ ہے۔ اس میں احادیثِ مرفوعہ اور موقوفاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم مسند ومرسل روایات کی مجموعی تعداد (۱۱۸۵) ہے۔ جسمیں (۱۰۰۵) تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اور (۱۷۵) دوسرے طریق سے ہیں۔ جن میں (۱۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں اور (۴) قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اور بقیہ دیگر حضرات سے مروی ہیں۔

چونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مؤطا میں بہت سے آثار وروایات اور مسائل کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے حضرات سے نقل کیا ہے اس لئے مجازاً اس کا انتساب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف ہونے لگا۔ (ظفر المحصلین باحوال المصنفین)

الشق الثانی.....**عن عبداللہ بن رافع عن ابی هريرة انه ساله عن وقت الصلاة، فقال ابو هريرة انا اخبرك صل الظهر اذا كان ظلك مثلك، والعصر اذا كان ظلك مثليك والمغرب اذا غربت الشمس والعشاء مابينك وبين ثلث الليل فان نمت الى نصف الليل فلا نامت عيناك، وصل الصبح بغلس**۔ (ص۴۱۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث واشرح قوله "فان نمت الى نصف الليل فلا نامت عيناك"۔ اذكر اختلاف العلماء فى وقت صلاة الفجر والعصر والعشاء۔ اذكر دلائلهم على ماذهبوا اليه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قولِ مذکور کی تشریح (۳) صلوٰۃِ فجر، عصر اور عشاء کے وقت میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن رافع رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تو نماز پڑھ ظہر کی جب کہ ہو جائے تیرا سایہ تیری مثل اور نماز پڑھو عصر کی جبکہ ہو جائے تیرا سایہ تیری دو مثل اور نماز پڑھ تو مغرب کی جبکہ سورج غروب ہو اور نماز پڑھ تو عشاء کی مغرب اور ثلثِ لیل کے درمیان میں، پس اگر تو سو جائے نصف رات تک تو پھر نہ سوئیں تیری آنکھیں اور نماز پڑھ تو فجر کی غلس میں۔

② قولِ مذکور کی تشریح:۔ ① یہ جملہ زجر وتوبیخ پر مشتمل ہے کہ جو شخص بغیر نماز پڑھے سو جائے اللہ کرے اس کو نیند نہ آئے ② یہ جملہ دعائیہ کلمہ ہے کہ اگر تیری عشاء کی نماز رہ گئی اور تو نصف رات تک سویا رہا تو پھر جب تک تو نماز نہ پڑھے اس وقت تک تجھے نیند ہی نہ آئے، یعنی نصف رات سے نماز عشاء مؤخر نہیں ہونی چاہیے۔

③ و ④ صلوٰۃِ فجر، عصر اور عشاء کے وقت میں اختلاف اور ائمہ کے دلائل:۔

صلوٰۃ الفجر کا وقت: فجر کے وقت کی ابتداء بالاتفاق طلوعِ صبح صادق سے ہے۔

فجر کے وقت کی انتہاء میں اختلاف ہے: جمہور کے نزدیک فجر کے وقت کی انتہاء طلوعِ شمس ہے، بعض حضرات کے نزدیک اسفار تک ہے اور امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **وان آخر وقتها حين تطلع الشمس** نیز حضرت عبداللہ

0313 6257913 maktabazakariyamultan@gmail.com

بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بھی مرفوع روایت ہے **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... ووقت صلوة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس** نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **من ادرك ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك صلوة الصبح** ۔

قائلینِ اسفار کی دلیل: امامتِ جبرائیل والی حدیث ہے **صلی الصبح فی الیوم الثانی حین اسفرت الارض** جبکہ دوسرے دن آخری وقت بتلانا مقصود تھا۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حدیثِ امامت جبرائیل علیہ السلام مقدم ہے اور بقیہ احادیث مؤخر ہیں لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز یہ حدیث وقتِ مختار پر محمول ہے۔

صلوۃ العصر کا وقت: عصر کے وقت کی ابتداء جمہور کے نزدیک مثلِ اوّل کے بعد ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مثلین کے بعد ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **صلی بنا رسول اللہ اذا کان ظلك مثلك والعصر اذا کان ظلك مثليك**۔ جمہور کی دلیل: حدیثِ امامت جبرائیل علیہ السلام ہے **ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیئ مثله**۔

جواب یہ ہے کہ بیانِ اوقات میں یہ حدیث مقدم ہے اور بقیہ احادیث مؤخر ہیں لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے۔

نمازِ عصر کے وقت کی انتہاء ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک غروبِ شمس ہے اور بعض سلف کے نزدیک مثلین تک اور بعض کے نزدیک اصفرارِ شمس تک ہے۔

ائمہ اربعہ وجمہور کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **من ادرك ركعة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر**۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت صلوة العصر مالم تغرب الشمس**۔ جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ وقتِ مختار پر محمول ہیں۔

صلوۃ العشاء کا وقت: ائمہ اربعہ وجمہور کے نزدیک نمازِ عشاء کے وقت کی ابتداء شفق کے بعد ہے، اگرچہ شفق کی تفسیر میں احمر یا ابیض کا اختلاف ہے اور نمازِ عشاء کے وقت کی انتہاء امام ابوحنیفہ اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک طلوعِ فجر ہے، پھر حنفیہ کے نزدیک ثلثِ لیل تک مستحب وقت، نصفِ لیل تک مباح وقت اور اس کے بعد مکروہ وقت ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک عشاء کے وقت کی انتہاء ثلثِ لیل ہے اور بعض کے نزدیک نصفِ لیل ہے۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی دلیل: ① حضرت ابنِ عباس، ابوموسیٰ اشعری، ابوسعید خدری، ابوہریرہ اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہم کی وہ سب روایات ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر ہے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلثِ لیل تک، کہیں نصفِ لیل تک اور کہیں رات کے دو ثلث تک نماز کو مؤخر کیا، معلوم ہوا کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت ہے۔ ② حضرت عمر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی طرف خط لکھا تھا **وصل العشاء ای اللیل شئت والا تغفلها**۔ ③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا **ماافراط صلوة العشاء؟ قال طلوع الفجر**۔

دوسرے اقوال کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ثلثِ لیل یا نصفِ لیل کا ذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث کے قرینہ سے وقتِ افضل پر محمول ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص۴۰۷، درس ترمذی ج۱ ص۳۹۳، المسائل والدلائل ص۲۰۷)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

❁ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ❁

﴿ یا ربّ صلّ و سلّم دائما ابدا ، علٰی حبیبک خیر الخلق کلّهم ﴾

تمت بالخیر

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الجواب عالمیہ بنین دوم:١٤٤٤ھ﴾

﴿الورقة الاولیٰ: سنن و شمائل﴾

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٤٤ھ

الشق الاوّل.....عن ابی امامة قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ ما ضَلّ قومٌ بعد ھُدًی کانوا علیه الّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثمّ تَلَا ھٰذه الآیةَ: بل ھم قوم خصمون.... . وعن عبد اللّٰہِ بنِ عباسٍ قال: قال رسولُ اللّٰہ ﷺ ابی اللّٰہ ان یَقْبَلَ عملِ صاحبِ بدعةٍ حتّی یَدَعَ بِدْعَتَهٗ۔

ترجم الحدیثین واشرحھما۔ بیّن اھمیة السنة وحجیتھا مع ذکر اقسام البدعة و احکامھا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث کی تشریح ③ سنت کی اہمیت و حجیت ④ بدعت کی اقسام واحکام۔

جواب..... ① ـــــ س کا ترجمہ:۔ ما: ہدایت پا مگر جس کو فرما۔

ما گیا ہو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ س کریمہ تلاوت فرمائی: بل ھم قوم خصمون یہ آ۔ (بلکہ وہ لوگ الوقوم ہیں)۔

ما کہ اللہ تعالیٰ اسوقت تک بدعتی کا کوئی عمل قبول فرما۔ ما

حت تک کہ وہ بدعت کو ترک نہ کردے۔

② احادیث کی تشریح:۔ س میں ''جدل'' کی تحقیق میں ملا علی قاریؒ تین اقوال نقل کئے ہیں: ① اپنے نبیوں کے ساتھ باطل طریقہ سے ۔ ما اور ان پر عناد و دشمنی کی وجہ سے یا انکار کی وجہ سے معجزہ کا طلب کرنا۔ ② دلائل کا دلائل سے تقابل کرنا۔ ③ قرآن میں لڑنا و۔ ما، اپنے مذہب اور اپنے رخ کے اقوال و آرا کو فروغ دینے کیلئے خواہ مخواہ لڑ۔ ما اور حق کی مدد کئے بغیر ان کی ترویج کیلئے بلاوجہ کوشش کرنا۔ یہ طریقہ جہلاء ام البتہ اعلاءِ کلمۃ اللہ اظہارِ حق اور غلبۂ ام کی خاطر صحیح نیت کے ساتھ فرقِ باطلہ سے مباحثہ ومناظرہ فرض کفایہ۔ الغرض کوئی بھ

س کے بعد اسی جدل کی وجہ سے ہی گمراہ ہوئی (تکمیل الحاجۃ:١١٦) دوسری حدیث س میں بدعت کی قباحت و ت

ع کا ذکر کہ۔ مدعت اتنا قبیح عمل کہ۔ حت تک بدعتی اپنی بدعت کو ترک نہ کردے اسوقت تک بدعتی کا کوئی عمل قابلِ قبول ہی

③ سنت کی اہمیت وحجیت چند ارشاداتِ نبویہ ﷺ سے۔ س کی اہمیت سمجھی جاسکتی۔

آپ ﷺ ما: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم وشام اس حال میں کر کہ تمہارے دل میں کسی کیلئے کینہ نہ ہو تو ایسا کرو، پھر مجھ سے فرمایا ما: اے میرے پیارے بیٹے! یہ میری سنت میں سے اور جس میری ۔ س کو زندہ کیا تو اس مجھ سے محبت کی اور جس مجھ سے محبت کی تو وہ ۔ حت میں میرے ساتھ ہوگا (ترمذی)۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: جو میری امت میں فساد اور بگاڑ کے وقت میری ۔ س کو مضبوطی سے پکڑے گا، اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا (مشکوۃ)۔ فرما۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ﷺ جیلہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑیں، ۔ حت تک تم ان کو پکڑے کر گمراہ ہو ۔ سکے، وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ہیں (مشکوۃ)۔ ملا علی قاریؒ شارحِ مشکوۃ لکھا کہ کیونکہ تم د کہ کسل

ق کی وجہ سے ۔ س کو ترک کرنا ملامت وعقاب کا باعث س کو نا قابلِ اعتناء سمجھ کر اس پر عمل نہ کرنا حداوندی کا فرما۔

سبب س کا انکار بدعتی ہو کا اظہار (مرقاۃ)۔ نیز آپ ﷺ ما: جس میری ۔ س کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ چار باتوں فسے اکریم کرے گا: نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کرے گا۔ فا۔ حرو بدکار لوگوں کے دلوں میں اس کی ڈال دے گا۔ رزق میں کشادگی کرے گا۔ دین میں پختگی فرمائے گا۔ (۔ سات۔ کراچی)

(حجیتِ سنت وحدیث کی تفصیل کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٤٣ھ۔)

④ بدعت کی اقسام واحکام:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٣٣ھ۔

0312 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة الثانية: صحيح مسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤٤ھ

الشق الاوّل.....عن ابنِ ابی مُلَيْكَةَ قال: كتبتُ الٰی ابنِ عباسٍ اسئله ان يَكْتُبَ لی كتابا ويُخْفِیْ عَنِّیْ فقال: وَلَدٌ نَاصِحٌ، اَنَا اَخْتَارُ لَهُ الْاُمورَ اِخْتِيَارًا واُخْفِیْ عنه، قال: فَدَعَا بِقَضَاءِ عَلِیٍّ فَجَعَلَ يَكْتُبُ منه شَيْئًا ويَمُرُّ به الشَّيْئُ فيقولُ واللّٰهِ ما قضٰی بِهٰذا عَلِیٌّ اِلّا اَنْ يَكُوْنَ ضَلَّ۔(باب النهی عن الرواية عن الضعفاء)

حدّثنا سفيانُ قال: كَانَ النَّاسُ يَحْمِلُوْنَ عن جابرٍ قَبْلَ ان يُظْهِرَ مااَظْهَرَ فلمّا اظهر ما اظهر اِتَّهَمَهُ النَّاسُ فی حديثِهٖ وتَرَكَهُ بعضُ الناسِ ، فقيل له: وما اَظْهَرَ؟ قال: الايمانُ بِالرَّجْعَةِ۔

ترجم الروايتين واشرح الرواية الاولٰی شرحا موجزا۔ من هو جابر؟واذكر ترجمته و ما هو حكم المرويات التی رواها جابر قبل ايمانه بالرجعة و مروياته بعد الايمان بها ۔اوضح عقيدة الرجعة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب: ① روایات کا ترجمہ ② روایتِ اولی کی تشریح ③ جابر کا تعارف ومرویات کا حکم ④ رجعہ کا عقیدہ رکھنے کی وضاحت۔

جواب..... ① روایات کا ترجمہ:۔ ابن ابی ملیکہ بیان فرماتے ہیں جبکہ میں ابن عباسؓ کو لکھا کہ میرے لڑکا خیر خواہِ دین ہے میں اس کیلئے احادیث لکھوا کر پوری طرح اس کیلئے منتخب کروں گا اور چھپا کر باتیں چھپالوں گا پھر ابن عباسؓ کے فیصلے منگوائے اور ان میں سے بعض باتیں لکھنے لگے اور بعض باتوں کو دیکھ کر فرماتے اللہ کی قسم علیؓ یہ فیصلہ کیا اور کر کیا تو وہ گمراہ گئے ہیں۔

دوسری روایت کا ترجمہ ملاحظہ ہو(الشق الثانی من السوال الاول١٤٢٩ھ)

② روایتِ اولی کی تشریح:۔ لوگوں حضرت علیؓ کے فیصلہ جات میں خلط ملط کر دیا تھا اور بہت سے غیر معتبر وجھوٹے اقوال وقضایا ان کی طرف منسوب کر دیئے تھے،تو ابن ابی ملیکہؒ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے متعلق ارکیا۔ ابن ابی ملیکہ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف جو الحاقی قضایا اور فیصلے لوگوں منسوب کر رکھے ہیں وہ نہ لکھیں بلکہ وہ چھپا دیں۔ باقی فیصلے لکھدیں،ابن عباسؓ فرمایا کہ ابن ابی ملیکہ اچھا بچہ میں اس کیلئے معتبر اور اچھی باتیں لکھوں گا اور غیر معتبر کو اس سے چھپا دوں گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کی طرف منسوب تمام قضایا کو منگوالیا اور غور سے دشروع کر دیا اور لوگوں آپ کی طرف جو جھوٹے فیصلے منسوب کئے تھے بس کو مٹا دیا اور جو صحیح تھے وہ باقی رکھ کر لکھدیئے بعض بنا فیصلے سامنے سے گذرتے تھے،تو ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ اگر علی ایسا فیصلہ کیا تو علی گمراہ ہو گئے،حالانکہ یہ پکی بات کہ علی گمراہ تھے،لہٰذا ان غلط فیصلوں کی علی کی طرف فتح غلط اور بہتان پر مبنی ہے جھوٹ۔

اس روایت سے خوب ثابت ہوا کہ اپنی روایات کو توثیق کیلئے اکابر پر پیش کرنا یقہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ و ④ رجعہ کا تعارف،مرویات کا حکم وعقیدہ رجعہ کی وضاحت:۔

الشق الثانی.....عن عبدِ اللّٰهِ بن مالكِ ابن بُحَيْنَةَ انّ رسول اللّٰهِ ﷺ مرّ برجل يصلّی وقد اُقيمت صلاةُ الصبح فكلّمه بشيئ لاندری ما هو، فلمّا انصرفنا احطنا به نقول: ماذا قال لك رسولُ اللّٰهِ ﷺ؟ قال قال لی:يوشك ان يصلّی احدكم الصبح اربعا ۔

ترجم الحديث ترجمة سلسة۔ اكتب معنی العبارة التی فوقها خط۔ حرّر اختلاف الائمة فی مسئلة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلاة۔ قال القعنبی:عبد اللّٰه بن مالك ابن بحينة عن ابيه، فقوله:عن ابيه فی هٰذا الحديث خطأ ام صواب؟ ان كان خطأ فبيّن وجهه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب: ① حدیث کا ترجمہ ② عبارتِ مخطوطہ کا مفہوم ③ اقامت شروع

ہو کے بعد نفل شروع کر میں اختلاف ④امام قعنبی کے قول کی وضاحت۔

جواب ..... ① ب کا ترجمہ:۔ سے روایت ﷺ کر رایک ایسے پ رہوا

جو نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو کے بعد نماز (سنتیں) پڑھ رہا تھا ﷺ پ تم سے کیا فرما ما جو ہمیں معلوم ہو کہ کیا کہا،

جب نماز سے فارغ ہوئے تو اسے گھیر لیا اور اس سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ ما؟ اس کہا کہ آپ مجھ سے فرما ما

قریب رہنے لگے گا۔

② عبارتِ مخطوطہ کا مفہوم:۔ مقصد یہ کہ۔ حب نفل کی نیت باندھ لی تو یہ چار

رکعات ہوگئیں۔ تو گویا ایک اعتبار سے تم کی چار رکعات پ رہے رہو۔

③ اقامت شروع ہو کے بعد نفل شروع کر میں اختلاف:۔ ائمہ احناف کے ۔ ر دیک فجر کے علاوہ تمام سنتوں کا یہی حکم کہ۔ حب

جماعت کھڑی ہو جائے تو کسی قسم کی سنت رھی جاسکتی۔ علامہ زیلعی کا کہ ا کر جماعت کی ایک رکعت بھی فوت نہ ہوتی ہو تو

مسجد سے باہر عام سنتوں کا پڑھنا جائز کر ایک رکعت بھی فوت ہوتی ہو تو عام سنتوں کا پڑھنا صحیح، ہاں فجر کی سنتوں کا حکم اس

سے مختلف۔ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ا ک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت اور ا ک فجر کی سنتوں کی فضیلت،

ا کر کوئی دوں فضیلتوں کو پا کر سکتا تو وہ ایسا کرے اور ا کر جماعت کی فضیلت فوت ہو جاتی ہو تو نمازی جماعت کی فضیلت کو ترجیح

دے، کیونکہ جماعت کے ترک کر پ ر سب کے ترک پر

مات یہ کہ فجر کی سنتوں اور عام سنتوں میں فرق، فجر کی سنتوں کی بہت ۔ ری تاکید آئی، یہاں ت ک کہ بعض فقہاء ان کو وا۔ ۔

حب کہا، اسی وجہ سے جما ت ع کے قیام کے دوران فجر کی سنتوں کے پڑھنے نہ پڑھنے میں فقہا کا اختلاف۔ شوافع وحنابلہ

کے ۔ ر دیک جماعت کے دوران کوئی بھی سنت رھی جاسکتی، خواہ فجر کی ۔ سب ہو یا دیگر اوقات کی سنتیں ہوں، مسجد کے اندر ہوں یا باہر

ہوں، سب ممنوع ہیں۔ احناف و مالکیہ کے نزدیک عام سنتوں کا حکم اسی طرح، لیکن فجر کی سنتوں کا حکم مختلف، امام مالک فرماتے ہیں

کہ فجر میں ا ک حب مسجد میں داخل ہو گیا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو اس کو چاہئے کہ ۔ سب چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر

ابھی یہ مسجد میں داخل ہوا تو دروازوں سے ماہر سنت پڑھ سکتا لیکن اس کی ا ک شرط یہ کہ امام کے ساتھ کوئی رکعت فوت نہ

ہو جائے، ا کر رکعت کے فوت ہو کا خطرہ ہو تو ۔ سب کو چھوڑ دے، جماعت میں شریک ہو جائے اور طلوعِ آفتاب کے بعد سنت پڑھ لے۔

دوسری شرط یہ کہ مسجد سے ماہر امام کی قرآت کی آواز نہ ہو۔ حنفیہ کے ۔ ر دیک مسجد کے دروازوں سے باہر فجر کی سنتوں کا پڑھنا جائز

مگر شرط یہ کہ امام کے ساتھ آ حری رکعت ملنے کی امید ہو، ورنہ پڑھنے کی ممانعت ماب کی تمام احادیث سے

الال کیا، مالکیہ واحناف فجر کی سنتوں کی ت ماکید اور فضیلت والی روایات سے الال کیا۔ ہدایہ میں ا ک حدیث

عبداللہ کے والد کا زچہ کے گھوڑے تم کو رو بھاگتے۔ عبد

④ امام قعنبی کے قول کی وضاحت:۔ عن عبد الله بن مالك بن بحينة: مام نا لک اور ماں کا ۔ مام

اللہ اپنے باپ اور ماں دوں کی طرف منسوب، جس طرح عبداللہ بن ابی بن ل اور محمد بن علی بن الحنفیہ، ماں اور ۔ باپ دوں کی طرف

منسوب ہیں۔ اس میں وہو ت ما سما بكليته سما نكه بالكينه کا شوہر اور عبداللہ بحينه و

مالک دوں کا بیٹا بحينه سے ابن کے لفظ میں الف لکھا جا ت ما کہ معلوم ہو جائے کہ عبداللہ بحينه سما

بحينه، مالک سما مات یہ قابل غور کہ بعض دوں میں ما

مالک فتح ضبط، یہاں امام مسلم قعنبی کے حوالہ سے کہا کہ اس عن ابیہ کا لفظ ذکر کیا جو کہ خطاء۔ (تحفۃ المنعم ۳:۱۳٦)

﴿السوال الثاني﴾ ١٤٤٤ھ

الشق الاوّل .....عن انسٍ قال: وَاصَلَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ فی اوّلِ شهرِ رمضانَ فَوَاصَلَ ناسٌ مِنَ المسلمینَ فبلغه

ذٰلك فقال: لو مُدّ لنا الشهرُ لَوَاصَلْنَا وِصَالًا يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُونَ تَعَمُّقَهُمْ إِنَّكم لستم مِثْلِيْ، او قال: إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ،انّي اَظَلّ يُطْعِمُنِي ربّي ويَسْقِيْنِيْ. قال عبدُ اللّٰهِ بْنُ شَقِيْقٍ: كَانَ عُثْمَانُ يَنْهٰى عن المُتْعَةِ وكان عليٌّ يَأْمُرُ بِهَا فقال عثمانُ لِعَلِيٍّ كَلِمَةً ثمّ قال عليٌّ: لقد عَلِمْتَ انّا قد تَمَتَّعْنَا مع رسولِ اللّٰهِ ﷺ فقال: اَجَلْ ولٰكِنّا كُنّا خَائِفِيْنَ.(كتاب الصوم باب النهى عن الوصال. كتاب الحج باب جواز التمتع والرد على منعه)

ترجم الحديثين. اشرح الحديث الاول مع بيان اقوال العلماء فى حكم "الوصال" هل يجوز ام لا؟ اذكر اقوال اهل العلم فى تاويل قوله ﷺ: انّى اظلّ يطعمنى ربى ويسقينى. لماذا كان ينهى عمر وعثمانؓ عن التمتع وماذا اراد عثمان بقوله:اجل ولٰكنّا كنّا خائفين؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u :①احادیث کا ترجمہ ②حدیث اول کی تشریح ③صومِ وصال کا حکم ④انّی اظلّ یطعمنی ربی ویسقینی کی تاویل ⑤حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے تمتع سے منع کر I کی وجہ ⑥اجل ولٰکنّا کنّا خائفین کی مراد۔

جواب..... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے مروی u کہ حضور اکرم ﷺ I آخر رمضان میں صومِ وصال رکھنا شروع کر دیا (آپ ﷺ کی دیکھاد #)مسلمk ں میں سے بھی بعض لوگوں I صومِ وصال شروع کر دیا جب آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا: اگر مہینہ ہمارے وا : لمبا ہو جاتا تو میں ایسا وصال کرتا کہ زیادتی کر I والے زیادتی چھوڑ مٹھے۔تم میری طرح ^ ہو یا فرمایا کہ میں تمہاری طرح ^ ہوں میں تو اس حال میں رہتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا u ۔

حضرت عبداللہ بن شقیقؒ فرماتے ہیں کہ حضرتؓ نے تمتع سے منع فرماتے تھے جب کہ حضرت علیؓ تمتع کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ حضرتؓ I حضرت علیؓ سے ایک بات کہی (اس کجواب) حضرت علیؓ I فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کS I رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمتع کیا u ۔حضرتؓ ن I کہا:ہاں u d ،لیکن اس وقتs خوف میں ہوتے تھے۔

❷ حدیثِ اول کی تشریح:۔ دو دن یا تین دن تک مسلسل کھائے پیئے بغیر روزہ رکھنے کا نام وصال u ۔آنحضرت ﷺ I خود وصال کے روزے رکھے مگر امت کو سختی سے منع فرمایا، کیونکہ صومِ وصال رکھنے سے دیگر اعمال میں سستی آ سکتی u ،نیز جان کا خطرہ بھی u اور مرض لاحق ہو I کا ا ل بھی u تو یہ روزے آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہیں، آپ کو اللہ تعالی I طاقت دی تھی تو آپ ﷺ صومِ وصال رکھتے تھے۔

❸ صومِ وصال کا حکم:۔ اب امت کیلئے صومِ وصال کا کیا حکم u ؟اس میں فقہاء کا کچھ اختلاف u :اہلِ ظواہر کے نزدیک وصال کا روزہ رکھنا حرام u ،شوافع کا ایک قول بھی کراہت تنزیہی کا u ۔امام مالک، ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وصال کا روزہ مکروہ تنزیہی u ،حرام ^ u ۔شوافع کا ایک قول بھی اسی طرح u ۔] میں سے ایک جماعت کی رائے یہ u کہ صوم وصال مطلقا جائز u ۔ایک اور جماعت کا خیال u کہ صوم وصال میں جن لوگوں کیلئے - مشقت ہو تو ان کیلئے اس کا رکھنا حرام u لیکن جن کیلئے اس میں مشقت شدید نہ ہو تو ان کیلئے مباح u ۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

دلائل: ر I عدم حرمت پرا لال کیا u کہ} بہ کرام I جب صومِ وصال کے ترک کر I سے انکار کیا تو آنحضرت ﷺ I ان کے ساتھ وصال کا روزہ رکھا، اگر حرام ہوا تو آپ ﷺ / بھی ان کو اجازت ن دیتے، اگر چہ بطورِ سزا ہو۔

نیز حضرت عائشہؓ کی روایت u جو اس باب کے آخر میں آ رہی u کہ آپ ﷺ I رحمۃً وشفقۃً یہ ممانعت کا حکم دیا u ۔

اہلِ ظواہر I اس باب کی ظاہری احادیث سے ا لال کیا u اور نہی کو حرمت پر محمول کیا u ۔

ر I ممانعت کی احادیث کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا u اور آنحضرت ﷺ کے عمل کو خصوصیت پیغمبری پر محمول کیا u ۔آنحضرت ﷺ I } بہؓ کے ساتھ جو وصال کا روزہ رکھا u یہ زجر و توبیخ کیلئے تھا، لہٰذا مکروہ تنزیہی کا حکم اپنے مقام پر برقرار u ۔علامہm فرماتے ہیں کہ صوم وصال کو حرام یا مکروہ کہنا بہت مشکل u ۔بہر حال ظاہری احادیث میں - ممانعت u تو اس کو مکروہِ تنزیہی سے Q گرانا بہت مشکل u ۔باقی

} بہ کرامؓ ا آنحضرت ﷺ کی ممانعت کو رحمت وشفقت پر محمول کیا، اسی لئے بار بار منع کر ا پر بھی صومِ وصال پر اصرار فرماتے ر u ۔اگر وہ اس نہی کو حرمت پر محمول کرتے تو / بھی صومِ وصال رکھنے کا مطالبہ نہ کرتے۔

❹ انّی اظلّ یطعمنی ربی ویسقینی کی تاویل:۔ فرمایا کہ میں تمہارے ˘ ^ ہوں، میرا رب مجھے رہ m طور پر کھلاتا پلاتا u ۔ ر ا مجازا اسے قوت پر محمول کیا u کہ کھا ا پینے سے جو قوت حاصل ہوتی u اللہ تعالی وہ قوت مجھے یوں ہی بغیر کھائے پیئے دے دیتا u اور بعض ا اسے حقیقت پر محمول کرتے ہوئے کھا ا پینے سے جنت کا کھانا پینا مراد لیا u ،حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ u کہ اللہ تعالی آپ کو اپنے معارف کی ایسی غذا کھلاتا u جس سے آپ کے دل پر لذت سرگوشی ومناجات کا فیضان ہوتا u ،اللہ کے قرب سے آپ کی آ ? ں کو ٹھنڈک ملتی u اور اللہ کی محبت کی نعمت سے آپ کو سرشاری ® ہوتی u اور اس کی جناب کی طرف شوق میں افm ہوتی u ، یہ u وہ غذا جو آپ کو اللہ کی جانب سے عطا ہوتی u ،یہ رہ n غذا ایسی u جو آپ کو دنیوی غذا سے کئی گنا k ں تک کیلئے بے نیاز کر دیتی تھی۔

❺ حضرت عمرو• نؓ کے تمتع سے منع کر ا کی وجہ:۔ حضرت عمرو• ن ؓ تمتع سے منع کرتے تھے اس سے یا تو فسخ الحج الی العمرہ کی ممانعت مراد u کیونکہ اس پر} بہ کرامؓ ا صرف ایک سال عمل کیا تھا تا کہ جاہلیت کا د رٹوٹ جائے جن کا عقیدہ تھا کہ ا j الحج میں عمرہ کرنا افجر الفجور u تو یہ عمل صرف} بہ کرامؓ کے ساتھ صرف ایک سال کیلئے مخصوص تھا ˘ کہ اس باب کی تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یا یہ ممانعت اسلئے تھی تا کہ حرمین شر ~ مختلف اوقات میں عمرہ اور حج کر ا والوں سے آباد رہیں جب عمرہ اور حج تمتع کی صورت میں ایک A میں ادا ہو جائیں تو باقی سال میں حرمین خالی پڑے رہیں گے۔

❻ اجل ولٰکنّا کنّا خائفین کی مراد:۔ حضرت• ن ا کوئی ایسا کلمہ بولا جس سے وہ حضرت علی کو جواز تمتع کے فتوی سے روک دیں ،حضرت علیؓ کے ا— ر کے جواب میں حضرت• نؓ ا فرمایا کہ بیشک s ا آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا تھا لیکن اس وقت s حالتِ خوف میں تھے۔ اس خوف سے کونسا خوف مراد u ؟ صلح حدیبیہ کے عمرہ یا عمرۃ القضاء میں تمتع کا تصور ^ ہوسکتا کیونکہ وہ صرف عمرہ تھا حج کا زمانہ ^ تھا تو تمتع کا خوف کہاں تھا۔ حجۃ الوداع میں تمتع کا خوف بھی مراد ^ ہوسکتا، کیونکہ وہ تو فتح مکہ کے بعد کا زمانہ تھا جس میں n امن قائم ہو چکا تھا۔ جواب:① یہ جملہ سمجھ سے بالاتر u ۔② حضرت• ن ا سطحی طور پر مدمقابل کو خاموش کرا ا کیلئے ایک جملہ کہہ دیا جس کی کھود کرید کی ضرورت ^ u ۔③ عمرۃ القضاء ذیقعدہ سات ہجری میں ہوا تھا جو j الحج میں سے u اگر اسی سال کوئی آدمی اسی A میں حج کرتا تو وہ متمتع بن جاتا اور وہ خوف کا زمانہ تھا، تو حضرت• ن ا گویا عمرۃ القضا مراد لیا u اور اس وقت خوف کا زمانہ تھا۔ (تحفۃ المنعم ۳۲۵:۴)

الشق الثانی.....عَنْ هِشَامٍ قال:اخبرنی ابی عن اسماءَ بِنْتِ ابی بکرٍ قالت: تَزَوَّجَنِی الزُّبَیْرُ ومَا لَهٗ فی الارضِ مِنْ مالٍ ولا مملوكٍ ولا شیئٌ غیرَ فَرَسِهٖ، قالت:فَكُنْتُ اَعْلِفُ فَرَسَهٗ واَكْفِیْهِ مَئُوْنَتَهٗ واَسُوْسُهٗ واَدُقُّ النَّوٰی لِنَاضِحِهٖ واَعْلِفُهٗ واَسْتَقِی الْمَاءَ و اَخْرُزُغَرْبَهٗ و اَعْجِنُ ولَمْ اَكُنْ اُحْسِنُ اَخْبِزُ وكَانَ یَخْبِزُ لِیْ جَارَاتٌ من الانصارِ وكُنَّ نِسْوَةَ صِدْقٍ قالت: وكُنْتُ اَنْقُلُ النَّوٰی من اَرْضِ الزُّبَیْرِ الّتی اَقْطَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی رأسی وهی عَلٰی ثُلُثَیْ فَرْسَخٍ قالت فَجِئْتُ یوما وَالنَّوٰی علٰی رَأْسِیْ فَلَقِیْتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ ومعهٗ نَفَرٌ من اصحابِه فَدَعَانِیْ ثُمّ قال اِخْ اِخْ لِیَحْمِلَنِیْ خَلْفَهٗ قَالَتْ فَاسْتَحْیَیْتُ وعَرَفْتُ غَیْرَتَكَ فقال واللّٰهِ لَحَمْلُكِ النَّوٰی علٰی رأسِكِ اَشَدُّ مِنْ رُكُوْبِكِ معه قالت حَتّٰی اَرْسَلَ اِلَیَّ اَبُوْ بكرٍ بَعْدَ ذٰلِكَ بِخَادِمٍ فَكَفَتْنِیْ سِیَاسَةَ الْفَرَسِ فَكَاَنَّمَا اَعْتَقَتْنِیْ۔

شکل الحدیث ثم ترجمه۔ حقق الکلمات التی فوقها خط لغة وصرفا۔ هل یجب علی المرأة سیاسة امور الزوج داخل المنزل وخارجه بیّنه بوضوح۔ هل یجوز ارداف امرأة غیر ذات محرم؟ ام کان المذکور فی الحدیث مختصا برسول اللّٰه ﷺ۔ (کتاب السلام۔ باب جواز ارداف المرأة الاجنبیة...)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور کا حل مطلوب u :① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ خط کشیدہ کلمات کی لغوی و صرفی تحقیق ④ عورت پر زوج کے داخلی وخارجی امور کی ذمہ داری کا حکم ⑤ غیر محرم کو سواری پر اپنے پیچھے q ا کا حکم۔

0312 6357942 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ ہشامؒ نقل کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد ا حضرت ① ء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت زبیر بن العوامؓ ا مجھ ① ء بنت ابی بکرؓ) سے نکاح کیا اور ان کے پاس نہ زمین تھی نہ مال، نہ خادم اور نہ ایک گھوڑے کے سوا اور کوئی چیز، میں ان کے گھوڑے کو چارہ ڈالتی تھی اور ان کی طرف سے اس کی خبر گیری اور خدمت کرتی تھی اور ان کے اونٹ کیلئے گٹھلیاں کوٹتی تھی اس کو گھاس ڈالتی اور m پلاتی تھی، ڈول کے ذریعہ m نکالتی تھی اور آٹا گوندھتی تھی، میں اچھی طرح روٹی نہ پکا سکتی تھی اور میری انصاری ہمسائیاں مجھے روٹی پکا دیتی تھیں اور وہ بڑے اخلاص والی عورتیں تھیں اور میں حضرت زبیرؓ کی اس زمین سے اپنے سر پر گٹھلیاں لاتی تھی جوا ^ رسول اللہ ﷺ ا عطا کی تھی اور وہ زمین دو تہائی فرسخ دور تھی میں ایک دن اس حال میں آئی کہ میرے سر پر گٹھلیاں تھیں، میری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوگئی اور آپ ﷺ کے ا} ب میں سے چند لوگ آپ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ ا مجھے بلایا پھر اونٹ q ا کیلئے اخ اخ کہا تا کہ آپ مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیں، فرماتی ہیں مجھے حیا آئی اور (اے زبیر!) میں تیری غیرت سے واقف تھی۔ تو حضرت زبیرؓ ا کہا تیرا اپنے سر پر گٹھلیاں اٹھانا مجھے آپ ﷺ کے ساتھ سوار ہو ا سے زیادہ - دشوار تھا یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ ا اس واقعہ کے بعد میرے پاس ایک خادمہ " دی پھر اس ا مجھے گھوڑے کی دیکھ بھال اور کام کاج سے دور کردیا گویا کہ اس خادمہ ا مجھے آزاد کردیا۔

❸ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ اَعْلِفُ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر عَلْفًا (ضرب) بمعنی چارہ ڈالنا۔

اَسُوْسُ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر سِیَاسَۃً (نصر۔اجوف) بمعنی دیکھ بھال کرنا۔ تدبیر وانتظام کرنا۔

اَدُقُّ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر دَقًّا (نصر۔مضاعف) بمعنی کوٹنا۔ توڑنا وچورہ کرنا۔

اَعْجُنُ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر عَجْنًا (نصر وضرب) بمعنی گوندھنا۔

اَقْطَعُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِقْطَاعًا (افعال) بمعنی کاٹنا وجدا کرنا۔

❹ عورت پر زوج کے داخلی وخارجی امور کی ذمہ داری کا حکم:۔ اما| وی ا کہا کہ امورِ خانہ جیسے روٹی پکانا، آٹا گوندھنا، کپڑے q نا، جا| روں کی خدمت کرنا وغیرہ یہ کام مروت وحسنِ معاشرت میں داخل ہیں، عورتیں قدیم زمانہ سے اپنے خاوندوں کیلیے کام کرتی آئی ہیں لیکن یہ کام عورت پر واجب ^ ہیں۔ اس کا جی چا u کرے، دل نہ چا u تو نہ کرے۔ اگر عورت ان تمام کاموں سے انکار کردے تب بھی وہ گنہگار نہ ہوگی۔ عورت پر واجب صرف دو ہی کام ہیں: a سے انکار نہ کرے اور خاوند کے گھر میں ر u ۔

❺ غیر محرم کو سواری پر اپنے پیچھے q ا کا حکم:۔ محرم عورت کو اپنے ساتھ سواری پر q نا بلا اختلاف جائز u ۔ جو عورت محرم نہ ہو اگر وہ راہ میں ملے اور تھکی ہوئی ہو تو اس کو اپنے ساتھ سوار کرلینا درست u خصوصا جب اور نیک بخت لوگ بھی ساتھ ہوں۔ قاضی عیاضؒ ا کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی، کیونکہ حضرت ① Æ نا ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی، ام المؤمنین Æ ہ عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی زبیرؓ کی بیوی تھیں، گویا آپ ﷺ کے گھر والوں کی طرح تھیں۔ کسی اور کیلئے ایسا کرنا درست ^ u ۔(حا t)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل .....عن ابی هريرة انّ رسول اللّٰه ﷺ قال: لا عدوٰی ولا هامة ولا نوء ولا صفر.

عن جابر قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: لاعدوٰی ولا طيرة ولا غول..... عن عبد اللّٰه بن عمر انّ رسول اللّٰه ﷺ قال: لاعدوٰی ولا طيرة وانّما الشؤم فی ثلاثة: المرأة والفرس والدار۔ (باب لا عدوی ولاطيرة...)

ترجم الاحاديث الثلاثة۔ اشرح الكلمات التی فوقها خط۔ بيّن حكم تعدية المرض وورد فی بعض الاحاديث انّه ﷺ قال: لا يورد ممرض علٰی مصح ونفی العدوٰی فی الحديث المذكور فی السوال فما هو طريق الجمع بين الحديثين ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u :①احادیث کا ترجمہ ② کلماتِ مخطوطہ کی تشریح ③ مرض کے تعدیہ

کی وضاحت ④ احادیثِ تعدیۂ مرض میں تطبیق۔

جواب ..... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ الو میں نحوست ہے اور نہ رے کی کوئی اصل ہے اور نہ ماہِ صفر کی نحوست کی کوئی بنیاد ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مرض کے متعدی ہونے، بدشگونی اور غول کی کوئی حقیقت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی کی کوئی حقیقت ہے اور نحوست تین چیزوں میں ہوسکتی ہے: عورت گھوڑا اور مکان۔

② الفاظِ مخطوطہ کے معنی:۔ **لاعدوی:** یعنی بیماری میں چھوت چھات کا فلسفہ غلط ہے، عوام الناس کا یہ خیال صحیح نہیں کہ بیماری ایک سے اڑ کر دوسرے کو لگتی ہے۔ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ایک سے سرایت کر کے دوسرے کو بیماری لگنے کا عقیدہ قائم کرنا اور یہ کہنا کہ صرف اور صرف اس بیمار کی وجہ سے مجھے بیماری لاحق ہوئی ہے یہ تو شرک ہے، حقیقۃً بیماری اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے۔

لاھامۃ: لغت کے اعتبار سے ہامہ سر کی کھوپڑی کو کہتے ہیں۔ یہاں اس لفظ کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں: ① بعض علماء نے کہا کہ ہامہ سے مراد وہ پرندہ ہے جو مردہ کی کھوپڑی سے پیدا ہوتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی کھوپڑی سے ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے وہ میت کے گھر پر آتا رہتا ہے جو اس گھر کیلئے نحوست کی علامت ہوتا ہے اس عقیدہ کو رد کردیا کہ یہ تو شرک ہے۔ ② بعض علماء نے کہا کہ ہامہ سے مراد الو ہے، عرب کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کو قتل کردے تو مقتول کی کھوپڑی اور سر سے الو کی شکل میں ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے یہ الو چیختا چلاتا ہے کہ مجھے پلا دو یعنی انتقام لو جب تک مقتول کے ورثاء اس کا قصاص اور بدلہ نہیں لیتے یہ پرندہ فریاد کرتا رہتا ہے۔ اس عقیدہ کو باطل قرار دیا ہے۔ ③ بعض علماء نے کہا کہ ہامہ، بوم اور بومہ سے یہی متعارف الو مراد ہے۔ الو کے متعلق عرب کا خیال تھا کہ یہ جب کسی گھر اور مکان وغیرہ پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ جگہ ویران اور تباہ و برباد ہوجاتی ہے گویا الو کا ٹھکانا ویران مقام ہے۔ عرب کے علاوہ عجم کے بعض اوہام پرست جاہل لوگ بھی الو کے متعلق یہی خیال رکھتے ہیں، تو شریعت نے ان تمام اوہام کو مسترد کردیا ہے۔

لانوء: کا لفظ طلوع وغروب کے معنوں میں مستعمل ہے۔ کل اٹھائیس رے ہیں جو منازلِ قمر قرار دیئے جاتے ہیں، جب ان میں سے ایک رہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اسی وقت مغرب میں ایک رہ غروب ہوتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بارش ان روں کے طلوع وغروب سے ہوتی ہے اسے وہ بارش کیلئے علت اور مؤثر حقیقی سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ البتہ اگر کوئی علت اور مؤثرِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ کو سمجھے مگر بطورِ علامت کسی ظاہری علامت کی طرف ¼ کردے تو یہ کفر نہیں۔

لاصفر: شارحین اس لفظ کے دو مفہوم بیان کرتے ہیں: ① جاہلیت کے زمانہ میں عرب کا عقیدہ تھا کہ جب صفر المظفر کا مہینہ آتا ہے تو وہ اپنے ساتھ مختلف مصیبتیں اور بلائیں لاتا ہے یہ منحوس مہینہ ہے لہٰذا اس میں شادی نہیں چاہیے۔ ② بعض اوہام پرست لوگوں کا خیال تھا کہ پیٹ کے اندر ایک کیڑے کا نام صفر ہے اس کو جب بھوک لگتی ہے تو وہ پیٹ کے اندر سے آنتوں کو کاٹتا ہے جس سے آدمی مرجاتا ہے۔ شریعت نے اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ لاصفر یعنی صفر کی کوئی نحوست نہیں۔

لا طیرۃ: بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں، نفع ونقصان کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، دفعِ مضرت میں بدشگونی کا کوئی عمل دخل نہیں، لہٰذا اس کی طرف ¼ کرنا اور اس کو مؤثر حقیقی سمجھنا شرک ہے جس طرح ایک حدیث میں ہے: **الطیرۃ شرک**۔ عرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ جب ان میں سے کوئی کسی کام کے لئے پرجاتا تو وہ گھوڑوں اور دیگر مقامات سے پرندوں کو اڑا کر بھگا کر کی کوشش کرتا تھا تاکہ اس سے نیک یا بد فال لے اگر پرندہ داھنی جانب میں اڑتا تو اس کو عرب لوگ مبارک سمجھتے تھے اور اس کو ایمن کہتے تھے اور اس کو جاری رکھتے تھے، اور اگر پرندہ بائیں جانب اڑ جاتا تو اس کو نامبارک سمجھتے تھے اور اس کو اشام کہتے تھے یعنی منحوس اور اس سے باز آجاتے تھے۔ اسی طرح عرب اپنے اوہام کے تحت اڑنے والے اس پرندے کو سانح (دائیں جانب اڑنے والا) ورباح (بائیں جانب اڑنے والا) بھی کہتے تھے، چونکہ یہ سب

0313 6357917 maktabazakariyamultan@gmail.com

جاہلیت کے اوہام تھے اسلئے ٧ م ا اس کو منع کردیا u ۔

لا غول: یہ جنات اور k طین کی قسم u جس کو چڑیل کہتے ہیں۔عرب کا خیال تھا کہ جنگلات میں اس قسم کے جنات اور k طین ہیں جو اپنے رنگ وروغن اور شکل وصورت کو تبدیل کرتے ہیں اور لوگوں کو ہلاک کرڈالتے ہیں اور را ں سے بھٹکاتے ہیں۔یہ چڑیل رات کے وقت سامنے آتی u / گھوڑے کی شکل میں آ گئی تو کچھ دیر بعد کتے کی شکل میں نمودار ہوگئی، کچھ دیر کے بعد ایک ڈراm چڑیل نما عورت کی شکل میں آتی u ، کچھ دیر کے بعد ایک بڑے دیو کی شکل میں آجاتی u ، / مرغی اپنے چوزوں کے ساتھ کڑک کڑک کر کے سامنے آجاتی u ، ¼d والا ڈرجاتا u ، جو ڈر گیا وہ مرگیا اور اگر کوئی ^ ڈرا تو یہ کچھ بھی ^ کرسکتی u ۔تو آنحضرت ﷺ ا لاغول فرما کر غول کے ضرر اور نقصان کی نفی فرمائی u کہ ڈرو ^ ،اس سے کوئی نقصان ^ ہوتا اور نہ اس میں ایسی طاقت u کہ کسی کو را ˇ سے بھٹکا دے۔(درسِ مسلم وتحفۃ المنعم)

❸ مرض کے تعدیہ کی وضاحت:۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی u اس وجہ سے وہ مریض و بیمار کے پاس نہ بیٹھتے تھے کہ کہیں بیماری ہماری طرف منتقل نہ ہوجائے،تو اس حدیث میں آپ ﷺ ا اس کی تردید کردی کہ بیماری از خود سببِ حقیقی کے طور پر دوسرے کی طرف منتقل ^ ہوتی، بیماری میں یہ تاثیر ^ u بلکہ ایک موقع پر جب یہی بات ہوئی تو آپ ﷺ ا فرمایا کہ سب سے Ž اونٹ کو کس ا خارش میں مبتلا کیا u ؟ یعنی جس طرح اس کو اللہ تعالیٰ ا خارش میں مبتلا کیا u اُسی طرح باقی اونٹوں کو بھی اُسی ا اِس بیماری میں مبتلا کیا u ۔باقی تفصیل ابھی تطبیق کے ضمن میں آجائے گی۔

❹ احادیثِ تعدیۂ مرض میں تطبیق:۔ اصولی طور پر متعارض احادیث کے مابین رفعِ تعارض کے تین طریقے ہیں۔نسخ و تنسیخ،ترجیح اور تطبیق۔یعنی k ں میں سے ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیا جائے، یO متن، مفہوم، مثبت، نافی ہو ا میں کسی ایک کو ترجیح دے دی جائے یا پھر مختلف حالات وصور پر محمول کرکے تطبیق دی جائے۔یہاں سب طریقے وصورتیں ممکن ہیں:

① نسخ و تنسیخ: مالکیہ میں سے عیسیٰ بن دینارؒ ا یہ طریقہ اختیار کیا u اور مجذوم سے فرار والی روایت کو لاعدویٰ سے منسوخ قرار دیا u ۔② ترجیح: بعض اہلِ علم ا لاعـــدویٰ والی نافی حدیث کو مثبت فرار وغیرہ والی احادیث پر ترجیح دی u کہ تعدیۂ امراض نہ ہونا راجح u حاشیۂ بذل میں u لٰکن الاحادیث الصحیحة تدلّ علی ان العدوٰی لیس بشیئ (صحیح وصریح احادیث سے ثابت u کہ عدویٰ کچھ ^)۔③ تطبیق: اکثر اہلِ علم ا k ں احادیث میں تطبیق کی بھرپور کوشش کی u ۔

پھر P متعدد توجیہات کی ہیں۔① جن احادیث مبارکہ میں فرار اور بچنے کا حکم u یہ استحباب واحتیاط پر مبنی ہیں احتیاطاً l چاہیے اور جن میں نفی u اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھا ا کا ذکر u اس میں جواز بیان کرنا مقصود u یعنی احتیاطاً بچو لیکن بالکل غلط بھی مت سمجھو② زمانہ جاہلیت میں یہ اعتقاد جڑ پکڑ گیا تھا کہ جذام اور دیگر بعض بیماریوں میں یقیناً وحتماً تعدیہ u اور یہ ضرور دوسرے کو لگ جاتی ہیں اور یہ ان کی ذاتی تاثیر u تو آنحضرت ﷺ ا لاعدویٰ فرما کر اس باطل نظریہ اور خیال کی اصلاح فرمائی کہ اس کی کوئی حقیقت ^ کہ امراض بالذات اور اپنی تاثیر کی وجہ سے متعدی ہوں اور دوسروں کو لگیں، ^ ہرگز ^ ،پھر اس کی اصلاح کے بعد فرمایا کہ ظاہراً ایک سبب کی حد تک ایک مرض دوسرے کے مرض کا سبب ہوسکتا u ۔تو لاعـــدویٰ میں نفی سببِ حقیقی وتاثیرِ ذاتی کی ہوئی اور اثبات سبب ظاہری کا ہوا۔

③ تطبیق کی ایک عمدہ توجیہ یہ بھی u کہ حقیقت یہی u کہ امراض میں تعدیہ ^ اور یقیناً ^ ۔ہاں اگر کوئی ضعیف الایمان اور کمزور عقیدے والا ہو تو اسے توہمات سے بچنے کیلئے بیمار کے پاس زیادہ , ا اور کثرت سے آمد ورفت سے اجتناب واحتیاط m چاہیے کیونکہ ہو سکتا u کہ اس کو تکلیف لاحق ہو اور یہ اپنے کچے عقیدے کی وجہ سے تعدیہ کا قائل بن جائے اور مزید عقیدہ خراب ہوجائے تو اسے اس کمزوری کی وجہ سے l چاہیے نہ کہ حقیقتاً امراض میں تعدیہ u ۔

الشق الثانی.....عن امّ سلمةَ زوجِ النبيِّ ﷺ : انّ رسول اللّٰه ﷺ سَمِعَ جَلَبَةَ خَصْمٍ بِبَابِ حُجْرَتِهٖ فخرج اليهم فقال: اِنّما اَنَا بشرٌ وانّهٗ يأتينى الخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ ان يكونَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ، فَاَحْسِبُ اَنّه صادقٌ فَاَقْضِىْ له، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فانّما هى قِطْعَةٌ من النارِ فَلْيَحْمِلْهَا او يَذَرْهَا۔

0213 625 99 ... mustafazakariyamuftan@gmail.com

ترجم الحديث ترجمة واضحة۔ اشرح الحديث شرحا وافيا ۔ اكتب مقالة حول تنفيذ حكم الحاكم ظاهرا وباطنا فی ضوء اقوال الائمة ودلائلهم۔(كتاب الاقضيه۔ باب بيان ان حكم الحاكم لايغير الباطن)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u :① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ قضاءِ قاضی کے ظاہرا وباطنا نافذ ہو ا کے متعلق مقالہ۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ زوجۂ رسول ﷺ سے روایت u کہ رسول اللہ ﷺ ا اپنے حجرہ کے دروازے پر À ا والوں کا شور» تو ان کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا میں بشر ہوں اور بے شک میرے پاس ایک مقدمہ آتا u اور ہوسکتا u ان میں سے ایک دوسرے سے اپنی بات اچھے انداز سے پہنچا ا والا ہو (اپنا مدعیٰ اچھے انداز سے بیان کر ا والا ہو) تو میں یہ گمان کروں کہ وہ& u اور میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں پس میں جس کے حق میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں تو وہ کا ایک ٹکڑا u ،خواہ وہ اسے اٹھالے یا چھوڑ دے۔

② حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ ا فرمایا کہ بعض لوگ دوسرے کے مقابلہ میں اپنا مدعیٰ و دلیل پیش کر ا میں زیادہ فصیح و× اور ہk ر سمجھ دار سلیقہ دار ہوتے ہیں اور میں ایک انسان ہوں عالم الغیب ^ ہوں میں ظاہر کو دیکھ کر ہی فیصلہ کرتا ہوں، لہٰذا بھول ونسیان بشری تقاضہ u ،ایک انسان عالم الغیب تو ہوتا ^ ،کوئی CE ظاہری الفاظ اور زوردار کلام سے اپنا مدعیٰ ثابت کرے گا، حقیقت میں وہ اس میں حق پر ^ ہوگا، لیکن وہ اپنی قوتِ بیان سے حق پر معلوم ہوگا تو میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں گا حالانکہ حق دوسرے CE کا ہوگا، ایسی صورت حال میں مَیں اس کو جو کچھ دوں گا وہ آگ و دوزخ کا ٹکڑا ہوگا۔

البتہ نسیان کی صورت میں اللہ تعالی آپ ﷺ کو حق بات کی خبر دیدیتے تھے، فوراً خطاء پر تنبیہ کیلئے وحی نازل ہوجاتی تھی اور خطاء برقرار ^ رہتی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ احکام اور فیصلوں میں جو امر دوسروں سے ہوتا u وہ آپ ﷺ سے بھی ہوسکتا u اور آپ ﷺ بھی ظاہر کے مطابق ہی فیصلہ کرتے تھے، تاکہ امت بھی اس کے مطابق ہی فیصلہ کرے۔ اور ہر وہ حکم و فیصلہ جو دلیل کے موافق ہو اگرچہ وہ واقعہ کے خلاف ہو وہ خطا ^ u بلکہ وہ فیصلہ صحیح ہی u ۔(مسلم مترجم)

③ قضاءِ قاضی کے ظاہرا و باطنا نافذ ہو ا کے متعلق مقالہ:۔ كما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۲۷ھ ۔

﴿الورقة الثالثة: ترمذی اول﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل.....عن ابی هريرة قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:اذا توضّأ العبد المسلم او المؤمن فغسل وجهه خرجت من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينيه مع الماء او مع آخر قطر الماء او نحو هٰذا واذا غسل يديه خرجت من يديه كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء او مع آخر قطر الماء حتّٰى يخرج نقيا من الذنوب ، قال ابو عيسٰى: هذا حديث حسن صحيح۔

شكل العبارة وترجمها الى الاردية۔ إن كنت تقول فی ضوء هٰذا الحديث انّ الوضوء مكفر للصغائر والكبائر فهو خلاف المشهور عند اهل العلم وان كنت تقول انّه مكفر للصغائر فقط فما معنٰى قوله:حتّٰى يخرج نقيا من الذنوب ؟ اشرح قول الامام الترمذی" هذا حديث حسن صحيح" فی ضوء اقوال العلماء۔

ماذا اسم ابی هريرة ولماذا سمّی بابی هريرة، متى اسلم؟اكتب عدد مرويّاته وحقّق كلمة"ابی هريرة"نحويّا۔

جواب..... ① تا ④ كما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۱ھ و۱۴۳۶ھ ۔

⑤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام، وجہ تسمیہ، VI م اور مرویات کی تعداد، نحوی تحقیق:۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام زمانہ جاہلیت میں عبد 1/ تھا اور VI م لا ا کے بعد عبداللہ یا عبدالرحمٰن (بن صخر دوسی) رکھا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو طبعی طور پر بلیوں کے ساتھ اُنس تھا، ایک مرتبہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

آنحضرت ﷺ کی مجلس میں تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ کی آستین میں سے بلّی کا بچہ نکلا، آپ ﷺ ا فرمایا انت ابا ھریرۃ ۔انہوں ا تبرک کی وجہ سے اپنی کنیت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہی رکھ لی ۔آپ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں VI م لائے اور چار سال آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں ر u اور ۵۹ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں ۔آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد ۵۳۶۴ u ۔

نحوی طور پر یہ لفظ منصرف u یا غیر منصرف؟ تو علمائکے نزدیک اس کا عدمِ انصراف ہی معروف ومتداول u ۔بعض حضرات ا فرمایا کہ یہ صرف j ت کی وجہ سے غیر منصرفہے، ورنہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ منصرف ہوتا کیونکہ اس میں اسبابِ منع صرف میں سے صرف تانیت u ، μ ^ u ،لیکن حضرت شاہ صاحب ا اس قول کی تردید فرمائی u اور کہا کہ اگرچہ ہریرہ بذاتِ خود علم ^ u ، لیکن ابو کا مضاف الیہ بننے کے بعد μ پیدا ہوگئی u ،اور ایسی صورت میں لفظ کا غیر منصرف ہوجانا خلافِ قیاس ^ بلکہ موافق قیاس u ۔ اہلِ عرب کا معمول u کہ جب کسی مؤنث کو ''اب'' یا ''ابن'' کا مضاف الیہ بنا کر اس میں تخصیص پیدا کر دی جائے وہ اسے غیر منصرف ہی پڑھتے ہیں۔(درسِ ترمذی وخیر التوضیح)

الشق الثانی.....**عن عائشة : اَنّها اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِیَ بریرةَ فاشترطوا الوَلَاءَ فقال النبیُّ ﷺ اشتریها فانّما الوَلَاءُ لِمَنْ اَعْطَی الثَّمَنَ اَوْ لِمَنْ وَلِیَ النِّعْمَةَ۔(باب ما جاء انّ الولاء لمن اعتق)**

ترجم الحدیث الی الاردیة واشرحه شرحا یتضح منه المطلوب. ما معنی الولاء لغة واصطلاحا ؟ من هی بریرة؟ اذکر نبذة یسیرة من حیاتها.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u :① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ ولاء کا لغوی واصطلاحی معنی ④ حضرت بریرہؓ کا تعارف۔

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی u کہ انہوں ا حضرت بریرہؓ کو خرید ا کا ارادہ فرمایا تو اس کے آقاؤں ا ولاء کی شرط رکھ دی، آپ ﷺ ا فرمایا: ولاء اسی کا حق u جو آزاد کرے یا فرمایا جو نعمت کا والی ہو۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت بریرہؓ ایک یہودی کی باندی تھیں اور مسلمان ہوگئی تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس ان کا آنا جانا تھا، جب سے وہ مسلمان ہوئیں تو ان کا آقا ان پر سختی کرتا تھا، انھوں ا اپنے آقا سے اوقیہ چاندی پر کتابت کا معاملہ کرلیا، ایک اوقیہ چالیس درS کا ہوتا u ،ان کو ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا تھا، وہ اس سلسلہ میں تعاون کیلئے حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں، حضرت عائشہ ا ان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ ختم کرلیں اور ان کا آقا ان کو بیچ دے، اس طرح اس کو ایک ساتھ رقم مل جائے گی اور حضرت عائشہؓ ان کو خرید کر آزاد کر دیں گی تو بریرہ کا بھی فائدہ ہوگا کہ فوراً آزادی مل جائے گی، حضرت بریرہ ا اپنے آقا سے بات کی، حضرت بریرہ فتح الرقاب کا وظیفہ جانتی تھیں یعنی ان کے پاس ہدایا بہت آتے تھے، ان کے آقا کا خیال تھا کہ وہ وفات تک بہت مالدار ہوجائیں گی اور ان کا سارا مال آزاد کر ا والے کو ملے گا اس لالچ میں اس ا یہ شرط لگائی کہ ولاء میرے لئے ہوگا۔جب حضرت بریرہ ا یہ بات حضرت عائشہ کو بتائی تو انھوں ا نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ ا فرمایا: تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو، ولاء اسی کیلئے u جس ا آزاد کیا ہو، پھر آپ ﷺ ا لوگوں سے خطاب کیا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا u ،وہ معاملات میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں ^ ہیں، جو بھی شرط کتاب اللہ میں ^ وہ باطل u چاu سو شرطیں ہوں، کیونکہ اللہ کا فیصلہ حق اور اللہ کی شرط اوثق u ، ولاء اسی کے لئے u جس ا اس کو آزاد کیا ہو۔(تحفۃ الالمعی، مشکوۃ مترجم)

③ ولاء کا لغوی و اصطلاحی معنی :۔ لغوی طور پر ولاء کے متعدد ne بیان کئے گئے ہیں: ملکیت، قرب وتعلق، محبت، Ãv داری، دو ، وفاداری، جانثاری، اطاعت، انتظام وتدبیر۔

اصطلاح میں ولاء آزاد کر ا کے اس حق کو کہتے ہیں جو غلام کے مالک کو حاصل ہوتا u یعنی اگر کوئی CE اپنے کسی غلام کو آزاد کردے اور وہ آزادی ہی کی حالت میں مرجائے اور اپنے پیچھے کچھ مال واسباب چھوڑ جائے تو Q ذوی الفروض وعصبہ نسبی نہ ہو ا کی صورت میں

Q تمام مال واسباب کا حق دار وہی آزاد کرنیوالی ہوتا u یہ حق ِ ولاء کہلاتا u ۔

❹ حضرت بریرہؓ کا تعارف:۔ حضرت بریرہؓ ام المؤمنین ہ عائشہ صدیقہ ؓ کی آزاد کردہ لونڈی کا نام u ۔n واقعہ ابھی تشریح کے ضمن میں گزر چکا u ۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل.....عن ثوبان قال: قال رسولُ اللّٰہِ ﷺ اِنّ اللّٰہ زَوٰی لِی الارض، فَرَأیْتُ مَشَارِقَھَا ومَغَارِبَھَا واِنّ اُمّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زَوٰی لِیْ مِنْھا واُعْطِیْتُ الکنزینِ:اَلْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ، واِنّی سَألْتُ رَبّیْ لِاُمّتی ان لَّا یُھْلِکَھَا بِسَنَۃٍ عَامّۃٍ وان لَّا یُسَلِّطَ علیھم عَدُوًّا مِنْ سِوٰی اَنْفُسِھِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَھُمْ واِنَّ رَبّیْ قال: یَا مُحَمَّدُ اِنّیْ اِذَا قَضَیْتُ قضاءً فَاِنّہٗ لا یُرَدُّ۔ (باب سوال النبی ﷺ ثلاثا فی امّتہ)

ترجم الحدیث واشرحہ شرحا وافیا واذکر ھل قضاء اللّٰہ یرد ؟ حقّق الکلمات التی فوقھا خط۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u : ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح وقضاء اللہ کے رد کی وضاحت ③ خط کشیدہ کلمات کی تحقیق۔

جواب..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت u کہ رسول اللہ ﷺ ا فرمایا: بے شک اللہ تعالی ا زمین میرے سامنے کردی اور میں ا اس کے مشرق ومغرب د $ بے شک میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک یہ میرے سامنے Ë گئی u اور مجھے دوخزا ا عطا کئے گئے: سرخ اور سفید، پھر میں ا اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو ایک ہی مرتبہ قحط میں ہلاک نہ کرنا ان کے علاوہ کسی اور د« کو ان پر مسلط نہ کرنا جو ساری امت کو ہلاک کردے، اس پر رب ذوالجلال ا فرمایا: اے محمد! جب میں کسی چیز کا حکم دیتا ہوں تو وہ واپس ^ لیا جاتا....

❷ حدیث کی تشریح وقضاء اللہ کے رد کی وضاحت:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ u کہ اللہ تعالی ا میرے لئے زمین جمع کردی یعنی پوری زمین کو ایک چھوٹے سے نقشہ کی شکل میں مجھے دکھایا، پس میں ا اس کے مشرق ومغرب کو دیکھا اور بیشک میری امت کی حکومت عنقریب ان مقامات تک پہنچے گی جو میرے لئے زمین میں سے جمع کئے گئے ہیں اور مجھے سرخ وسفید دوخزا ا دیئے گئے، سرخ سے سو ا کی کرنسی اور سفید سے چاندی کی کرنسی مراد u ، ایران وروم جو اس وقت کے دو سپر پاور تھے یہ ان کی کرنسیاں تھیں یعنی ka ں حکومتوں کی دولتیں اللہ تعالی ا مجھے عنایت فرمائیں (ممکن u کہ یہ واقعہ غزوۂ خندق میں پیش آیا ہو جب آپ ﷺ ا دو تین مرتبہ کدال چلایا تھا، جس کے نتیجہ میں پتھر ٹوٹا تھا اور اس میں سے رKÉ تھی اور اس میں زمین سمیٹ کر آپ کو دکھائی گئی تھی اور قیصر وکسری کے محلات بھی دکھائے گئے گئے تھے) اور میں ا پروردگار سے اپنی امت کیلئے یہ دعا مانگی: ① وہ اس کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے۔ ② وہ غیر مسلموں میں سے اس پر کوئی د« مسلط نہ کرے جو ان کے اصل مرکز کو حلال وجائز سمجھ لے۔ اللہ تعالی ا فرمایا کہ میں آپ کی امت کے مفاد میں ان کو عام قحط سے ہلاک ^ کروں گا اور نہ میں ان پر کوئی ایسا د« مسلط کروں گا جو غیر مسلموں میں سے ہو اور وہ ان کی مرکزیت کو تباہ کردے، ساری دنیا مل کر بھی ان کو تہس ^ ^ کر Q گی۔ ③ مسلمان باs جنگ وجدال نہ کریں۔ اس کے جواب میں باری تعالی ا فرمایا کہ میں جب کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو وہ .. ا ^ جاتا یعنی ان کے بعض بعض کو ہلاک کریں گے اور ان کے بعض بعض کو قید کریں گے۔ یہ تیسری بات قبول ^ ہوئی، گویا مسلمان باs لڑیں گے اور یہی فتنے ہونگے۔

تقدیر اللہ تعالی کی جانب سے مبرم u لیکن بندوں کی جانب سے معلق u ، یعنی اسباب سے مسببات پیدا ہوتے ہیں اور اس میں محو واثبات بھی ہوتا u ، اللہ تعالی ا یہ بات قطعی طور پر طے کردی u کہ ایسے اسباب پیدا ^ ہونگے کہ امت عام قحط سالی سے ہلاک ہو جائے اور غیر ان پر مسلط ہو کر ان کی مرکزیت کو نیست ونابود کردیں، البتہ آپس میں خلفشار اور جنگ وجدال کے اسباب رونما ہوتے رہیں گے اور جب اللہ تعالی اس کا فیصلہ کریں گے تو اس فیصلہ کو کوئی ٹال ^ Q گا۔

0312 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ خط کشیدہ کلمات کی تحقیق:۔ رَوٰی: بمعنی سیٹنا وجمع کرنا۔ سنة: قحط سالی مراد u ۔

احمرو ابیض: سرخ سے سو l کی کرنسی اور سفید سے چاندی کی کرنسی مراد u ۔

بیضة: اس کے دو معنی ہیں: لو u کا خود جو جنگ میں پہنا جاتا u اور انڈا۔ اس لفظ سے کسی شیئ کی اصل بھی مراد لی جاتی u ۔

بیض القوم: احاطہ یا محفوظ جگہ کو کہتے ہیں اور بیض الدار: مکان کے بیچ کو کہتے ہیں، پس اس محاورہ کا معنی یہ u کہ جوان کی مرکزیت کو اور ان کی اصل جگہ کو پامال کردے، اس کو اجاڑ دے اور اس پر قبضہ کرلے، ایسا ^ ہوگا۔ (تحفۃ الالمعی)

﴿الورقة الرابعة: بخاری اوّل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل.....عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَن یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ. فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْئٌ مِنَ الدُّلْجَةِ ۔(باب الدین یُسرٌ)

شکلوا عبارة الحدیث وترجموا الحدیث ۔ ما هو المراد بمشادة الدین؟ بما یتبیّن منه الفهم الصحیح۔ ما هو المراد بالغدوة والروحة وشیئ من الدلجة؟ أَلیس فی احکام الدین ما قد یعسر علی المکلف؟ فکیف صحّ اطلاق الیسر علٰی جمیع احکام الدین؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u : ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ مشادۃ الدین کی مراد ④ غدوۃ، روحۃ، شیئ من دلجۃ کی مراد ⑤ تمام احکام دین کو آسان قرار دینے کی وجہ۔

جواب..... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا ۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ ﷺ l فرمایا: دین (VI م) بہت آسان u اور جE دین میں سختی کرے گا وہ دین اس پر غالب آجائے گا، پس تم لوگ میانہ روی کرو اور اعتدال سے قریب رہو اور خوش ہوجاؤ (کہ تمہیں ایسا دین ملا) اوE ودوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کر l سے دینی قوت حاصل کرو۔

③ مشادۃ الدین کی مراد:۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جE دین میں شدت اختیار کرتا u ، دین پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا u اور یہ چاہتا u کہ دین کے سارے اعمال کو من کل الوجوہ پوری طرح ادا کرے اور ہمیشہ عزیمت ہی پر عمل کرتا r u تو دین اس پر غالب آجاتا u یعنی ایسا آدمی مغلوب ہوجاتا u اور تھوڑے دن میں پھر اعمال میں کوتاہی شروع کردیتا u ، اسلئے کہ نفس کا قاعدہ ہی یہ u کہ جب اس پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا جاتا u تو کچھ k ں تک تو چلتا u اور اس کے بعد ایک دم متنفر ہوکر رُک جاتا u ، لہٰذا اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کرنا ضروری u ۔ پس لازم u کہ دین کے اندر تشدیدات کو اختیار کرکے ایسی k بت ^ m چاہیے کہ آدمی اصل عمل ہی سے رہ جائے لہٰذا اعتدال اور میانہ روی کا اختیار کرنا ضروری u ، ورنہ دین کے معاملات اور احکام میں شدت اختیار کرکے خود مغلوب ہوجائے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ^ کہ آدمی اولی اور اکمل کو چھوڑ دے اور اسے اختیار نہ کرے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ u کہ افراط سے اجتناب کرے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں u کہ یہ دین بہت مضبوط u ، اس میں نرمی اور آہستگی سے داخل ہونا چاہئے، مطلب یہ u کہ آدمی کو اپنے نفس کی سواری کے ساتھ اچھا معاملہ اور رفق کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اگر کوئی jE اس پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دے گا تو پھر اس مسافر کی مثل ہوجائے گا جو سواری کو اس کی طاقت سے زیادہ دوڑائے کہ وہ نہ منزل ہی تک پہنچ پائے گا اور نہ سواری ہی r u گی کیونکہ ممکن u سواری عاجز آکے بیمار ہو جائے یا مرجائے، اسلئے آدمی کو معتدل طریقہ اور میانہ روی اختیار k m چاہئے۔

سدّدوا کا مطلب یہ u کہ درست اور صواب طریقہ اختیار کرو جس میں نہ افراط ہو اور نہ تفریط ہو۔

قاربوا: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ u کہ اگر تم اکمل پر عمل ^ کرپاتے یا طریق اعتدال پر کُلی طور پر ^ چل پاتے ہو تو کم از کم یہ کوشش کرو کہ اس کے قریب قریب رہو۔ علامہ تیمیؒ فرماتے ہیں کہ ''قاربوا'' کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک معنی یہ u کہ عبادات

0313 6357913 maktabazakriyamultan@gmail.com

میں میانہ روی اختیار کرو، اس میں مبالغہ مت کرو، کیونکہ اگر مبالغہ کرو گے تو منزل تک ^ پہنچ پاؤ گے اور صحیح طور پر 6 M گے۔ دوسرا معنی معاونت اور مدد کرنا u ، مطلب یہ u کہ دین کے معاملات میں ایک دوسرے کی معاونت کرو۔ ان میں سے Ž معنی اس مقام پر زیادہ مناسب ہیں۔ **ابشروا:** بشارت قبول کرو اور خوش رہو۔ حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ u کہ تمہیں بشارت ہو کہ دوام کے ساتھ عمل پر ثواب u اگرچہ عمل کم ہو، گویا حضور اکرم ﷺ اس È کو بشارت» r u ہیں جو اکمل پر عمل کر l سے عاجز رہ گیا ہو کہ اگر عاجز رہ جانا قصداً نہ ہو تو اس کو پورا اجر ملے گا، اس کے اجر میں کمی ^ ہوگی۔ (کشف الباری ۲:۳۴۴)

❹ <u>غدوۃ، روحۃ، شیئ من دلجۃ کی مراد:۔</u> È وشام اور آخر شب کے اوقات سے اپنی طاعت وعبادت اور دوسرے کاموں میں مدد حاصل کرو)۔ غدوۃ: کا معنی دن کے شروع کے حصہ میں چلنا u ۔ مابین صلاۃ الغد الی طلوع الشمس کے وقت کو بھی کہا جاتا u ۔

روحۃ: زوال کے بعد چلنے کو کہتے ہیں۔ دلجۃ: بابِ افعال سے ہو تو اس کا معنی اول شب میں چلنا u ۔ باب افتعال سے ہو تو اس کا معنی آخر شب میں چلنا u ۔ بعض حضرات l کہا کہ دلجۃ پوری رات کے چلنے کو کہتے ہیں۔

علامہ سید احمد m ؒ فرماتے ہیں یہ جملے اگر انسان مضبوطی سے پکڑ لے تو ولی بن سکتا u ۔ مولانا گنگوہی ؒ فرماتے ہیں کہ تیس برس کے تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ جو چیز اتنی مشکل معلوم ہوتی تھی وہ بڑی آ m سے حاصل ہو سکتی u ، پھر یہ حدیث» کر فرمایا کہ جو چا u اس کا تجربہ کر لے، پھر دیکھئے کہ کیا کیفیت ہوتی u ۔ علامہ m ؒ فرماتے ہیں کہ دل تمام m i اعضاء کا بادشاہ u اگر یہ مضبوط r u تو تمام اعضاء اپنے اپنے کام میں چست رہتے ہیں اور یہ بادشاہ ہی کمزور ہو جائے تو باقی جوارح کچھ بھی ^ کر سکتے، ہر کام دل کی قوت سے انجام پاتا u اور خود دل کو نماز اور اللہ کے ذکر سے تقویت % u ، آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں اوقاتِ صلوۃ کی طرف اشارہ u ، آپ ﷺ l تقویتِ قلب کے اس عمل کو مختلف اوقات پر تقسیم فرما دیا جو پورے لیل ونہار میں فرحت ونشاط کے اوقات ہیں، سب سے Ž غدو ۃ È(u ، اوقاتِ نشاط میں سب سے زیادہ S t وقت یہی u ، رات کے آرام سے دن بھر کا تھکان اتر جاتا u اور ہر طرح سے انسان تازہ دم ہوتا u ۔ دوسرا وقت روحۃ (زوال کے بعد) u ، قیلولہ کر لینے کی وجہ سے اس میں بھی تھکان کا بوجھ کم ہو جاتا u ۔ تیسرا وقت دلجۃ u جو تمام اوقاتِ نشاط میں اپنی ایک خصوصیت رکھتا u ، Ž وقت میں نماز فجر، دوسرے وقت میں نماز ظہر وعصر اور تیسرے وقت میں مغرب وعشا ہیں، حضور ﷺ l یہ طریقۂ استعانت مقصد میں کامیابی کیلئے تعلیم فرمایا u ۔ علامہ کم m ؒ l لکھا u کہ حضور اکرم ﷺ گویا کسی مسافر کو خطاب فرما r u تھے کہ وہ اپنے نشاط کے اوقات کی رعایت کر کے A کرے È کے وقت انسان پر نشاط ہوتا u اور وقت بھی ٹھنڈا ہوتا u ، اسی طرح زوال کے بعد گرمی دور ہو جاتی u اور نشاط کا وقت آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا u اور اس کے ساتھ ساتھ نشاط بھی بڑھتا رہتا u ، اسی طرح شب کے آخر میں بھی نشاط ہوتا u ، کیونکہ آدمی اس وقت تک کچھ سو چکا ہوتا u ، نفس کو اس کا حق مل چکا ہوتا u ، تو گویا آپ ﷺ انسان کو زندگی کا مسافر قرار دیتے ہوئے یہ بتا r u ہیں کہ جیسے دنیا کا مسافر اپنے نشاط کے اوقات کی رعایت کر کے A کرتا u ، ایسے ہی اے دین کے مسافرو! تم بھی ان اوقاتِ نشاط کی رعایت کرو اور اپنے اعمال دینیہ کی انجام دہی میں ان کو ' ل کرو۔

0313 6357912 maktabaqaryamultan@gmail.com

❺ <u>تمام احکام دین کو آسان قرار دینے کی وجہ:۔</u> دینِ V i m کو جو یسر کہا گیا u یہ دوسرے ادیان کے مقابلہ میں u کہ دوسرے ادیان میں تشدیدات اور افراط وتفریط u جب کہ دین V i m میں ان کے مقابلہ میں آ m بھی u اور افراط وتفریط سے بھی مبرا u ۔

نیز یہ خود دینِ V i m کے اپنے اعمال کے لحاظ سے بھی یُسر u کہ دین کے کچھ اعمال عزیمت کے درجے میں ہیں اور کچھ اعمال رخصت کے درجے میں ہیں۔ جو اعمال رخصت کے درجے میں ہیں ان میں تو یسر u ہی، کیونکہ رخصت یُسر پر مبنی ہوتی u اور عزیمت کے درجے میں جو اعمال آتے ہیں ان میں بھی میانہ روی اور اعتدال کی رعایت رکھی گئی u اس وجہ سے کہا جائے گا کہ دین V i m اپنے احکام کے اعتبار سے یُسر والا دین u ۔

V i m کے اعمال کے آسان ہو l کی تفصیل: ایک سلسلہ انعاماتِ خداوندی کا u اور ایک سلسلہ عبادات کا u ، اللہ تعالیٰ انعام فرماتے ہیں اور بندہ عبادت کرتا u ، اللہ تعالیٰ کے انعامات پر نظر ڈالی جائے تو وہ بے حد وبے حساب ہیں (**وان تعدوا نعمة اللّٰهِ لا**

تحصوھا) بچہ جب بطنِ مادر میں ظلمات ثلاث میں ہوتا u اس کی پرورش کا وہاں بھی انتظام ہوتا u پھر جب وہ دنیا میں آتا u تو P پرورش وتربیت کیلئے سارے انتظامات n ہوتے ہیں، اس وقت وہ نہ بول سکتا u ، نہ اشارہ کرسکتا u اور نہ اپنی کسی ضرورت کا اظہار کر پاتا u ، لیکن حق تعالی ماں کی شکل میں اس کو ایک ایسی ہستی عطا فرماتے ہیں جو اس کیلئے مجسم رحمت ہوتی u ، اس کی ذراسی تکلیف بھی گوارا ^ کرتی، اللہ تعالی P I چھاتیوں میں اس کیلئے دودھ پیدا فرمادیا، Q I دل میں شفقت ڈال دی، وہ گرمی، سردی، بھوک پیاس اور بیماری و پر m ، ہر چیز سے P حفاظت کیلئے اپنی جان داؤ پر لگا دیتی u ، یہ سب اللہ تعالی کے انعامات ہیں۔ پھر اس کی زندگی کیلئے ہوا m ، پوشاک اور خوراک، علاج معالجہ کی ضرورت u اور یہ تمام چیزیں مہیا ہوتی ہیں۔ پھر وہ تربیت کے کتنے ہی مراحل طے کرتا ہوا اور اللہ تعالی کی بے حدو بے حساب نعمتوں سے ہر لمحہ استفادہ کرتا ہوا جوان، مضبوط اور طاقتور آدمی بن جاتا u ، پھر بھی اللہ تعالی کی نعمتیں مسلسل اس کے ساتھ رہتی ہیں، یہ سب اللہ جل شانہ کے وہ انعامات اور احسانات ہیں جن کو f ر ^ کیا جاسکتا۔ ان انعامات کے مقابلہ میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہمہ وقت بغیر کسی فترت وانقطاع کے اللہتعالی کا شکر بجالایا جاتا اور عبادات کا سلسلہ قائم رہتا لیکن سلسلۂ عبادات کس قدر معمولی ا%ھ u ۔ چنانچہ جس ذات I ہمیں وجود بخشا، رزق عطا فرمایا اور تربیت کی ذمہ داری لی، اس کو وحدہ لاشریک مانتے اور اس کو خالق و مالک تسلیم کر I کا حکم u اور دیگر ایمانیات پر یقین کر I اور ان کو دل میں جما I کا حکم دیا گیا u ۔ پھر ہر وقت عبادت کو فرض کر I کے بجائے صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئیں اور ان میں بھی اوقاتِ نشاط کا لحاظ رکھا گیا۔ چوبیس گھنٹوں میں سے نمازوں کا وقت بمشکل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بنتا u ، گویا اللہ رب العزت I چوبیس گھنٹے عبادت کو فرض کر I کے بجائے صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ اپنی بارگاہ میں حاضری دینے کا حکم دیا اور باقی سارا وقت کاروبار اور آرام وراحت کی اجازت دیدی، ظاہر u یہ یسر ہی u ۔ پھر اگر کوئی بیمار u تو Q ذمہ وضو ضروری ^ ، تیمّم کی اجازت u ، اگر بیمار u ، کھڑا ہو کر نماز ادا ^ کرسکتا تو بیٹھ کر ادا کر I کی اجازت u ، اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی قادر ^ تو لیٹ کر پڑھ لے، مسجد کی پابندی سے بھی وہ مستثنی u ، جماعت کی پابندی بھی اس پر لازم ^ رہتی۔ پھر اگر کوئی مسافر u تو اس کیلئے بھی خاص رعایتیں ہیں کہ سنن موکدہ اس کیلئے غیر موکدہ ہوجاتی ہیں، چار رکعات والی نمازیں Q I حق میں دو دو رکعت والی بن جاتی ہیں، کوئی Œ کسی سواری پر سوار u ہو I افل ادا کرنا چاہتا u تو اس کیلئے استقبالِ قبلہ کی شرط ختم کردی گئی۔ اسی طرح زکوۃ کا معاملہ بھی سراسر یُسر پر مبنی u کہ ہر Œ پر یہ فرض ^ ، بلکہ لازم u کہ وہ نصاب کا مالک ہو، مال کی ایک خاص مقدار اس کی ملکیت میں ہو، پھر ہر قسم کے مال پر بھی زکوۃ ^ بلکہ اس کیلئے نامی ہو I کی شرط لگادی، اسی طرح یہ وجوب پورے سال میں صرف ایک دفعہ u کہ اگر مال پر پورا سال گذر جائے تو زکوۃ فرض u ورنہ ^ ، پھر مزید یہ رعایت کہ سارے اخراجات اور قرضہ جات نکالنے کے بعد اگر نصاب باقی رہتا u تو زکوۃ u ورنہ ^ ، پھر جو زکوۃ نکالی جائے گی وہ بھی سارا مال ^ بلکہ اس مال کا صرف چالیسواں حصہ۔ پھر اجر وثواب اس صورت میں زیادہ رکھا جس میں مالِ زکوۃ سے آدمی اپنے اعزہ واحباب اور Ā داروں کی مدد کرے، گویا کہ جن کی خبر گیری اس کے ذمہ لازم تھی ان ہی پر ا ' ل کر I کی اجازت دیدی۔ رمضان المبارک کے روزوں میں بھی : رعایتیں اور کتنا یسر u کہ سال بھر میں صرف ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں، صرف دن میں روزہ ہوتا u رات کو کھا I پینے کی n آزادی ہوتی u + ی کھا کر روزہ رکھنے کا حکم u ، اگر کوئی بیمار u تو اسے بعد میں تندر کے بعد رکھنے کی اجازت u ، اسی طرح مسافر کو بھی رمضان کے بعد قضاء کر I کی اجازت u ۔ اسی طرح حج پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض کیا گیا، وہ بھی صرف ان لوگوں پر جن کے پاس کافی مال ہو، گھر کے اخراجات کو چھوڑ کر اس کیلئے آمد ورفت ممکن ہو، را پر امن ہو، دشواریاں ومشکلات نہ ہوں تو اس پر حج فرض u ، ورنہ ^ ۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی طرف سے انعامات کا جو سلسلہ u وہ بے نہایت u جب کہ ان کے مقابلہ میں عبادات بہت کم ہیں اور پھر ان میں یُسر ہی یُسر u ۔ (کشف الباری ۲:۳۴۱)

الشق الثانی..... **باب المجامع فی رمضان هل یطعم اهله من الکفّارة ؟... عن ابی هریرة قال: جاء رجل الی النبیّ ﷺ فقال: اِنّ الآخرَ وقع علٰی امرأته فی رمضان فقال: اَتَجِدُ ما تحرّر رقبةً؟ قال: لا قال: اَفتستطیع ان تصومَ شهرین متتابعین؟ قال: لا. قال: اَفَتَجِدُ ما تُطْعِمُ ستّین مسکینا؟ قال: لا. قال: فَاُتِیَ النبیُّ ﷺ بعرق فیه تَمْرٌ، وهو**

الزبیل.قال: اطعم هذا عندك.قال: ا علی احوج منا؟ وما بین لَابَتَیْهَا اَهْلُ بیتٍ احوج منّا.قال: فَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ ۔

اشرح الحدیث بحیث تتبیّن منه القصة المذکورة فیه۔ هل وجوب الکفّارة مقتصر علٰی نقض المرأ صومه بالجماع او یعمّ جمیع ما ینقض الصوم من اکل و شرب؟ اذکر خلاف الفقهاء فی ذٰلك مع الادلّة۔ انّ للبخاری فی نقض الصوم بالاکل والشرب رأیا خاصا انّه لا یجزئ فیه القضاء ولا الکفارة. فما هو مستند ذٰلك الرأی؟ هل یجوز فی کفارة الصوم ان یطعم الرجل اهله اِن کان مسکینا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل چار امور ہیں: ① حدیث کی تشریح وقصہ کی وضاحت ② وجوبِ کفارہ کی صورت میں اختلاف مع الدلائل ③ امام بخاری کی رائے ومستدل ④ روزہ کے کفارہ میں اپنے اہل کو کھانا کھلا ا کا جواز۔

جواب.....① حدیث کی تشریح وقصہ کی وضاحت:۔ایک} بیٌ ا خدمتِ اقدس میں آ کر عرض کیا کہ میں تو ہلاک ہوگیا، دریافت کر ا پر اس ا عرض کیا کہ میں ا روزہ کی حالت میں جماع کر لیا u ،آپ ﷺ ا جو klء کفارہ میں واجب ہوتی ہیں وہ اس سے ترتیب وار دریافت فرمائیں، اولا اعتاقِ رقبہ، ثانیا صومِ j ین متتا e ،ثالثا اطعام ستین مسکینا، آپ ا اس سے ہر ایک کے بارے میں دریافت کیا، کیا تو اس کی طاقت رکھتا u کہ کفارہ میں ایسا کرے، وہ نفی میں جواب دیتا رہا، اخیر میں جب اطعام کا نمبر آیا تو اس ا اس کا بھی انکار کیا، آپ ﷺ ا فرمایا کہ اچھا بیٹھ جا۔ اگر کہیں سے غلہ آ گیا تو اس کا بندوبست کر دیں گے، چنانچہ آپ کے پاس کہیں سے ایک بڑی زنبیل کھجور کی آئی، آپ ا وہ زنبیل اس کے حوالہ کر کے فرمایا کہ جا کر اس کو صدقہ کر دے، اس ا عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ منورہ کی پوری بستی میں ہمارے گھرانہ سے زیادہ کوئی ضرورت مند وحاجتمند ہی ^ u ،اس پر آپ کو بڑی زور کی ہنسی آئی، آخر آپ ﷺ ا فرمایا کہ اچھا یہ اپنے گھر والوں کو ہی کھلا دے۔

② وجوبِ کفارہ کی صورت میں اختلاف مع الدلائل:۔امام ابوحنیفہ وامام مالکؒ کے نزدیک جو حکم افسادِ صوم بالجماع کا u وہی حکم افسادِ صوم بالاکل والشرب کا u ،امام احمد وشافعی اور ظاہریہ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع کی صورت میں u ،اکل وشرب کی صورت میں ^ u ۔ اسلئے کہ کفارہ کا ذکر حدیث میں صرف جماع کے ساتھ وارد u ،اور افسادِ صوم بالاکل والشرب کا کوئی قصہ کسی حدیث میں وارد ہی ^ u ، اسلئے ان حضرات کے نزدیک یہ کفارہ جماع کے ساتھ مختص u ،وہ کہتے ہیں کہ جماع میں کفارہ کا وجوب بالنص یہ خلاف قیاس u ،اسلئے کہ کفارہ E طِاثم کیلئے ہوتا u اور وہ C آپ کی خدمت میں تائبا ونادماً حاضر ہوا تھا اور توبہ وندامت سے گناہ معاف ہو ہی جاتا u لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ ا اس پر کفارہ واجب قرار دیا، لہٰذا یہ حکم خلافِ قیاس ہو ا کی وجہ سے اپنے مورَد پر منحصر ہوگا۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ بعض صحیح روایات میں ''افطر'' کا لفظ u جو اپنے عموم کی وجہ سے جماع وغیرِ جماع سب کو شامل u ۔یہ حدیث اسی سیاق کے ساتھ مؤطا میں بھی u ۔مؤطا محمد میں امام محمد اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں **وبهٰذا نأخذ اذا افطر الرجل متعمدا فی شهر رمضان باکل او شرب او جماع فعلیه قضاء یوم مکانه و کفارة الظهار وهی ان یعتق رقبة الی آخره**۔ امام محمدؒ کا ا لال بھی عموم الفاظ کے پیشِ نظر u ،قیاس سے ^ ۔باقی یہ الگ امر u کہ اس روایت میں بظاہر اس رجل سے مراد وہی C u جس کا تعلق جماع سے u ،اس کے علاوہ ایک روایت صریح اکل کے بارے میں بھی ملتی u جس کو مولانا عبدالحی صاحب ا حاشیۂ موطا میں نقل کیا u جس کے الفاظ یہ ہیں: **عن ابی هریرة انّ رجلا اکل فی رمضان فامره النبی ﷺ ان یعتق رقبة.... (دار قطنی)** گو یہ حدیث O أضعیف u لیکن بعض صحیح روایات کے سیاق کے عموم واحتیاط کے پیشِ نظر یہ حجۃ درست u ۔(الدر المنضود)

③ امام بخاری کی رائے ومستدل:۔امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب طے کر ا میں شراح کو بڑا خلجان ہوا، لیکن تفصیل میں جائے بغیر صحیح بات یہ u امام بخاری کے نزدیک اگر کوئی C کسی بھی طرح روزہ توڑ دے تو اس پر / قضاءً آتی ہی ^ اور روزے کی قضاء u ہی ^ ،البتہ اگر جماع سے روزہ توڑا تو صرف کفارہ آئے گا، قضاء ^ ہوگی اور اگر اکل وشرب سے روزہ توڑا تو نہ قضاء u اور نہ کفارہ u ۔امام بخاریؒ کا ا لال اس حدیث سے u : **من افطر یوما من رمضان مرض ولا رخصة لم یقض عنه صیام الدهر کله** یعنی اگر کوئی C ایک دن بغیر کسی عذر کے روزہ توڑ دے اور پھر ساری عمر بھی روزہ رکھا u تو قضاء ^ ہوگا کیونکہ قضاء ہو ہی ^ سکتی اور یہ خطرناک

بات u ۔لوگ سمجھتے ہیں کہ امام بخاریؒ l چھٹی کردی لیکن یہ تو زیادہ سنگین بات u ، کیونکہ اس کا مطلب یہ u کہ اب روزہ کی تلافی کا کوئی را u ہی ^ ،اور کفارہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جماع کے بارے میں کفارہ نص سے ثابت u اور یہ روزہ کی تلافی ^ بلکہ تعزیر و سزا u کہ تو l روزہ کیوں توڑا؟ اور اس کی تلافی چونکہ ہو ہی ^ سکتی اسلئے اس کی قضاء بھی ^ u اور تعزیر چونکہ امر غیر معقول u ،لہٰذا وہ صرف مورِدِ نص یعنی جماع پر منحصر u گی۔ چونکہ اکل وشرب میں کوئی نص ^ آئی اسلئے اس میں کفارہ بھی ^ ۔(انعام الباری ۵:۵۲۵)

❹ روزہ کے کفارہ میں اپنے اہل کو کھانا کھلا l کا جواز:۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ جب اس آدمی l اپنے فقر کا اظہار کیا تو آپ ﷺ کے فرمان ''ا > اہلک'' کا مطلب یہ u کہ آپ ﷺ l اس Œ سے کفارہ کو ساقط کردیا، ورنہ کفارہ میں اہل خانہ پر اِطعام کہاں صحیح u ؟ لہٰذا تنگیکی وجہ سے کفارہ کا ساقط ہوجانا اس Œ کی خصوصیت u ۔

راور ائمہ اربعہ کے نزدیک فقر کی وجہ سے کفارہ ساقط ^ ہوتا۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کی مراد یہ u کہ اس وقت عُسر و ° کی وجہ سے تم یہ غلہ اہلِ خانہ پر ہی تقسیم کردو پھر Q بعد جب قدرت ویُسر ہو تو کفارہ ادا کردینا۔ اس صورت میں اس حدیث کو خصوصیت پر محمول کر l کی حاجت نہ ہوگی، لہٰذا زہریؒ کا قول ان کی اپنی رائے u ۔(ایضا)

﴿الورقة الخامسة: سنن ابی داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل.....عن فاطمة بنت ابی حبیش انّها کانت تستحاض فقال لها النبی ﷺ: اذا کان دم الحیضة فانّه دم اسود یُعرف فاذا کان ذٰلك فامسکی عن الصلاة فاذا کان الآخر فتوضّأی وصلّی فانّما هو عرق. قال ابوداؤد: قال ابن المثنٰی: حدثنا به ابن ابی عدی من کتابه هٰکذا. ثم حدثنا به بعد حفظا. قال: حدّثنا محمد بن عمرو عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت: انّ فاطمة کانت تستحاض. فذکر معناه.

اذکر اختلاف الائمة فی التمییز بالالوان واکتب ادلتهم. هٰذه الروایة ان کانت مخالفة لما ذهب الیه ساداتنا الاحناف فاجب عنها. ما هو غرض المصنف بقوله: قال ابو داؤد؟

جواب..... ❶ و ❷ اختلاف مع دلائل وجواب:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۶ھ

❸ قال ابوداؤد کی غرض:۔ قال ابوداؤد قال ابن المثنٰی الخ اوپ Q میں ابن المثنی کے ا ذا ابن ابی عدی ہیں، ابن المثنی کہتے ہیں کہ میرے ا ذا ابن ابی عدی l مجھے یہ حدیث جب اپنی کتاب سے» ئی تو اسی Q کے ساتھ» ئی جو اوپر مذکور u لیکن پھر Q کچھ روز بعد انہوں l جب مجھے یہ حدیث اپنے حفظ کی بنیاد پر» ئی تو Q میں فرق کردیا، ان ka ں میں فرق یہ u کہ Ô۱ میں عروہ ابن الزبیرؓ حضرت فاطمہؓ سے روایت کرر u ہیں جو اس حدیث میں خود اپنا واقعہ نقل کررہی ہیں اور دوسری Q میں وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ کا واقعہ نقل کرتی ہیں۔ (الدر المنضود ۱:۴۰)

الشق الثانی.....عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ: اَنّ رسولَ اللّٰہِ ﷺ نَهٰی عَنْ بَیْعَتَیْنِ وعن لِبْسَتَیْنِ: اَمّا الْبَیْعَتَانِ فَالْمُلَامَسَةُ وَالْمُنَابَذَةُ وَاَمّا اللِّبْسَتَانِ فَاشْتِمَالُ الصَّمَّائِ وَاَنْ یَحْتَبِیَ الرَّجُلُ فی ثَوْبٍ واحدٍ کَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ اَوْ لَیْسَ عَلٰی فَرْجِهٖ مِنْهُ شَیْئٌ۔ (کتاب البیوع۔ باب فی بیوع الغرر)

شکل الحدیث وترجمه۔ اشرحه مع بیان علة الصور المحظورة. اذکر ثلاثة اقسام للبیع الممنوع فی ضوء الحدیث.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u : ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح مع علت ④ بیع ممنوع کی اقسام ثلاثہ۔

جواب..... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو (خدریؓ سے روایت u کہ رسول اللہ ﷺ l دو قسم کی خرید وفروخت سے اور دو قسم کا کپڑا g سیمنع

0313 6357912 maktabazakariyamultan@gmail

فرمایا۔ پس خرید وفروخت کی دو قسمیں ملامسہ ومنابذہ ہیں اور دو قسم کے کپڑے: ایک قسم تو صما کہلاتی u اور وہ یہ u کہ بدن پر ایک ہی کپڑا سر سے پاؤں تک اوڑھ لے اور دوسری قسم یہ u کہ ایک کپڑا اوڑھ کر گوٹ مار کر بیٹھ جائے اس طرح پر کہ شرم گاہ کھلی u یا شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو۔

③ حدیث کی تشریح مع علت:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ ا دو قسم کی بیع اور دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا، دو بیع سے مراد بیع ملامسہ اور منابذہ u ۔منابذہ یہ u کہ با مشتری سے یوں کہے کہ جب میں تیری طرف یہ کپڑے کا تھان پھینک دوں تو سمجھ لینا کہ بیع لازم ہوگئی یعنی بغیر ایجاب وقبول کے اور یا یہ کہ ایجاب وقبول کی نفی مراد ^ بلکہ بغیر خیارِ رویت وخیارِ عیب وغیرہ کے لزوم بیع مراد u ۔ملامسہ یہ u کہ مشتری کے کپڑے پر صرف ہاتھ لگا دینے ہی سے، بغیر اس کے کھولے اور بغیر لپیٹے بیع لازم ہو جائے، بیع کی ان صورتوں اور قسموں میں خیارِ رؤیت وخیارِ عیب وغیرہ امور کے نہ ہو ا کی وجہ سے عاقدین کی رضامندی شامل ^ ہوتی۔ یا سرے سے ایجاب وقبول ہی ^ پایا جاتا۔ یہ سب بیوع بیوعِ جاہلیہ میں سے ہیں۔

لبستین کا مصداق حدیث میں ایک تو اشتمال صماء u ،اشتمال صماء کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: اول یہ کہ کسی چادر کو اپنے اوپر اس طرح اوپر سے Q لپیٹنا کہ k ں ہاتھ بھی چادر کے Q رہ جائیں جس میں ہاتھوں کے چادر کے اندر ہو ا کی وجہ سے آدمی کے گر ا کا خطرہ رہتا u ۔دوسری تفسیر یہ u کہ بغیر قمیص وازار کے ایک چادر کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کو لپیٹنے کے بعد اس کا دایاں یا بایاں سرا اس جانب کے کند x پر اٹھا کر ڈال لیا جائے جس میں کشفِ عورت ہوتا u ۔لبسۂ ثانیہ کا مصداق یہ u کہ ایک چادر میں آدمی اس طرح گوٹ مار کر بیٹھے جس سے کشفِ فرج ہوتا ہو، یعنی Q کا بدن دکھائی دیتا ہو۔

④ بیع ممنوع کی اقسام ثلاثہ:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۲۷ والشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۵ و الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۷ھ (الورقة الثانية)۔**

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل.....**عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اِمْرَأَةً اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فقالت يا رسولَ اللّٰه! اِنِّیْ نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰی رَأْسِكَ بِالدُّفِّ. قال: اَوْفِیْ بِنَذْرِكِ قالت: اِنِّیْ نذرتُ اَنْ اَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا و كَذَا (مكانٌ كانَ يَذْبَحُ فيه اهلُ الجاهليَّةِ) قَالَ: لِصَنَمٍ؟ قالت: لا، قال: لِوَثَنٍ؟ قالت: لا، قال: اَوْفِیْ بِنَذْرِكِ.**

شكل الحديث تشكيلا تاما وترجمه ترجمة سلسة۔ اشرحه شرحا وافيا۔ اكتب معنى النذر والفرق بينه وبين اليمين ۔ اذكر اقسام النذر وشروط انعقاده ۔(باب ما يؤمر به من وفاء النذر)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب u :① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح ④ نذر کا معنی اور نذر ویمین میں فرق ⑤ نذر کی اقسام وصحت کی شرائط۔

جواب.....① حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حدیث کا ترجمہ:۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی Q (عبداللہ بن عمرو) سے روایت u کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ا یہ منت m تھی کہ جب آپ جہاد سے واپس تشریف لائیں گے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی، آپ ﷺ ا فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ پھر اس ا عرض کیا کہ میں ا فلاں جگہ پر (جہاں زمانہ جاہلیت میں لوگ جا k رذبح کیا کرتے تھے) قm کر ا کی نذ m تھی، آپ ﷺ ا پوچھا کہ کیا تو بت کیلئے قm کرے گی؟ اس ا کہا ^ ،آپ ا پھر دریافت فرمایا کیا غیر اللہ کیلئے قm کرے گی؟ اس ا کہا ^ ،آپ ﷺ ا فرمایا پھر تو اپنی نذر پوری کر۔

③ حدیث کی تشریح:۔ امام خطابی لکھتے ہیں کہ ضربِ دف ان طاعات میں سے ^ u جو صحیح ہو اسلئے کہ ضرب الدف زائد سے زائد مباح ہوسکتا u ، نہ کہ طاعت لیکن چونکہ اس ضربِ دف کا تعلق بعض ایسی چیزوں سے u جن کو عبادت کہا جاسکتا u یعنی رسول اللہ ﷺ کی V متی کی ساتھ واپسی پر اظہارِ سرور جس میں مساءۃِ کفار اور اذلالِ منافقین وغیرہ امور ہیں، اس حیثیت سے اس میں عبادت کے معنی پیدا ہو گئے۔

پھراس عورت ا عرض کیا کہ میں ا فلاں مکان میں جا رذبح کر ا کی نذ m u جہاں پراہلِ جاہلیت اپنے نذر وغیرہ کے جا رذبح کیا کرتے تھے، آپ ﷺ ا پوچھا کہ کیا تیری یہ نذر کسی بت وغیرہ کے نام پر ذبح کر ا کیلئے u ؟اس ا کہا کہ ایسا ^ u ،تب آپ ﷺ ا فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر۔(الدرالمنضود)

❹ نذر کا معنی اور نذر و یمین میں فرق:۔ نذر: بندہ کا کسی ایسی چیز کو بذاتِ خود اپنے اوپر واجب ولازم کرنا جس کی جنس وقبیل سے کوئی عبادت لازم ہو، جیسے نماز، روزہ وصدقہ۔ یمین: اسمِ الٰہی کے ذریعہ کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے اس کام کے کر ا یا نہ کر ا کا ارادہ ‡ ہوجائے، یہ قسم u ۔(تحفۃ الالمعی ۴:۴۵۵)

یمین میں کسی چیز یا کام کے کر ا یا نہ کر ا کو اللہ تعالیٰ کے نام یا صفت کے ساتھ ‡ ،مضبوط ومؤکد کرتے ہوئے لازم کیا جاتا u ، جب کہ نذر میں کسی امر یا شرط کے پائے جا ا کے وقت کسی غیر لازم وغیر واجب کام کو اپنے اوپر لازم کیا جاتا u ۔

❺ نذر کی اقسام وصحت کی شرائط:۔ نذر کی دو قسمیں ہیں: ① منجز: جو کسی شرط پر معلق نہ ہو، مثلاً کہا کہ میں ایک روزہ یا دس k افل کی نذر مانتا ہوں۔ ② معلق: جو کسی شرط پر معلق ہو مثلاً کہا کہ اگر میرا یہ کام ہوگیا تو اللہ کیلئے ایک روزہ رکھوں گا۔

پھر نذر کی تعیین کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں: ① معین جیسے آئندہ کا روزہ رکھوں گا۔ ② غیر معین مثلاً ایک روزہ رکھوں گا۔

نذر کے صحیح ہو ا کیلئے چند شرائط ضروری ہیں: ① شیٔ منذور کی جنس سے شریعت میں بھی واجب ہو، چنانچہ بیمار کی عیادت کر ا کی نذر صحیح ^ کیونکہ شریعت میں اس کی جنس سے کوئی چیز واجب ^ u ۔ ② منذور خود مقصود ہو کسی عبادت کا وسیلہ نہ ہو، چنانچہ وضوء کی نذر ماننا صحیح ^ u کیونکہ وضوء خود مقصود ^ بلکہ نماز کا وسیلہ u ۔ ③ شیٔ منذور ایسی چیز نہ ہو جو اس پر خود واجب u خواہ فی الحال یا آئندہ زما ا میں۔ چنانچہ اگر کسی ا ظہر پڑھنے کی نذ m تو یہ نذر صحیح ^ u کیونکہ ظہر تو خود واجب u ۔ ④ شیٔ منذور بذاتہ % نہ ہو جیسے غیر اللہ کیلئے روزہ رکھنے کی نذر ماننا، چونکہ یہ خود حرام u اسلئے یہ نذر ہرگز جائز ^ u ۔ ⑤ شیٔ منذور محال نہ ہو مثلاً گزرے ہوئے دن کے روزے کی نذر صحیح ^ u ۔(اشرف الہدایہ)

﴿الورقة السادسة: طحاوی و مؤطین﴾

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل.....مالكٌ عن عمّه ابی سهيلِ بن مالكٍ انّه قال كنتُ اَسِيْرُ مع عمرَ بنِ عبدِ العزيزِ فقال ما رأيُك فی هٰؤلاءِ القدريةِ؟ قال: فقلتُ: رأيی ان تَسْتَتِيْبَهُمْ فَاِنْ قبلوا ذٰلك والّا عرضتُهم علی السيف فقال عمرُ بنُ عبدِ العزِيزِ وذٰلِك رأيِی قال مَالِكٌ وذٰلِك رأيِی۔

ترجم الحديث ثم اكتب الاهمّ من معتقدات الجبرية والقدرية۔ هل هم من اهل الاسلام ام من اهل الكفر؟ بينوا بالدلائل فی ضوء الاحاديث الواردة فی نفس الموضوع۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ابو سہیل بن مالک روایت کرتے ہیں کہ s عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ جا رہا u تھے انہوں ا پوچھا اے ابوسہیل! قدریہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے u ؟ ابوسہیل ا کہا میری رائے یہ u کہ ان سے توبہ کراؤں، اگر یہ توبہ کرلیں تو بہتر، وگرنہ میں ان کو تلوار پر پیش کروں گا (ا ^ قتل کردوں گا) عمر بن عبدالعزیزؒ ا کہا میری رائے بھی یہی u ، مالک ا کہا کہ ان لوگوں کے بارے میں میری بھی یہی رائے u ۔

② و ③ كما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۸ھ (الورقة الاولٰی)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۴ھ

الشق الاوّل.....سمعتُ اسلمَ مولٰی عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ يقولُ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وهو يُرِيدُ الشَّامَ حتّٰی اِذَا دَنَا مِنَ الشَّامِ اَنَاخَ عُمرُ وذَهَبَ لِحَاجَةٍ قال اسلمُ فَطَرَحْتُ فَرْوَتِیْ بين شِقَّیْ رَحْلِیْ فلمّا فَرَغَ عُمرُ عَمَدَ

اِلٰی بَعِیْرِیْ فَرَکِبَهٗ علی الفَرْوِ ورَکِبَ اسلمُ بَعِیْرَهٗ فَخَرَجَا یَسِیْرَانِ حتّٰی لَقِیَهُمَا اهلُ الْاَرْضِ یَتَلَقَّوْنَ عُمَرَ قال اسلمُ فلمّا دَنَوْا مِنَّا اَشْرَفَ لهم اِلٰی عُمَرَ فَجَعَلُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ بینهم قَالَ عُمَرُ: تَطْمَحُ اَبْصَارَهُمْ اِلٰی مَرَاکِبَ مَنْ لَاخَلَاقَ لَهُمْ یُرِیْدُ مَرَاکِبَ الْعَجَمِ۔

کَانَ عمرُ بنُ الْخَطَّابِ یَأْکُلُ خُبْزًا مَفْتُوْتًا بِسَمَنٍ فَدَعَا رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْبَادِیَةِ فَجَعَلَ یَأْکُلُ ویَتَّبِعُ بِاللُّقْمَةِ وَضَرَ الصَّحْفَةِ فقال له عمرُ:کَاَنَّکَ مُفْقِرٌ قال: واللّٰهِ مَا رَأَیْتُ سَمَنًا ولا رَأَیْتُ آکِلًا بِهٖ مُنْذُ کَذَا و کَذَا فقال عمرُ: لَا آکُلُ السَّمَنَ حَتّٰی یُحْیِیَ النَّاسُ مِنْ اَوَّلِ مَا اَحْیَوْا ۔(کتاب الآداب۔باب الزھد و التواضع)

شکل العبارة ثم ترجمها۔ اشرح العبارة التی فوقها خط شرحا موجزا۔

جواب..... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ میں ا حضرت عمر بن خطابؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسلم سے» وہ کہتے تھے کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ملکِ شام کی طرف نکلا جب s ملک شام کے قریب پہنچے تو حضرت عمرؓ ا اپنی سواری q ئی اور قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے حضرت اسلم کہتے ہیں میں ا اپنی وا J اتار کر کجاوہ پر رکھ دی جب آپ فراغت کے بعد واپس تشریف لائے تو میرے اونٹ کے طرف آئے اور سوار ہو گئے، میری گودڑی آپ کے Q تھی میں آپ کے اونٹ پر سوار ہو گیا پھر s ka ں چلے، یہاں تک کہ ہمیں ملک شام کے لوگ ملے جو آپ کے استقبال کیلئے باہر آئے ہوئے تھے جب قریب ہوئے تو میں ا اشارے سے بتایا کہ حضرت عمرؓ وہ ہیں، لوگ آپس میں سرگوشی کر ا لگے، تو حضرت عمرؓ ا فرمایا یہ لوگ ان سواروں کے انتظار میں ہیں جن کا کوئی حصہ ^ u ۔اس سے آپکی مراد عجمی سواریاں تھیں۔

حضرت عمرؓ روٹی گھی سے لگا کر کھار u تھے، آپؓ ا ایک بدو کو بلایا وہ بھی کھا ا لگا اور روٹی کے ساتھ جو گھی کا میل کچیل پیالے میں لگا ہوا تھا وہ بھی کھا ا لگا حضرت عمرؓ ا فرمایا بڑا ندیدہ u ؟(انتہائی بھوکا u)اس ا کہا قسم بخدا! میں ا اتنی مدت سے گھی ^ کھایا، نہ گھی کے ساتھ کسی کو کھاتے دیکھا u ، حضرت عمرؓ ا فرمایا میں بھی گھی نہ کھاؤں گا جب تک کہ لوگوں کی حالت Ž کی طرح نہ ہو جائے۔

❸ خط کشیدہ عبارت کی تشریح:۔ حضرت عمرؓ ا جب ان کے تعجب کو دیکھا تو فرمایا یہ لوگ ان سواروں کے انتظار میں ہیں جن کا کوئی حصہ ^ u ۔اہلِ شام کا گمان یہ تھا کہ حضرت عمر اس طرح سادگی اور تواضع کے ساتھ ^ آئیں گے وہ قیصر و کسری کی مثل بہترین سواری پر آئیں گے۔(جبکہ یہاں تو انتہائی عجز و تواضع کی صورتحال تھی، غلام و آقا کی نہ خت مشکل ہو چکی تھی)۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب تک قحط سالی اور مہنگائی ختم ^ ہو جاتی، حالات سابقہ روش پر ^ آجاتے، میں بھی اس وقت تک گھی و چکنائی ^ کھاؤں گا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

(تمّت بالخیر)

(اللّٰهم لك الحمد ولك الشّكر)
(الٰه الّا انت سبحانك انّی كنت من الظّالمین)

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

﴿الجواب عالمیہ بنین دوم ١٤٤٥ھ﴾

﴿الورقة الاولٰی السنن و الشمائل﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤٥ھ

الشق الاوّل .....عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ:اَلْخِتَانُ وحَلْقُ الْعَانَةِ ونَتْفُ الْاِبْطِ وتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ و اَخْذُ الشَّارِبِ ۔ (کتاب الطهارة۔ باب نتف الابط)

شکل الروایة ثم ترجمها ۔ ماهو المراد من الفطرة؟ هل حلق الشارب افضل من التقصیر؟ ما هو الاختلاف بین الفقهاء ۔ من این یبدأ حد العانة؟ و ما هو المراد بالشارب؟ اذکر اقوال العلماء ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① روایت پر اعراب ② روایت کا ترجمہ ③ فطرت کی مراد ④ حلقِ شارب وتقصیرِ شارب میں سے افضل کی نشاندہی ⑤ زیرِ ناف بال کی حد اور شارب کی مراد۔

جواب ..... ① روایت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا ۔**

② روایت کا ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ پانچ چیزیں امورِ فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال مونڈھنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا، مونچھ کے بال کترنا۔

③ فطرت کی مراد:۔ **کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ١٤٣٤ھ ۔**

④ حلقِ شارب وتقصیرِ شارب میں سے افضل کی نشاندہی:۔ مونچھیں کتروانے میں سنت یہ ہے کہ قینچی وغیرہ سے اس قدر باریک ترشوائی جائیں کہ کھال نظر آنے لگے، استرے سے مونچھیں بالکل صاف کرنے کو بعض علماء نے بدعت ومکروہ کہا ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ مونچھیں ترشوانے کے بارے میں احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں، ان تمام الفاظ کا حاصل یہی ہے کہ مونچھیں خوب ترشوائی جائیں لیکن استرے سے بالکل جڑ سے صاف نہ کی جائیں، امام مالک نے استرے سے بالکل صاف کرنے کو مثلہ کہا ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی قینچی وغیرہ سے کتروانا افضل ہے۔ (کشف الباری۔ کتاب اللباس:٢٤٤)

⑤ زیرِ ناف بال کی حد اور شارب کی مراد:۔ زیرِ ناف بال اور جسم کے دیگر غیر ضروری بال کاٹنا واجب ہے، اس کا مقصد نجاست سے اچھی طرح پاکی حاصل کرنا اور پاکیزگی ہے، چالیس دن تک یا اس سے زائد بلاوجہ چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔ زیرِ ناف بالوں کی حد ناف کے نیچے پیڑو کی ہڈی سے لے کر شرم گاہ اور اس کے آس پاس کا حصہ، خصیتین، اسی طرح پاخانہ کے مقام کے آس پاس کا حصہ اور رانوں کا صرف وہ حصہ جہاں نجاست ٹھہرنے یا لگنے کا خطرہ ہو، یہ تمام بال کاٹنے کی حد ہے۔ وہ بال جو دبر (مقعد) کے قریب ہوں اور ان میں نجاست رہ جانے کا امکان ہو، انہیں بھی کاٹنا ضروری ہے۔ (دارالافتاء۔ بنوری ٹاؤن)

پیڑو کے بال، دونوں رانوں کی جڑوں کے بال، خصیتین کے بال، ان کے نیچے پاخانے کے پاس کے بال سب زیرِ ناف میں داخل ہیں۔ (دارالافتاء۔ دارالعلوم دیوبند)

0313 6357913 maktabazakariyamu...@gmail.com

الشق الثانی .....قالت عائشةُ فَاَرْسَلَ اَزْوَاجُ النبيِّ ﷺ زينبَ بِنتَ جَحْشٍ الٰی رسولِ اللّٰهِ ﷺ وهی التِی کانت تُسَامِيْنِیْ مِن ازواجِ النبیِ ﷺ فِی المنزلةِ عِندَ رسولِ اللّٰهِ ﷺ ولَمْ اَرَ اِمْرَأَةً قَطُّ خَيْرًا فِی الدِينِ مِن زينبَ واَتْقٰی لِلّٰهِ عز وجل واَصْدَقَ حدِيثًا و اَوْصَلَ لِلرّحِمِ واَعْظَمَ صَدَقَةً واَشَدَّ اِبْتِذَالًا لِنَفْسِهَا فِی الْعَمَلِ الذِی تصدّقُ بِهٖ وتقرّبُ بِهٖ ما عدا سَوْرَةً مِنْ حِدَّةٍ کانت فِيْهَا تُسْرِعُ مِنْهَا الْفَيْئَةَ فَاسْتَاْذَنَتْ عَلٰی رسولِ اللّٰهِ ﷺ و رسولُ اللّٰهِ ﷺ مع عائِشَةَ فِیْ مِرْطِهَا علی الحالِ التِی کانت دَخَلَتْ فَاطِمَةُ علیها فَاَذِنَ

لَهَا رسولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يا رسولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَزْوَاجَكَ أَرْسَلْنَنِيْ يَسْئَلْنَكَ الْعَدْلَ فِيْ إِبْنَةِ أَبِيْ قُحَافَةَ وَوَقَعَتْ بِيْ فَاسْتَطَالَتْ وَأَنَا أَرْقُبُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ و أَرْقُبُ طَرْفَهُ هَلْ أَذِنَ لِيْ فِيْهَا فَلَمْ تَبْرَحْ زَيْنَبُ حتّٰى عَرَفْتُ انّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ لَا يَكْرَهُ أَنْ أَنْتَصِرَ فَلَمّا وَقَعْتُ بِهَا لَمْ أَنْشَبْهَا بِشَيْئٍ حتّٰى أَنْحَيْتُ عَلَيْهَا فقال رسولُ اللّٰهِ ﷺ إِنّها إِبْنَةُ أَبِيْ بَكْرٍ ۔(کتاب النکاح۔ باب میل الرجل الی بعض نسائہ...)

ترجم الحدیث ۔ اشرح سوال زینب و جواب النبی ﷺ ۔ ما المراد بقولہ: انّها بنت ابی بکر؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② سوالِ زینبؓ وجوابِ نبوی کی تشریح ③ ارشادِ نبوی: **انّها بنت ابی بکر** کی مراد۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ :۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پھر آپ کی ازواج نے زینب بنت جحش کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور زینبؓ آپ کی بیویوں میں سے وہ عورت تھیں جو میرے برابر تھیں آپ کے نزدیک درجہ اور مرتبہ وحسن جمال میں اور میں نے کبھی نہیں دیکھی کوئی عورت زینبؓ سے بڑھ کر دینداری، خداترسی، سچائی، صلہ رحمی اور صدقہ خیرات میں اور وہ بہت تھکاتی وذلیل کرتی تھیں اپنے نفس کو اس کام میں جو صدقہ وخیرات کرنے میں ان کو ضرورت پڑتا، (چمڑوں کو صاف کرتیں پھر اس کی جوتی بنا کر بیچتی اور خدا کی راہ میں خرچ کرتیں) فقط ان میں ایک یہی بات تھی کہ مزاج کی تیز تھیں اور غصہ جلد آجاتا تھا مگر جلد جاتا رہتا تھا، انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور آپ ﷺ اُسی طرح چادر میں لیٹے ہوئے تھے حضرت عائشہ کے ساتھ جیسے حضرت فاطمہؓ کے آنے کے وقت تھے، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی، وہ آئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی ازواج نے مجھے بھیجا ہے وہ چاہتی ہیں کہ ابو قحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کریں اور وہ مجھ کو برا بھلا کہنے لگیں اور خوب زبان درازی کی، میں رسول اللہ کی نگاہ کو دیکھ رہی تھی کہ آپ مجھے جواب دینے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں، زینب اپنے حال میں تھیں کہ میں نے پہچان لیا کہ رسول اللہ کو میرا جواب دینا برا نہیں لگے گا، تب میں نے بھی ان کو کہنا شروع کیا اور ان کو بات نہ کرنے دی یہاں تک کہ میں ان پر غالب آگئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔

② سوالِ زینبؓ وجوابِ نبوی کی تشریح :۔ حضرت زینب ودیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ آپ (ﷺ) بنتِ قحافہ (سیدہ عائشہ صدیقہؓ) کے معاملہ میں ہمارے ساتھ عدل وانصاف کریں۔ آپ کا قلبی تعلق ومیلان کلی طور پر انہی کی طرف معلوم ہوتا ہے، جس کو بحیثیتِ عورت ازواجِ مطہراتؓ پسند نہیں کرتیں، آپ ﷺ اس معاملہ میں غور فرمائیں۔

حضرت زینبؓ کے تین بار یہ سوال دہرانے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے عائشہ کے معاملہ میں تکلیف نہ پہنچاؤ، صرف عائشہ کے بستر پر مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا جواب سن کر حضرت زینبؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ تعالی سے رجوع کرتی ہوں جو میں نے آپ کو تکلیف پہنچائی۔ آپ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے **اللهم هٰذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك** اس سے معلوم ہوا کہ محبت ومودت غیر اختیاری چیز ہے اس میں برابری ضروری نہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ باری، رات گزارنے اور دیگر افعالِ دنیا میں تو برابری کرتے تھے مگر ازواجِ مطہرات کا یہ سوال قلبی تعلق کے متعلق تھا اور جمیع امت کا اتفاق ہے کہ عدل کا تعلق محبت اور تعلقِ قلبی سے نہیں ہے، یہ غیر اختیاری چیز ہے، اس میں مساوات وبرابری ممکن اور ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ دلوں پر اللہ تعالی کا قبضہ ہے۔ (انعامات المنعم ۱:۳۳۸)

③ ارشادِ نبوی: **انّها بنت ابی بکر** کی مراد :۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ ایسے بڑے شخص کی بیٹی ہے تو یہ کیونکر سمجھدار، عاقل ولائق نہ ہوگی اور گفتگو میں کس طرح دب جائے گی۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عن ابی سلمة قال قلت لابی سعید الخدری هل سمعت رسولَ اللّٰهِ ﷺ یذکر فی

الحرورية شيئا؟ فقال سمعتُه يذكر قوما يتعبدون يحقر احدُكم صلاتَه مع صلاتِهم وصومَه مع صومِهم يَمْرُقُوْنَ من الدين كما يمرق السهم من الرميةِ اخذ سهمَه فنظر فى نصله فلم ير شيئا فنظر فى رصافه فلم ير شيئا فنظر فى قدحه فلم ير شيئا فنظر فى القذذ فتمارى هل يرى شيئا ام لا؟(باب فى ذكر الخوارج)

ترجم الحديث۔ من هم الحرورية و ماذا عقائدهم؟ ما حكمهم ايمانا عند الاسلاف و الاخلاف؟

جواب ..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ ابوسلمہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے عرض کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو حروریہ کے بارے میں کچھ ذکر کرتے ہوئے سنا؟ انہوں نے فرمایا میں نے ان کو ایسی قوم کا ذکر کرتے ہوئے سنا جو خوب عبادت کریں گے، تم میں سے ہر کوئی اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں کم تر جانے گا اور اپنے روزے کو ان کے روزے سے کم تر جانے گا وہ دین سے اس طرح بے فیض رہ جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے بے نشان گزر جاتا ہے، شکاری اپنے تیر کو پکڑتا ہے اس کے پھل کو دیکھتا ہے کوئی نشان نہیں دیکھتا۔

❷ حروریہ کا تعارف وعقائد واور ایمان کا حکم:۔ تفصيله فى الشق الثانى من السوال الاول۱۴۳۸ھ (ورقة رابعة) والشق الثانى من السوال الثالث۱۴۴۵ھ (ورقة خامسة)

الشق الثانی .....عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا رَجَعَتْ اِلٰى رسولِ اللّٰهِ ﷺ مُهَاجِرَةُ الْبَحْرِ قَالَ اَ لَا تُحَدِّثُوْنِىْ بِاَعَاجِيْبِ مَا رَأَيْتُمْ بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ قَالَ فِتْيَةٌ مِنْهُمْ بَلٰى يَا رسولَ اللّٰهِ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ مَرَّتْ بِنَا عُجُوْزٌ مِنْ عَجَائِزِ رَهَابِيْنِهِمْ تَحْمِلُ عَلٰى رَأْسِهَا قُلَّةً مِنْ مَاءٍ فَمَرَّتْ بِفَتًى مِنْهُمْ فَجَعَلَ اِحْدٰى يَدَيْهِ بَيْنَ كَتِفَيْهَا ثُمَّ دَفَعَهَا فَخَرَّتْ عَلٰى رُكْبَتَيْهَا فَانْكَسَرَتْ قُلَّتُهَا فَلَمَّا ارْتَفَعَتْ اِلْتَفَتَتْ اِلَيْهِ فَقَالَتْ سَوْفَ تَعْلَمُ يَا غُدَرُ اِذَا وَضَعَ اللّٰهُ الْكُرْسِىَّ وَجَمَعَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَتَكَلَّمَتِ الْاَيْدِىْ وَالْاَرْجُلُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فَسَوْفَ تَعْلَمُ كَيْفَ اَمْرِىْ وَاَمْرُكَ عِنْدَهٗ غَدًا قَالَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدَقَتْ صَدَقَتْ كَيْفَ يُقَدِّسُ اللّٰهُ اُمَّةً لَا يُؤْخَذُ لِضَعِيْفِهِمْ مِنْ شَدِيْدِهِمْ ۔ (باب الامر بالمعروف و النهى عن المنكر)

ترجم الحديث بعد تشكيله۔انكر مناسبة الحديث بترجمة الباب: باب الامر بالمعروف و النهى عن المنكر۔

جواب ..... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كمامرّ فى السوال آنفا ۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب سمندری مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے حبشہ میں جو عجیب باتیں دیکھیں وہ ہمیں نہیں بتاؤ گے؟ ان میں سے چند نوجوانوں نے عرض کیا ضرور اللہ کے رسول! ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں کے درویشوں کی ایک بڑھیا سر پر پانی کا مٹکا اٹھائے ہمارے پاس سے گزری اور وہ ان میں سے ایک جوان کے پاس سے گزری، اس نے اپنا ایک ہاتھ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا پھر اسے دھکا دیا وہ گھٹنوں کے بل گری اور اس کا مٹکا ٹوٹ گیا جب وہ اٹھی تو اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی تمہیں عنقریب علم ہو جائے گا اے مکار! جب اللہ تعالی کرسی قائم فرمائیں گے اور اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے اور ہاتھ پاؤں اپنے کرتوت بیان کریں گے اس وقت تمہیں علم ہوگا کہ اللہ کے یہاں میرا اور تمہارا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس بڑھیا نے سچ کہا سچ کہا اللہ تعالی کیسے اس قوم کو پاک کریں جس میں کمزور کی خاطر طاقتور سے مواخذہ نہ کیا جائے۔

❸ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حدیث میں مذکور واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کیسے اس قوم کو پاک کریں جس میں کمزور کی خاطر طاقتور سے مواخذہ نہ کیا جائے۔ اس میں گویا رسول اللہ ﷺ نے منکر سے منع کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب کسی کے ساتھ زیادتی ہو تو لوگوں کو چاہئے کہ ظالم کو ظلم سے روکیں، امیر وغریب، کمزور وطاقتور کے فرق کے بغیر عدل و

03127657613 mukhtarbazakarimultan@gmail.com

انصاف کیا جائے۔ مجرم کا مؤاخذہ وگرفت کی جائے۔ یہی ترجمۃ الباب تھا۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالسَّبْطِ ، كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَبِالْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِيْ وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ اَبْيَضُ مُشْرَبٌ، اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ، جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَلَا الْكَتِدِ اَجْرَدُ، ذُوْمَسْرَبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ۔

شکل الروایۃ وترجمہا۔ اشرح الکلمات المعلمۃ لغۃً وصرفًا۔

جواب .....کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث۱۴۳۹و۱۴۴۰ھ۔

الشق الثانی .....عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ لَهٗ رَجُلٌ: اَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا عَمَّارَةَ؟ فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلٰكِنْ سُرْعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى بَغْلَتِهٖ وَاَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔ (ص۱۶۔قدیمی)

ترجم الحدیث مع بیان قصۃ المذکورۃ۔ اشرح جواب ابی عمارۃ کید ینطبق علی سوال؟ لماذا نسب نفسہ الی عبد المطلب؟ولم ینسب نفسہ الی والدہ عبداللّٰہ؟(خصائلِ نبوی:۱۳۳)

جواب .....کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث۱۴۳۳ھ۔

﴿الورقة الثانية صحيح المسلم﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....وکذٰلک من الغالب علٰی حدیثہ المنکر او الغلط امسکنا ایضا عن حدیثھم، وعلامۃ المنکر فی حدیث المحدث اذا ما عرضت روایتہ للحدیث علٰی روایۃ غیرہ من اھل الحفظ والرضا خالفت روایتہ روایتھم او لم تکد توافقھا فاذا کان الاغلب من حدیثہ کذٰلک کان مھجور الحدیث غیر مقبولۃ ولا مستعملۃ۔

شکل العبارۃ واشرحہا شرحا بحیث یتضح مراد المؤلف۔ ما ھو المنکر من الحدیث عند المحدثین وما حکمہ عندھم؟ مخالفۃ الراوی للثقات تتضمن عدۃ صور، اذکرھا مفصلا مع احکامھا۔ ماحکم الراوی الذی یروی المناکیر او یوجد منہ المنکر احیانا؟

جواب .....کما مرّ فی السوال الثانی۱۴۳۶و الشق الثانی من السوال الثانی۱۴۴۰ھ۔

الشق الثانی .....عن ابی ھریرۃ قال: لما تُوُفِّیَ رسول اللّٰہ ﷺ واستخلف ابوبکر بعدہ وکفر من کفر من العرب قال عمربن الخطاب لابی بکر کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللّٰہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالہ الااللّٰہ فمن قال لاالہ الا اللّٰہ فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللّٰہ تعالٰی؟ فقال ابوبکر واللّٰہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ فان الزکاۃ حق المال...

اشرح الحدیث شرحا واضحا وافیا۔ کم کانت اصناف المرتدین فی عھد ابی بکرؓ ؟ کیف استدلّ ابو بکرؓ علٰی جواز القتال مع مانعی الزکاۃ ؟ لماذا ردّ عمرؓ علٰی ابی بکر فی القتال بالمرتدین مع انّھم صاروا کفارا بالردۃ ؟

0313 6357913 maktabamahmudiyyamultan@gmail.com

جواب .....کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث۱۴۴۲ھ ۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....قال ابن عباس : قال لی معاویة : اَ عَلِمْتَ اَنّی قَصَّرْتُ مِنْ رأس رسولِ اللّٰہ ﷺ عندَ المروةِ بِمِشْقَصٍ؟ فقلت له:لا اَعْلَمُ هٰذا اِلّا حجة عليك ۔ (باب التقصير فی العمرة و الحلق افضل)

ترجم الحديث ۔ اكتب عدد عمرات النبی ﷺ وحججه۔ متیٰ قصر معاوية من رأس النبی؟ اكتبه مفصلا مع تعيين القول الصحيح فی انّه متیٰ اسلم۔ هل كان رسول اللّٰه قارنا ام متمتعا فی حجة الوداع؟ اكتبه مع التوفيق بين الروايات المختلفة وترجيح الراجح ۔اشرح العبارة المعلمة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② آپ ﷺ کے عمرہ وحج کی تعداد ③ حضرت معاویہؓ کے آپ ﷺ کے قصر کرنے اور اسلام لانے کا موقع ④ آپ ﷺ کے قارن یا متمتع ہونے میں علماء کے اقوال مع دلائل وروایات میں تطبیق ⑤ خط کشیدہ عبارت کا مطلب۔

جواب ..... ① حدیث کا ترجمہ :۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت معاویہؓ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں نے مروہ کے پاس نبی ﷺ کے سر کے بال تیر کے پیکان سے کاٹے تھے؟ میں نے کہا میں تو نہیں جانتا سوائے اس کے کہ آپ پر حجت ہے۔

② آپ ﷺ کے عمرہ وحج کی تعداد:۔ **کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۵ھ (ورقہ رابعہ)**

③ حضرت معاویہؓ کے آپ ﷺ کے قصر کرنے اور اسلام لانے کا موقع:۔ بعض حضرات نے کہا کہ قصر حجۃ الوداع کے موقع پر کیا، مگر یہ درست نہیں کیوں کہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے منیٰ میں حلق کروایا تھا، اور یہ عمرۃ القضاء کا واقعہ بھی نہیں، کیوں کہ اس وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ عمرۂ جعرانہ کا واقعہ ہے جو ۸ھ میں پیش آیا۔ (الدر المضود)

حضرت معاویہؓ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے، لیکن انہوں نے اس وقت اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا، بلکہ پوشیدہ رکھا اور جب فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پھر اپنا اسلام ظاہر کیا۔ (دار الافتاء۔ بنوری ٹاؤن بحوالہ البدایہ والنہایہ)

④ آپ ﷺ کے قارن یا متمتع ہونے میں علماء کے اقوال مع دلائل وروایات میں تطبیق:۔ حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک آپ ﷺ کا حج حجِ قران تھا، مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک آپ ﷺ نے حجِ افراد کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے مگر روایات میں اختلاف ہے، سترہ صحابہ سے عمدہ سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے قران کیا تھا، پانچ صحابہ سے تمتع کرنا اور چار صحابہ سے افراد کرنا مروی ہے اور سب روایتیں ٹھیک ہیں۔ (معارف السنن)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا اسلئے کہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہرِ حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور شریعت کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، اسلئے آپ ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا۔ حجِ افراد کے راویوں نے آپ ﷺ کی ابتدائی حالت کا تذکرہ کیا ہے پھر مکہ پہنچتے ہی نیا حکم یہ آیا کہ لوگ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں یعنی نیت بدل کر افعالِ عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ جب آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم سنایا اور جن کے پاس ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا اور حکم دیا کہ وہ آٹھ ذوالحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھیں تو لوگوں پر یہ حکم شاق گذرا کیونکہ حج میں گنتی کے چند دن باقی رہ گئے تھے، نبی ﷺ چار ذوالحجہ کو مکہ پہنچے تھے اور احرام کھولنے کا مطلب بیویوں سے فائدہ اٹھانا تھا اور پہلے سے جو تصور چلا آرہا تھا وہ ذہنوں پر مسلط تھا۔ اسلئے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اس حال میں حج کریں گے کہ ہماری شرمگاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی؟ نبی ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہم سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والا اور تم سے زیادہ خیر کا طالب ہوں، اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی عمرہ کر کے احرام کھول دیتا (مسلم ومشکوۃ)۔ اس

تقریر کے بعد صحابہ کے ذہنوں سے بوجھ ہٹ گیا اور جولوگ ہدی ساتھ نہیں لائے تھے انھوں نے ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا۔ آپ ﷺ کیلئے مجبوری یہ تھی کہ آپ قربانیاں ساتھ لائے تھے جب تک وہ ذبح نہ ہوں آپ احرام نہیں کھول سکتے تھے اسلئے آپ نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت کرلی اور اب آپ قارن ہوگئے، قران کی روایات اس آخری حالت کے اعتبار سے ہیں۔ اور تمتع سے لغوی معنی فائدہ اٹھانا مراد ہے، چونکہ آپ ﷺ نے بھی ایک سفر میں حج وعمرہ بصورتِ قران ادا فرمایا تھا اسلئے رواۃ نے اس کو تمتع سے تعبیر کردیا۔ (تحفۃ الالمعی)

۵ خط کشیدہ عبارت کا مطلب:۔ حضرت معاویہ وابن عباس رضی اللہ عنہم میں تمتع کے مسئلہ میں اختلاف تھا حضرت معاویہؓ تمتع کے عدمِ جواز کے قائل تھے، جب حضرت معاویہؓ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ روایت تو تمہارے خلاف حجت ہے، کیونکہ جب تم نے آنحضرت ﷺ کا قصر کیا تو پھر آپ ﷺ نے حج سے قبل عمرہ بھی کیا ہوگا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ متمتع بن گئے اور تمتع کا جواز ثابت ہوگیا۔ (تحفۃ المنعم ۴:۳۶۲)

الشق الثانی.....عن انس بن مالك انّ ناسا من عرينة قدموا علٰى رسول الله ﷺ المدينة فاجتووها فقال لهم رسول الله ﷺ: اِن شئتم ان تخرجوا الٰى ابل الصدقة فتشربوا من البانها و ابوالها ففعلوا فصحوا ثم مالوا على الرعاء فقتلوهم وارتدوا عن الاسلام وساقوا ذود رسول الله ﷺ فبلغ ذٰلك النبی ﷺ فبعث فی اثرهم فأتی بهم فقطع ايديهم وارجلهم وسمل اعينهم وتركهم فی الحرة حتّٰی ماتوا۔

ترجم الحديث ۔ ما حكم بول ما يؤكل لحمه، اسرد اقوال الفقهاء ۔ الق الضوء علٰى مسئلة التداوی بالمحرم موجزا وبين حكم الادوية المشتملة على الكحول ۔ لماذا جمع فيهم الاجزية العديدة؟ كيف ينطبق الحديث بحديث النهی عن المثلة ؟

جواب .....مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۶ھ (ورقہ ثالثہ)

والشق الثانی من السوال الاول ۱۴۴۳ھ (ورقہ اولٰی)۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل.....عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ اَنَّهٗ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ يَقُوْلُ: سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ الذَّهَبِ اَوِ الْوَرِقِ فقال: اَعْرِفْ وِكَائَهَا وعِفَاصَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ لَمْ تَعْرِفْ فَاسْتَنْفِقْهَا وَلْتَكُنْ وَدِيْعَةً عِنْدَكَ فَاِنْ جَاءَ طَالِبُهَا يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ فَاَدِّهَا اِلَيْهِ وَ سَأَلَهٗ عَنْ ضَالَّةِ الْاِبِلِ فَقَالَ: مَا لَكَ و لَهَا دَعْهَا فَاِنَّ مَعَهَا حِذَائَهَا وسِقَائَهَا تَرِدُ الْمَاءَ وتَأْكُلُ الشَّجَرَةَ حَتّٰى يَجِدَهَا رَبُّهَا وسَئَلَهٗ عَنِ الشَّاةِ فَقَالَ: خُذْهَا فَاِنَّمَا هِيَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ ۔ (کتاب اللقطۃ۔ باب حکم اللقطۃ وتعریفھا)

ترجم الحديث بعد تشكيله بالاعراب۔ بيّن حكم اللقطة واذكر اختلاف الفقهاء فيه ان كان ۔ لماذا كان الفرق فی حكم اللقطة بين اصناف الاموال كما فی ظاهر الحديث ۔ هل يملك الملتقط بالتقاط الشاة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ لقطہ کا حکم ④ مختلف اموالِ لقطہ کے حکم میں فرق ⑤ بکری کے التقاط سے ملکیت کا حکم۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت یزید مولی منبعث نے حضرت زید بن خالد جہنیؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے سونے یا چاندی کے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس تھیلی کے باندھنے کی ڈوری اور اس تھیلی کی پہچان کو یاد رکھو پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو پھر اگر کوئی اسے نہ پہچانے تو تو اس کو خرچ کر ڈال لیکن یہ تیرے پاس امانت ہوگی پھر اگر کسی زمانے

کے کسی دن اس کا متلاشی آ جائے تو تو اسے وہ واپس کر دے اور اس آدمی نے آپ ﷺ سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اس اونٹ سے کیا غرض؟ اسے چھوڑ کیونکہ اس کی جوتی اور اس کی مشک اس کے ساتھ ہے وہ پانی پر جائے گا اور درخت کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پالے گا اور پھر اس آدمی نے آپ ﷺ سے بکری کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اسے پکڑ لے کیونکہ وہ بکری تیرے لئے یا تیرے بھائی کیلئے یا بھیڑیے کیلئے ہے۔

۳ و ۵ لقطہ کا حکم اور بکری کے التقاط سے ملکیت کا حکم:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۲۸ھ۔**

۴ مختلف اموالِ لقطہ کے حکم میں فرق:۔ بکری وغیرہ (چھوٹے جانور) کے سنبھالنے و تشہیر کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر اونٹ مل جائے تو اس کو سنبھالنے اور لقطہ بنانے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر گم شدہ اونٹ ملے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کا التقاط مستحب ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک اونٹ کا لقطہ بنانا خلافِ اولیٰ ہے۔ (تحفۃ المنعم)

الشق الثانی.....**عن عبدِ اللّٰہِ مولیٰ اسماءَ بنتِ ابی بکرٍ قَالَ: اَرْسَلَتْنِیْ اسماءُ الٰی عبدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَتْ: بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تُحَرِّمُ اشیاءَ ثَلَاثَۃً اَلْعَلَمَ فِی الثَّوْبِ وَمِیْثَرَۃَ الْاُرْجُوَانِ وَصَوْمَ رَجَبٍ کُلَّہٗ فقال لی عبدُ اللّٰہِ: اَمَّا مَا ذَکَرْتَ مِنْ رَجَبَ فَکَیْفَ بِمَنْ یَصُوْمُ الْاَبَدَ وَاَمَّا ما ذَکَرْتَ مِنَ الْعَلَمِ فی الثَّوْبِ فَاِنِّیْ سمعتُ عمرَ بنَ الْخَطَّابِ یقول: سمعتُ رسولَ اللّٰہِ ﷺ یقولُ: اِنَّمَا یَلْبَسُ الْحریرَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَہٗ فَخِفْتُ اَنْ یَکُوْنَ الْعَلَمُ منہ وَاَمَّا مِیْثَرَۃُ الْاُرْجُوَانِ فھٰذہ مِیْثَرَۃُ عبدِ اللّٰہِ فَاِذَا ھِیَ اَرْجُوَانٌ فَرَجَعْتُ الٰی اسماءَ فَخَبَّرْتُھَا فَقَالَتْ: ھٰذہٖ جُبَّۃُ رسولِ اللّٰہِ ﷺ فَاَخْرَجَتْ اِلَیَّ جُبَّۃَ طِیَالِسَۃٍ کِسْرَوَانِیَّۃٍ لَھَا لِبْنَۃُ دِیْبَاجٍ وفَرْجَیْھَا مَکْفُوْفَیْنِ بِالدِّیْبَاجِ فَقَالَتْ: ھٰذِہٖ کانت عندَ عائشۃَ حَتّٰی قُبِضَتْ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُھَا وکَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَلْبَسُھَا فَنَحْنُ نَغْسِلُھَا لِلْمَرْضٰی یُسْتَشْفٰی بِھَا۔ (باب النھی عن تختم الذھب و لبس الحریر للرجال)**

شکل الحدیث ثم اشرحہ۔ ما حکم لبس الحریر للرجال والنساء اذکر مدللا۔ ما ھو المحمل الصحیح للحدیث المذکور بانّہ ﷺ لبس جبۃ مکفوفۃ بالدیباج۔ ھل یجوز الاستشفاء بآثار النبی ﷺ والتبرک بآثار الصالحین؟

﴿خلاصہ سوال﴾.....اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کی تشریح ③ مرد و عورت کیلئے ریشم کے استعمال کا حکم ④ آپ ﷺ کے دیباج سے مزین جبہ پہننے کی توجیہ ⑤ نبی اکرم ﷺ اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا حکم۔

جواب.....**۱** حدیث پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

۲ حدیث کی تشریح:۔ حضرت عبداللہ جو حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت عطا کے لڑکے کے ماموں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماءؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف بھیجا اور ان سے کہلوایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ تین چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں؟

① کپڑوں کے ریشمی نقش ونگار وغیرہ کو ② سرخ گدیلے کو ③ ماہِ رجب کے پورے مہینے میں روزے رکھنے کو، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا تو نے جو رجب کے روزوں کا ذکر کیا ہے تو جو آدمی ہمیشہ روزے رکھتا ہو وہ ماہ رجب کے روزوں کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے اور باقی جو تو نے کپڑوں پر نقش ونگار کا ذکر کیا میں نے حضرت عمرؓ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں جو آدمی ریشم کا لباس پہنتا ہے آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں تو مجھے اس بات سے ڈر لگا کہ کہیں ریشمی نقش ونگار بھی اس حکم میں داخل نہ ہوں اور باقی رہا سرخ گدیلے کا مسئلہ تو عبداللہ کا گدیلا سرخ ہے راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ سب کچھ حضرت اسماء سے جا کر ذکر کر دیا تو حضرت اسماء نے فرمایا کہ رسول اللہ کا یہ جبہ موجود ہے پھر حضرت اسماء نے ایک طیالسی کسروانی

جبہ نکالا جس کا گریبان دیباج کا تھا اور اس کے دامن پر دیباج کی بیل تھی حضرت اسما کہتی ہیں کہ یہ جبہ جب حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوگیا تو جبہ میں لے آئی۔ رسول اللہ ﷺ وہ جبہ پہنا کرتے تھے اور اب ہم اس جبہ کو دھو کر رحمۃ اللہ علیہ اس کا پانی شفا کے لئے بیماروں کو پلاتے ہیں۔

۳ مردوعورت کیلئے ریشم کے استعمال کا حکم:۔ عورتوں کیلئے ریشمی کپڑا پہننا بالاتفاق جائز ہے۔

مردوں کیلئے ریشم کا استعمال عام حالات میں ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے اور حالتِ اضطراری میں بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ بیماری، جنگ اور سفر وغیرہ میں خالص حریر کا لباس پہننے میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ امام شافعی، امام احمد و صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔ لباس میں مردوں کیلئے چار انگلی کی بقدر یا اس سے کم مقدار خالص ریشم جائز ہے، کیونکہ حدیث میں چار انگشت کی مقدار کے متعلق رخصت وارد ہوئی ہے۔ البتہ اگر کسی کپڑے میں خالص ریشم نہ ہو بلکہ اون وغیرہ کے ساتھ ملا ہوا ہو تو جمہور کے نزدیک غالب کا اعتبار ہے، اگر ریشم غالب ہے تو ناجائز اور اگر مغلوب ہے تو جائز ہے۔ البتہ خارش اور کسی عذر کی وجہ سے مردوں کیلئے ریشم کا استعمال جائز ہے۔ (کشف الباری)

۴ آپ ﷺ کے دیباج سے مزین جبہ پہننے کی توجیہ:۔ آپ ﷺ کا جو جبہ پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس اور پھر حضرت اسماءؓ کے پاس تھا وہ مکمل دیباج اور ریشم کا نہ تھا بلکہ صرف اس کا گریبان دیباج کا تھا اور اس کے دامن پر دیباج کی بیل تھی اور یہ معمولی مقدار (جو چار انگشت سے کم ہو) مردوں کیلئے پہننا جائز ہے۔ (الدر المنضود ۶:۱۳۰)

۵ نبی اکرم ﷺ اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا حکم:۔ تبرکات کے بارے میں علمائے دیوبند کا متفقہ عقیدہ جو قرآن وحدیث سے ثابت اور اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ انبیائے کرام، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور اولیائے کرام وغیرہم کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز و درست ہے، کیوں کہ ان حضرات پر ان کی ایمانی صفات اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا نزول ہوتا ہے اس سے ان کی ذوات کی طرح ان سے متعلق اشیاء بھی ذریعۂ برکت ہو جاتی ہیں، اسلئے اگر ان کے آثار سے حدودِ شرع کی رعایت کے ساتھ برکت حاصل کی جائے تو جائز و درست ہے، اس میں از روئے قرآن وحدیث ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے، متعدد نصوص واضح طور پر اسکے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند)

﴿الورقة الثالثة جامع الترمذی﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عن همام بن الحارث قال: ضاف عائشة ضيف فامرت له بملحفة صفراء فنام فيها فاحتلم فاستحيا ان يرسل اليها وبها اثر الاحتلام فغمسها فى الماء ثم ارسل بها فقالت عائشة: لم افسد علينا ثوبنا؟ انما كان يكفيه ان يفركه باصابعه وربما فركته من ثوب رسول الله باصابعى۔

ترجم العبارة ترجمة واضحة ۔ بيّن مذاهب الائمة فى طهارة المنى ونجاسته ۔ اكتب ادلتهم مع ترجيح المذهب الراجح فى ضوء الدليل۔ كم طرقا لتطهير ثوب اصابه المنى؟ وهل يطهر الثوب النجس بالنضح ؟

جواب .....كما مرّ فى الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۲ھ (ورقه ثانيه)

و الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۷ھ (ورقه سادسه)

الشق الثانی .....عن عائشة قالت: إن كان رسول الله ﷺ ليصلى الصبح فينصرف النساء قال الانصارى فتمر النساء متلففات بمروطهن ما يعرفن من الغلس وقال قتيبة متلفعات ۔

عن رافع بن خديج قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: اسفروا بالفجر فانّه اعظم للاجر۔ قال ابو

عیسٰی حدیث رافع بن خدیج حدیث حسن صحیح ۔

ترجم الحدیثین بعد تشکیلھما۔ اختلف الفقھاء فی تغلیس الفجر واسفارہ فاذکر مذاھبھم بالدلائل۔ کیف کنی الامام الترمذی نفسہ بابی عیسٰی مع منع الرسول عن ھٰذہ الکنیۃ؟

جواب .....مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۵ھ (ورقہ سادسہ)

و کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۶ھ ۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عن جابر: ان رسول اللّٰہ ﷺ قرن الحج والعمرۃ فطاف لھما طوافا واحدا ۔ وعن ابن عمر قال:قال رسول اللّٰہ ﷺ: من احرم بالحج اجزأہ طواف واحد وسعی واحد منھما حتّی یحل منھما جمیعا۔

اذکر اقوال الفقھاء فی کم یطوف ویسعی القارن و حرر ادلتھم۔ ما ھی التوجیھات المختارۃ لھٰذہ الاحادیث عند ساداتنا الاحناف۔ ھل یمکن لقارن ان یقدم سعی الحج وما ھی شرائطہ۔

جواب ..... ❶ قارن کیلئے حج کی سعی مقدم کرنے کا حکم وشرائط :۔ قارن چونکہ ایک احرام میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرتا ہے، اسلئے حنفیہ کے نزدیک اس پر سعی بھی دو مرتبہ لازم ہے، ایک سعی عمرے کی اور ایک حج کی۔ حج کی سعی طوافِ قدوم کے بعد کرے یا طوافِ زیارت کے بعد اس بات کا اسے اختیار ہے، اپنی سہولت کے مطابق عمل کرسکتا ہے۔

سعی کے صحیح اور معتبر ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد طواف کر کے سعی کی جائے، اگر کوئی شخص طواف سے پہلے سعی کرلے تو وہ سعی معتبر نہیں ہوتی، طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنا واجب ہے۔ (دارالافتاء۔ بنوری ٹاؤن)

❷ بقیہ مکمل جواب :۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۲ھ۔

الشق الثانی .....عن زید بن ثابت:انّ النبی ﷺ نھی عن المحاقلۃ والمزابنۃ الّا انّہ قد اذّن لاھل العرایا ان یبیعوھا بمثل خرصھا۔ عن ابی ھریرۃ : انّ رسول اللّٰہ ﷺ رخّص فی بیع العرایا فیما دون خمسۃ اوسق۔

اوضح مفھوم المحاقلۃ والمزابنۃ۔ اکتب مذاھب الائمۃ فی مفھوم العریۃ واذکر دلائل الاحناف۔ لماذا قیّد رسول اللّٰہ ﷺ ھٰذہ الرخصۃ بما دون خمسۃ اوسق؟

جواب .....مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۷ والشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۲۹ (ورقہ ثانیہ)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ : مَنِ اکْتَوٰی وَ اسْتَرْقٰی فَھُوَ بَرِیْئٌ مِنَ التَّوَکُّلِ۔ عَنْ اَبِیْ خُزَامَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ: سَئَلْتُ رسولَ اللّٰہِ ﷺ فَقُلْتُ یَا رسولَ اللّٰہِ! اَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْھَا و دَوَاءً نَتَدَاوٰی بِہٖ وتُقَاۃً نَتَّقِیْھَا ھَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ شَیْئًا؟ قال: ھِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ ۔ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ:مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُکِّلَ اِلَیْہِ۔

شکل الاحادیث وترجمھا۔ اشرح الاحادیث بحیث یرتفع التعارض بینھا ۔ حرّر حکم الرقی والتمائم۔ ما ھو الحکم الشرعی للتداوی (فرض، واجب، سنۃ) بیّنہ بالدلیل۔ (کتاب الطب)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ تشریح ورفعِ تعارض ④ رقٰی وتمائم کا حکم ⑤ تداوی وعلاج معالجہ کا حکم۔

جواب ..... ❶ احادیث پر اعراب :۔ کما مرّ فی السوال آنفا ۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

(۲) احادیث کا ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے داغ دلوایا یا جھاڑ پھونک کی وہ اہلِ توکل میں سے نکل گیا۔

حضرت ابوخزامہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ! اگر ہم جھاڑ پھونک کریں یا دوا کریں اور پرہیز بھی کریں تو کیا یہ چیزیں تقدیرِ الٰہی کو بدل سکتی ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ خود اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا یعنی اس کے ساتھ غیبی مدد نہیں رہے گی۔

(۳) و (۴) احادیث کی تشریح ورفعِ تعارض، رقی وتمائم کا حکم:۔ **کمامرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۸ھ۔ و الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۰ (ورقة ثانية) الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۵ (خامسة)**

(۵) تداوی وعلاج معالجہ کا حکم:۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے۔ پس بیماری کیلئے بھی اسباب پیدا کئے ہیں اور شفا کے بھی اسباب بنائے ہیں، پھر جو اسباب ظاہری ہیں ان کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، اسلئے بیماری کا علاج کرانا مسنون ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں۔ حدیث: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم علاج نہ کرائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! علاج معالجہ کراؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر اس کیلئے شفا بھی پیدا کی ہے۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف امراض کیلئے مختلف علاج خود بھی تجویز فرمائے۔ پس معلوم ہوا کہ علاج معالجہ مسنون ہے۔

جب یہ دنیا دارالاسباب ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہونگے۔ البتہ اسباب تین قسم کے ہیں: ظاہری، مخفی اور اخفی۔ سببِ ظاہر وہ ہے جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے۔ سببِ خفی: سببِ ظنی کا نام ہے، اور سببِ اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے۔ جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے، پانی سے سیراب ہوتا ہے اور دوا سے شفا حاصل ہوتی ہے یہ اسباب ظاہرہ ہیں اور جھاڑ پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر یہ سببِ خفی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

الشق الثانی .....عن مُعَاوِيَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ هٰذِهِ الْقُصَّةِ وَيَقُوْلُ اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ حِيْنَ اتَّخَذَهَا نِسَائُهُمْ۔ عِنْ عبدِ اللّٰهِ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ مُبْتَغِيَاتٍ لِلْحُسْنِ مُغَيِّرَاتِ خَلْقِ اللّٰهِ۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قال: لَعَنَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ۔ (ابواب الآداب۔ باب ماجاء فی الواصلة و المستوصلة....)

شکل الاحادیث کلها بالضبط وترجمها۔ اشرح الاحادیث شرحا وافیا لا یبقی فیه ایّ خفاء۔ کیف یعرف الفرق بین التزیین والتغییر ؟اکتب اصلا جامعا و اوضحه بالامثلة۔

جواب ..... (۱) احادیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

(۲) احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پیشانی کے بالوں کا اس طرح گچھا بنانے سے منع فرماتے ہوئے سنا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل بھی اس وقت ہلاک ہوئے تھے جب ان کی عورتوں نے یہ کام شروع کیا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی بال گودنے والی، بال گودوانے والی، چہرہ کے بال اکھیڑنے والی عورتوں پر جو حسن کو تلاش کرنے والی، اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ حلیہ کو تبدیل کرنے والی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی وضع قطع اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردوں کی وضع قطع اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(۳) بقیہ مکمل جواب:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۴۱ھ۔**

﴿الورقة الرابعة صحيح البخاری﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَنَّ الْمَعْرِفَةَ فَعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى (وَلٰكِنْ

يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ) عن عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ قَالُوْا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْأَتِكَ يارسولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰه قَدْغَفَرَلَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَأَخَّرَ فَيَغْضِبُ حَتّٰى يُعْرَفُ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ: إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمُ بِاللّٰهِ أَنَا۔ (ص ٧۔ج ١۔قدیمی)

اذکر الفرق بین العلم والمعرفة ۔ اذکرغرض البخاری من الترجمة واذکر مناسبتها بکتاب الایمان ماهو المقصود من ایراد الآیة ههنا؟ترجم الحدیث واشرحه ۔کیف نسب الذنب الی رسول اللّٰه ﷺ وقد أجمعت الأمة علی عصمة جمیع الانبیاء؟ اذکر اقوال العلماء فی التخلص عن هٰذا الاشکال ۔

جواب .....مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول١٤٢٨ھ ۔

الشق الثانی.....بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ و مَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ أَيْقِظُوْا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِی الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِی الْاٰخِرَةِ۔ (ص ٢٢۔ج ١۔قدیمی) (کتاب العلم)

ترجم العبارة بعد تشکیلها۔ ما المراد من الفتن و الخزائن؟ اشرح قوله ﷺ: فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة ۔اکتب احوال ام سلمةؓ ۔

جواب ..... ❶ فتن وخزائن کی مراد:۔ یہاں فتن سے مراد عذاب ہیں اور خزائن سے مراد رحمت ہے۔عذاب کو فتن سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ فتنے دراصل عذاب تک پہنچانے والے اسباب ہیں۔علامہ داؤدیؒ فرماتے ہیں کہ فتن وخزائن دونوں ایک ہی ہیں، دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہے، کیونکہ خزائن مفتوحہ سببِ فتنہ بن جاتے ہیں۔لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ الگ الگ ہیں۔مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولاً خواب میں دیکھا کہ آپ کے بعد بہت سے فتنے واقع ہونے والے ہیں اور آپ کی امت کو خزائن حاصل ہوں گے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد تعبیر کے ذریعہ یا وحی کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہوگئی۔آپ کی اس پیشین گوئی کے مطابق آپ کے بعد امت میں کتنے فتنے پیدا ہوئے اور حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد کے لوگوں کو کتنے خزانے حاصل ہوئے اور انہوں نے کتنے ہی ممالک فتح کئے، یہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔(کشف الباری)

❷ بقیہ مکمل جواب:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول١٤٣٨ھ ۔

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٤٥ھ

الشق الاوّل.....حدّثنا ابو نُعيم قال حدّثنا عبدُ الواحِدِ بْنُ أَيْمَنَ حدثنی ابی انّه سَمِعَ عائِشَةَ قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ ما تركهما حَتّٰى لَقِيَ اللّٰه وَمَا لَقِيَ اللّٰه تعالی حتّٰى ثَقُلَ عن الصلاةِ وكان يُصَلِّيْ كَثِيْرًا مِنْ صَلَاتِهٖ قَاعِدًا تَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بعدَ العصرِ وكان النبيُّ ﷺ يُصَلِّيْهِمَا وَلَا يُصَلِّيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُثَقِّلَ عَلٰى أُمَّتِهٖ وكَانَ يُحِبُّ ما يُخَفِّفُ عَنْهُمْ ۔ (کتاب مواقیت الصلوٰة۔ باب ما یصلّی بعد العصر من الفوائت)

اشرح الحدیث ۔ ما هو مقصود الامام البخاری بذکر هٰذا الحدیث؟ ۔ اذکر اختلاف الائمة فی الصلاة بعد العصر وما هو الجواب عن هٰذا الحدیث بیّنه مفصلا ۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ❶ حدیث کی تشریح:۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت تک عصر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمانا کبھی ترک نہیں کیں اور جب آپ اللہ سے ملے اس وقت ضعفِ عمر و کمزوری کے باعث آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ نماز سے تھک جاتے تھے اور آپ اپنی بہت سی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے مگر اس سب کے باوجود نبی ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے لیکن گھر ہی میں پڑھتے تھے اس خوف سے کہ آپ کی امت پر گراں نہ گزرے کیونکہ آپ ﷺ

اپنی امت کیلئے آسانی پسند کرتے تھے۔

❷ امام بخاریؒ کا حدیث الباب کا مقصد:۔ امام بخاریؒ کا مقصد اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ عصر کے بعد قضاء نمازیں اور ہمہ قسم نوافل پڑھ سکتے ہیں۔اس باب کی احادیث واضح طور پر اس مسئلہ پر دلالت کررہی ہیں۔

❸ صلوٰۃ بعد العصر میں ائمہ کا اختلاف وحدیث کا جواب:۔**کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۲ھ (ورقة ثالثة)**

عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے سلسلے میں امام بخاری نے یہاں چار روایتیں ذکر کی ہیں اور ان سب میں آخری واسطہ حضرت عائشہؓ ہیں۔ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پوری پابندی کے ساتھ ادا فرماتے تھے،لیکن خود حضرت عائشہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی۔بہت سی ایسی عبادات ہیں جنہیں آپ خود کیا کرتے تھے لیکن امت کے دوسرے افراد کو اس کی اجازت نہیں تھیں مثلاً آپ ﷺ صومِ وصال (کئی دن تک متواتر درمیان میں بغیر کسی افطار وسحری روزے رکھنا) رکھا کرتے تھے لیکن آپ کے سوا کوئی دوسرا اس طرح روزے نہیں رکھ سکتا۔عائشہؓ کو خود اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں تھا، بلکہ ایک مرتبہ سائلین نے پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے انہیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیج دیا تھا اور ام سلمہؓ خود ناقل ہیں کہ یہ رکعتیں آپ ﷺ نے قضاء کے طور پر پڑھی تھیں۔ام سلمہؓ نے پوچھا یارسول اللہ! اگر ہماری بھی یہ رکعتیں قضاء ہوجائیں تو کیا ہم بھی اس وقت پڑھ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔حضرت عائشہؓ سے جو احادیث اس سلسلہ میں منقول ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان دو رکعتوں کو پوری پابندی کے ساتھ ادا فرماتے تھے، بہت سے اکابر محدثین نے اس میں تامل کا اظہار کیا ہے اور ان کے بعض روایوں پر تنقید کی ہے۔ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں اہل علم کا اجماع ہے کہ عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز مکروہ ہے سوائے چند مخصوص نمازوں کے۔وجہ یہ ہے کہ سورج ڈوبنے اور طلوع ہونے کے اوقات مشرکین کی عبادات کے اوقات ہیں اور فجر وعصر کی نمازوں کے بعد نماز پڑھنے میں اس کا خطرہ رہتا ہے کہ ان اوقات میں عبادت سے بچنے کا جو اہتمام شریعت نے کیا ہے وہ ملحوظ نہ رہے اسلئے ان اوقات میں ہی نماز پر پابندی لگادی۔البتہ نبی چونکہ شریعت کے اس اہتمام سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے اسلئے اسے اجازت ہوسکتی ہے۔(تفہیم البخاری)

حدیث الباب کا مزید جواب یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عصر کے بعد ہمہ قسم نوافل مکروہ ہیں خواہ ذوات الاسباب ہوں یا غیر ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ باقی حضور اقدس ﷺ کا عصر کے بعد نوافل پڑھنا یہ آپ کے خصائص میں سے ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے اور ہم لوگوں کو منع فرماتے تھے اور آپ صومِ وصال رکھتے تھے اور ہمیں اس سے منع فرماتے تھے۔اسی باب میں حدیث گزری کہ نبی اکرم ﷺ ان دو رکعتوں کو مسجد میں اسلئے نہیں پڑھتے تھے کہ امت پر بوجھ نہ پڑے اور آپ ﷺ یہ پسند فرماتے تھے کہ امت پر تخفیف رہے۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکعتیں آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہیں۔(نصر الباری)

الشق الثانی.....**باب شهادة القاذف والسارق والزانی وقول الله تعالٰی ولاتقبلوا لهم شهادة ابداً واولئك هم الفاسقون الاالذین تابوا۔ وجلد عمر ابابكرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغيرة ، ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته..... وقال بعض الناس لايجوز شهادةالقاذف وان تاب ثم قال: لايجوز نكاح بغير شاهدين فان تزوج بشهادة محدودين جاز وان تزوج بشهادة عبدين لم يجز واجاز شهادة المحدود والعبد والامة لرؤية هلال رمضان وكيف تعرف توبته۔**(ص۳۶۱۔ج۱۔قدیمی)

حرّر اختلاف الائمة فی قبول شهادة القاذف بعد التوبة ۔ ماهوغرض الامام البخاری بقوله: قال بعض الناس..... الخ ۔ اجب عن ساداتنا الاحناف موضحا الفرق بين مسئلة الباب و المسائل التی

0313 6357013 makhanzakariyamultan@gmail.com

اوردها الامام ۔ ما هو الغرض بقوله "وكيف تعرف توبته.....الخ"

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں:①

جواب ..... ① محدود فی القذف کی توبہ کے بعد گواہی کی قبولیت میں اختلاف :۔ توبہ کے بعد محدود فی القذف کی شہادت و گواہی کی قبولیت میں ائمہ کا اختلاف ہے: امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ وسفیان ثوریؒ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اسکی شہادت معتبر نہیں ہے امام مالکؒ، امام شافعیؒ ولیثؒ کے نزدیک توبہ کے بعد محدود فی القذف کی شہادت قبول کی جائیگی۔

اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ آیت کریمہ **فاجلدوهم ثمانين جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة ابداً واولئك هم الفاسقون الّا الذين تابوا من بعد ذلك الخ** میں استثناء کس جملہ سے ہے؟ حنفیہ کے نزدیک قریب ہونے کی وجہ سے صرف **هم الفاسقون** سے استثناء ہے اور دیگر ائمہؒ کے نزدیک دونوں چیزوں (شہادت کی عدمِ قبولیت وفسق) سے استثناء ہے۔ (دروسِ ترمذی ۱۳۶:۴)

② بقیہ مکمل جواب:۔ **كما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ١٤٣٩ھ ۔**

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٤٥ھ

الشق الاوّل .....**باب قوله تعالٰى: ولئن اَتَيتَ الّذين اوتوا الكتاب بكل آية ما تبعوا قبلتك الٰى قوله انّك اذا لمن الظالمين... عن ابن عمرَ :بينما الناس فی الصبح بقباء جاء هم رجل فقال اِنّ رسولَ اللّٰه ﷺ قد اُنزلَ عليه الليلةَ قرآن و اُمِرَ ان يستقبل الكعبة اَلَا فاستقبِلوها وكان وجه الناس الى الشام فاستداروا بوجوههم الى الكعبة۔**

بيّن المناسبة بين الترجمة وبين حديث الاستقبال۔ كم مرة وقع تحويل القبلة؟ بيّنها مفصلا ومدللا۔ ايّ صلاة صليت بعد تحويل القبلة؟ وايّ رجل اخبر اهل القباء ۔

جواب ..... ① ترجمۃ الباب وحدیث میں مناسبت:۔ آیت کریمہ وحدیث الباب میں التزامی طور پر مطابقت ومناسبت موجود ہے، بایں طور کہ آیت کریمہ میں فرمایا کہ یہ یہود تمام دلائل وآیات کے باوجود آپ کا قبلہ تسلیم نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے، اس سے التزامی طور پر ثابت ہوا کہ مسلمان آپ کے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے، چنانچہ حدیث میں تصریح ہے کہ اہلِ قباء نے قبلہ تسلیم کیا اور نماز ہی میں کعبہ کی طرف پھر گئے (حدیث ابھی گزری ہے)۔ (نصر الباری)

② تحویل قبلہ کی مکمل تفصیل:۔ ہجرت کے بعد احکام شرعیہ میں سے اول جو حکم منسوخ ہوا وہ یہی قبلہ تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ ہجرت سے پہلے قبلہ بیت اللہ تھا یا بیت المقدس تھا، بعض کہتے ہیں کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف اس طرح منہ کرتے تھے کہ کعبہ بھی سامنے ہوتا تھا، بعض نے مطلقا کہا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ فرماتے تھے اس کا ذکر نہیں کیا کہ کعبہ کس طرف ہوتا تھا۔ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں آپ ﷺ کعبہ کی طرف رخ فرماتے تھے اور جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے، مگر سرکارِ دو عالم ﷺ کا دل چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوجائے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمی تھا، نیز مشرکین کو ایمان کی طرف اور یہود کو مخالفت کی طرف زیادہ مائل کرنے والا تھا۔ چنانچہ ابن جریر وغیرہ نے بسند قوی ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو اللہ تعالی نے آپ کو حکم فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کیا کریں۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ اولاً رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی پھر مکہ میں ہی رہتے ہوئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوگیا چنانچہ تین برس برابر بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی پھر مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ علامہ بغوی کا مسلک صحیح وقوی ہے اور دیگر احادیث اسی کی طرف راجع ہیں۔

0333 6367013 maktabakariyanulan@gmail.com

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ہجرت کے بعد کتنے زمانہ تک رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ہے۔ابوداؤد کے نزدیک بروایت ابن عباس سترہ مہینے نماز پڑھی۔طبرانی اور بزار وغیرہ کے نزدیک حسب روایت عمرو بن عوف، ابی شیبہ وابوداؤد وغیرہ ہما کے نزدیک حسبِ روایت ابن عباس اور امام مالکؒ کے نزدیک حسبِ روایت سعید بن المسیب سولہ مہینے پڑھی اور بخاری کے نزدیک حسب روایت براء بن عازب سولہ یا سترہ مہینے پڑھی۔حق یہ ہے کہ سولہ مہینے اور کچھ دنوں پڑھی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے مکہ سے ربیع الاول کی پانچویں تاریخ بروز دوشنبہ ہجرت فرمائی اور مدینہ میں بارہ ربیع الاول بروز دوشنبہ کو تشریف لائے اور تحویلِ قبلہ کا حکم قولِ صحیح کے موافق ۱۵ رجب ۲ ہجری واقعۂ بدر سے دو ماہ پہلے بوقتِ زوال ہوا۔جمہور علماء نے اسی قول کو معتبر ٹھہرایا ہے۔اور سترہ مہینے جو بعض کا قول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنوں کو پورا مہینہ شمار کر کے سترہ مہینے کہہ دیئے۔بعض روایت میں جو تیرہ یا انیس یا اٹھارہ مہینے یا دو ماہ یا دو برس آئے ہیں یہ سب اقوال ضعیف ہیں۔

مدینہ منورہ میں جب حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے تو یہودی کہا کرتے تھے کہ محمد دین میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر اتباع ہمارے قبلہ ہی کی کرتے ہیں اسلئے آپ یہ چاہتے تھے کہ بیت اللہ قبلہ ہو جائے چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل سے اپنی یہ تمنا ظاہر کی کہ چونکہ بیت اللہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے اس لیے میری خواہش ہے کہ اللہ تعالی اسے قبلہ بنادے ،جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کی مثل بندہ ہوں اور آپ اللہ تعالی کے نزدیک مجھ سے زیادہ بزرگ ومقرب ہیں آپ خود اللہ تعالی سے دعا کیجئے ،رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور اکثر اللہ کے حکم کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے رہتے آخر کار اللہ تعالی نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرمایا۔

مواہب اور سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ قبیلہ بنی سلمہ میں براء کے انتقال کے بعد ام بشر بن براء سے ملنے تشریف لے گئے ،ام بشر نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا وہاں آپ ﷺ کو ظہر کا وقت ہو گیا آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں نماز شروع فرمائی جب آپ ﷺ دو رکعتیں پڑھ چکے تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر اشارہ کیا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھو آپ نماز ہی میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔جس جگہ مرد تھے وہاں عورتیں آ گئیں اور جہاں عورتیں تھی وہاں مرد آ گئے غرض سب نماز میں پھر گئے اسی واسطے اس مسجد کو مسجد القبلتین کہتے ہیں۔الغرض آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھیں اور دو رکعت کعبہ کی طرف پڑھیں۔عباد بن بشرؓ آپ کے ساتھ نماز پڑھ کر جا رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ بنی حارثہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں اور رکوع میں ہیں انہوں نے بآواز بلند کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آ رہا ہوں وہ سن کر فورا بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔صحیح بخاری میں براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اول نماز جو کعبہ کی طرف پڑھی وہ عصر کی نماز تھی۔یہ حدیث پہلی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی لیکن تحقیق یہ ہے کہ ظہر ہی کی نماز پڑھی ہے اور دوسری حدیث میں جو عصر کی نماز آئی ہے تو ممکن ہے کہ براء بن عازب کو آپ ﷺ کے بنی سلمہ میں ظہر پڑھنے کی اطلاع نہ ہوئی ہو یا ان کی مراد یہ ہو کہ پوری نماز سب سے پہلے کعبہ کی طرف عصر کی نماز پڑھی گئی، کیونکہ ظہر کی تو دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں یا یہ مقصود ہے کہ اپنی مسجد میں جو حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور تحویل قبلہ کی خبر قباء والوں کو اگلے روز فجر کی نماز میں ہوئی، چنانچہ صحیحین میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ قبا میں لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا ہے ، پہلے ان کے منہ شام کی طرف تھے، وہ سب اسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئے۔رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہم بنی عبدالاشہل میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر پکارا کہ رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو گیا ہے ہمارا امام یہ سن کر کعبہ کی طرف پھر گیا اور ہم سب بھی پھر گئے۔(تفسیر مظہری)

الشق الثانی.....بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَنِّي وَ قَوْلِ اللّٰهِ:وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ...

عَنِ النَّضْرِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَنَسٌؓ لَوْلَا اَنِّیْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَتَمَنَّیْتُ. عَنْ قَیْسٍ قَالَ اَتَیْنَا خَبَّابَ بْنَ الْاَرَتِّ نَعُوْدُهٗ وَقَدِ اکْتَوٰی سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا اَنَّ رسولَ اللّٰہ ﷺ نَهَانَا اَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهٖ.

ترجم العبارة بعد تشكيلها. ما هو حكم تمنى الموت هل يجوز ام لا؟ ان كان الثانى فكيف تمنّى البخارى؟ ما هو حكم الكيّ؟ان كان لا يجوز فكيف اكتوٰى الخباب؟بيّنها مفصلا .

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں:① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ موت کی تمنا کرنے کا حکم ④ کیّ کا حکم اور خبابؓ کے داغ لگوانے کی توجیہ۔

جواب ..... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا .**

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب ناپسندیدہ وممنوع آرزو اور اللہ تعالی کے قول:وَلَا تَتَمَنَّوْا... (ترجمہ:اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) کے بیان میں ہے۔نضر بن انسؓ حضرت انسؓ بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ اگر میں نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنتا کہ موت کی تمنا نہ کرو تو میں موت کی تمنا کرتا۔

قیسؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کیلئے آئے،اس وقت انہوں نے سات داغ لگوائے تھے،انہوں نے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرماتے تو میں اس کی دعا کرتا۔

③ موت کی تمنا کرنے کا حکم:۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے جو اسے پہنچی ہے یعنی دنیوی ضرر کی وجہ سے موت کی تمنا و دعا کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر اخروی ضرر کا اندیشہ ہے یا فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالی سے بحفاظت دنیا سے اٹھائے جانے کی دعا کی جاسکتی ہے،معلوم ہوا کہ دینی ضرر اور نقصان کے اندیشے سے موت کی دعا کی جاسکتی ہے۔اور اگر کسی کو ہر حال ہی میں موت کی دعا اور تمنا کرنی ہے تو پھر صراحتا موت کی دعا نہ کرے کیونکہ مطلقا موت کی تمنا میں ایک گونہ تقدیر پر اعتراض ہے۔اور اگر کسی کو موت کی دعا کرنی ہی ہے تو ان الفاظ میں دعا کرے:**اللّٰهم احينى ما كانت الحياة خيرا لى وتوفّنى اذا كانت الوفاة خيرا لى.** (کشف الباری۔کتاب المرضی:۵۱۱)

آدمی کو کسی دنیوی ضرر سے پریشان ہو کر موت کی تمنا ہرگز نہیں کرنی چاہئے،اور اگر ضرر دینی ہو تو اس سے بچنے کیلئے جائز ہے۔ایسے موقع پر حدیث میں مذکور دعا یہ ہے: **اللهم احينى ما كانت الحياة خيرا لى وتوفّنى اذا كانت الوفاة خيرا لى.**

زندگی مسلمان کیلئے بہت بڑی نعمت ہے کسی مصیبت سے گھبرا کر اپنے لئے موت کی بددعا کرنا اس نعمت کی ناقدری ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ زندگی مسلمان کیلئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے،مصیبت کی حالت ہو یا راحت کی،مصیبت میں صبر کرتا ہے تو اس کیلئے اجر ہے اور راحت کی حالت میں اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہے تو اس کیلئے اجر ہے۔آدمی کی یہی دو حالتیں ہوتی ہیں تو گویا اس کیلئے زندگی ہر حال میں نفع اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔(نصر الباری)

④ کیّ کا حکم اور خبابؓ کے داغ لگوانے کی توجیہ:۔ **كما مرّ فى الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۴۱ھ (ورقة ثالثة)**

﴿الورقة الخامسة سنن ابى داؤد﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل.....عن ابن عباس قال: دخل علىٌّ عليه يعنى ابنُ ابى طالب وقد اهراق الماء فدعا بوضوء... ثم ادخل يديه فى الاناء جميعا فاخذ بهما حفنةً من ماءٍ فضرب بها علٰى وجهه ثم القم ابهاميه

ما قبل من اذنیه ثم الثانیة ثم الثالثة مثل ذلك ثم اخذ بكفه الیمنی قبضة من ماء فصبّها علی ناصیته فتركها تستن علی وجهه ثم غسل ذراعیه الی المرفقین ثلاثا ثلاثا ثم مسح رأسه وظهور اذنیه ثم ادخل یدیه جمیعا فاخذ حفنة من ماء فضرب بها علی رجله وفیها النعل ففتلها بها... الخ ۔ قال ابو داؤد وحدیث ابن جریج عن شیبة یشبه حدیث علیؓ .لانّه قال فیه حجاج بن محمد عن ابن جریج ومسح برأسه مرة واحدة وقال ابن وهب فیه عن ابن جریج ومسح برأسه ثلاثا۔

وضوء علیؓ هٰذا علی غیر الوجه المعروف ماذا توجیهه؟ ما هی الاقوال الفقهیة فی مسح الاذن؟ اشرح قول ابی داؤدؒ المذكور حتّی یتضح ربطه بالحدیث المذكور۔

جواب ..... ❶ معروف طریقہ کے خلاف وضوء کرنے کی وجوہات:۔اس حدیث میں متعدد امور وضوء کے معروف طریقہ کے خلاف ہیں:

① حضرت علیؓ نے دونوں ہاتھ میں پانی لے کر اس کو چہرہ پر مارا، یہ وضوء میں چہرہ پر زور سے پانی ڈالنا خلافِ ادب ہے جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے۔اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ''ضرب الماء'' صب الماء سے کنایہ ہے، یہاں ضرب کا متبادر معنی مراد نہیں، یا یوں کہا جائے کہ یہ لفظ شاذ ہے، معروف ومشہور روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں ہے۔دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپؓ نے بیان جواز کیلئے ایسا بھی کیا ہو، یہ خلافِ ادب تو ہے، مگر حرام نہیں ہے؟

② حضرت علیؓ نے غسلِ وجہ کے ساتھ اپنے دونوں انگوٹھوں کو کانوں کا لقمہ بنایا یعنی جس طرح لقمہ کو منہ میں داخل کرتے ہیں اسی طرح ابہامین کو اذنین میں داخل کیا، گویا آپ نے کانوں کے اگلے حصہ کا مسح غسلِ وجہ کے ساتھ فرمایا، جیسا کہ اسحٰق بن راہویہ کا مذہب ہے۔اس کا جواب بھی یہی ہے کہ آپ نے احیانا بیانِ جواز کیلئے ایسا کیا، ورنہ مسنون طریقہ تو وہی ہے جو روایات کثیرہ وشہیرہ میں آتا ہے۔علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مسحِ اذنین کے بارے میں حسن بن صالح اور شعبی کے مسلک کی دلیل ہے، ان کے ہاں ماقبل من الاذنین کو چہرہ کے ساتھ دھویا جائے۔حضرت سہارنپوریؒ نے جواب دیا کہ صرف تر انگوٹھے کانوں میں داخل کرنے سے غسلِ اذنین ثابت نہیں ہوتا، بلکہ مسح ثابت ہوتا ہے لہذا یہ حدیث اسحٰق بن راہویہ کی دلیل ہے، نہ کہ شعبی وحسن بن صالح کی۔

③ حضرت علی نے تین بار چہرہ دھونے کے بعد چوتھی مرتبہ دائیں ہاتھ کی چلو میں پانی لے کر اس کو پیشانی پر رکھ چھوڑا جو آپ کے چہرہ پر اتر آیا، یہ عمل تثلیثِ غسل پر زیادتی ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔امام بخاریؒ نے اس حدیث پر نقد کرتے ہوئے اس کا اور گذشتہ وآئندہ آنے والے سب اشکالات کا ایک مشترک جواب دیتے ہوئے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، چنانچہ منذریؒ کہتے ہیں وفیہ مقال، امام ترمذیؒ نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو اس پر انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی پیشانی پر جو پانی ڈالا ہے تکمیلِ وضوء کے طور پر نہیں بلکہ یہ تبرید یعنی محض چہرہ کو ٹھنڈک پہنچانے کیلئے تھا۔امام نوویؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہوسکتا ہے پیشانی کا بالائی حصہ تین بار میں اچھی طرح تر نہ ہوا ہو اسلئے اس کی تکمیل میں آپ نے ایسا کیا۔بعض نے کہا کہ یہ جو چوتھی مرتبہ آپ نے مقدمِ رأس پر پانی ڈالا تھا یہ فقہاء کے اس قول کی اصل ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ چہرہ دھوتے وقت استیعابِ وجہ کے قصد سے پیشانی کے ساتھ مقدمِ رأس کا بھی کچھ حصہ دھولے۔

④ حضرت علیؓ نے جوتے نکالے بغیر پاؤں کو اس طرح دھویا کہ ایک لپ پانی پاؤں پر ڈالا اور پھر پاؤں کو ہاتھ سے مل لیا، پھر دوسرے پاؤں پر ایک کپ پانی اسی طرح ڈال کر کیا۔یہاں اشکال یہ ہے کہ ہر ایک پاؤں کو صرف ایک کپ پانی سے دھو رہے ہیں باوجودیکہ پاؤں جوتے کے اندر ہے، جوتے سے باہر نہیں نکالا تو اس صورت میں غسلِ قدمین کا حق کیسے ہوسکتا ہے جب کہ پانی کی مقدار بھی قلیل ہی ہے، اسی لئے بعض نے اس سے مسحِ قدمین پر استدلال کیا ہے۔،اس عمل کے بھی متعدد جواب دیئے گئے ہیں: ایک

0313 6357922 maktabazakariyamultan@gmail.com

جواب ابھی اوپر گزرا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ غسلِ رجلین کے بارے میں حضرت ابن عباس وعلیؓ کی روایات مختلف ہیں، بعض سے غسل ثابت ہوتا ہے اور بعض سے مسح، اور روایاتِ صحیحہ کثیرہ سے غسلِ رجلین ثابت ہے، لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ احادیثِ غسل نے احادیثِ مسح کو منسوخ کر دیا ہے۔ بعض نے جواب دیا کہ بیشک اس حدیث سے مسح ثابت ہو رہا ہے لیکن مسح قدمین پر نہیں تھا بلکہ جوربین پر تھا، گو یہاں پر جوربین مذکور نہیں لیکن ان کی نفی بھی نہیں ہے۔

❷ مسحِ اذنین میں اقوالِ فقہاء:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۵ھ (ورقة سادسة)

❸ قال ابوداؤد کی تشریح:۔ مصنفؒ نے حضرت علی کی حدیث مختلف طرق واسانید سے ماقبل میں ذکر فرمائی ہے۔ ان میں ابن جریج کے طرق سے کوئی روایت نہیں آئی۔ نسائی اور بیہقی نے اس کی تکریج کی ہے۔ مصنفؒ قال ابوداؤد کے ذریعہ تعلیقاً اس روایت کو یہاں ذکر فرمارہے ہیں۔ ابنِ جریج کے طرق میں ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے، حجاج بن محمد نے تو ان سے مسح رأس مرة واحدةً ذکر کیا ہے اور ابن وہب نے ان سے مسح رأس ثلاثا ذکر کیا ہے، مصنفؒ فرماتے ہیں چونکہ اب تک جتنی احادیثِ علیؓ بیان ہوئی ہیں سب میں مسحِ رأس مرةً ہے، اسلئے حجاج کی روایت کو ابن وہب کی روایت پر ترجیح ہوگی۔ لہٰذا حدیث علی میں صحیح اور راجح مسحِ رأس مرةً ہوا، نہ کہ ثلاثا۔ جیسا کہ حدیثِ عثمانؓ میں بھی ایسا ہی ہے کہ صحیح مسحِ راس مرةً ہی ہے۔

الغرض اس قال ابوداؤد کے ذریعہ روایاتِ علیؓ میں سے مسحِ رأس مرةً والی روایت کو ترجیح دی گئی ہے۔ (الدر المنضود ۱:۲۶۱)

الشق الثانی.....عن شقیق قال کنتُ جالسا بین یدی عبد اللّٰہ وابی موسٰی فقال ابو موسٰی: یا ابا عبد الرحمٰن! ارأیت لو اَنّ رجلا اجنب فلم یجد الماء شهرا اما کان یتیمم؟ قال:لا وإنْ لم یجد الماء شهرا فقال ابو موسٰی فکیف تصنعون بهٰذه الاٰیة التی فی سورة المائدة فلم تجدوا ماءً فتیمّموا صعیدا طیبا فقال عبد اللّٰہ: لو رُخص لهم فی هٰذا لاوشکوا اذا برد علیهم الماء ان یتیمّموا بالصعید. فقال له ابو موسٰی وانّما کرهتم هٰذا لهٰذا؟ قال:نعم، فقال له ابو موسٰی:أ لم تسمع قول عمار لعمر بعثنی رسولُ اللّٰہ ﷺ فی حاجة فاجنبتُ فلم اجد الماءَ فتمرّغتُ فی الصعید کما تَتَمَرَّغُ الدّابةُ ثم اتیتُ النبیَّ ﷺ فذکرتُ ذٰلك له فقال: انّما کان یکفیك ان تصنع هٰذا فضرب بیده علی الارض فنفضها ثم ضرب بشماله علٰی یمینه وبیمینه علٰی شماله علی الکفین ثم مسح وجهه. فقال له عبدُ اللّٰہ أ فلم تر عمر لم یقنع بقول عمار۔

المجادلة التی جرت بین عبد اللّٰہ وابی موسٰی اذکرها بالوضوح ۔ من یستدل بهٰذا الحدیث؟ اذکر مذهبهم۔ اِن کان هٰذا الحدیث مخالفا لمذهب الاحناف فحرّر توجیهات مختارة له۔ ما هو الاصل الذی اشیر الیه فی العبارة التی فوقها خط؟ (باب التیمم)

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① مجادلہ کی وضاحت ② مستدلین ومذاہب کی وضاحت ③ مذکورہ حدیث وحنفیہ کا مذہب ④ مشار الیہ اصل کی وضاحت۔

جواب..... ① مجادلہ کی وضاحت:۔ اس حدیث میں جنبی کے تیمّم کرنے کے مسئلہ پر ایک مباحثہ کا ذکر ہے۔ ابوعبدالرحمٰن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت ہے، ابوموسیٰ اشعریؓ جو کہ تیمّمِ جنب کے جواز کے قائل تھے انہوں نے حضرت ابنِ مسعودؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی جنبی کو پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمّم کرسکتا ہے؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: نہیں کرسکتا، اس پر ابوموسیٰ اشعری نے سورہ مائدہ کی آیت (او لامستم النساء) پیش کی جس سے تیمّمِ جنب ثابت ہوتا ہے، اس پر ابنِ مسعودؓ نے فرمایا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہم لوگوں کو تیمّمِ جنب کی اجازت دیدیں تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اس میں بے احتیاطی کریں گے جہاں دیکھا کہ پانی ٹھنڈا ہے اور سردی ہو رہی ہے وہ تیمّم کرنے لگیں گے، ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: اچھا، اس وجہ سے فتویٰ نہیں دیتے ہو؟ کیا حضور نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا؟

0313 6157913 maqsadzakriyya@gmail.com

آپ ﷺ سے زیادہ مصلحت کو کون سمجھتا ہوگا؟ اس موقع پر بطورِ دلیل ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمار کی حدیث بیان کی جو انھوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تھی جس سے تیمّم جنب کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ حدیث یہ ہے کہ حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کہیں سفر میں ایک کام سے بھیجا تھا مجھے وہاں جنابت لاحق ہوئی اتفاق سے پانی نہیں تھا، میں نے جنابت کی نیت سے تیمّم کرلیا اور یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ حدثِ اصغر وا کبر دونوں سے تیمّم کا طریقہ ایک ہی ہے، چنانچہ میں نے زمین میں لوٹ لگائی جس طرح جانور وغیرہ زمین پر لوٹ پوٹ ہوتے ہیں، پھر جب میں سفر سے واپسی پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنابت کے تیمّم کیلئے تمرغ (لوٹ پوٹ ہونے) کی ضرورت نہیں تھی، اس کے بعد آپ نے تیمّم کا جو معروف طریقہ ہے وہ بتلایا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوموسی اشعری کی یہ پوری بات سن کر فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت عمر سے حضرت عمار نے جب یہ حدیث بیان کی تھی تو عمرؓ نے اس پر قناعت اور اظہارِ طمینان نہیں کیا تھا؟ اس پر ابوموسی اشعریؓ خاموش ہوگئے۔

❷ مستدلین ومذاہب کی وضاحت:۔ تیمّم حدثِ اصغر وا کبر دونوں میں مشروع ہے یا صرف حدث اصغر میں؟ بالفاظِ دیگر تیمّم صرف وضوء کے قائم مقام ہوتا ہے یا وضوء وغسل دونوں کے قائم مقام ہوتا ہے؟ جمہور علماء سلف وخلف وائمہ اربعہ کے نزدیک عموم ہے یعنی دونوں میں قائم مقام ہوتا ہے، البتہ ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک صرف حدثِ اصغر میں تیمّم مشروع ہے اور صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمر اور ابن مسعودؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن بعد میں ان دونوں حضرات سے رجوع بھی مروی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تیمّم جنب کتاب اللہ کی آیتِ تیمّم سے ہی ثابت ہے۔ اسلئے کہ آیت میں **او لٰمستم النساء** حنفیہ کے نزدیک جماع پر محمول ہے۔ (الدر المنضود ۱:۴۲۵)

یہ حدیث بظاہر ابراہیم نخعیؒ کیلئے مؤید ہے کہ اس سے جنبی کیلئے تیمّم کا عدمِ جواز ثابت ہورہا ہے۔

❸ مذکورہ حدیث وحنفیہ کا مذہب:۔ یہ حدیث بظاہر حنفیہ وجمہور کے خلاف ہے اور ابراہیم نخعیؒ کیلئے مؤید ہے، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک جنبی کیلئے تیمّم کرنا جائز ہے جبکہ اس حدیث سے جنبی کیلئے تیمّم کا عدمِ جواز ثابت ہورہا ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے استدلال اور جنبی کیلئے تیمّم کے جواز کو تسلیم کیا تھا، البتہ اس جواز والے مسئلہ کو خلافِ مصلحت قرار دیتے ہوئے اس پر نقد واعتراض کیا تھا۔ بعد میں ان کا اس مسئلۂ عدمِ جواز سے رجوع بھی ثابت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں تقدیم وتاخیر ہوئی ہے۔ بخاری شریف میں صحیح ترتیب پر مباحثہ کا ذکر ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے اولاً حدیثِ عمار بطورِ دلیل پیش فرمائی تھی مگر جب انہوں نے یہ روایت رد کردی تو پھر ابوموسیٰ اشعریؓ نے آیتِ تیمّم کو پیش کیا، ابنِ مسعودؓ نے اس استدلال کو تسلیم کیا مگر خلافِ مصلحت قرار دیتے ہوئے جواز کو تسلیم نہ کیا۔ پھر بعد میں رجوع بھی کرلیا۔

❹ مشارالیہ اصل کی وضاحت:۔ ابنِ مسعودؓ کے اس جملہ کا حاصل یہ کہ آج اگر جنبی کو تیمّم کی اجازت دیدی گئی تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اس مسئلہ میں بے احتیاطی کریں گے، آسانی تلاش کریں گے، جہاں پانی ٹھنڈا ہوگا اور سردی ہوگی وہ تیمّم کرنا شروع کردیں گے۔ گویا اس جملہ کے ذریعہ انہوں نے جنبی کیلئے تیمّم کی اجازت کو خلافِ مصلحت قرار دیا ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عن الحارث بن قيس قال: اسلمتُ وعندى ثمان نسوة قال: فذكرت ذٰلك للنبى ﷺ فقال: اِختَرْ منهنّ اربعاً. عن الضحاك بن فيروز عن ابيه قال: قلتُ يا رسول اللّٰه! انّى اسلمت وتحتى اختان. قال: طلّق ايتهما شئتَ.

من اسلم وعنده اكثر من اربع نسوة هل له الخيار ان يمسك من شاء منهن؟ اكتب اقوال الائمة. اذكر ادلتهم مع ترجيح الراجح. كيف امر رسولُ اللّٰه ﷺ فيروز الديلمى بالتطليق مع انّ الطلاق يقع فى النكاح الصحيح؟

0313 6377013 maktabarakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① چار سے زائد عورتوں کو چھوڑنے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کسی شخص کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں ہوں اور پھر وہ خاوند و بیویاں سب کے سب مسلمان ہو جائیں تو اس بات پر تو تمام ائمہ متفق ہیں کہ وہ شخص ان میں سے چار کو اپنے نکاح میں برقرار رکھ سکتا ہے انکے ماسوا باقی کو چھوڑنا ضروری ہے لیکن کس کو رکھے اور کس کو چھوڑے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے:

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو اختیار ہے جس کو چاہے رکھے اور جس کو چاہے چھوڑ دے۔

شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اسے اختیار نہیں ہے بلکہ جن چار سے پہلے نکاح ہوا تھا ان کو رکھے اور بقیہ کو چھوڑ دے اور یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے جب اسلام لانے سے پہلے نکاح میں دو بہنیں ہوں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے جس میں حضرت غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا ذکر ہے کہ وہ اور انکی تمام بیویاں جن کی تعداد دس تھی وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان میں سے چار کو باقی رکھنے اور بقیہ کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ اسی طرح انکا استدلال حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے بھی ہے۔ یہ جب اسلام لائے تو انکی دو بیویاں جو آپس میں بہنیں تھیں وہ بھی مسلمان ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان دو میں سے ایک کو اختیار کرو اور دوسری کو چھوڑ دو۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جو چار نکاح پہلے ہوئے تھے وہ تو اسلام کی نظر میں صحیح ہیں، چار کے بعد جو نکاح ہوئے وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے درست ہی نہ تھے اور وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوئے لیکن انکے اسلام لانے سے پہلے ہم نے ان سے تعرض اسلئے نہیں کیا تھا کہ اہلِ ذمہ کے مذہبی اور شخصی معاملات میں مداخلت نہیں کی جاتی لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے ہیں تو اب قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ ہوگا لہٰذا ابتدائی چار نکاح والی بیویاں حلال ہونگی، باقی سے نکاح ہی درست نہ ہونے کی وجہ سے وہ چھوڑ دی جائیں گی۔

راجح کی ترجیح: یہاں پر شیخین رحمہما اللہ کا مذہب راجح ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل کے متعدد جوابات دیئے جاسکتے ہیں:

① اختیار سے مراد یہ نہیں ہے کہ مجموعہ میں سے جس کو چاہے رکھ لے بلکہ حدیث پاک میں **اختر** سے مراد اختیارِ قدیمات ہے یعنی یہ جائزہ لو کہ ان میں سے قدیمات کونسی ہیں قدیمات چھانٹ کر رکھ لے باقی کو چھوڑ دے۔ لیکن یہ جواب غیر مناسب ہے کیونکہ حضرت غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ میں نے سب سے پرانی کو چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں **اختر ایتهما شئت** کے الفاظ اس تاویل پر منطبق نہیں ہوتے ② اس حدیث کا مطلب واقعی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا تھا کہ ان میں سے جس کو چاہو رکھ لو لیکن یہ حق اس وقت کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ نکاح اس وقت ہوئے تھے جبکہ چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنے کی نہی نازل نہ ہوئی تھی ایسے ہی جمع بین الاختین سے بھی نہی نہیں تھی لہٰذا وہ نکاح جو چار سے زائد عورتوں کے ساتھ اس نہی کے نازل ہونے کے بعد ہوئے وہ تو ہوئے ہی نہیں ان میں حق اختیار کیسے دیا جاسکتا ہے؟

② ابھی اختلاف کے ضمن میں اس اعتراض کا جواب بھی گزر چکا ہے۔

الشق الثانی .....**عن عبید اللّٰه عن نافع عن ابن عمر انّ غلام ابن عمر ابق الی العدوّ فظهر علیه المسلمون فردّه رسول اللّٰه الٰی ابن عمر ولم یقسم۔ قال ابو داؤد وقال غیره:ردّه علیه خالد بن الولید۔**

ماهی المذاهب الفقهیة فی مال المسلم یتغلب علیه الکفار ثم هو یجده فی غزوة؟ کیف یشرح الحدیث المذکور وفق هٰذه الاقوال المختلفة؟ هل امر العبد الآبق مختلف عند ابی حنیفةؒ ولماذا؟

0317635701 makhbarzakariyamultan@gmail.com

جواب ..... ① و ② **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۴ھ (ورقة رابعة)**

③ امام صاحبؒ کے نزدیک عبدِ آبق کے حکم میں فرق:۔ عبدِ آبق کے حکم میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عبدِ آبق مکاتب، مدبر اور ام الولد کے حکم میں ہے، اسلئے دار الحرب بھاگنے کے بعد مولا کی ملکیت ختم ہونے کی وجہ سے عبدِ آبق آزاد غلام کی طرح کسی کا مملوک نہیں بن سکتا۔ یہی قول امام احمد بن حنبلؒ سے بھی مروی ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک عبدِ آبق کا حکم عام

اموال واملاک کی طرح ہے، اسلئے ان حضرات کے نزدیک غلبہ واستیلا کے ذریعہ اہل حرب، عبد آبق کے مالک ہوں گے۔ چنانچہ جب اہلِ اسلام، دارالحرب پر حملہ کر کے اسے پکڑ کر ساتھ لائیں تو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پرانا مالک قیمت ادا کئے بغیر اسے لینے کا مجاز ہوگا۔ البتہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد اس کا استحقاق قیمت کی ادائیگی سے مشروط ہوگا۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے، المدونہ میں ہے کہ ان کے نزدیک عبد آبق اور غیر آبق دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (کشف الباری، کتاب الجہاد ۲:۵۸۷)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عن مَجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةِ الْأَنْصَارِيّ قال: وكَانَ اَحَدَ الْقُرَّاءِ الَّذِيْنَ قَرَءُ وا الْقُرْآنَ قال شَهِدْنَا الْحُدَيبيةَ مع رسولِ اللّٰهِ ﷺ فلمّا انْصَرَفْنَا عنها اِذَا النَّاسُ يَهُزُّوْنَ الْاَبَاعِرَ فَقَالَ بعضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ ما لِلنَّاسِ؟ قالوا: اُوْحِيَ اِلَى النبيّ ﷺ فَخَرَجْنَا مع النَّاسِ نُوْجِفُ فَوَجَدْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَاقِفًا عَلَى راحلتِهٖ عندَ كُرَاعِ الْغَمِيْمِ.... فَقُسِّمَتْ خَيْبَرُ عَلَى اَهْلِ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَسَّمَهَا رسولُ اللّٰهِ ﷺ لَنَا على ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وكَانَ الْجَيْشُ اَلْفًا وخَمْسَ مِأةٍ فِيْهِمْ ثَلاثُ مِأةِ فَارِسٍ فَاَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ واَعْطَى الرَّاجِلَ سَهْمًا۔ (باب فيمن اسهم له سهما)

شكل الحديث ثم ترجمه۔ اكتب اختلاف الائمة فی سهم الفارس مع الدلائل وترجيح الراجح۔ فی بعض الاحاديث ورد انّه عليه السلام قسّم غنائم خيبر علی ستة وثلاثين سهما، طبّق بين الروايتين۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ مجمع بن جاریہ انصاری سے روایت ہے (جو کہ قرآن کے قاریوں میں سے ایک قاری تھے) کہ ہم صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب ہم وہاں سے لوٹے تو لوگ اپنے اونٹ تیزی سے بھگانے لگے اس پر لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہے تو ہم بھی لوگوں کے ساتھ بھاگتے ہوئے نکلے۔ ہم نے ایک مقام کراع الغمیم کے پاس رسول اللہ ﷺ کو اپنی اونٹنی پر سوار پایا.... پھر خیبر کی جنگ میں جو مال غنیمت آیا وہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر شریک لوگوں پر تقسیم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مال کے اٹھارہ حصے کئے اور لشکر کے لوگوں کی کل تعداد پندرہ سو تھی جن میں تین سو سواروں کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔

③ فارس کے حصہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ كما مرّ في الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۲۹ھ۔

④ غنائم خیبر کی تقسیم والی روایات میں تطبیق:۔ غنائم خیبر کی تقسیم کے بارے میں اٹھارہ سہام اور چھتیس سہام پر تقسیم کرنے کی مختلف روایات ہیں لیکن ان میں کوئی تعارض والی بات نہیں ہے، اسلئے کہ جہاں اٹھارہ سہام کا ذکر ہے وہاں راوی کی مراد یہ ہے کہ نصف غنائم خیبر کو آپ نے اٹھارہ سہام پر تقسیم کیا اور اٹھارہ کا دوگنا چھتیس ہوتا ہے، لہذا حساب برابر ہو گیا۔ دراصل آپ ﷺ نے غنائم خیبر میں سے نصف ہی کو غانمین کے درمیان تقسیم فرمایا تھا اور نصف کو اپنی ضروریات اور نوائب المسلمین کیلئے رکھ دیا تھا۔

الغرض آپ ﷺ نے کل مال کے چھتیس سہام بنائے پھر اس کے بعد اس چھتیس میں سے نصف یعنی اٹھارہ کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا گیا جیسا کہ یہاں روایت میں ہے اور بقیہ اٹھارہ کو تقسیم نہیں کیا گیا۔ (الدر المنضود ۴:۴۵۳)

پس جہاں چھتیس کا ذکر ہے وہاں کل سہام کا ذکر ہے اور جہاں اٹھارہ کا ذکر ہے وہاں غانمین میں تقسیم کا ذکر ہے۔

0313 6675013 maktabaqakariyaulan@gmail.com

الشق الثانی .....عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ اِخْتِلَافٌ وفُرْقَةٌ قومٌ يُحْسِنُوْنَ الْقِيْلَ ويُسِيْئُوْنَ الْفِعْلَ ويَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهِمْ يَمْرُقُوْنَ منَ الدِّيْنَ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَايَرْجِعُوْنَ حَتّٰى يَرْتَدَّ عَلَى فُوْقِهٖ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ طُوْبٰى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وقَتَلُوْهُ يَدْعُوْنَ اِلَى كِتَابِ اللّٰهِ ولَيْسُوْا مِنْهُ فِيْ شَيْئٍ مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ اَوْلٰى بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُمْ ۔ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ نَحْوَهٗ قَالَ: سِيْمَاهُمْ

التَّحْلِيْقُ وَالتَّسْمِيْدُ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمْ فَاَنِيْمُوْهُمْ ۔ عَنْ اَبِیْ مَرْيَمَ قَالَ: اِنْ كَانَ ذٰلِكَ الْمُخْدَجُ لَمَعَنَا يَوْمَئِذٍ فِی الْمَسْجِدِ نُجَالِسُهٗ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وكَانَ فقيرًا ورَأَيْتُهٗ مَعَ الْمَسَاكِيْنِ يَشْهَدَ طَعَامَ عَلِيٍّ مَعَ النَّاسِ وقَدْ كَسَوْتُهٗ بُرْنُسًا لِیْ ۔ (باب فی قتل الخوارج)

ترجم الاحادیث بعد تشکیلھا۔ ھل یجوز لاحد منّا ان یقتل من توجد فیه ھٰذه الصفات المذکورة؟ اجب مدللا۔اکتب اسم ھٰذا المخدج وعلاماته الواردة فی الاحادیث۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ موجودہ صفات سے متصف شخص کے قتل کا حکم ④ مخدج کا نام اور احادیث میں وارد علامات۔

جواب ..... ① احادیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب میری امت میں باہمی اختلاف اور گروہ بندی ہوگی، ایک جماعت ہوگی جو گفتگو تو اچھی کرے گی اور اعمال برے کرے گی، وہ قرآن پڑھیں گے اس طرح کہ قرآن ان کی ہنسلی کی ہڈی سے نیچے نہیں اترے گا (یعنی تلاوتِ قرآن کا کوئی اثر ان پر نہ ہوگا) دین اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے وہ ایمان کی طرف نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ تیر واپس اپنی تانت پر نہ آجائے، وہ بدترین خلائق ہیں تمام مخلوقات میں بدترین ہیں، بشارت ہو اس شخص کیلئے جو انہیں قتل کرے یا ان کے ہاتھ سے قتل ہو جائے وہ اللہ کی کتاب کی طرف لوگوں کو بلائیں گے لیکن قرآن کی کوئی بات ان کے اندر نہیں پائی جائے گی جو ان سے لڑائی کرے گا وہ اللہ تعالی کا زیادہ مقرب ہوگا ان مسلمانوں میں سے۔

حضرت انسؓ حضور اکرم ﷺ سے اسی طرح روایت نقل کرتے ہیں، اس میں فرمایا کہ ان کی علامت سر منڈانا اور بالوں کو اکھیڑنا ہے، جب تم انہیں دیکھو تو انہیں قتل کردو۔

حضرت ابو مریم کہتے ہیں کہ وہ گنجا شخص ہمارے ساتھ تھا ایک روز مسجد میں اور وہ رات دن مسجد میں ہی بیٹھا رہتا تھا اور فقیر شخص تھا اور میں اسے دیکھتا تھا کہ مساکین کے ساتھ حضرت علیؓ کے کھانے پر آجاتا تھا، جب آپ لوگوں کے ساتھ کھاتے تھے اور میں نے اسے اپنا کپڑا دیا تھا۔

③ موجودہ صفات سے متصف شخص کے قتل کا حکم:۔ یہ روایات خوارج کی صفات اور ان سے قتال کے متعلق ہیں۔ یہ گروہ اگرچہ مسلمانوں میں سے ہی ہے مگر مسلمانوں کے قتل کو جائز اور ان کے اموال کو حلال قرار دیتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا اور اصل جرم امامِ وقت کے خلاف بغاوت تھا، جس کی وجہ سے حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے ان کے خلاف قتال کیا، حضرت علیؓ نے ان کے خلاف مشہور جنگ (جنگِ نہروان) لڑی اور فتح حاصل کی۔ (الدر المنضود)

پس اگر کوئی آج کل ان صفات سے متصف ہو اور امامِ وقت کے خلاف بغاوت کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

④ مخدج کا نام اور احادیث میں وارد علامات:۔ اس مخدج (لُنجا) کا نام بعض حضرات نے حرقوس ذکر کیا ہے۔ مگر کتبِ حدیث و تاریخ میں صحیح نام ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو "ذی الثدیہ" (پستان والا) کہا جاتا تھا، اس کا بازو کہنی کے پاس سے کٹا ہوا تھا، اسکے ہاتھ میں عورت کے پستان کی مثل گوشت اُبھرا ہوا تھا اور اسکے سِرے پر پستان کی مثل ایک گھنڈی تھی اور اس کے گرد بلی کی مونچھوں کی مثل چھوٹے چھوٹے بال تھے۔ ابتدائی زمانہ میں مسجد میں رہا کرتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا، انتہائی نادار و فقیر آدمی تھا، مساکین کے ساتھ حضرت علیؓ کے لنگر خانہ میں شریک ہوتا تھا۔ (الدر المنضود ٦:٥١٠)

(مزید تفصیل کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣٨ھ) (ورقة رابعة)

0313 6257913 maktabahzakariyamultan@gmail.com

﴿الورقة السادسة طحاوی ومؤطین﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عن عبد اللّٰہ بن مسعود انہ کان مع رسول اللّٰہ ﷺ لیلۃ الجن و انّ رسولَ اللّٰہ ﷺ احتاج الٰی ماء یتوّضأ بہ ولم یکن معہ الّا النبیذ فقال رسول اللّٰہ ﷺ: تمرۃ طیبۃ وماء طھور فتوضّاء بہ رسول اللّٰہ ﷺ و ان کان من طریق النظر فانّا قد رأینا الاصل المتفق علیہ انّہ لا یتوّضأ بنبیذ الزبیب ولا بالخل فکان النظر علٰی ذٰلک ان یکون نبیذ التمر ایضا کذٰلک وقد اجمع العلماء انّ نبیذ التمر اذا کان موجودا فی حال وجود الماء انّہ لا یتوّضأ بہ لٰکنہ لیس بماء فلمّا کان خارجا من حکم المیاہ فی حال وجود الماء کان کذٰلک ھو فی حال عدم الماء۔

اذکر اوصاف النبیذ الذی فیہ اختلاف الائمۃ۔ اذکر مذاھب الائمۃ الکرام بدلائلھم فی جواز التوضی بالنبیذ وعدم جوازہ۔ اشرح النظرالذی ذکرہ الامام الطحاوی فی العبارۃ المذکورۃ۔

جواب .....کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول۱۴۲۸ھ(ورقۃ خامسۃ)و فی الشق الثانی من السوال الاول۱۴۴۲ھ (ورقۃ سادسۃ) ۔

الشق الثانی.....عن رافع بن خدیج قال : کنّا نصلّی العصر مع رسول اللّٰہ ﷺ ثم ننحر الجزور فنقسمہ عشر قسم ثم نطبخ فنأکل لحما نضیجا قبل ان تغیب الشمس... ولو خلینا والنظر لکان تعجیل الصلوات کلھا فی اوائل اوقاتھا افضل...الخ ترجم الحدیث ۔ بیّن اختلاف الفقھاء فی صلاۃ العصر انّ تاخیرھا افضل ام تعجیلھا؟ حرّرہ مدللا۔ ما ھو مراد الامام الطحاوی من العبارۃ التی علیھا خط ۔

جواب ..... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت رافع بن خدیج ؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں عصر کی نماز پڑھتے تھے، پھر ہم اونٹ ذبح کر کے گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کرتے تھے اور سورج غروب ہونے سے پہلے گوشت کو پکا کر اور بھون کر کھاتے تھے۔

❷ نمازِ عصر کی تعجیل وتاخیر میں اختلاف:۔ کمامرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۹ھ(ورقۃ ثالثۃ)

❸ خط کشیدہ عبارت کی مراد:۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہم روایات کو چھوڑ کر قیاس ونظر کی طرف دیکھیں تو تمام نمازوں کو تین وجہ سے اول وقت میں ہی ادا کرنا افضل معلوم ہوتا ہے: ①سببِ وجوب کے فوراً بعد متصلاً ہی نماز پڑھنا حکمِ خداوندی کی تکمیل ہے۔ ②قیل یا رسول اللّٰہ ایّ الاعمال افضل؟ قال رسول اللّٰہ ﷺ الصلوٰۃ فی اول وقتھا ۔③ تاخیر میں غفلت و سستی پائی جاتی ہے، منافقین کے ساتھ مشابہت کا شائبہ ہے۔ مذکورہ وجوہ سے ہر نماز میں تعجیل ہی افضل ہے۔ لیکن اگر تاخیر پر دلالت کرنے والی روایات تواتر سے وارد ہوں تو پھر تاخیر اولی ہوگی۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۵۳۰)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عن نافع انّ عبد اللّٰہ بن عمر کان یغسل جواریہ رجلیہ ویعطینہ الخمرۃ وھن حیض۔ عن مالک عن ابن شھاب عن سالم بن عبد اللّٰہ عن ابیہ عبد اللّٰہ بن عمر انّہ کان یقول قبلۃ الرجل امرأتہ وجسھا بیدہ من الملامسۃ فمن قبّل امرأتہ او جسھا بیدہ فعلیہ الوضوء۔

اذکر اختلاف الفقھاء فی مسئلۃ نقض الوضوء من مس الرجل امرأتہ مدللا ۔ ارفع التعارض بین الحدیثین۔ما المراد بقولہ من الملامسۃ ۔ ما ھی بلاغات مالک وما ھی درجتھا عند العلماء ۔

جواب ..... ❶ و ❷ اختلاف ورفعِ تعارض:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول۱۴۳۲ھ(ورقۃ اولی)

0313 6965791 maktabazakariamultan@gmail.com

③ ''من الملامسۃ'' کا مفہوم:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ آیتِ تیمّم (یٰـایّھـا الـذیـن آمنوا اذا قمتم الی الصلاۃ.....او لامستم النساء) میں جو لمسِ نساء کو ناقضِ وضو قرار دیا گیا ہے اس سے مراد لمس بالید ہے یعنی مرد کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا آیت کا مصداق ہے، اس سے وضوء لازم ہو جائے گا۔

④ بلاغاتِ مالک کا مفہوم و درجہ:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ١٤٣٩ھ۔

الشق الثانی.....عن عائشۃ ام المؤمنین انّھا قالت خرجنا مع رسول اللّٰہ ﷺ فی بعض اسفارہ حتّٰی اذا کُنّا بالبیداء انقطع عقد لی فاقام رسول اللّٰہ ﷺ علی التماسہ واقام الناس معہ ولیسوا علٰی ماء ولیس معھم ماء.... فنام رسول اللّٰہ ﷺ حتّٰی اصبح علٰی غیر ماء فانزل اللّٰہ تبارک وتعالٰی آیۃ التیمم فقال اسید بن حضیر ما ھی باوّل برکتکم یا آل ابی بکر۔ مالک عن نافع انّہ اقبل ھو وعبد اللّٰہ بن عمر من الجرف حتّٰی اذا کانا بالمربد نزل عبد اللّٰہ فتیمم صعیدا طیبا فمسح وجھہ ویدیہ الٰی المرفقین ثم صلّٰی۔

اکتب اختلاف الائمۃ فی ضربات التیمم مع ادلتھم وترجیح الراجح۔ ما ھو التوجیہ المختار للروایات التی تدل علٰی انّ مسح الید یکون الی الآباط۔ فی ایّ سنۃ شرع التیمم وفی ایّ غزوۃ؟ اشرح الجملۃ التی فوقھا خط۔

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① تیمّم کی ضربات میں اختلاف مع الدلائل ② مسح الی الآباط کی روایات کی توجیہ ③ تیمّم کی مشروعیت ④ خط کشیدہ جملہ کی تشریح۔

جواب..... ① تیمّم کی ضربات میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام احمد، اسحٰق بن راہویہ اور امام بخاری وغیرہ محدثین کے نزدیک تیمم کیلئے ضربہ واحدہ ہے۔ حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک ضربتین ہیں اور مالکیہ کے یہاں دونوں روایتیں ہیں۔ امام مالک کے نزدیک ضربہ واحدہ فرض اور ثانیہ سنت ہے اور یہی ان کا راجح قول ہے۔

امام بخاریؒ نے ان دونوں مسئلوں میں حنابلہ و جمہور اہل حدیث کے مسلک کے مطابق باب قائم کئے ہیں باب التیمم للوجہ والکفین اور باب التیمم وضربہ اور پھر اسی کے مطابق روایات لائے ہیں۔ امام مسلمؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ جو روایات تعددِ ضربہ اور مسح الی المرفقین پر دال ہیں وہ غیر صحیحین اور سنن کی روایات ہیں۔ حضرت سہارن پوری نے بذل میں ان کو تفصیل کے ساتھ درج فرمایا ہے جو متعدد صحابہ سے مروی ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں یہ روایات اگرچہ قوۃ وصحت میں صحیحین کی روایات کے مثل نہیں ہیں تاہم ان کے ضعف کا انجبار تعدد طرق اور موافقتِ قیاس سے ہو رہا ہے یعنی قیاس الفرع بالاصل وہ اس طور پر کہ وضوء جو کہ تیمّم کی اصل ہے اس میں ایک ہی پانی کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہیں لہٰذا تیمّم میں بھی ایک ہی تراب کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے۔ نیز حضرت نے فرمایا کہ جن روایات میں صرف ضربہ واحدہ مذکور ہے یا مطلق ضرب ہے وہ بطریقِ مفہوم مخالف مافوق کی نفی پر دلالت کرتی ہیں اور استدلال بالمفہوم کے حنفیہ قائل نہیں لہٰذا روایاتِ دالہ علی ضربہ واحدہ کو روایاتِ مثبتہ للضربتین کے معارض نہیں کہا جاسکتا۔ (الدر المنضود ١:٢٢٣) (نوٹ: ضربہ واحدہ کے مزید دلائل مابعد والے حوالہ پر ملاحظہ فرمائیں)

② مسح الی الآباط کی روایات کی توجیہ:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ١٤٣٤ھ۔

③ تیمّم کی مشروعیت:۔ جس طرح افکِ عائشہ صدیقہؓ کے قصہ کی بناء ہار کا گم ہونا ہے اسی طرح مشروعیتِ تیمم کا سبب بھی یہی ہار کا گم ہونا ہے۔ ایک کا واقعہ بالاتفاق غزوۂ مریسیع میں پیش آیا جس کو غزوہ بنو المصطلق بھی کہتے ہیں اور ایک بڑی جماعت جن میں ابن عبدالبر، ابن سعد، ابن حبان بھی ہیں ان کے نزدیک آیتِ تیمّم کا نزول بھی اسی غزوہ میں ہوا۔ دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ قصۂ افک پیش آنے کے بعد ایک دوسرے سفر میں دوبارہ ہار گم ہوا اور اس پر آیتِ تیمّم کا نزول ہوا، چنانچہ طبرانی کی روایت سے

0313 6357913 maktabanakariyamultan.com

معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ واقعہ افک پیش آنے کے بعد میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک دوسرے غزوہ میں شریک ہوئی اس میں تیمّم کا نزول ہوا، لیکن اس روایت میں اس سفر کا نام مذکور نہیں ہے۔ حافظ ابن القیم اور حافظ ابن حجر کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ حافظ نے بعض علماء سے آیتِ تیمّم کا نزول غزوۂ ذات الرقاع میں نقل کیا ہے، ہوسکتا ہے وہ دوسرا غزوہ یہی ہو جس کو حضرت عائشہؓ فرمارہی ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ذات الرقاع مقدم ہے یا بنوالمطلق، قسطلانی فرماتے ہیں آیت تیمّم کا نزول ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا اور تاریخ خمیس میں ۵ھ لکھا ہے اور ابن الجوزی نے تلقیح میں ۴ھ لکھا ہے۔ (الدر المنضود ۱:۴۲۲)

۴ خط کشیدہ جملہ کی تشریح:۔ اسید بن حضیرؓ حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں کہ اے خاندانِ ابوبکر وآلِ ابوبکر! تمہارا اہلِ اسلام کیلئے باعثِ برکت ہونے کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی تمہاری برکات وقوع پذیر ہوچکی ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں اسید بن حضیرؓ فرماتے ہیں کہ جب بھی آلِ ابوبکر کو کوئی ناگوار بات پیش آئی تو اس میں اللہ تعالی نے ابوبکر کے گھرانے کی بدولت خود ان کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے راحت وسہولت کا سامان مہیا فرمایا۔ شراح نے لکھا ہے کہ اس سے واقعۂ افک کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے اسلئے کہ اس کا بھی امرِ مکروہ ہونا ظاہر ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ واقعۂ افک واقعۂ نزولِ تیمّم پر مقدم ہے۔ (ایضا)

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

الشق الاوّل .....عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِیْ بَكْرِبْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِیْهِاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ حِیْنَ بَنٰی بِاُمِّ سَلَمَةَ قَالَ لَهَا حِیْنَ اَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ لَیْسَ بِكِ عَلٰی اَهْلِكِ هَوَانٌ اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ وَاِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ وَدُرْتُ قَالَتْ ثَلِّثْ.

شكّل الحديث المبارك وترجمه. بيّن مسئلة القسم بين النساء والفرق بين البكر والثيب. وهل القسم كان واجبًا على النبی ﷺ.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ متعدد ازواج کے درمیان وقت کی تقسیم میں اختلاف ④ آپ ﷺ پر وقت کی تقسیم کے حکم کی وضاحت۔

جواب ..... ① حدیث پر اعراب:۔ **كمامرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پاس رات گزاری تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنے اہل پر ذلت والی نہیں اگر تو چاہے تو میں تیرے پاس سات دن رہتا ہوں اور میں تمام کے ساتھ سات سات دن رہوں گا، اگر تو چاہے تو تین دن تیرے پاس رہتا ہوں اور میں دورہ کرونگا؟ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تین دن رہیے۔

③ متعدد ازواج کے درمیان وقت کی تقسیم میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ وامام حماد وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ دوسرا نکاح کرنیوالا نئی بیوی کے پاس باکرہ کی صورت میں سات دن اور ثیبہ کی صورت میں تین دن ٹھہر سکتا ہے اور یہ دن تقسیم وباری میں سے شمار ہونگے۔

ائمہ ثلاثہ، امام اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ایام تقسیم وباری سے خارج ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہ نصوص ہیں جن میں تقسیم وبرابری کو فرض قرار دیا گیا ہے مثلاً **فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم نيز لن تستطيعوا ان تعدلوا بين النساء و لو حرصتم فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة** نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے **اذا كان عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة و شقه ساقط** ان نصوص میں بیویوں کے درمیان عدل کو لازم کیا گیا ہے اور ان میں ابتدائی وانتہائی ایام کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ (درس ترمذی ۳:۴۲۶)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ وغیرہ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**من السنة اذا تزوج الرجل البكر على الثيب اقام**

عندها سبعا و قسّم واذا تزوج الثيب على البكر اقام عندها ثلاثا ثم قسّم (بخاری)۔

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ تقسیم میں عدل ہر حال میں واجب ہے لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ باری کا طریقہ بدل جائے گا، ایک دن کے بجائے باکرہ کیلئے سات دن اور ثیبہ کیلئے تین دن کی باری مقرر کی جائے گی۔

اس مطلب کی تائید حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث السوال سے بھی ہوتی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تین دن گزارنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم اپنے شوہر کو ناپسند نہیں ہوا گر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن بھی ٹھہر سکتا ہوں اور اگر میں تمہارے پاس سات دن ٹھہرا تو دوسری ازواج کے پاس بھی سات دن ٹھہروں گا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ایام نئی زوجہ کا زائد حق نہیں ہیں بلکہ حدیث میں باری کا طریقہ تبدیل ہونے کا ذکر ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۳:۵۷۴)

❹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وقت کی تقسیم کے حکم کی وضاحت:۔ عندالبعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر باری واجب تھی اور دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔

احناف کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا **لقوله تعالٰی ترجی من تشاء منهن وتؤوی اليك من تشاء** لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کی طیبِ خاطر کیلئے بطورِ احسان وکرم باری کو مقرر کرلیا تھا مگر اسکے باوجود قلبی میلان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف زیادہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے **اللهم هٰذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك** اس سے معلوم ہوا کہ محبت ومودت میں برابری ضروری نہیں کیونکہ محبت غیر اختیاری چیز ہے۔ نیز یہ باری صرف حالتِ اقامت میں واجب تھی وہ بھی صرف رات میں اور باری میں دن رات کے تابع ہوتا ہے نیز امت کی تعلیم کیلئے باری مقرر فرماتے تھے۔ (خیر التوضیح ۴:۱۲۰)

(تمّت بالخير و بك نستعين)

(وصلّى الله على النّبيّ الامّيّ)

مکتبہ زکریا ملتان ◎ پاکستان
0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**